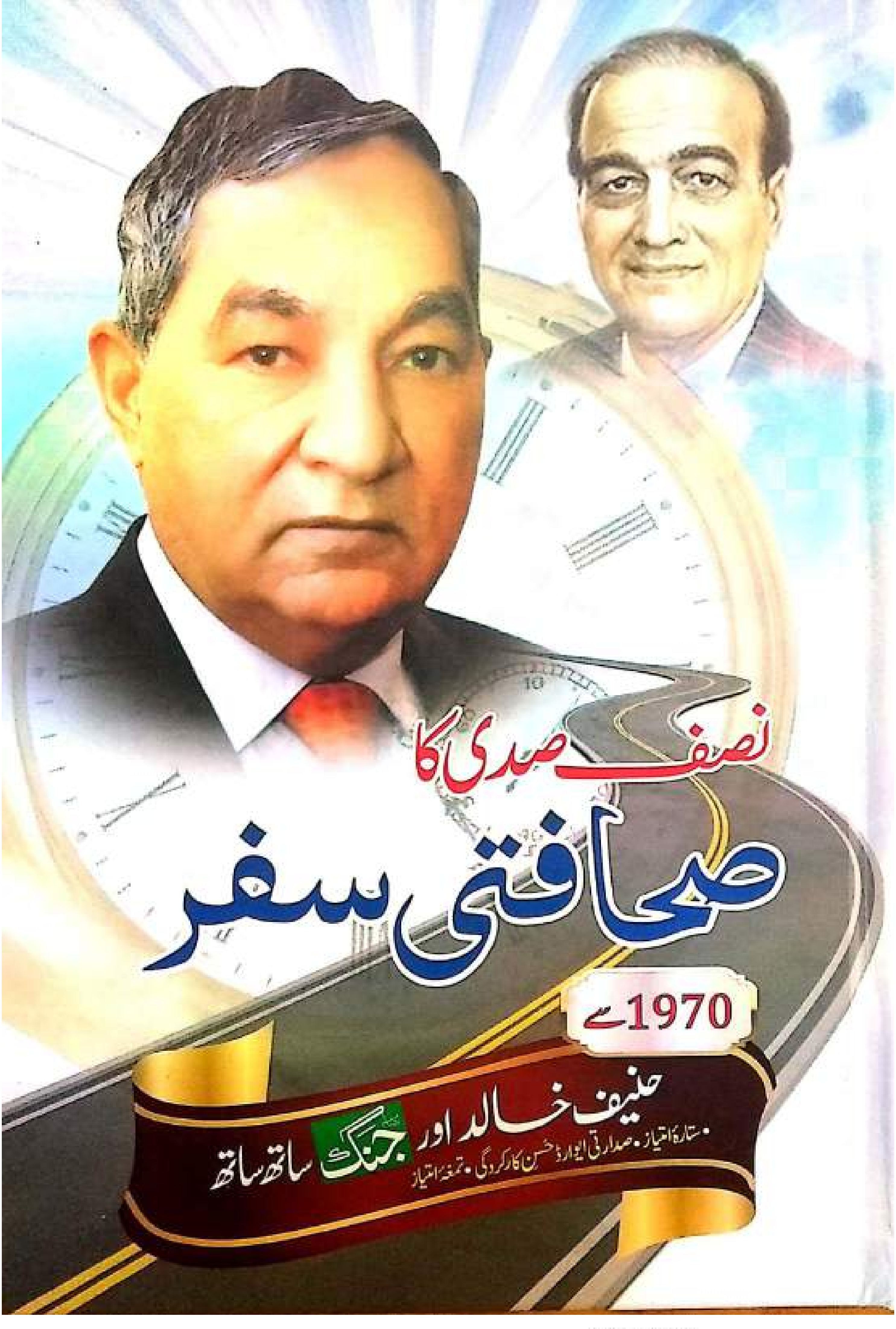

Scanned with CamScanner

سندِ افتخار

جنگ گروپ کے بانی ایڈیٹر انچیف میر خلیل الرحمن صاحب نے ایک اجلاس میں میری موجودگی میں کہا ''حنیف خالد لانگ ہینڈ کے بہترین صحافی ہیں'' اپنے اس قول کی انہوں نے یہ صراحت کی کہ حنیف خالد کو انگریزی کی تقریر ہو یا اردو کی پریس کانفرنس' انہیں ساتھ ساتھ لفظ بلفظ لکھنے کا ملکہ حاصل ہے۔ یہ صرف حنیف خالد کا ہی اعزاز ہے۔

میر جاوید رحمان

چیئرمین جنگ گروپ آف نیوز پیپرز

Scanned with CamScanner

بسم الله الرحمن الرحيم

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۝
إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

Scanned with CamScanner

نصف صدی کا

صحافتی سفر

1969ء سے

حنیف خالد اور جنگ ساتھ ساتھ

تشکیل و تکمیل فن میں حفیظ جو اپنا حصہ ہے
دو چار برس کی بات نہیں یہ نصف صدی کا قصہ ہے

Scanned with CamScanner

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب:	نصف صدی کا صحافتی سفر
	1969ء سے حنیف خالد اور جنگ ساتھ ساتھ
مصنف:	حنیف خالد
ترتیب وتدوین ونظر ثانی:	عباس عالم / پروفیسر نعیم قاسم
سرورق:	محمد مجید
معاونین:	عبدالجبار فیصل / افضال احمد ملک / محمد ندیم خان
تعداد کتب:	5000
اشاعت:	مارچ 2018ء
ناشر:	ٹوپیکل پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت:	1000 روپے

Scanned with CamScanner

انتساب

غریب الدّیار مسافرانِ ہجرت اماں اور ابا
کے نام۔۔۔جن کی بے پایاں شفقت، محنت
اور تربیت نے زندگی بھر سر اٹھا کر جینے
کا عزم اور حوصلہ بخشا

جو ہم پہ گزری سو گزری مگر اے شبِ ہجراں
ہمارے اشک تیری عاقبت سنوار چلے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

حسن ترتیب

1	تمہید	13
2	پیش لفظ	15
3	دیباچہ	17
4	عرض مصنف	19

حصہ اول

	گزارش احوال من	28
i	پر آشوب سفر ہجرت	
ii	راہ عشق کے مسافر! یہ عشق بھی کیا جذبہ ہے	
iii	منزل مراد	
iv	جنت گم گشتہ	
v	عذاب حیات	
vi	زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے	
vii	تعلیمی سلسلہ کار	
viii	یاد ماضی	
ix	پاکستان..........جمہوریت پر کیا بیتی	
ix-a	پاکستان کے بہترین اور بدترین عام انتخابات	
x	ایوب خان کا مارشل لاء	
xi	پنجاب یونیورسٹی میں گزرے ایام	
xii	جنگ میں ملازمت کا آغاز	
xiii	گھر کی تعمیر	
xiv	تیری لحد میں کھلیں جاوداں گلاب کے پھول	

حصہ دوم

صحافتی زندگی کے مختلف ادوار

1	پہلا دور صحافت 1969-1980ء	66
2	دوسرا دور صحافت 1980-1990ء	75
3	تیسرا دور صحافت 1990-2000ء	80
4	چوتھا دور صحافت 2000-2018ء	84
5	حکومت پاکستان کی طرف سے صحافتی خدمات کے اعتراف میں ملنے والے اعزاز ستارہ امتیاز کا عکس	

Scanned with CamScanner

حصہ سوم

اہم مضامین / رپورٹس / کالم

1	ڈان لیکس کا ڈراپ سین	94
2	پانامہ کیس، سپریم کورٹ کا متفق فیصلہ	97
3	کوئی بھی قومی منتخب وزیر اعظم آئینی مدت پوری نہ کر سکا	101
4	وزیر اعظم نواز شریف کی "اقامہ" پر نا اہلی	106
5	عوامی رہنما ــــــ ذوالفقار علی بھٹو	109
6	بھٹو کی پھانسی	112
7	صدر ضیاء الحق اور 28 سٹار جنرل حادثے میں شہید	115
8	منتخب جمہوری حکومت کا تختہ الٹنے کی اندرونی کہانی (12 اکتوبر 1999ء)	130
9	سابق وزیر اعظم نواز شریف کی کہانی ان کی اپنی زبانی	136
10	11 مئی 2013ء کے عام انتخابات...... بڑے بڑے برج الٹ گئے	142
11	پی پی حکومت کے پانچ سال...... کیا کھویا کیا پایا؟	147
12	حج سکینڈل 2010ء	154
13	چین میں ورلڈ اکنامک فورم کا اجلاس	159
14	پاک چین دوستی نئی بلندیوں پر	169
15	چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک منصوبہ)	172
16	دبئی ورلڈ کا انقلابی فیصلہ	181
17	اکتوبر 2017ء...... قومی معیشت کا احوال	190
18	ایوب خان سے جنرل قمر جاوید باجوہ تک	195
19	جنرل راحیل خوش آمدید...... جنرل کیانی الوداع	198
20	جنرل قمر جاوید باجوہ	204
21	ایئر چیف مارشل سہیل امان کا انٹرویو	206
22	ترک صدر عبداللہ گل...... ویلکم ٹو پاکستان	209
23	ملک ریاض حسین...... قابل تقلید مثال	213
24	ظلم کے خلاف ڈٹ جانے کا نام کربلا	228
25	سقوط ڈھاکہ...... عبدالقادر ملا کا عدالتی قتل	231
26	اسامہ کی ہلاکت یا الیکشن جیتنے کا ڈرامہ...... حقیقت کیا ہے؟	237

Scanned with CamScanner

27	تھر کول پاور پراجیکٹس......توانائی کے حصول کا منصوبہ سازش کا شکار	241
28	28 مئی یوم تکبیر......ایٹمی اثاثے، قومی خود مختاری وسالمیت کے ضامن	247
29	چنیوٹ......پاکستان کا کارپٹی	253

حصہ چہارم
اہم صحافتی سکوپس (کوریج)
نووارد گان صحافت کیلئے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خبر نگاری کا مثالی اسلوب

1	سپریم کورٹ میں محمد خان جونیجو حکومت کی برطرفی کے خلاف رٹ پٹیشن کی سماعت کی روداد	258
2	سپریم کورٹ کے اجلاس کی خاص خاص باتیں	267
3	قومی اسمبلی کے انتخابات 16 نومبر اور صوبائی اسمبلیوں کے 19 نومبر کو ہونگے، اٹارنی جنرل	268
4	اسمبلیاں بحال نہیں ہونگی سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کا فیصلہ برقرار رکھا	280
5	جھلکیاں	287
6	1988ء......سپریم کورٹ کا جماعتی انتخاب کے حق میں فیصلہ	288
7	نواز شریف کی 8 اپریل 1993 کی تاریخی تقریر	292
8	سپریم کورٹ میں اپریل 1993ء کے صدارتی اقدامات کے خلاف آئینی درخواستوں کی سماعت	297
9	قومی اسمبلی کی تحلیل۔صدر کے آئینی اختیارات سے تجاوز تھا؟ (9 مئی 1993ء)	306
10	نواز شریف کا قومی اسمبلی توڑنے کے اقدام کو چیلنج۔۔۔عدالت عظمیٰ میں سابق وزیر اعظم کی آئینی پٹیشن پر بحث	312
11	آل پاکستان لیگل ڈی سیزنز PLD	404
12	جھلکیاں	412
13	سپریم کورٹ میں اپیل کی سماعت	423
14	سپریم کورٹ کا فیصلہ۔۔۔۔ 26 مئی قومی اسمبلی۔وزیر اعظم نواز شریف اور کابینہ کی بحالی	445
15	قومی اسمبلی، وزیر اعظم اور کابینہ کی معطلی بدنیتی پر مبنی ہے	451
16	صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی زندگی کا آخری انٹرویو	466
17	نسٹ میں سلنٹ کی تیاری	472

حصہ پنجم

خراج تحسین/تاثرات	475

حصہ ششم

یادگار تصویریں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

تمہید

ملک کے معروف سینئر صحافی حنیف خالد کی طویل صحافتی زندگی کا احاطہ چند سو اوراق میں کرنا بے حد مشکل کام ہے۔ تاہم کوشش کی گئی ہے کہ روزنامہ جنگ میں ان کی لکھی ہوئی چیدہ چیدہ تحریروں کو کتاب میں شامل کرلیا جائے۔ ان تحریروں کے مطالعہ سے قارئین کو نہ صرف پاکستان کے تاریخی پس منظر میں اس کے سیاسی، سماجی، معاشی اور بین الاقوامی حالات سے کما حقہ آگاہی حاصل ہوگی بلکہ انہیں ہر عہد کے حکمرانوں، بیوروکریسی اور سیاستدانوں کی منافقت، کرپشن اور نااہلی سے بھی واقفیت حاصل ہوگی۔ حنیف خالد صاحب کی نصف صدی پر محیط داستان صحافت کے پہلے حصے میں ان کی جدوجہد زندگی کا مختصر احوال بیان کیا گیا ہے دوسرے حصے میں مختصراً انہوں نے 1969ء سے لے کر اب تک کے سیاسی حالات کا تجزیہ پیش کیا ہے اور تیسرے حصے میں ان کے مختلف موضوعات پر لکھے گئے اہم مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ تمام مضامین، رپورٹس اور مختلف کالم معاشیات، سیاسیات، حالات حاضرہ اور بین الاقوامی امور کے متعلق ہیں۔ ان کے بے لاگ تجزیے، غیر جانبدارانہ رپورٹنگ اور مسائل کی درست سمت میں نشاندہی اور ان کا حل پڑھنے والوں کو مبہوت کر کے رکھ دیتا ہے جبکہ کتاب کے چوتھے اہم حصے میں دو سابق وزرائے اعظم محمد خان جونیجو اور میاں نواز شریف کی حکومتوں کی برطرفی کے خلاف سپریم کورٹ میں دائر اپیلوں کی سماعت کی مکمل روداد بیان کی گئی ہے۔ یہ دونوں رپورٹس آج کی نئی نسل کے صحافیوں اور رپورٹرز کے لیے مشعل راہ ہیں کہ کس طرح حنیف خالد صاحب کی حاضر دماغی، ذہانت، یکسوئی اور عرق ریزی سے عوام تک سپریم کورٹ میں مقدمے کی سماعت کی روداد جنگ اخبار کے ذریعے حرف بحرف پہنچتی تھی۔ حنیف خالد کی داستان صحافت ہماری صحافت کی تاریخ کا اہم اثاثہ ہے اور خصوصاً وہ نوجوان جو صحافت کو اپنا کیریئر بنانا چاہتے ہیں وہ اس کے مطالعہ سے گوناں گوں فوائد سمیٹ سکتے ہیں۔

پبلشر

Scanned with CamScanner

Quotable Quote

"Whenever there is celabrated talent and achievment, there is negative criticism and jealousy too when you are successful, Any thing you do is viewed through tinted eyes."

Scanned with CamScanner

پیش لفظ

حنیف خالد دشت صحافت میں راہ حق کا منفرد مسافر ہے۔ وہ اپنی ذات میں منفرد اور یکتا اس لیے نہیں کہ وہ کسی بڑی صحافتی تنظیم کا عہدیدار ہے یا اس نے صحافت اور سیاست کی شرابوں کو یکجا کر کے نشے کو دو آتشہ کرتے ہوئے اپنے لیے ذاتی مفادات کے بلند و بالا مینار کھڑے کر لیے ہیں۔ وہ تو سب سے الگ اس لیے ہے کہ وہ طویل مدت سے ''ادارہ جنگ'' کے ساتھ وفا کی ڈوری سے بندھا ہوا ہے۔ وہ مقصد سے لگن اور صحافت سے عشق کی خاطر اپنے خون جگر کو صبر و شکر کی دھیمی آگ کی لو پر سینچتا رہتا ہے۔ وہ خارزار صحافت میں نخلستان کی تلاش میں اُمید و رجا، کے چراغ جلائے مسلسل آبلہ پا صحرا نوردی کر رہا ہے۔ وہ عجب انسان ہے جس نے کبھی بھی اپنے لیے کوئی خواب آنکھوں میں نہیں سمایا...... شب زندہ دار کیسے خواب دیکھ سکتا ہے کیونکہ سیاہ شب کے مخمور حسن نے کبھی اس کی آنکھوں میں نیند کے ڈورے اتارے ہی نہیں۔ اس نے زندگی میں صحافت کی ریاضت میں صرف یہی جانا ہے۔

ہوتی ہے خون جگر سے معجزہ فن کی نمود

حنیف خالد کی شخصیت میں عجز و انکساری رچی ہوئی ہے۔ وہ سادہ منش اور کم گو انسان ہیں وہ ادھورے سچ کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ مکمل سچ لکھاری کے اچھے کردار کے آئینے میں ہی جلوہ گر ہوتا ہے۔ ان کی تحریر، سادگی، برجستگی اور حقیقت پسندی کا شاہکار ہوتی ہے۔ وہ معاشیات، سیاسیات، قومی اور بین الاقوامی امور پر بھرپور دلائل سے مضامین تحریر کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ آج کے مادی دور میں کوئی مجھ سے حنیف خالد کی ذات کو بیان کرنے کے لیے کہے تو میں غلام محمد قاصر کی شاعری میں کہوں گا۔

کون غلام محمد قاصر، بے چارے سے کرتا بات
یہ چالاکوں کی بستی تھی اور حضرت شرمیلے تھے
ہے شوق سفر ایسا، اک عمر سے یاروں نے
منزل بھی نہیں پائی، رستہ بھی نہیں بدلا

حنیف خالد اپنے فن صحافت کی جس منزل کو بھی چھو لے گا۔ اس کی روح تشنہ ہی رہے گی اور وہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں صحافتی دنیا میں ہر مشکل اور کٹھن منزل کو ہی اپنی زندگی کا مطمع نظر بنائے رکھے گا۔ وہ فرہاد کی طرح تیشہ اٹھائے سنگ وخشت کی چٹانوں سے سر ٹکرانے کو ہی صحافتی زندگی کی حقیقت مانتا ہے۔ چنانچہ میں کہوں گا کہ کوہ کن کی بجائے زندگانی کی حقیقت حنیف خالد سے پوچھ۔

حنیف خالد کی نصف صدی پر محیط داستان صحافت ایک انسان کی جہد مسلسل کی کہانی ہے جو زندگی میں سخت حالات کے جبر مسلسل میں کندن بن کر ابھرتا رہا۔ خدا اس کی ریاضت، محنت، ایثار اور قربانی کو تسلیم کرتے ہوئے اسے اس جہان فانی میں عزت اور مرتبے کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیتا ہے۔ حکمران ہوں، فوجی جرنیل، بیوروکریٹس یا ٹیکنوکریٹس بھی مانتے ہیں کہ حنیف خالد صحافت کی دنیا میں ایک معتبر نام ہے۔ وہ ملک و قوم کے لیے اپنا تن من دھن سبھی کچھ نچھاور کرنے کے لیے ہر دم تیار رہتا ہے۔ اس کی زندگی کے دو ہی عشق ہیں۔ اول خاندان، دوم ''جنگ''۔ یہ دونوں عشق اس نے بھرپور یکسوئی اور اقرار کے ساتھ نبھائے ہیں۔ وہ ان کی خاطر کسی بھی طعنے اور دشنام کی پروا نہیں کرتا ہے۔

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوک دشنام
چھوٹی نہیں، اپنوں سے کوئی طرز ملامت
اس عشق، نہ اس عشق پہ نادم ہے مگر دل
ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغ ندامت

Scanned with CamScanner

حنیف خالد کے صحافتی سکوپس کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے وہ پاکستان کے اقتدار کے ایوانوں میں جنم لینے والی کہانیوں کا عینی شاہد ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی، ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی، نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کی سیاسی زندگیوں کے نشیب و فراز، ضیاء الحق کی المناک موت، پرویز مشرف کا اقتدار پر قبضہ اور پاکستان کے ایٹمی دھماکوں جیسے سیکڑوں موضوعات پر وہ جس طرح اپنی تحریر کو نوک قلم کے ذریعے پڑھنے والوں کے دل و دماغ پر منتقل کرتے ہیں۔ اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ شاید ہی پاکستان کی تاریخ میں ایسا عمیق مشاہدہ رکھنے والا صحافی اتنے طویل صحافتی کیریئر کے ساتھ جلوہ گر نظر آئے۔ جب ہم ان کی کتاب کے حصہ اول میں ان کی پر کٹھن حیات زیست کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس بات پر حیرانی ہوتی ہے کہ ماضی کی تلخ زندگی کا ان کی حال کی زندگی پر کوئی منفی اثر نظر نہیں آتا ہے۔ وہ خوش لباس، شائستہ اطوار اور حس مزاح سے بھرپور شخصیت نظر آتے ہیں۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ان کی زندگی میں شاید کوئی دکھ اور غم نہیں ہے مگر پرسکون سمندر کی لہروں تلے کئی مدوجزر چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔

مصحفی ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ہو گا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

حنیف خالد جنگ کے صحافتی افق پر چمکتا ہوا ستارہ ہیں۔ وہ جدید دنیا میں عمدہ سوٹ بوٹ میں ملبوس مست ملنگ صحافی ہیں۔ وہ جس قدر بڑے صحافی ہیں اس قدر بڑے انسان بھی ہیں۔ وہ اپنے اردگرد کے لوگوں کی چپکے سے مدد کرنے کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی دعاؤں کے طفیل جتنی ان کی صحافت کی عمر ہے اتنے ہی کے وہ حقیقت میں دکھائی دیتے ہیں۔ میرا ان سے تعارف اس وقت ہوا جب ٹی وی پر کسی بھی اعلیٰ شخصیت کی پریس کانفرنس کا آغاز ہوا تو ملک کا صدر، وزیراعظم، آرمی چیف یا کوئی بھی مقتدر شخصیت ہو وہ نام لے کر سب سے پہلے حنیف خالد کو سوال کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ شاید آج صحافتی دنیا میں سینئر اور جونیئرز کے حفظ و مراتب کا خیال نہ رکھا جاتا ہو مگر نوے کی دہائی تک ایسا ہی تھا۔ میں جب بھی ان سے پوچھتا ہوں کہ وہ کب تک اس شعبے سے منسلک رہیں گے تو ان کا کہنا ہے کہ جب تک زندگی کی آخری سانس باقی ہے۔ کیوں مجھے تو کوئی اور کام ہی نہیں آتا۔

حنیف خالد کا قلم ہمیشہ پاکستان، اسلام، جمہوریت اور دفاع پاکستان کے لیے اپنے خون دل سے لہو کے رنگ بکھیرتا رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ زندگی کے شام و سحر میں بھی وہ اپنی صحافت کو داغدار ہونے سے محفوظ رکھیں گے کیونکہ وہ فیض احمد فیض کے ان اشعار کی سچی تصویر ہیں۔

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
اک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

پروفیسر نعیم قاسم
سینئر کالم نویس، ماہر تعلیم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

دیباچہ

جنگ جیسا کثیر الاشاعت روزنامہ برادرم حنیف خالد کے لیے اور حنیف خالد ادارہ جنگ کے لیے عطیہ خداوندی ہیں' ایک دوسرے کے لیے جسم اور روح کی مانند لازم وملزوم۔ کسی دانشور کا قول ہے اور وہ دانشور میں بھی ہوسکتا ہوں کہ محترم میر خلیل الرحمان نے جنگ کی صورت میں ایک ایسا پر تعیش قید خانہ تعمیر کیا جس میں داخل ہونے کے سینکڑوں دروازے ہیں مگر اخراج کا کوئی در نہیں ہے' جس نے بھی طالع آزمائی کرکے کوئی دراڑ ڈالی وہ بے نام ہوگیا۔ واپسی کی آرزو کی تو کہیں راستہ نہ پالیا۔ بہت سے ہمارے سینئر ساتھی اور مہربان اس زعم میں کہ جنگ کی وسعت پذیری میں ان کا حصہ بھی ہے اور مقابل آئیں تو قارئین کو ''پکار'' بھی سکتے ہیں اور اپنا حلقہ بھی بنا سکتے ہیں مگر یہ آرزو ناتمام ہی رہی۔ اسکی واضح مثال میر جمیل الرحمان مرحوم تھے جن کی رگوں میں اسی باپ کا خون تھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے میر خلیل الرحمان کو حیات بخشی' ہر چند کہ میر جمیل الرحمان کی پشت پر وقت کے بہت بڑے صنعت کار اور سرمایہ دار خاندان کی دولت بھی تھی مگر چند برس میں ان کا یہ خیال باطل ہوگیا کہ محض سرمایہ کے بل پر جنگ کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور جس طرح رائی جیسی صلاحیت جنگ میں شملہ پہاڑ بن سکتی ہے تو جنگ سے جدا یہ عقل علم واہلیت کیوں بروئے کار نہیں آسکتی' مگر عمل کے میدان میں یہ زعم باطل ہوا۔ ہر چند کہ ابتداء میں اخبار کے اجراء کے لیے سرمایہ ضروری مگر سرمایہ کی بنیاد پر زیادہ دیر اس عمل کو جاری رکھنا ممکن نہیں۔ مگر میر خلیل الرحمان مقدر کی وہ روشن مشعل لیکر اس میدان میں اترے پھر اس کے بطن سے اردو انگریزی روزناموں ہفت روزوں نے جنم لیا۔ اس شعبے میں عزت واحترام انکے گھر کی لونڈی ہے جسے قابل انتقال اور ناقابل انتقال وسائل سب کچھ حاصل ہوا' مگر جنگ کے اجراء میں سرمایہ سے بڑھ کر میر خلیل الرحمان کی کاوش اور مقدر کا دخل ہے۔ وہ دہلی سے دو صفحے کا جنگ لیکر کراچی آئے تھے' اپنی محنت لگن اللہ پر کامل بھروسہ انہیں اس مقام پر لے آیا جہاں انکے حریف تو بہت ہیں مد مقابل ایک بھی نہیں۔ سینکڑوں نام ہیں جنہوں نے شعبہ صحافت میں نام کمایا' بہت سے حریف سخن حریف دشنام بھی بنے مگر میر خلیل الرحمان اور ان کا جنگ ایک منفرد چیز ہے۔ جنگ کی بات جہاں سے شروع کی جائے اس کا آغاز اور اختتام میر خلیل الرحمان کے نام پر ہی ہوگا۔

حنیف خالد لاکھوں ہزاروں کارکنوں میں ایک منفرد نام ہے' اسکی ایک خوبی تو یہی ہے کہ وہ میر خلیل الرحمان کا چہیتا تھا اور اب میر جاوید رحمان اور میر شکیل الرحمان بھی اُسے سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ

ہم وفا کے اسی موڑ پر چاک داماں کھڑے ہیں کہ جب
اپنے احباب گزریں ادھر سے ذرا مجھے دیکھ لیں

دوسری خوبی حنیف خالد کی یہ ہے کہ وہ میر خلیل الرحمان کا قول وعمل کا سچا پیروکار ہے۔ اس کارخانہ عمل میں ان کے نقوش قدم پر پاؤں دھرتا آگے بڑھ رہا ہے اور کامیاب بھی ہے میر صاحب کا قول تھا کہ '' گاجر ہضم نہیں ہوسکتی تو کھائی کیوں جائے'' سو حنیف خالد بھی بدہضمی کے ڈر سے گاجر مولی کھانے سے پرہیز کرتا ہے بس وہ لکھتا اور بولتا ہے جس میں حال محفوظ رہے خطرات دور رہیں کوئی پرسش نہ ہو' کسی بڑے چھوٹے کی ناراضگی مول لینا اسے گوارا نہیں مگر بندہ بشر ہے بھول چوک ہوجاتی ہے سو پہلی اور اب تک آخری خطا یہ سرزد ہوئی کہ جنرل ضیاء الحق کے طیارے کے حادثے کے بعض مبینہ ذمہ داروں کے نام ایک خبر میں افشا کر بیٹھا' یہ جرات رندانہ طبع مقتدر پر گراں گزری اور حنیف خالد بلاوارنٹ اسیر ہوئے' جیل خانے کی بجائے فائیو سٹار ہوٹل میں رکھے گئے۔ اب حنیف خالد کا کہنا یہ ہے کہ اس خبر کا ذریعہ خود میر خلیل الرحمان تھے اور یہ بات اسی غلط بھی نہیں لگتی کہ خبر کی اشاعت کے بعد جو دشوار ترین لمحات انکی زندگی میں آئے' ان سے نجات کے بعد جنگ کی سیڑھیاں چڑھنا ممکن نہ تھا'

Scanned with CamScanner

اگر میر صاحب کی مرضی شامل اشاعت نہ ہوتی۔ اسی وقت حنیف خالد کا کہنا یہ تھا کہ گرفتاریوں کا علم انہیں ٹیلی فون پر کراس ٹاک کے ذریعہ ہوا۔ اس وقت ہمارا یہ صوت الشیطان (فون) والا نظام ایسے ہی مراحل میں تھا' آپ نمبر کسی کا ملا رہے ہیں درمیان میں دو دوسرے حضرات کی بات آپ سن رہے ہیں اور ان اجنبی حضرات تک آپ کی گفتگو پہنچ رہی ہے۔

حنیف خالد مکمل صلح جو انسان ہیں۔ لڑنا بھڑنا' تکرار کرنا انکے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا' وہ دوستوں کی ناگوار بات، طنزیہ جملے بڑے حوصلے سے برداشت کرتے ہیں' مسکراتے ہیں اور اچھا کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں' گھر میں بھی صلح صفائی کا یہ عالم ہے' کہتے ہیں گھر کی مالک تو گھر والی ہے۔ قصہ کچھ یوں ہوا کہ میجر جنرل مجیب الرحمان مرحوم وفاقی سیکرٹری اطلاعات ونشریات کو ترقی ملی اور وہ لیفٹیننٹ جنرل بنائے گئے تو وفاقی سیکرٹری اطلاعات کے طور پر انہوں نے اپنے گھر میں رپورٹروں کی دعوت کا اہتمام کیا۔ حنیف خالد اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ شریک طعام ہوئے اور ساتھیوں سے اہلیہ محترمہ کا تعارف کرایا۔ مجھے شرارت سوجھی تو میں نے کہا کہ اچھا یہ ہیں آپ کی اہلیہ مگر کل تو سیروز سینما میں ایک اور خاتون تھی جنہیں آپ اہلیہ کے طور پر متعارف کرا رہے تھے'' دسیوں اخبار نویسوں کی موجودگی میں تو بات آئی گئی ہو گئی مگر رات گئے حنیف خالد غریب خانے پر تشریف لائے اور بڑی معصومیت کے ساتھ گویا ہوئے یار تم نے غضب کر دیا نیچے میری اہلیہ کھڑی ہیں انہیں بتا دو کہ تم نے مزاح کیا تھا۔ میری تو طبیعت ٹھکانے آگئی پورے ادب واحترام سے بھابھی محترمہ کو گھر میں لایا ہاتھ باندھ کر گزارش کی کہ ایسی چھیڑ چھاڑ تو دوستوں میں چلتی رہتی ہے آپ بلاوجہ دل پر لے گئیں۔ یہ تو ایسا سیدھا اور شریف آدمی ہے یقین ہے کہ آپ کا ہاتھ پکڑنے کا آرزومند ہو تو دس دفعہ اجازت طلب کرے گا بھابھی خوش بھی ہوئیں اور رات گئے زحمت کی معذرت کے ساتھ رخصت ہوئیں۔ رپورٹر سے ریذیڈنٹ ایڈیٹر تک مزاج کی یہی شائستگی انہیں لے کر آئی ہے اب شنید ہے کہ حنیف خالد نے نصف صدی کے اپنے طویل صحافتی سفر کی روداد لکھی ہے یقیناً دلچسپ بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔ یہ صحافت کے میدان کے نو واردگان کے لیے مشعل راہ ہے جس طرح مئی 1993 میں میاں نواز شریف کے سپریم کورٹ میں کیس کی سماعت کی روداد حنیف خالد نے مکالموں کی شکل میں دو سو سے زائد صفحات پر محیط کتاب میں شامل کی ہے میری زندگی میں آج تک ایسا کوئی صحافی نہیں آیا جس نے سپریم کورٹ کے جونیجو کیس، نواز شریف کیس سمیت اہم آئینی وقانونی مقدمات میں اس قدر تفصیلی رپورٹنگ مکالموں کے انداز میں کی ہے۔ حنیف خالد اور ان کے نصف صدی کے صحافتی سفر کی روداد بھی کو یقیناً پسند آئے گی۔

سعود ساحر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عرضِ مصنف

کسی بھی زمانے کی تاریخ اس وقت کے مورخین، صحافیوں اور مصنفین کی امانت ہوتی ہے کہ وہ اس تاریخ کے بارے میں حق اور سچ لکھیں اور پیش آنے والے حالات و واقعات اور اہم شخصیات جن کا اس تاریخ میں ایک اہم کردار ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں حقائق کو منظر عام پر لایا جائے۔ گزرا ہوا وقت اور اس جہان فانی سے کوچ کر جانے والے افراد در اصل تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں اور معروف مقولہ ہے'' اپنے ہم عصروں کی عزت کریں اور دنیا سے جانیوالوں کو اچھے الفاظ میں یاد کریں'' لیکن ایک مؤرخ صحافی اور مصنف کے لیے یہ انتہائی اہم ہوتا ہے کہ اچھے الفاظ کے ساتھ ساتھ حقائق کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہ کرے کیونکہ حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنا نہ صرف تاریخ بلکہ آنے والی نسلوں کے ساتھ بد دیانتی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حالات و واقعات اور شخصیات کے بارے میں قطعاً اور کسی بھی قیمت پر جھوٹ نہ لکھا جائے اور مبالغہ آرائی سے بھی کام نہ لیا جائے۔ عزت و ذلت کا پیمانہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ تاریخ کا فیصلہ آنے والی نسلیں ہی کرتی ہیں۔ اسی طرح کسی بھی شخصیت کے ذاتی، خاندانی اور دیگر معاملات کو بھی سچائی کے پیمانوں کے تحت پرکھا جائے ان کا ذکر انتہائی مناسب الفاظ میں کیا جائے۔ ان کو متنازعہ نہ بنایا جائے اور حقائق کو اس طرح سامنے لایا جائے کہ آنے والی نسلوں کی رہنمائی ہو کہ کون سی غلطی نے معاشرے کو نقصان پہنچایا اور کس اچھی بات سے فائدہ پہنچا۔

میں نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز فروری 1969ء میں جنگ راولپنڈی سے کیا۔ 1969ء سے لے کر آج تک میرے سامنے پاکستان میں حکومتوں کے کئی نشیب و فراز آئے۔ کئی تخت اور برج الٹائے جاتے رہے۔ محلاتی سازشوں اور ان تمام حالات و واقعات کا عینی شاہد ہوں۔ اپنی اس کتاب میں کوشش کرونگا کہ ان حالات و واقعات کو من و عن قارئین کی خدمت میں پیش کر سکوں۔

ہم نے بارہا تاریخ میں یہ سبق پڑھا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے اور انسان اکثر تاریخ سے کچھ نہیں سیکھتا۔ اب یہ مقولہ لیجئے میرے نزدیک اس کا انتہائی سادہ مطلب یہ ہے کہ انسان کی افتادِ طبع اس طرح تشکیل دی گئی ہے کہ وہ خطا کا پتلا ہے اور ہر انسان جانتے بوجھتے ہوئے بھی اکثر ماضی کی غلطی ہی کو دہراتا ہے۔ خواہ وہ نیک نیتی سے ایسا کر رہا ہو کہ میں وہی کام پہلے سے بہتر کروں گا۔ بحیثیت زندہ تاریخ کے عینی شاہد ہونے کے ناطے میں نے جو کچھ اپنے فروری 1969ء سے آج تک جنگ گروپ میں مسلسل کام کرتے ہوئے دیکھا وہ لفظوں کی صورت گری میں راتوں کو جاگ کر ضبطِ تحریر میں لاتا رہا تاکہ صبح صبح جنگ کے قارئین کو ناشتے کے وقت حالات سے لمحہ بہ لمحہ آگاہی ہوتی رہے۔
اس تاریخ کا حوالہ اس بات سے بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اس وقت بظاہر پاکستان نئے انتخابات کے لیے تیاری کر رہا تھا۔ مارچ 1970ء میں جنرل یحییٰ خان (اس وقت کے فوجی صدر) نے ایل ایف او (LEGAL FRAME WORK ORDER) 1970ء جاری کر دیا تھا جس کو پاکستان کے ایک انتہائی قابل احترام ریٹائرڈ چیف جسٹس اے آر کارنیلس نے مرتب کیا تھا جو یحییٰ خان کے وزیر قانون تھے ان کی نیت، قابلیت اور حب الوطنی پر کسی کو شبہ نہیں تھا لیکن جب اس لیگل فریم ورک آرڈر پر حقیقی عملدرآمد کا وقت آیا تو دکان لٹ چکی تھی۔ اگرچہ میری صحافتی زندگی کا یہ ابتدائیہ تھا اور میں صحافت کے میدان کا طفل مکتب ہی تھا لیکن 1970ء سے 1973ء تک جب متحدہ پاکستان میں پہلے براہ راست عام انتخابات ہوئے جن کی شفافیت پر انگلی نہ اٹھی نہ اٹھائی گئی لیکن ان پر من و عن عملدرآمد ہوتے ہوتے پاکستان دولخت ہو گیا۔ بیرونی مداخلت (انڈیا) کا ایک خوفناک کھیل 1971ء میں کھیلا گیا جس میں اپنے بیگانوں کی نادانی لالچ، ہوس اقتدار، جائز اور ناجائز کے درمیان فرق ختم ہو گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے جنرل الیکشن مہم دیکھی۔ لیاقت باغ راولپنڈی کے جلسے دیکھے۔ میں نے مری روڈ راولپنڈی پر جلوس دیکھے۔

Scanned with CamScanner

ایک فوجی صدر سے ایک منتخب ممبر قومی اسمبلی جس کی پارٹی جو آدھے پاکستان (مغربی پاکستان) کی حد تک محدود تھی کو اقتدار پرامن طور پر منتقل ہوتے دیکھا تا کہ باقی ماندہ پاکستان اکٹھا رہ سکے۔ دو دساتیر کی تدوین منظوری کے مراحل کی رپورٹنگ کی۔ لیاقت باغ راولپنڈی میں 23 مارچ 1973ء کو نیشنل عوامی پارٹی کے جلسے کے شرکا ءکا قتل عام دیکھا لیکن اس کے تین ہفتوں کے اندر اندر مستقل دستور 10 اپریل 1973ء کو منظور ہوتے بھی دیکھا جس کے اسلامی جمہوری اور وفاقی ہونے کے بارے میں ملک کے ممتاز ترین سیاسی و دینی رہنماؤں کے دستخط بھی تھے۔ ماسوائے ایک رکن قومی اسمبلی احمد رضا قصوری کے موجود ہیں۔ پھر اسی دستور کی دھجیاں اڑتے دیکھیں۔ سال 1977ء میں 20 ماہ قبل منتخب اسمبلیاں ذوالفقار علی بھٹو کے صوابدیدی اختیار پر تحلیل ہو کر نئے الیکشن کی طرف باقی ماندہ پاکستان کو جاتے ہوئے دیکھا اور پھر اسی دوران الزامات کی بوچھاڑ کے اندر تحریک کو چلتے ہوئے دیکھا جو وفاقی دارالحکومت کی حد تک تو پرامن رہی لیکن ملک کو ایک اور مارشل لاء کا سامنا کرنا پڑا جس کو روکنے کے لیے آرٹیکل 6 آئین میں شامل کیا گیا۔ ملک ایک دفعہ پھر 1973ء سے پہلے کے بحرانوں سے زیادہ سنگین بحران سے دوچار ہوتے دیکھا۔

پاکستان میں ربر سٹیمپ ٹائپ جمہوریت بھی وقفے وقفے سے بحال ہوتی دیکھی جن آئینی اقدامات کو بانیان پاکستان (FOUNDING FATHERS OF PAKISTAN) نے 1947ء میں آئینی دستاویزات سے متفقہ طور پر نکالنے کا فیصلہ کیا موجودہ پاکستان کی سیاسی قیادت نے جس نظام کو 1973ء کے آئین میں دوبارہ اتفاق رائے سے تجدید کیا اس کو مختلف حیلوں بہانوں اور جواز کے ساتھ تبدیل کیا جاتا رہا لیکن پاکستان سیاسی، معاشی اور انتظامی اعتبار سے روز بروز ایک ڈھلوان سے نیچے پھسلتا رہا۔ مثلاً بانیان پاکستان نے قوم کے ساتھ یہ عہد کیا کہ پاکستان ایک ایسی خارجہ پالیسی پر کاربند ہوگا جو سب سے دوستی اور کسی سے دشمنی روا نہیں رکھے گا لیکن 1958ء میں عام انتخابات کی جاری مہم کو سبوتاژ کر کے مغربی ممالک کے ساتھ دفاعی معاملات طے پائے اور پشاور کا بڈا بیر ایئر بیس جو کہ پاک فضائیہ کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا دس سالوں کے لیے اپنے کمیونسٹ ہمسایہ ملکوں کی جاسوسی کرنے کے لیے لیز پر دے دیا گیا اور ایئر مارشل اصغر خان (جو اس وقت پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف تھے) نے چوں تک نہ کی۔ اس لیز کی توسیع کا معاملہ 1969ء میں ایوب خاں کی اقتدار سے سبکدوشی کا باعث بنا۔ 1972ء میں صدر ذوالفقار علی بھٹو (جو ملک کے سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی رہے) نے دفاعی معاہدوں (سیٹو..... سنٹو) سے علیحدگی اختیار کی لیکن 1979ء میں کوئی باضابطہ معاہدہ نہ ہونے کے باوجود پاکستان رضا کارانہ طور پر مغرب کے شانہ بشانہ پہلی افغان جنگ میں (سوویت یونین کے خلاف) شامل ہوگیا۔ یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ پاکستان کی تاریخ کے 1953ء کے پہلے سویلین ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سیکرٹری دفاع عزیز احمد تھے جو بعد میں بھٹو دور کے وزیر صحت اور وزیر امور خارجہ و دفاع بنے۔ 2001ء میں دوبارہ پاکستان کے فوجی حکمران 9/11 کے واقعہ کے بعد امریکہ کی افغانستان میں لشکر کشی میں پاکستان کی مطلوبہ حمایت کے لیے مشیر امریکی وزیر خارجہ رچرڈ آرمیٹج کی ایک ٹیلیفون کال پر ڈھیر ہو گئے اور غیر مشروط طور پر افغانستان کے خلاف دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ اور مغربی ممالک کے فوجی اتحاد نیٹو کے حمایتی بن گئے اور انہیں جنگی ساز و سامان کی ترسیل، انٹیلی جنس شیئرنگ اور بلوچستان اور جیکب آباد میں ہوائی اڈے فراہم کر دیے گئے اور مسلمان ملک پر سامراج کی حمایت نے پاکستان کی بہادر افواج کو جس قدر نقصان پہنچایا اس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی ہے۔ پرویز مشرف نے اقتدار پر قابض رہنے کی خاطر 50 ہزار سے زائد شہریوں اور پانچ ہزار سے زائد سکیورٹی اداروں کے افراد کو دہشت گردی کی جنگ کی بھینٹ چڑھا دیا اور ملک آج بھی طالبان کے خودکش حملوں کی زد میں ہے۔

بانیان پاکستان کا دوسرا فیصلہ جو 1947ء کی دستور ساز اسمبلی نے قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت منظور کیا وہ وطن عزیز کے لیے پارلیمانی نظام کا انتخاب تھا جو سیاسی جماعتوں کے بغیر ممکن نہیں ہوتا اور اس کی کچھ بنیادی وجوہات سیاسی بھی تھیں اور دانشمندی کا تقاضا بھی تھا

کیونکہ وفاق کی اکائیاں برابر نہیں تھیں۔ صرف مشرقی بنگال باقی تمام صوبوں اور علاقوں کی آبادی سے زیادہ آبادی والا صوبہ تھا۔ ان اکائیوں کو سیاسی جماعتیں ہی ایک خاندان کی طرح اکٹھا رکھ سکتی تھیں۔ 27 اکتوبر 1958ء کے نام نہاد فوجی انقلاب کے بعد سیاسی جماعتوں پر ایوب خان نے پابندی لگا دی۔ یہی کام اکتوبر 1977ء میں عام انتخابات کو ملتوی کرنے کے بعد دوبارہ پابندیاں جنرل ضیاء الحق نے لگائیں۔ 1985ء میں غیر جماعتی انتخابات ضیاء حکومت نے کرائے۔ 1988ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے بے نظیر کیس میں سیاسی جماعتیں بحال کیں جس طرح 1963ء میں سپریم کورٹ نے جماعت اسلامی پاکستان کے کیس میں بحال کیا تھا۔

تیسرا بنیادی فیصلہ یہ تھا کہ گورنر جنرل / گورنرز کے پاس کوئی صوابدیدی اختیارات نہیں ہوں گے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بطور گورنر جنرل تمام فیصلے وزیر اعظم یا کابینہ کے مشورے کے بغیر نہیں کئے۔ انہوں نے اپنے صوابدیدی اختیارات 1947ء میں بنیادی قانون سے منسوخ کر کے اپنے آپ کو وزیر اعظم کے مشورے کا پابند بنایا اور جمہوری رویہ اپنایا لیکن بعد میں غیر جمہوری ادوار میں فوجی اور ان کے سویلین مقلدوں (Followers) نے ان ہی اختیارات کو دوبارہ آئین میں بیک ڈور (BACK DOOR) سے داخل کر کے اپنی منشا کے مطابق دوسری مدت کا وعدہ نہ ملنے پر منتخب اسمبلیوں کو کھلواڑ بنا کر توڑنا شروع کر دیا۔ جب بھی پارلیمنٹ نے یہ اختیار واپس لینے کی کوشش کی تو بحران جیسی صورت پیدا کر کے دوبارہ وہی نظام نافذ کیا اس طرح ریاست کی اساس پر حملے کئے۔ بعض حلقوں نے فرضی افسانے بنائے کہ قائداعظم اپنی جیبوں میں کھوٹے سکوں کی موجودگی کا شکوہ کرتے تھے حالانکہ اس بات کی ان کا اپنا بنایا ہوا آئین نفی کرتا ہے قائداعظم کا قانون کی حکمرانی پر مکمل یقین اور ایمان تھا اور اس بارے کبھی کوئی شبہ یا اشتباہ پیدا کرنا بانی پاکستان کے ساتھ سراسر زیادتی ہے کیونکہ یہ سچ نہیں۔

چوتھا بنیادی فیصلہ جو فاؤنڈر فادرز آف پاکستان نے 1947ء میں کیا وہ یکساں بلدیاتی نظام کی منسوخی تھی یہ فیصلہ 1947ء میں کر دیا گیا کہ صوبائی حکومتیں اور اسمبلیاں اپنے اپنے مقامی حالات اور عوامی خواہشات کے مطابق اپنا نظام وضع کیا کریں گی۔ 1969ء میں 1979ء میں اور پھر 2001ء میں اس اصول کی بھی نفی کی گئی۔ کبھی ایوب خان نے پاکستان کو متحد رکھنے کے وعدے پر بی این آر (BUREAU OF NATIONAL RECONSTRUCTION) قائم کیا۔ 1999ء میں وہی پرانی شراب نئی بوتل (OLD WINE IN NEW BOTTLE) میں لیفٹیننٹ جنرل (ر) تنویر احمد نقوی کے ذریعے پرویز مشرف نے دوبارہ پلانا شروع کی۔ بی این آر کو این آر بی بنا دیا لیکن سابقہ نظاموں کی طرح جو 1959ء میں 1979ء میں یا 2001ء میں ملک میں نافذ کیا گیا بعد میں آنے والی منتخب حکومتوں نے بیک جنبش قلم مسترد کر دیا کیونکہ یہ بھی 1947ء کے عمرانی معاہدے (SOCIAL CONTRACT) کے مطابق نہیں تھا۔

یہاں اس امر کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ 2005ء میں یونائیٹڈ نیشنز یونیورسٹی پریس نیویارک / پیرس / ٹوکیو نے انٹرنیشنل پیس اکیڈمی اور یونائیٹڈ نیشنز یونیورسٹی کے باہمی تعاون سے ایک بین الاقوامی پراجیکٹ مکمل کیا جس میں دنیا کے مختلف ممالک کے چیدہ چیدہ علاقوں پر تحقیق کی گئی کہ ریاستیں کس طرح اپنا وجود برقرار رکھتی ہیں۔ کیس سٹڈی میں ساؤتھ سینٹرل ایشیا، کولمبیا (جنوبی امریکہ) ساؤتھ پیسفک (جنوبی بحر الکاہل)، شمالی کوریا، افغانستان، موزمبیق، کوسٹاریکا، سنگاپور اور پاکستان کو شامل کیا گیا۔ اس کتاب میں مسلمہ محققین نے ان وجوہات پر تحقیق کی جس کے باعث ایک ریاست ناکام ہو سکتی ہے یا ناکامی کے دہانے سے واپس آ سکتی ہے اور کامیاب ہو سکتی ہے۔ پاکستان کے حالات کا احاطہ کرتے ہوئے ثمینہ احمد (جس پر یہود و ہنود کے ایجنٹ ہونے کا الزام نہیں لگ سکتا) انسٹیٹیوٹ آف ریجنل سٹڈیز اسلام آباد پاکستان انسٹیٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز کراچی میں بھی کام کرتی رہیں۔ وہ ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کے علاوہ پاکستان اور آسٹریلیا کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھتی رہیں۔ پاکستان کے بارے میں اس کتاب میں لکھتی ہیں کہ کسی بھی ریاست کی کامیابی کے لیے تین خصوصیات ضروری ہوتی ہیں۔ نمبر

1 غیر سیاسی بیورو کریسی، 2 ملٹری پر سویلین قیادت کا مضبوط کنٹرول، 3 رول آف لا، (قانون کی حکمرانی) وہ رقمطراز ہیں کہ یہ تینوں شرائط پاکستان میں ناپید ہیں۔

THESE THREE ESSENTIAL PRE CONDITIONS ARE NOT ABLE BY THEIR)
(ABSENCE IN PAKISTAN

اگرچہ پاکستان 2007ء کے بعد بعض معاملات میں مثبت پیش رفت کر چکا ہے اور یہ سفر بظاہر جاری وساری ہے لیکن اس کی بقا کا انحصار اس بات پر ہے کہ پاکستان اپنے بین الاقوامی تشخص اور کردار کو کس قدر جلدی واپس بانیان کے اس عہد کے مطابق بحال کرتا ہے جس کا آئین کے آرٹیکل 40 میں پرنسپلز آف سٹیٹ پالیسی کے آخر میں اندراج ہے جو درج ذیل ہے۔

The State shall Endearour to Preserve and stregthen fraternal relations amongst muslim countries based on islamic unity, support the common interest of the people of Asia, Africa and Latin America, Promote international peace and security foster good-will and friendly relations among all nations and encourage the settlement of international disputes by peaceful means

''آرٹیکل 40، مملکت اس بات کی کوشش کرے گی کہ اسلامی اتحاد کی بنیاد پر مسلم ممالک کے مابین برادرانہ تعلقات کو برقرار رکھا جائے اور مستحکم کیا جائے، ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام کے مشترک مفادات کی حمایت کی جائے، بین الاقوامی امن اور سلامتی کو فروغ دیا جائے، تمام قوموں کے مابین خیر سگالی اور دوستانہ تعلقات پیدا کئے جائیں اور بین الاقوامی تنازعات کو پرامن طریقوں سے طے کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔''

میں یہ بات اور سوال معزز قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ وہ پاکستان کے حالات اور تاریخ کا بالعموم جائزہ لے کر اپنے تئیں فیصلہ کرلیں کہ ریاست کی پالیسیوں کا محور اور بنیادی رخ کس دور میں کس متفقہ الیہ دستور اور اصول کے مطابق تھا اور کب اور کیوں تجاہل، تجاوز یا خلاف ورزی کی گئی۔ یہاں تک کہ غیروں کی مدد کی بجائے اپنی ہستی کے لالے پڑ چکے ہیں۔ غربت وطن عزیز میں بڑھ رہی ہے۔ ریاستی اداروں پر اعتماد کا فقدان ہے۔ جھگڑے اور الجھاؤ پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ انسانی جان و مال غیر محفوظ ہوگیا۔ مثلاً 2009ء کو جب آزاد عدلیہ بحال ہوئی تو ملک میں تقریباً 15 لاکھ مقدمات مختلف عدالتوں میں زیر سماعت تھے۔ 2013ء کے اختتام پر ان کی تعداد 30 لاکھ سے تجاوز کر گئی۔ کچھ حلقے اسے عدلیہ پر عوام کے اعتماد کا مظہر سمجھتے ہیں۔ یہ اسی طرح سے جس طرح زیادہ مقدمات کا اندراج پولیس تھانیدار کی فراخدلی قرار دے کہ وہ تمام شکایات درج کرلیتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت پاکستان کی 65 فیصد آبادی 25 سال سے چھوٹی عمر کی ہے۔ باقی ماندہ آبادی کے حوالے سے اگر مقدمات کی تعداد کا جائزہ لیا جائے تو یہ ایک خوفناک صورتحال کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ طاقت ور کی داد رسی کے لیے بار بار ان کے دروازے پر پہنچنا پڑے تو یہ سوچنے والوں کے لیے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان اور لمحہ فکریہ ہے۔ 1958ء کے مارشل لاء سے پہلے سپریم کورٹ میں کل مقدمات کی تعداد تقریباً (62) تھی اور پاکستان بھی متحد تھا ایک سال میں سپریم کورٹ کے 5 ججوں نے 16 مقدمات کا فیصلہ کیا اور ایک نئی اپیل دائر ہوئی لیکن 1959ء میں سپریم کورٹ میں 256 نئے مقدمات دائر کئے گئے یہ ایک نمونہ ہے آج کل سپریم کورٹ میں کسی

Scanned with CamScanner

بھی ضلعی عدالت سے بھی زیادہ مقدمات زیر سماعت ہیں ججوں کی تعداد امریکہ سے دوگنی ہے اگرچہ ہماری آبادی امریکہ سے آدھی ہے اس حوالے سے شاید ہم بھارت کا بھی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پاکستان سپریم کورٹ کے اٹھارہ، امریکی سپریم کورٹ کے 9 جج ہیں اور وہ سب کے سب اکٹھے مقدمہ سنتے ہیں۔ امریکی صدارتی امیدواروں جارج ڈبلیو بش اور الگور کے انتخابی جھگڑے کی سماعت سپریم کورٹ آف امریکہ نے صرف 90 منٹ تک کی ان 90 منٹ میں آدھا وقت عدالتی سوالات پر محیط رہا اس طرح دونوں کے وکیلوں کو دلائل دینے کے لیے 22 بائیس منٹ ملے یوایس سپریم کورٹ نے 90 منٹ کی سماعت کے بعد فیصلہ سنا دیا۔ ہمارے سابق صدر اور آل پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ جنرل (ر) پرویز مشرف کے جس کیس کی خصوصی عدالت میں سماعت کئی ماہ سے صرف حاضری کے پوائنٹ پر ہوتی رہی۔

پرویز مشرف آئین میں اٹھارہویں ترمیم کے بعد آئینی طور پر سابق صدر بھی کہلانے کے حقدار نہیں تھے جیسا کہ 1993ء میں سپریم کورٹ نے نواز شریف کی حکومت اور اسمبلی کو بحال کرتے وقت سردار بلخ شیر مزاری اور اس کی نگران کابینہ کے بارے میں سابقہ وزیراعظم یا سابقہ وزیر لکھنے کی ممانعت کی تھی کیونکہ وہ نگران حکومت غیر قانونی قرار دے دی گئی تھی۔ اٹھارہویں ترمیم میں بھی بارہ اکتوبر 1999ء سے لے کر 31 دسمبر 2003ء تک کئے گئے تمام اقدامات جو بارہ اکتوبر 1999ء کے وقت آئین کے ساتھ متصادم تھے۔ ان کو غیر قانونی اتھارٹی (Unlawful and without lawful Authority) کے بغیر قرار دیا اور آئین کو واپس اسی حالت میں بحال کرتے ہوئے ضروری ترامیم کو موثر بماضی قرار دیا جن میں اٹھارہ سال کی عمر پانے والے کا ووٹ اور اسمبلیوں کی نشستوں میں اضافہ وغیرہ شامل تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر والے پاکستانی کو ووٹ کا حق 1973ء کے اصلی آئین میں 1983ء یا دو عام انتخابات کے انعقاد پر لاگو ہونا تھا۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ 1958ء، 1969ء، اور 1977ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے ساتھ ہی سینٹ و قومی و صوبائی اسمبلیاں تحلیل کر دی گئی تھیں لیکن 1999ء میں یہ نہیں ہوا تھا اسمبلیاں صرف معطل کی گئی تھیں یہ سوچ تھی کہ وزیراعظم اور وزرائے اعلیٰ کو سبکدوش اور گرفتار کر کے اسمبلیوں سے ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریکیں کامیاب کرائی جائیں اور من پسند جمہوری لبادے میں نئی وفاقی و صوبائی حکومتوں کا ناٹک رچایا جائے لیکن یہ کوشش ناکام ہونے پر یہ خوف غالب رہا کہ اگر وہی عناصر واپس آ گئے تو پھر مارشل لاء کو جائز (VALIDATION) تو در کنار الٹا گلے پڑ جائے گی۔ اس چیز کو سامنے رکھتے ہوئے اسمبلی کی نشستوں کو بڑھانے کا فیصلہ کیا گیا صرف وفاقی سطح پر 125 نشستیں قومی اسمبلی کی بڑھا دی گئیں جس سے لامحالہ صوبائی اسمبلیوں کی ہیئت ترکیبی پر بھی اثر پڑا لیکن اس کے باوجود الیکشن 2002ء کی اسمبلی میں مسلم لیگ (ق) کو حکومتی کوشش کے باوجود 115 نشستیں مل سکیں اور چاند تارا گروپ جو (شیخ رشید از بیدہ جلال آف تربت اور عباس سرفراز خان آف کے پی کے) پر مشتمل بظاہر آزاد گروپ تشکیل دیا گیا لیکن بالآخر قومی اسمبلی کی ایک میعاد (ٹرم) میں تین وزرائے اعظم، (ظفر اللہ جمالی، چوہدری شجاعت حسین، شوکت عزیز) بدلنے پڑے لیکن سیاسی استحکام ناپید رہا اور بالآخر پرویز مشرف نے پی پی پی کے ساتھ این آر او (NATIONAL RECONCILIATION ORDER) کر لیا کیونکہ اس سے پہلے آصف علی زرداری کے ساتھ معاملات مکمل طور پر نتیجہ خیز نہ رہے حالانکہ انہیں 2001ء میں سپریم کورٹ سے مقدمہ ریمانڈ ہونے کے باوجود ملک سے باہر بھجوا دیا گیا اور صدارت کی کرسی پر آنے تک سات سال تک مقدمہ احتساب عدالت میں معرض التواء میں رکھا گیا جس میں چھ سال تک بی بی (بے نظیر بھٹو) کی 27 دسمبر 2007ء کو شہادت کے پہلے کا عرصہ بھی شامل ہے۔ جس میں محترمہ کی شہادت کی بڑی وجہ محترمہ بے نظیر بھٹو کا نواز شریف کے ساتھ سیاسی مفاہمت اور اس کے متوقع نتائج کو روکنا تھا۔ نواز شریف اور بے نظیر بہن بھائی کے طور پر آگے بڑھ رہے تھے انتخابی مہم چلا رہے تھے۔ راولپنڈی آنے سے پہلے محترمہ بے نظیر بھٹو رحیم یار خان میں ذکاء اشرف چوہدری کے گھر قیام پذیر تھیں۔ اس وقت میاں نواز شریف رحیم یار خان میں بیگم عشرت

اشرف کے ہاں مقیم تھے جوذکاء اشرف کی حقیقی بہن ہیں۔ 27 دسمبر 2007ء کو پہلا حملہ اسلام آباد ہائی وے کے کرال چوک میں محمد نواز شریف اوران کے جلوس پر اندھا دھند فائرنگ کی شکل میں کیا گیا جس میں متعدد بے گناہ لوگ مارے گئے اسی شام لیاقت باغ راولپنڈی کے جلسے سے باہر آتے ہی بے نظیر بھٹو کو منصوبے کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ خفیہ ہاتھ کا مقصد پاکستان میں سیاسی بحران پیدا کرنے کے لیے دونوں کو راستے سے ہٹانا تھا۔ خفیہ ہاتھ کا پوری قوم کو علم ہے بے نظیر کی شہادت کا براہ راست فائدہ کسے پہنچا، بظاہر تو اس کی اپنی پارٹی اور اپنے لوگ تھے جن میں سے اکثر قتل گاہ سے بھاگ کر چیف سکیورٹی افسر رحمان ملک ایف ایٹ اسلام آباد کے زرداری ہاؤس جا پہنچے تھے۔ نواز شریف اپنی منہ بولی بہن کی موت کا سن کر راولپنڈی جنرل ہسپتال میں ہزاروں سوگواروں کا ہجوم چیرتے ہوئے محترمہ کی میت تک جا پہنچے۔ بے نظیر بھٹو کے شوہر نامدار دبئی سے خصوصی طیارے کے ذریعے اسلام آباد پہنچے اور نامعلوم وجوہات کی بنا پر اپنی اہلیہ کے جسد خاکی کے پوسٹ مارٹم کی بھی اجازت نہ دی اور محترمہ کے منہ بولے بھائی ڈاکٹر مظفر لطیف گل کے ہمراہ اپنی اہلیہ کی میت C-130 طیارے میں گڑھی خدا بخش لے گئے اور انہیں منوں مٹی تلے سپرد خاک کر دیا۔ محترمہ کی المناک موت کا فائدہ براہ راست جنرل پرویز مشرف کو پہنچا اور بالواسطہ طور پر اس کا فائدہ آصف زرداری کو پہنچا۔ وہ پہلے پیپلز پارٹی کے سربراہ بنے اور بعد میں ملک کے صدر بن گئے۔ محترمہ کی شہادت سے مسلم لیگ (ن) کی انتخابی مہم کو شدید نقصان پہنچا اور ہمدردی کا ووٹ پیپلز پارٹی کو مل گیا۔ محترمہ جب لیاقت باغ میں اپنی زندگی کا آخری جلسہ کر رہی تھیں تو جلسہ گاہ میں بی بی کا ذاتی ملازم خالد شہنشاہ سٹیج پر کھڑے ہو کر عجیب وغریب اشارے بازیاں کر رہا تھا اور جسے بعد میں کراچی میں خفیہ ہاتھ نے قتل کر دیا تاکہ محترمہ کی شہادت کے ثبوت نہ رہیں۔

جنرل (ر) پرویز مشرف کا ایک ہی مقصد تھا کہ نواز شریف اقتدار میں نہ آئیں اسی لیے وہ یونیفارم میں بھی صدر رہے مگر جب ان پر امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس وغیرہ نے دباؤ ڈالا تو یونیفارم اتارنے سے قبل پرویز مشرف نے پاکستان آرمی میں لیفٹیننٹ جنرلوں اور میجر جنرلوں کی اپنی وفادار ٹیم سلیکشن بورڈ کی آڑ میں بنائی لیکن جنرل کیانی کی میعاد ملازمت میں تین سالہ توسیع نے مشرف کے سارے سیاسی عزائم خاک میں ملا دیے۔ مشرف کا اگلا ہدف جنرل (ر) اشفاق پرویز کیانی سے تھا جس کو اس نے 2008ء میں بھی نکالنے کی کوشش کی لیکن صدر زرداری کی بروقت مخبری کی وجہ سے مشرف اپنا ہدف حاصل نہ کر پائے۔ مشرف خود ہی اپنے ہی جال میں پھنس کر رہ گئے اور انہیں صدارت سے مستعفی ہونا پڑا اور بالآخر انہیں ملک سے بھاگنا پڑا لیکن پیپلز پارٹی کے دور میں واپسی کی تدبیریں زرداری صاحب کے سامنے نہ چل سکیں۔ نواز شریف کے دور میں واپس آنے پر وہ آج کل آرٹیکل 6 کے تحت مقدمے کا سامنا کر رہے ہیں۔

مشرف، زرداری اور چوہدری برادران اکٹھے ہو کر آخری ترپ کا پتہ علامہ طاہر القادری کی شکل میں جنوری 2013ء میں کھیلنے لگے جو اسلام آباد کے حالات کو خراب کر کے زرداری صاحب کا استعفیٰ لینے کا ناٹک رچانا تھا لیکن حزب اختلاف کے اچانک اکٹھا ہو جانے پر رائے ونڈ سے استعفے کی مخالفت کی گئی جس کی وجہ سے سارا منصوبہ جس میں دوبارہ میاں نواز شریف کو مرکز میں اقتدار سے روکنے کی تراکیب تھیں دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اس منصوبے میں مشرف کے جعلی انتخاب آف اکتوبر 2007ء کی طرح ایک اور صدارتی انتخاب کی آخری سانس لیتی ہوئی اسمبلیوں سے کرانا تھا تاکہ مسلم لیگ (ق) اور اس کے ساتھی کچھ عزت کے ساتھ واپس آ جائیں۔ گویا کہ پی پی پی اور مسلم لیگ (ق) باری باری اقتدار کی چھتری کے نیچے غیر مرئی طاقتوں کی کاسہ لیسی کرتے رہے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

MAN PROPOSES GOD DISPOSES

سابقہ حکومتی عہدیداروں کا ایک گروہ جس کو اس بات کی فکر مسلسل رہتی ہے کہ مشرف کے بعد اٹھارویں ترمیم کی وجہ سے ان کی گردن اور مفادات پر زد آ سکتی ہے۔ وہ غیر یقینی حالات میں ہر ممکن وجوہات کی بنا پر افواہیں پھیلانے کا بازار گرم رکھتے ہیں اور عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔

نواز حکومت اور پاک فوج کے درمیان نظریاتی اختلافات کو یہ عناصر ادارہ جاتی دشمنی کا رنگ دے کر میڈیا پر اپنے کاسہ لیسوں کے ذریعے منفی پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر طاہر القادری کے ایک ساتھی شاہد لطیف قادری جو کئی سال تک اپنی ذاتی مجلسوں میں مشرف کو اس بنیاد پر برا بھلا کہتے رہے کہ انہوں نے اسے چیف آف ایئر سٹاف نہیں بنایا اور ریٹائرمنٹ کے بعد المنہاج کے بورڈ آف گورنرز کا ممبر بن گئے۔ میڈیا پر اپنی سیاسی وابستگی چھپا کر دفاعی تجزیہ نگار بن کر اپنی مایوسی کو قوم و افواج کی مایوسی ظاہر کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اسی طرح بعض ٹی وی اینکرز بھی نامکمل معلومات کی بنیاد پر غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں اور ٹاک شوز میں چند اینکرز پاکستان آرمی اور آئی ایس آئی کے خلاف ہرزہ سرائی کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے حالانکہ ان کی شکایات اگر آرمی اور آئی ایس آئی کے کچھ عاقبت نااندیش عناصر کے خلاف جائز بھی ہیں تو اس کو تمام ادارے سے اختلاف کا رنگ نہیں دینا چاہیے۔ ہمارے مخالفین بات کا بتنگڑ بنانے کے ماہر ہیں حالانکہ ہمارے ادارے ٹی وی چینلز اور اخبارات کو ملک کی سکیورٹی ایجنسیوں نے اپنے تئیں ٹھوک بجا کر لائسنس جاری کئے ہیں اور کوئی بھی شرپسند ہمارے اداروں کی حب الوطنی پر انگلی نہیں اٹھا سکتا ہے۔ ہمارے ملک کے دشمن عناصر اور ان کے میڈیا میں چھپے ہوئے ایجنٹ یہ نہیں چاہتے کہ قومی مفادات کے ہمارے حکمران سیاستدان، فوجی اور محب وطن مذہبی طاقتیں ہم آہنگ ہوں اور یکسوئی سے اس ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔ وہ بروقت پاکستان میں انتشار پیدا کرنے کے لیے سنسنی خیزی پھیلاتے رہتے ہیں۔

حکومت، طالبان مذاکرات سکیورٹی اداروں کو ایک صفحہ پر رکھنے کی ناکام سعی کرتی رہی۔ یہ ایک مشکل مرحلہ تھا۔ گفت وشنید اور معاہدوں کی تکمیل میں بہت سے مشکل مراحل آئے۔ معاہدے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو آسانی سے طے پا جائیں لیکن بعد میں جھگڑا چلتا رہے اور ایک وہ جو مشکل مراحل سے گزر کر طے پائیں اور پھر عمل درآمد میں آسانی رہے تا کہ کسی کو ایک دوسرے پر الزام تراشی کا موقع نہ ملے اور پاکستان میں مکمل امن ہو جائے مگر مذاکرات کی بیل منڈھیر نہ چڑھ سکی جس پر اس وقت ہماری بہادر فوج تمام قوم کے تعاون اور حکومت کی مکمل آشیرباد سے شمالی وزیرستان میں ضرب عضب آپریشن کر رہی ہے جس کی وجہ سے لاکھوں لوگ وہاں سے بے گھر ہو کر خیبر پختونخوا میں مختلف کیمپوں میں پناہ گزین ہو چکے ہیں لہٰذا اس وقت پوری قوم کو چاہیے کہ وہ ان پناہ گزینوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اپنا مالی اور اخلاقی تعاون بھرپور طریقے سے کریں اور پاک فوج ''ضرب عضب'' کے ذریعے ملک میں دہشت گردی کا مکمل خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

فروری 1999ء میں بھارتی وزیر اعظم واجپائی بس میں بیٹھ کر لاہور آئے تو ہمارے ایک اعلیٰ عہدیدار (جنرل مشرف) نے انہیں رسمی پروٹوکول دینے میں بھی لیت ولعل سے کام لیا لیکن پھر بھری دنیا کے سامنے سارک کی کانفرنس کھٹمنڈو میں خود جا کر ڈائس پر واجپائی صاحب کو سلیوٹ کیا مگر پھر بھی بھارتی وزیر اعظم نے علیحدگی میں ملاقات سے انکار کر دیا۔ اصول یہ ہے کہ معاملات بین الاقوامی ہوں یا ملکی معاملات حکمرانوں کی ذاتی انا کو کبھی آڑے نہیں آنا چاہیے اور روم میں وہی کرنا چاہیے جو رومن کرتے ہیں۔

While In Rome, Do as Romans do.

گوادر جو کہ ایک سویلین جمہوری وزیر اعظم فیروز خان نون نے 1957ء میں مسقط سے قیمتاً خرید کر بلوچستان کے ساتھ سمندر کا رشتہ قائم کیا تھا۔ اب ایک اور نئے جمہوری وزیر اعظم نواز شریف نے اس کو پوری طرح انٹرنیشنل لیول پر ترقی دینے کے لیے چین کے ساتھ بہت سے معاہدے کئے ہیں گوادر سے کراچی تک ریلوے لائن بچھے گی۔ 18 اپریل 2014ء کے وفاقی کابینہ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے محمد نواز شریف نے انکشاف کیا کہ حکومت چین کے تعاون سے گوادر میں بین الاقوامی ہوائی اڈہ، گوادر سے رتو ڈیرو تک موٹروے بنانے کے ساتھ

Scanned with CamScanner

ساتھ تعلیمی وسماجی شعبہ میں جامع ترقیاتی پروگرام شروع کیا جا رہا ہے جن پر لاگت کا ابتدائی تخمینہ 160 کروڑ ڈالر کا ہے۔یعنی 16000 کروڑ روپے کا ہے جس سے بلوچستان کے مقامی لوگوں کی زندگیوں میں بنیادی تبدیلی ضرور آئے گی اور اس علاقے کو اپنے قدرتی محل وقوع کے مطابق ترقی مل سکے گی۔ذرائع کا کہنا ہے کہ چینی حکومت بلوچستان کے مری بگٹی مینگل کے شورش زدہ علاقوں میں اڑھائی سو کلومیٹرز یرزمین سرنگ بنانے کا منصوبہ رکھتی ہے کیونکہ چین گوادر کراچی سے اپنے جنوبی صوبوں کو بذریعہ سڑک ریلوے اور آئل پائپ لائن تعمیر کر کے دم لے گی جس کے لیے چائنا انفراسٹرکچر انوسٹمنٹ بینک کا قیام عمل میں لایا جائے گا جو آٹھ ٹریلین ڈالر (8000ارب ڈالر) جنوب مشرقی ایشیا کی تعمیر وترقی کے لیے مختص کرے گا۔پاکستان نے اس بینک میں حصہ داری کے لیے اپنا عندیہ دے دیا ہے چین کے زرمبادلہ کے ذخائر اب بھی 2014 ءتک 2400ارب ڈالر تک پہنچ چکے ہیں۔جب نواز شریف بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کی حلف برداری کی تقریب میں شرکت کے لیے ہندوستان گئے اور وہاں پر انہوں نے واضح کیا کہ پاکستان ہندوستان کے ساتھ کشمیر سمیت تمام مسائل پرامن مذاکرات کے ذریعے حل کرنا چاہتا ہے۔

پاکستان کے عوام کو مہنگائی کے بوجھ تلے سے نکالنا ازحد ضروری ہے اس کے لیے ملکی معیشت کو بحال کرنے کی موجودہ حکمران جو کوششیں کر رہے ہیں ان کی کامیابی کے لیے دہشت گردی کا خاتمہ ضروری ہے۔پاکستان کو مہذب ملک بنانا ہے تو مہذب ممالک کا وطیرہ اپنانا ہوگا اور قانون اور آئین کی بالادستی کو رواج دینا ہوگا۔چاہے کوئی امیر ہو یا غریب اس کو قانون کا احترام کرنا ہوگا۔امریکہ، برطانیہ انسانی حقوق کے احترام جمہوریت کی بالادستی کے بھی مداح ہیں اگر ہم امریکہ برطانیہ کی طرح نہیں کر سکتے کم از کم اپنے ہمسائے بھارت جیسا میڈیا کا ضابطہ اخلاق (CODE OF ETHICS) نافذ کرنا چاہئے۔مذکورہ تینوں ممالک کی طرح پاکستان میں میڈیا کو کام کرنے کی مکمل آزادی درکار ہے مگر ہم اپنی نئی نسل کو مادر پدر آزادی نہیں دے سکتے چہ جائیکہ میڈیا کو مادر پدر آزادی دے کر پاکستان کے قومی مفادات سے کھل کر کھیلنے کی آزادی دی جائے امریکہ کی حکومت نے عراق افغانستان سے اپنے فوجیوں کے تابوت آنے کی ٹی وی کوریج روک رکھی ہے۔آج تک سی این این، فوکس، این بی سی پر امریکی فوجیوں کے باڈی بیگ نہیں دکھائے گئے انڈیا میں بھی ٹی وی سرکاری ہو یا غیر سرکاری کو وزارت خارجہ، وزارت دفاع ہر ہفتے بریف کرتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ وہ ملکی خارجہ پالیسی، دفاعی حکمت عملی حتیٰ کہ اپنے ملک کی فوج عسکری اداروں کی تضحیک کرے۔تمسخر اڑائے۔ہم سب کو وطن عزیز کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے برطانیہ، امریکہ، بھارت سمیت یورپی ممالک کی طرح ملک کی خارجہ پالیسی، دفاعی پالیسی، عسکری اداروں حساس محکموں کو کمزور نہیں بلکہ مضبوط بنانا چاہئے۔بہرحال میری زندگی کا مقصد تو وطن کے تحفظ اور سالمیت کے لیے اپنے قلمی جہاد کو جاری رکھنا ہے۔پاکستان اور اس کی مسلح افواج میرا رومانس اور عشق ہے۔میری دعا ہے کہ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے قومی ایکشن پلان کامیابی سے ہمکنار ہو۔ہمارے معصوم بچوں کے قاتل عبرت ناک انجام سے دوچار ہوں۔پشاور آرمی پبلک سکول کے معصوم بچوں کو دہشت گردوں نے جس بے دردی سے شہید کیا اس پر مجھ سمیت ہر حساس دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔اگر میری وطن سے محبت اور عشق کسی غیر ملکی ایجنڈے پر کام کرنے والے سیاستدان، صحافی، بیوروکریٹس یا کسی بھی بااثر شخص کے لیے جرم ہے تو میں خون کا آخری قطرہ بہانے تک یہ جرم کرتا رہوں گا۔

اگر وطن سے الفت ہے جرم اپنا، یہ جرم تا زندگی کریں گے
ہے کس کی گردن پہ خون ناحق یہ فیصلہ لوگ ہی کریں گے

ہمارا مستقبل جوانوں کے ہاتھ میں ہے ہم تو چراغ شب زندگی کی آخری لو کی طرح ٹمٹما رہے ہیں مگر ہماری امیدیں تو ایک دن ہمارے جواں عزم نوجوانوں کے ہاتھوں حقیقت کا روپ دھاریں گی۔

Scanned with CamScanner

چراغ زندگی ہو گا فروزاں ہم نہیں ہوں گے
چمن میں آئے گی فصل بہاراں ہم نہیں ہوں گے
جوانو۔ اب تمہارے ہاتھ میں تقدیر عالم ہے
تم ہی ہو گے فروزاں، بزم امکاں ہم نہیں ہوں گے
اگر ماضی منور تھا، کبھی تو ہم نہ تھے حاضر
جو مستقبل کبھی ہو گا درخشاں ہم نہیں ہوں گے
ہمارے دور میں ڈالی گئی تھیں الجھنیں لاکھوں
جنوں کی مشکلیں ہونگی جب آساں ہم نہیں ہوں گے
کہیں ہم کو دکھا دو اک کرن ہی ٹمٹماتی سی
سحر ہو جائے گی شام غریباں ہم نہیں ہوں گے
ہمارے بعد ہی خون شہیداں رنگ لائے گی
یہی سرخی بنے گی، زیب عنواں ہم نہیں ہوں گے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

حصہ اوّل

گزارش احوال من

قصہ درد سناتا ہوں کہ مجبور ہوں میں

(i) پُر آشوب سفرِ ہجرت:

قیام پاکستان سے پہلے میرے آباؤ اجداد مشرقی پنجاب کی ریاست نابھہ پٹیالہ میں رہائش پذیر تھے والد کریانہ کی تھوک پر اشیائے ضرورت بیچنے والی دُکان کے مالک تھے۔ ہمارا خاندان پر امن اور آسودہ حال زندگی بسر کر رہا تھا، مگر جیسے ہی برصغیر کے مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن (پاکستان) بنانے کا اعلان ہوا۔ ہمارے خاندان کی چھوٹی سی کائنات میں بھونچال آ گیا، صدیوں سے ہمارے ساتھ رہنے والے ہندوؤں اور سکھوں کی آنکھوں میں نفرت کے لاوے ابلنے لگے۔ وہ انسان جنہیں ہم اپنا دوست، بھائی اور بزرگ خیال کرتے تھے وہ ہماری جانوں کے درپے ہو گئے۔ ہمیں پیغام دیا گیا کہ جس قدر جلدی ہو سکے اپنے گھروں کو چھوڑ دیں اور یہاں سے چلے جائیں ورنہ ہمیں قتل کر دیا جائے گا۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہندو اور سکھ جن کے ساتھ مسلمان عرصہ دراز سے مل جل کر رہ رہے تھے، جن کے ساتھ ان کے گہرے سماجی اور ثقافتی رشتے تھے اور بغیر کسی مذہبی تعصب کے وہ ایک دوسرے کے دکھ اور سکھ میں شریک ہوتے تھے۔ محض مسلمانوں کے لیے آزاد وطن کے حصول کی وجہ سے ہندو اور سکھ ہماری جان، مال اور آبرو کے دشمن بن گئے، کیا انسانیت کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا ہے آج سوچتا ہوں تو سمجھ آتا ہے کہ واقعی اس وقت انسانیت کے تمام پہلوؤں کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے جب قوموں کے صدیوں کے تعصبات ان کی نسلوں کی اجتماعی نفسیات کا حصہ بن جاتے ہیں جسکی وجہ سے انسانوں کے اجتماعی گروہوں کی جبلت پر نفرت کے جذبے سے سرشار ہو کر نہتے اور کمزور لوگوں کی اجتماعی نسل کشی (genocide) شروع کر دیتے ہیں۔ انکی خواتین کی عزتوں اور عصمتوں کی پامالی سے اپنے انتقام کی آگ بجھانا شروع کر دیتے ہیں، ایسا ہی المیہ مشرقی پنجاب میں موجود مسلمانوں کے ساتھ شروع ہو چکا تھا۔ مسلمانوں نے سیکڑوں سال تک ہندوستان پر حکمرانی کی اور آج ایک دفعہ پھر مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کی سوسالہ غلامی کے بعد ایک علیحدہ آزاد مسلمان ریاست نصیب ہو رہی تھی تو پھر کیسے ممکن تھا کہ ہندوؤں اور سکھوں کا اجتماعی رویہ تاریخی شکست خوردگی کی وجہ سے بدلے اور نفرت کی آگ کا آتش فشاں بن کر بھڑک نہ اٹھتا جس کو انہوں نے نسل در نسل دبا کر رکھا تھا ہندوستان میں جو بھی مذہب ابھرا وہ ہندومت کی رنگینیوں کے اندر جذب ہو گیا مگر جب مسلمان تاجروں اور صوفیا کرام نے یہاں کے لوگوں کو اسلام کی حقانیت سے آگاہ کیا تو برصغیر کے کروڑوں لوگ مسلمان ہو گئے، ان مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ تمام تر سماجی اور ثقافتی تعلقات کے باوجود اپنی الگ مذہبی شناخت کو برقرار رکھا اور آج تک برصغیر میں بسنے والے مسلمان چاہے وہ متحدہ ہندوستان میں ہیں، بنگلہ دیش اور پاکستان میں ہیں ان کی ایک الگ پہچان اور مذہبی تشخص ابھی تک برقرار ہے کہ وہ ایک خدا کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا آخری نبی تسلیم کرتے ہیں۔

چنانچہ مجھے بھی اپنی ماں کی آغوش میں اپنے خاندان کے دوسرے افراد کے ہمراہ لاکھوں مظلوم اور بے بس مسلمانوں کی طرح ہجرت کے پرآشوب سفر کو طے کرنے کے لیے نابھہ پٹیالہ کے قریب مہاجرین کے لیے قائم کردہ کیمپ میں منتقل ہونا پڑا۔ وہاں پر ہم سے وہ تھوڑا بہت جو زادِ سفر تھا وہ بھی ظالموں نے چھین لیا مگر ہمارے دل و دماغ پر تو وطن کی محبت کا جذبہ عشق ایک روشن الاؤ کی طرح دمک رہا تھا۔ اور ہم سب اپنے

Scanned with CamScanner

مقصد حیات کو حاصل کرنے کے لیے خون اور آگ سے غلطاں میدان کو عبور کرنے پر ہر حال میں تیار تھے۔

(ii) راہِ عشق کے مسافر یہ عشق بھی کیا جذبہ ہے:

خدا سے عشق ہو تو انسان دنیا و مافیا سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے (صبغت اللہ)۔ اسے اگر کسی عورت سے محبت ہو جائے تو وہ اسکی جستجو اور آرزو میں اپنی روح اور دل پر ہر ستم خوش دلی سے برداشت کر جاتا ہے اور دنیا کی ہر مشکل سے بے خطر ٹکرا جاتا ہے وہ فولادی عزم کے ساتھ فرہاد بن جاتا ہے اور اپنی شیریں کے لیے سنگلاخ چٹانوں کو چیر کر دودھ اور شہد کی نہریں بہانے کے ارادے پر اٹل ہو جاتا ہے، کسی نظریے سے عشق ہو تو کارل مارکس بن جاتا ہے، دنیا کی بھوک اور افلاس دور کرنے کے لیے اپنے بچے بھوک اور غربت کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں مگر اپنے نظریے کی سچائی دنیا پر ثابت کرنے کے لیے وہ اپنے بیوی بچوں کی صعوبتوں اور تکلیفوں کو خاطر میں نہیں لاتا ہے اور سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کے خاتمے کے لیے سائنسی حقیقتوں پر مبنی نظریہ دنیا کے سامنے لا کر چھوڑتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ اسکے نظریے کی بنیاد پر دنیا کے 70 سے زائد ممالک میں سوشلزم کا نظام قائم ہو جاتا ہے، میرے حبیب پاک نبی اکرم ﷺ نے 23 سال کے مختصر عرصہ وقت میں بنی نوع انسان کی حالت بدلنے کے لیے ریگستان عرب کے خطے میں عظیم الشان انسانیت افروز انقلاب برپا کر دیا ریاست مدینہ قائم ہو جاتی ہے جہاں ہر انسان کو یکساں حقوق میسر آ جاتے ہیں، کوئی غلام اور آقا نہیں رہتا ہے بس وہی انسان افضل اور برتر ٹھہرایا جاتا ہے جو تقویٰ میں بہتر ہو۔ قائد اعظم کے دل و دماغ میں پاکستان قائم کرنے کے عشق کا جو سودا سمایا تو لاکھوں مسلمانان ہندان کے ہم رکاب ہو گئے، میرے ماں باپ بھی اپنے دو بچوں کے ہمراہ وطن کے عشق کی خاطر اپنے بہن بھائیوں کی شہادتوں کے دیپ جلا کر اپنے خوابوں کی سرزمین کی طرف روانہ ہو گئے، قائد اعظم محمد علی جناح نے وطن کی محبت اور عشق کی جو شمع میرے ماں، باپ اور دوسرے اہل خانہ کے دل و دماغ میں منور کی اسکی خاطر جہاں لاکھوں بوڑھے، بچے، جوان، مرد اور عورتیں شہادت کے درجے پر فائز ہوئے، ہزاروں باعصمت خواتین نے اپنی عصمتوں کو قربان کیا ایسے میں میری نانی اماں، میری خالائیں، میرے چچا بھی دشمنوں کے ہاتھوں پاکستان کے عشق میں سزاوار ٹھہرے اور بے دردی سے شہید کر دیے گئے ایک بیل گاڑی میں میری ماں مجھے اپنی گود میں چھپائے لاکھوں بے خانماں غریب الدیار مسافروں کے ہمراہ اسلام کے نام پر بسنے والی خوابوں کی پاک سرزمین کی طرف خدا کے بھروسے پر چل نکلی، کیا کیا خواب اور سپنے انہوں نے اپنی آنکھوں میں سجا کر اپنے آبائی گھر کو خدا حافظ کہا ہوگا، اپنے بزرگوں کی یادگاروں سے دوری دل پر جبر کر کے قبول کی ہوگی، سوچ رہے ہونگے کہ اپنا دیس ہوگا ہم آزاد ہونگے، اپنی مرضی سے اپنی زندگی بسر کریں گے، پاکستان ریاست مدینہ جیسی اسلامی فلاحی ریاست ہوگی ان کی آئندہ نسلوں کے مستقبل سنور جائیں گے۔ وہ اپنے دین اسلام کے شعائر کے مطابق معاشرے میں عدل، انصاف، مساوات اور سماجی حیثیت حاصل کریں گے مگر افسوس صد افسوس ہے منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے مگر کوئی راہ عشق کے مسافروں کے دل سے پوچھے کہ وہ کس قدر قربانیوں اور روح فرسا تکلیفوں اور صعوبتوں سے آزادی کی منزل تک پہنچے۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کر جانا ہے

(iii) منزلِ مراد:

بیل گاڑی چلتی گئی دو تین ماہ کے طویل اور کٹھن سفر کے بعد بھوک اور افلاس سے بدحال میرے ماں باپ نے اپنے دو بچوں کے ہمراہ سرزمین پاک پر اپنا قدم رکھا، انہیں منزل مراد ملی اور وہ سجدہ ریز ہو گئے، ماں باپ کی خوشی دیدنی ہوگی، آج تصور کی آنکھ سے دیکھ سکتا ہوں کہ وہ کس قدر مطمئن اور مسرور ہوں گے انہیں محسوس ہو رہا ہوگا کہ سب کچھ کھو کر بھی سب کچھ پا لیا، اتنے المناک سفر ہجرت اور پیاروں کی قربانیوں کی

Scanned with CamScanner

عوض پاکستان کی منزل مراد مل جانا تمام دکھ اور رنج بھلا دیتا ہے۔ وطن کے عشق اور آزادی کا نشہ انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ قابل قدر متاع ہوتی ہے میرے نانا، میری ماں اور باپ کے تمام رشتے دار راہ عشق میں اللہ کو پیارے ہو گئے، ان سے بچھڑنے کا دکھ ان کی روحوں کے اندر سرایت کر گیا تھا، ماں اپنی باقی زندگی میں ہر وقت اپنی والدہ کی یاد میں چھپ چھپ کر آنسو بہاتی رہی، اپنی ڈار سے بچھڑی ہوئی بے چین اور بے قرار کونج کی طرح آہ و فغاں کرتی ہوئی اپنے پیاروں کو یاد کرتی مگر اسکے باوجود وہ زندہ رہی شاید اللہ نے اسے میرے لیے پیدا کیا تھا، اُسے پاکستان آ کر میری پرورش کرنا تھی مجھے اس نے زندگی میں کامیاب کرانے کے لیے بہت سی قربانیاں دی تھیں، مائیں ہوتی ہی ایسی ہیں اپنی تشنہ آرزوؤں اور خوابوں کی تعبیر اپنی اولاد کی کامیاب اور مطمئن زندگیوں میں ڈھونڈتی ہیں۔

(iv) جنت گم گشتہ:

ماں بتاتی ہے کہ قصور کے راستے میں اور میرا خاندان اپنی جنت گم گشتہ میں پہنچے وہ سب زندہ لاشوں کی مانند تھے مگر وطن کے عشق کے لیے آزادی پانے کے جنون کو حقیقت میں بدلنے کے لیے تمہارے اور دوسرے بہن بھائیوں کے سنہری مستقبل کے خواب آنکھوں میں سجائے ہم تلخ یادوں کو بھلا دینے کے آرزومند تھے مگر اپنوں سے بچھڑنے کا دکھ اور انکی شہادتوں کے غم روح کے اندر سرایت کر جاتے ہیں یادوں کی اذیت سے انسان موت سے پہلے کیسے چھٹکارا پا سکتا ہے۔

کب نکلتا ہے کوئی دل میں اتر جانے کے بعد
اس گلی میں دوسری جانب تو کوئی رستہ نہیں

(v) عذابِ حیات:

زندگی انسان کے کیا کیا امتحان لیتی ہے، کس طرح اس کے رنگ ڈھنگ روز بروز بدل جاتے ہیں یہ وہی انسان جانتا ہے جس کی پر امن زندگی اچانک اتھل پتھل ہو جائے اس کا وطن اجڑ جائے جس کے پیارے بے گناہ موت کا شکار ہو جائیں اور اس پر ستم ظریفی یہ کہ وہ انسان اپنا گھر بار سبھی کچھ قربان کر کے راہ ہجرت میں جان، مال، آبرو قربان کر کے دیار وطن پہنچے تو وہ عذاب حیات کی نئی مشکلات کا شکار ہو جائے جہاں دو وقت کی روٹی کے حصول کے لیے انہیں محنت و مشقت کے تلخ تجربات سے نئے سرے سے گزرنا پڑے جبکہ اپنے گھروں میں ہجرت سے پہلے وہ خوشحال زندگی بسر کر رہے ہوں اور اپنے نئے وطن کی سرزمین پر انہیں پناہ گیر قرار دے دیا جائے۔ انہیں مقامی افراد نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھیں تو ایسے میں لاکھوں جانوں کی قربانیاں دینے والے کیسے کیسے عذاب سہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کوئی اسکے متعلق میرے دل سے پوچھے

جب بھی اہل چمن کو ضرورت پڑی، گردن سب سے پہلے ہماری کٹی
پھر بھی اہل چمن یہ کہتے ہیں، یہ چمن ہمارا ہے تمہارا نہیں

(vi) زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی میں نے:

لاہور میں مہاجرین کے لیے مختص کیمپ میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد میرے والد ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی حویلی میں منتقل ہو گئے، مگر والد صاحب حد درجہ تک سادہ لوح انسان تھے پتہ نہیں کیوں انہوں نے انجانے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس حویلی کو چھوڑ دیا حالانکہ اگر وہ دوسرے افراد کی طرح چالاک اور ہوشیار ہوتے تو تھوڑی سی کوشش کے ذریعے متروکہ جائیداد کے کمیشن (Settlement Commission) سے قانونی طور پر یہ قیمتی حویلی اپنے نام الاٹ کرا لیتے مگر ایسا نہ ہوا کچھ عرصے بعد وہ اپنے علاقہ نابھہ پٹیالہ کے بہت

سارے افراد کے ہمراہ گجرات چلے آئے انہیں ریلوے سٹیشن کے قریب کنجاہ روڈ پر ایک گھر الاٹ ہو گیا۔ والدہ نے ہجرت کے وقت اپنے زیورات ایک پوٹلی میں باندھ کر بیل گاڑی کے نیچے پائیدان میں چھپا دیئے تھے، انکو فروخت کر کے والد صاحب نے پہلے کپڑے کا کاروبار شروع کیا اور کچھ عرصہ بعد کریانہ سٹور قائم کر لیا جہاں میری نانی اماں، خالائیں اور والد صاحب کے بہت سارے عزیز و اقارب ہجرت کے راہ وفا میں بے گناہ مارے گئے، نانا بھی اللہ کو اس حالت میں پیارے ہو گئے کہ ہمارے گھر میں انکے جنازے کو کندھا دینے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ پھر وہ بیل جنہوں نے انسانوں سے بڑھ کر ہمارا ساتھ دیا وہ بیل بھی زندگی کی تلخیوں سے گھبرا کر منہ موڑ گئے، میں اور میری بہن ان کی موت پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔ ایسے لگا کہ جیسے میری زندگی کی سب سے زیادہ قیمتی متاع مجھ سے چھن گئی ہے۔ مگر انسان جب تک زندہ رہتا ہے اسے اپنی پیٹ کو پالنے کے لیے محنت و مشقت تو کرنا پڑتی ہے چاہے وہ غموں اور دکھوں کے بوجھ تلے پس کر چور چور ہو چکا ہو۔

کوئی نہیں غمگسار انساں

کیا تلخ ہے روزگار انساں

بڑی بہن کی شادی اور روزمرہ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ہمیں کنجاہ روڈ پر واقع اپنا گھر بیچنا پڑ گیا پھر میں اپنی والدہ کے ہمراہ چاہ چپل والا صرافہ بازار گجرات میں ایک نیلامی میں حصہ لینے پہنچا، میری عمر نو یا دس سال کی ہو گی جونہی ایک 4 مرلے کے ٹوٹے ہوئے گھر (کھولی) کی نیلامی شروع ہوئی اور اس کی قیمت کے لیے 1200 روپے کی بولی کا اعلان ہوا تو میری والدہ نے مجھے کہا کہ ہاتھ کھڑا کر دوں اور نیلام کنندہ سے کہوں کہ میں یہ گھر خریدنا چاہتا ہوں میں نے والدہ کے حکم کی تعمیل کی میں نے اس بولی میں 1200 روپے کے عوض گھر کا کلیم اپنے خاندان کے لیے حاصل کر لیا۔ مجھے ایسے لگا کہ میں بچپن ہی میں بڑا ہو گیا ہوں۔ ہجرت، بے سروسامانی، غربت، ڈر اور خوف کی فضا میں ایک بچے کا بچپن کیا ہو سکتا ہے بس میرے بچپن کے کھیلنے کے دن اور بے فکری کے دن حالات اور زمانے کی تلخیوں اور جبر مسلسل کی نذر ہو گئے۔ شاید اسی لیے میرے اندر سنجیدگی کچھ ضرورت سے زیادہ ہے اور آج بھی ہر وقت عدم تحفظ کے احساس کی وجہ سے عملی زندگی میں محنت اور جہد مسلسل میں لگا رہتا ہوں بچپن میں شوخیاں شرارتیں کیا کرتا تھیں بس اماں جی نے ایک ہی نسخہ کیمیا بتایا کہ محنت، تعلیم اور مسلسل جستجو ہی تمہارا ہتھیار ہے اسی سے زندگی بدلی جا سکتی ہے چوری کرنا انسان کے لیے طعنہ ہے، دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اور کچھ حاصل کرنے کے لیے گریہ زاری کرنا طعنہ ہے مگر یہ یاد رکھنا محنت میں کوئی عار نہیں ہے۔ یہ کسی انسان کے لیے "میہنہ" یعنی طعنہ نہیں بن سکتا ہے۔ مجھے ماں جی کی یہ بات سن کر پیارے نبی ﷺ کی حدیث یاد آ جاتی ہے "الکاسبُ حبیب اللہ" "محنت کش اللہ کا دوست ہے" مگر ہمارے معاشرے میں کام اور محنت کے ذریعے روزگار کمانے والے کو کمی کہا جاتا ہے یعنی وہ کمتر انسان ہے جبکہ جاگیردار، وڈیرے اور سرمایہ دار خود کچھ نہیں کرتے ہیں سرمائے اور طاقت کی بدولت دوسروں کی محنت کے استحصال کے ذریعے پر تعیش زندگی بسر کرتے ہیں وہ ہمارے معاشرے میں معزز ہوتے ہیں اور با عزت کہلاتے ہیں مگر غریب آدمی کے پاس سوائے محنت بیچنے کے دوسرا کوئی آپشن نہیں ہوتا ہے، میرے والدین کی زندگی کی تلخیوں اور مجبوریوں کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔

زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی میں نے

جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

(vii) تعلیمی سلسلہ کار:۔

گورنمنٹ پرائمری سکول سردار پورہ گجرات میرا پہلا مکتب تھا، پرائمری کا امتحان میں نے وظیفے کے ساتھ پاس کیا، مجھے آج بھی اپنے ہیڈ ماسٹر محمد صابر صاحب یاد ہیں جو ہمیں حساب پڑھاتے تھے ایک دفعہ کسی بچے نے اپنے کلاس فیلو کا قلم چرا لیا۔ صابر صاحب کے پاس شکایت پہنچی

توانہوں نے ایک سرکنڈے پر چراغ روشنائی کا سفوف لگایا اور کہا ہر بچہ اس پر اپنا ہاتھ پھیکانے گا جو بچہ چور ہوگا اسکا ہاتھ اس کے ساتھ چپک جائے گا، ہم سب نے اپنا اپنا ہاتھ اس کے ساتھ چپکایا مگر جب چور لڑکے کی باری آئی تو وہ کلاس سے غائب ہو گیا اس طریقے سے ماسٹر صاحب نے چور کا پتہ چلا لیا، ایک دفعہ میں نے کلاس روم کے باہر دیکھا تو ایک سائیکل سوار سکول کی طرف آ رہا تھا، میرے کلاس کے استاد نے بتایا کہ انسپکٹر صاحب معائنے کے لیے سکول آ رہے ہیں لہذا وہ کلاس میں جس بچے کی طرف اشارہ کر کے کوئی سوال پوچھیں گے تو وہ فوراً جواب دے گا۔ ایسا ہی ہوا انسپکٹر صاحب ہماری کلاس میں بھی تشریف لائے اور ایک بچے کو کھڑا ہونے کے لیے کہا اور دو اعداد کی ضرب کا جواب پوچھا، بچے نے شاید درست جواب دیا اور وہ مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ آج میں سوچتا ہوں کہ اگر وہ ہم سے یہ پوچھتے تھے کہ سومنات کے مندر کا بت کس نے توڑا تھا تو ہو سکتا ہے کہ ہم جواب دیتے کہ ہم میں سے کسی نے نہیں توڑا ہے مجھے ایک دن اخبار میں پیپلز پارٹی کے سابق وزیر قانون بابر اعوان صاحب کا بیان پڑھ کر اپنی قابلیت پر کسی حد تک اطمینان ہوا جب انہوں نے بتایا کہ سومنات کے مندر کا بت ظہیر الدین بابر نے توڑا تھا۔

پانچویں جماعت میں وظیفے کی رقم کی وجہ سے میں نے پبلک ہائی سکول ریلوے روڈ گجرات میں چھٹی جماعت میں داخلہ لے لیا اور اللہ کے فضل و کرم، ماں باپ کی دعاؤں اور انکی سختی کی وجہ سے مڈل میں مجھے پھر وظیفہ مل گیا اور میں میٹرک میں ہائی فرسٹ ڈویژن 735 نمبرز کے ساتھ کامیاب ہوا، مجھے ایک دفعہ پھر وظیفہ مل گیا میری ماں خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی، گھر میں حلوائی بلوایا گیا اور اس نے گرم گرم جلیبیاں تیار کیں جنہیں انہوں نے سارے محلے میں تقسیم کرا دیا، اماں جی پڑھائی کے معاملے میں کس قدر سخت گیر تھیں اسکا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ میں عید کے روز اپنے رشتے داروں کے ہمراہ فلم دیکھنے چلا گیا اور انہوں نے مجھے پان بھی کھانے پر مجبور کیا، جب میں گھر واپس آیا تو میری ماں خوب ناراض ہوئیں اور میری کتابیں گھر کے باہر ایک نالے میں پھینک دیں اور کہا کہ تمہاری پڑھائی ختم کیا میں تمہارے لیے اس وجہ سے محنت کرتی ہوں کہ تم فلمیں دیکھو، بڑی مشکل سے میں نے انہیں منایا پھر شاید کبھی زندگی بھر سینما گھر کا رخ نہیں کیا، اسی طرح ایک دفعہ میرے دوستوں نے کہا کہ تم اس لیے دبلے پتلے ہو کیونکہ تم سگریٹ نہیں پیتے ہو۔ یہ لو پکڑو سگریٹ اور کش لگاؤ جیسے ہی میں نے سگریٹ کا کش لگایا والد صاحب پتہ نہیں کیسے وہاں پر آن وارد ہوئے اور انہوں نے مجھے گردن سے دبوچ لیا، میرے دوست وہاں سے بھاگ گئے اور انہوں نے میری خوب پٹائی کی وہ دن اور آج کا دن میں نے کبھی سگریٹ کو ہاتھ تک نہیں لگایا، میٹرک کے بعد مجھے زمیندارہ ہائر سیکنڈری سکول گجرات میں ایف اے میں داخلہ مل گیا، میٹرک میں میرے وظیفے کی رقم سے گھر میں پانی کا نلکا اور بجلی کنکشن بھی لگ گیا، جبکہ میٹرک کی تیاری تو میں نے لالٹین کی روشنی میں کی، ایف اے میں ایک دفعہ پھر نمایاں نمبرز حاصل کئے اور تیسری مرتبہ وظیفہ حاصل کیا اور ایف اے کرنے کے بعد زمیندارہ کالج گجرات سے اکنامکس کے ساتھ بی اے کا امتحان پاس کیا جس وقت میں گجرات میں تعلیم حاصل کرتا تھا تو اس وقت وہاں کے سماجی اور سیاسی حالات و واقعات کا بھی مشاہدہ کرتا تھا۔

(viii) یادِ ماضی :۔

بچپن کے حالات و واقعات یادِ ماضی سے کبھی اوجھل نہیں ہوتے ہیں میٹرک کا طالب علم تھا گجرات میں پڑھتا تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس دور میں مسلم لیگی رہنما خان عبدالقیوم نے سرائے عالمگیر سے لیکر گجرات تک 32 میل لمبے جلوس کی قیادت کی، گجرات میں ان دنوں دو سیاسی شخصیات چودھری ظہور الٰہی اور نوابزادہ اصغر علی کا بڑا غلغلہ تھا۔ انہی دنوں ایوب خان کے دور حکومت کے مغربی پاکستان کے وزیر خزانہ مظفر علی قزلباش گجرات کے دورے پر آئے تو چودھری ظہور الٰہی نے دریائے چناب پر درجنوں گھڑ سواروں کے ساتھ انکا پرجوش استقبال کیا، جس سے خوش ہو کر مظفر علی قزلباش نے چودھری ظہور الٰہی کی پاکستان ٹیکسٹائل مل کو سلک کا کوٹہ الاٹ کر دیا جس سے ان کو اُسوقت کروڑوں کا فائدہ ہوا۔ اسی

Scanned with CamScanner

طرح وزیر اعظم حسین شہید سہروردی گجرات آئے تو وہاں کی ایک معروف کاروباری اور سیاسی شخصیت معراج الدین نے انکا شاندار استقبال کیا اور ایک بہت بڑا جلسہ عام منعقد کیا انہیں بھی حسین شہید سہروردی نے سلک کا کوٹہ الاٹ کر دیا۔ پاکستان کے حکمرانوں کا ہمیشہ یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے خوشامدیوں اور کاسہ لیسوں کو پاکستان کے خزانے سے اسطرح نوازتے تھے جیسے وہ حاتم طائی ہوں اور آج بھی سیاسی وفاداریاں خریدنے کے لیے حکمران اس پر عمل پیرا ہیں حالانکہ پاکستان قائم کرنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ سیاسی حلیفوں کو نوازتے رہیں اور غریبوں کو دو وقت کی روٹی بھی میسر نہ ہو، انہی دنوں چودھری ظہور الٰہی نے ایوب خان کے ساتھ مراسم قائم کرنے کی کوشش کی اور پنجاب کا گورنر بننے کے لیے کوششیں شروع کیں تو اس وقت کے پنجاب کے دبنگ گورنر نواب امیر محمد خان نے چودھری ظہور الٰہی کو گورنر ہاؤس طلب کیا اور کہا کہ تم پولیس میں حوالداری کی نوکری کرتے تھے مگر تم نے اس نوکری سے حکومتی قوانین اور ضابطوں کے مطابق استعفیٰ نہیں دیا۔ لہٰذا آج سے نوکری جائن کرو وردی پہنو اور ایک مہینے کے نوٹس کے بعد نوکری سے باضابطہ طور پر استعفیٰ دو۔ چودھری ظہور الٰہی سمجھدار آدمی تھے فوراً نواب امیر محمد خان سے معافی تلافی کر کے جان چھڑائی مگر اس دوران گورنر کے ایما پر کسی نے ان پر بھینس چوری کا مقدمہ درج کروا دیا تھا اور مجھے آج بھی یاد ہے کہ چودھری ظہور الٰہی سیشن کورٹ میں اس مقدمے کی پیشی کے لیے آتے تو عدالت کے باہر ایک ہجوم اکٹھا ہو جاتا تھا اور اس ہجوم کے اندر میں بھی ایک کونے میں کھڑا بڑی دلچسپی سے تماشا دیکھا کرتا تھا۔ بچپن کی یادیں ہمیشہ انسان کو ماضی کی طرف مراجعت کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں چاہے کس قدر تلخ اور تکلیف دہ کیوں نہ ہوں، میری ماں اکثر، مجھے انگھیٹی میں لکڑی کا برادہ بھرنے کے لیے کہتیں اور پھر اس میں آگ روشن کر کے اس پر کھانا اور چائے پکائی جاتیں۔ اس دور میں ماں جب چائے بنانے کے لیے پانی بھر کر کیتلی انگھیٹی پر رکھتی تو اس میں پتی ڈالنے کے ساتھ ہی دیسی انڈے دھو کر بھی ابلنے کے لیے رکھ دیتیں مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ انڈوں کو چائے کے پتی والے پانی میں کیوں ابالا جاتا ہے شاید ایسا ایندھن بچانے کی غرض سے کیا جاتا تھا مگر کچھ عرصہ پیشتر جب میں وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف کے ہمراہ چین کے دورے پر گیا تو وہاں فائیو سٹار ہوٹل میں ٹھہرا اور اس کے مینیو میں درج تھا Egg boiled in tea شاید چین میں چائے میں ابلنے والے انڈوں میں کوئی خاص تاثیر پائی جاتی ہو گی یا انڈے کے چھلکے سے کیلشیم کا اثر چائے میں آ جاتا ہو گا بہر حال بعض رواج اور دانائیاں، ذائقے اور صحت و تندرستی کے لیے کھانے پکانے کے ٹوٹکے نسل در نسل خاندانوں میں منتقل ہوتے جاتے ہیں شاید میری ماں نے بھی اپنی ماں کو چائے میں انڈے ابالتے دیکھا ہو گا اور اس کو اپنا لیا ہو گا، مگر آج کی نئی نسل تو شاید بزرگوں کی روایات کو اپنانے میں شرم محسوس کرتی ہے، ہم ٹاٹ اور بینچ والے سرکاری سکولوں میں پڑھتے تھے اور آج بھی ہمارے پاکستان میں غریبوں کے بچوں کی اکثریت سرکاری سکولوں میں پڑھتی ہے مگر ان سکولوں کے اساتذہ پرانے اساتذہ کی طرح دل جمعی اور کمٹمنٹ سے نہیں پڑھاتے ہیں بلکہ ان کا سارا زور سکول کے بعد ٹیوشن پڑھانے پر ہوتا ہے جبکہ دوسری طرف پرائیویٹ سکولوں کالجوں اور اعلیٰ درجے کے انگلش میڈیم اور امریکی سکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے والے امراء کے بچے اے لیول اور او لیول کے بعد مغربی اداروں سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد یا تو وہیں سیٹل ہو جاتے ہیں یا پاکستان واپس آ کر بیوروکریسی اور حکمران طبقے میں شامل ہو کر حکومت کرنا شروع کر دیتے ہیں، اُن دنوں لوگ لڑائی جھگڑوں میں بندوق اور پسٹل کے استعمال سے آشنا نہیں تھے وہ آپس کی لڑائیوں میں لمبی لمبی لاٹھیاں جن پر پیتل کے خول چڑھے ہوتے تھے ایک دوسرے پر حملے کے لیے استعمال کرتے تھے، پنجاب کا مقبول روایتی کھیل گتکے کا پس منظر بھی یہی ہے پنجاب میں بہادری اور دلیری کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کو آمنے سامنے للکار کر حملہ کیا جائے جبکہ پہاڑوں میں بسنے والے لوگ جو اپنے آپکو بڑا بہادر اور دلیر خیال کرتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے دشمن پر پہاڑوں کی اوٹ میں چھپ کر گھات لگا کر حملہ کرتے ہیں اور خود ہی اپنی بہادری کی داستانوں پر عش عش کرتے ہیں جبکہ سرزمین پنجاب کے ہیرو بھگت سنگھ ہو، دُلا بھٹی ہو یا غازی علم دین انہوں نے ہمیشہ دشمن کو للکار کر موت کے گھاٹ اتارا، ان کا شیوہ زندگی ہی یہ رہا ہے

چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

Scanned with CamScanner

(ix) پاکستان..............جمہوریت پر کیا بیتی

پاکستان میں جمہوری عمل کو رائج کرنے میں جو پہلا قدم راولپنڈی کی ناکام سازش کیس سے شروع ہوا تھا اس کے بعد طریقہ کار حالات کے مطابق بدلتا رہا۔ پہلے منتخب وزیر اعظم لیاقت علی خان کو ایک درآمدی افغانی قاتل کے ہاتھوں لیاقت باغ راولپنڈی میں شہید کردیا گیا اور قاتل کو موقع پر ہی نہ صرف ہلاک کردیا گیا بلکہ تفتیشی شہادت کی رپورٹ لے جانے والی ٹیم کے سربراہ کو بھی طیارے کے کریش میں ختم کر دیا گیا۔ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد میوزیکل چیئرز کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا گیا جس کی سنگین صورت نوکر شاہی کے ایک اہم پرزے (غلام محمد) کو اولین طور پر پاکستان کا تیسرا گورنر جنرل مقرر کرایا گیا اور پھر اس کے ہاتھوں پہلی آئین ساز اسمبلی کو تڑوا کر چیف جسٹس منیر سے آئین ساز اسمبلی توڑنے کے حق میں فیصلہ لے لیا گیا۔ اللہ اللہ کر کے 23 مارچ 1956 کو پاکستان کو ایک دستوری جمہوری حکومت نصیب ہوئی جس میں مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان سیاسی مساوات کا اُصول تسلیم کیا گیا لیکن وزیر اعظم بدلتے رہے کنگز پارٹیاں بنتی رہیں اور ٹوٹتی رہیں۔ ان ہی مبینہ نالائق اور کرپٹ سیاستدانوں نے آٹھ ستمبر 1958 کو سفارتی اور سیاسی کارنامہ انجام دے کر لینڈ لاکڈ (Land Locked) بلوچستان کو بحیرہ عرب کا نیلگوں سمندر روشناس کرایا اور سلطنت عمان سے گوادر کو واپس لے کر پاکستان میں شامل کر لیا۔ مغربی آقاؤں کو یہ سفارتی پھرتی ایک آنکھ نہ بھائی اور تیس دن کے اندر پاکستان میں آئین معطل کرا کر مارشل لاء کا نفاذ کرا دیا۔ جس میں کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان کو وزیر اعظم مقرر کر دیا گیا اور تین ہفتوں کے اندر صدر مملکت سکندر مرزا کو ملک بدر ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ فروری 1959 میں منعقد ہونے والے پہلے عام انتخابات منسوخ کر دیئے گئے اس کی جگہ بی ڈی (بنیادی جمہوریت) سسٹم نافذ کیا گیا جس میں چالیس چالیس ہزار بی ڈی ممبروں نے مغربی اور مشرقی پاکستان سے جنرل ایوب خان کو اعتماد کا ووٹ دے کر ریفرنڈم میں حکمرانی کا اختیار سونپ دیا۔ حکمرانی کا حق کیا تھا موصوف نے فی الفور پاکستان ایئر فورس کا پشاور والا ہیڈ کوارٹرز امریکیوں کو سوویت یونین کی جاسوسی کیلئے دس سالہ لیز پر عطا کر دیا۔ ایک سال کے اندر پنجاب کے تین دریا راوی، ستلج، بیاس کو سندھ طاس معاہدے کے تحت بھارت کو تحفہ کے طور پر دے دیئے پنڈت جواہر لعل نہرو وزیر اعظم بھارت نے بنفس نفیس اس وقت کے دارالحکومت کراچی تشریف لا کر ایوب خان کو سند بخشی۔ اس دوران غیر جمہوری کلچر کی بھرپور طریقے سے آبیاری کی گئی مشرقی بنگال کا نام اور شناخت ختم کر کے مشرقی پاکستان جیسا محب وطن نام رکھ دیا گیا۔ ایک طرف پنجاب اور بہاولپور سمیت 62 فیصد آبادی کو قومی و صوبائی اسمبلیوں میں 40 فیصد نمائندگی تک مجبور کیا گیا تو دوسری طرف مشرقی بنگال کی 52 سے 54 فیصد آبادی کو بھی نصف تسلیم کیا گیا اس ماحول میں جو فضا پروان چڑھی حکمرانی کے بلاشرکت غیرے مزے لینے کیلئے ملک میں اپنا مرتب کردہ دستور جون 1962 میں نافذ کر دیا اور خود کو فیلڈ مارشل کا عہدہ عطا کرنے کے ساتھ ساتھ نشان پاکستان اور ہلال جرأت (جو صرف جنگی بہادری پر عطا کیا جاتا ہے) وہ بھی اپنے سینے پر سجا لیا اڑھائی سال بعد ایک دفعہ پھر 1959 والے بی ڈی سسٹم کے ذریعے اپنا انتخاب کروانے کا بندوبست کیا جس کیلئے اپنے ہی آئین میں بنیادی تبدیلیاں کی گئیں اور پھر بانی پاکستان کی حقیقی بہن محترمہ فاطمہ جناح کو کھلی دھاندلی سے پاکستان کے دونوں حصوں میں شکست فاش دینے کا کارنامہ سرانجام دیا ملک بھر میں ہنگامے پھوٹ پڑے۔ تعلیمی ادارے کئی ماہ بند کرنا پڑے طلبا کی شہادتوں نے قوم کا غصہ اور بڑھا دیا قوم کی توجہ ہٹانے کیلئے کشمیر میں آپریشن جبرالٹر شروع کیا گیا جس کے نتیجے میں ستمبر 1965 کی پاک بھارت جنگ

Scanned with CamScanner

ناگزیر ہوگئی۔ 17 دنوں کے اندر جنگ بندی ہونے کے بعد سوویت یونین سے مدد کی درخواست کی کیونکہ دفاعی اتحادی امریکہ اور اس کے حواری اس جنگ میں دوسری طرف اپنا وزن ڈال رہے تھے۔ سوویت یونین نے معاہدہ تاشقند کی راہ ہموار کی لیکن اس سے نیا سیاسی بحران پیدا ہوگیا جس کے نتیجے میں ذوالفقار علی بھٹو نے وزارت خارجہ چھوڑ کر فیلڈ مارشل ایوب خان کی کنگز پارٹی جس کے بھٹو خود بھی سیکرٹری جنرل تھے کو چیلنج دے دیا۔ پشاور ہوائی اڈے کی لیز کے اختتام سے پہلے دونوں سپر پاورز کی پاکستان میں دلچسپی مزید بڑھ گئی اور لیز ختم ہوتے ہی یحییٰ خان نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ اللہ اللہ کر کے براہ راست جنرل الیکشن کی طرف تمام جماعتوں کے تعاون سے راہ ہموار کی لیکن انتخابات کے نتائج کو ایک بار پھر تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ فوجی صدر (سی ایم ایل اے) بدستور ریاست کی سربراہی پر مُصر تھا جس کی دونوں بڑی سیاسی جماعتیں عوامی لیگ اور پی پی پی حامی نہیں تھیں لیکن اس معاملے کو سیاسی جماعتوں کے آپس کے اختلافات کا رنگ دے کر مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن مارچ 1971 میں شروع کردیا گیا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ 25 مارچ جنرل یحییٰ خان کو کسی نجومی نے نیک فال بتائی ہوئی تھی۔ دنیا بھر میں اس اقدام کی مخالفت ہوئی اور پاکستان کے قریب ترین دوستوں نے گفت وشنید کے ساتھ مسئلے کا حل نکالنے کی تلقین کی لیکن بدقسمتی کی بات ہے کہ جب فوجی ایکشن کے زور کے دنوں میں عوامی لیگ کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کردیا گیا۔ کم وبیش 80 قومی اسمبلی کی نشستیں اور 130 صوبائی اسمبلی کی نشستیں خالی کروائی گئیں اور ان پر فرضی ضمنی الیکشن کرا کر حکومتی حواریوں کو ان نشستوں پر کامیاب کروایا گیا۔ اس طرح ایک دفعہ پھر جمہوری روایات کا قتل عام کردیا گیا جو بعد میں آنے والے حکمرانوں کیلئے انتخابات کو شفاف رکھنے کی کوئی خاص کوشش یا ضرورت محسوس نہ کی۔ ملک دولخت تو ہوا اور 1973 کے نئے آئین میں مارشل لاء لگانے والوں کیلئے موت کی سزا کا قانون بھی رائج کیا گیا لیکن اس کے باوجود گزشتہ 45 میں سے 20 سال دو حاضر سروس فوجی حکمران مارشل لاء لگا کر ریاست کے تمام وسائل پر قابض رہے اور ایک دفعہ پھر باقی ماندہ ملک کی بنیادیں ہلا دیں۔ ہر دو نے 26 سال افغان جنگوں میں قوم کو امریکہ کی ایما پر الجھایا اور عوامی فلاح وبہبود کی بجائے کھربوں روپے جنگی مہموں میں بہا دیئے ملک دہشت گردی اور اندھیروں کے حوالے کردیا اور خود اپنے خاندانوں سمیت عیش وعشرت کی وادیوں میں کھو گئے۔ ان حالات میں جو بھی لولی لنگڑی جمہوری حکومت یا پارٹی اقتدار میں آئی اس کے سر پر بھی نظریہ ضرورت کا ہتھوڑا اور گردن پر بوٹ رکھ کر جمہوری نظام کو ہر طریقے سے بدنام اور کرپٹ بنانے یا تاثر پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی چونکہ عام انتخابات میں براہ راست ووٹنگ میں زیادہ دھاندلی کی گنجائش نہیں ہوتی اس لئے جب اپنے مطلب کی حکومت نہ آئی تو اس کے خلاف دھرنے جلسے جلوس کروا کر اسے عضو معطل بنانے کی کوشش کی یا کسی ایسے مسئلے میں الجھا دیا جس سے منتخب نمائندے عوامی خدمت کی بجائے اپنی جان وعزت کی حفاظت پر توجہ دینے پر مجبور کردیئے گئے۔ اس پس منظر میں وفاق کو خطرات کے پیش نظر اپنے تمام اختلافات کے باوجود سیاسی جماعتوں نے 2010 میں 18 ویں ترمیم پاس کرائی جس سے مایوس اور ناراض چھوٹے صوبوں میں وفاق کی کچھ ساکھ بحال ہوئی دہشت گردی کو ایک باقاعدہ قومی مہم کے تحت ختم کرنے کا اہتمام کیا گیا جس میں عوامی سیاسی حمایت اور فوجی قوت کا بہت خوبصورت امتزاج استعمال کیا گیا۔ ہر طرف سے جمہوری نظام کی پختگی کی خواہش اور کوشش کے باوجود کچھ قوتیں ایسے حالات پیدا کرنے میں مصروف رہتی ہیں جس سے ملک میں سیاسی بے چینی کسی نہ کسی صورت میں جاری رہے۔ پاکستان کے مخصوص جغرافیائی اور اقتصادی حالات کے پیش نظر چین نے ایک بھرپور امدادی پیکج بعنوان (سی پیک) دینے کا معاہدہ کیا جس سے پاکستان کے بنیادی ڈھانچے (انفراسٹرکچر) کو استحکام اور مضبوطی کی راہ ہموار ہوئی لیکن اس امکان کے پیش نظر کہ کہیں کوئی جمہوری حکومت اس کا کریڈٹ نہ لے لے

Scanned with CamScanner

دو تہائی اکثریت کے بل بوتے پر منتخب وزیر اعظم نواز شریف کو 2017 میں وہ ایک اقامے کی بنیاد پر نااہل قرار دلوا دیا گیا اور اس کے پورے خاندان کو مقدمات میں الجھا دیا گیا۔ دوسری طرف چونکہ اپنے چار سالہ دور میں انہوں نے عوامی فلاح کے منصوبوں میں رکاوٹ نہ آنے دی تو اس کے مستقبل کی امکانی کامیابی کو روکنے کیلئے دوسرے مرحلے میں 2018 میں بلوچستان سے اکثریتی حکومت کی پارٹی میں خفیہ دراڑیں ڈال کر 1958 سے پہلے والی صورتحال پیدا کر دی گئی جس کا مقصد مسلم لیگ (ن) کو سینٹ الیکشن میں اپنا حصہ بقدر جثہ حاصل کرنے میں منہ کی کھانی پڑی۔ یہیں پر بس نہیں کیا گیا بلکہ پارٹی کے جاری کردہ ٹکٹوں کو بھی آزاد کر دیا گیا جو منتخب سینیٹرز کو ووٹ دینے میں سہولت رہے تقریباً تمام بڑی چھوٹی پارٹیوں نے کھلم کھلا پیسے اور خفیہ طاقتوں کی مداخلت کے الزامات لگائے جس کا منہ بولتا ثبوت اسی پارٹی کا وزیر اعلیٰ بلوچستان بننا اور پھر چیئرمین سینٹ بھی منتخب ہونا کم از کم الیکٹورل کالج کے نمبروں کی پارٹی پوزیشن کا مظہر نہیں۔ کیا یہ کھیل 2018 کے عام انتخابات میں بھی رواں دواں رہے گا یا عوام اپنے ووٹ کی طاقت سے اس کا جواب دیں گے ایک بات اظہر من الشمس ہے کہ جو بھی پارٹی جیت جائے گی سینٹ میں مطلوبہ اکثریت نہ ہونے کی وجہ سے اسے حکومت کرنے میں وہی دشواری پیش رہے گی جو 2013 سے 2018 کے درمیان نون لیگ کو رہی اس دوران اگرچہ بہت اہم قانون سازی اور آئینی ترامیم کی گئیں لیکن ایسا کرتے وقت سیاسی پختگی اور قومی مفاد کو سامنے رکھا گیا مکمل ہم آہنگی سے اہم قوانین پاس کروائے گئے جن میں انسداد دہشت گردی ایکٹ، کراچی کے آپریشن کیلئے کی گئی ترامیم، مقامی حکومتوں کے انتخابات، فوجی عدالتوں کا قیام پاکستان پروٹیکشن ایکٹ اور الیکٹورل ریفارمز 2017 بھی شامل ہیں لیکن یہاں بھی ایک معمولی سی تکنیکی بنیاد بنا کر مذہبی جذبات کو بھڑکایا گیا اور ملک میں ہنگاموں جیسی صورتحال پیدا کروا دی گئی۔ لیکن الحمد اللہ عوامی سطح پر رائے عامہ نے اور میڈیا نے اس رویے کی سخت مزاحمت کی جس پر متعلقہ حلقوں اور طاقتوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ ردعمل آج بھی مصلحت ہے یا کچھ اور یہ وقت بتائے گا۔

(ix-a) پاکستان کے بہترین اور بدترین عام انتخابات

راقم نے کم و بیش نصف صدی پر محیط اپنے صحافتی دور میں یحییٰ خان کے متحدہ پاکستان میں کرائے گئے عام انتخابات دیکھے۔ ان کے نتائج روزنامہ جنگ میں فائل کئے یحییٰ حکومت کے کرائے گئے انتخابات کو آج بھی لوگ شفاف ترین قرار دیتے ہیں اس کے بعد مارچ 1977 کے بھٹو دور کے مغربی پاکستان میں ہونیوالے جنرل انتخابات کی کوریج بھی کی جس میں دھاندلی اس قدر ہوئی کہ اپوزیشن جماعتوں نے پی این اے کے نام کے ساتھ ملک گیر احتجاجی تحریک چلائی جس کا نتیجہ 5 جولائی 1977 کو ضیاء مارشل لاء کی شکل میں نکلا جمہوریت کی بساط رات کے اندھیرے میں لپیٹ دی گئی بھٹو اور ان کی کابینہ کے ارکان گرفتار/نظر بند کر دیئے گئے اس کے ساتھ ہی دھاندلی والے جنرل الیکشن کی بنیاد رکھ دی گئی۔

جنرل الیکشن 2018۔ بقول امیر جماعت اسلامی پاکستان سراج الحق پاکستان کے بلحاظ دھاندلی بدترین جنرل الیکشن ہیں اور سابق وزیر دفاع خرم دستگیر کے بقول 25 اور 26 جولائی 2018 کو ہم نے "ننگی تماشا" دیکھا قدرت (طاقت) رکھنے والوں نے طے شدہ پولنگ سٹیشنوں سے پولنگ ایجنٹوں کو نکال باہر کیا اندر سے دروازے بند کر کے حاصل کردہ ووٹوں کے فارم 45- پر پولنگ ایجنٹوں کے دستخط کرائے بغیر من چاہا نتیجہ جاری کر دیا اور جس جماعت کو 2014 سے برسر اقتدار لگانے کی منصوبہ بندی قدرت والوں نے بنا رکھی تھی اسے مرکز اور صوبوں میں اکثریت سے جتایا کہ مقید سابق وزیر اعظم نواز شریف کے وفادار امیدواروں جن میں سابق وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی شامل تھے کو انہوں نے

Scanned with CamScanner

کارروائی کر کے شکست سے دوچار کیا یہی انجام نواز شریف کا ساتھ نہ چھوڑنے والے امیدواروں کا 25 اور 26 جولائی 2018 کی رات کو مسلح اہلکاروں کے ذریعے کرایا جنرل الیکشن 2018 میں پولنگ کے دوران نگران حکومت مسلح سرکاری اہلکار پولنگ سٹیشن کے اندر تعینات نہ کرتی تو یہ طریقہ واردات کامیاب نہ ہو پاتا۔

وطن آزاد کے اکہتر سال مکمل ہونے کے ساتھ پندرہویں قومی اسمبلی کا آغاز ہوا اگر جمہوری تسلسل قائم رہتا اور ہر اسمبلی اپنا وقت پورا کرتی تو پھر بھی اس نظام الاوقات میں پندرہویں منتخب قومی اسمبلی ہی شروع ہوتی حالانکہ اس عرصہ میں کم و بیش چونتیس سال کا عرصہ چار طالع آزما گھوڑسواروں نے ملک عزیز پر جبری قبضہ کئے رکھا اس سے قطع نظر پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ دو جمہوری منتخب گو لولی لنگڑی حکومتوں نے اپنا وقت (پانچ پانچ سال) پورا کیا گو کہ ہر دو نے بھی ایک ایک وزیر اعظم کی بوجوہ قربانی بھی دی جنرل الیکشن 2018 ہماری انتخابی تاریخ میں اس وجہ سے بھی یاد رکھا جائے گا کہ اس میں دو تہائی اکثریت سے منتخب کئے جانے والی حکومت کے عہدیدار اور ارکان مسلسل انتخابات کے عمل میں مرئی اور غیر مرئی (Visible-Un Visible) قوتوں اور ''مقدس اداروں'' کے بارے میں سوالات اٹھاتے رہے جو اندرونی جوڑ توڑ کے علاوہ ہر قسم کا حربہ دیکھنے میں آیا۔ لیکن بدقسمتی سے ان سب خرابیوں کا بوجھ ایک بے ضرر محکمہ زراعت کے کھاتے میں ڈال دیا گیا حالانکہ یہ پاکستان کا وہ واحد شعبہ ہے جس کی خاموش کارکردگی کی وجہ سے گندم درآمد کرنے والا ملک آج سات گنا آبادی کی غذائی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ گندم چاول کی کثیر مقدار برآمد بھی کرتا ہے اور ملک کو زرمبادلہ کمانے کا باعزت موجب بھی بنتا ہے۔

مسلم لیگ نون کو اس بارے میں مطمئن ہونا چاہئے کہ ان کی پارٹی کو دو ہزار دو کے مقابلے میں پانچ گنا نشستوں پر کامیابی نصیب ہوئی جو کہ تمام تر رکاوٹوں پلانوں، سازشوں کے الزامات پر حاوی رہی لیکن پاکستان کی تاریخ میں قانون کی کھلی خلاف ورزی جو جنرل الیکشن 2018 میں چشم گردوں نے دیکھی وہ اپنی مثال آپ ہے اس کی سب سے بڑی مثال گنتی کے وقت خیبر سے کراچی تک امیدواروں کے پولنگ ایجنٹوں کو مبینہ طور پر بزور طاقت پولنگ اسٹیشنوں سے باہر نکالنا اندر سے دروازے پر کنڈی لگا لینا اور فارم 45 مہیا نہ کرنا رات ایک بجے تک نئے زرلٹ ٹرانسمیشن سسٹم کے تحت زرلٹ کا اعلان نہ کیا جانا اور پھر الیکشن کمیشن آف پاکستان کی طرف سے آر ٹی ایس سسٹم کا بیٹھ جانا اور نادرا کی طرف سے اس کی فوری تردید ہونا یہ وہ حقائق ہیں جن کا دستاویزی ثبوت انتخاب کے دو ہفتہ کے بعد کمیشن کی ویب سائٹ پر جاری کئے گئے فارم 45 پر پولنگ ایجنٹوں کے دستخطوں کی عدم موجودگی ہے۔ الیکشن کمیشن کی طرف سے یہ جواز پیش کرنا کہ فارم پر ایجنٹوں کے دستخط کا خانہ موجود نہیں ہے قانون کے ساتھ ایک بھونڈا مذاق ہے جس میں دفعہ B-95 کے مطابق دستخط پولنگ ایجنٹوں سے کرانا لازمی قانونی ضرورت تھی۔

الیکشن کمیشن کو جب اس سنگین کوتاہی کا اندازہ ہوا تو ساری ذمہ داری اس نے ریٹرننگ افسروں پر ڈال دی کہ انہوں نے پریذائڈنگ افسروں کو ضروری ہدایات نہیں دیں یا ان کی تربیت میں کمی بیشی رہ گئی لیکن یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کہ کمیشن نے حکومتی وسائل اور بین الاقوامی تکنیکی اور مالی انداز کے ساتھ کروڑوں روپے انتخابی عملے کی تربیت پر خرچ کرنے کا دعویٰ بھی کر رکھا ہے اندریں حالات جنرل الیکشن 2018 سے ایک سال پہلے اور جنرل الیکشن 2018 کے روز (25 جولائی) 6 بجے شام کے بعد جو کچھ چشم فلک نے دیکھا وہ بقول جیتنے والے ایک ایم این اے خرم دستگیر خان سابقہ وزیر دفاع ''پتلی تماشا'' تھا اور اس کو بہت ہلکے انداز میں لینا تاریخ کے ساتھ مذاق کے مترادف ہوگا۔

دھاندلی کی بلی بلکہ بلا جو کچھ 25 جولائی کا سورج غروب ہونے اور 26 جولائی کا سورج طلوع ہونے سے پہلے جو کچھ انتخابی کبوتروں (امیدواروں) کے ساتھ کر گیا اس کی کوئی معتبر شہادت مرتب نہیں کی جا سکے گی۔ اس بارہ گھنٹوں نے انتخاب سے پہلے احتساب اور دھاندلی کے نام پر 2013 والی بھیجی جانے والی حکومت اور اس کے چیدہ چیدہ ارکان کے ساتھ جو سلوک بھی کیا اور اس میں جن اداروں نے

Scanned with CamScanner

اپنی حدود سے باہر نکل کر اس حکومت کو گرانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور بالآخر اپنی مرضی کے مہرے اسمبلیوں اور حکومتوں میں پہنچا دیئے وہ ایک خوفناک منظر کی پیش بینی اس وجہ سے بھی ہے کہ 2013 میں معرض وجود میں آنے والی منتخب حکومتوں کے لئے دہشت گردی بجلی گیس کی لوڈ شیڈنگ اور معاشی ڈیفالٹ جیسی یقینی صورت حال سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ یہ بات ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پنجاب کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ اور اس کے ترقیاتی منصوبوں کی شفافیت اور رفتار ایک بین الاقوامی (Shahbaz speed) شہباز سپیڈ کی اکثریت کو الیکشن 2018 میں 2013 کے مقابلے میں نصف کر دیا گیا جب کہ مبینہ کرپشن سے لتھڑے ہوئے یا نا اہل صوبوں کی حکومتوں کو پہلے دوگنی اکثریت دلوائی گئی۔ گویا کہ کرپشن یا ذاتی کردار ایک اسلامی فلاحی مملکت (پاکستان) کی قیادت کے لئے لازم نہیں اور وہ صرف عدالتوں کے سرٹیفکیٹس کی حد تک محدود ہے۔

2013 کے مقابلے میں 2018 کے انتخاب کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ ڈیڑھ کروڑ ووٹوں کے ساتھ قومی اسمبلی میں دو تہائی اور پنجاب اسمبلی میں بیاسی فیصد اور بلوچستان میں سب سے زیادہ نشستوں پر کامیاب ہونے والی ایک وفاقی سیاسی شناخت والی جماعت بلوچستان میں بھی سب سے بڑی پارلیمانی جماعت کے طور پر اپنا 1997 والا تشخص تو بحال کروانے میں کامیاب ہوگئی لیکن 2013 کے انتخاب کے بعد ہر وہ حربہ استعمال کیا گیا جو اسے ڈی ریل کر سکتا تھا۔ سیاسی چالیں کامیاب نہ ہوئیں تو عدالتی ادارے حرکت پذیر کروا دیئے گئے۔ یہاں تک کہ 2013 میں اسی لاکھ ووٹ حاصل کرنے والی دوسری بڑی جماعت کا ووٹ بنک دوگنا کروانے کے باوجود کے پی کے کے سوا وفاق یا پنجاب میں سادہ اکثریت بھی نہ دلوائی جا سکی اور اسے مجبوراً تانگہ پارٹیوں کے ساتھ ساتھ ہر اس اپنے ہی مطعون سیاسی کردار سے سینیٹ کے انتخاب کی طرح امداد کی درخواست کرنا پڑی جس کی کیمیاگری میں محکمہ زراعت کی منظوری شامل تصور ہوتی تھی۔ انتخابی دنگل میں نواز شریف کو چت کرنے کے لئے اتارے گئے یہ کاغذی پہلوان ن لیگ کے صرف بیس لاکھ ووٹ کم کروا سکے لیکن وہ پھر بھی وفاق اور پنجاب میں ایک طرف تو سب سے بڑی پارٹی رہی لیکن بظاہر اکثریت والی جماعت جیت کر بھی اخلاقی جواز کو ترستی رہے گی۔

آیئے مل کر عہد کریں اور دعا کریں کہ پاکستان کسی مزید حادثے کا شکار نہ ہو جائے کیونکہ ہماری سات عشروں کی مختصر تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک امریکی صدر (ڈونلڈ ٹرمپ) نے اپنے 40 سالہ جنگی حلیف کو اپنا دشمن قرار دیا حالانکہ پاکستان نے امریکن 33 ارب ڈالر کے پیچھے اپنے 130 ارب ڈالر اپنے غریب عوام کو لٹوا کر جنگ میں جھونک دیئے اور اس کے علاوہ 75 ہزار سول و عسکری خاندانوں کے چشم و چراغ گل کرا دیئے جن کے گھروں میں آج اندھیرے ہیں

ہوئے تم دوست جس کے
دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

لیکن پاکستانی قوم کے لئے چوہدری نثار علی خان کا یہ انتباہ کہ

اٹھو کہ حشر نہ ہو پھر زمانے میں

ایک بروقت وارننگ ہے ان کا قومی اسمبلی کے دونوں حلقوں میں ہار جانا حتیٰ کہ دو میں سے ایک پنجاب اسمبلی کا حلقہ بھی ہارنا ان کی عوامی مقبولیت کا نہیں بلکہ مبینہ غرور تکبر کا نتیجہ ہے جس میں انہوں نے اپنی ہی جماعت (مسلم لیگ ن) کو یہ چیلنج دیا تھا کہ ان کے بیلٹ باکس خالی نکلیں گے چکری کا راجپوت (چوہدری نثار علی خان) ایک نابالغ بچے سالار خان سے جیت بھی جاتا تو وہ جیت بھی راجپوت کی ہار ہی ہوتی اس عام انتخاب کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی کہ تقریباً 84 فیصد اکثریت کی حامل جماعت کو پنجاب میں اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا اس مقصد کے لئے 2002 کی قاف لیگ کو نیا جامہ پہنا کر بطور پی ٹی آئی پیش کیا گیا قاف کے وزیر اعلیٰ کو اسپیکر بنا دیا گیا اور یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ ایک

Scanned with CamScanner

طرف چوہدری پرویز الٰہی اپنے نئے عہدے کا حلف اٹھا رہے تھے تو دوسری طرف ان کے برادر نسبتی اور پارٹی کے سربراہ چوہدری شجاعت حسین نیب میں اسی روز حاضری دے رہے تھے دونوں کام بیک وقت کرنے یا کروانے کا ایک مقصد تو غالباً یہ تاثر دینا تھا کہ بعض ادارے غیر جانبداری سے کام کر رہے ہیں تو دوسری طرف اس بات سے بھی انکار کرنا مشکل ہے کہ ان کے سروں پر پنجاب بینک کا اربوں روپے کے قرضوں کی تلوار لٹک رہی ہے۔

پنجاب اسمبلی میں فارورڈ بلاک کی باتیں تو بہت عرصہ سے سنی کہی جاری تھیں لیکن اسپیکر پنجاب اسمبلی کے انتخاب کے موقع پر سولہ ایم پی ایز نے چوہدری پرویز الٰہی کو ووٹ دے کر اپنی آزادی کا لوہا منوایا لیکن ڈپٹی اسپیکر کے انتخاب میں ان میں سے تیرہ ایم پی اے واپس بھی آگئے ایک ہی دن میں دو انتخابات میں مختلف پیمانے یا سیاسی تعلقات بذات خود ایک ایسا سوال ہے جو پنجاب کی سیاسی قیادت کیلئے لمحہ فکریہ ہے کہ ان ہی میں سے ایک صاحب یہ کہتے سنے اور دیکھے گئے کہ پنجاب کے منتخب نمائندے حکومت سے باہر اسی طرح نہیں رہ سکتے جس طرح مچھلی پانی کے بغیر لیکن بعض حلقوں کا یہ اندازہ بھی ہے کہ رانا ثناء اللہ ایم این اے کی بجائے اگر پنجاب اسمبلی میں رہتے تو شاید یہ صورتحال کچھ مختلف ہوتی۔ بطور اپوزیشن ممبر نو منتخب سپیکر صاحب کو ان تلخ انجام کی یاددہانی کراتے رہتے۔ جب بطور اپوزیشن لیڈر رانا ثناء اللہ صاحب کو نامعلوم افراد نے اغوا کے بعد شدید جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا ان کے سر مونچھیں اور بھنویں منڈوا کر انہیں ایک سر درات کو ویرانے میں نیم مردہ حالت میں پھینک دیا گیا۔ لیکن فیصل آباد کا یہ راجپوت نہ تو اپنی ہٹ (ضد) سے باز آیا نہ اپنی وفاداری تبدیل کی اسمبلی کے اندر اور باہر صحیح معنوں میں لوہے کا چنا ثابت ہوا ہے۔ 17 جون کے ماڈل ٹاؤن کے المناک سانحے میں الجھایا گیا لیکن اسے قدرت کا ایک انداز کہیئے کہ جس وقت ماڈل ٹاؤن لاہور میں پولیس گردی ہو رہی تھی اس وقت وزیر اعلیٰ سمیت کابینہ کے تمام ارکان گورنر ہاؤس لاہور میں عدالت عالیہ کے ججوں کی تقریب حلف برداری میں موجود تھے ورنہ کچھ بھی الزام لگائے جا سکتے تھے۔

جنرل الیکشن 2018 کے نتائج میں قائم ہونے والی وفاقی و تین صوبائی حکومتوں کی ایک خصوصیت جو بھٹو صاحب کو بھی نصیب نہیں تھی وہ یہ ہے کہ طاقت کے تمام مقتدر حلقے پی ٹی آئی کے ساتھ سمجھے جاتے ہیں جس کا ایک نقصان کسی مرحلے پر ناکامی بھی مجبوراً تسلیم کرنا پڑے گی۔

سب سے پہلا امتحان ایف اے ٹی ایف (فنانشنل ٹاسک فورس ایکٹ) کا سوالنامہ ہوگا جو گزشتہ جمعرات کو وزارت خزانہ اسٹیٹ بنک کو بہشتی زیور کی صورت میں تھما دیا گیا ہے کہ دہشتگردی میں مبینہ طور پر ملوث پاکستان کی تنظیموں کو جنرل الیکشن۔ 2018 میں کسی نے کیوں کر حصہ لینے دیا۔ اس کے علاوہ ادائیگیوں کے توازن کیلئے مطلوبہ بارہ ارب ڈالر کہاں سے آئیں گے۔ بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سیاسی استحکام بیرونی سرمایہ کاری کے ماحول کیلئے ایک پیشگی عنصر ہے چونکہ سرمایہ ان مرغابیوں کی طرح ہوتا ہے جو محفوظ موسموں والے ملکوں کی طرف ڈھاروں کی شکل میں بلا پاسپورٹ پرواز کر جاتی ہیں۔

آج کے پاکستان کے حالات 2013 کے مقابل میں بلاشبہ بہت بہتر ہیں دہشتگردی لوڈشیڈنگ برائے نام رہ گئی ہے معاشی حالات اور اعشاریئے پہلے سے مستحکم ہیں اگر 31 ارب ڈالر قرضہ باہر سے لیا گیا تو وہ زرمبادلہ کے ذخائر میں دس ارب ڈالر کے اضافے کا ایک طرف موجب بنا اور دوسری طرف بجلی کے کارخانوں میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کر کے 11 ہزار میگاواٹ سے زائد بجلی میں اضافہ ممکن ہوا۔ جس میں 485 ارب روپے کی لاگت سے مکمل ہونے والا نیلم جہلم ہائیڈرو پاور پراجیکٹ ایٹمی بجلی کیلئے کئی بڑے بڑے منصوبے کے ٹو۔ کے تھری۔ کے فور اور آر ایل این جی و کوئلے سے بجلی پیدا کرنے والے منصوبے شامل ہیں جو زمین پر ہیں ان کی وجہ سے صنعتی شعبے میں بجلی کی لوڈشیڈنگ زیرو، مزدوروں کو نئی ملازمتیں مل رہی ہیں ملکی پیداوار بڑھ رہی ہے مجموعی قومی پیداوار کی شرح دوگنی ہو چکی ہے 4 سالوں میں

Scanned with CamScanner

ریونیو 19 سو ارب سے بڑھ کر 38 سو ارب سے زیادہ ہوگیا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر شخص کی نظر قرضے کے حجم پر تو رہتی ہے اور رہنی بھی چاہیے لیکن دانش کا تقاضا یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی اپنے بڑھتے ہوئے اثاثوں پر بھی نگاہ پھیر لی جائے جو حکومتی کوششوں اور توجہ کے باعث ایک ٹیم ورک کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔ من وسلویٰ کی طرح یا جہیز میں مال مفت کی طرح حاصل نہیں ہوتا سڑکوں پر گاڑیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد ہو یا پھیلتی ہوئی سنہری ہاؤسنگ کالونیاں یا بیرون ملک پاکستانی سیاحوں کی آزادی کے ساتھ جانے اور خرچ کرنے کی صلاحیت پونے دو لاکھ عازمین حج کو بھجوانے پر اٹھنے والے اخراجات تیل وگیس کی بڑھتی ہوئی درآمد ضروریات اور دفاعی ضروریات کا پورا کیا جانا یہ سب ہمارے بڑھتے ہوئے وسائل کی بنا پر ہو رہے ہیں۔

ہمیں کھلی آنکھ سے متوازن طریقے سے پاکستان میں ہونیوالی بہتری (شاہرات/ پل/ ریلوے/ فیکٹریوں) کا بھی تنقیدی جائزہ اس لئے بھی لیتے رہنا چاہئے کہ 2017 کی مردم شماری کے مطابق 65 فیصد آبادی 25 سال سے کم عمر نوجوانوں اور بچوں کی ہے جو ایک انتہائی قیمتی سرمایہ ہے اس سرمائے کی پرورش ٹریننگ اور افزائش کیلئے ایک صحت مند اور مثبت ماحول پیدا کرنا ہوگا ورنہ مسلسل جنگ نفرت کی باد صرصر میں پلتی ہوئی یہ جوانیاں مستقبل کے لئے ایسا زہر قاتل بن سکتی ہیں جس کی موجودگی میں کسی بیرونی دشمن کو زیادہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ الحمد اللہ ہمارا سب کا مشترکہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی مادی ضروریات کیلئے ہر جائز و ناجائز کام کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنی اس نئی نسل کے اخلاق اور ذہنی معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کیلئے ایک سازگار مسابقت کا ماحول پیدا کر کے دیں۔ اس کیلئے ہم اپنی نفرتوں کی تھوڑی سی قربانی دے دیں تاکہ یہ ننھے پودے مطلوبہ پھل پھول دیتے رہیں۔ جو ہمارے لئے صدقہ جاریہ ثابت ہوں۔ یہ ہمارا دینی فریضہ بھی ہے۔

گزشتہ بدھ کی دوپہر کو الیکشن کمیشن آف پاکستان کی طرف سے جنرل الیکشن 2018 کے حوالے سے دکھائی گئی ''کارکردگی'' کے خلاف مسلم لیگ ن، پاکستان پیپلز پارٹی، ایم ایم اے، اے این پی، جمہوری وطن پارٹی سمیت دیگر اپوزیشن جماعتوں نے ایک بہت بڑا پر امن احتجاج کیا جس میں مسلم لیگ ن کے چیئرمین راجہ ظفر الحق، پاکستان پیپلز پارٹی کے سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی محترمہ شیریں رحمان، ایم ایم کے رہنما مولانا فضل الرحمان جماعت اسلامی کے نائب امیر میاں محمد اسلم سینیٹر چوہدری تنویر سمیت دیگر سیاسی رہنماؤں نے شرکت کی۔ ملک بھر کی اپوزیشن جماعتوں نے زبردست احتجاج کیا نعرے بازی کی اور اپنے جذبات کا کھل کر اظہار کیا احتجاج میں مظاہرین کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ وفاقی دارالحکومت کی شاہراہ دستور پر جنرل الیکشن 2018 کے دوران اور اس کے بعد دستور پاکستان کی شقوں کی مبینہ پامالی اس احتجاج کا اہم محور تھی۔ پاکستان مسلم لیگ ن کے صدر شہباز شریف اور اپوزیشن پارٹیوں کے رہنماؤں کی آل پارٹیز کانفرنس نے 8 مارچ کو الیکشن کمیشن آف پاکستان کے سامنے مشترکہ احتجاج کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس احتجاج کے دوران سکیورٹی والوں نے پورے علاقے کا محاصرہ کر لیا تھا مظاہرین کے لیڈروں نے صرف تقاریر کیں۔ مقررین نے جنرل الیکشن 2018 کے نتائج مسترد کر دیئے اور عام انتخابات دوبارہ آزادانہ منتخب الیکشن کمیشن کی وساطت سے کرانے کا مطالبہ کیا۔ چیف الیکشن کمشنر، سیکرٹری الیکشن کمیشن آف پاکستان کے استعفے کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ مقررین نے دعویٰ کیا کہ ان کے حامیوں کو اس مظاہرے میں شرکت کرنے سے روکنے کے لئے اسلام آباد کے مختلف حصوں میں ناکے لگائے گئے مظاہرین اور ان کے لیڈر غیر معروف راستوں سے الیکشن کمیشن آف پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

ملکی تاریخ میں پہلی دفعہ دو منتخب اسمبلیوں نے اپنی آئینی مدت پوری کی گرچہ دونوں دفعہ عدالت عظمیٰ کی مداخلت پر ایک ایک وزیراعظم نااہل کیا گیا اور اس طرح نئے انتخابات کے نزدیک حکومتی پارٹی کو ایک اخلاقی گراوٹ کا نشانہ بنا کر پیش کیا گیا اس کے ساتھ ساتھ چیدہ

Scanned with CamScanner

چیدہ لیڈروں کو توہین عدالت، نیب اور نیب کے نوٹس جاری ہوئے جس سے ان کا اخلاقی چہرہ دھندلا یا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سیاسی جماعتوں میں توڑ پھوڑ کے متعلق جو 2014 سے افواہیں چل رہی تھیں ان میں بھی رنگ بھر دیا گیا اور ''لوٹا'' ایک گالی کے طور پر سیاسی بیانات اخباری خبروں کارٹونوں اور سوشل میڈیا کا ایک مقبول موضوع بن گیا۔

اس دوران آئین میں دیئے گئے سیاسی جماعتوں کی تشکیل اور رکن سازی سے متعلق آزادی حق (بنیادی حقوق) کی تشریح کرتے ہوئے ایک انوکھی عدالتی نظیر قائم کی گئی جس میں تین معزز جج صاحبان کے بینچ نے تیس سالہ پرانا گیارہ ججوں پر مشتمل فل سپریم کورٹ کے فیصلے کو رد کر دیا (پی آئی ڈی 1988 / ایس سی / 416) بے نظیر بھٹو بنام فیڈریشن آف پاکستان وغیرہ۔

ایک طرف پارلیمنٹ کے ممبران کو اس بات پر ناز تھا کہ انہوں نے بھٹو کے زمانے کے الیکشن کے قوانین میں چار سال سے زیادہ عرصہ کی محنت غور و خوض اور پارلیمنٹ میں موجود تمام سیاسی قوتوں کے اتفاق رائے سے ایک جامع قانون نافذ کیا ہے جس میں گزشتہ عام انتخابات کے دوران سامنے آنے والی قباحتوں اور ابہام کو دور کیا گیا وہاں بعض عناصر نے مذہبی جذبات سے کھیلتے ہوئے اسی نئے قانون پر بہت سنجیدہ سوالات اٹھا دیئے۔ جس کی ایک جھلک فیض آباد (اسلام آباد و راولپنڈی سنگم) کے دھرنے میں قارئین نے خود دیکھی یہ دھرنا 2014 والے عمران اور قادری کے دھرنے سے تھوڑا سا مختلف تھا کہ اس میں حکومت اور پارلیمنٹ کے ممبران کے علاوہ عدالت عظمیٰ کے معزز جج صاحبان کو نام لے کر دشنام طرازی (ننگی گالیاں) دی گئیں اور مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کے بعد دھرنے کے شرکا میں باوردی اہلکار سرکاری رقوم کے لفافے تقسیم کرتے ہوئے بھی ٹی وی پر دکھائے گئے۔

دہشت گردی کے حوالے سے پاکستان کی بین الاقوامی طاقتوں کا شکنجہ سخت تر ہونے کے باوجود کالعدم تنظیموں کو 25 جولائی 2018 کے عام انتخابات میں شرکت کی کھلی اجازت بھی ایک حکومتی صفت کا آئینہ دار ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آئین قانون اور بین الاقوامی معاہدات سے قطع نظر ریاست کے بعض حصے ان معاملات سے دانستہ لاپرواہ یا تجاہل عارفانہ دکھاتے رہے اور ہمہ تن مستعد تین شراب کی بوتلوں پر سوموٹو اعلیٰ ترین عدالتی عہدیدار بھی ''غیر جانبدار'' رہے۔

2013 کے عام انتخابات میں سب سے زیادہ ووٹوں کی حامل سیاسی جماعت کے سربراہ کو صاحبزادی اور داماد سمیت نہ صرف معزول کیا گیا بلکہ پارٹی کے عہدے کے بنیادی حق سے بھی محروم کر کے اڈیالہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا جب کہ وہ اپنی زوجہ کو ایک مہلک مرض (سرطان) میں مبتلا بیرون ملک بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر رضا کارانہ طور پر جیل جانے کے لئے واپس آ گئے۔

یہ تھے وہ حالات جن کے پس منظر میں ایون پلینگ فیلڈ (EVEN PLAYING FIELD) عام انتخابات 2018 کے لئے مہیا کی گئی۔ ریٹائرڈ سینئر افسروں کی گزشتہ پانچ سال کی وہ محنت بھی رنگ لائی جو وہ شام چھ بجے سے رات بارہ بجے تک قوم کو ملک کی سلامتی اقتصادی بہتری ایمان کی سلامتی ملک کی بقا بارے چینلوں پر درس دیتے رہے حالانکہ ان بزرگوں نے اپنی نوکری کے دوران بار بار اللہ کو گواہ بنا کر جو آئینی حلف اٹھائے اس کی خلاف ورزی کرتے وقت کبھی کسی نے ضمیر کی آواز پر استعفیٰ دینا تو دور ڈی سی اوز اور ججز کی طرح کبھی کوئی جملہ معترضہ بھی اپنی زبان مبارک پر نہ آنے دیا یہاں تک کہ جب عدالت عظمیٰ کی فل کورٹ (چودہ ججوں) کے متفقہ حکم کے مطابق جب نواز شریف نے جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کا استغاثہ دائر کرایا تو یہ سب حضرات اکٹھے ہو کر فخریہ طور پر پاکستانی عوام اور دنیا کو یہ بتاتے رہے کہ وہ مقدس اداروں نے جنرل پرویز مشرف کو کمر درد کے علاج کے لئے اس موقعہ پر ملک سے باہر جانے کا بندوبست کرایا جب حکومتی استغاثہ اپنی شہادت مکمل کر چکا اور تین ہائیکورٹوں کے ججوں پر مشتمل سپیشل کورٹ نے ملزم کا بیان لکھ کر فیصلہ سنانا تھا۔

قصہ مختصر اس ماحول میں جنرل انتخابات 2018 کا انعقاد بذات خود سیاسی قائدین کی بالغ نظری کا مظہر ہے ورنہ انتخابات کا بائیکاٹ بھی کل جماعتی بنیاد پر کیا جا سکتا تھا۔ تمام پابندیوں، سزاؤں، رکاوٹوں، نااہلیوں اور سازشوں کے باوجود سب سے بڑی پارٹی کے تقریباً ایک کروڑ 29 لاکھ ووٹ جو گزشتہ 2013 کے عام انتخابات کے مقابلے میں 20 لاکھ کم تھے لیکن یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جنرل الیکشن 2018 میں مسترد ہونے والے ووٹوں کی تعداد بھی تاریخی طور پر سب سے زیادہ یعنی کہ سولہ لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ 30 سے زیادہ حلقوں میں جیت اور ہار کے ووٹوں میں فرق مسترد شدہ ووٹوں کا عشر عشیر بھی نہیں تھے۔ اس دفعہ خیبر سے لے کر کراچی تک چاروں صوبوں میں ایک جیسی شکایت سامنے آئی کہ مبینہ طور پر کچھ بڑی پارٹیوں کے پولنگ ایجنٹوں کو گنتی سے پہلے خالی فارم 45 پر دستخط کرائے گئے اور پھر ان کو گنتی سے پہلے ہی زبردستی پولنگ سٹیشن سے باہر نکال دیا گیا۔ قارئین کے علم کی خاطر یہ وضاحت ضروری ہے کہ فارم 45 پولنگ سٹیشن کا سربراہ پریذائیڈنگ افسر جاری کرتا ہے پہلے اس پر امیدوار کے حاصل کردہ ووٹ درج کرتا ہے پھر پولنگ ایجنٹوں سے دستخط کرا کر اپنے دستخط اور مہر ثبت کر کے اسے سمارٹ فون پر ریٹرننگ افسر اور الیکشن کمیشن آف پاکستان کو ایک ہی وقت واٹس ایپ کرتا ہے۔

اس موقع پر جنرل الیکشن کی منصفانہ غیر جانبداری اور شفافیت پر اس وقت سنگین خدشات پیدا ہونے شروع ہو گئے جب 25 جولائی 2018 کی تقریباً نصف شب الیکشن کمیشن آف پاکستان کی طرف سے رزلٹ ٹرانسمیشن سسٹم (آر ٹی ایس) جس پر 27 کروڑ روپے قوم کے خرچ ہوئے وہ یکا یک خراب ہو گیا اور فارم 45 کی مطلوبہ تعداد کا مہیا نہ کیا جانا اور پھر یہ اصرار کہ ہارنے والے ہمیشہ دھاندلی کا شور مچاتے ہیں اس پر مستزاد رات دو بجے تک نتائج مہیا کرنے کا وعدہ الیکشن کمیشن پورا نہ کرنے میں بوجوہ بری طرح ناکام رہا۔ 26 جولائی 2018 کو صبح چار بجے چیف الیکشن کمیشن مسٹر جسٹس (ر) سردار محمد رضا خان نے صرف ایک نتیجہ قوم کے روبرو پیش کیا۔ بعض علاقوں میں پریذائیڈنگ افسر ریٹرننگ افسران تک پہنچتے پہنچتے کہیں اور نکل گئے اور بالآخر سات سے دس دن تک سرکاری نتائج مکمل نہ کیے جانے کا تاثر پختہ ہو گیا۔

نتیجہ پھر وہی جھگڑے، دوبارہ گنتی، پٹیشنیں، احتجاج کی راہیں کھول دی گئیں۔ یہاں یہ امر بہت تشویشناک ہے کہ الیکشن کمیشن کے اس دعوے کہ تمام ریٹرننگ افسران پریذائیڈنگ افسران کو بین الاقوامی تکنیکی مدد سے اپنے فرائض سرانجام دینے کی تربیت دی گئی تھی اس کی قلعی بھی اس طرح کھل گئی کہ مختلف ریٹرننگ افسر ایک ہی قانون کے باوجود کہیں دوبارہ سہ بارہ گنتی کی اجازت دے رہے تھے اور کچھ حلقوں میں دوبارہ گنتی کی درخواستیں فوری مسترد کر رہے تھے اس کے علاوہ بعض ایسے کیس بھی سامنے آ رہے ہیں جہاں دوبارہ گنتی شروع ہونے کے بعد تکمیل سے پہلے روک دی گئی کیوں کہ اس طرح پہلے کی گئی گنتی غلط ثابت ہو رہی تھی گویا کہ عوامی ذہن میں بالعموم اور غیر سرکاری نتیجے میں ہارنے والے امیدوار اس بارے میں پریقین اور راسخ العقیدہ ہو گئے کہ ان کے ساتھ جو جس نے زیادتی کی ہے وہ درست کرائی نہیں جا سکتی۔

الیکشن بھی انصاف کی طرح نہ صرف شفاف منصفانہ غیر جانبدارانہ آزادانہ اور صاف ستھرا دکھائی دینے والا ہونا چاہیے بلکہ نظر بھی آنا چاہیے یہ الیکشن کمیشن سمیت کسی آئینی عہدیدار کا صوابدیدی اختیار نہیں یہ آئینی فریضہ ہے جس کا ایک مظہر نگران حکومت کا قیام ہے ورنہ یہ تمام بندوبست دھرے کے دھرے رہ جائیں یہاں یہ امر بھی کہنے میں کوئی باک نہیں کہ 1977 کے جنرل الیکشن سے انجینئرنگ جھرلو والے الیکشنوں کے بعد پی این اے کے احتجاج کے بعد جو آئینی نظام 5 جولائی 1977 کو معطل ہوا تھا آج 41 سال گزرنے کے بعد بھی سیاسی قائدین کھل کر احتجاج کرنے کے قائل نہیں ہو سکے کہ کہیں کوئی دوبارہ طالع آزما ریاست پر قبضہ نہ کر لے اور یہ بات سیاسی جمہوری آئینی نظام کی کمزوری کا ایک واضح ثبوت ہے۔

پارلیمانی طاقتوں کو ایک دفعہ پھر موقع ملا ہے کہ وہ 2017 کے پارلیمنٹ کے منظور کردہ اور صدارتی دستخطوں سے بننے والے ایکٹ

Scanned with CamScanner

کے بعد پہلے ہونے والے جنرل الیکشن 2018 کے نتائج سے سبق سیکھیں اور ان قباحتوں، کمزوریوں بیماریوں کا بروقت علاج کریں تا کہ اولاً ایک سال بعد ٹاٹا سے کے پی کے کی صوبائی اسمبلی کے لئے ہونے والے الیکشن شفاف ہوں دوسرے اگلے برس 2019 مقامی حکومتوں کے انتخابات میں شفافیت کے ساتھ اقتدار بلدیاتی نمائندوں کو منتقل کیا جا سکے اور عوام کا بیلٹ بکس پر اعتماد بحال کیا جائے یہ پاکستان کی سب سے بڑی حکومت ہوگی۔

موجودہ الیکشن کمیشن آف پاکستان جس کی اپنی میعاد 2020 میں ختم ہونے والی ہے وہ اپنے پیچھے کوئی قابل تقلید کارنامہ چھوڑ کر جائیں تا کہ قوم نے جن امیدوں توقعات کی بنیاد پر ایک مستقل پانچ رکنی کمیشن اور پانچ سال کی میعاد پر مبنی ملازمت اور مکمل انتظامی و مالی آزادی 18 برس میں آئینی ترمیم کے ذریعے دی تھی وہ پوری ہوسکیں۔ یہ بات اس لئے بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ مختلف حلقوں سے الیکشن کمیشن اور سیکریٹری الیکشن کمیشن کے استعفے کے مطالبات بھی سامنے آنا شروع ہو چکے ہیں۔ آئینی اداروں کا استحکام کاغذی انتظام کے ذریعے نہیں بلکہ عمل اور کارکردگی پر جانچا جاتا ہے اور جانچا جانا چاہیے۔ اسی میں پاکستان کی بہتری ہے۔ میری آخری تجویز یہ ہے کہ جہاں کہیں کسی امیدوار کو اپنے انتخاب کے بارے میں شکایت پیدا ہوگئی ہے اس کا سرعت کے ساتھ انصاف سے فیصلہ کیا جائے اور اسے ریٹرننگ افسر، الیکشن ٹریبونل، الیکشن کمیشن، ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ سنگل بینچ ڈبل بینچ فل بینچ میں سمیع اللہ کلیم اللہ ہا کی کے مواقف میچ نہ بنایا جائے نہ ہی اپیل کنندہ امیدوار کو انصاف کے یہ ادارے شٹل کاک بنائیں۔ بطور مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ روزی روٹی اللہ کے ہاتھ میں ہے آمدنی کے اور بڑے ذرائع ہیں۔ 30 لاکھ سے زائد مقدمات عدالتوں میں برسوں سے فیصلوں کے منتظر ہیں قوم پر اور ان مقدمات کے سائلین اور فریقوں پر رحم فرمایا جائے۔

پاکستان کے جنرل الیکشن کے بعد روپے کی قدر میں اضافہ دیکھا جا رہا ہے جو کہ پاکستان کی اکانومی کیلئے بڑی حوصلہ افزاء بات قرار دی جارہی ہے تجزیہ نگاروں کی جانب سے اس کی مندرجہ ذیل وجوہات بیان کی جارہی ہیں۔

1۔ جنرل الیکشن کا بڑی کامیابی سے انعقاد کرایا جا چکا ہے۔

2۔ عمران خان کی پہلی تقریر کو بزنس مارکیٹ نے مثبت انداز میں لیا ہے، جس کی وجہ سے روپے کی قدر میں بہتری دیکھی جارہی ہے۔

3۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان نے حال ہی میں کچھ اقدامات لئے ہیں جس کے مطابق کیش کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانا روک دیا ہے جس کی وجہ سے ڈالر کو خریدنے میں مشکلات پیش آرہی ہیں۔

4۔ انٹرسٹی کیشن کی پابندی کی وجہ سے ڈالر کی دستیابی میں اضافہ ہوا ہے کیونکہ اس کو خریدنے کیلئے کیش موجود نہیں ہے۔

5۔ جنرل الیکشن کی وجہ سے پاکستان کی افغانستان سے سرحدیں بند کردی گئیں تھیں جس کی وجہ سے ڈالر کو سمگل نہیں کیا جا سکا۔

6۔ جنرل پبلک نے اپنے ڈالر مارکیٹ میں بیچنا شروع کر دیا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ڈالر ریٹ مزید گرے گا۔

7۔ دو دن کے اندر ہی پاکستان کی ایکسپورٹ تیسری کرنسی میں ٹریڈ ہوتے ہوئے دیکھائی دی اس سے فور بلین ڈالر ملک کے اندر واپس آیا ہے۔

8۔ بزنس کمیونٹی نے ملک کے اندر پرامن الیکشن اور ممکنہ پی ٹی آئی کی حکومت پر اعتماد کا اضافہ کیا ہے۔

9۔ چائنا نے دو بلین ڈالر پاکستان کو دینے کا وعدہ کیا ہے جس میں سے ایک بلین ڈالر پاکستان کو وصول ہو چکے ہیں۔

10۔ یہ بھی امید کی جارہی ہے کہ نئی گورنمنٹ دوست ملکوں اور ڈونر ایجنسی سے اپنی ملک کی اکانومی کو بہتر بنانے کیلئے مالی امداد کی درخواست

Scanned with CamScanner

کرنے جاری ہے۔

پاکستان میں ڈالر کی کہانیاں ہمیشہ اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ ہمارے قارئین کی اکثریت یہ خیال کرتی ہے کہ شاید ڈالر ہی کسی ملک کی معیشت کی زبوں حالی یا خوشحالی کا واحد پیمانہ ہے۔ ہر کوئی ڈالر کے بارے میں قیاف آرائی کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے اور یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ہمارے معروضی معیشت کے اعشاریے کیا کہہ رہے ہیں پرنٹ میڈیا اور خاص طور الیکٹرانک میڈیا پر ایسے بے لاگ تبصرے پیش کئے جاتے ہیں جو شاید طلسم ہوشربا میں بھی نہ کئے جاتے ہوں۔ ہم ٹاک شوز کے عادی ہو گئے ہیں جہاں پر ہر میزبان دنیا کے ہر موضوع پر اپنی علمیت بگھارنا فخر محسوس کرتا ہے۔ ہمارے یہ نادان دوست اکثر ایسے معاشی گرداب پیدا کر دیتے ہیں جو کہ ہمارے ملک کے لئے نقصان کا باعث بنتے ہیں۔

ڈالر پہ تبصرہ کرنے سے پہلے روپے اور ڈالر کا پس منظر جاننا ضروری ہے۔ 1947 میں آزادی کے بعد پاکستانی روپیہ انڈین روپے کے متبادل کے طور پر متعارف کرایا گیا۔ اس وقت روپیہ 16 آنے کا ہوتا تھا۔ اس کے بعد 1961 میں روپے کا اعشاری نظام پیش کیا گیا اور روپے کا 100 پیسوں میں تقسیم کیا گیا۔ آغاز میں روپیہ برطانوی پاؤنڈ کے ساتھ منسلک کیا گیا۔ 1982 میں روپے کو جزوی طور پر برطانوی پاؤنڈ سے منسلک رہنے دیا گیا لیکن کچھ طاقت سٹیٹ بنک نے اپنے پاس رکھی تا کہ وقتاً فوقتاً روپے کو کنٹرول کیا جا سکے۔ اس کے اگلے پانچ سال میں روپے کی قیمت 40 فیصد تک کم ہو گئی۔ اتنی تیزی سے روپے کی گراوٹ برآمدات پر برے طریقے سے اثر انداز ہوئی اور پاکستانی معیشت تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی اس صورت حال میں پاکستان نے امریکی ڈالر خریدے اور گرتی معیشت کو سہارا ملا۔ اس طرح ڈالر اور پاکستانی روپے کی شراکت کا آغاز ہوا۔ اب پاکستان کی تجارت زیادہ تر امریکی ڈالر میں ہی ہوتی ہے اور باقی کرنسیوں کا حصہ بہت کم ہے۔

پاکستان کی عوام بہت سادہ ہے اور مختلف ادوار میں Forex Scams کا بہت آسانی سے شکار ہو جاتی ہے کبھی یہاں پر عراقی دینار کا قصہ گھڑ کے لوگوں سے اربوں روپے بٹور لئے جاتے ہیں کبھی افغانی اور ایرانی کرنسی اوپر جانے کی افواہ پھیلا کر سادہ لوح لوگوں کو کنگال کر دیا جاتا ہے Forex کمپنیاں کھول کر لوگوں کا اربوں روپے لوٹ کر بیرون ملک بھاگ جانے والوں کو کوئی بھی نہیں پکڑتا۔ آج کل B:t Coin اور Crypto Currencies کے نام پر لوگوں سے فراڈ ہو رہا ہے اور عوام اس وقت ہوش میں آئے گی جب پنشن، پلاٹ اور زیور کے پیسے وہ لٹا چکے ہوں گے اور پھر درخواستیں لے کر در بدر کی ٹھوکریں کھائیں گے اور ان کی کہیں شنوائی نہ ہو گی۔

عرض کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ پاکستان کی معیشت پر صرف چند افراد قابض ہیں اور وہ تمام چیزیں اپنی مرضی سے Manipulate کرتے ہیں اس معیشت میں Figure fudging کوئی عار نہیں سمجھا جاتا کیونکہ احتساب کا کوئی مناسب ادارہ موجود نہیں ہے اس معاشرے میں white caller crime ایک اعزاز کے طور پر لیا جاتا ہے اداروں میں سیاسی بھرتیاں کی جاتی ہیں اور کچھ طاقتیں انہیں اپنی مرضی سے نچاتی ہیں۔ اپنی مرضی کے مطابق چائے کی پیالی میں طوفان پیدا کئے جاتے ہیں اور مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے بعد کوئی نئی کہانی شروع کر دی جاتی ہے اور عوام کی یادداشت بہت کمزور ہے وہ ایک دھوکہ کھانے کے بعد کسی نئے سوراخ کی تلاش شروع کر دیتے ہیں تا کہ ایک مرتبہ پھر ڈسے جا سکیں۔

ڈالر کی کہانی بھی کچھ ایسی ہی ہے Economic hitmens کا یہ محبوب مشغلہ ہے ڈالر کی مصنوعی قلت پیدا کی جاتی ہے اچانک صبح اٹھ کر ہم سنتے ہیں کہ ڈالر دو روپے بڑھ گیا پھر ہمارا ہونہار میڈیا اس بات کو اتنا اچھالتا ہے کہ مارکیٹ میں مصنوعی ہیجان پیدا ہو جاتا ہے ہر بندہ ڈالر خریدنے کے چکر میں پڑ جاتا ہے اس ہیجانی کیفیت میں ڈالر آگے آگے ہوتا اور سادہ لوح لوگ پیسے لے کر پیچھے پیچھے میڈیا پر اینکر حضرات کی بے پر کی Speculations اس خریداری کو مہمیز کرتی ہیں انجام میں ڈالر جیسے اس دفعہ 105 سے 132.80 پیسے تک جمپ کر گیا کسی نے

نہیں سوچا کہ اس ہیجان سے کون فائدہ اٹھا رہا ہے Economic hitmens بڑے اچھے طریقے سے جانتے ہیں کہ انہوں نے کہاں پہ profit taking کرنی ہے نتیجۃً ڈالر دھڑام سے 122 روپے پر منافع کمانے والے نکل گئے اور عوام پھنس گئے۔ منی ایکسچینجز بھی خریداری بند کر دیتی ہیں۔ ہمارے pseudo scholars ٹی وی پہ بیٹھے زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں ایسے ایسے figurs Quote کرتے ہیں کہ الحفیظ الامان اگر ہمارے قرضہ 91.8 بلین ڈالر ہے تو یہ لوگوں کو ڈرائیں گے کہ دس روپے کے اضافے سے یہ قرضہ اب 918 ارب روپے بڑھ گیا ہے جب اس طرح کے pseuds analysys یہ figures سیاق و سباق کے بغیر بتا رہے ہوتے ہیں تو مجھے بتایئے یہ ملک کی کونسی خدمت کر رہے ہوتے ہیں خدا کے بندو کوئی آپ سے قرضہ واپس لینے کے لئے ابھی آپ کے دروازے پر آ رہا ہے یہ لوگ دیدہ دانستہ ان قوتوں کے آلہ کار بن جاتے ہیں جو ملک کی لوٹ کھسوٹ میں شامل ہوتے ہیں۔

ہماری سٹاک ایکسچینج کا حال اس سے بھی برا ہے اور اس میں چند حضرات کی monopoly دنیا بھر میں ضرب المثل بن چکی ہے ایسے ایسے پھندے تیار کئے جاتے ہیں کہ متوسط طبقے کا کوئی آدمی آج تک سٹاک مارکیٹ سے منافع کما کر نہیں نکلا، جان بوجھ کر افواہیں پھیلائی جاتی ہیں اور لوگوں کو مصنوعی تیزی اور تنزلی کے چنگل سے نکلنے نہیں دیا جاتا پراپرٹی مارکیٹ ایک واحد سہارا تھا متوسط طبقے کے لئے لیکن اب فائلوں کا کاروبار بھی بالکل سٹاک ایکسچینج کی طرح کیا جاتا ہے اور چھوٹا investor ہمیشہ نقصان میں ہی رہتا ہے۔ ہمیں یہ چیز سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہماری معیشت کا زیادہ تر انحصار زراعت پر ہے لوگوں کی اکثریت اپنا روزگار زراعت سے وابستہ رکھتی ہے لوگ محنتی ہیں اور کام کرنا پسند کرتے ہیں زراعت کی ترقی اور جدید طریقے ہی ہماری معیشت کو آگے لے کر جا سکتے ہیں ٹیکسٹائل انڈسٹری نے ایک عرصے تک ہماری معیشت کو سنبھالا دیئے رکھا لیکن اس نگوڑے ڈالر نے ٹیکسٹائل کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ Diesel کی مہنگی خریداری نے ٹیکسٹائل کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اب یہ انڈسٹری مہنگے ڈیزل، بجلی کے بل اور مہنگی گیس کی وجہ سے آخری سانس لے رہی ہے۔

فارکس مارکیٹ میں بیس سال سے وابستہ عظمت بابر سے جب ان کی رائے پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ چند مفاد پرست اپنے وقتی منافع کے لئے مارکیٹ کو مصنوعی اتار چڑھاؤ کا شکار کرتے ہیں بے یقینی سیاسی صورت حال سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور اربوں روپے بٹورے جاتے ہیں یہ منافع خور یہ نہیں سوچتے کہ ان کی اس منافع خوری سے ہمارے عام آدمی پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ بے یقینی کی کیفیت پیدا کر کے حکومتیں تبدیل کی جاتی ہیں اور بالآخر جیت کسی کی نہیں ہوتی اور نقصان ہمیشہ ملک کا ہی ہوتا ہے۔ ڈالر کے حالیہ مدوجزر کی کہانی اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ ہم کن لوگوں کے رحم و کرم پر رہ رہے ہیں کسی ادارے سے اس کا بروقت تدارک نہیں کیا باہر کے ملکوں میں inside trading پہ انتہائی سخت قوانین موجود ہیں۔ ہمارے ہاں بینکنگ سیکٹر اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے میں پیش پیش ہے۔ اگر دیانتداری سے تحقیقات کی جائیں تو بڑے بڑے نام افشا ہوں گے جنہوں نے ڈالر کشی سے اربوں روپے کما لئے ہمارے قارئین کو سمجھنا چاہئے کہ جب بھی اس قسم کی افواہیں پھیلائی جائیں وہ اپنی زندگی کی جمع پونجیوں کی حفاظت کریں۔

25 جولائی 2018 کو ہونے والے عام انتخابات میں توقع کے مطابق وفاق میں کسی سیاسی جماعت کو اکثریت حاصل نہیں ہو سکی اور صوبائی حکومتوں میں سندھ اور خیبر پختونخوا کے علاوہ باقی صوبوں میں بھی کسی سیاسی پارٹی کو اکثریت نہیں ملی۔ پاکستان تحریک انصاف کا یہ دعویٰ دنوں تک جاری رہا کہ وہ وفاق اور تین صوبوں (پنجاب، کے پی کے اور بلوچستان) میں اپنی حکومت بنائے گی۔ سائنسی طور پر کوئی سیاسی جماعت بھی جسے سادہ اکثریت ہو حکومت بنا سکتی ہے۔ غالب گمان ہے کہ پی ٹی آئی اپنے دعوے کے مطابق اسلام آباد لاہور پشاور کوئٹہ میں اپنی حکومتیں بنانے میں کسی بھی وقت کامیاب ہو جائے گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ یہ حکومت کس سے مل کر اور کن شرائط پر تشکیل دے پاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

پاکستان تحریک انصاف سے لوگوں کی بے تحاشا توقعات وابستہ ہیں اور دیکھنا یہ ہے کہ عمران خان عوام کو اپنے وعدوں کے مطابق صحت تعلیم اور دوسری بنیادی سہولتیں بہم پہنچا سکیں گے یا نہیں۔ عام انتخابات کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ ہوا ہے کہ روپے کی گھٹتی ہوئی قیمت میں استحکام پیدا ہوا ہے اور اب ڈالر کا ریٹ 132.80 سے کم ہوتے ہوئے 120 روپے تک رہ گیا ہے۔ نیز چین نے بھی دو ارب ڈالر کا قرض نرم شرائط پر دیا ہے اور توقع ہے کہ سعودی عرب بھی نئی حکومت کی معقول مالی امداد کرنے والا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ مسلم لیگ نون جسے پنجاب والوں نے سب سے زیادہ سیٹیں دی ہیں کو حکومت بنانے کا موقعہ نہیں دیا جائے گا۔ مسلم لیگ نون وفاق اور صوبہ پنجاب میں بھی مخالف بنچوں (اپوزیشن) پر بیٹھے گی۔ عام انتخابات میں سب سے شدید تنقید الیکشن کمیشن آف پاکستان پر ہو رہی ہے جو بروقت نتائج کا اعلان کرنے میں بری طرح ناکام رہا۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان کا یہ کہنا ہے کہ ایسا تکنیکی وجوہات کی بنا پر ممکن نہ ہو سکا۔ الیکشن کمیشن کی جانب سے نتائج میں غیر معمولی تاخیر کی وجہ سے مختلف قسم کی چہ میگوئیاں جاری ہیں جن میں دھاندلی سے لے کر نظم وضبط کے فقدان کے الزامات لگائے گئے ہیں۔ جنرل الیکشن 2018 کے دوران چار لاکھ سے اوپر فوج تعینات کی گئی جس کی پاکستان کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی اس سلسلے میں پولنگ اسٹیشن کے باہر کے ساتھ ساتھ پولنگ اسٹیشن کے اندر مسلح فوجیوں کی موجودگی نے انتخابات کی شفافیت پر سوال اٹھا دیئے ہیں۔ پاکستان میں نئی حکومت کا قیام بہرطور خوش آئند ہے کیونکہ یہ جمہوریت کے تسلسل اور استحکام کا باعث ہے۔ توقع کی جا رہی تھی کہ عام انتخابات کے نتائج تمام سیاسی جماعتیں کھلے دل سے قبول کر لیں گی۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ہارنے والی جماعتوں اور امیدواروں نے الیکشن کمیشن آف پاکستان کے خلاف الزام تراشیوں کی بھرمار کر دی ہے اور نتیجے کو ماننے کو تیار نہیں اس معاملے میں اے این پی کے لیڈر غلام احمد بلور کی تعریف کے بغیر نہیں رہا جا سکتا جنہوں نے صرف اپنی شکست کو تسلیم کیا بلکہ اپنے مخالف امیدوار کو یہ کہہ کر مبارکباد دے دی کہ آج ثابت ہو گیا کہ عمران خان کے پی کے میں مقبول ترین سیاسی لیڈر ہیں۔

مسلم لیگ ن جو پچھلے کئی عشروں سے پاکستان کے سیاسی افق پر چمکتی چلی آ رہی تھی اب ایک کٹھن اور مشکل مرحلے سے گزر رہی ہے لیکن یہ بات ماننا پڑے گی کہ وہ ایسے تمام تر اقدامات کے باوجود ابھی بھی ایک مقبول سیاسی پارٹی ہے اور نشستوں اور ووٹوں کے اعتبار سے پاکستان میں دوسری بڑی مقبول ترین سیاسی جماعت ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ نواز شریف کی غیر موجودگی میں جو پابند سلاسل ہیں مسلم لیگ نون اپنی موجودہ مقبولیت برقرار رکھ سکتی ہے یا کہ نہیں۔ جہاں تک پاکستان پیپلز پارٹی کا تعلق ہے وہ حسب سابق سندھ میں اپنی پوزیشن برقرار رکھے ہوئے ہے اور پنجاب میں سابق وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف کی سیٹ حاصل کی ہے۔ اگرچہ تحریک انصاف حکومت بنانے میں کامیاب ہونے والی ہے مگر اسے مسلم لیگ نون، پاکستان پیپلز پارٹی اور ایم ایم اے میں شامل جماعتوں سے ایک مضبوط، متحرک اور فعال اپوزیشن کا سامنا کرنا پڑے گا۔ عمران خان نے 22 سال بہت جدوجہد کی اور دعویٰ کیا کہ وہ پاکستان کو فلاحی ریاست اور اقوام عالم میں پاکستان کی صحیح حیثیت دلوا کر ملک کو ترقی وخوشحالی کی راہ پر گامزن کر دیں گے اس وقت پاکستان کو جن معاشی معاشرتی اور اندرونی وبیرونی خطرناک چیلنجوں کا سامنا ہے وہ صرف انتخابات اور کسی ایک سیاسی پارٹی کی کوششوں سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں، پاکستان کی سیاسی جماعتوں کو سیاسی پختگی اور عوام کو صبر وتحمل کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور عمران خان کو موقع دینا پڑے گا کہ وہ پاکستان کو درپیش گوناگوں مسائل کا جلد از جلد بہتر حل تلاش کر سکیں یہ بات اطمینان بخش ہے کہ اگرچہ سیاسی پارٹیوں نے احتجاج کا عندیہ دیا مگر ابھی تک کے قرائن بتاتے ہیں کہ ان کو احتجاج کے حوالے سے عوامی تائید حاصل نہیں جو کہ پاکستان میں امن واستحکام کے لئے اچھا شگون ہے عمران خان حکومت بنانے میں تو کامیاب ہونے والے ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ اپنے کئے گئے وعدوں کو پورا کر سکیں گے یا وہ سیاسی سمجھوتوں کی بھینٹ چڑھ جائیں گے۔

Scanned with CamScanner

جنرل الیکشن 2018 کے انعقاد کی گرد ابھی بیٹھنے نہ پائی تھی کہ وفاقی دارالحکومت میں یہ قیاس آرائیاں شروع ہوگئی ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نیا منتخب وزیراعظم کون بنے گا۔ محب وطن حلقے اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہیں کہ ملک کا نیا وزیراعظم بنے جو پاکستان کی سلامتی، سالمیت، قومی یکجہتی، استحکام اور خوشحالی کا ضامن ہو۔ حقیقی معنوں میں صادق اور امین ہو نہ کہ شرابی وزانی، مقتدر حلقے عام انتخابات کے نتائج آتے ہی سیاسی جوڑتوڑ خفیہ انداز سے کرنے میں مصروف ہیں جیسا کہ چیئرمین سینٹ کیلئے الیکشن میں کی گئی تھی جس کے نتیجے میں بلوچستان کے صادق سنجرانی پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرینز کے ہردلعزیز سابق چیئرمین سینٹ رضا ربانی کے ہوتے ہوئے بھی سینٹ کے چیئرمین بنوائے گئے۔ اس عمل میں سابق صدر آصف علی زرداری کا کردار نمایاں رہا۔ پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے خفیہ طور پر اپنے سینیٹرز کو چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین کے الیکشن میں پیپلز پارٹی کے نامزد امیدوار کو ووٹ ڈالنے کی ہدایت کی جس کے نتیجے میں صادق سنجرانی چیئرمین اور سلیم مانڈوی والا ڈپٹی چیئرمین منتخب ہوئے۔ باخبر ذرائع کے مطابق قومی اسمبلی میں نئے قائد ایوان کیلئے پی ٹی آئی کے چیئرمین عمران خان اور راولپنڈی کے چوہدری نثار علی خان کا قرعہ فال نکل سکتا ہے یا ان میں سے کسی ایک کے سر پر ہما بٹھائی جا سکتی ہے۔ چوہدری نثار علی خان کے ساتھ جیپ کے نشان پر رکن اسمبلی منتخب ہونیوالے متعدد ارکان اسمبلی ہونگے۔ نئے وزیراعظم منتخب کرانے کیلئے قومی اسمبلی کی اقلیتی سیاسی جماعتوں کو من پسند وزیراعظم کے حق میں ووٹ ڈالوانا خارج از امکان نہیں ہے ان میں ایم ایم اے، مذہبی جماعتوں کے ممبران قومی اسمبلی کے علاوہ آزاد ارکان قومی اسمبلی اور بلوچستان عوامی پارٹی کے ممبران شامل ہیں۔ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے کامیاب امیدواروں کا نوٹیفکیشن اختتام ہفتہ جاری کیا جا چکا ہے۔

2013 کے جنرل الیکشن 13 مئی کو منعقد ہوئے تھے اور 20 دن بعد 4 جون کو ممبران قومی اسمبلی نے حلف اٹھایا تھا۔ اس لحاظ سے 14 اگست تک نئی قومی اسمبلی اور نئی صوبائی اسمبلیاں معرض وجود میں آجائیں گی۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ وطن عزیز کے یوم آزادی کی سالگرہ کو جو 14 اگست 2018 کو قوم منا رہی ہے اسی روز یا اس کے چند یوم میں قومی اسمبلی اپنا نیا قائد ایوان چن لے گی جبکہ صوبائی اسمبلیاں اپنے اپنے صوبے کیلئے نئے وزرائے اعلیٰ کا انتخاب کریں گی۔ 13 جولائی 2018 کو پاکستان میں تین بار وزیراعظم منتخب ہونے والے وزیراعظم نواز شریف اور ان کی صاحبزادی مریم نواز شریف نے نیب کورٹ کے فیصلے کے مطابق اپنی گرفتاریاں نیب کو دیدیں۔ دونوں باپ بیٹی کو خصوصی طیارے میں لاہور ائیرپورٹ سے اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر لایا گیا اور اڈیالہ جیل پہنچا دیا گیا اس رات سے تادم تحریر باپ بیٹی اور ان کے خاوند کو اگرچہ ایک ہی کمپاؤنڈ میں مقید کیا گیا ہے مگر ان کی آپس میں ایک بھی ملاقات کی اجازت جیل حکام نے نہیں دی۔ جیل حکام اس بات پر بضد ہیں کہ مریم نواز کو سہالہ ریسٹ ہاؤس سب جیل پہنچا دیا جائے اور ان کے والد نواز شریف کو اڈیالہ جیل میں ہی سزا کاٹنے کیلئے رکھا جائے۔ اسلام آباد ہائیکورٹ میں ان کی ضمانت پر رہائی کی خواجہ حارث ایڈووکیٹ کی دائر کردہ اپیل کا شیخ رشید احمد کی اپیل کی طرح 24 گھنٹوں میں فیصلہ کرنے کی بجائے اپیل کی سماعت 30 جولائی تک ملتوی کرنا بے مقصد نہیں تھا بلکہ ایسا کرنے یا کرانے والوں کا مطمع نظر نواز شریف کو انتخابی مہم کے جلسوں سے خطاب کرنے سے روکنا تھا کیونکہ ان کے خطاب کی وجہ سے 25 جولائی کے الیکشن کے نتائج وہ نہ نکلتے جو اب نکلے ہیں۔ لازمی طور پر ن لیگ کی نشستوں کی تعداد موجودہ نشستوں سے زیادہ ہو سکتی تھی لیکن یہ ارباب بست وکشاد کو کسی صورت پسند نہیں تھا جنہوں نے اگست 2014 کے عمران خان اور طاہر القادری کے دھرنوں کی پشت پناہی کی اور اس وقت کے وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے دھرنے کے شرکاء کو کشمیر ہائی وے سے آبپارہ سے ڈی چوک تک پہنچانے میں مدد فراہم کی۔ یہ قوتیں نواز شریف کا اقتدار ختم کرنے کیلئے مسلسل 4 سال سعی پیہم میں مصروف رہیں اور بالآخر سپریم کورٹ کا سہارا لے کر 28 جولائی 2017 کو اقامے کے بہانے قوم کے منتخب وزیراعظم نواز

Scanned with CamScanner

شریف کو سیاست میں حصہ لینے سے نااہل قرار دیا گیا۔ حالانکہ ان کا نام پانامہ سکینڈل میں کہیں بھی موجود نہیں تھا۔ یہیں پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ نیب کورٹ نے ایون فیلڈ اپارٹمنٹس کے کیس میں سابق وزیر اعظم نواز شریف کو گیارہ سال، ان کی صاحبزادی مریم نواز کو آٹھ سال قید با مشقت کی سزائیں سنادی گئیں اور تو اور مریم کے خاوند کیپٹن (ر) صفدر کو بھی ایک سال کیلئے جیل کاٹنے کی سزادی گئی۔ کیپٹن صفدر نے مری روڈ اور سکستھ روڈ کے سنگم پر ن لیگ کے سینکڑوں کارکنوں کی موجودگی گرفتاری پیش کی جبکہ نواز شریف جو اپنی سرطان زدہ اہلیہ بیگم کلثوم نواز اور مریم نواز اپنی کینسر کی مریض والدہ کو لندن کینسر کلینک میں چھوڑ کر پاکستان پہنچیں اور خود کو گرفتاری کیلئے پیش کر دیا باپ بیٹی نے لندن میں سیاسی پناہ تک نہ لی بلکہ قانون کا احترام کرتے ہوئے اور نیب کورٹ سے سنائی گئی سزا بھگتنے کیلئے 13 جولائی کی شب الاتحاد ایئر لائنز کے طیارے میں لاہور ایئر پورٹ پر اترے۔

اڈیالہ جیل تین مرتبہ ملک کا وزیر اعظم رہنے والے نواز شریف کو غیر انسانی ماحول میں رکھا گیا اور 20 جولائی کو جب ان کی طبیعت بگڑ گئی تو ان کے طبی معائنہ کیلئے راولپنڈی انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر اور ماہر امراض قلب میجر جنرل ڈاکٹر اظہر محمود کیانی کی سربراہی میں میڈیکل ٹیم نے ان کا 22 جولائی کو معائنہ کیا۔ 20 جولائی کو طبیعت بگڑنے کے باوجود آئی جی جیل خانہ جات پنجاب نے ان کے میڈیکل ٹیم تشکیل دینے میں دانستہ تاخیر کی۔ طبیعت زیادہ خراب ہونے پر 23 جولائی کو پاکستان انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز کے ڈپٹی ڈائریکٹر ڈاکٹر ذوالفقار غوری کے دستخطوں سے خفیہ (MOST IMMEDIATE) بذریعہ خصوصی ایلچی فیکس اور واٹس ایپ پر لیٹر نمبر F-9_1/2_2018/GEN/MB/PIMS جاری ہوا جس میں کہا گیا کہ 23 جولائی 2018 کو سنٹرل جیل راولپنڈی کے لیٹر نمبر 3029 محررہ 22 جولائی 2018 موصول 23 جولائی 2018 کے تحت ایک میڈیکل بورڈ تشکیل دیدیا گیا ہے جو سنٹرل جیل میں مقید مریض کا معائنہ کریگا۔ بورڈ کے چیئر مین ڈاکٹر اعجاز قدیر جوائنٹ ایگزیکٹو ڈائریکٹر پمز بنا دیئے گئے۔ بورڈ میں پروفیسر آف جنرل میڈیسن ڈاکٹر شجیع احمد صدیقی ممبر، ہیڈ آف کارڈیالوجی ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر محمد نعیم ملک، ہیڈ آف نیفرالوجی ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر سہیل تنویر، ہیڈ آف گیسٹرو انٹرالوجی ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر مشہود علی بطور ممبر شامل کئے گئے۔ بورڈ کو ہدایت کی گئی کہ وہ نواز شریف نامی مریض کا معائنہ کریں اور اپنی رپورٹ فوری طور پر متعلقہ کوارٹرز کو بھجوائیں۔ اس بورڈ کی تشکیل کا لیٹر پمز کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کی منظوری سے جاری ہوا جس کی نقول سیکرٹری کیڈ، سیکرٹری داخلہ، ایگزیکٹو ڈائریکٹر پمز کے پرائیویٹ سیکرٹری، نیب اسلام آباد کے متعلقہ افسر سنٹر جیل اڈیالہ راولپنڈی کے سپرنٹنڈنٹ ایڈیشنل چیف سیکرٹری (ہوم آفیئرز) حکومت پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ لاہور، انسپکٹر جیل خانہ جات پنجاب، راولپنڈی ریجن کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات کو بھجوائی گئیں۔

یہ بات خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ اتھارٹیز نے راولپنڈی انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی نے سربراہ میجرل جنرل ڈاکٹر اظہر محمود کیانی کی رپورٹ پر نواز شریف کا معائنہ آر آئی سی میں کرانے سے اجتناب کیا حالانکہ مریض راولپنڈی کی سنٹرل جیل سے لایا جانا تھا مگر میڈیکل بورڈ اسلام آباد کے پمز ہسپتال کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر سے تشکیل کرایا گیا۔ شاید یہ خدشہ سامنے رکھا گیا کہ میجر جنرل کے عہدے کا ریٹائرڈ ڈاکٹر اپنے سے رجوع کرنے والے جونیئر فوجی افسر کی بات پر کان نہ دھرے اسلئے سویلین ڈاکٹروں کا بورڈ بنایا گیا تاکہ انہیں دباؤ میں لایا جا سکے۔ آرمڈ فورسز انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی کے سابق کمانڈنٹ اور راولپنڈی انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی کے موجودہ ایگزیکٹو ڈائریکٹر میجر جنرل (ر) اظہر محمود کیانی نے اتوار کے روز اڈیالہ جیل جا کر سابق وزیر اعظم نواز شریف کا طبی معائنہ کیا۔ انہوں نے اڈیالہ جیل حکام کو ٹیسٹ رپورٹیں دیں ان میں گڑبڑ سامنے آئی ہے ایک رپورٹ کے مطابق سابق وزیر اعظم پاکستان نواز شریف کے خون میں یوریا کا تناسب محفوظ حد سے بڑھ گیا ہے اس

کے نتیجے میں سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف کے گردے فیل ہو جانے کا سنگین خطرہ ہے اس سنگین خطرے کو بھانپتے ہوئے ملک کے معروف معالج میجر جنرل (ر) اظہر محمود ایانی نے تحریری طور پر جیل حکام کو بتا دیا ہے کہ سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف کو فی الفور ہسپتال پہنچا دیا جائے تا کہ ان کے گردوں کے عارضے کا اطمینان بخش طریقے سے مستند ڈاکٹروں کی زیر نگرانی علاج معالجہ شروع کر دیا جائے۔ 13 جولائی سے 22 جولائی تک نواز شریف اور مریم نواز کی ملاقات نہیں ہو پائی بیٹی سے جدائی میں محمد نواز شریف کی میڈیکل رپورٹس جنہیں 13 اور 14 جولائی کی درمیانی شب میڈیکل ٹیم نے کم و بیش نارمل قرار دیا تھا اور ہفتہ رواں کے آغاز پر بھی نواز شریف کا بلڈ پریشر محفوظ حد کے اندر تھا مگر گزشتہ بہتر گھنٹوں کے دوران کئے گئے خون کے ٹیسٹوں کی جو رپورٹ مستند ڈاکٹروں نے اپنی خصوصی نگرانی میں بنوائی یہ رپورٹ جیل حکام کے حوالے کر کے سابق وزیر اعظم کو گردوں کے عارضے کے علاج کیلئے فوری طور پر ہسپتال داخل کرنے کا مشورہ دے دیا گیا ہے اعلیٰ حکام اس بات کا کسی بھی وقت فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں سابق وزیر اعظم نواز شریف کو کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی پہنچایا جائے یا راولپنڈی انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی منتقل کر دیا جائے سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف کی خراب میڈیکل رپورٹیں متعلقہ اعلیٰ ترین حکام کو پہنچا دی گئی ہیں جو ضروری فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ سابق وزیر اعظم نواز شریف کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔ اس سے قبل لندن میں ان کے چار بائی پاس اپریشن کئے جا چکے ہیں ان کی عمر تقریبا 70 سال ہے اور انہیں ذہنی دباؤ اور غیر انسانی سلوک کا شکار رکھنا ان کی صحت بلکہ ان کی زندگی کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ امر پیش نظر رہنا چاہیے کہ قانونی طور پر وزارت عظمٰی اور پارٹی صدارت کیلئے نا اہل کئے جانے کے باوجود نواز شریف بہر حال مسلم لیگ (ن) کے قائد ہیں۔ ان کا ووٹ بنک برقرار ہے جس کا عملی ثبوت حالیہ الیکشن ہیں۔ تمام تر انجینئرنگ اور مینوپلیشن کے باوجود مسلم لیگ (ن) نے الیکشن 2018 میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ نواز شریف بہر حال قومی سیاست کا ایک اہم کردار ہیں۔ ان کی صحت کو لاحق خطرات پر اہم شخصیات کی جانب سے تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اگر خدانخواستہ خاکم بدہن ان کی جیل میں ان کی جان چلی گئی تو اس کے ذمہ داروں کو بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا اور قوم تین مرتبہ منتخب ہونے والے وزیر اعظم سے اس بدسلوکی کو معاف نہیں کریگی جن سے انسانیت سوز سلوک روا رکھا گیا اس سے اتنا عوام میں نواز شریف مظلوم بن کر ابھرے ہیں اور اس کا سیاسی فائدہ ان کی پارٹی کو پہنچے گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ سیاستدانوں کو طاقت اور جبر سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ آمر جنرل ضیاء الحق نے اس وقت کے منتخب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو تختہ دار پر لٹکا دیا مگر وہ بھٹو اور پیپلز پارٹی کو عوام کے دلوں سے ختم نہیں کر سکے۔ آج بھی ذوالفقار علی بھٹو کا نواسہ بلاول بھٹو زرداری اپنے نانا کی وراثت کا امین ہے۔ اس طرح نواز شریف کا قومی سیاست میں جو مقام بن چکا ہے اسے طاقت اور جبر سے ختم کرنا ممکن نہیں ہے ان کی سیاسی وراثت مریم نواز یا شہباز شریف کی صورت میں منتقل ہو جائے گی۔

نگران حکومت کے قیام کے بعد ملک میں عام انتخابات کے پہلے مرحلے میں الیکشن کمیشن آف پاکستان نے الیکشن شیڈول کا اعلان کر دیا ہے پہلے مرحلے میں تمام امیدواروں کو اپنے کاغذات نامزدگی آٹھ جون 2018 تک جمع کرانا تھے اب اس میں مزید تین روز کا اضافہ کر کے آخری تاریخ گیارہ جون مقرر کی گئی ہے۔ 11 جون تک کاغذات نامزدگی ہو چکے ہیں اور آٹھ یوم کے اندر اندر 19 جون تک الیکشن سکروٹنی کمیٹی ہر ضلع کے امیدواروں کے کاغذات کی حلفیہ بیان کی روشنی میں جانچ پڑتال مکمل کرنے کیلئے دن رات کوشاں ہے۔

دریں اثنا لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے' جس میں پارلیمان کے اس قانون کو جس میں امیدواروں سے ذاتی معلومات' کوائف میں تبدیلی کی گئی تھی کو کالعدم قرار دے دیا گیا ہے سپریم کورٹ آف پاکستان نے حکم جاری کیا ہے کہ وہ تمام کوائف جو پہلے امیدوار داخل کراتے تھے، اب نئے قوانین میں حذف کر دیئے گئے ہیں انہیں اب بیان حلفی کے ساتھ جمع کرانا ہوگا۔ خیال رہے کہ پچھلی بار پارلیمان نے متفقہ طور پر

کاغذات نامزدگی میں اہم تبدیلیاں منظور کی تھیں جنہیں اب سپریم کورٹ نے بیان حلفی کے ذریعے عملاً ختم کر دیا ہے۔

دوسری طرف تمام سیاسی پارٹیاں اور ان کے پارلیمانی بورڈ آئندہ عام انتخابات میں اپنے امیدواروں کیلئے ٹکٹ جاری کرنے کا سلسلہ شروع کئے ہوئے ہیں اب تک پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان تحریک انصاف، پاکستان مسلم لیگ (ن) کے پارلیمانی بورڈ اپنے اپنے امیدواروں کو ٹکٹ تقریباً جاری کر چکے ہیں۔ جہاں تک پاکستان مسلم لیگ (ن) کا سوال ہے غالب گمان ہے کہ وہ زیادہ تر اپنے موجودہ منتخب ارکان قومی وصوبائی اسمبلی کو بھی ٹکٹ جاری کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔

پاکستان میں رائج پارلیمانی جمہوری نظام میں وزیر اعظم کو نیشنل اسمبلی کے منتخب نمائندے چنتے ہیں مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی سیاسی جماعتیں اپنے سیاسی قائد کی مرہون منت ہوتی ہیں کیونکہ پارٹی ووٹ دراصل پارٹی لیڈر کو اسی وجہ سے ملتے ہیں کہ وہ ارکان قومی اسمبلی کا منتخب کردہ ہوتا ہے۔ کہنے کو تو وزیر اعظم عوامی نمائندوں کے ووٹ سے منتخب ہوتا ہے مگر حقیقت حال یہ ہے کہ سیاسی جماعتوں کے ایکٹ کے تحت پارٹی کا چیئرمین/صدر (قائد) سربراہ پوری پارٹی پر ہر قسم کا اختیار رکھتا ہے اور کسی بھی سیاسی پارٹی کا منتخب شدہ نمائندہ پارٹی کے سربراہ کی پالیسی/مرضی کے خلاف عملاً پارلیمان میں عملاً ووٹ نہیں دے سکتا۔ پاکستان اپنی مخصوص علاقائی لسانی و نسلی اور برادری ازم کی وجہ سے ہر صوبے اور حلقہ کی مخصوص حیثیت سے ٹکٹ کی تقسیم کے وقت سیاسی جماعت بالخصوص سربراہ کو ان تمام زمینی حقائق کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔

پاکستان کی پارلیمان میں ایک کثیر تعداد ایسے نمائندوں کی تھی جو اپنے اپنے حلقہ نیابت میں دوبارہ منتخب ہونے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کو کوئی جماعت ٹکٹوں کی تقسیم کے موقع پر نظر انداز نہیں کر سکتی۔ تمام سیاسی جماعتیں کوشش کرتی ہیں کہ ان (ELECTABLES) کو اپنی طرف متوجہ کریں جو ہر جماعت تادم تحریر کر رہی ہے۔ اگرچہ پاکستان میں پہلی بار دو جمہوری حکومتوں نے اپنی پانچ پانچ سالہ (TENURE) میعاد مکمل کر لی ہے جو خوش آئند ہے مگر اس حقیقت کے باوجود ابھی بھی (LOCAL) دیہی علاقوں میں چند خاندانوں کا اثرورسوخ انتخابی نتائج پر اثرانداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

پاکستان کے سیاسی نظام میں ان خاندانوں نے اپنے ذاتی اثرورسوخ کی وجہ سے فوجی اور جمہوری حکومت میں اپنا کردار منوایا ہے۔ جہاں تک فوجی آمر حکومتوں کا تعلق ہے ان کے ادوار میں ان خاندانوں کی حکومت وقت ہمیشہ پذیرائی کرتی ہے اور بعد میں جمہوری حکومت جب آتی ہے تو یہ خاندان اتنے طاقتور ہو چکے ہوتے ہیں کہ جمہوری حکومت تک بھی ایسے خاندانوں کی حمایت کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ ایسا زیادہ تر پاکستان کے دیہی علاقوں میں جہاں پر 60 فیصد کی لگ بھگ آبادی اور ووٹ ہیں، اپنا اثرورسوخ رکھتے ہیں۔ چنانچہ پاکستان میں جب بھی عام انتخابات ہوتے ہیں تو یہ (ELECTABLES) جن کو عام فہم زبان میں ''لوٹے'' کہا جاتا ہے وقت کی سیاسی ہوا کو دیکھتے ہوئے اس پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں یا کرا دیے جاتے ہیں جس کے اقتدار میں آنے کے امکانات یقینی یا زیادہ ہوں۔

اگرچہ پاکستان میں دو جمہوری حکومتوں نے 2008 سے 2018 تک اپنی پانچ سالہ دستوری میعاد پوری کر لی ہے اس کے باوجود غیر سیاسی قوتوں کا اثر و نفوذ ابھی بھی نظر آ رہا ہے جو انتخابی نتائج پر اثرانداز ہو سکتا ہے۔ پاکستان میں میڈیا آزاد ہے مگر اس کو بھی ایک (SELF CENSORSHIP) سیلف سنسر شپ کا سامنا ہے وہ سیاسی و جمہوری حکومتوں اور سیاسی لیڈروں کی تو سخت ترین ناقد ہے مگر جب غیر سیاسی قوت اور نان سٹیٹ ایکٹرز کا معاملہ آئے تو یہ میڈیا عموماً بے بس ہو جاتا ہے۔ ایک جمہوری معاشرہ اور جمہوری سوچ کی سب سے بڑی ضامن ایک آزاد بے خوف میڈیا ہوتا ہے پاکستان اگرچہ جمہوریت کی بہت سی منازل طے کر چکا ہے مگر جمہوریت کی اصل روح کہ اقتدار پورا عوام کی امانت ہے، شاید ابھی تک اس منزل پر ہم نہیں پہنچ سکے۔

Scanned with CamScanner

اس بات سے قطع نظر کہ کون سی پارٹی کو کتنی عوامی حمایت حاصل ہے، ٹکٹوں کی تقسیم کو ایک انتہائی واہم مرحلہ تصور کیا گیا اور اگر کوئی پارٹی خواہ وہ کتنی ہی مقبول کیوں نہ ہو، غلط آدمی کو ٹکٹ جاری کر دے یا لوٹوں کو ٹکٹ دے دے تو یہ فیصلہ نتائج پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ایک پاپولر (ہر دل عزیز) و مقبول پارٹی کبھی بھی عوامی شکست کا سامنا کر سکتی ہے۔ قارئین کرام جانتے ہیں کہ پاکستان میں (FIRST PASSED THE VOTE) یعنی جس کو اپنے حلقے میں سب سے زیادہ ووٹ ملیں اسے کامیاب قرار دیا جاتا ہے نہ کہ اس شخص کو جس نے اپنے حلقے میں اکثریتی ووٹ حاصل کئے ہیں، اس کیلئے یہ مثال دینا ضروری ہے کہ کسی حلقے میں اگر چار امیدوار مختلف جماعتوں کے ہوں اور ان کو بالترتیب ساٹھ ہزار، 45 ہزار، 30 ہزار اور 15 ہزار ووٹ پڑتے ہیں تو ساٹھ ہزار ووٹ حاصل کرنے والے کو ہمارے نظام میں کامیاب قرار دے دیا جاتا ہے۔ مگر 2013 کے الیکشن میں آزاد امیدواروں کی تعداد بے حد زیادہ تھی جن کو کسی بھی سیاسی جماعت کی حمایت حاصل نہ تھی مگر بعد میں وہ حکومت کے ساتھ بطور منتخب ممبر جا ملے۔

ایسی صورتحال کے پیش نظر ٹکٹوں کی تقسیم کو جنرل الیکشن میں ایک کلیدی اہمیت حاصل ہے کیونکہ ایک طرف تو سیاسی پارٹی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ پارلیمان / اسمبلی میں اکثریت حاصل کرے اور دوسری طرف پارٹی کی حمایت برقرار رکھنے کیلئے اس پر اپنے ورکروں کو ٹکٹ دینے کا دباؤ ہوتا ہے چنانچہ اس نازک مگر مختصر بیلنس کو برقرار رکھنا پارٹی قیادت کی سیاسی پختگی، بلوغت، تدبر، انتظامی استعداد اور سیاسی لین دین (Give And Take) کا امتحان ہوتا ہے۔ (Electables) کو ٹکٹ نہ دینے سے بھی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اگر پارلیمان میں اسے اکثریت حاصل نہ ہو سکے اور دوسری طرف اگر وہ ان لوگوں کو پی ٹی آئی کی طرح ٹکٹ دے دیتی ہے تو اسے عوامی مقبولیت کم ہونے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ چنانچہ عام انتخابات میں پارٹی سیاسی و معاشی منشور سے زیادہ کس امیدوار کو کس حلقے کیلئے ٹکٹ دیتا ہے اسے زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ 25 جولائی 2018 کو قومی و صوبائی اسمبلیوں کے عام انتخابات کے متعلق یہ عام تاثر ہے کہ پی ٹی آئی ملک کی چند مقبول ترین جماعتوں میں ایک ہے اور اس کو غیر سیاسی قوتوں کی حمایت حاصل ہے چنانچہ مختلف پارٹیوں کو چھوڑ کر مختلف لوگ پی ٹی آئی میں شامل ہو رہے ہیں جیسے سابق وزیر اعظم میر ظفر اللہ خان جمالی، جنوبی پنجاب مسلم لیگ (ن) کے کچھ منتخب ارکان، پی پی پی کے ندیم چن اور اس طرح دوسرے کئی زعماء وغیرہ شامل ہیں۔ پاکستان تحریک انصاف نے ابھی تک پہلے مرحلے میں 173 نشستوں پر اپنے امیدواروں کو ٹکٹ جاری کر دیئے ہیں اور ان پر پارٹی کے حلقوں سمیت سیاسی مبصرین نے زبردست تنقید کا لامتناہی سلسلہ شروع رکھا ہے کیونکہ ایسے ایسے لوگوں کو ٹکٹ دیئے گئے ہیں جنہوں نے حال ہی میں پاکستان تحریک انصاف میں شمولیت اختیار کی تھی اور ان دیرینہ برسوں کے پی ٹی آئی کے ورکروں کو ٹکٹ نہیں دیئے گئے جنہوں نے دس پندرہ سال سے عمران خان کا گرم و سرد موسم میں ساتھ دیا یہی لوگ گزشتہ ہفتے تک بنی گالہ میں خان صاحب کی رہائش گاہ کے باہر مسلسل احتجاج کرتے رہے ان میں صوبہ خیبر پختونخواہ، پنجاب وغیرہ کے ڈائی ہارٹ پی ٹی آئی لیڈر بھی شامل ہیں جنہوں نے باضابطہ پریس کانفرنسوں سے خطاب کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ فیصل آباد میں ساہی خاندان کو قومی اور صوبائی اسمبلی کے تین ٹکٹ پی ٹی آئی کی طرف سے دیئے جانے پر نہ صرف ملک کے اندر بلکہ بیرون ملک پی ٹی آئی کے حامی سراپا احتجاج ہیں، اسی طرح جہانگیر ترین کے بیٹے علی ترین کو لودھراں سے ٹکٹ ایک اطلاع کے مطابق یہ کہہ کر نہیں دیا گیا کہ وہ پڑھائی میں مصروف ہیں۔ پی ٹی آئی کی ڈائی ہارٹ خاتون لیڈر فوزیہ قصوری نے پی ٹی آئی خان صاحب کی عدم توجہی کی بنا پر چھوڑی اور نہ چاہتے ہوئے بھی ایک نئی جماعت پاک سرزمین پارٹی میں شامل ہو گئیں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو بھی غیر سیاسی قوتوں کی کراچی میں حمایت حاصل ہے۔ تمام سیاسی جماعتیں یہ دعویٰ کر رہی ہیں کہ انہیں ٹکٹوں کی تقسیم میں مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ انہیں بے تحاشا درخواستیں ٹکٹ کیلئے موصول ہوئی ہیں مگر کوئی پارٹی بھی ہفتہ رواں کے آغاز تک قومی اسمبلی کی 272 نشستوں کیلئے اپنے 272 امیدوار

Scanned with CamScanner

میدان میں نہیں لاسکی، پاکستان مسلم لیگ (ن) کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ اپنے سابقہ ارکان اسمبلی کو ٹکٹ ان کی پہلی درخواست پر دے گی اور 2013 کے الیکشن کی طرح بلوچستان میں اتحادی جماعتوں پر زیادہ انحصار کریگی۔ پی ایم ایل (این) کی خیبر پختونخوا میں پہلے سے زیادہ کامیابی کا امکان اسلئے ہے کہ وہاں پی ٹی آئی کی کارگزاری پنجاب میں شہباز شریف کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں نواز شریف کی عدالت عظمیٰ کی طرف سے نااہلی کے بعد مریم نواز ایک طاقتور خاتون لیڈر کے طور پر ابھری ہیں ان لیگ کا ایک طرف مخالف سیاسی جماعتوں سے مقابلہ ہے تو دوسری طرف پارٹی کے اندر سیاسی کشمکش بھی ہے جس کی ایک مثال ابھی تک چوہدری نثار علی کی ہے جو پارٹی ٹکٹ کیلئے درخواست تک دینے کے روادار بھی نہیں ہیں۔ نثار علی خان کا موقف ہے کہ انہوں نے کم وبیش تین عشروں سے پارٹی ٹکٹ کیلئے درخواست نہیں دی شاید اسی لئے گزشتہ اتوار کو لاہور میں مسلم لیگ (ن) کی ٹکٹ تقسیم کرنے والی کمیٹی کے روبرو شہباز شریف، مریم نواز جیسے اعلیٰ پایہ کے پارٹی رہنماؤں نے تحریری درخواستیں نہ صرف جمع کرائیں بلکہ پارٹی ٹکٹ دینے والی کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر ان کے ہر طرح کے سوالات کے جواب بھی دیئے ایسے نظام میں نثار علی خان اگر مسئلہ بنانے کی بجائے پارٹی ٹکٹ کی درخواست دیتے تو ان کی عزت پر حرف آنے کی بجائے ان کا بڑا پن اور پارٹی ڈسپلن کی پاسداری قوم سمجھے گی۔

پی ٹی آئی کے چیئرمین عمران خان اپنی تیسری اہلیہ بشریٰ بی بی جو کئی بچوں کی نانی ہیں کو ساتھ لے کر عمرے کی ادائیگی کے لئے ہفتہ رواں کے آغاز پر حجاز مقدس تشریف لے گئے اس کا مطلب یہ ہے کہ بنی گالا احتجاج بے سود اور شاید کوئی اور پی ٹی آئی ٹکٹ جاری نہ کرے کیونکہ کاغذات نامزدگی کی سکروٹنی کا عمل بھی 19 جون کو مکمل ہونا تھا اور اگر اس بار ان لوگوں کو ٹکٹ دے دیا جاتا ہے جنہوں نے پارٹی سے ٹکٹ ملنے کی توقع میں کاغذات جمع کرار کھے ہیں، ان کو بھی شامل کرلیا جائے تو لگتا ایسا ہے کہ پی ٹی آئی دو سو نشستوں کے لگ بھگ امیدوار میدان میں لاسکے گی۔ جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ پی ٹی آئی اپنے تیئں (اکیلے) حکومت قائم نہیں کرنے جارہی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کو سندھ میں گرینڈ ڈیموکریٹک الائنس (Grand Democratic ALLiance) سے کانٹے دار مقابلے کا سامنا ہے ذوالفقار مرزا اور فہمیدہ مرزا پی پی چھوڑ کر جی ڈی اے میں شامل ہو چکے ہیں۔ سندھ میں شاید پیپلز پارٹی ایک بڑی جماعت بن کر ابھرے مگر وہ واضح اکثریت حاصل نہ کر سکے۔ آئندہ انتخابات میں اگر مسلم لیگ (ن) کم وبیش پی ٹی آئی جتنی نشستیں بھی حاصل کرتی ہیں تو پیپلز پارٹی کا مرکز میں حکومت بنانے میں کلیدی کردار نہیں ہوگا جس میں ان کی سب سے پہلی شرط سندھ میں پھر حکومت کرنا ہوگی۔

نواز شریف کیخلاف نیب ریفرنسوں کا 11 جولائی 2018 تک آنے والا فیصلہ کس حد تک اور کتنا اثر انداز ہوگا یہ تو 25 جولائی کی رات ہی پتہ چلے گا مگر جاتے جاتے آپ کو بتا تا چلوں کہ سپریم کورٹ نے میاں نواز شریف اور مریم نواز کو عید کے موقع پر لندن جاکر کلثوم نواز سے ملنے کی اجازت دیدی ہے کیا یہ کسی ڈیل کا حصہ ہے، میاں صاحب اور مریم نواز کو ایک باعزت ایگزٹ (راستہ) دیا جارہا ہے یا پھر وہ واپس آکر دوبارہ عدالتوں کا سامنا کرینگے اور انتخابی مہم کی قیادت کرینگے یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکے گا۔

الیکشن کمیشن آف پاکستان نے ملک میں شفاف منصفانہ اور دنیا بھر کیلئے قابل قبول عام انتخابات میں جدید ترین ٹیکنالوجی کے استعمال کا جو فیصلہ کیا ہے اسے بین الاقوامی الیکشن آبزرورز قومی انتخابات میں حصہ لینے والی سیاسی جماعتوں نے بھی سراہا ہے دوران ہفتہ الیکشن کمیشن آف پاکستان نے انٹرنیشنل الیکشن آبزرورز کیلئے ملک میں رائج قوانین کی روشنی میں کلیدی گائیڈ لائن تیار کرلی ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ الیکشن کمیشن آف پاکستان کو آئینی طور جو مینڈیٹ حاصل ہے کہ جنرل الیکشن 2018 آزادانہ اور منصفانہ طور پر منعقد کرائے ان انتخابات پر پاکستانی قوم اور عوام کا اعتماد بڑھانے کیلئے الیکٹرول پروسیس کے تمام مراحل پر شفافیت کو یقینی بنایا جارہا ہے الیکشن کمیشن آف پاکستان فری الیکشن

Scanned with CamScanner

سرگرمیوں کا مشاہدہ کرنے کیلئے انٹرنیشنل الیکشن آبزروز کا خیر مقدم کرتا ہے اور 25 جولائی الیکشن ڈے کا پورا دن پولنگ سٹیشنوں کا معائنہ کرائے گا اور ملک بھر کے مخصوص علاقوں میں پولنگ کے بعد کی سرگرمیاں موقع پر جا کر دکھائے گا

الیکشن کمیشن آف پاکستان نے انٹرنیشنل الیکشن آبزرور کیلئے لازم قرار دیا ہے کہ وہ متعین کردہ گائیڈ لائن پر سختی سے عملدرآمد کریں آبزرور کا رول متعین کیا گیا ہے انٹرنیشنل الیکشن آبزرورز الیکشن کے تمام انتظامات وانصرام اور انعقاد کا مشاہدہ کرسکیں گے الیکشن ڈے پر اپنے سامنے ہونے والے پولنگ دیکھ سکیں گے تاہم انٹرنیشنل الیکشن آبزرورز پولنگ پراسیس میں کسی قسم کی مداخلت کے مجاز نہیں ہوں گے یہ آبزرورز ووٹوں کی گنتی اور رزلٹ کو آر ڈی نیشن کا مشاہدہ بھی کرسکیں گے۔ انٹرنیشنل الیکشن آبزرور مشاہدہ ضرور کریں گے لیکن کسی کیلئے انتخابی مہم ووٹنگ اور گنتی وغیرہ کے عمل میں شرکت کے مجاز نہیں ہوں گے۔ پولنگ سٹیشن میں انتخابی کارروائی میں مداخلت نہیں کریں گے کسی بھی پروسیجرل معاملے پر پولنگ سٹاف کو مشورہ نہیں دیں گے پولنگ سٹیشن کے اندر ووٹر سے براہ راست سوال نہیں پوچھیں گے کسی پولنگ سٹیشن یا حلقے میں ووٹنگ کے نتائج کا اعلان نہیں کریں گے رزلٹ کی پروجیکشن یا ایگزٹ پول کو کیری آؤٹ نہیں کریں گے الیکشن کے انعقاد میں سپروائزری یا ایگزیکٹو رول ادا نہیں کریں گے انتخابی پروسیس پر اثر انداز نہیں ہوں گے انٹرنیشنل الیکشن آبزرور الیکشن کمیشن آف پاکستان کے ساتھ مشاورت کے بغیر میڈیا کو کوئی بیان نہیں دیں گے الیکشن کمیشن آف پاکستان کی طرف سے غیر سرکاری نتائج کے اعلان سے پہلے الیکشن آبزرویشن مشن کا سربراہ کوئی اہم بیان جاری نہیں کرے گا انٹرنیشنل الیکشن آبزرور پاکستان کی خود مختاری کا احترام اور اسے تسلیم کریں گے اپنے لاجسٹک انتظامات رہائش ٹرانسپورٹ سے متعلق خود ذمہ دار ہوں گے پاکستان پہنچنے کے فوری بعد الیکشن کمیشن آف پاکستان کے ساتھ خود کو رجسٹر کرائیں گے مذکورہ گائیڈ لائن پر عمل پیرا غیر ملکی الیکشن آبزرور پاکستانی الیکشن آبزرور کے ساتھ تعاون پر مبنی معلومات رکھیں گے الیکشن کمیشن آف پاکستان پاکستانی الیکشن آبزرور کیلئے الگ گائیڈ لائن جاری کرنے والا ہے انٹرنیشنل الیکشن آبزرور کیلئے الیکشن کمیشن آف پاکستان خصوصی بریفنگ کا انتظام کرے گا انٹرنیشنل الیکشن آبزرور سختی سے غیر جانبداری اپنائیں گے پاکستان میں کسی سیاسی جماعت کی سپورٹ نہیں کریں گے تاکہ انتخابات کے انعقاد کو متاثر نہ کیا جاسکے۔ انٹرنیشنل الیکشن آبزرور الیکشن کمیشن آف پاکستان کے پاس خود جاکر ایکریڈیٹ ہوں گے الیکشن کمیشن اس کی تحریری درخواست وصول ہونے پر انٹرنیشنل الیکشن آبزرور کو ایکریڈیشن پاس جاری کرے گا۔

انٹرنیشنل الیکشن آبزرور پاکستانی مترجمین (Interpreter) کی خدمات حاصل کرسکیں گے مگر یہ مترجمین پاکستان کے کسی سیاسی جماعت کے ممبر ہرگز نہیں ہونے چاہئیں بلکہ وہ غیر جانبدار اور غیر سیاسی آدمی ہوں منتظمین بھی الیکشن کمیشن آف پاکستان کے پاس رجسٹر ہوں گے انٹرنیشنل الیکشن آبزرور الیکشن کمیشن آف پاکستان کے مشورے کے ساتھ الیکشن مشاہدے کے ایریاز کا چناؤ کریں گے وہ کسی علاقے کے خاص حلقے میں ہی خود کو بڑی تعداد میں جمع نہیں کریں گے کیونکہ ہر ایریا کے پولنگ سٹیشن پر جانے کا چوائس دیں گے جو ایریاز سکیورٹی یا انتظامی وجوہات کی بنا پر ناقابل رسائی قرار دیئے جائیں گے وہاں انٹرنیشنل آبزرورز نہیں جاسکیں گے۔ انٹرنیشنل الیکشن آبزورز ہمہ وقت الیکشن کمیشن آف پاکستان کے جاری کردہ ایکریڈیشن کارڈ اپنے سینے پر لگا رکھیں گے کسی بھی پولنگ سٹیشن میں جانے کیلئے انہیں ایکریڈیشن کارڈ دکھانا ہوگا پولنگ سٹیشن میں ایک انٹرنیشنل آبزرور ٹیم بمعہ مترجم جاسکے گی انٹرنیشنل الیکشن آبزرورز پولنگ سٹیشن کے اندر بہت دیر نہیں رک سکیں گے تاکہ دوسرے آبزرور کو پولنگ کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملتا رہے انٹرنیشنل الیکشن آبزرورز اس مقام پر نہیں جاسکیں گے جہاں ووٹرز بیلٹ پر اپنے پسندیدہ امیدوار کے سامنے کراس کا نشان لگا رہے ہیں انٹرنیشنل الیکشن آبزرورز پولنگ سٹیشن کے پریذائیڈنگ افسر، اسسٹنٹ پریذائیڈنگ افسر، پولنگ سٹاف کی انتظامی وقانونی ضروریات کی سختی سے پابندی کریں گے۔ پریذائیڈنگ افسر، اسسٹنٹ پریذائیڈنگ افسر، پولنگ سٹاف کسی بھی

Scanned with CamScanner

انٹرنیشنل الیکشن آبزرور کو پولنگ سٹیشن سے باہر جانے کی ہدایت دینے کا مجاز ہوگا۔ بشرطیکہ اس کے خیال میں انتخابی عمل کے انعقاد میں مذکورہ انٹرنیشنل الیکشن آبزرور حائل ہو رہا ہے۔

الیکشن کمیشن آف پاکستان یہ حق محفوظ رکھتا ہے کہ وہ کسی بھی انٹرنیشنل الیکشن آبزرور کا نہ صرف ایکریڈیشن بلکہ ویزا منسوخ کرا دے جس کے بارے میں وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مذکورہ انٹرنیشنل الیکشن آبزرور کوڈ آف کنڈکٹ رہنما اصولوں قواعد وضوابط اور انتخابی عمل کی صریحاً خلاف ورزی کر رہا ہے۔

عہد

ہر انٹرنیشنل آبزرور کوڈ آف کنڈکٹ (ضابطہ اخلاق) پر عملدرآمد کا تحریری وعدہ اس فارم کے مطابق کرے گا

میں نے انٹرنیشنل الیکشن آبزرور کیلئے وضع کردہ الیکشن کمیشن آف پاکستان کے ضابطہ اخلاق کو اچھی طرح پڑھ سمجھ لیا ہے۔

میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں الیکشن کمیشن کے ضابطہ اخلاق کی پاکستان میں قیام کے دوران پابندی کروں گا۔ میں خود اور اپنی سرگرمیوں کو کوڈ آف کنڈکٹ کے مطابق رکھوں گا۔

میرا کسی قسم کا سیاسی معاشی یا دوسرا متنازعہ معاملہ نہیں میں غیر جانبدار الیکشن آبزرور کے طور پر کوڈ آف کنڈکٹ پر صدق دل و جان سے عملدرامد کروں گا

دستخط

نام

تاریخ

جوں جوں پولنگ ڈے 25 جولائی 2018 قریب آ رہا ہے ملک میں سیاسی ٹمپریچر بڑھتا جا رہا ہے۔ نواز شریف، مریم نواز، کیپٹن صفدر کو نیب کورٹ کی طرف سے کرپٹ ثابت کئے بغیر ایک سے گیارہ سال تک کی سزائیں وفاقی دارالحکومت کے شہریوں میں ہی نہیں بیوروکریسی اور غیر ملکی سفارتکاروں کا بھی موضوع سخن بن گئی ہیں۔ کیپٹن صفدر نے اگرچہ مری روڈ راولپنڈی میں ہزاروں افراد کی ریلی کی موجودگی میں نیب اہلکاروں کو مردانہ وار گرفتاری دی مگر گزشتہ منگل کو پاک فوج کے ترجمان ڈائریکٹر انٹر سروسز پبلک ریلیشنز میجر جنرل آصف غفور کی تہلکہ خیز میڈیا کانفرنس میں یہ تک اعلان کیا گیا کے سابق وزیر اعظم کے اے ڈی سی اور داماد ریٹائرڈ کیپٹن صفدر کے خلاف ملٹری رولز کے تحت مقدمہ چلے گا جسے عام فہم میں کورٹ مارشل کہا جاتا ہے۔ لندن سے نواز شریف اور مریم نواز کی سخت ترین سزائیں ملنے کے باوجود وطن واپسی نے مسلم لیگ (ن) کے امیدواروں کا مورال بڑھا دیا ہے۔ نواز شریف نے وطن واپس آنے کا جرات مندانہ فیصلہ کر کے اپنے سیاسی مخالفین کے تمام اندازے غلط ثابت کر دیئے ہیں جن کا خیال تھا کہ وہ جیل سے ڈر جائیں گے۔ نواز شریف کے آنے سے مسلم لیگ (ن) کی الیکشن میں پوزیشن بہتر ہو جائے گی اس سے قبل انہیں جب وزارت عظمیٰ کیلئے نااہل قرار دیا گیا تھا تو نواز شریف کے اس موقف نے عوام میں ان کیلئے ہمدردی کے جذبات پیدا کئے کہ انہیں اقامہ کیس کو بنیاد بنا کر اپنے بیٹے سے تنخواہ لینے کا عوام کیلئے ناقابل قبول الزام لگا کر نااہل قرار دیا گیا۔ اب نیب کورٹ نے جو فیصلے دیا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ استغاثہ نواز شریف پر کرپشن کے الزامات ثابت کرنے میں ناکام رہا۔ اس کے باوجود نواز شریف، مریم نواز اور کیپٹن صفدر کو اس بنیاد پر سزا دی گئی کے چونکہ ایون فیلڈ اپارٹمنٹس کی ملکیت مفروضے کے طور پر نواز شریف کی ہی ہے اور یہ کہ اس کے واضح ذرائع آمدن نہیں بتائے گئے لہٰذا یہ رقم مفروضے کے طور پر ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی۔ قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ نیب کورٹ نے مفروضہ کی بنیاد پر سزا سنائی

ہے۔فوجداری قانون کے تحت شک کا فائدہ ہمیشہ ملزم کو دیا جاتا ہے مگر اس فیصلہ میں شک کا فائدہ استغاثہ کو دیا گیا۔اب یہ فیصلہ اپیلٹ کورٹ یعنی اسلام آباد ہائیکورٹ میں چیلنج ہو چکا ہے لہٰذا اس کیس پر مزید کوئی تبصرہ مناسب نہیں ہے۔ہم سب کو فیصلے کا انتظار کرنا چاہئے اپیلٹ کورٹ کے پاس یہ اختیار ہے کہ وہ چاہے تو سزا ختم کر دے اور چاہے تو اس میں کمی یا زیادتی کر دے۔ہائیکورٹ کے بعد سپریم کورٹ کا اپیلٹ فورم بھی موجود ہے اس لئے ابھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔نواز شریف،مریم نواز اور کیپٹن صفدر کو سزا دینے کے فوراً بعد ہی سپریم کورٹ نے منی لانڈرنگ کیس کی سست روی کا نوٹس لے لیا۔ 35 ارب روپے کی منی لانڈرنگ کیس کی تحقیقات ایف آئی اے 2015 سے کر رہا تھا لیکن سیاسی دباؤ کی وجہ سے یہ انکوائری سرخ فیتے کی نذر کر دی گئی تھی۔اس منی لانڈرنگ کیس میں پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین اور سابق صدر مملکت آصف علی زرداری، ان کی ہمشیرہ فریال تالپور کا نام سامنے آیا ہے۔تین بینکوں کے صدور سمیت 35 شخصیات کے نام سپریم کورٹ کے حکم پر ای سی ایل میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ایف آئی اے نے آصف علی زرداری اور فریال تالپور کو بیان دینے کیلئے نوٹس بھی جاری کر دیا ہے۔یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ منی لانڈرنگ کی رقم 70 ارب روپے تک ہو سکتی ہے۔یہ کیس بھی اہم نوعیت کا ہے جس پر سیاسی حلقے مختلف انداز میں تبصرے کر رہے ہیں۔یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ آصف علی زرداری کا کیس نواز شریف کے کیس کو بیلنس کرنے کیلئے کھولا گیا ہے۔اس کی ٹائمنگ یہ بتاتی ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نواز شریف کو ملنے والی عوامی ہمدردیوں کو کم کیا جا سکے۔نواز شریف کا یہ بیانیہ پنجاب میں مقبول ہو رہا ہے کہ کرپشن کے خلاف مہم کے نام پر صرف شریف خاندان کو ہدف بنایا جا رہا ہے۔ 400 آف شور کمپنیوں میں سے صرف نواز شریف کے خلاف جے آئی ٹی بنا کر انکوائری کی گئی اور اس کے بعد کیس کو بند کر دیا گیا۔نیب کورٹ کو حکم دیا گیا کہ 6 ماہ میں کیس کی سماعت مکمل کی جائے اگرچہ پہلا فیصلہ 9 ماہ بعد کیا گیا ہے لیکن یہ سوال تو ضرور اٹھتا ہے کہ اسی نیب کورٹ میں دو سابق وزرائے اعظم یوسف رضا گیلانی اور راجہ پرویز اشرف کے خلاف بھی بدعنوانی کے کیسز چل رہے ہیں۔ان دونوں کیلئے نہ تو حاضر ہونا لازمی ہے اور نہ ہی ان کے مقدمات کو جلد ختم کرنے کیلئے کوئی ڈیڈ لائن مقرر کی گئی ہے۔نہ ہی سپریم کورٹ کے کسی جج کو سپروائز کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔نواز شریف اس صورتحال میں مظلوم بن کر ابھرے ہیں اور پنجاب میں عوام کی ان کے ساتھ ہمدردیاں بڑھ گئی ہیں۔آصف علی زرداری کے خلاف کیس چلانے سے اب یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ کرپشن کے خلاف بلا امتیاز کارروائی ہو رہی ہے لیکن عوام تب یقین کریں گے جب ان کے خلاف بھی نیب کو کیس بھیجا جائے گا اور نیب کورٹ میں اس کی سماعت بھی اسی انداز میں ہو گی جس طرح نواز شریف اور ان کے خاندان کے کیس میں کی گئی ہے۔

سیاسی جماعتوں کے بارے میں بھی عوام حیران ہیں کہ انتخابی منشور کا اعلان انتخابی مہم چلنے کے بعد کیا جا رہا ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا الیکشن اچانک آ گئے تھے جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔تمام سیاسی جماعتوں کو معلوم تھا کہ جولائی میں الیکشن ہوں گے۔اصولی طور پر سیاسی جماعتوں کے انتخابی منشور الیکشن شیڈول آنے سے پہلے تیار ہونے چاہئیں تھے تاکہ ووٹرز منشور کا مطالعہ کر کے فیصلہ کر سکے کہ کس پارٹی کی معاشی اور خارجہ پالیسی اچھی ہے یا توانائی اور پانی بحران اور سیکیورٹی ایشوز سے نمٹنے کیلئے ان کے پاس کیا پلان ہے۔اول تو ووٹرز جھوٹے اور بلند بانگ دعوؤں پر یقین نہیں رکھتے بلکہ وہ سیاسی جماعتوں کی سابقہ کارکردگی کو بھی جانچیں گے اور کارکردگی کو معیار بنا کر ووٹ دینے یا نہ دینے کا فیصلہ کریں گے۔بدقسمتی سے سیاسی جماعتوں میں ابھی تک پوری طرح جمہوریت نہیں ہے بڑی شخصیات کے گرد گھومتی ہیں۔جب الیکشن میں سیاسی رہنما ایمپائر کی انگلی اٹھنے کا تذکرہ فخر سے کریں گے تو جمہوری اقدار کیسے مضبوط ہوں گی۔ 2018 کے الیکشن نتائج تو 25 جولائی کو ہی آئیں گے لیکن اب بھی سیاسی حلقے بہت سے سوالات اٹھا رہے ہیں۔جس انداز میں مسلم لیگ (ن) سے الیکٹیبلز توڑے گئے اور انہیں پی ٹی آئی میں بھیجا گیا۔پھر مسلم لیگ کے ٹکٹ واپس کرنے والے امیدواروں نے جیپ کا نشان لے کر ایک الگ گروپ بنا لیا جس کی قیادت سابق وزیر داخلہ چوہدری

Scanned with CamScanner

نثار علی خان کر رہے ہیں۔ وہ آزاد حیثیت میں دو حلقوں سے قومی اسمبلی اور دو حلقوں سے صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑ رہے ہیں اور ان کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ بھی وزارت عظمٰی کے امیدوار ہو سکتے ہیں۔ دراصل پاکستان میں اسٹیبلشمنٹ کی جانب سے الیکشن کے موقع پر سیاسی انجینئرنگ کرنے کی ایک طویل تاریخ موجود ہے۔ ایوب خان کے دور میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی ہمشیرہ فاطمہ جناح کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ تاریخ کا حصہ ہے اس وقت بھی دباؤ کے ماحول میں الیکشن ہوئے۔ ضیاء الحق کے دور میں مسلم لیگ جونیجو بنائی گئی اور پھر جب وہ سابق وزیراعظم محمد خان جونیجو سے ناراض ہوئے تو حکومت توڑ دی گئی۔ ضیاء الحق کی شہادت کے بعد جب 1988 میں الیکشن ہونے تو سیاسی انجینئرنگ کے الزامات لگے۔

اصغر خان کیس میں تو یہ ثابت بھی ہو گیا کہ سابق ڈی جی آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل اسد درانی نے سیاستدانوں میں رقوم تقسیم کیں۔ نواز شریف کی حکومت ختم کرنے کیلئے عمران خان نے طاہر القادری کے ساتھ مل کر پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے دھرنا دیا اور ایمپائر کی انگلی اٹھنے کے دعوے کئے۔ انہوں نے یہ تاثر دیا کہ وہ یہ دھرنا مقتدر حلقوں کے اشارے پر دے رہے ہیں حالانکہ اس دھرنے کی وجہ سے پاکستان کے دوست ملک چین کے صدر کا اہم دورہ ملتوی ہو گیا۔ اس وقت وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان تھے جو ایچی سن کالج میں عمران خان کے ساتھ پڑھتے رہے ہیں۔ چوہدری نثار علی خان نے انہیں پہلے اسلام آباد کشمیر ہائی وے تک اجازت دی اور پھر دوسرے مرحلے میں پارلیمنٹ ہاؤس تک جانے دیا۔ عمران خان کئی مرتبہ چوہدری نثار کی تعریفیں کر چکے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں لائک مائنڈڈ ہیں اور یہ قوی امکان ہے کہ الیکشن کے بعد حکومت سازی میں وہ دونوں ایک ہو جائیں گے۔ الیکشن مہم اس وقت پورے عروج پر ہے اصل مقابلہ مسلم لیگ (ن) اور تحریک انصاف میں ہے۔ پنجاب ہی مرکزی میدان جنگ ہے جہاں قومی اسمبلی کی 140 نشستیں ہیں۔ پنجاب کے عوام جسے چاہیں گے اسے ایوان اقتدار تک پہنچائیں گے۔ ڈی جی آئی ایس پی آر کی پریس کانفرنس سے بہرحال یہ یقین ہو گیا ہے کہ انتخابات بہرحال شیڈول کے مطابق 25 جولائی کو منعقد ہو جائیں گے۔ آرمی کے ساڑھے تین لاکھ جوان الیکشن کمیشن کی معاونت کریں گے۔ پاک فوج کے ترجمان کا موقف ہے کہ ہم کسی سیاسی جماعت کے حامی یا مخالف نہیں ہیں۔ عوام آزادانہ ماحول میں جس کو چاہیں ووٹ ڈالیں۔ جو بھی وزیراعظم منتخب ہوگا ہم اسے تسلیم کریں گے۔

اتوار 8 جولائی کو کیپٹن صفدر نے مانسہرہ ایبٹ آباد سے خود مری روڈ راولپنڈی پہنچ کر جس بڑی ریلی میں از خود گرفتاری دی اس ریلی میں سینیٹر چوہدری تنویر سابق ایم این اے حنیف عباسی امیدوار قومی اسمبلی مسلم لیگ (ن) بیرسٹر دانیال امیدوار ن لیگ برائے پنجاب اسمبلی شیخ ارسلان حفیظ اور دوسرے لیگی ڈویژنل و ضلعی عہدیدار موجود تھے۔ میئر راولپنڈی سردار نسیم احمد کا کہنا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کے قائد نواز شریف کے داماد کیپٹن صفدر نے نیب کورٹ کے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے ہزاروں پنڈی والوں کی موجودگی میں خود کو نیب عدالت کے حوالے کیا۔

منگل کی رات تک تھانہ نیو ٹاؤن راولپنڈی میں کیپٹن صفدر ریلی کے ساتھ سو سے زیادہ لیگی کارکن حوالات میں پڑے تھے جبکہ راولپنڈی کے تھانہ وارث خان میں 7 لیگی کارکن اس کیس کے حوالے سے زیر حراست تھے۔ اگر کیپٹن صفدر کی آمد پر مری روڈ راولپنڈی پر سینکڑوں نہیں اور بعض اطلاعات کے مطابق کئی ہزار لوگ نواز شریف کی حمایت میں نکلے تو جب نواز شریف اور محترمہ مریم نواز لاہور آئے ہوں گے تو لاہور میں محتاط انداز کے مطابق سینکڑوں نہیں ہزار ہا (ن) لیگی اور ان کے حمایتی ضرور آئے ہوں گے۔

کارگل کی واپسی کی کہانی 1970 کے عشرے میں کئی ملین نوجوانوں بڑے بوڑھے بچوں نے پاکستان کے سب سے بڑے شائع ہونے والے روزنامہ جنگ میں یہ بڑی دلچسپی سے پڑھی ہوئی ہے اسی طرح امریکی سفارتکار کرنل جوزف ہال جو کہ ایک سفارتکار ہیں کی واپسی کی کہانی ذمے دار حلقوں کی زبانی راقم نے حاصل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کی شاہراہ پر چند ہفتے قبل امریکی فوجی

Scanned with CamScanner

اتاشی نے گاڑی چلاتے ہوئے اس وقت ریڈ سگنل توڑا جب دوسری سمت کا سگنل گرین تھا اور دو موٹر سائیکل سوار نوجوان اپنا سگنل کھلا ہونے کی وجہ سے اپنے راستے پر آ رہے تھے امریکی فوجی اتاشی کرنل جوزف کی گاڑی سے اس وقت ٹکرا کر شدید زخمی ہوئے جن میں سے ایک کی موت واقع ہو گئی حالانکہ تھانہ سیکرٹریٹ کی پولیس نے موقع پر جا کر ایکشن لیا۔ امریکی کرنل نے اپنا سفارتی شناختی کارڈ دکھایا اور کہا کہ اسے حادثے کا رنج ہے مگر انہیں مستند سفارتکار ہونے کے باعث جنیوا کنونشنوں کے تحت یہ استثنیٰ حاصل ہے کہ جس ملک میں دوسرے ملک کے سفارتکار سے کوئی بھی چھوٹا بڑا جرم سرزد ہو جائے۔ تو اسے میزبان ملک (پاکستان) کی بجائے اس کے مادر وطن (امریکا) کی حکومت مقدمہ چلا کر سزا دینے کی مجاز ہوتی ہے۔ اسلام آباد پولیس نے انجام خوف کی وجہ سے کرنل جوزف ہال کا میڈیکل ٹسٹ نہیں کرایا جو اس کی ناقابل معافی غلطی شمار ہو رہی ہے اسلام آباد بار ایسوسی ایشن کے سابق صدر محمد طیب ایڈووکیٹ کے مطابق اسلام آباد پولیس کو ہر حال میں اس امریکی سفارتکار کا میڈیکل چیک اپ کرانا چاہئے تھا تا کہ یہ پتہ چل پاتا کہ امریکی ملٹری اتاشی نے مقررحد سے زیادہ شراب پی رکھی ہے یا کہ نہیں۔ یہ چیک اپ اسی وقت ہونا چاہئے تھا کہ ایک یا دو یا تین دن بعد نہیں۔

محمد طیب ایڈووکیٹ کے مطابق یہ بات درست ہے کہ جنیوا کنونشنوں کے تحت سفارتکاروں کو میزبان ملک میں غلطی یا جرم سرزد ہونے پر جیل میں نہیں ڈالا جا سکتا نہ ہی ہتھکڑی لگائی جا سکتی ہے ان کا کہنا تھا کہ پچھلے ہفتے آسٹریلیا میں اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے والی پاکستانی ہائی کمشنر جو چند روز میں وطن واپس پہنچ جائینگی کے خلاف آسٹریلیا کی انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس بنا پر زبردست مظاہرے کئے کہ پاکستانی خاتون ہائی کمشنر نے اپنی گھریلو خادمہ پاکستان سے لا رکھی تھی اور وہ آسٹریلوی قوانین کے مطابق اپنی ملازمہ کو تنخواہ الاؤنس سہولیات نہ دیکر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی مرتکب ہو رہی تھیں ان تمام مظاہروں کے باوجود پاکستانی ہائی کمشنر کو جنیوا کنونشنوں کے تحت حاصل سفارتی استثنیٰ (Diplomatic Immunity) حاصل تھا اب اپنے عہدے کی میعاد پوری کر کے اپنی جگہ میں پاکستانی نامزد ہائی کمشنر کے پہنچنے کے بعد آسٹریلیا سے وطن آ رہی ہیں۔

امریکا نے اپنے مصدقہ جاسوس شکیل آفریدی جس نے بچوں کو پانچ بیماریوں سے بچانے والے انجکشن لگانے کی خودساختہ میڈیکل ٹیم کے سربراہ کی حیثیت سے امریکا کو جاسوسی کی کہ اسامہ بن لادن پی ایم اے کاکول کی نواحی بستی میں رہائش پذیر ہے اس کی اطلاع پر ہی آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی اور صدر آصف زرداری کے دور میں امریکی کمانڈوز نے سٹنگ آپریشن کر کے باراک اوباما کے دوسرے صدارتی الیکشن سے چند روز قبل اسامہ بن لادن کے خاندان کے افراد کو امریکی دعوے کے مطابق مخصوص ہیلی کاپٹر بھجوا کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ ہیلی کاپٹر راڈار پر نظر نہیں آتے یہ امریکی کمانڈوز کے ہیلی کاپٹر افغانستان سے اڑ کر پہاڑوں کے درمیان میں انتہائی نیچے پرواز کرتے ہوئے آئے تھے۔ اسامہ بن لادن کی ہلاکت جیسا مبینہ آپریشن حساس اداروں کے مطابق امریکیوں نے اور ایک پاکستانی کے قتل کے ذمہ دار فوجی اتاشی کرنل جوزف ہال کو پاکستان سے C-130 طیارے کے ذریعے چکلالہ ائیربیس سے اٹھا کر پاکستان سے باہر لے جانے کا آپریشن کیا مگر یہ آپریشن پاکستان حساس اداروں نے ناکام بنا دیا مبینہ طور پر امریکا نے ان سطور کے شائع ہونے سے ایک ہفتہ قبل بگرام ائیربیس افغانستان سے خصوصی ہرکلیس طیارہ نورخان ائیربیس راولپنڈی بھجوایا نورخان ائیربیس اور بے نظیر انٹرنیشنل ائیرپورٹ اسلام آباد انٹرنیشنل ائیرپورٹ کے آپریشنلائز ہونے کے فوری بعد مکمل طور پر پاکستان ائیرفورس کے زیر کنٹرول ہے اور اب یہ C-130 طیاروں اور دوسرے فوجی طیاروں کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے ذرائع کا کہنا ہے کہ امریکی طیارہ کچھ سامان لے کر نورخان ائیربیس پر اترا اور وہاں سے امریکی سفارتخانے کے کچھ سامان کو لے جانے کا ڈرامہ رچایا۔ کرنل جوزف ہال کو ایک لوڈر کا بھیس بدلوا کر امریکی طیارے میں امریکیوں نے اس اسٹنگ آپریشن کے تحت طیارے کے

Scanned with CamScanner

اندر پہنچایا اور اسے طیارے کے اندر چھپا دیا مگر پاکستان حساس ادارے نے مبینہ طور پر C-130 طیارے سے فوجی اتاشی کرنل جوزف ہال کو نکال کر امریکیوں کے اسٹنگ آپریشن کو ناکام بنادیا۔ اسی طرح اپنے چہیتے جاسوس شکیل آفریدی کو پشاور کی جیل توڑ کر کابل پہنچانے کا اسٹنگ آپریشن بھی حساس اوارے نے اس طرح ناکام بنایا کہ جس طرح پشاور جیل کو توڑ کر شکیل آفریدی کو فرار کرانا تھا اس سے پہلے ایک حساس ادارے نے اپنے جاسوسی نظام کے ذریعے اس آپریشن کی اطلاع ملتے ہی شکیل آفریدی کو پشاور جیل سے خفیہ انداز میں نکال کر کسی نامعلوم محفوظ مقام پر پہنچادیا ایک اطلاع کے مطابق شکیل آفریدی کو اڈیالہ جیل میں رکھا گیا ہے دوسری اطلاع کے مطابق اسے قومی ایجنسیوں میں سے کسی ایک کی تحویل میں دیا گیا۔ امریکی فوجی اتاشی کرنل جوزف ہال کو بعض وجوہ کی بنا پر اگلے ہی روز امریکا پاکستان سے باہر لے کر چلا گیا ہے جبکہ بعض حلقوں کے مطابق اسے امریکی C-130 طیارہ ہی اسی روز لے کر واپس گیا تھا جس روز یہ خبر چلائی گئی کہ امریکی طیارے کو نور خان ایئر بیس سے 4 گھنٹے رکنے کے بعد خالی واپس جانا پڑا جبکہ اگلے ہی روز یہ خبر جاری کی گئی کہ امریکی طیارے کے واپسی سے اگلے روز کرنل جوزف ہال کو پاکستان سے نکال دیا گیا ہے۔ اس ایشو پر بھی حساس ادارے اور سول ادارے کے درمیان متضاد دعوے سے خفیہ طور پر کرتے چلے آرہے ہیں بہرحال سپر پاور امریکا کے ملٹری اتاشی کو جینیوا کنونشن کے تحت حاصل استثنیٰ کی موجودگی میں غیر ضروری طور پر اچھالا جاتا رہا اس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

پاکستان تحریک انصاف کے مینار پاکستان لاہور کے جلسہ عام میں نہ صرف تحریک انصاف نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے عام انتخابات کی مہم کا بھرپور طریقے سے آغاز کیا ہے اور اس میں اپنے منشور کے خدوخال بیان کئے بلکہ ایک ایسی سیاسی وانتخابی مہم شروع کی ہے جو سیاسی درجہ حرارت میں اضافہ کرے گا۔ عمران خان نے اپنے جلسے میں اس تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کی کہ نواز شریف کا بیانیہ زور پکڑ رہا ہے عمران خان اور تحریک انصاف اپنی مقبولیت کھو بیٹھے ہیں۔ پنجاب کے دل شہر لاہور میں ایک بڑا اور کامیاب جلسہ کر کے عمران خان نے سیاسی تجزیہ نگاروں کو ایک دفعہ پھر یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ پی ٹی آئی ایک بہت بڑی سیاسی اور عوامی طاقت ہے اور عمران خان کو بدستور عوامی مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہے۔ لودھراں کے الیکشن میں جہانگیر ترین کی ناکامی کے بعد یہ تاثر عام ہو رہا تھا کہ عمران خان کو نواز شریف کے خلاف قانونی فتح تو حاصل ہوگئی لیکن شاید ان کو اس کی بھاری سیاسی قیمت چکانی پڑے نواز شریف نے جی ٹی روڈ میں راولپنڈی سے لاہور تک ریلی کر کے اور ملک کے طول وعرض میں مختلف جلسوں میں جس بیانیہ کا راگ الاپا تھا وہ لودھراں کے ضمنی انتخابات میں نون لیگ کی کامیابی پر منتج ہوا۔ اب یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تحریک انصاف اور مسلم لیگ نون پنجاب میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا بھی ہیں اور بعض مبصرین کے مطابق شاید ہم پلہ بھی۔

سابق وزیر اعظم نواز شریف ایک تجربہ کار اور زیرک سیاستدان ہیں اور موثر جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس سلسلے میں مسلم لیگ نون نے میاں نواز شریف کے پاکستان کے طول وعرض میں جلسوں کا اہتمام کیا ہے جس کو پارٹی کی انتخابی مہم کا آغاز سمجھا جانا چاہئے۔ یاد رہے کہ سابق وزیر اعظم اور ان کی پارٹی اس بات کا عندیہ دے چکی ہے کہ وہ مئی کے اواخر میں میاں نواز شریف کے خلاف احتسابی عدالت میں چلائے جانے والے مقدمے میں متوقع سزا سے پہلے ان کا بھرپور استعمال کرنا چاہتی ہے تاکہ رائے عامہ کو نہ صرف اس متوقع فیصلے سے پہلے تیار کیا جاسکے بلکہ ان کو عام انتخابات میں مسلم لیگ نون کی حمایت پر آمادہ بھی کیا جاسکے۔

میاں محمد نواز شریف حالیہ دنوں میں ممکنہ سزا اور پارٹی سے کچھ لوگوں کے نکل جانے کا عندیہ دے رہے ہیں تاکہ عوام کو یہ باور کرایا جاسکے کہ یہ سب کچھ ایک اسکرپٹ (سازش) کے تحت کیا جارہا ہے جس کا مقصد پاکستان مسلم لیگ نون کو عمومی طور پر اور میاں محمد نواز شریف کو

Scanned with CamScanner

خصوصی طور پر سیاسی بساط میں چت کر دیا جائے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کا خیال ہے کہ مسلم لیگ نون کو نقصان پہنچنے کی صورت میں پی پی پی کو بھرپور فائدہ پہنچے گا۔ اسی لئے آصف زرداری جو اپنے سیاسی داؤ پیچ کی مہارت کیلئے پہچانے جاتے ہیں اپنی کوششیں تیز کر دی ہیں اور اب وہ اپنے ماضی کے غلط سیاسی بیانات کو میاں نواز شریف کے کھاتے میں ڈال کر مبرا اور پوتر بننے کی کوشش کر رہے ہیں زرداری صاحب کی کوشش ہے کہ پنجاب جہاں پی ٹی آئی اور پی ایم ایل این کا مقابلہ ہونے جا رہا ہے اسے سہ فریقی بنایا جائے جس سے یقیناً پی پی کو جنوبی پنجاب میں خصوصاً اور باقیماندہ پنجاب میں عموماً کامیابی کی توقع ضرور ہے۔

ایسا نظر آ رہا ہے کہ پنجاب میں بہت گھمسان کا سیاسی رن پڑنے جا رہا ہے کیونکہ سندھ میں پی پی پی خیبر پختونخوا میں پی ٹی آئی اپنے آپ کو مستحکم تصور کر رہی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پی ایم ایل این پاکستان مسلم لیگ نون کیا جواب دیتی ہے اور کس طرح پی ٹی آئی اور پیپلز پارٹی کا مقابلہ کرتی ہے تاکہ پنجاب میں اپنی گرفت کو قائم رکھ سکے۔ مسلم لیگ نون کیلئے سب سے بڑا امتحان تب آئے گا اگر میاں محمد نواز شریف کو احتسابی عدالت سے سزا ہوئی اور وہ پابند سلاسل ہو گئے ایسی صورت میں کیا میاں شہباز شریف اور مریم نواز مسلم لیگ نون کی انتخابی مہم کو اسی زور شور سے جاری رکھ سکیں گے یا نہیں۔

اس سوال کا جواب اور بھی مشکل ہو جائے گا اگر مسلم (نون) کے چند سر کردہ ایم این اے حضرات اپنی پارٹی کو آخری وقت پر چھوڑ کر چلے گئے۔

ادھر چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر جسٹس میاں ثاقب نثار صاحب کے اس اعلان کے بعد کہ پاکستان میں مارشل لاء کی کوئی گنجائش نہیں اور سپریم کورٹ کے سترہ کے سترہ جج ایسی صورت میں اپنے گھروں کو سدھاریں گے سے ان افواہوں کا دم ٹوٹ گیا ہے جو عام انتخابات کے انعقاد کے بارے میں پھیلائی جا رہی تھیں۔

گرچہ عام انتخابات میں سیاسی ٹمپریچر عموماً تیزی سے بڑھتا ہے آنے والے انتخابات میاں محمد نواز شریف کی سیاست اور ان کے مستقبل کے متعلق ایک ریفرنڈم کی شکل اختیار کر گیا ہے سیاسی تجزیہ نگار اب یہ خیال ظاہر کرنے لگے ہیں کہ اگر نواز شریف کامیاب نہ بھی ہو سکے تو آئندہ پارلیمان میں کسی بھی سیاسی پارٹی کو واضح اکثریت حاصل کرنا اور حکومت بنانا مشکل ہوگا۔ ایسی صورت میں تمام سیاسی رہنماؤں کا امتحان ہوگا کہ وہ جمہوریت اور پارلیمانی نظام کو مستحکم کرنے کیلئے غیر جمہوری قوتوں کا کیسے مقابلہ کر پاتے ہیں۔ انتخابات زیادہ دور نہیں جو اگست 2018 کے اوائل تک متوقع ہیں پاکستان کی جمہوریت اور عوام کی سیاسی بالغ النظری و سیاسی پختگی کا بھی امتحان ہیں۔

عام انتخابات میں 2018 میں میڈیا کا رول خاص کر الیکٹرانک اور سوشل میڈیا پر یہ قومی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ جمہوریت کے تسلسل اور استحکام کیلئے عوام کی دیانتداری سے رہنمائی کریں تاکہ وہ صرف ووٹ کی طاقت سے اپنے نمائندوں کا انتخاب کر سکیں جو راست باز بھی ہوں مدبر بھی، محب وطن بھی اور جن کا آئین کی بالادستی اور جمہوریت کی سربلندی پر غیر متزلزل یقین ہو۔

2018-19 مالی سال کا وفاقی بجٹ کئی اعتبار سے ممتاز ہے کہ یہ مسلم لیگ (ن) کے پانچ سالہ آئینی میعاد کا چھٹا وفاقی بجٹ ہے اور یہ بجٹ سابق وزیر اعظم نواز شریف اور ان کے معتمد خاص سابق وزیر خزانہ سینیٹر اسحاق ڈار کی عدم موجودگی میں پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا اور زیر بحث ہے۔ ایک طرف وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی کو معیشت کو درپیش چیلنجوں کا سامنا تھا دوسری طرف متوقع عام انتخابات پر اس کے اثرات کا خیال۔

مفتاح اسماعیل جن کو وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی نے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے وفاقی وزارت خزانہ کے مکمل وزیر کا قلمدان سونپا اور اس طرح اس بجٹ کی تمام تر اونرشپ (OWNERSHIP) ان کے کھاتے میں ڈال دی۔

Scanned with CamScanner

وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی نے اپنے حلف اٹھانے کے فوراً بعد ہی معیشت پر دن رات توجہ دی اور ڈالر کی قیمت کو زمینی حقائق کے مطابق گرایا تاکہ برآمدات میں اضافہ اور درآمدات کو کم سے کم کرکے معیشت کو استحکام دیا جاسکے۔ اقتصادی تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ وفاقی بجٹ سے افراطِ زر میں اضافہ ہوسکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جی ڈی پی کی شرح نمو کو بڑھانے میں مدد فراہم کرے گا موجودہ سیاسی اور اقتصادی حالات میں نئے وفاقی بجٹ کو متوازن اور حقیقت پسندانہ قرار دینا بے جا نہ ہوگا۔

(الیکشن 2018 کے حوالے سے چند تحریریں جو اخبار جہاں کے مختلف شماروں میں شائع ہو چکی ہیں۔ اب حالات و واقعات بدل چکے ہیں ان تحریروں کو ان حالات کے تناظر میں دیکھا جائے)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(x) ایوب خان کا مارشل لاء:

انہی دنوں ایوب خان کا نیا مارشل لاء لگا تھا تو جہازوں سے پرچیاں گرائی جاتیں جن میں جرائم پیشہ افراد کو سخت انتباہ کیا جاتا، جرائم پیشہ افراد اس قدر خوفزدہ ہوگئے کہ چوری، اغوا اور ڈاکے کی وارداتوں میں بے حد کمی آگئی، ہمارے محلے کی ایک عورت کو کئی سال پہلے جرائم پیشہ افراد نے اغوا کرلیا تھا ایوب خان کے مارشل لاء کے سخت قوانین کے ڈر سے انہوں نے اسے دو بچوں کے ساتھ اس کے گھر واپس بھیج دیا انہی دنوں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے چودھری ظہور الٰہی کے گھر ظہور پیلس کے سامنے تجاوزات کو گرادیا اور اس پر انہیں ایک لاکھ روپے جرمانہ کیا گیا، جو آج کے 6 کروڑ روپے کے برابر ہے میں آج بھی یہ سمجھتا ہوں کہ ایوب خان کا دور پاکستان کے عوام کے لیے معاشی خوشحالی اور امن وامان کے لحاظ سے بہترین دور تھا، اگرچہ وہ ڈکٹیٹر تھے مگر میں انہیں پاکستان کے کئی جمہوریت پسند حکمرانوں سے بہت بہتر خیال کرتا ہوں۔ وہ انسان دوست لیڈر اور مدبّر تھے، اُن کا پاکستان کی صنعتی ترقی کے لیے وژن بے مثال تھا، وہ سنگا پور کے لی کوان اور ملائشیا کے مہاتیر محمد کے پائے کے رہنما تھے اور ان کے دورِ حکومت میں پاکستان کے دوسرے پانچ سالہ منصوبے (65-1960) کے تمام معاشی اہداف وقت پر پورے ہوئے اور جنوبی ایشیا میں معاشی ترقی کی شرح سب سے زیادہ تھی مگر اسکے بعد بدقسمتی سے ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کردیا اور مغربی ممالک نے پاکستان کو ترقیاتی پراجیکٹس کے لیے امدادی رقومات دینا بند کردیں، جس سے پاکستان معاشی ترقی کی وہ شرح برقرار نہ رکھ سکا جو دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کے دوران حاصل کی گئی تھی، کچھ عرصہ بعد پاکستان کے ایک سرکاری وفد نے جنوبی کوریا کا دورہ کیا، انہوں نے جنوبی کوریا کی شاندار معاشی ترقی سے متاثر ہوکر پوچھا کہ ان کے ملک نے کیسے یہ سب کچھ حاصل کیا ہے، انہوں نے جواب دیا ہم نے آپکے دوسرے پانچ سالہ منصوبے (1965-1960) کے بلیو پرنٹ پر مسلسل عمل کرکے معاشی ترقی کی یہ حیران کن منازل طے کی ہیں، اصل بات محنت اور عمل ہوتا ہے چاہے اسکا تعلق کسی شخص کی انفرادی زندگی کے ساتھ ہو یا ہماری اجتماعی قومی زندگی میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے ساتھ ہو۔

(xi) پنجاب یونیورسٹی میں گزرے ایام:۔

گریجویشن میں فرسٹ ڈویژن حاصل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ پھر سکالرشپ سے نوازا اور 1967 میں پنجاب یونیورسٹی (نیو کیمپس) میں ایم اے اکنامکس میں داخلہ مل گیا، ہاسٹل میں رہائش اختیار کرنا تو میرے بس میں نہیں تھا، چیمبرلین روڈ گوالمنڈی پر میرے ماموں حوالدار عبدالقیوم کا گھر تھا جہاں انکی مہربانی سے مجھے رہائش اور خوراک مفت مل گئی، میں یہاں سے پیدل اولڈ کیمپس آتا اور وہاں سے یونیورسٹی بس پر نیو کیمپس اکنامکس کے ڈیپارٹمنٹ میں چلا آتا، میرے لیے یہ ایک نئی دنیا تھی میرے کلاس فیلوز طلبہ وطالبات کی اکثریت

Scanned with CamScanner

خوشحال گھرانوں سے تعلق رکھتی تھی آہستہ آہستہ وہ تمام لڑکے لڑکیاں آپس میں دوست بن گئے اور پڑھائی کے بعد ایک دوسرے سے خوش گپیاں کرتے، نہر کنارے ہنسی مذاق کرتے اور لڑکے لڑکیاں نہر میں کشتی رانی بھی کرتے میں چپ چاپ ان کو دیکھتا رہتا، میری اپنے کلاس فیلوز سے بس دُعا سلام تھی مگر کسی کے ساتھ بھی گہرے دوستانہ تعلقات استوار نہ ہوئے یونیورسٹی میں گزارے دنوں کی یادیں کچھ خاص کشش نہیں رکھتیں، میں نے اپنے پرانے کالج کے دوست کو خط لکھا کہ مجھے نیو کیمپس میں لڑکے لڑکیوں کو موج میلہ کرتے دیکھ کر اور دل ربا چہرے دیکھ کر ایسے لگتا ہے کہ میں بہشت میں پہنچ گیا ہوں میری کلاس میں ایک نہایت خوبصورت ہندو لڑکی کانتا دیوی بھی پڑھتی تھی وہ ساڑھی کا پلو لہرا کر چلتی تو راہ چلتے لڑکوں کے دل دھک دھک کرنے لگتے اسکو دیکھ کر ایسے لگتا۔

دل سے تیری نگاہ جگر تک اتر گئی

دونوں کو اِک ادا میں رضا مند کر گئی

1969 میں ایم اے اکنامکس کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کر لیا ایم اے کرنے کے بعد میری شادی میری پھوپھو کی پوتی سے ہو گئی میرے برادر نسبتی غلام محمد جنگ لاہور کے نیوز ایجنٹ تھے شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا تک نہ تھا بس عنفوان شباب میں یہی ایک نئی تبدیلی زندگی میں آئی۔ اللہ نے ایک نیک ہمدرد اور خوش شکل جیون ساتھی دے دیا، جس نے زندگی کے ہر اچھے اور برے وقت میں میرا بلند حوصلگی سے بھرپور ساتھ دیا۔

(xii) جنگ میں آغازِ ملازمت:۔

میں نے انہی دنوں سٹیٹ بنک آف پاکستان میں آفیسرز گریڈ کی نوکری کے لیے اپلائی کیا، میں نے تحریری امتحان میں ٹاپ کیا مگر انٹرویو میں مجھے ناکام قرار دے دیا گیا، اس وقت سردار عبدالرب نشتر کے بیٹے جمیل نشتر سٹیٹ بنک کے گورنر تھے، میرے برادر نسبتی غلام محمد چاہتے تھے کہ میر خلیل الرحمن بانی ایڈیٹر انچیف جنگ میری ملازمت کے لیے جمیل نشتر سے کہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میری سٹیٹ بنک میں ملازمت کے لیے مددگار ثابت ہوتے مگر ان دنوں وہ بیجنگ گئے ہوئے تھے، چند دنوں بعد وہ واپس آئے تو میں عبدالرب ساجد جو جنگ لاہور آفس واقع نسبت روڈ دفتر کے انچارج تھے کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو میر خلیل الرحمن صاحب اچانک وہاں آ گئے اور عبدالرب ساجد سے پوچھنے لگے کہ خالد کیوں پریشان ہے، عبدالرب ساجد صاحب نے جواب دیا کہ تحریری امتحان میں اول آنے کے باوجود اسے سٹیٹ بنک میں نوکری کے لیے منتخب نہیں کیا گیا ہے، میر صاحب نے کچھ لمحوں کے لیے توقف کیا بولے جنگ راولپنڈی میں ایڈورٹائزنگ منیجر کی آسامی خالی ہے اس وقت جنگ راولپنڈی آفس کے چیف ایگزیکٹو میر جاوید رحمن صاحب تھے جو میر خلیل الرحمن کے بڑے صاحبزادے ہیں، میں پبلسٹی منیجر کے طور پر جنگ آفس راولپنڈی کی نوکری پر رضا مند ہو گیا انہی دنوں مشہور کالم نگار "م ش" صاحب میرے ماموں کے گھر تشریف لائے تو جب انہیں پتہ چلا کہ خالد جنگ راولپنڈی میں ایڈورٹائزنگ کے شعبہ میں نوکری کرنے لگا ہے تو انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ میر صاحب سے کہیں کہ میں نیوز روم میں نوکری کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ میں نے میر جاوید رحمن سے کہا کہ مجھے نیوز روم میں نوکری دے دیں فروری 1969 میں 393 روپے ماہوار پر جنگ راولپنڈی میں سب ایڈیٹر بن گیا، 50 روپے مہینہ کرائے پر محلہ سید پوری گیٹ کے ایک گھر کی بالائی منزل پر برساتی لے لی جس کے بارہ کھڑکیاں دروازے تھے۔ ماں باپ اور بیوی بھی میرے ساتھ راولپنڈی شفٹ ہو گئے، آمدنی بڑھانے کے لیے اکثر اوقات سائیکل پر بنی چوک سے ریڈیو پاکستان پشاور روڈ جاتا 40 روپے فی پروگرام معاوضے پر ریڈیو پاکستان پر کرنٹ افیئرز کے متعلق پروگرام کرتا اور راستے میں اکثر پیاس لگ جاتی تو ریتا مرال کے پاس ایک سرکاری نلکے پر جھک کر پانی پیتا اور پیاس بجھا لیتا تھا۔

Scanned with CamScanner

میری ماں ہمیشہ یہ وصیت کرتی تھی کہ زندگی میں کسی کے خود بن جانا یا کسی کو اپنا بنالینا۔ میری تو اتنی حیثیت اور بساط نہیں تھی کہ میں کسی کو اپنا بنالیتا مگر میں نے زندگی بھر اپنی ماں کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے جس ادارے سے رزق حاصل کیا اسکے ساتھ وفاداری اور وفا کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا، ادارہ جنگ سے وابستہ ہوئے 48 سال گزر گئے ہیں مگر اس کے ساتھ وفا کی ڈوری سے بندھا ہوا ہوں اور ماں کی نصیحت پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہوں ایک کہاوت ہے کہ ایک شخص نے دیکھا کہ ایک بزرگ کہیں سے گزر رہے ہیں ان کے پیچھے ایک بکری چلی آ رہی ہے اور اس کے گلے میں کوئی رسی بھی نہیں ہے وہ شخص بڑا متعجب ہوا اور بزرگ سے پوچھا کہ اس بکری کے گلے میں کوئی رسی بھی نہیں ہے مگر پھر بھی یہ آپ کے پیچھے چلی آ رہی ہے، ایسا کیوں ہے بزرگ نے جواب دیا یہ وفا کی رسی سے بندھی ہوئی ہے بس کسی کا ہو جانا میری ماں کا قول اور نصیحت تھی تو میں تمام عمر بانی جنگ میر خلیل الرحمن ایڈیٹر انچیف جنگ جو میرے محسن اور زندگی کے آئیڈیل ہیں کے ساتھ وفا کی ڈوری سے بندھ گیا۔ آج تک اس وفا کی ڈوری سے بندھا انکی اولاد میر جاوید رحمن، میر شکیل الرحمن، میر ابراہیم الرحمن کے ساتھ وفاداری کے تقاضوں کو نبھانے کی کوشش کر رہا ہوں وہ بھی مجھے ہمیشہ عزت اور احترام سے نوازتے ہیں، وفاداری بشرطِ استواری پر میرے محسنین ہر حال میں پورا اترتے ہیں، اسی لیے آج ایک رپورٹر ریذیڈنٹ ایڈیٹر کی مسند پر بیٹھا ہوا ہے۔

اللہ کا فضل و کرم اور ادارے کے مالکان کی مہربانی سے 1975ء میں مجھے جنگ لندن کا ایڈیٹر مقرر کر دیا گیا، میں وہاں تقریباً تین سال تک اپنے خاندان کے بغیر رہا، مگر 1977ء میں میں نے اپنے ادارے کے مالکان سے کہا کہ میں واپس آنا چاہتا ہوں، ہوا یوں کہ میر پور خاص کی ایک فیملی کے سربراہ نے خودکشی کر لی اس واقعہ کا پس منظر یہ تھا کہ اس کی نوجوان بیٹی مغربی تہذیب میں رنگ چکی تھی، باپ نے اسے اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا اور اسے سخت ڈانٹ ڈپٹ کی اور ایک تھپڑ جڑ دیا لڑکی نے پولیس کو شکایت کر دی، پولیس اس شخص کو گرفتار کر کے لے گئی اس نے گھر واپس آ کر خودکشی کر لی۔ میرے ذہن میں یہ خیال کوندا کہ میں کیسے اس مغربی تہذیب میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہ سکتا ہوں، میں قرآن پاک پر حلف اٹھا سکتا ہوں کہ میں نے پوری زندگی میں کبھی شراب کو نہیں چکھا اور اللہ نے مجھے اس برائی سے بچائے رکھا، میں کوئی بہت نیک اور پرہیزگار انسان نہیں ہوں بس یہ اللہ کی توفیق اور ماں باپ کی دعائیں ہیں کہ مجھے اللہ نے زندگی میں گناہ کبیرہ سے ہمیشہ بچائے رکھا، لغزشیں تو زندگی میں ہزاروں ہوئی ہونگی مگر اللہ مجھے معاف کرے، میں نے زندگی بھر کبھی کسی کی ترقی پر حسد نہیں کیا اور نہ ہی منافقت اور ریاکاری کی بیماری پالی، مجھے اللہ کی ذات پر مکمل یقین ہے کہ اگر کوئی شے میرے نصیب میں نہیں ہے تو مجھے نہیں ملتی ہے اور اگر اسکا حق دار ہونے کے باوجود مجھے کسی وجہ سے محروم رکھا گیا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہوگی، کئی بار میرٹ پر ہونے کے باوجود صاحبانِ اقتدار کے ساتھ دورے پر جانے کے لیے عین وقت پر میرا نام نکال دیا جاتا، دوست احباب مجھ سے اظہار افسوس کرتے تو میں انہیں جواب دیتا خدا کی مصلحت ہوگی، ہوسکتا ہے میں صدر یا وزیر اعظم کے ساتھ کسی دوسرے ملک کے دورے پر جاؤں اور وہاں کسی حادثے کا شکار ہو جاؤں تو تب ایسی قسمت سے بہتر نہیں ہے کہ نہ جاؤں مگر غیب کا علم تو میرے رب کو ہے کہ کیا میرے حق میں بہتر ہے کیا بہتر نہیں ہے۔ مگر پھر اللہ وہ وقت بھی لے آیا کہ مجھے تقریباً ہر حکمران کے ساتھ غیر ممالک اعلیٰ درجے کے دوروں پر جانے کا موقع بار بار ملا، لندن سے واپسی پر میں ایک دفعہ پھر جنگ راولپنڈی کا چیف رپورٹر بن گیا حالانکہ 1981 میں جنگ لاہور کا آغاز ہوا تو جنگ راولپنڈی کے ایڈیٹر شورش ملک نے میر خلیل الرحمن صاحب سے کہا کہ خالد کو جنگ لاہور کا ایڈیٹر بنا دیں مگر میں راولپنڈی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا چنانچہ شورش ملک صاحب کو لاہور جانا پڑ گیا۔

(xiii) گھر کی تعمیر:۔

جنگ راولپنڈی کے چیف ایگزیکٹو میر جاوید رحمن ہمیشہ مجھ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے انہوں نے ڈیڑھ سو روپے ماہوار پر مجھے

Scanned with CamScanner

جنگ کے ایجنٹ چودھری رشید سے مکان کرائے پر دلوا دیا مگر بعد میں مجھے وہ تنگ کرتا اور کرایہ بڑھانے کی بات کرتا، میں نے میر جاوید رحمن سے بات کی اس پر جب انہوں نے اسے یہ دھمکی دی کہ جنگ اسلام آباد کی ایجنسی راولپنڈی سے الگ کر کے کسی دوسرے کو الاٹ کر دی جائے گی تو وہ ان کے پاؤں پڑ گیا اور کہنے لگا کہ خالد میرا چھوٹا بھائی ہے وہ بے شک مفت مکان میں رہے مگر لندن جانے سے پہلے میں نے وہ مکان چھوڑ دیا اور 100 روپے ماہوار پر جامع مسجد روڈ پر محکمہ اوقاف کا ایک فلیٹ کرائے پر حاصل کر لیا اور اپنی فیملی کو وہاں شفٹ کر دیا، لندن میں دوران ملازمت مجھے 35 پاؤنڈ ماہوار معاوضہ ملتا تھا لندن سے واپسی پر میرے پاس چار لاکھ کی بچت تھی اور ساتھ میں ایک ٹیوٹا کرولا گاڑی وہاں سے لایا اور پاکستان واپسی پر اس کو ایک لاکھ روپے میں بیچ دیا۔ 1979 میں علی نواز گردیزی سی ڈی اے اسلام آباد کے چیئرمین تھے انہوں نے تمام صحافیوں کو اسلام آباد میں پلاٹ الاٹ کیے 2700 روپے کے عوض مجھے بھی G-9/3 میں 40x80 کا پلاٹ الاٹ ہوا، میرے والد صاحب کی نگرانی میں 1981 میں یہ گھر تعمیر ہوا، چار لاکھ میرے پاس موجود تھے مزید ڈیڑھ لاکھ کا قرضہ ہاؤس بلڈنگ فنانس سے لیا اور بیسمنٹ کے ساتھ ڈبل سٹوری (دو منزلہ) مکان تعمیر ہو گیا، اللہ کی مہربانی اور کرم اور ماں باپ کی دعاؤں سے اپنی چھت کا مالک بن گیا، آج بھی اس گھر کے فرسٹ فلور پر میں اپنے دو شادی شدہ بیٹوں اور پوتے پوتیوں کے ہمراہ رہتا ہوں جبکہ اس کا گراؤنڈ فلور اور بیسمنٹ کرائے پر دینے سے مجھے کچھ فالتو آمدنی مل جاتی ہے، جس کی وجہ سے میں نے بحسن وخوبی اپنے بچوں کو رزق حلال سے پڑھایا اور ان کے گھر آباد کیے، میرا بڑا بیٹا سہیل خالد ٹیکسٹائل انجینئر ہے جبکہ دوسرے بیٹے ڈاکٹر شہزاد خالد نے یونیورسٹی آف مانچسٹر سے کمپیوٹر انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور میری طرح دیار غیر میں پرکشش ملازمتوں کو چھوڑ کر پاکستان واپس آ گیا اور آج کل بحریہ یونیورسٹی اسلام آباد کے کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ میں ڈائریکٹر ہے او رنوجوان طلباء وطالبات کو کمپیوٹر انجینئرنگ میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لیے ریسرچ میں سپروائزر کے بھی فرائض سرانجام دیتے ہیں، اللہ نے دو بیٹیوں سے نوازا، خدا کا شکر ہے کہ دونوں ماسٹر ڈگریز حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے گھروں میں ہنسی خوشی شادی شدہ زندگی بسر کر رہی ہیں میں نے تو زندگی میں کبھی منصوبہ بندی نہیں کی تھی ایسے لگتا ہے کہ کل کی بات ہے وقت تیزی سے گزر جاتا ہے، کل کے بچے آج اپنے بچوں کے ماں باپ بن کر ان کی پرورش کر رہے ہیں، یہ سب کچھ کیسے ہوا میری صحافتی زندگی کی بے تحاشا مصروفیت کی وجہ سے میں نے ان کی تعلیم وتربیت میں کوئی خاص کردار ادا نہیں کیا، یہ سب کچھ میری ماں اور باپ کی دعاؤں کے ثمرات ہیں اس کے ساتھ ساتھ بچوں کی شخصیت سازی اور تعلیم وتربیت میں میری شریک حیات نے بھی رات دن ایک کر دیا، گھر کے محاذ پر میری شریک حیات نے جس پامردی اور سمجھداری کے ساتھ گھریلو معاملات او ربچوں کی نشوونما کی وہ بے حد قابل تحسین ہے، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے جس طرح میرے ماں باپ کی بڑھاپے میں خدمت کی اور ان کے آرام وسکون کا خیال رکھا وہ میرے لیے حد درجہ باعث اطمینان رہا، اور آج بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ میری والدہ اور میری بیوی کے درمیان روایتی ساس بہو والی چپقلش کبھی بھی نہیں رہی اور آج میری دونوں بہوئیں جائنٹ فیملی سسٹم میں ہمارے ساتھ خوش وخرم زندگی بسر کر رہی ہیں واقعی کنبہ کا اصلی تصور یہ ہے کہ جہاں دادا، دادی، میاں، بیوی اور پوتے پوتیوں سب کا مشترکہ رہن سہن ہو اور وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں بچوں کی شخصیت میں دادا، دادی کے شخصی اوصاف بھی آ جاتے ہیں اور انکی کردار سازی میں کوئی جھول نہیں رہتا ہے بزرگوں کی موجودگی اور انکی عبادات اور دعاؤں کی برکتوں سے ایسے گھرانوں سے ناگہانی بلائیں اور مصیبتیں ٹلی رہتی ہیں۔

(xiv) تیری لحد پر کھلیں جاوداں گلاب کے پھول:۔

انسانی زندگی میں غم اور خوشی ساتھ ساتھ چلتے ہیں کبھی دھوپ کبھی چھاؤں کی طرح انسانی زندگی میں کبھی ثبات نہیں رہتا ہے، اس میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں، کہاں میری خوشیوں کی انتہا نہیں تھی جب اس وقت کی وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو میری بیٹی کی شادی کی تقریب میں

Scanned with CamScanner

4 گھنٹے سے زائد وقت تک موجود رہیں اور دوسرے مہمانوں کے ہمراہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے میری بیٹی کو ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا مگر پھر میری زندگی میں وہ بدنصیب لمحات آ گئے جن کا تصور بھی سوہان روح ہے۔ شکستہ دلی اور غموں کے بوجھ سے چور انسان یہ تک سوچتا ہے کہ وہ بھی اپنے پیاروں کے مرنے کے ساتھ ہی اپنی زندگی کو ختم کر دے مگر رضائے الٰہی پر رغبت اور اثبات بھی قدرت ہی اس کو ودیعت کرتی ہے، نومبر 1991 میں میرے والد محترم نے دل کی بے وفائی کے ہاتھوں اپنی جان خالق حقیقی کے سپرد کر دی، وہ انسان جس کا سایہ میرے لیے ابر بہار کی طرح تھا، وہ سائبان جس کے سایے تلے مجھے ہمیشہ شفقت، رہنمائی اور محبتوں کے بہتے آبشار ملے وہ میرے لیے اور میرے بچوں کے لیے عقیدت اور رحمت و برکت کا مینارہ نور تھے، آج ایسے لگا کہ میری زندگانی کا آفتاب چھپ گیا ہے اور ایک ایسے مسافر کی راہ تمام ہوئی ہے جس کی بدولت مجھے اس کائنات کے اسرار و رموز سے آگاہی کے لیے خدا نے تخلیق کیا۔

دیکھتا ہوں تو سبھی کچھ ہے سلامت گھر میں
سوچتا ہوں تو ترے بعد رہا کچھ بھی نہیں

مگر کیسے یہ ممکن ہے کہ ایک مسافر اس دنیا سے رخصت ہوا اور اس کے ساتھی مسافر کا دل اس جہاں سے اچاٹ نہ ہو جائے، اماں جی اپنے شریک سفر کی اچانک موت سے گہرے صدمے کا شکار ہو گئیں اور ہر وقت اس کوشش میں رہتیں کہ اپنے دکھ اور اکلاپے کے زہر کو اندر ہی اندر مسکرا کر پی لیں مگر وہ اپنے محبوب شوہر کی جدائی میں محض 20 دن زندہ رہیں اور وہ بھی ہارٹ اٹیک سے اچانک اللہ کو پیاری ہو گئیں، میرے اوپر ایک اور قیامت نازل ہو گئی مجھے یاد ہے کہ ان کی وفات پر اسلام آباد میں مسلسل تین دنوں سے بارشیں ہو رہی تھیں، محترمہ بے نظیر بھٹو نواز شریف حکومت کے خلاف لانگ مارچ شروع کر رہی تھیں جس کی وجہ سے اسلام آباد اور راولپنڈی میں کرفیو لگا ہوا تھا، ان حالات میں نماز جنازہ میں ایک دن کی تاخیر ہو گئی شدید بارشوں کی وجہ سے اسلام آباد H/8 قبرستان میں نماز جنازہ ممکن نہ تھا، اس لیے اسلام آباد خیابان سرسید فائر بریگیڈ کے وسیع و عریض ہال میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔

یوں تو وہ شکل کھو گئی گردش ماہ و سال میں
پھول ہے اک کھلا ہوا حاشیہ خیال میں

ماں باپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد مجھے ہر وقت بے قراری اور بے چینی رہتی میں نے اپنے آپ کو اپنے پروفیشن میں اور زیادہ مصروف کر لیا تاکہ میری توجہ بٹی رہے اور مجھے ان کی یادیں نہ ستائیں آج بھی میں منیر نیازی کی لکھی ہوئی یہ غزل ناہید اختر کی آواز میں سنتا ہوں تو اپنے ماں باپ کے اس جہان سے چلے جانے کے بعد اپنے لیے جواز حیات کی وجہ تلاش کرنے میں سرگرداں رہتا ہوں۔

زندہ رہیں تو کیا ہے جو مر جائیں ہم تو کیا
دنیا سے خامشی سے گزر جائیں ہم تو کیا
ہستی ہی اپنی کیا ہے زمانے کے سامنے
اک خواب ہیں جہاں میں بکھر جائیں ہم تو کیا
اب کون منتظر ہے ہمارے لیے وہاں
شام آ گئی ہے لوٹ کے گھر جائیں ہم تو کیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

حصہ دوم

صحافتی زندگی کے مختلف ادوار

Scanned with CamScanner

پہلا دورِ صحافت (1969-1980ء)

1969ء کے عشرے کے ابتدائی سالوں میں مجھے جنگ راولپنڈی آفس میں سب ایڈیٹر کی پوسٹ پر تعینات کیا گیا، شورش ملک مرحوم جنگ راولپنڈی کے ایڈیٹر تھے، اُس وقت کے میرے قابل ذکر ساتھیوں میں شفٹ انچارج ایس ایم رضوی مرحوم، سٹاف رپورٹرز زیڈ یو خان، قاضی خلیل الرحمن اور اظہار بھٹی کے نام نمایاں ہیں، قاضی خلیل الرحمن اور اظہار بھٹی بھی سب ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرتے تھے، ہم سب ایس ایم رضوی کے زیرِ نگرانی کام کرتے تھے، ہمارا آفس ان دنوں جنگ بلڈنگ گوالمنڈی میں سب سے اوپر والی منزل پر تھا، ایک دن میں اپنی نشست پر بیٹھا مردان شوگر مل کی یونین کے الیکشن میں جیتنے والے اراکین کے متعلق خبر تیار کر رہا تھا، میں نے خبر میں یونین کے نومنتخب صدر، نائب صدر، سیکرٹری، جائنٹ سیکرٹری اور سیکرٹری اطلاعات کے نام تو لکھ دیے مگر جب میں نے دیکھا کہ مجلس عاملہ کے اراکین کی تعداد تیس ہے تو میں نے ان کے نام خبر میں حذف کر دیے، اچانک مجھے اپنی پشت سے جنگ گروپ کے ایڈیٹر انچیف میر خلیل الرحمن کی نرم و ملائم آواز سنائی دی بولے بیٹا خالد تم نے اپنی خبر میں مجلس عاملہ کے اراکین کے نام کیوں حذف کر دیے ہیں میں حیران اور پریشان ہو گیا مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے عقب میں کچھ دیر سے ایڈیٹر انچیف کھڑے ہیں اور مجھے خبر تیار کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، میں نے بڑی مشکل سے ہمت کر کے جواب دیا سر اخبار میں جگہ کی قلت کی وجہ سے نام ایڈٹ کیے ہیں، انہوں نے نہایت نرمی اور ملائمت سے مجھے سمجھایا کہ آپ ان 30 مجلس عاملہ کے اراکین کے ممبران کے نام بھی ضرور خبر میں شامل کریں، یاد رکھیں جس جس شخص کا نام اخبار میں چھپے گا وہ نہ صرف خود اخبار خریدے گا بلکہ خوش ہو کر اپنے عزیز واقارب کو بھی خبر کے متعلق بتائے گا اور ان کا بھی تجسس ابھرے گا کہ چلو اخبار خرید کر متعلقہ خبر کا مطالعہ کرتے ہیں۔

میر صاحب نے عملی صحافت کی جو ٹپ مجھے اس وقت دی، آج بھی میں اس زریں اصول پر سختی سے کاربند ہوں کہ اگر کسی شخص کا اخبار میں نام چھپنے سے اُسے خوشی اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو یہ بھی ایک نیکی کا عمل ہے، اور دوسرا اس سے اخبار کی سرکولیشن بھی بڑھتی ہے یہ اہم نکتہ بحیثیت ایڈیٹر میں آج بھی اپنے ساتھیوں کو بتاتا رہتا ہوں کہ مختلف لیڈروں کی بیان بازی کو نمایاں حیثیت دینے کی بجائے متعلقہ تقریب میں شامل شخصیات اور تقریب منعقد کرنے والے عہدیداروں کے نام ضرور اخبار میں چھپنے دیا کریں تا کہ بانی ایڈیٹر انچیف میر خلیل الرحمن کے بتائے ہوئے رہنما اصولوں پر عملداری سے صحافت کی اعلیٰ اقدار کی پاسداری ہوتی رہے۔

ان دنوں میر خلیل الرحمن صاحب اور راولپنڈی جنگ آفس کے ایگزیکٹو ایڈیٹر میر جاوید رحمن کثرت سے نیوز روم آیا جایا کرتے تھے، مجھے دونوں باپ بیٹوں کی جو عادت بے حد متاثر کرتی تھی وہ یہ کہ جب بھی وہ ایڈیٹوریل سیکشن میں آتے تو وہاں پر موجود تمام افراد کے ساتھ ان کی نشستوں پر جا کر فرداً فرداً مصافحہ ضرور کرتے اور ان کا حال واحوال دریافت کرتے، یہ ان کے اعلیٰ تہذیب یافتہ ہونے اور احترام انسانیت کا اظہار تھا، مجھے یاد ہے کہ ان دنوں میں جنگ اخبار کے موجودہ ایڈیٹر انچیف میر شکیل الرحمن کراچی یونیورسٹی میں اپنا دورِ طالب علمی گزار رہے تھے۔

جنگ کے بانی ایڈیٹر انچیف میر خلیل الرحمن سے ایک اور اہم بات جو میں نے سیکھی اور ہمیشہ اپنی گرہ سے باندھی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ صحافت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی بھی صورت میں قارئین کو خبر سے محروم نہیں کرنا ہے، ذوالفقار علی بھٹو صاحب کا دورِ اقتدار تھا، فیلڈ مارشل ایوب خان انتقال کر گئے چونکہ ذوالفقار علی بھٹو نے 1967ء میں ایوب خان کے خلاف عوامی تحریک برپا کی تھی اور اس کے نتیجے میں صدر ایوب اقتدار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، بھٹو صاحب ایوب خان کے مرنے کے بعد بھی اُن سے اپنی رنجش کو دل سے فراموش نہ کر سکے ان کی وزارت اطلاعات کی طرف سے اخبارات کو ایڈوائس جاری ہوئی کہ ایوب خان کے انتقال کی خبر تو چھاپ لیں مگر اس کے اردگرد غم کے اظہار کے لیے سیاہ حاشیہ آرائی نہ کی جائے جو ان دنوں اہم شخصیات کے انتقال پر سوگواریت کے اظہار کے لیے لگایا جاتا تھا، میر خلیل الرحمن نے دشت صحافت کی سیاحت

میں اک عمر گزاری تھی، فن صحافت کے اس عظیم پیشوا کا اصول اور مزاج یہ تھا کہ وہ نہ کسی کی غلط بات کو سنتے تھے اور نہ ہی اس پر عمل درآمد کرتے تھے وہ ہمیشہ بڑی حکمت اور تدبر سے معاملہ اس طرح سلجھا لیتے تھے کہ سانپ بھی مر جاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی، میر صاحب بھٹو کے منتقم مزاج رویے سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے حکومت کے اس حکم پر بڑے قرینے سے کسی حد تک عمل بھی کیا اور نہیں بھی کیا، میر صاحب نے مجھے ہدایت کی کہ ایوب خان کے انتقال کی خبر کے ساتھ سیاہ حاشیہ آرائی نہ کی جائے جیسا کہ وزارت اطلاعات کا حکم ہے، مگر پورے صفحہ اول پر ایوب خان کے انتقال کی خبر نمایاں طور پر شائع کرنے کے بعد اسی صفحے پر ان کے انتقال کے متعلق تعزیتی خبریں اور ان کے دور حکومت کی کارکردگی کے بارے میں خبریں بڑے اہتمام سے چھاپی جائیں، سیاہ حاشیہ آرائی کی بجائے چوتھائی انچ کی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون کی پٹیاں خوش نویسوں سے تیار کروائیں اور ان پٹیوں کو صفحہ اوّل کے چاروں طرف بطور حاشیے مسلسل ترتیب سے لگا دیں، ان کا کہنا تھا کہ بھٹو حکومت ہمیں کسی مسلمان کی موت پر اناللہ وانا الیہ راجعون لکھنے سے کیسے منع کر سکتے ہے اور نہ وہ جنگ قارئین پر قدغن لگا سکتے ہے کہ ایوب خان کی موت پر ہر کوئی مسلمان انا للہ وانا الیہ راجعون نہ پڑھے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اناللہ وانا الیہ راجعون کی پٹیاں لاکھوں لوگوں نے خبر پڑھنے کے ساتھ مذہبی فریضہ کے طور پر بھی پڑھیں اور ایوب خان کی مغفرت کے لیے دعا گو ہوئے۔ "بے شک ہر ذی روح کو اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے"۔ میں ایوب خان کو اس کی شخصی خوبیوں اور پاکستان میں معاشی ترقی کو مہمیز دینے پر ہمیشہ سے اس کا مداح رہا ہوں اور آج بھی سمجھتا ہوں کہ سیاسی استحکام، انتظامی مہارت، معاشی خوشحالی، امن وامان اور گورننس کے لحاظ سے ایوب خان کا دور پاکستان کی تاریخ کا سنہری دور تھا، ایوب خان کو جہاں فوجی ڈکٹیٹر ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس کے ناقدین ناپسند کرتے ہیں مگر اس کے دس سالہ دور حکومت میں پاکستان نے جس قدر برق رفتاری سے معاشی ترقی کی اس کا کوئی ثانی نہیں ہے، ان پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب انہوں نے اقتدار سے دستبرداری کا فیصلہ کیا تو وہ عنانِ اقتدار سپیکر قومی اسمبلی کے سپرد کر دیتے تاکہ ملک میں جمہوری عمل کی دوبارہ بحالی میں مدد ملتی مگر بہت تھوڑے لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہوں گے کہ ایوب خان ایسا ہی چاہتے تھے مگر ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی حمایت کی وجہ سے یحییٰ خان نے زبردستی ایوب خان سے بندوق کی نوک پر اقتدار چھینا، چونکہ ایوب خان ہر طرح سے مجبور اور بے دست و پا ہو چکے تھے، سیاسی جماعتیں ان کے خلاف کامیاب تحریک برپا کئے ہوئے تھیں اور اوپر سے فوج کا کمانڈر انچیف یحییٰ خان بھی فیلڈ مارشل کو اس کے عہدے سے معزول کر کے خود پاکستان کا صدر بننے کا خواہش مند تھا تو ایسے میں کیسے ممکن تھا کہ ایوب خان اقتدار اُس وقت کے قومی اسمبلی کے سپیکر کے سپرد کر دیتے، کیا یحییٰ خان ایسے کرنے دیتا؟ کچھ لوگ گمان رکھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو جاتا تو شاید پاکستان میں اس کے بعد ملٹری ٹیک اوور نہ کرتی اور مشرقی پاکستان ہم سے الگ نہ ہوتا مگر تاریخ میں واقعات رونما ہونے کے بعد اس کا تجزیہ کرنا آسان ہوتا ہے مگر ان واقعات کے برپا ہونے سے پہلے حالات کے متعلق درست پیش بینی کرنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہوتا ہے بعض اوقات حالات و واقعات میں تبدیلیاں اس قدر تیزی سے رونما ہوتی ہیں کہ انسانی سوچ وفکر اس میں گہنا جاتی ہے، بے یقینی اور تذبذب میں انسان اپنی زندگی کے متعلق غلط فیصلے کر جاتا ہے تو کیسے قوموں کی تقدیر کے متعلق فیصلے کوئی ایک شخص درست انداز میں کر سکتا ہے، پاکستان کی بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں اداروں کو مستحکم نہیں ہونے دیا گیا، آج بھی اقتدار اور طاقت کے سرچشموں پر بیٹھا حاکم وقت اپنے وژن، سوچ اور فکر کے مطابق جو بھی فیصلہ کر دے اس کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم 65 سال گزرنے کے بعد یہ نہیں جان سکے کہ پاکستان کو ایک فلاحی ریاست بننا تھا یا سکیورٹی سٹیٹ، مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب کیا ہیں؟ سول اور ملٹری کے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ پاکستان کے لیے کون سا نظام حکومت بہتر ہوگا؟ صدارتی یا پارلیمانی؟ مذہب اور سیاست کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ پاکستان کی ریاست مسلم نیشن سٹیٹ ہوگی یا اسلامی تھیوکریٹک سٹیٹ؟ بہرحال جب بھی پاکستان کی تاریخ پر غور وخوض کرتا ہوں تو مجھے صدر ایوب اکثر یاد آتے ہیں، ان کی حکومت کے

Scanned with CamScanner

رخصت ہونے کے کئی سالوں بعد خیبر پختونخوا سے کراچی کی طرف جانے والے ٹرکوں کی پشت پر درج شدہ یہ جملہ میری نظروں سے اکثر گزرتا'' تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد' ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جب کوئی اہم شخصیت ہم سے جدا ہو جاتی ہے تو اس کے مرنے کے بعد ہم اس کا تاریخ میں کوئی مقام تلاش کرتے ہیں حالانکہ اُس کی زندگی ہی میں اس کی ملک وقوم کے لیے خدمات کا اعتراف کرنا چاہیے اور اس کی غلطیوں اور خامیوں کو کھلے دل سے معاف کر دینا چاہیے، حاکم وقت محب وطن تھا اور ملک وقوم کے لیے کچھ کر گزرنے کا اس کو جنون تھا اور اپنے اس جنون میں اس سے کچھ کوتاہیاں بھی سرزد ہوئیں مگر ہمارا مزاج یہ ہے کہ جب کسی ہیرو کو چاہتے ہیں تو اس سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں اور جب چاہے ایک لمحے میں ہیرو کو زیرو کر دیتے ہیں اور پھر اس سے ٹوٹ کر نفرت کرتے ہیں جب میں اپنی قوم کی اس نفسیات پر غور کرتا ہوں تو منیر نیازی یاد آتے ہیں،

شہر کو تو دیکھنے کو ایک تماشا چاہیے
ہے یہ ان کی زندگی کے روگ کا کوئی علاج
ابتدا ہی سے ہے شاید شہر والوں کا مزاج
اپنے اعلیٰ آدمی کو قتل کرنے کا رواج
مارنے کے بعد اسکو دیر تک روتے ہیں وہ
اپنے کردہ جرم سے ایسے رہا ہوتے ہیں وہ

ایوب خان پاکستان سے محبت کرتے تھے اور عزت نفس رکھنے والی شخصیت تھے، ان کے خلاف برپا کی گئی تحریک میں جب ان کے متعلق نازیبا نعرہ بازی (ایوب۔۔۔۔ہائے ہائے) کی گئی تو انہوں نے 25 مارچ 1969 کو یہ کہہ کر اقتدار چھوڑ دیا I can not rule over the destruction of country، میر کاروان صحافت نے جہاں بھٹو دور میں مرحوم ایوب خان کے انتقال پر جنگ اخبار کی طرف سے اناللہ وانا الیہ راجعون کے چھوٹے چھوٹے کتبوں سے خبر کی حاشیہ آرائی کر کے افسوس اور دکھ کا اظہار کیا تھا اسی طرح جب ضیاء الحق کے دور میں ذوالفقار علی بھٹو پس زندان تھے تو مارشل لاء کے ضابطہ کے تحت ان کی سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی بیانات کی اشاعت ممنوع تھی اور ملک بھر کے میڈیا ہاؤسز کے مالکان میں یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ ضیاء الحق کے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت کریں، انہی دنوں ذوالفقار علی بھٹو سہالہ ریسٹ ہاؤس میں نظر بند تھے تو ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے پارٹی کے ترجمان کے ذریعے اخبارات کے لیے ایک تحریری بیان جاری کیا، جنرل ضیاء الحق کے خوف اور دبدبے کی وجہ سے کسی بھی دوسرے اخبار نے بھٹو صاحب کا بیان شائع نہیں کیا، مگر میر خلیل الرحمن ایک جرأت مند، نڈر، بے باک اور بااصول انسان تھے، انہوں نے آزاد صحافت کا پرچم بلند کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو کا بیان جنگ کے صفحہ آخر پر سنگل کالم سرخی کے ساتھ شائع کرنے کا حکم صادر کیا اور اندر کے صفحے پر بھٹو صاحب کے مکمل بیان کا متن ایک کالم میں بغیر کسی رد و بدل کے شائع کر دیا، میر صاحب نے کبھی بھی اپنی اصول پسندی اور بہادری کے قصوں کا مبالغہ آرائی سے ڈھنڈورا نہیں پیٹا جس طرح خبط عظمت کا شکار اکثر اخباری مالکان اپنی ذات کے متعلق شیخیاں بگھارتے رہتے ہیں اور ہر وقت یہ تکرار جاری رکھتے ہیں کہ انہوں نے حکمرانوں کے سامنے دوٹوک لہجے میں بات کی، وہ دھیمے مزاج، عجز و انکساری کے حامل شخصیت کے مالک تھے وہ اپنے ضمیر اور سوچ کے سامنے کسی بھی جاگیردار اور آمر حکمران کے غلط حکم کو اہمیت نہیں دیتے تھے، آج بھی ان کے جانشین میر شکیل الرحمن ایڈیٹر انچیف و چیف ایگزیکٹو جنگ گروپ آف نیوز پیپرز میر جاوید رحمن، ایگزیکٹو ایڈیٹر جنگ گروپ آف نیوز پیپرز بانی ایڈیٹر انچیف میر خلیل الرحمن مرحوم کے نظریات اور فلسفے پر سختی سے کاربند ہیں وہ حکمرانوں کے دباؤ، خوف، اشتہارات کی بندش اور ناجائز مقدمات سے کبھی نہیں گھبراتے اور ہمیشہ آزادانہ اعلیٰ صحافتی اصولوں کی آبیاری کرنے میں کوئی کسر

Scanned with CamScanner

نہیں چھوڑتے ہیں، جنگ اور جیو پاکستان کا سب سے بڑا میڈیا گروپ ہے مگر اس کے ایڈیٹر انچیف میر شکیل الرحمن ہمیشہ خودنمائی سے کوسوں دور رہتے ہیں جبکہ موجودہ اکثر دولت مند افراد نے اخبارات اور ٹی وی چینلز اسی لیے شروع کیے ہیں کہ بحیثیت چیف ایڈیٹر ان کی شخصیت کو نمایاں کیا جائے، بہر حال میر خلیل الرحمن سے لے کر آج بھی میر شکیل الرحمن کی قیادت میں ادارہ جنگ صحافت کے اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی پاسداری میں ہمیشہ اپنا کردار ادا کر رہا ہے، کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

مجھے آج بھی وہ وقت یاد ہے جب یحییٰ خان کی حکومت میں منعقد کردہ 1970 کے الیکشن میں مسلسل تین دن اور تین راتیں ریڈیو پاکستان الیکشن نتائج نشر کرتا رہا اور میں تین دن مسلسل دن رات جاگ کر سخت حبس اور گرمی میں ریڈیو سے اناؤنس کردہ نتائج کی مانیٹرنگ کرتا رہا اور اللہ نے مجھے یہ اعزاز دیا کہ پورے مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے نتائج جنگ اخبار نے میری مانیٹرنگ رپورٹ کے ذریعے شائع کیے، آج میں کئی نوجوان رپورٹروں میں آگے بڑھنے کا جذبہ اور جنون تو دیکھتا ہوں مگر شاید سخت ریاضت، محنت اور صحافتی تحقیق کے ساتھ پروفیشنل اپروچ کا جذبہ ان میں خال خال نظر آتا ہے۔ صحافت میں نئے آنے والے افراد عموماً راتوں رات کسی اہم مقام پر پہنچنے کے خواہشمند ہوتے ہیں اور کسی ایک ادارے میں جم کر کام کرنے اور سیکھنے کے عمل سے کوسوں دور بھاگتے ہیں یہی وجہ ہے کہ میڈیا کی تمام تر ترقی کے باوجود معیار صحافت مسلسل گرتا جا رہا ہے اور اب زرد صحافت اور سنسنی خیزی کو فروغ مل رہا ہے۔ خصوصاً الیکٹرانک چینلز میں ریٹنگ کی خاطر خبروں اور واقعات کو بڑے مستند اور باخبر صحافت کی جگہ ڈرامائی انداز میں پیش کرنے کا رجحان بے حد زور پکڑ گیا ہے جس سے اچھا خاصا انسان ''سائیکوڈراما'' کا شکار ہوتا چلا جا رہا ہے اور لوگوں کے نفسیاتی اور ذہنی امراض میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

ایوب خان نے مشرقی اور مغربی پاکستان میں پیریٹی (Parity) کی بنیاد پر یعنی دونوں حصوں میں برابری کی بنیاد پر انتخابی سسٹم قائم کیا تھا، مگر یحییٰ خان نے یکم جولائی 1970ء کو ون یونٹ ختم کر کے چاروں صوبے بحال کر دیے۔ جب ایوب خان نے 25 مارچ 1969ء کو صدارت چھوڑی، کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خان نے مرکزی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ کر ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ 29 مارچ 1970ء کو جنرل یحییٰ خان نے لیگل فریم ورک آرڈر جاری کیا، یکم جولائی 1970ء کو جنرل یحییٰ خان نے لیگل فریم ورک آرڈر کے تحت ون یونٹ ختم کر کے مغربی پاکستان کے چاروں صوبے بحال کر دیے اور قومی اسمبلی کے اراکان کی تعداد 313 کی گئی تھی، جس میں تیرہ نشستیں خواتین کے لیے مخصوص تھیں، عام انتخابات کے لیے پہلے 15 اکتوبر 1970 کی تاریخ مقرر کی گئی مگر مشرقی پاکستان میں سمندری طوفان سے بڑے پیمانے پر انسانی جانوں کی ہلاکت اور تباہی کے بعد یہ تاریخ آگے بڑھا دی گئی، 7 دسمبر کو قومی اسمبلی اور 17 دسمبر کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوئے، ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی مغربی پاکستان میں اور مجیب الرحمن کی عوامی لیگ مشرقی پاکستان کی اکثریتی پارٹی بن کر ابھری، الیکشن کے نتائج میں مجیب الرحمن نے مشرقی پاکستان سے 116 سیٹیں حاصل کیں تو مغربی پاکستان میں بھٹو کی پیپلز پارٹی نے 86 سیٹیں حاصل کر لیں تو اس طرح مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں عوام کا مینڈیٹ مکمل طور ایک دوسرے کے برعکس ظاہر ہوا اور جب بھٹو کے ایماء پر یحییٰ خان نے شیخ مجیب الرحمن کو اقتدار دینے سے انکار کیا اور ڈھاکہ اسمبلی میں مغربی پاکستان کے کسی بھی ممبر کو شرکت کرنے سے روکنے کے لیے بھٹو نے کہا کہ جو بھی پیپلز پارٹی کا ایم این اے ڈھاکہ میں اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرے گا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی اور وہ یکطرفہ ٹکٹ پر جائے کیونکہ اسے مغربی پاکستان واپس نہیں آنے دیا جائے گا، اس موقع پر احمد رضا قصوری نے بھٹو کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا اور ڈھاکہ جانے کا اعلان

Scanned with CamScanner

کر دیا مگر بعد میں یہ اجلاس یحییٰ خان نے ملتوی کر دیا، پھر قدرت نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ اسی احمد رضا قصوری نے اپنے باپ نواب احمد قصوری کے قتل کی ایف آئی آر بھٹو کے خلاف درج کرائی اور بھٹو کو اسی کیس میں پھانسی کی سزا دی گئی، مجھے یاد ہے کہ ان دنوں ہم سخت دھوپ، حبس اور تڑپا دینے والی گرمی میں قمیض اتار کر پنکھے کی گرم ہوا کے نیچے کام کیا کرتے تھے، اگر آج نئے آنے والے لوگوں کے لیے جنگ اخبار کے تمام دفاتر سنٹرل ایئر کنڈیشنڈ ہیں اور وہ اپنے فرائض آرام دہ ماحول میں سرانجام دیتے ہیں مگر ماضی میں ایسی صورت حال نہیں ہوتی تھی، انہی دنوں مجھے یاد ہے کہ آج کی عوامی مسلم لیگ کے سربراہ چھ دفعہ ایم این اے بننے والے شیخ رشید احمد گارڈن کالج کے طالب علم رہنما ہوتے تھے۔ اپنے سیاسی گرو چوہدری ظہور الٰہی مرحوم جو مسلم لیگ (ق) کے موجودہ صدر چوہدری شجاعت الٰہی کے والد محترم تھے کی خبریں چھپوانے کے لیے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے پریس ریلیز کے ساتھ جنگ دفتر آتے تھے، اُن کی سیاست کو پاپولر بنانے میں اُس وقت کے جنگ راولپنڈی کے ایڈیٹر شورش ملک کا بڑا اہم کردار تھا، 1970ء کے انتخابات کے دوران مشرقی پاکستان میں شدید سمندری طوفان سے بے تحاشا تباہی و بربادی ہوئی، شیخ مجیب الرحمن کی علیحدگی پسندانہ سیاست کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے خلاف نفرت کا لاوا ابلنے لگا اور اس نفرت کو مزید ہوا اُس وقت ملی جب شیخ مجیب الرحمن پہلی دفعہ اسلام آباد تشریف لائے تو وہ اسلام آباد کی ایک شاہراہ پر بیٹھ گئے اور اپنی انگلی سڑک پر پھیرنے لگے اور اس انگلی کو اپنی ناک کے قریب لا کر بولے "مجھے اسلام آباد کی ان سڑکوں سے اپنے دیس کی پٹ سن کی مہک آتی ہے" اس جملے نے مشرقی پاکستان میں غیض وغضب بڑھانے میں بہت بڑا کردار ادا کیا، اس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان مشرقی پاکستان میں اگنے والی پٹ سن کو باہر کے ممالک میں برآمد کر کے جو زرمبادلہ کماتا ہے، بجائے اس کے کہ اس سے مشرقی پاکستان میں سڑکیں تعمیر کرے وہ اس آمدنی سے حکمرانوں کی آرام اور سہولت کے لیے اسلام آباد میں سڑکوں کی تعمیر پر خرچ کر رہا ہے، آج ایسا ہی الزام سنٹرل پنجاب پر جنوبی پنجاب، بلوچستان اور سندھ کے عوام لگاتے ہیں مگر اب عوام باشعور ہو چکے ہیں اگر آج پنجاب کی طرح سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں ترقیاتی کام نہیں ہوتے ہیں تو اس کے ذمہ داران کے اپنے نمائندے ہیں نا کہ پنجاب کے لوگ، پنجاب کے لوگوں کا وطیرہ ہے کہ اگر ان کے منتخب نمائندے ان کی زندگیوں کو بہتر بنانے میں اپنا کردار ادا نہیں کریں گے تو وہ اگلے الیکشنوں میں ان نمائندوں کو مسترد کر دیتے ہیں، اگر اسی طرح کا سیاسی شعور سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا کے عوام میں بیدار ہو جائے تو وہاں بھی ان کے حکمرانوں کو عوام کی بہتری کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا، مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں سے جہالت اور فرسودہ رسوم وروایات کا خاتمہ ہو۔ لوگ جاگیرداروں، قبائلی سرداروں، سیاسی پیروں، فقیروں اور نام نہاد مذہبی رہنماؤں کے جھوٹے سحر سے آزاد ہوں اور اپنے لیے ایسے حکمرانوں کا انتخاب کریں جو ان کے دکھ درد کو سمجھتے ہوں اور ان کی زندگی کو بہتر بنانا اپنی زندگی کا مشن خیال کرتے ہوں، پاکستان دولخت کرنے میں جہاں بھٹو، یحییٰ، شیخ مجیب الرحمن کی اقتدار حاصل کرنے کے لیے ذاتی ہوس اور خود غرضی ہے وہیں ہندوستان، امریکہ، اسرائیل اور سوویت یونین نے بھی دنیا کی چھٹی بڑی اسلامی ریاست کو دولخت کرنے میں اہم کردار ادا کیا، 16 دسمبر 1971ء کو رمنا ریس کورس گراؤنڈ میں پاکستانی فوج کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل امیر عبداللہ نیازی نے ہتھیار ڈال دیے، میں اپنے گوالمنڈی آفس میں بیٹھا ہوا تھا مجھے حساس ادارے کے کسی افسر کا فون آیا کہ کیا خبر لکھ رہے ہیں میں نے جواب دیا کہ ہندوستان کی فوجوں نے ڈھاکہ پر قبضہ کر لیا، انہوں نے مجھے یہ خبر جاری کرنے سے روک دیا اور کہا کہ پندرہ منٹ انتظار کریں، پھر ان کا فون آیا اور کہا کہ یہ خبر لیڈ بنائیں اور اخبار میں چھاپ دیں۔

"بھارتی فوجیں ایک سمجھوتے کے تحت مشرقی پاکستان میں داخل ہو گئیں" مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے الگ ہو گیا، قائداعظم کا پاکستان ہمارے نااہل حکمرانوں کی بوالہوسی کی نذر ہو گیا، یہ دن لاکھوں پاکستانیوں کی طرح میری زندگی کا سیاہ ترین دن تھا میں سوچنے لگا کہ کیا میرے آباؤاجداد نے اس لیے اپنی جانوں، عزتوں اور املاک کی قربانیاں دی تھیں کہ قائداعظم کا پاکستان 24 سالوں کے مختصر عرصے میں دولخت

Scanned with CamScanner

ہو جائے، اگر یحییٰ خان ڈھاکہ میں 25 مارچ 1971 کو اسمبلی کا اجلاس منعقد ہونے دیتا اور اقتدار شیخ مجیب الرحمن کو سونپ دیتا تو شاید آج مشرق پاکستان ہمارے ساتھ ہوتا، مگر یحییٰ خان نے وہاں پر فوجی ایکشن شروع کر دیا، جنرل ٹکا خان نے مشرقی پاکستان میں فوجی کمان سنبھال لی جس کے دوران کئی ہزار بنگالی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے جس کے جواب میں وہاں کے بنگالیوں نے مشتعل ہو کر مغربی پاکستان کے وہاں پر بسنے والے ہزاروں شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ان کی املاک پر قبضہ کر لیا گیا، انہی دنوں میر خلیل الرحمن صاحب نے روزنامہ جنگ کا آغاز ڈھاکہ سے کرنے کے لیے کروڑوں روپے صرف کر کے ڈھاکہ کی موتی جھیل میں پلازہ تعمیر کروایا مگر اس پر مشرقی پاکستان کے شرپسندوں نے بلوؤں کے دوران قبضہ کر لیا اس طرح مغربی پاکستان کے سرمایہ داروں کی اربوں روپوں کی املاک پر بنگالیوں نے قبضہ کر لیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے صدقے ہمیں ایک خطہ زمین دیا مگر مسلمان مسلمانوں سے ہی لڑ پڑے، آج بھی کلمہ گو مسلمان کلمہ گو فوج اور سیکورٹی اداروں سے لڑ رہے ہیں، یا اللہ یہ کیسی اذیت ہے ہم کیوں غیروں کے عزائم پورے کرنے کے لیے آپس میں جنگ و جدل شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد مشہور شاعر مشیر کاظمی مرحوم کی نظم میری نظروں سے گزری تو میں بلک بلک کر رو دیا۔

قبر اقبال سے آ رہی ہے صدا

مشیر کاظمی

پھول لے کر گیا آیا روتا ہوا
بات ایسی ہے کہنے کا یارا نہیں
قبر اقبال سے آ رہی تھی صدا
یہ چمن مجھ کو آدھا گوارا نہیں
شہر ماتم تھا اقبال کا مقبرہ
تھے عدم کے مسافر بھی آئے ہوئے
خون میں لت پت کھڑے تھے لیاقت علی
روح قائد بھی سر کو جھکائے ہوئے
کہہ رہے تھے سبھی کیا غضب ہو گیا
یہ تصور تو ہرگز ہمارا نہیں
سرنگوں تھا قبر پہ مینار وطن
کہہ رہا تھا اے تاجدار وطن
آج کے نوجوانوں کو بھلا کیا خبر
کیسے قائم ہوا یہ حصار وطن
جس کی خاطر کٹے قوم کے مرد و زن
ان کی تصویر ہے یہ مینارہ نہیں

کچھ اسیران گلشن تھے حاضر وہاں
کچھ سیاسی مہاشے بھی موجود تھے
چاند تارے کے پرچم میں لپٹے ہوئے
چاند تارے کے لاشے بھی موجود تھے
میرا ہنسنا تو پہلے ہی اک جرم تھا
میرا رونا بھی ان کو گوارا نہیں
کیا فسانہ کہوں ماضی و حال کا
شیر تھا میں بھی اک ارض بنگال کا
شرق سے غرب تک میری پرواز تھی
ایک شاہین تھا میں ذہن اقبال کا
ایک بازو پہ اڑتا ہوا میں آج کل
دوسرا دشمنوں کو گوارا نہیں
یوں تو ہونے کو گھر ہے سلامت رہے
کھینچ دی گھر میں دیوار اغیار نے
ایک تھے جو کبھی آج دو ہو گئے
ٹکڑے کر ڈالا دشمن کی تلوار نے

گھر بھی دو ہو گئے در بھی دو ہو گئے
جیسے کوئی بھی رشتہ ہمارا نہیں
کچھ تمہاری نزاکت کی مجبوریاں
کچھ ہماری شرافت کی مجبوریاں
تم نے روکے محبت کے خود راستے
اس طرح ہم میں ہوتی گئیں دوریاں
کھول تو دوں میں راز محبت مگر
تیری رسوائیاں بھی گوارا نہیں
وہ جو تصویر مجھ کو دکھائی گئی
میرے خون جگر سے بنائی گئی
قوم کی ماؤں بہنوں کی جو آبرو
نقش ایشیا میں سجائی گئی
موڑ دو آبرو یا وہ تصویر دو
ہم کو حصوں میں بٹنا گوارا نہیں
پھول لے کر گیا آیا روتا ہوا
بات ایسی ہے کہنے کا یارا نہیں

Scanned with CamScanner

اک درد سا دل میں اٹھتا ہے

پاکستان کیوں ٹوٹا، کس نے توڑا اور کون سے تاریخی کردار اس المناک سانحے میں ملوث تھے، ان سب حقائق سے آشنا نسل پیرانہ سالی میں پہنچ چکی ہے، اگرچہ کسی بھی صاحب اختیار کے متعلق بھرپور یقین سے یہ کہنا مشکل ہے کہ پاکستان توڑنے میں اس کا کردار زیادہ اہم ہے، تاہم دونوں حصوں میں پائی جانے والی سماجی تفریق، تاریخی تضادات، یونیورسٹیوں میں ہندو اساتذہ کا بنگالی نوجوانوں کے ذہنوں میں قومیت کا زہر بھرنا، مغربی پاکستان کی سول اور ملٹری اسٹیبلشمنٹ کا ملکی معاملات میں مکمل بااختیار ہونا اور سیاسی سوچ وفکر میں واضح خلیج اور فیڈریشن میں جمہوری اصولوں کی خلاف ورزی جیسے عوامل نے بنگالی عوام کو ہم سے متنفر کردیا، تاہم پاکستان کے سیاسی عدم استحکام، سول اور ملٹری بیوروکریسی کے رویوں کی وجہ سے مشرقی پاکستان، بنگلہ دیش بن گیا، اندرا گاندھی نے مشرقی پاکستان پر قبضہ کرنے کے بعد یہ کہا کہ انہوں نے مسلمانوں سے ہزار سالہ شکست کا بدلہ لے لیا نظریہ پاکستان اور دوقومی نظریے کو دریائے گنگا میں بہا دیا ہے، پاکستان توڑنے والوں میں اندرا گاندھی، یحییٰ خان، شیخ مجیب الرحمن اور ذوالفقار علی بھٹو کے کردار بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور پھر چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ یہ تمام کردار عبرت ناک انجام کا شکار ہوئے۔ جنگ کے آخری دنوں میں یحییٰ خان نے ذوالفقار علی بھٹو کو اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لیے ایک وفد کا سربراہ بنا کر بھیجا، اس اجلاس میں پولینڈ نے سوویت یونین کی حمایت سے جنگ بندی کی قرارداد پیش کی بعض تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ اگر ذوالفقار علی بھٹو اس اجلاس سے بائیکاٹ نہ کرتے اور پولینڈ کی قرارداد کا مسودہ نہ پھاڑتے تو شاید مشرقی پاکستان بنگلہ دیش نہ بنتا مگر کچھ تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ یہ قرارداد بہت دیر کے بعد پیش کی گئی، ہندوستان کی فوجیں اس وقت ڈھاکہ میں داخل ہو چکی تھیں، بھٹو صاحب نے اقوام عالم کے ضمیر کو جھنجوڑنے کی خاطر اپنی تقریر کے نوٹس کو پھاڑا اور اجلاس سے باہر آگئے، بہرحال یہ حقیقت ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو وہاں 19 دسمبر 1971 تک ٹھہرے رہے جبکہ پاکستان 16 دسمبر 1970 کو دولخت ہوگیا، 1970 کے انتخابات میں سندھ اور پنجاب میں پیپلز پارٹی اور صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخوا) اور بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت علمائے اسلام نے اکثریت حاصل کی تھی، اس وقت نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہ ولی خان اور جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا مفتی محمود تھے، بنگلہ دیش بننے کے بعد پیپلز پارٹی کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو نے تاریخ کے پہلے سویلین مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے علاوہ صدر پاکستان کا عہدہ بھی سنبھال لیا، پیپلز پارٹی نے مرکز، سندھ اور پنجاب میں حکومتیں بنائیں جبکہ خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی اور جے یو آئی کی مخلوط حکومتوں کا قیام عمل میں آیا، قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس 14 اپریل 1972ء کو اسلام آباد میں ہوا، پیپلز پارٹی کی حکومت متفقہ طور پر قومی اسمبلی سے نیا آئین منظور کرانے میں کامیاب ہوگئی، جو 14 اگست 1973ء کو نافذ ہوا جس کے تحت ذوالفقار علی بھٹو صدر کا عہدہ چھوڑ کر وزیر اعظم بن گئے اور فضل الٰہی چوہدری نے صدر پاکستان کا منصب سنبھال لیا، تاہم ان کے پاس کسی قسم کے انتظامی اختیارات نہیں تھے، جب بھٹو صاحب نے اقتدار سنبھالا تو انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ آرمی کے کمانڈر انچیف جنرل گل حسن کو مصطفےٰ کھر کے ساتھ گاڑی میں لاہور روانہ کیا اور دوران سفر مصطفےٰ کھر نے ان سے زبردستی استعفیٰ لے لیا، بھٹو صاحب نے عوام کو روٹی کپڑا مکان کے حسین خواب دکھا کر مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل کی مگر انہوں نے 1972ء میں پرائیویٹ کارخانوں، صنعتی اداروں، آٹے اور گھی کی ملوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے نجی تعلیمی ادارے بھی سرکاری تحویل میں لے لیے جس سے پوری معیشت کا بیڑا غرق ہوگیا، اور عام لوگوں کو آٹے، چینی اور گھی کے حصول کے لیے لمبی لمبی قطاریں بنا کر حکومت کے قائم کردہ ڈپوؤں کے باہر کھڑے ہوکر ذلیل ورسوا ہونا پڑتا اور یہ ڈپو پیپلز پارٹی کے جیالوں کو الاٹ کیے جاتے تھے، نیشنلائزیشن سے پہلے ایوب خان کے دور حکومت میں پاکستان کی معیشت تیزی سے ترقی کر رہی تھی دوسرے پانچ سالہ منصوبے کو حیرت انگیز کامیابی ملی اور پاکستان کے معاشی منصوبہ سازوں نے اپنے

Scanned with CamScanner

تمام معاشی اہداف حاصل کر لیے، اس دوران معاشی ترقی کی شرح نمو 5.8 فیصد سالانہ رہی جو ایشیا میں تمام ممالک حتیٰ کہ جاپان سے بھی زیادہ تھی اس دوران قومی آمدنی میں 24% فیصد اضافہ ہوا، فی کس آمدنی 12 فیصد بڑھی اور کھانے پینے کی اشیاء کی پیداوار میں 21 فیصد اضافے سے ہمیں خوارک کے معاملے میں خود کفالت حاصل ہوگئی تھی، اسی منصوبے پر عملدر آمد کر کے جنوبی کوریا پاکستان کو پیچھے چھوڑتے ہوئے معاشی ترقی کی بہت ساری منازل طے کر گیا، مگر ہمیں بھٹو صاحب کے دور حکومت میں بنیادی ضروریات زندگی آٹا، دال گھی، چینی یا تو زیادہ قیمتوں پر بلیک مارکیٹنگ سے حاصل کرنا پڑتا یا ان اشیاء کے حصول کے لیے ڈپوؤں کے باہر سارا سارا دن چلچلاتی دھوپ میں لائنوں میں کھڑا ہونا پڑتا، مجھے یاد ہے کہ ان دنوں راولپنڈی میں ابن رضوی صاحب اُس وقت کے ایم پی اے جاوید حکیم قریشی کے سٹاف آفیسر ہوا کرتے تھے، ان دنوں راقم سمیت تمام سب ایڈیٹروں کے لیے بناسپتی گھی حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا چنانچہ جنگ راولپنڈی کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر جناب شورش ملک مرحوم کی سفارش پر جناب ابن رضوی گھی کا کنستر فوارہ چوک کے قریب ایک سکول کے گیٹ کے اندر بڑے خفیہ طریقے سے لائے، انہوں نے ہم سب کو اندر بلایا اور سکول کا گیٹ اچھی طرح بند کروانے کے بعد ہمیں ایک کمرے میں لے آئے، ہم سب کے ہاتھوں میں برتن تھے، انہوں نے ایک ترازو نکالا وہ ڈھائی ڈھائی کلو گھی تولتے جاتے اور ہم سے نقد رقم لے کر ہمارے برتنوں میں ڈالتے جاتے، یہاں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب جنگ کے صحافیوں کو سفارش اور ذلت کے بعد گھی ملتا ہوگا تو عام عوام کس طرح یہ چیزیں حاصل کرتے ہوں گے اس کا اندازہ کرنا آپ کے لیے مشکل نہیں ہوگا، بھٹو دور حکومت کے وسط میں بشام پتن (صوبہ خیبر پختونخوا) میں قیامت خیز زلزلہ آیا ہزاروں افراد جاں بحق اور زخمی ہوئے اور ان کے گھر زمین بوس ہو گئے، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، لیبیا اور کویت نے زلزلہ زدگان کے لیے کروڑوں ڈالر کی امداد دی جس پر وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے بیان دیا کہ برادر اسلامی ملکوں نے اس مشکل گھڑی میں پاکستان کا بھرپور ساتھ دیا ہے اور اس قدر بھاری امداد جاری کی ہے کہ حکومت بشام پتن میں زلزلے سے تباہ شدہ علاقے کو از سر نو اس طرح تعمیر کرے گی کہ یہ سوئٹزر لینڈ بن جائے گا، مگر راز دان حقیقت اس امر سے واقف ہیں کہ پاکستان کے زلزلہ زدہ علاقوں کے نام پر حاصل شدہ کروڑوں ڈالرز سوئٹزر لینڈ کے بنکوں کے خفیہ اکاؤنٹس میں چلے گئے اور بشام پتن کے علاقوں کے متاثرین کی آباد کاری کے خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوئے، مگر انسان جب صاحب اقتدار ہوتا ہے تو یہ حقیقت بھول جاتا ہے کہ غریبوں کے نام پر حاصل کردہ امداد غصب کرنے سے ضروری نہیں کہ وہ ان سے اپنی زندگیوں میں استفادہ کر سکیں، آج بھی یہ ڈالرز سوئٹزر لینڈ کے خفیہ اکاؤنٹس میں موجود بلکہ بحق سرکار ضبط ہو چکے ہیں اور بھٹو صاحب اور ان کی اولاد کو زندگی میں ان کا استعمال نصیب نہ ہوا اور وہ سب جواں عمری ہی میں مکافات عمل کا شکار ہو گئے۔ اکثر اوقات دولت جائز ناجائز طریقے سے کوئی کماتا ہے مگر اس نعمت غیر مترقبہ کا استعمال کسی اور خوش نصیب کے مقدر میں ٹھہرتا ہے۔

7 جنوری 1977ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اسمبلی میں قبل از وقت سات مارچ کو عام انتخابات منعقد کروانے کا اعلان کر دیا، ان کا خیال تھا کہ حزب اختلاف کی تمام جماعتیں چونکہ باہمی انتشار کا شکار ہیں اس لیے وہ ان انتخابات میں آسانی سے کامیابی حاصل کر لیں گے لیکن حیرت انگیز طور پر اس وقت کی نو بڑی سیاسی جماعتوں نے پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) کے نام سے اتحاد قائم کر لیا، دس جنوری 1977ء کو وزیر اعظم کی ایڈوائس پر قومی اسمبلی توڑ دی گئی، انتخابات میں پیپلز پارٹی کو اکثریت حاصل ہوئی مگر پی این اے نے انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگا کر یہ نتائج قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پی این اے کی تحریک میں بہت جلد امریکی مفادات شامل ہو گئے جس کے بعد یہ تحریک پورے ملک میں پھیل گئی، پیپلز پارٹی اور پی این اے کے درمیان دھاندلی والی سیٹوں پر دوبارہ انتخابات کے لیے ایک معاہدہ ہو گیا، مگر اس کے باوجود چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاء الحق نے 5 جولائی 1977ء کو مارشل لاء نافذ کر دیا، قومی اور صوبائی اسمبلیاں برخاست کر دی گئیں، آئین منسوخ نہیں کیا گیا بلکہ اس کی بعض دفعات پر عمل درآمد روک دیا گیا، انہوں نے نوے روز کے اندر صاف اور شفاف انتخابات کرانے کا وعدہ کیا

Scanned with CamScanner

تھا مگر وہ نوے روز آٹھ سال پر محیط ہو گئے، وہ ہر بار وعدہ کرتے اور ہر بار ایک نئی تشریح کر کے اس کو پس پشت ڈال دیتے، انہوں نے اس دوران ذوالفقار علی بھٹو کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے نواب محمد احمد خان کے قتل کے مقدمے میں پہلے ہائی کورٹ اور بعد میں سپریم کورٹ کے اکثریتی فیصلے کی روشنی میں سزائے موت دے دی، کیونکہ انہیں ولی خان نے بتا دیا تھا کہ قبر ایک ہے بندے دو ہیں، اگر بھٹو زندہ رہا تو وہ لازماً دوبارہ برسر اقتدار آ کر ضیاء الحق کو زندہ نہیں رہنے دے گا، چنانچہ ضیاء الحق نے اس پریشانی سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی اور بعد میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر کے طور پر حکومت پر مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے قابض رہے، انہوں نے اس دوران اپنے حواریوں پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بھی قائم کی تھی 1985 میں ضیاء الحق نے غیر جماعتی بنیادوں پر الیکشن کروائے جس کا تمام بڑی بڑی سیاسی جماعتوں بشمول پیپلز پارٹی نے بائیکاٹ کیا، ان انتخابات کے تحت وجود میں آنے والی قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس 20 مارچ 1985ء کو منعقد ہوا، عبوری آئینی حکم کے تحت محمد خان جونیجو جنہیں پیر صاحب آف پگاڑا اعلیٰ مردان شاہ کی آشیرباد حاصل تھی کو وزیر اعظم نامزد کیا گیا۔

چونکہ جنگ گروپ ہمیشہ سے اُصولی صحافت کا علمبردار تھا تو اُس وقت کے ضیاء الحق کے اوپننگ بیٹسمین کہلانے والے وفاقی وزیر اطلاعات راجہ ظفر الحق کو اسکی بڑی تکلیف رہتی تھی، مجھے یاد ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ یہ منصوبہ بنایا کہ کابینہ اجلاس میں صدر ضیاء الحق کو یہ تجویز پیش کریں گے کہ جنگ اخبار کو قومیا لیا جائے، کابینہ اجلاس سے پہلے ہی ہمیں اس بات کی خبر ہو گئی جس پر بانی ایڈیٹر انچیف میر خلیل الرحمن نے اپنی زندگی کا واحد اداریتی نوٹ صفحہ اول کے کالم 7 اور آٹھ میں ٹاپ پر اس عنوان کے ساتھ شائع کیا ”راجہ صاحب اپنا ریکارڈ درست فرمائیں“ اپنے اس اداریتی نوٹ میں میر خلیل الرحمن صاحب نے راجہ ظفر الحق کی طرف سے جنگ اخبار کو قومیانے کے متعلق تجویز پیش کرنے کی خبر کو وقت سے پہلے عوام کو طشت ازبام کر دیا اور ان کی خوب خبر لی، کابینہ اجلاس سے ایک دن پہلے اس اداریتی نوٹ نے حکومتی حلقوں میں ہل چل مچا دی، اجلاس کے دوران جب راجہ ظفر الحق نے جنگ اخبار کو قومیانے کی تجویز پیش کی تو گوجرانوالہ سے غلام دستگیر خان اور ہری پور کے راجہ سکندر زماں جو ضیاء الحق کی کابینہ کی سینئر وزیر تھے نے اس تجویز کی ڈٹ کر مخالفت کی حالانکہ راجہ سکندر زماں نے اس سے پہلے میر صاحب کو کبھی نہ دیکھا تھا اور نہ ہی ان سے کبھی ملے تھے مگر میر خلیل الرحمن کے اداریتی نوٹ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے ضیاء الحق پر زور دیا کہ حکومت کو ایسا نہیں کرنا چاہیے چنانچہ ضیاء الحق نے راجہ ظفر الحق کی جنگ کو قومیانے کی تجویز کو رد کر دیا، چونکہ میر خلیل الرحمن مرنجان مرنج اور احسان شناس انسان تھے وہ میرے ہمراہ راجہ سکندر زماں کی رہائش گاہ جو کہ کامران مارکیٹ راولپنڈی کینٹ میں واقع تھی وہاں گئے اور کابینہ کے اجلاس میں ادارہ جنگ کی حمایت کرنے پر شکریہ ادا کیا، راجہ سکندر زماں نے میر صاحب سے کہا کہ آپ خاندانی آدمی ہیں آپ کا چل کر میرے گھر آنا میرے لیے باعث افتخار ہے اور دوسرا یہ لڑکا (حنیف خالد) بڑی عجز و انکساری کے ساتھ میرے پاس اس مسئلے کو حل کروانے کی خاطر رات گئے آیا تھا میرے لیے یہ بیٹوں کی طرح ہے لہٰذا ایک آپ کے اداریتی نوٹ اور دوسرا اپنے اس بیٹے کی خاطر میں نے راجہ ظفر الحق کی ناراضگی کی کوئی پروا نہیں کی، میرا آپ پر کوئی احسان نہیں ہے، جہاں تک غلام دستگیر خان صاحب کا تعلق ہے تو چونکہ آپ کا تعلق بھی گوجرانوالہ سے ہے اور ان کے ساتھ آپ کے خاندانی مراسم بھی ہیں، لہٰذا ہم دونوں نے جنگ کو قومیانے کے خلاف دلائل دیئے جس پر صدر ضیاء الحق سمیت تمام کابینہ کے ممبران نے متفق ہو کر وزیر اطلاعات ونشریات راجہ ظفر الحق کی جنگ کو قومیانے کے متعلق پیش کردہ سمری کو مسترد کر دیا۔ آپ پاکستان کی صحافت کا جھومر ہیں آپ اپنی اصولی صحافت سے اپنا مشن جاری وساری رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔ یہ ہمارے اخبار کی میرٹ اور اصولی صحافت کا ہی اعجاز ہے کہ آج بھی راجہ ظفر الحق مسلم لیگ (ن) کے صدر ہیں ان کے تمام بیانات کو اخبار میں شائع کیا جاتا ہے، میر خلیل الرحمن مرحوم کبھی بھی کسی شخص کے خلاف اپنے دل میں ذاتی رنج اور عناد نہیں رکھتے تھے چاہے انہیں یا ان کے اخبار کو اس نے کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچایا

Scanned with CamScanner

ہو، انہوں نے زندگی بھر قرآن پاک کی اس آیت کو اپنا سرمایہ حیات بنائے رکھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہی سب سے بہتر مددگار ہے''۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا دورِ صحافت (1981ء تا 1990ء)

نومبر 1985ء میں قومی اسمبلی میں 1973ء کے آئین کی بحالی اور مارشل لاء کے تحت اٹھائے جانے والے اقدامات کو آئینی تحفظ فراہم کرنے کی غرض سے پارلیمنٹ نے آئین میں آٹھویں ترمیم منظور کر لی، اس آئینی ترمیم کے مطابق صدر جنرل ضیاء الحق کو B-2-58 کے تحت قومی اسمبلی توڑنے کا اختیار حاصل ہو گیا اور وزیر اعظم کی برطرفی کا اختیار بھی۔ جب وزیر اعظم محمد خان جونیجو افغانستان کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے مغربی دنیا اور سوویت یونین کے مابین جنیوا معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد سوئٹزرلینڈ سے واپس اسلام آباد پہنچے تو ضیاء الحق نے اپنے ایک حکم کے تحت 29 مئی 1988ء کو محمد خان جونیجو کو وزیر اعظم کے عہدے سے معزول کر دیا اور B-2-58 کے تحت قومی اور صوبائی اسمبلیاں برخاست کر ڈالیں حالانکہ آئین کے تحت نگران وزیر اعظم کا تقرر ضروری تھا مگر ضیاء الحق کے اس آمرانہ رویہ پر کسی نے کوئی آواز بلند نہ کی آئین کے مطابق نوے دن کے اندر نئے انتخابات کا انعقاد لازمی تھا مگر جنرل ضیاء الحق نے نئے انتخابات کے لیے از خود نومبر 1988ء کی تاریخ مقرر کر دی مگر انتخابات کے انعقاد سے قبل ہی 17 اگست 1988ء کو جنرل ضیاء الحق اپنے بعض رفقائے کار کے ساتھ ایک فضائی حادثے میں جاں بحق ہو گئے تاہم ماضی کے برعکس فوج نے ملک میں مارشل لاء لگانے سے گریز کیا سینیٹ کے چیئرمین غلام اسحٰق خان صدر مملکت بنے چونکہ اس حادثے میں ضیاء الحق کے ساتھ پاکستانی فوج کی سینئر ترین قیادت بھی اللہ کو پیاری ہو گئی تھی، جنرل اسلم بیگ بوجوہ صدر مملکت کے ساتھ بہاولپور میں اُن کے طیارے میں سوار نہیں ہوئے اور وہاں سے دوسرے طیارے میں الگ روانہ ہوئے۔ بعد ازاں انہوں نے بیان دیا کہ انہوں نے صدر مملکت کے طیارے کو ہوا میں کریش ہوتے ہوئے دیکھا تھا، اس طیارے میں سینئر فوجی افسران کے علاوہ امریکی سفیر رابن رافیل بھی سوار تھے اور وہ بھی اس حادثے میں ہلاک ہو گئے، غلام اسحٰق خان نے صدر بننے کے بعد مرزا اسلم بیگ کو چیف آف آرمی سٹاف مقرر کر دیا اور اس طرح ایک طویل عرصے کے بعد صدر اور آرمی چیف کے عہدے الگ الگ شخصیات کے پاس چلے گئے۔

اگرچہ ضیاء الحق ایک متنازع شخصیت تھے اور انہوں نے اپنے محسن ذوالفقار علی بھٹو جس نے انہیں کئی سینئر جرنیلوں پر ترجیح دے کر آرمی چیف کے عہدے پر فائز کیا نہ صرف ان کی حکومت کا تختہ غیر جمہوری انداز میں اس وقت الٹ دیا جب ذوالفقار علی بھٹو اور پاکستان قومی اتحاد کے درمیان نئے انتخابات کے متعلق سمجھوتہ ہو چکا تھا، بلکہ انہیں اپنے پسندیدہ ججوں کے ذریعے پھانسی کے پھندے پر بھی لٹکا دیا، جس کی وجہ یہ بھی تھی کہ بھٹو اقتدار سے معزول ہونے کے باوجود بھی متکبرانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھے وہ مری میں نظر بند تھے تو ضیاء الحق 17 جولائی 1977ء میں ان کو ملنے گئے تو واقفان حال کے مطابق انہوں نے ضیاء الحق کے ساتھ بڑے سخت لہجے میں بات کی اور یہ کہا کہ میں دوبارہ برسر اقتدار آ کر تمہاری مونچھوں سے اپنے جوتوں کے لیے تسمے بنا دوں گا، دوسرا جب وہ ہائیکورٹ سے عبوری ضمانت پر رہا ہوئے تو ان کے حامیوں نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور انہوں نے جلسہ عام میں یہ کہا کہ وہ ''برسر اقتدار آ کر آئین کی خلاف ورزی کرنے والے جرنیلوں کے خلاف آرٹیکل 6 کے تحت کارروائی کریں گے''اس کے علاوہ شنید ہے کہ ولی خان نے بھی ضیاء الحق کو بتایا کہ قبر ایک ہے اور بندے دو ہیں، اصغر

Scanned with CamScanner

خان یہ خیال کرتے تھے کہ بھٹو کے جسمانی طور پر ختم ہونے کے بعد وہ عوامی لیڈر کے منصب پر فائز ہو جائیں گے، اگر چہ ضیاء الحق نے بھٹو کو ناحق پھانسی کے پھندے پر لٹکایا اور 11 سال تک ملک میں ڈکٹیٹر شپ قائم کی مگر دوسری طرف انہوں نے پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے میں انتہائی قابل قدر اور ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔

جس وقت 1979ء میں افغانستان پر روسی فوجیوں نے قبضہ کیا اور امریکہ کو پاکستان کی مدد کی ضرورت پڑی تو تب سی آئی اے نے عرب دنیا سے ہزاروں افراد کو بھرتی کیا اور پشاور میں آئی ایس آئی کی مدد سے ان کو تربیت دے کر افغانستان میں روسی فوجوں کے خلاف جہاد کے لیے بھیجا، اسامہ بن لادن، ڈاکٹر ایمن الظواہری بھی انہی دنوں سی آئی اے کی حمایت سے افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جہاد میں حصہ لیتے تھے، ان دنوں یہی جنگجو امریکہ اور یورپ میں فریڈم فائٹرز اور مجاہدین خیال کیے جاتے تھے، بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے، آج یہی مجاہدین جب امریکہ کی فوجوں کے افغانستان میں غاصبانہ قبضے کے خلاف جہاد کر رہے ہیں تو یہ امریکہ اور اس کے حواریوں کی نظر میں دہشت گرد ہیں، مغربی استعماری قوتیں کسی کی بھی دوست نہیں ہوتی ہیں، جب کوئی ان کے مفادات کا تحفظ کر رہا ہو تو سب کچھ ان کو ٹھیک نظر آتا ہے پھر یہ جمہوری اصولوں اور انسانی حقوق کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں، لہٰذا امریکہ کو ضیاء الحق اور پرویز مشرف سے اس وقت تک کوئی شکایت نہ تھی جب وہ ان کے سامراجی مفادات کے تحفظ کے لیے افغانستان میں بالواسطہ جنگ میں شریک تھے، بہر حال ضیاء الحق کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے 1979ء میں افغانستان میں امریکی مفادات کی جنگ میں جہاں پاکستانی عوام، فوج اور مغربی طاقتوں کو بلا مقصد مصروف عمل رکھا جس کی وجہ سے پاکستان میں انتہا پسندی نے فروغ حاصل کیا اور کلاشنکوف، ہیروئین اور دہشت گردی جیسے مسائل نے معاشرے میں گہری جڑیں پکڑیں مگر اس دوران ضیاء الحق نے پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے کے لیے تیزی سے کام کیا، امریکہ کو معلوم تھا کہ پاکستان ایٹمی صلاحیتیں حاصل کر رہا ہے اور انہیں پاکستان کی یورینیم کی افزودگی (enrichment) کی مخصوص حد سے اوپر جانے کی سطح پر شدید تشویش تھی مگر انہوں نے مصلحتاً ضیاء الحق کی گردن کو نہیں دبوچا کیونکہ اس وقت خطے میں ایک طرف سوویت یونین کی فوجیں افغانستان پر قابض تھیں تو دوسری طرف ایران میں آیت اللہ خمینی نے زبردست اسلامی انقلاب برپا کر دیا تھا، شہنشاہ ایران اقتدار چھوڑ کر ملک سے فرار ہو گیا اور آیت اللہ خمینی نے ایرانی فوج کے سرکردہ جرنیل، اہم وزراء اور انتہائی کلیدی عہدوں پر براجمان سرکاری افسروں کو گولیوں کی بوچھاڑ سے ہلاک کر دیا، کیونکہ آیت اللہ خمینی کے پاسداران انقلاب کی قائم کردہ انقلابی عدالتوں کے مطابق یہ سب لوگ امریکی پٹھو تھے، تو ان حالات میں امریکہ کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ پاکستان کو اپنے ہاتھ سے جانے دیتا، ہندوستان کا پہلے ہی سوویت یونین سے فوجی معاہدہ تھا، چنانچہ ضیاء الحق نے برسر اقتدار آتے ہی چاغی کی پہاڑیوں میں ایٹمی تجربات کے لیے سرنگیں تعمیر کرنا شروع کر دیں، ان دنوں ضیاء الحق کی قائم کردہ مجلس شوریٰ میں نواب اکبر بگٹی بھی شامل تھے، جو ہر اجلاس میں یہ آواز بلند کرتے کہ امریکہ بلوچستان میں فضائی اڈے بنا رہا ہے۔ وہ اپنی بات میں وزن بڑھانے کے لیے گویا ہوتے، سکیورٹی حکام نے دالبندین ضلع سمیت چاغی کے پہاڑوں کے ارد گرد سینکڑوں مربع کلومیٹر علاقے میں ہمارے لوگوں کی بھیڑ بکریوں کو چرانے سے روک دیا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ سینکڑوں کی تعداد میں ٹرک خاردار تاروں سے لیس اس ممنوعہ علاقے میں سیمنٹ، سریا اور دوسرا تعمیراتی سامان دن رات پہنچانے میں مصروف ہیں، اکبر بگٹی کو اس حقیقت کا قطعاً ادراک نہ ہو سکا کہ یہ امریکہ کے 32 رن وے تعمیر نہیں ہو رہے ہیں بلکہ پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے کے لیے ایٹمی دھماکوں کے دس فٹ قطر کی پُر پیچ سرنگیں چاغی کے پہاڑوں کی گہرائی میں جدید مشینری کے ساتھ بن رہی ہیں اور ہر سرنگ کی لمبائی ایک کلومیٹر تھی یہ سرنگیں چار سال کے عرصے میں مکمل ہوئیں اور یہ آرمی کی انجینئرنگ کور کا حیرت انگیز کارنامہ ہے، ان سرنگوں کو پُر پیچ رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ دھماکے کے بعد تابکاری کے اثرات باہر نہ آئیں اور عملاً ایسا ہی ہوا، ضیاء الحق کے دور میں یہ سب کام

Scanned with CamScanner

انتہائی رازداری میں ہوا اور امریکہ سٹیلائٹ ہونے کے باوجود ہماری ایٹمی دھماکوں کے لیے تیار کردہ سرنگوں کا پتہ نہ چلا سکا۔ یہ سب کچھ ضیاء الحق، غلام اسحٰق خان، ایٹمی کمیشن کے سائنسدانوں کا اللہ کے بھروسے پر پاکستان کے لیے خلوص نیت اور جذبے سے کام کرنے کا نتیجہ تھا 1983ء ہی میں ضیاء الحق نے سرگودھا کی کرانہ پہاڑیوں میں ایٹم بم کا کولڈ ٹیسٹ کامیابی سے کرالیا، ضیاء الحق کے دور حکومت میں چاغی میں قائم کردہ سرنگوں میں نواز شریف نے 28 مئی 1998ء کو ہندوستان کے راجستھان میں ایٹمی دھماکوں کے جواب میں پانچ دھماکے کیے اور 30 مئی کو بلوچستان صحرا میں سیکڑوں فٹ کھودے گئے گہرے کنویں میں چھٹا دھماکہ کر کے پاکستان کو اسلامی دنیا کی پہلی ایٹمی قوت بنادیا اور دنیائے عالم کی چھٹی بڑی ایٹمی طاقت کے درجے پر فائز کردیا، اگر ضیاء الحق افغانستان پر سوویت یونین کے قبضے سے پیدا شدہ صورتحال سے ملکی مفاد میں فائدہ اٹھا کر چاغی کی سرنگیں تعمیر نہ کرتے اور سرگودھا میں کرانہ کی پہاڑیوں میں ایٹم بم کا کولڈ ٹیسٹ نہ کرتے تو 28 مئی 1998ء میں نواز شریف کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ بھارت کے راجستھان میں ایٹمی دھماکوں کے جواب میں فوراً 6 ایٹمی دھماکے کردیتے، اگر آج پاکستان ایٹمی طاقت نہ ہوتا تو روایتی جنگ میں برتری کی وجہ سے بھارت کب کا آزاد کشمیر پر قبضہ کر چکا ہوتا اور آج پاکستان کی آزادی قائم رہنے کی بڑی وجہ یہی ایٹمی ڈیٹرنٹ ہے جس کی وجہ سے ہمارا ازلی دشمن ہندوستان ہم پر جارحیت سے کتراتا ہے۔ ہندوستان تو اپنے آپ کو جنوبی ایشیا کی سپر طاقت سمجھتے ہوئے پاکستان کو بھی نیپال، سری لنکا، بنگلہ دیش، مالدیپ اور میانمار کی طرح سرنگوں دیکھنا چاہتا تھا مگر پاکستان کے ایٹمی طاقت ہونے کی وجہ سے اس کی یہ خواہش کبھی بھی پوری نہیں ہوسکتی ہے اور اس کو ہر حال میں پاکستان کے ساتھ برابری کی بنیاد پر تمام مسائل خصوصاً مسئلہ کشمیر کو نمٹنا ہوگا۔

ضیاء الحق ہی کے دور میں اردن کے شاہ حسین نے جنرل ضیاء الحق کو ٹیلیفون کیا اور یہ انکشاف کیا کہ اسرائیلی طیارے کہوٹہ ایٹمی لیبارٹری کو تباہ کرنے کے لیے اپنے اڈوں سے پرواز کر چکے ہیں جس پر جنرل ضیاء الحق نے صدر پاکستان کی حیثیت سے اُس وقت کے ایئر چیف کو حکم دیا کہ وہ پاکستان کے تمام لڑاکا طیاروں کو خلیج سے پاکستان میں پہنچنے والے فضائی راستوں کی نگرانی کے لیے ٹیک آف کرادیں اسرائیل کے حملہ آور طیارے اپنے ساتھ ایئر فیول بھرنے والے طیارے بھی لا رہے تھے، جب اسرائیلی طیاروں نے پاکستان کی فضائیہ کے سینکڑوں طیاروں کو پاکستان کی فضائی حدود کی نگرانی کے لیے محو پرواز دیکھا تو اسرائیلی طیارے جو اس سے قبل عراق کے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنے میں کامیاب رہے تھے، کہوٹہ ایٹمی لیبارٹریز میں پاکستان کی خفیہ تنصیبات کو نقصان پہنچائے بغیر واپس چلے گئے، اسرائیل اور انڈیا نے مل کر کہوٹہ ایٹمی لیبارٹریز کو تباہ کرنے کے لیے خفیہ پلان بنایا تھا اور دونوں ملکوں کی مشترکہ فضائی فورس کے طیاروں نے سری نگر، پٹھانکوٹ حلواڑہ اور جودھ پور کے ہوائی اڈوں سے اڑ کر کہوٹہ پر حملہ کرنا تھا، بعد میں ضیاء الحق نے اسرائیل سے متعلق سخت پیغام واشنگٹن کو بھیجا کہ تل ابیب بحیرہ عرب سے ہماری ایٹمی میزائلوں کی رینج میں ہے، پاکستان کی آئی ایس آئی، ملٹری انٹیلی جنس کی بروقت اطلاع پر پاک فضائیہ نے کہوٹہ پر پروازیں کر کے اسرائیل اور بھارت کا پاکستان کی ایٹمی ریسرچ لیبارٹریز تباہ کرنے کا منصوبہ ناکام بنادیا، اس کے بعد کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کے اوپر خصوصی گیس سے بھرے ہوئے بڑے بڑے غباروں کو چھوڑ دیا گیا۔ ان غباروں کے حصار سے کوئی بھی جہاز ٹکراتا تو فوراً تباہ ہوجاتا، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام جنرل ضیاء الحق نے پاکستانی عوام کے ٹیکسوں کی کمائی سے اپنے جذبہ حب الوطنی سے سینچنے میں بڑا دلیرانہ کردار ادا کیا، ایٹم بم بنانے میں سیٹھ عابد نے بھی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا اور جس وقت پاکستان بیرونی دنیا سے سپر کمپیوٹرز اور ایٹم بم کی تیاری میں استعمال ہونے والے بہت سے پرزہ جات لانے پر پابندی تھی تو اس مشکل وقت میں سیٹھ عابد نے بیرونی دنیا میں اپنے ذرائع سے ہر طرح کے نایاب آلات حاصل کر کے ایٹمی توانائی کمیشن کو مہیا کیے، ضیاء الحق دور کے سنٹرل بورڈ آف ریونیو (جو آجکل فیڈرل بورڈ آف ریونیو کہلاتا ہے) کے چیئرمین فضل الرحمن نے مجھے اعتماد میں لے کر بتایا کہ آرمی ہاؤس راولپنڈی میں جنرل ضیاء الحق کی زیر صدارت اہم میٹنگ ہوئی جس

Scanned with CamScanner

میں ضیاءالحق نے سیٹھ عابد کی اعلیٰ ترین قومی خدمات کے اعتراف میں انہیں نشان پاکستان کے اعزاز سے نوازنے کی خواہش کا اظہار کیا، جس پر میں نے یہ تجویز دی کہ سیٹھ عابد کا پاکستان پر یہ احسان ہماری آئندہ نسلیں یاد رکھیں گی مگر سیٹھ عابد کو نشان پاکستان کا اعزاز دینے سے بہتر ہے کہ ان کا سٹیٹ بنک کے پاس موجود ایوب خان کے دور حکومت میں ضبط شدہ سونا واپس کر دیا جائے، چنانچہ وہ سونا جو سیٹھ عابد نے خلیج عرب کے مخصوص مقامات پر سینکڑوں ٹن کی مقدار میں ڈپو کر رکھا تھا، ایوب خان کے دور حکومت میں اس کو ان مقامات سے نکال کر ضبط کر کے سٹیٹ بنک کے لاکرز میں رکھوا دیا گیا تھا، مگر شدید ترین پابندیوں کے باوجود ایٹم بم کے بیرونی دنیا سے حاصل کردہ پرزہ جات اور دوسرے ضروری آلات پاکستان لانے کی وجہ سے صدر ضیاءالحق نے ان کا بحق سرکار ضبط شدہ سونا واپس کر دیا۔ سیٹھ عابد بھی پاکستان کی تاریخ کے ایک متنازعہ مگر دیومالائی کردار ہیں جنہیں دنیا سونے کے سمگلر کی حیثیت سے جانتی ہے مگر انہوں نے پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے پر خاموشی سے جو کردار ادا کیا اس کی مثال رہتی دنیا میں نہیں ملتی ہے، دوسرا وہ گونگے، بہرے بچوں کی جس قدر چیریٹی کرتے رہے ہیں وہ بھی مخیر حضرات کے لیے قابل تقلید مثال ہے۔

قارئین! ضیاءالحق پاکستان پر حکومت کرنے والے چھٹے صدر تھے اور ان کا عرصہ اقتدار ریاست کے سربراہ کے طور پر سب سے طویل 11 سال رہا اور اگر ان کی 17 اگست 1988ء کو فضائی حادثے میں ہلاکت نہ ہوتی تو شاید ان کا دور اقتدار بھی عرب ریاستوں کے حکمرانوں کی طرح پچیس تیس سال طویل ہو جاتا۔ 1985ء میں دکھائی دے رہا تھا کہ شاید اس بدقسمت ملک میں بھی جمہوریت برگ و بار لائے مگر جب وزیراعظم محمد خان جونیجو نے اوجڑی کیمپ میں دھماکے کی وجوہات معلوم کرنے کے لیے تحقیقاتی کمیٹی قائم کی اور جرنیلوں کو سوزوکی گاڑیوں پر بٹھانے کا اعلان کیا اور اپنے ساتھ ضیاءالحق کی رضامندی کے بغیر روسی فوجوں کے انخلاء کے متعلق 1988ء میں جنیوا معاہدے پر دستخط کر دیئے تو جیسے ہی محمد خان جونیجو واپس اسلام آباد ایئرپورٹ پر پہنچے تو صدر ضیاءالحق نے ان کو وزیراعظم کے عہدے سے معزول کر دیا اور قومی اسمبلی کے خاتمے کا اعلان کر کے نومبر 1988ء میں نئے الیکشنوں کے انعقاد کا اعلان کر دیا مگر بدقسمتی سے وہ 17 اگست 1988ء کو بہاولپور میں پاکستان کے اعلیٰ فوجی افسران کے ہمراہ فضائی حادثے میں ہلاک ہو گئے، ان کے ہمراہ اس وقت کے امریکا کے پاکستان میں سفیر رابن رافیل بھی موت کا شکار ہوئے جو ان کے ہمراہ بہاولپور سے فوجی ٹینکوں کی مشقیں دیکھ کر واپس آ رہے تھے جس طرح پاکستان میں وزیراعظم لیاقت علی خان اور ان کی موت کی تحقیقات کرنے والے میجر جنرل افتخار علی کی پراسرار ہلاکت جو فضائی حادثے کے نتیجے میں ہوئی اس کی وجوہات کا آج تک سراغ نہیں ملا تو کیسے جنرل ضیاءالحق اور ان کے ساتھیوں کی موت کی اصل حقیقت معلوم ہو جاتی، ظاہر ہے جنرل ضیاءالحق نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو امریکا کی مرضی کے برخلاف آگے بڑھایا تھا تو پھر کیسے سی آئی اے اُن کو معاف کر دیتی۔

10 اپریل 1986 کو بے نظیر بھٹو اپنی جلاوطنی کو ختم کر کے لاہور پہنچیں تو تقریباً 10 لاکھ افراد نے ان کا فقید المثال استقبال کیا، چونکہ سوویت یونین کی فوجوں کی افغانستان سے واپسی کے معاہدے کے بعد امریکہ کے لیے ضیاءالحق کی کوئی ضرورت نہ رہی تھی، چنانچہ امریکہ پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے لیے بے نظیر بھٹو کی حمایت کرنے لگا کیونکہ امریکہ یہ سمجھتا تھا کہ بے نظیر بھٹو ان کے کہنے پر ایٹمی پروگرام کو ضرور منجمد کر دے گی اور پاکستان Nuclear non-proliferation treaty (NPT) پر دستخط کر دے گا، پاکستان میں امریکہ کے کردار پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ افغانستان میں اپنے مفادات کے حصول کے لیے اس نے ضیاء کی آمریت کی بنیادیں مضبوط کیں مگر ضیاءالحق کی پالیسیوں کی وجہ سے پاکستانی سیاست کا چہرہ مکمل طور پر تبدیل ہو گیا امریکہ نے مجاہدین کی سوویت یونین کے خلاف اور افغانستان کے اندر مذہبی طبقات کو انقلاب پسند بنانے کے لیے اربوں ڈالرز کی امداد بھیجی اور اس کے علاوہ خلیج فارس کی ریاستوں اور وہاں کی مذہبی تنظیموں نے بھی اربوں ڈالرز افغان مجاہدین تک پہنچائے۔

Scanned with CamScanner

ضیاءالحق نے افغانستان میں امریکی مفادات کی جنگ میں پاکستان کوفرنٹ لائن سٹیٹ کے طور پر استعمال کیا، پاکستانی کی آئی ایس آئی نے اس جنگ میں بہت اہم کردار ادا کیا جس کی گوریلا جنگی حکمت عملی کی وجہ سے افغانستان میں نو سال طویل جنگ نے سوویت یونین کو فوجی، سیاسی اور معاشی طور پر توڑ کر رکھ دیا تھا، اور اس کے ایک متحدہ ریاست کے طور پر قائم رہنے کی اہلیت ختم ہوگئی اور سوویت یونین انفرادی ریاستوں میں تقسیم ہوگیا اور اس نے وسطی اور مشرقی یورپ میں اپنی سیاسی اور فوجی موجودگی ختم کردی، مغرب اور سوویت یونین کے درمیان سرد جنگ ختم ہوگئی اور پاکستان کی مدد سے امریکہ اور مغرب یہ جنگ جیت چکا تھا، تاہم افغانستان میں جنگ کے خاتمے کے بعد پاکستان کی ملٹری اسٹیبلشمنٹ نے پاکستان کی دفاعی، خارجہ اور نیوکلیئر پالیسی کو مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں کرلیا، چنانچہ 1988ء کے الیکشنوں میں آئی ایس آئی کی آشیر باد سے اسلامی جمہوری اتحاد قائم کیا گیا جس میں مسلم لیگ کے علاوہ تمام دائیں بازو کی مذہبی جماعتوں کو شامل کیا گیا تاکہ پی پی پی مخالف ووٹوں کو منقسم ہونے سے بچایا جائے اور اس مقصد کے لیے آئی ایس آئی نے نامور سیاستدانوں کو الیکشن لڑنے کے لیے مالی امداد بھی فراہم کی، جیسا کہ اصغر خان کیس میں سپریم کورٹ میں اس کا اعتراف جنرل درانی اُس وقت کے ملٹری انٹیلی جنس کے چیف نے کیا، بلکہ اس سے پہلے وہ آئی جے آئی کی تشکیل میں آئی ایس آئی کے کردار کے متعلق بے نظیر بھٹو کو ان کے دوسرے دورِ حکومت میں ایک خط کے ذریعے بھی آگاہ کر چکے تھے۔ اس کے علاوہ جنرل حمید گل نے بھی آئی جے آئی بنانے میں اپنے کردار کو قومی مفاد میں تسلیم کیا، 1988ء کے الیکشن میں بے نظیر بھٹو نے قومی اسمبلی میں سادہ اکثریت حاصل کرلی اور غلام اسحٰق خان سے حلف لے کر 2 دسمبر 1988ء کو انہیں پاکستان کی پہلی خاتون وزیر اعظم بننے کا اعزاز حاصل ہوگیا۔

تاہم پنجاب میں صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں نواز شریف حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح مرکز میں پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں ان کے حریف میاں نواز شریف وزیر اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوگئے، تاہم ناتجربہ کاری کی وجہ سے بے نظیر بھٹو کا عرصہ اقتدار دو سال تک محیط رہا، اس دوران مئی 1990ء میں ایم کیو ایم کے خلاف ان کی حکومت کے کئے گئے پکا قلعہ آپریشن میں سیکڑوں لوگ ہلاک ہوگئے، اُس وقت کی اسٹیبلشمنٹ بے نظیر بھٹو کو سیکورٹی رسک سمجھتی تھی اور انہیں حساس سکیورٹی معاملات پر مکمل بریفنگ نہیں دی جاتی تھی، اس کے علاوہ ان کے پہلے دورِ حکومت میں ان کے شوہر نامدار نے حکومتی معاملات میں عمل دخل شروع کر کے مال بنانا شروع کردیا، انہیں اس وقت کی اپوزیشن نے ''مسٹر ٹن پرسنٹ'' کا خطاب دیا، اس دور میں پاکستان میں درآمدات کے معائنے کے لیے پری شپمنٹ انسپکشن کا ٹھیکہ ایس جی ایس کوٹیکنا کمپنی کو دیا گیا جس میں مبینہ طور پر آصف علی زرداری کو لاکھوں ڈالرز کی کک بیکس سے نوازا گیا، وزیر اعظم ہاؤس میں آصف علی زرداری نے اپنے قیمتی گھوڑوں کا اصطبل قائم کر رکھا تھا، جنہیں مہنگے مربے اور اعلیٰ درجے کی خوراک کھلائی جاتی تھی، مجھے یاد ہے کہ ان دنوں بے نظیر بھٹو کی ایک دوست رعنا شیخ پاکستان ٹیلی وژن کی ایم ڈی تھیں، انہوں نے پی ٹی وی کے لیے 30 ایئر کنڈیشنرز خریدے اور یہ ایئر کنڈیشنرز ایوان وزیر اعظم کے گھوڑوں کے اصطبل میں لگا دیے گئے، انہی دنوں بے نظیر بھٹو نے بھاری مالیت کا ڈیزل افغانستان ایکسپورٹ کرنے کا لائسنس مولانا فضل الرحمن کو دیا جس کی وجہ سے وہ راتوں رات ارب پتی بن گئے اس وجہ سے آج بھی ان کے مخالفین انہیں ''مولانا ڈیزل'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے والد مولانا مفتی محمود مسجد کے حجرے میں رہتے تھے، مجھے ان سے ملنے کا شرف حاصل ہے مگر اس کے برعکس آج مولانا فضل الرحمن اور ان کے اہل خانہ کا لائف سٹائل بڑا شاہانہ ہے۔ انہی دنوں برطانیہ سے آئے ہوئے ایک تاجر کے پاؤں کے ساتھ بم باندھ کر پونے دو کروڑ پاونڈز لوٹنے کی کہانی میڈیا میں گردش کرنے لگی مگر چونکہ پاکستانی نژاد برطانوی تاجر مصطفٰے کو لوٹنے والا شخص غلام رسول انڑ آصف علی زرداری کا قریبی دوست تھا۔ لہٰذا بی بی کے دور میں اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوئی اور بیچارہ تاجر لٹ لٹا کر اپنی جان بچا کر برطانیہ واپس چلا گیا، چنانچہ بے نظیر بھٹو کی پہلی حکومت کو آصف علی زرداری کی مبینہ کرپشن اور جیالوں کو

Scanned with CamScanner

نوکریاں دینے اور حساس دفاعی معاملات پر فوج سے ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے اُس وقت کے صدر غلام اسحٰق خان نے آٹھویں ترمیم کے اختیار کے تحت 16 اگست 1990ء کو قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دیں، بہانہ یہ تھا کہ حکومت کراچی میں امن و امان کی بحالی میں ناکام ہو چکی ہے حالانکہ یہ سول ملٹری اسٹیبلشمنٹ کی محلاتی سازشوں کا ایک حصہ تھا جس کے تحت پیپلز پارٹی کی حکومت کا ہر حال میں خاتمہ کرنا تھا تاکہ وفاق میں اسٹیبلشمنٹ اپنی مرضی کی حکومت قائم کر کے اُس ایجنڈے کو آگے بڑھائے جو سول اور فوجی بیوروکریسی نے ترتیب دے رکھا تھا۔ 24 اکتوبر 1990ء کے عام انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد (آئی جے آئی) 106 نشستیں حاصل کر کے قومی اسمبلی میں اکثریتی جماعت بن کر سامنے آیا اور ان کے کولیشن پارٹنرز ایم کیو ایم اور اے این پی کو ملا کر حکومتی اتحاد کو 155 سیٹیں ملیں جبکہ پیپلز پارٹی نے انتخابات میں 45 سیٹیں حاصل کیں۔

نئی قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس تین نومبر 1990ء کو منعقد ہوا، سابق صدر ایوب خان کے صاحبزادے گوہر ایوب قومی اسمبلی کے سپیکر منتخب ہوئے اور 11 نومبر کو نواز شریف وزیر اعظم پاکستان کے منصب پر فائز ہو گئے۔ اگرچہ نواز شریف ضیاء الحق کی سوچ و فکر کے علمبردار تھے اور ان کو آرمی کی حمایت حاصل تھی مگر حکومتی معاملات چلانے کے معاملے میں ان کے اُس وقت کے صدر اسحٰق خان کے ساتھ اختلافات شدت اختیار کر گئے جو بڑھتے بڑھتے ضد اور ذاتی انا میں بدل گئے چنانچہ بوڑھے اور جہاں دیدہ بیوروکریٹ نے تمام جمہوری روایات کو ایک بار پھر بالائے طاق رکھا اور 18 اپریل 1993ء کو اسمبلیاں توڑ کر جمہوریت کا ایک دفعہ پھر گلا گھونٹ دیا۔ نواز شریف نے صدر کے اس اقدام کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا، سپریم کورٹ نے صدر کے اس اقدام کو غیر آئینی قرار دے کر 26 مئی 1993ء کو اسمبلیاں بحال کر دیں مگر ایوان صدر کی غلام گردشوں میں غلام محمد کی روح منڈلا رہی تھی، وزیر اعظم اور صدر اسحٰق خان کے درمیان کشیدگی سے امور مملکت متاثر ہونا شروع ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسرا دور صحافت 1991ء تا 2000

ملک کے معاشرتی حالات روز بروز پستی کی طرف جا رہے تھے، چنانچہ ان حالات میں فوج نے مداخلت کی اور چیف آف آرمی سٹاف عبدالوحید کاکڑ کے فارمولے کے تحت صدر، وزیر اعظم دونوں ہی کو اقتدار چھوڑنا پڑ گیا۔ 18 جولائی 1993ء کو وزیر اعظم کی ایڈوائس پر صدر نے اسمبلیاں برخاست کر دیں، پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ ایسا ہوا کہ مارشل لاء کے نفاذ کے بغیر ہی صدر، وزیر اعظم، صوبائی گورنرز اور وزرائے اعلیٰ اپنے عہدوں سے سبکدوش ہو گئے۔ تاہم سبکدوش ہونے سے پہلے وزیر اعظم نواز شریف نے موٹروے کے لاہور سے راولپنڈی (M 1) سیکشن کا افتتاح کرنے کا سنہری موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں آصف علی زرداری کرپشن کے الزامات کے تحت جیل میں تھے مگر جب غلام اسحٰق خان نے نواز شریف کی حکومت کو برطرف کیا تو انہیں جیل سے رہا کر کے نگران حکومت میں وزیر ماحولیات مقرر کر دیا گیا حالانکہ نواز شریف کے دور اقتدار میں احتساب بیورو نے ان کے خلاف کرپشن کے جو کیسز قائم کئے تھے ان کی وجہ سے وہ جیل میں تھے، اُس وقت احتساب بیورو کے سربراہ سیف الرحمن تھے، جنہوں نے حسن وسیم افضل جو کہ ایک بیوروکریٹ تھے ان کے ذریعے آصف علی زرداری اور بے نظیر بھٹو کے غیر ممالک میں آف شور کمپنیوں کے ذریعے قائم بنک اکاؤنٹس، لندن اور سپین میں ان کی پرتعیش جائیدادوں کا سراغ لگایا۔ ان دنوں آصف علی زرداری کے لندن میں سرے محل کی ملکیت کے بارے میں میڈیا میں بڑی رپورٹس شائع ہوئیں۔ پہلے آصف علی زرداری نے اس کی ملکیت سے انکار کر دیا مگر بعد میں ان کے وکلاء نے لندن کی عدالت میں اس کی ملکیت کا اعتراف کر لیا، آج بھی سوئٹزر

Scanned with CamScanner

لینڈ کے بنکوں میں جو 60 ملین ڈالرز پڑے ہیں اس دور کے کوٹیکنا ڈیل کے کک بیکس ہیں اور سیاسی وجوہات اور عدالتی مجبوریوں کی وجہ سے آصف علی زرداری برملا اس کی ملکیت کا اعتراف نہیں کر رہے ہیں مگر یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں پڑے ہوئے 60 ملین ڈالرز آصف علی زرداری اور بے نظیر بھٹو کی مشترکہ ملکیت ہیں، آصف علی زرداری بڑی حیران کن شخصیت کے مالک ہیں، نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں جب وہ قید تھے تو وہ کمر درد کی وجہ سے وہیل چیئر پر بیٹھ کر عدالت آتے اور ان کے سر پر سندھی ٹوپی اور ہاتھ میں لاٹھی ہوتی، ایک دفعہ انسداد دہشت گردی کی عدالت میں ان کی پیشی تھی، میں ان کے پاس کھڑا تھا، جب ان کی حاضری کے لیے عدالت سے آواز بلند ہوئی۔ وہ یک دم جست کے ساتھ تیزی سے وہیل چیئر سے اٹھ کر عدالت کی طرف چل پڑے تو میں ششدر رہ گیا کہ یاالٰہی یہ کیا ماجرا ہے کس طرح ایک بیمار شخص جس کو کمر درد کی شدید تکلیف ہو اتنی تیزی اور پھرتی سے حرکت کر سکتا ہے یا تو یہ آصف علی زرداری کی مضبوط ترین قوت ارادی کی وجہ سے تھا یا پھر وہ عوام کی ہمدردیاں سمیٹنے کی خاطر بیماری کا ڈھونگ رچائے ہوئے تھے، بہر حال بڑے لوگ اقتدار کی خاطر سو قسم کا ڈھونگ رچانے میں ماہر ہوتے ہیں۔ 6 اکتوبر 1993 کو عام انتخابات کے نتیجے میں پیپلز پارٹی کو اکثریت حاصل ہو گئی، قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس پندرہ اکتوبر کو ہوا، یوسف رضا گیلانی سپیکر منتخب ہوئے، محترمہ بے نظیر بھٹو نے 19 اکتوبر کو دوبارہ وزیر اعظم کے عہدے کا حلف اٹھا لیا، آصف علی زرداری دوبارہ بے تاج بادشاہ بن کر ایوان وزیر اعظم میں ڈی فیکٹو وزیر اعظم کے عہدے پر براجمان ہو گئے اور حکومتی معاملات کو اپنی مرضی سے چلانے لگے، ان کی سیاسی سوجھ بوجھ کی بدولت فاروق لغاری ملک کے نئے صدر بنے حالانکہ صدارت کے لیے غلام اسحٰق خان اور نوابزادہ نصر اللہ بابائے جمہوریت دونوں امیدوار تھے، بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور حکومت کے دوران آصف علی زرداری کو کراچی ایئر پورٹ سے مرتضیٰ بھٹو کے ساتھیوں نے اغوا کیا اور ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا گیا اور کہا جاتا ہے کہ مرتضیٰ بھٹو کے ساتھیوں نے ان کی مونچھوں کا صفایا کر دیا اس پر یہ بلوچ سخت سیخ پا ہو گیا مگر صبر کے گھونٹ پینے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا، بہر حال ایسے واقعات سینہ گزٹ ہوتے ہیں، ان کا مصدقہ ثبوت پیش کرنا مشکل ہو جاتا ہے تاہم جب مرتضیٰ بھٹو اور ان کے ساتھیوں کو کراچی میں قتل کر دیا گیا تو وزیر اعظم ہاؤس میں تعزیت کے لیے جانے والوں نے آصف علی زرداری کو پہلی دفعہ مونچھوں کے بغیر دیکھا اور ان کی میڈیا میں بھی یہ تصاویر شائع ہوئی تھیں، اور بعد میں انہیں مرتضیٰ بھٹو کے قتل کیس میں ملوث کیا گیا مگر عدم ثبوت کی بنا پر انہیں بے گناہ قرار دیا گیا، تاہم جب مرتضیٰ بھٹو کراچی میں شدید زخمی ہو کر ہسپتال داخل تھے تو بے نظیر بھٹو کو کراچی لے جانے میں تاخیر کی گئی اور جب مرتضیٰ بھٹو کی وفات کی خبر آ گئی تب بے نظیر بھٹو کو کراچی لے جایا گیا مگر بجائے اس کے کہ وہ مرتضیٰ بھٹو کی رہائش گاہ 70 کلفٹن جاتیں انہیں زرداری ہاؤس پہنچایا گیا، آج پیپلز پارٹی بھٹو خاندان کے وارثوں کے بغیر ہے، اگر اس پارٹی کو دوبارہ سیاسی طور پر زندہ رکھنا ہے تو یہ کام صرف اور صرف مرتضیٰ بھٹو کی بیٹی فاطمہ بھٹو سر انجام دے سکتی ہیں کیونکہ وہ بڑی قابل، پڑھی لکھی پختہ شخصیت رکھنے والی خاتون ہیں، بھٹو خاندان کی اصلی وارث ہونے کی وجہ سے وہ بے نظیر بھٹو سے صلاحیتوں اور خوبیوں کے معاملے میں کافی مماثلت رکھتی ہیں۔

ادھر مرتضےٰ بھٹو کی شہادت کا زخم بے نظیر بھٹو اور نصرت بھٹو سہہ رہی تھیں تو چند روز بعد ہی صدر فاروق لغاری نے پانچ اکتوبر 1996ء میں کرپشن اور بد انتظامی کے الزامات کے تحت بے نظیر بھٹو کی حکومت کو 58-2B کی آئینی شق کو لگاتے ہوئے ختم کر دیا۔ آصف علی زرداری اس وقت لاہور گورنر ہاؤس میں موجود تھے۔ انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا، اگرچہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے صدر مملکت کے اس اقدام کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا مگر سپریم کورٹ نے صدر کے حکم کو جائز اور قانونی قرار دے کر ان کی اپیل مسترد کر دی۔ جس پر بے نظیر بھٹو نے کہا کہ سندھ کے وزیر اعظم کو کنگرو کورٹس سے کبھی انصاف نہیں ملتا ہے، چاہے وہ ذوالفقار علی بھٹو ہو، محمد خان جونیجو ہو یا بے نظیر بھٹو، تاہم پنجاب کے وزیر اعظم کو یہ عدالتیں ضرور انصاف دیتی ہیں جس پر سندھ میں پنجاب کے خلاف نفرت کے شدید جذبات پیدا ہو گئے اور اسی وجہ سے آج تک الیکشنوں میں پیپلز پارٹی

Scanned with CamScanner

اندرون سندھ میں سندھ کارڈ کے ذریعے انتخابات میں کامیاب ہوتی چلی آ رہی ہے، حالانکہ بھٹو سے لے کر آصف علی زرداری کے دور حکومت تک سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے عام عوام کی فلاح وبہبود کے لیے کوئی خاص ترقیاتی کام نہیں کئے ہیں، آج بھی سندھ کے شہر اور دیہات پسماندگی کی عبرت ناک تصویر نظر آتے ہیں، لاڑکانہ جیسا شہر جہاں سے ہمیشہ بھٹو خاندان جیتتا چلا آ رہا ہے، وہاں کے رہنے والے عوام بھی زندگی کی جدید سہولتوں سے محروم ہیں جبکہ اس کے برعکس لاہور جو نواز شریف اور شہباز شریف کا آبائی شہر ہے ان کے عہد میں وہاں بے تحاشا ترقیاتی منصوبے پایہ تکمیل کو پہنچے ہیں اسی لیے سندھ کے دانشور اور صحافی کہتے ہیں کہ کاش سندھ کو بھی کوئی شہباز شریف مل جائے، بہرحال سندھی عوام یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ نے بھٹو خاندان کے ساتھ ظلم کیا، لہٰذا وہ ووٹ بھٹو اور بے نظیر کی قبر کو ہی دیتے ہیں، چاہے کچھ بھی ہو انہی علاقائی تعصبات کی وجہ سے پاکستان قومی یکجہتی اور ہم آہنگی سے آج تک محروم دکھائی دے رہا ہے۔ ایک غریب اور پسماندہ ملک میں مفاد پرست حکمرانوں اور اسٹیبلشمنٹ کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے قوم پر انتخابات کے لیے ایک مرتبہ پھر بھاری اخراجات کا بوجھ ڈال دیا گیا، تین فروری 1997 کو منعقد ہونے والے انتخابات کے بعد پاکستان کی گیارہویں قومی اسمبلی وجود میں آئی اس اسمبلی میں نواز شریف دو تہائی اکثریت کے ساتھ قائد ایوان بن گئے، اسمبلی کا پہلا اجلاس پندرہ فروری کو ہوا۔ الٰہی بخش سومرو سپیکر منتخب ہو گئے، میاں نواز شریف نے 17 فروری 1997 کو دوسری بار وزیر اعظم کے عہدے کا حلف اٹھالیا، اپنی اکثریت کی بنیاد پر اور دوسری جماعتوں کے تعاون سے نواز شریف نے 58(2)b کو تیرہویں ترمیم کے ذریعے آئین سے نکال دیا جس کی وجہ سے فاروق لغاری صدر کے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ مگر اس کے باوجود کہ نواز شریف نے پرویز مشرف کو سینئر جرنیلوں پر ترجیح دے کر چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے پر نامزد کیا، مگر کارگل کے مسئلے پر نواز شریف کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کے ساتھ اختلافات کا آغاز ہو گیا، اس سے پہلے چونکہ نواز شریف نیشنل سیکورٹی کونسل کی تجویز پر اس وقت کے آرمی چیف جنرل جہانگیر کرامت سے استعفیٰ لے چکے تھے اور خاصے پر اعتماد تھے مگر شنید ہے کہ جنرل جہانگیر کرامت کے استعفیٰ کے بعد آرمی اسٹیبلشمنٹ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر وزیر اعظم نے آرمی چیف کو ہٹانے کی کوشش کی تو ان کو عہدے سے بزور طاقت ہٹا دیا جائے گا۔ نواز شریف نے جنرل علی قلی خان کو سینئر ترین جرنیل ہونے کے باوجود کیوں آرمی چیف کے عہدے پر نامزد نہیں کیا اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ گوہر ایوب کے قریبی رشتہ دار تھے دوسرا انہوں نے جہانگیر کرامت کو نواز شریف کے فیصلے کے خلاف ڈٹ جانے کا مشورہ دیا۔ نواز شریف کو کارگل کے حالات خراب ہونے پر یک دم امریکہ کا دورہ کرنا پڑا اور صدر کلنٹن کو جنگ بند کرانے کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرنے کی درخواست کی، چنانچہ امریکہ سے واپسی پر نواز شریف کارگل کے واقعات پر تحقیقاتی کمیشن بٹھانا چاہتے تھے جس پر ان کے پرویز مشرف کے ساتھ اختلافات شروع ہو گئے۔ مجھے یاد ہے کہ 23 دسمبر 1998ء کو اس وقت کے سعودی عرب کے سفیر نے اپنے ملک کے قومی دن کے موقع پر میریٹ ہوٹل کے کرسٹل بال روم میں استقبالیہ کا اہتمام کیا ہوا تھا، انہی دنوں شہباز شریف کے دورہ امریکہ کے بعد امریکہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے ایک بیان جاری کیا کہ پاکستان آرمی آئین سے ماورا اقدام کرنے سے اجتناب کرے۔ اس بیان کے تناظر میں ہر باخبر پاکستانی اور سیاسی تجزیہ کار محسوس کر رہا تھا کہ حکومت اور فوج کے درمیان حالات ٹھیک نہیں ہیں اور کشیدگی انتہا پر ہے۔ مشرف اور اس کے ساتھیوں کی یہ کوشش تھی کہ نواز شریف کوئی غلطی کرے اور وہ اس کو جواز بناتے ہوئے حکومت کا تختہ الٹ دیں اور بقول جنرل شاہد عزیز انہی دنوں مختلف کور ز کو اس قسم کے خط لکھے گئے کہ اگر حکومت چیف آف آرمی سٹاف کو برطرف کرنے کی کوشش کرے گی تو یہ فیصلہ تسلیم نہیں کیا جائے گا، اس تقریب میں راجہ ظفر الحق، شہباز شریف، قاضی حسین احمد، سعودی سفیر کے ساتھ تناول ماحضر میں مصروف تھے کہ اچانک اس تقریب میں جنرل پرویز مشرف بھی آ گئے حالانکہ عموماً آرمی چیف سفارتخانوں کی تقاریب میں نہیں جاتے ہیں، میں نے تھوڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنرل پرویز مشرف سے پوچھا

Scanned with CamScanner

کہ کیا وہ میڈیا سے گفتگو کرنا پسند کریں گے یا ہم واپس چلے جائیں پرویز مشرف کہنے لگے" خالد میں بات کروں گا تم اپنے ساتھیوں کو لابی میں لے چلو" میں اور دوسرے اخبار نویس ہوٹل کی لابی میں آگئے کچھ دیر بعد جنرل پرویز مشرف وہاں آگئے میں نے پوچھا کہ آج کل وزیر اعظم اور آرمی چیف کے درمیان میڈیا میں بیانات کا تبادلہ ہو رہا ہے اور اس پر پوری قوم مضطرب ہے اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے، اس پر جنرل پرویز مشرف نے جواب دیا، وزیر اعظم میرے باس ہیں میں ان کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کرسکتا ہوں وہ ملک کے چیف ایگزیکٹو ہیں وہ جو حکم دیں گے میں اس پر عمل پیرا ہوں گا۔ اختلافات کی خبریں سب اخبارات کا کیا دھرا ہے جب یہ خبر وزیر اعظم نواز شریف نے رات 9 بجے کے خبرنامے میں سنی تو رات ساڑھے 10 بجے نواز شریف کا مجھے فون آیا کہنے لگے" حنیف خالد، آپ نے بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا ہے، آپ جیسے محب وطن صحافی اور اخبار نویس ہی اس ملک اور قوم کی ضرورت ہیں کیونکہ عموی طور پر اخبار نویس جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں مگر آپ نے آرمی چیف سے مثبت انداز میں گفتگو کر کے حب الوطنی کا عظیم مظاہرہ کیا ہے، اسی تقریب میں، میں نے شہباز شریف سے امریکہ کے بیان پر تبصرہ کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں امریکہ کے اس بیان پر کہ فوج آئین سے ماورا اقدام کرنے سے اجتناب کرے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا ہوں، تاہم 12 اکتوبر 1999ء کو جب پرویز مشرف سری لنکا سے سرکاری دورے کے بعد وطن واپس لوٹ رہے تھے تو وہ جہاز ہی میں تھے کہ نواز شریف نے اپنے جائز اور قانونی اختیار کے تحت پرویز مشرف کو نہایت بھونڈے طریقے سے برطرف کر دیا، مگر چونکہ پرویز مشرف نے سری لنکا جانے سے پہلے ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشن جنرل شاہد عزیز کو حکومت کے کسی انتہائی اقدام پر قبضہ کرنے کا مکمل اختیار دے دیا تھا، چنانچہ انہوں نے جنرل محمود، جنرل عزیز اور جنرل عثمانی کے تعاون سے نواز شریف کی پرویز مشرف کو عہدے سے ہٹانے کی کوشش کو ناکام بنا دیا، نواز شریف نے اُس وقت کے ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی ضیاء الدین بٹ کو چیف آف آرمی سٹاف مقرر کرنے کا اعلان کیا اور ان کی حلف وفاداری کی تقریب وزیر اعظم ہاؤس میں جاری ہی تھی کہ فوج کے ٹرپل ون بریگیڈ نے وزیر اعظم ہاؤس کا محاصرہ کر لیا، چنانچہ پرویز مشرف نے ملک میں موجود نہ ہونے کے باوجود اپنے دیگر ساتھیوں کی مدد سے ان کو ہٹانے کے اقدام کو نہ صرف ناکام بنا دیا بلکہ مارشل لاء نافذ کئے بغیر اقتدار پر قبضہ کر کے ملک کے چیف ایگزیکٹو بن گئے، جنرل محمود نے نواز شریف کو وزیر اعظم کے عہدے سے استعفیٰ دینے اور اسمبلیاں توڑنے کی سمری پر دستخط کرنے کے لیے کہا مگر نواز شریف نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انکار کر دیا اور کہا کہ It is over my dead body. کہا جاتا ہے کہ جنرل محمود اور اس کے ساتھیوں نے اس موقع پر نواز شریف کو ڈرایا دھمکایا اور بدتمیزی کی مگر نواز شریف ثابت قدم رہے، چنانچہ نواز شریف کو گرفتار کر کے مری میں سرکاری ریسٹ ہاؤس کے ایک چھوٹے سے سرونٹ کوارٹر میں بند کر دیا گیا، وہاں وہ تو مہینے تک قید تنہائی میں رہے اور اس دوران انہوں نے سورج کی روشنی تک نہ دیکھی اور سخت سردی میں ان کے پاس اوڑھنے کے لیے ایک معمولی کمبل ہوتا تھا، جنرل پرویز مشرف نے 14 اکتوبر 1999ء کو عبوری آئینی حکم پی سی او نافذ کیا جس کے تحت قومی وصوبائی اسمبلیاں تحلیل کر دی گئیں۔ سینٹ ختم کر دی گئی، چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین بھی فارغ کر دیے گئے، 1973ء کا آئین معطل کر دیا گیا اور ملک میں ہنگامی حالات کا نفاذ کر دیا گیا، نواز شریف اور ان کے ساتھیوں پر جہاز کی ہائی جیکنگ کا مقدمہ قائم کر دیا گیا یہ دنیا کی انوکھی ہائی جیکنگ تھی جہاں زمین پر موجود لوگ جہاز کو اغوا کر لیتے ہیں، پرویز مشرف کے طیارہ ہائی جیکنگ میں نواز شریف اور اس کے ساتھیوں کو عمر قید کی سزا سنا دی گئی اور ساتھ ہی ساتھ ان کی ماڈل ٹاؤن میں موجود جائیداد کو ضبط کر لیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

چوتھا دورِ صحافت 2001 تا 2018ء

پرویز مشرف نے نواز شریف کو اقتدار سے معزول کر کے جس طرح ان کی تذلیل کی، نو ماہ تک قید تنہائی میں رکھا گیا، جہاز میں ان کو ہتھکڑیاں لگا کر اسلام آباد سے کراچی لایا گیا، میں سوچ رہا تھا کہ کیا ایک منتخب وزیر اعظم جس نے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے جواب میں 6 ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنایا، جو فوج کی عزت بچانے کے لیے کارگل کی جنگ بند کرانے کے لیے راتوں رات واشنگٹن پہنچ جاتا ہے اور امریکہ میں قومی تہوار ہونے کی وجہ سے چھٹی کا دن ہوتا ہے مگر پھر بھی امریکی صدر بل کلنٹن نواز شریف کو ملاقات کا شرف بخشتے ہیں، اور مشرف اور اس کے ساتھیوں کے کارگل میں مس ایڈونچر کے نتیجے میں بھارتی فضائیہ کارگل کی چوٹیوں پر وحشیانہ بمباری کے نتیجے میں فوجی چوکیوں کو دھڑا دھڑ گرنے، نہتے، اور خوراک کے بغیر لڑنے والے بہادر فوجیوں کو مزید شہادتوں سے بچانے کے لیے نواز شریف نے بڑی مشکل سے امریکی صدر کو راضی کیا اور صدر کلنٹن نے بھارتی وزیر اعظم کو فون کر کے جنگ بندی پر راضی کیا، ایٹمی دھماکوں اور کارگل کی جنگ میں فوج کی عزت بچانے والے جمہوری وزیر اعظم کے ساتھ مشرف اور اس کے حواریوں کی بدسلوکی انتہائی دل دکھا دینے والا منظر پیش کرتی تھی، میرے کانوں میں آج بھی نواز شریف کے یہ الفاظ گونج رہے تھے کہ آپ نے آرمی چیف سے سوال پوچھ کر جو گفتگو کی ہے اس سے پاکستان میں جمہوریت مستحکم ہوگی اور قوم اطمینان کا سانس لے گی، مگر مجھے کیا پتہ تھا کہ صرف 19 روز بعد ہی جنرل پرویز مشرف اور ان کے رفقاء جمہوریت کی بساط لپیٹ دیں گے، ٹھیک ہے نواز شریف کو پرویز مشرف کو ملک سے باہر ہونے پر معزول نہیں کرنا چاہیے تھا اور جب دوسری لنکا سے واپس آتے تو انہیں بھی جنرل جہانگیر کرامت کی طرح وزیر اعظم ہاؤس طلب کرتے اور مستعفی ہونے کے لیے کہتے، یہ وزیر اعظم پاکستان کا آئینی حق ہے کہ وہ جب چاہے آرمی چیف کو اس کے عہدے سے معزول کر دے، میرے ساتھ گفتگو میں جنرل پرویز مشرف جو یہ کہہ رہے تھے کہ وزیر اعظم میرے باس ہیں تو میں ان کی حکم عدولی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تو پرویز مشرف کو چاہیے تھا کہ وہ اپنے باس کے آئینی حکم پر عمل کرتے مگر ایسا تو ان ممالک میں ہوتا ہے جہاں جمہوریت بہت زیادہ مستحکم ہوتی ہے، امریکہ، ہندوستان اور برطانیہ میں ملک کے سربراہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنا کسی بھی فوجی سربراہ کی جرأت نہیں ہوتی ہے، مگر پاکستان میں چونکہ فوج کے سربراہ کے پاس طاقت اور اختیارات کا سب سے بڑا منبع ہوتا ہے لہٰذا وہ جب چاہے کسی بھی سول حکمران کو اقتدار سے علیحدہ کر دے، کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے، سکندر مرزا نے ایوب خان کو وزیر دفاع اور کمانڈر انچیف بنایا تو ایوب خان نے اس کو اقتدار سے رخصت کر دیا اور ملک میں مارشل لاء لگا کر اس پر قابض ہو گیا، اسکے بعد بھٹو نے بہت سارے سینیئر جرنیلوں پر ضیاء الحق کو ترجیح دے کر اس کو آرمی چیف بنایا، اس نے نہ صرف بھٹو کو اقتدار سے محروم کر دیا بلکہ اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچایا، اسی طرح نواز شریف نے پرویز مشرف کو جنرل علی قلی خان اور جنرل حامد نواز اور دوسرے کئی جرنیلوں پر ترجیح دے کر آرمی چیف بنایا مگر اُس نے بھی انکا تختہ الٹ دیا مگر بظاہر حالات ایسے پیدا کیے گئے کہ نواز شریف نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے Pre-empt کیا اور ان کی یہی غلطی آرمی کے ٹیک اوور کا غیر آئینی جواز بن گیا حالانکہ نواز شریف جب صبح شام یہ سنتے کہ آرمی کی ہائی کمان نے ان کو اقتدار سے محروم کرنے کا پکا تہیہ کر لیا ہے اور وہ مناسب موقع کی تلاش میں ہے، حتیٰ کہ فوجی کورز کو خط بھی لکھے جا رہے ہیں، نواز شریف مایوسی کے عالم میں اچانک شجاع آباد میں جلسہ سے خطاب کے بعد فوراً واپس اسلام آباد پہنچے اور پرویز مشرف کی جگہ ضیاء الدین بٹ کو آرمی چیف مقرر کرنے کا اعلان کر دیا حالانکہ اس سے پہلے نواز شریف جنرل پرویز مشرف کو جوائنٹ چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے پر براجمان کر چکے تھے، مگر کیسے کوئی آرمی چیف اپنے محسن وزیر اعظم کا وفادار ٹھہر سکتا ہے، جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی انگلی کے ایک اشارے سے 5 لاکھ

Scanned with CamScanner

فوج حرکت میں آسکتی ہے تو طاقت اور اقتدار کے نشے میں کون سا آئین اور کون سا قانون، اسی لیے تو حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ جس شخص پر احسان کرو اس کے شر سے پناہ مانگو، طاقت اور اقتدار کے کھیل میں کیسے کوئی کسی کا وفادار ہوسکتا ہے، پاکستان میں صرف آرمی چیف اپنی مرضی سے غیر جمہوری طریقے سے اقتدار پر قابض نہیں ہوتا بلکہ ہمارے سیاستدانوں، غیر منتخب عناصر اور سول بیوروکریسی آرمی چیف کو مجبور کرتی ہے کہ حالات بہتر بنانے کے لیے سول حکومت کو چلتا کریں اور اخباروں میں اسی طرح کی اپیلیں شائع ہونے لگتی ہیں کہ ''مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے'' چنانچہ بعض اوقات فوجی سربراہ اس حقیقت پر یقین کر لیتا ہے کہ شاید خدا کی مرضی ومنشا اسی میں ہے کہ وہ پاکستان کا نجات دہندہ بن جائے، مگر جب فوجی حکمران حکومت پر قابض ہوتے ہیں تو بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں، گڈ گورننس اور کرپشن کو ختم کرنے کا ایجنڈا پیش کرتے ہیں مگر سوائے صدر ایوب کے دور اقتدار کے ضیاء الحق اور پرویز مشرف اپنے ذاتی اقتدار کو طول دینے کے لیے ملکی حالات میں کوئی خاص بہتری نہ لاسکے، نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک پاکستان کے غریب عوام کے حالات نہ تو کسی فوجی حکمران کے دور میں بہتر ہوئے ہیں اور نہ ہی کسی سول حکومت نے عام لوگوں کی حالت زار بہتر بنانے میں کوئی اہم کردار ادا کیا ہے، آج 8 کروڑ سے زیادہ عوام غربت کے کم از کم معیار سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں مہنگائی، بدامنی، دہشت گردی، لوڈشیڈنگ، پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں بے تحاشا اضافے سے غریبوں کی حالت روز بروز ابتر ہوتی چلی جارہی ہے میں سوچتا ہوں کیا میرے آباؤ اجداد نے اس لیے ہندوستان سے ہجرت کی تھی، کیا انہوں نے لاکھوں جانوں کی قربانیاں اس لیے دی تھیں کہ چند لوگ پاکستان کے سارے وسائل پر قابض ہو جائیں اور ملک کی اکثریت کا استحصال کریں اور غریب آدمی کے لیے نہ تو کوئی عدل وانصاف ہو اور نہ ہی سماجی اور معاشی مساوات تو کیا قائداعظم اور علامہ اقبال نے ایسے پاکستان کی تشکیل کے لیے جدوجہد آزادی کی تھی؟ نہیں پاکستان کو ایک فلاحی ریاست بنانے کا جذبہ اس کے پیچھے کارفرما تھا، ایسا آزاد ملک جہاں مسلمان مکمل مذہبی آزادی کے ساتھ اُخوت اور بھائی چارہ کی فضا میں مکمل امن وسکون سے رہیں مگر ہماری یہ بدقسمتی ہوئی کہ قائداعظم قیام پاکستان کے 13 ماہ بعد انتقال کر گئے، 13 ماہ کی یہ مدت یوں بھی مسائل کے ہجوم اور ہمالیائی مشکلات کا مقابلہ کرنے میں گزر گئی اور قائداعظم کی سنگین علالت کی وجہ سے ان کے لیے ریاستی خطوط کا تعین کرنا ممکن نہ ہوسکا ان کے بعد آنے والے حکمرانوں کی نہ تو عدل اجتماعی سے قلبی دلچسپی تھی اور نہ ان کے مفادات ان خطوط پر کام کرنے کی اجازت دیتے تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ اگرچہ پاکستان کی معیشت نے اچھی خاصی رفتار سے ترقی کی لیکن معاشی ترقی کے ثمرات آج تک آبادی کے بڑے حصے تک نہ پہنچ سکے اور سارے عرصے میں بار بار حکومتیں ٹوٹتی اور بدلتی رہیں اور شاید ہی کسی حکومت کو کام کرنے کا موقع ملا ہو، اقتدار کی میوزیکل چیئر فوجی اور سول حکمرانوں کے درمیان گھومتی رہی ہے۔

چنانچہ پرویز مشرف نے جب نواز شریف کو اقتدار سے ہٹایا اور خود چیف ایگزیکٹو بن گئے تو انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ملک میں عدل وانصاف، گڈ گورننس، جمہوری کلچر، صوبائی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ ملک میں کرپشن اور بدعنوانی کا مکمل خاتمہ کریں گے، عوام نے تو ان کی باتوں پر یقین کر لیا مگر صد حیف انہوں نے بھی اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے انہی بدعنوان سیاستدانوں کو اپنے ساتھ حکومت میں شامل کیا جن کے خلاف نیب نے کرپشن کے مقدمات قائم کئے تھے۔

پی سی او کے تحت حلف نہ اٹھانے والے ججوں کو گھر بھیج دیا گیا جن میں پاکستان کے اُس وقت کے چیف جسٹس سعید الزمان صدیقی بھی شامل تھے، صدر رفیق تارڑ کو ان کے عہدے پر برقرار رکھا گیا اور جنرل پرویز مشرف پاکستان کو پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی سمجھ کر اس کے چیف ایگزیکٹو بن گئے، قومی اسمبلی کے سپیکر الٰہی بخش سومرو اور ایک رکن قومی اسمبلی سید ظفر علی شاہ نے جنرل پرویز مشرف کے اس اقدام کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا مگر بدقسمتی سے سپریم کورٹ نے 12 مئی 2000 کو دیئے گئے فیصلے میں پرویز مشرف کے اقدامات کی توثیق کرتے ہوئے انہیں

Scanned with CamScanner

تین سال کی مدت کے لیے حکمرانی کا آئینی جواز فراہم کر دیا، موجودہ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری بھی اسی بنچ کا حصہ تھے، اور پاکستان کی عدلیہ نے ایک بار پھر جسٹس منیر کا مولوی تمیز الدین کیس میں نظریہ ضرورت کا اطلاق، عاصمہ جیلانی کیس، نصرت بھٹو کیس کے بعد ظفر علی شاہ کے کیس میں بھی کر دیا، سپریم کورٹ نے پرویز مشرف کو تین سال کی مدت عطا کی تاکہ وہ اس عرصے کے دوران اپنے ایجنڈے پر عمل پیرا ہوں اور انتخابات کرا کے اقتدار نئی حکومت کے سپرد کر دیں، سپریم کورٹ نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، جنرل پرویز مشرف کو آئین میں ترمیم کی کھلی اجازت بھی دے دی۔ میں نے اس مقدمے کی مکمل کارروائی کو سپریم کورٹ سے جنگ کے لیے رپورٹ کیا۔ 20 جون 2001ء کو جنرل پرویز مشرف نے رفیق تارڑ کی جگہ صدر کا عہدہ سنبھال لیا، سپریم کورٹ کی دی ہوئی مدت پوری ہونے پر جنرل پرویز مشرف نے 24 اگست 2002 کو لیگل فریم ورک آرڈر جاری کیا، جس کے مطابق ملک میں عام انتخابات کے لیے 10 اکتوبر 2002ء کی تاریخ مقرر کی گئی، اس حکم نامے کے تحت قومی اسمبلی کی 272 نشستیں رکھی گئیں جب کہ خواتین کی ساٹھ نشستیں تھیں انتخابات کے نتائج کے مطابق مسلم لیگ (ق) پیپلز پارٹی اور متحدہ مجلس عمل بڑی سیاسی جماعتیں بن کر سامنے آئیں مگر کسی جماعت کو واضح اکثریت حاصل نہ تھی، 16 اکتوبر کو قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، 19 نومبر کو چوہدری امیر حسین اسپیکر منتخب ہوئے، 21 نومبر 2002 کو میر ظفر اللہ جمالی نے وزیر اعظم کے عہدے کا حلف اٹھا لیا اور وہ 26 جون 2004 تک اس عہدے پر فائز رہے پھر ان سے استعفیٰ لے لیا گیا اور مسلم لیگ (ق) کے سربراہ چوہدری شجاعت حسین نگران وزیر اعظم بنے اسکے بعد 28 اگست 2002 کو یہ عہدہ شوکت عزیز نے سنبھال لیا، جو میر ظفر اللہ جمالی کی کابینہ میں وزیر خزانہ تھے، اور وہ پرویز مشرف کی قائم کردہ اسمبلیوں کی آئینی مدت پوری ہونے یعنی 15 نومبر 2007 تک وزیر اعظم رہے اور پرویز مشرف قومی یونیفارم میں اس ملک کے آرمی چیف آف سٹاف کے ساتھ ساتھ صدر پاکستان کے عہدے پر براجمان رہے، ایسا صرف اس لیے ہوا کہ 9/11 کے بعد پرویز مشرف امریکی اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ رچرڈ آرمیٹج کی ایک فون کال پر ڈھیر ہو گئے۔ رچرڈ آرمیٹج نے صدر مشرف کو چھ مطالبات پیش کیے اور پوچھا کہ آپ ہمارا ساتھ دیں گے یا پتھر کے دور میں واپس جانا چاہیں گے، ظاہر ہے کہ پاکستان کے پاس کوئی چوائس نہ تھا، ہم نے دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ میں امریکا کا کھل کر ساتھ دیا، انہیں جیکب آباد اور شمسی ایئر بیس لاجسٹک کے لیے فراہم کیے گئے اور نیٹو کو افغانستان اشیاء کی ترسیل کے لیے زمینی راستے فراہم کیے، دہشت گردی کے خلاف کولیشن سپورٹ فنڈ میں حکومت اور فوج کو دس سالوں میں 18 سے 20 بلین ڈالرز کی سول اور فوجی امداد ملی مگر دہشت گردی کی وجہ سے پاکستان کا معاشی، سماجی اور سیاسی فیبرک مکمل طور پر توڑ پھوڑ کا شکار ہو گیا، ہماری معیشت کو 100 ارب ڈالرز سے زیادہ کا نقصان پہنچا خودکش دھماکوں اور دہشت گردوں کے حملوں کی وجہ سے 40 ہزار سے زائد سویلین اور سکیورٹی فورسز کے جوان اور افسران کو شہادت ملی مگر بدقسمتی سے ہم ابھی تک نیشنل سکیورٹی پالیسی تشکیل نہیں دے سکے ہیں، بے نظیر بھٹو جیسی شخصیت کو بھی راولپنڈی لیاقت باغ میں ایک جلسے سے واپسی پر بم دھماکوں کے ذریعے شہید کر دیا گیا، اور آج بھی دہشت گرد اس قدر طاقتور ہیں کہ وہ نہ صرف فوجی تنصیبات پر خودکش حملے کرتے ہیں بلکہ وہ بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان کی جیلوں پر حملہ کر کے اپنے ساتھیوں کو رہا کروا لیتے ہیں۔ جب تک دہشت گردی کا طاغوت پاکستان کی جان نہیں چھوڑے گا، ہمارے ہاں معاشی خوشحالی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا، پرویز مشرف کے دور اقتدار میں چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو ان کے منصب سے ہٹانے کی کوشش پرویز مشرف کو بڑی مہنگی پڑی، انہوں نے مشرف اور اس کے ساتھیوں کے تمام تر دباؤ کے باوجود سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا، چنانچہ ان کو زبردستی معزول کر دیا گیا، مگر وکلاء، سول سوسائٹی اور صحافیوں نے ان کی بحالی کے لیے زبردست تحریک برپا کر دی، اسی دوران 8 1 فروری 2008ء کو نئے الیکشن منعقد ہوئے، بے نظیر بھٹو کی شہادت کی وجہ سے پیپلز پارٹی کو ہمدردی کے ووٹ ملے، 19 مارچ 2008 کو نئی قومی

Scanned with CamScanner

اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا ڈاکٹر فہمیدہ مرزا قومی اسمبلی کی پہلی خاتون سپیکر مقرر ہوئیں، یوسف رضا گیلانی وزیر اعظم بن گئے، نواز شریف اور آصف علی زرداری کے باہمی سیاسی گٹھ جوڑ کیوجہ سے جنرل پرویز مشرف کو 18 اگست 2008 میں صدر پاکستان کا عہدہ چھوڑنا پڑ گیا، اسکے بعد آصف علی زرداری بھاری اکثریت سے پاکستان کے صدر بن گئے، ایوان میں موجود دیگر سیاسی جماعتوں کے تعاون سے حکومت اپنی آئینی مدت پوری کرنے میں کامیاب ہوگئی، مگر اس دوران پاکستان میں معاشی بدحالی، کرپشن، بدانتظامی اور حکومت کی لوٹ مار کی وہ کہانیاں منظر عام پر آئیں جسکی نظیر پاکستان کی ماضی کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے، جتنے قرضے پاکستان کی ماضی کی تمام حکومتوں نے لیے ان سب سے زیادہ مقدار میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے قرضے حاصل کئے اور آج ملکی اور غیر ملکی قرضوں کا حجم بڑھ کر 16 ہزار 3 سو پینتالیس ارب روپے تک جا پہنچا اور موجودہ حکومت کو آئی ایم ایف سے، پیپلز پارٹی کی حکومت کا قرضہ چکانے کے لیے 6.6 بلین ڈالرز کے مزید قرضے لینے پڑے ہیں، حج کرپشن، رینٹل پاور کرپشن، نیشنل انشورنس کارپوریشن اور ای او بی آئی کے اداروں میں اربوں روپے کی کرپشن کے سکینڈلز سامنے آرہے ہیں۔ تاہم پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں متعدد سیاسی اتار چڑھاؤ دیکھنے میں آئے، سوئس حکام کو خط نہ لکھنے اور عدالتی احکامات کی خلاف ورزی پر یوسف رضا گیلانی 26 اپریل 2012ء سے وزیر اعظم کے عہدے کے لیے نا اہل قرار پائے، ان کی جگہ راجہ پرویز اشرف نے وزیر اعظم پاکستان کا عہدہ سنبھال لیا۔ یوسف رضا گیلانی کا دور حکومت بحیثیت وزیر اعظم پاکستان میں سب سے طویل دور تھا مگر اس دوران انہوں نے اپنے جیل کے نا اہل ساتھیوں کو بہت نوازا، ان کے خاندان پر بھی کرپشن کے بے تحاشا الزامات لگے، ایفیڈرین کیس میں ان کے صاحبزادے کا کردار نمایاں نظر آیا، انہوں نے سرکاری محکموں میں بہت سارے ایسے افراد کی اعلیٰ عہدوں پر تعیناتیاں کیں جن کے پاس جعلی ڈگریاں تھیں یا وہ تعلیمی لحاظ سے اس اہم پوسٹ کے اہل نہ تھے، عدنان خواجہ جس کی تعلیم میٹرک تھی اُسے او جی ڈی سی کا چیف ایگزیکٹو مقرر کیا گیا، راجہ عاطف کیانی جو محض بی اے تھے۔ انہیں ڈائریکٹر جنرل فیڈرل ڈائریکٹر آف ایجوکیشن مقرر کردیا، توقیر صادق کو اوگرا کا چیئرمین مقرر کیا گیا، 11 مئی 2013ء کے الیکشن کے بعد وزیر اعظم کا عہدہ ایک بار پھر میاں نواز شریف کو مل گیا ہے اور یہ مکافات عمل ہی تو ہے کہ وہ فوجی آمر جس نے نواز شریف کو جیل میں رکھا اور دس سال کے لیے سعودی عرب جلاوطنی پر مجبور کیا، وہ آج اپنے ہی فارم ہاؤس میں قید ہے اور اُسے مختلف مقدمات کا سامنا ہے، اس پر آرٹیکل 6 کے تحت غداری کا مقدمہ چل رہا ہے مگر وہ آج کل دل کی بیماری کا بہانہ کر کے راولپنڈی کے آرمڈ فورسز انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی میں دبک کر بیٹھ جاتا ہے، آج کل کراچی میں اپنی بیٹی کے ہاں مقیم ہے اور اس کی سیاسی اور سماجی سرگرمیاں محض ٹی وی چینلز تک محدود ہو چکی ہیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ انسانوں کے درمیان دن اور رات گردش میں لاتا ہے، دس سال پیشتر نواز شریف کو پرویز مشرف نے معزول کیا، اٹک قلعے میں قید کردیا ، طاقت اور اقتدار کے غرور میں مشرف اس قدر اندھا ہو چکا تھا کہ وہ ہر وقت یہ کہتا رہتا تھا کہ وہ کسی سے ڈرتا ورتا نہیں ہے، نواز شریف اور بے نظیر کو اس ملک میں قطعاً نہیں آنے دے گا، اکبر بگٹی کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ اُس کو کس طرف سے نشانہ بنا دیا جائے گا مگر آج ماضی کا طاقتور ڈکٹیٹر حالات کے جبر کی وجہ سے تنہائی، خوف اور بے بسی کے سایوں میں جی رہا ہے اور اُس کے جبر و ستم کا شکار میاں نواز شریف آج اس ملک کا وزیر اعظم ہے، جمہوری حکومت بحال تو ہو چکی ہے مگر معاشی بحرانوں، دہشت گردی، فرقہ واریت اور لسانی جھگڑوں کی وجہ سے روزانہ ہزاروں بے گناہ، مجبور اور بے کس افراد اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو رہے ہیں، غریب لوگ بھوک، ننگ، افلاس کی وجہ سے خودکشیاں کر رہے ہیں جبکہ پاکستان کے وسائل پر قابض مافیا اپنے دولت کے انباروں میں بے تحاشا اضافہ کر رہی ہے، اس ملک کو لوٹ کھسوٹ کرنے والے جرنیلوں، بیوروکریسی، سیاستدانوں، جاگیرداروں، صنعتکاروں اور تاجروں کے 97 بلین ڈالرز سوئس بنکوں میں پڑے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا پاکستان میں جمہوریت صحیح معنوں میں برگ و بار لائے گی اور کیا پاکستان کی نئی نسل حقیقی جمہوریت، معاشی خوشحالی، عدل و انصاف اور امن و امان کی زندگی بسر

Scanned with CamScanner

کرنے کے قابل ہوگی۔ اللہ کرے ایسا ہی ہومگر گزشتہ 66 سالوں سے پاکستانی عوام نے حسین زندگی کے جو خواب اپنی آنکھوں میں سجائے تھے وہ آج ہنوز شرمندہ تعبیر نہیں ہوئے ہیں بقول فیض احمد فیض۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہو گا شب سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینۂ غم و دل
جواں لہو کی پر اسرار شاہراہوں سے
چلے جو یار تو دامن پہ کتنے ہاتھ پڑے
دیار حسن کی بے صبر خواب گاہوں سے
پکارتی رہیں باہیں بدن بلاتے رہے
بہت عزیز تھی لیکن رخ سحر کی لگن
بہت قریں تھا حسینانِ نور کا دامن
سبک سبک تھی تمنا دبی دبی تھی تھکن
سنا ہے ہو بھی چکا ہے فراق ظلمت و نور
سنا ہے ہو بھی چکا ہے وصال منزل و گام
بدل چکا ہے بہت اہل درد کا دستور
نشاط وصل حلال و عذاب ہجر حرام
جگر کی آگ نظر کی اُمنگ دل کی جلن
کسی پہ چارۂ ہجراں کا کچھ اثر ہی نہیں
کہاں سے آئی نگارِ صبا کدھر کو گئی
ابھی چراغ سرِ رہ کو کچھ خبر ہی نہیں
ابھی گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی
نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

پاکستانی عوام کو منزل تبھی مل سکے گی اگر ہمارے حکمران اپنے ذاتی مفادات بالائے طاق رکھتے ہوئے اس ملک کے مظلوم اور غربت کی انتہاء گہرائیوں میں گھرے ہوئے 7 کروڑ عوام کا سوچیں جو روزانہ بمشکل سوا ڈالر کماتے ہیں۔ وہ کیسے زندہ رہتے ہیں۔ اس کا ادراک ان

Scanned with CamScanner

امراء کو قطعاً نہیں ہو سکتا ہے جن کے پالتو جانور بھی امپورٹڈ بسکٹس کھاتے ہیں۔ ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں رہتے ہیں۔ وہ کیسے جان سکتے ہیں کہ محض 2 ڈالرز روزانہ کمانے والے 12 کروڑ عوام زندگی کی ڈور کو کس طرح سانسوں سے باندھے ہوئے ہیں۔ کاش ہمارے حکمرانوں کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ پاکستان کے حصول کا مقصد اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں لانا تھا ورنہ ہمارے آباؤ اجداد کو تیس لاکھ جانوں کی قربانی دے کر آگ اور خون کے بھنور عبور کر کے پاکستان ہجرت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر ان کی نسلوں نے انگریز اور ہندو کی معاشی غلامی سے آزاد ہو کر جاگیردار، سرمایہ داروں، سول اور ملٹری بیوروکریسی سٹاک ایکسچینج، لینڈ اور ڈرگ مافیا کا باہمی نیٹ ورک اس ملک کے وسائل کو گدھوں کی طرح نوچ رہے ہیں۔ بقول اسحٰق ڈار پاکستان کے عوام کا استحصال کرنے والے ان لٹیروں کے دو سو ارب ڈالرز سوئٹزرلینڈ سمیت غیر ملکی بینکوں میں جمع ہیں۔ اگر پاکستان سے محبت رکھنے والا کوئی بھی ایسا لیڈر اللہ ہمیں عطا کر دے جو قائداعظم کی طرح پاکستان کے عوام سے بے لوث محبت رکھتا ہو حکمت و بصیرت اور خدا خوفی کی دولت سے آشنا ہو۔ اس کا معاشی اور سیاسی وژن ملائشیا کے ڈاکٹر مہاتیر، چین کے لیڈر ڈینگ زیاؤ پنگ، وینزویلا کے ہوگو شاویز اور جنوبی افریقہ کے عظیم معمار نیلسن منڈیلا جیسا ہو تو تب ہی ممکن ہے کہ اس ملک میں 75 فیصد نوجوانوں کی اقتصادی قوت اور ملکی ذرائع کے بھرپور استعمال سے اس ملک میں ایسا معاشی اور سماجی انقلاب برپا ہو جائے جس کا مقصد فلاحی ریاست قائم کرنا ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ پاک چین اکنامک کوریڈور کی تکمیل اور چین کے تعاون سے توانائی کے بحران اور دیگر معاشی مسائل پر قابو پایا جائے۔ کرپشن اور دہشت گردی کے عفریت کا خاتمہ کیا جائے اور پاکستان کی معاشی ترقی کی ایسی سمت کا تعین کیا جائے جس میں قومی یکجہتی کے ذریعے پاکستانی قوم دنیا میں ایک باعزت اور ذاتی آلائشوں سے پاک قیادت زندگی کے ہر شعبے میں مل جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب حنیف خالد

اعزاز : ستارۂ امتیاز

شعبہ : صحافت/ادب

جناب حنیف خالد ایک مشہور و معروف صحافی ہیں اور صحافت کا 42 سالہ تجربہ رکھتے ہیں۔ آپ فی الوقت روزنامہ "جنگ" کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر، اور "دی نیوز" اور جیو ٹی وی نیٹ ورک کے نمائندہ خصوصی ہیں۔ آپ نے لندن میں 1975ء سے 1977ء تک روزنامہ "جنگ" کے نیوز ایڈیٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ آپ نے ملک کے بہترین مفاد میں سینکڑوں کالم تحریر کئے۔ آپ نے پاکستان اور دنیا کے 40 ممالک کے علاوہ پاکستان کے مختلف صدور اور وزیر اعظم کے ہمراہ کئی اہم دوروں کی رپورٹنگ نہایت پیشہ ورانہ انداز میں کی۔ امریکی محکمہ خارجہ کے بین الاقوامی مہمانوں کے پروگراموں میں شرکت کے دوران آپ کا مئی 2000ء میں امریکی سفیر برائے خیر سگالی کے طور پر تقرر کیا گیا۔ جناب حنیف خالد کو پاکستان کی تمام نیوز سوسائٹیوں نے بہترین رپورٹر قرار دیا ہے۔ آپ کو صدر پاکستان نے 2004ء میں تمغۂ امتیاز کے قومی اعزاز سے نوازا۔

صحافت کے شعبے میں آپ کی شاندار خدمات کے اعتراف میں صدر، اسلامی جمہوریہ پاکستان نے جناب حنیف خالد کو "ستارۂ امتیاز" کا اعزاز عطا کیا ہے۔

مقام : اسلام آباد

تاریخ : 23/مارچ، 2012ء

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں بحیثیت صدرِ اسلامی جمہوریۂ پاکستان

جناب حنیف خالد

کو صحافت کے شعبہ میں امتیازی مرتبہ حاصل کرنے پر

ستارۂ اِمتیاز

کا اعزاز عطا کرتا ہوں۔

(آصف علی زرداری)
صدر

مقام: اسلام آباد

تاریخ: ۲۳ مارچ ۲۰۱۲ء

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

حصہ سوم

اہم مضامین ار رپورٹس/ کالم

Scanned with CamScanner

ڈان لیکس کا ڈراپ سین

جمہوریت کے استحکام کی طرف اہم قدم

وزیر اعظم ہاؤس اسلام آباد میں ایک اہم اجلاس 16 اکتوبر 2016 کے اواخر میں ہوا جس میں قومی سلامتی کے حساس معاملات پر بحث وتمحیص کے بعد ایک جامع لائحہ عمل مرتب کیا گیا اور پاک فوج کو بھی اس لائحہ عمل پر عملدرآمد کرنے کی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔ اجلاس میں مکمل ہم آہنگی اور اتفاق رائے کے ساتھ تمام فیصلے ہوئے اور شرکا خوشگوار ماحول میں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ اجلاس میں کوئی غیر سرکاری اہلکار موجود نہیں تھا لیکن کچھ روز بعد روزنامہ ڈان نے اپنے نامہ نگار سرل المیڈا کے حوالے سے ایک انتہائی شرانگیز خبر صفحہ اول پر چھاپی، جس سے ریاست کے اعلیٰ ترین سول وعسکری اداروں میں شدید تناؤ کا تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اندرون وبیرون ملک پاکستان کے حساس اداروں کے کردار کے بارے میں ہر قسم کی الزام تراشی کی گئی جس سے پاکستان کا بین الاقوامی تشخص مجروح ہوا تو دوسری طرف دشمنان وطن کو ایک ایسا مہلک ہتھیار مل گیا جس سے ریاست پاکستان کی بے انتہا قربانیوں کے باوجود اسے ایک روگ سٹیٹ (ROGUE STATE) اور روگ آرمی (ROGUE ARMY) جیسے طعنے سننے اور دیکھنے میں آئے۔ اندرونی طور پر نواز شریف وزیر اعظم پاکستان کی ذات اور خاندان کے حوالے سے چہ میگوئیاں اور افواہیں پھیلائی گئیں اور جمہوریت کا بستر گول کرنے کی تاریخوں کے ساتھ ساتھ گھنٹے اور منٹوں کی پیش گوئی بھی کر دی گئی۔ ملک میں ہیجانی کیفیت پیدا کی گئی، اس صورتحال میں وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات سینیٹر پرویز رشید نے اپنے عہدے سے علیحدگی اختیار کر لی۔ دوسری طرف کور کمانڈروں کی کانفرنس میں اس معاملے پر انتہائی تشویش کا اعلانیہ اظہار ہی نہ کیا گیا بلکہ کور کمانڈرز کانفرنس کے اعلامیے میں بھی شامل کیا گیا۔

اس بحران سے نمٹنے کے لئے حکومت نے فوری طور پر ایک ریٹائرڈ جج آف ہائیکورٹ مسٹر جسٹس عامر رضا خان کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی جس میں تمام سکیورٹی اداروں اور سینئر سول ملازمین کو شامل کیا گیا تاکہ وہ متنازع خبر کے ماخذ اور کرداروں کا تعین کر کے اپنی سفارشات پیش کر سکے۔ تقریباً چھ ماہ تک معاملے کی تفتیش ہوتی رہی تمام متعلقہ افراد کو شہادت کے لئے بلایا گیا جس کے بعد جسٹس عامر رضا کمیٹی نے متفقہ سفارشات وزارت داخلہ کو پیش کیں۔ وزارت داخلہ نے ان کا بغور جائزہ لینے کے بعد وزیر اعظم کو ان سفارشات کی منظوری دینے کا مشورہ دیا جو کہ من وعن منظور کر لیا گیا اور 29 اپریل 2017 کو باضابطہ ایک خط کے ذریعے وزارت داخلہ، کیبنٹ ڈویژن، اسٹیبلشمنٹ ڈویژن اور وزارت اطلاعات ونشریات کو ان سفارشات پر مکمل عملدرآمد کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

ابھی اس حکم کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ ایک دفعہ پھر میڈیا نے ایک طوفان برپا کر دیا لیکن اس دفعہ اس کا منبع آئی ایس پی آر کی ایک "ٹویٹ" (TWEET) بنا، جس میں وزیر اعظم کے فیصلے کو پاک فوج کی طرف سے مسترد کرنے کے ساتھ ساتھ کمیٹی کی سفارشات پر مکمل عملدرآمد کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ یہ صورتحال پہلے والے اس طوفان سے زیادہ گھمبیر تھی جس کے ماخذ اور کردار کے بارے میں کھوج لگائی جانا تھی لیکن چھ ماہ کی محنت اور دنیا کی بہترین خفیہ ایجنسیوں کی شراکت کے باوجود وہ خفیہ ہاتھ بے نقاب نہ کئے جا سکے جنہوں نے اپنی طرف سے ایک من گھڑت خبر کو حقیقت بنا کر پیش کیا۔

اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے سابقہ وزیر اطلاعات ونشریات سینیٹر پرویز رشید کو بھیجے گئے دو تین ایس ایم ایس (SMS) پیغامات کافی تھے جن میں سرل المیڈا (رپورٹر ڈان) نے اپنے نام سے منسوب خبر چھپنے کے بعد سینیٹر پرویز رشید سے معافی کی درخواست ان الفاظ میں کی تھی

Scanned with CamScanner

کہ ان کی طرف سے ذاتی طور پر منع کرنے کے باوجود خبر میں دو ایسی باتیں شامل کر کے شائع کی گئیں جو وہ نہیں چاہتے تھے کیونکہ سرل المیڈا کی ذاتی طور پر وزیر اطلاعات پرویز رشید سے دوبارہ مل کر وضاحت کرنے کی درخواست بھی وزیر نے یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ وہ (سرل) اس قابل نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ وہ کوئی سرکاری یا ذاتی حیثیت میں رابطہ بھی رکھیں۔

اس کے علاوہ اس متنازع بلکہ شرانگیز خبر کے دونوں کرداروں یعنی سرل المیڈا اور چیف ایڈیٹر ڈان نے جسٹس عامر رضا کمیٹی کے روبرو اپنی شائع شدہ خبر سے ماخذ (SOURCE) کو ظاہر کرنے سے استحقاق کا دعویٰ کر لیا جیسا کہ کسی ایک کالم میں اس بارے میں تفصیل شائع کی گئی ہے کہ ڈان کے چیف ایڈیٹر اور رپورٹر چودہ گھنٹے تک مبینہ طور پر کمیٹی کے ارکان کے روبرو سوالوں کا جواب دیتے رہے لیکن ان کی رہنمائی سے انکاری رہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ خبر کی اشاعت کے بعد سرل المیڈا ایک سینئر وفاقی وزیر کو ملنے کا وعدہ کر کے آخری وقت غائب ہو گئے بلکہ اسی روز ملک سے فرار ہونے کی کوشش کی مگر وزارت داخلہ کے بروقت احکامات کی وجہ سے وہ کراچی کے جناح انٹرنیشنل ائرپورٹ کے امیگریشن کاؤنٹر سے واپس کر دیئے گئے ورنہ پاکستان سے باہر چلے جانے کی صورت میں وہ غیر ملکی اخبارات میں آرٹیکل لکھ کر یا بیان دے کر نیا شوشہ یا ہنگامہ کھڑا کر دیتے۔

ان حالات میں 29 اپریل 2017 کو جب وزیراعظم نواز شریف نے جسٹس عامر رضا کمیٹی کی تمام سفارشات کی منظوری متعلقہ وزارتوں کو عمل درآمد کے لئے بھجوادی تو اس کے مندرجات کو بغیر پڑھے یا سوچے سمجھے ایک ٹویٹ سے جو ہنگامہ بے یقینی پیدا کیا اس سے پاکستان کا فائدہ تھا نہ ہی اس کے کسی محترم ادارے کا۔ یہ موقع اس وجہ سے بھی حساس تھا کہ چند دنوں کے بعد وزیراعظم نواز شریف اور چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ سمیت کچھ سینئر وزیر چین کے ایک اہم دورے پر روانہ ہونے والے تھے جس سے قومی، سیاسی قیادت کے تمام تر اختلافات کے باوجود اکٹھے چین جانا وہاں چین کے صدر سے ملاقات کر کے ملک کی ترقی و خوشحالی کیلئے ایسے معاہدوں پر دستخط کرنے کا پروگرام تھا جس سے سی پیک (CPEC) کے لئے پہلے سے طے شدہ پچپن ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کے علاوہ دریائے سندھ پر 50 ارب ڈالر کے منصوبوں کی تعمیر و تکمیل تجویز کی گئی۔ خاص طور پر دیامیر بھاشا ڈیم جس پر پندرہ ارب ڈالر لاگت آئے گی اور مغربی ممالک اور ان کے عالمی مالیاتی ادارے سرمایہ فراہم کرنے سے کم و بیش انکاری ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ دیائے سندھ سے پن بجلی کے پروجیکٹ بونجی، داسو وغیرہ سے 40 ہزار میگاواٹ بجلی قوم کو ملے گی جو ملکی خوشحالی کی بنیاد بنے گی۔

جس طرح ستمبر 2014 میں چینی صدر کا پاکستان کا دورہ ملتوی کرایا گیا اگر اس دفعہ بھی قومی عسکری و سیاسی قیادت کسی پھندے / جال میں الجھ جاتی تو پاکستان کے روشن مستقبل کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے قدم اس نعرے سے متاثر ہوتے کہ

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تازہ ترین واویلا بارہ مئی 2017 کی وجہ سے جب کہ سانحہ کراچی کو دس سال گزر چکے ہیں سے قوم کی توجہ ہٹانے کی کوشش تو ہے جب چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر جسٹس افتخار محمد چوہدری کی کراچی ایئرپورٹ آمد کے ساتھ عروس البلاد کراچی کو آگ لگا دی گئی اندھا دھند فائرنگ سے درجنوں بے گناہ افراد کو شہید کیا گیا وکلاء کو زندہ جلایا گیا۔ اسی شام باوردی صدر جنرل پرویز مشرف نے سیرا ملک کو سٹیج پر ساتھ کھڑا کر کے ڈی چوک اسلام آباد میں مسلم لیگ (ق) کے ملین مارچ کے نام پر جمع چند ہزار کے مجمع کے سامنے سفید شلوار قمیض کی آستینیں ٹھونک کر یہ شرمناک اعلان کیا کہ آپ نے آج کراچی میں میری طاقت دیکھ لی ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں دو خاص باتیں ایسی ہیں جن سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا اولاً پاکستان کو اپنی اور بیگانی جنگوں میں جب بھی گھسیٹا گیا سول ادارے مفلوج رکھے گئے اس

Scanned with CamScanner

دوران مصنوعی ترقی کیلئے بیرونی امداد آتی رہی ترقی کے دعوے ہوتے رہے لیکن ان میں کوئی بھی دیرپا ثابت نہ ہوا کہ پاکستان ترقی وخوشحالی کی شاہراہ پر مسلسل گامزن رہتا۔ اللہ اللہ کر کے 2008 کے بعد سول ادارے ایک جمہوری نظام کے تحت نئے سفر پر چل نکلے ہیں تمام تر انفرادی کمزوریوں اور ادارہ جاتی مسائل کے باوجود ترقی کا ایک ایسا سفر 2013 سے 2017 تک جاری رہا ہے جو تمام تر رکاوٹوں اور سازشوں کے دھیرے دھیرے سے قدم بقدم آگے بڑھ رہا ہے۔ اس سے پاکستان دشمن طاقتوں خواہ وہ ملک کے اندر ہوں یا باہر بہت زیادہ بے چینی کا سامنا ہے جس کا ایک ہلکا سا اظہار پاکستان دشمن طاقتوں نے 12 مئی 2017 کے روز ہی سینٹ کے ڈپٹی چیئرمین مولانا عبدالغفور حیدری کے قافلے پر مستونگ کے مقام پر حملہ کر کے اڑھائی درجن افراد کو شہید کر دیا۔ پاکستانی عوام کو ان خطرات سے ہر وقت آگاہ چوکس رہنے کے ساتھ ساتھ جاگتے بھی رہنا چاہئے اور حکومت کے ہر مثبت کام میں آگے بڑھ کر ہاتھ بھی بٹانا چاہئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

پانامہ کیس، سپریم کورٹ کا معنی خیز فیصلہ

پاکستانی عوام اور قارئین کی اکثریت مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اگر کوئی بدبخت اشارۃً بھی نبی اکرم ﷺ کے بارے ایسی بات کہہ یا کر دے جو ان کے ذاتی خیال میں گستاخی کے زمرے میں آتی ہو تو وہ اپنی جان و مال کی پروا نہ کرتے ہوئے بھی سنگین ترین قدم اٹھانے کو تیار ہو جاتے ہیں جیسا کہ اپریل 2017 میں خان عبدالولی خان یونیورسٹی مردان جیسے ایک اعلیٰ تعلیم کے ادارے میں مشال خان کے قتل کی صورت میں دیکھا گیا جو کہ دین مذہب کے نام پر ہوا لیکن عملی طور پر آنحضور ﷺ کی سنت کے بالکل الٹ کرنے پر بھی شرمندگی تو درکنار بے باکی کے ساتھ اس سنت کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ صلح حدیبیہ اس ضمن میں ایک روشن مثال ہے کہ کفار کے تمام تر اشتعال کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو ناراض ہونے کے باوجود اس بات کی اجازت نہ دی کہ معاہدے کی کسی صورت میں لفظی یا حقیقی خلاف ورزی کی جائے۔

مئی 2013 کے جنرل الیکشن کے بارے میں سیاسی جماعتوں کے مابین تحریری معاہدے میں فریقین نے اپنی اپنی شرائط منوائیں جن کے تحت الیکشن کے بدیہی طور پر دھاندلی زدہ ہونا ثابت ہونے پر حکومتیں اور اسمبلیاں تحلیل ہو جاتیں تو دوسری طرف اس کی شفافیت کی صورت میں جوڈیشل کمیشن کا فیصلہ تسلیم کرنے کا عہد کیا گیا لیکن دیکھا یہ گیا کہ اس کمیشن کی رپورٹ آنے کے باوجود کسی موقع پر یا کسی مرحلے پر دستخط شدہ معاہدے سے قطع نظر پرانے الزامات بار بار دہرائے جاتے رہے ہیں۔

اس پس منظر میں جب پانامہ پیپرز کا معاملہ سپریم کورٹ کے نوٹس میں گزشتہ سال 2016 میں لایا گیا تو پھر ہر دو فریقوں نے کھلم کھلا فیصلہ تسلیم کرنے کا بار بار میڈیا کے سامنے عہد کیا لیکن ابھی 20 اپریل 2017 کے فیصلے کی سیاہی خشک بھی نہ ہوئی تھی کہ سوشل میڈیا پر اسے نائن الیون کی مناسبت کے ساتھ 20 اپریل کو فور ٹوئنٹی (420) قرار دینا شروع کیا۔ بنچ کے سربراہ جسٹس آصف سعید خان کھوسہ سے منسوب کر کے ایک جعلی فیصلہ مشتہر (CIRCULATE) کیا بلکہ ایک ٹی وی ٹاک شو میں شریک ایک معزز ممبر قومی اسمبلی محمد علی نے تو مصالحہ لگا کر اس کو پڑھ کر سنا بھی دیا اور ایسا کرتے وقت وہ یہ بھول گئے کہ ان کے اپنے دعوے میں قومی اسمبلی میں وزیر اعظم نواز شریف کی تقریر کے کچھ مندرجات کے حوالے سے آئین کے آرٹیکل باسٹھ، تریسٹھ کا سوال اٹھا کر نااہلی کی استدعا کرتے رہے۔

پانامہ پیپرز کیس کے حوالے سے دنیا کے بہت سے ترقی پذیر ملکوں اور ایک آدھ ترقی یافتہ ملک کی کاروباری اور سیاسی شخصیت کی بے نامی جائیدادوں کے بارے انکشاف کے بعد ایک سیاسی ہنگامہ برپا ہو گیا، جس میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئیں۔ حقائق کا تجزیہ تو دور کی بات مطالعے کی زحمت کے بغیر فیصلہ کن "ارشادات" جاری ہو گئے ہر کس و ناکس کو مجرم قرار دیا گیا پاکستان بھی اس ان دیکھے طوفان سے نہ بچ سکا، کم و بیش چار پانچ سو افراد کے ساتھ ساتھ وزیر اعظم پاکستان کا نام تھا جو ایک ممبر قومی اسمبلی دانیال عزیز کی طرف سے بھیجے گئے سوالات کے جواب میں متعلقہ ادارے (پانامہ) نے تردید کر دی کہ غلطی سے وزیر اعظم نواز شریف کا نام آف شور کمپنیوں کے حوالے سے شامل ہوا۔

بہرحال معاملے کی سنگینی کے پیش نظر وزیر اعظم نے اپریل 2016 میں قوم سے خطاب کیا، قومی اسمبلی سے خطاب کیا اور سپریم کورٹ کو درخواست کی کہ وہ اس معاملے میں ایک عدالتی کمیشن تشکیل دے جس کی سربراہی جناب چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر جسٹس انور ظہیر جمالی کریں تا کہ معاملات واضح ہوں اور قوم کو الزامات کی اشتہاری اور میڈیا ٹیم کا اصل چہرہ دیکھنے کا موقع ملے۔ وزیر اعظم نواز شریف نے یہ بھی عہد کیا کہ وہ کمیشن کی سفارشات من و عن تسلیم کریں گے۔ چیف جسٹس آف پاکستان نے یہ کہہ کر وہ درخواست واپس کر دی کہ جس قانون کے تحت تحقیقات ہوں گی اس کے دانت نہیں (TOOTH LESS) ایسا کہتے ہوئے وہ غالباً اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے آرٹیکل 155 کی ذیلی شق

Scanned with CamScanner

نمبر تین کا مطالبہ کرنا بھول گئے جس میں آئین ساز اسمبلی نے صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کے معاملات میں تنازعات کے تصفیے کے لئے جس قانون کو ان ہی کی ثالثی کے لئے مقرر کیا ہے اس سے انحراف سے نہ صرف ان کے آئینی حلف کی پاسداری پر حرف آسکتا ہے بلکہ مستقبل کے پاکستان کی اقتصادی اور سیاسی یکجہتی پر نادیدہ قوتوں (INVISIBLE FORCES) کی طرف سے سنگین اعتراضات اٹھائے جاسکتے ہیں اس وجہ سے 1956 کے انکوائری ایکٹ کی پاکستان کے قوانین میں ایک امتیازی حیثیت ہے جو کہ آئین کے مساوی نہیں تو کم بھی نہیں۔

اس طرح ایک سیاسی جماعت کی طرف سے دی گئی درخواست بھی بے بنیاد اور فضول کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے مسترد کردی یہ سیاسی جماعت تحریک انصاف تھی لیکن دوبارہ اسی درخواست کو قابل سماعت قرار دے کر اپنی ریٹائرمنٹ تک چار دیگر جج صاحبان کے ساتھ قوم کو دن رات ایک موضوع بحث کے لیے مہیا کردیا جس میں کم و بیش 10 کروڑ روپے کی مالیت سے حاصل کی گئی جائیداد کو بنیاد بنا کر پوری قوم کو سولی پر چڑھا دیا اور چیف جسٹس انور ظہیر جمالی اپنی مدت میعاد پوری کر کے معاملے کو درمیان میں لٹکتا چھوڑ کر دسمبر 2016 میں گھر چلے گئے لیکن جاتے جاتے یہ کہہ گئے کہ مقدمہ نئے بنچ میں بھی جاری و ساری رہے گا۔

نئے چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر جسٹس میاں ثاقب نثار نے پانامہ کیس بنچ کی تشکیل 9 دسمبر 2016 کو ہی کر دی لیکن ایک بات بلاشک وشبہ کمیٹی چوک راولپنڈی والے عام آدمی کو بھی مضطرب کر گئی کہ سابق چیف جسٹس انور ظہیر جمالی کے دور میں جو حکمران جماعت کی قیادت اور ان کی تین نسلوں کے بارے میں میڈیا ٹرائیل ہوتا رہا وہ دوبارہ نئے سرے سے شروع کردیا گیا یہاں تک کہ قوم کے بچے بچے کو ایک طرف حقائق اور الزامات ازبر ہو گئے لیکن دوسری طرف مسلم لیگ (ن) کے کارکنوں میں اضطراب بڑھتا گیا کہ ان کا موقف سننے میں دس مہینے تاخیر کرا دی گئی یہ دانستہ تھی یا نادانستہ، یہ تو آنے والا وقت بتائے گا لیکن 20 اپریل 2017 کو جب پانچ ججوں کا ایک متفقہ فیصلہ آیا کہ اس معاملے میں مزید تحقیقات کی ضرورت ہے اور اس کے لئے ایک مشترکہ تحقیقاتی کمیٹی (جے آئی ٹی) بنانا ضروری ہے تو اس کے ساتھ ساتھ بنچ کے پانچوں جج صاحبان نے اپنی اپنی رائے علیحدہ علیحدہ اور تفصیلاً مرتب کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔

دو سینئر ترین ججوں آصف سعید کھوسہ اور مسٹر جسٹس گلزار احمد نے 20 کروڑ عوام کے ووٹوں سے منتخب وزیر اعظم اور ان کے بچوں کی طرف سے اپنے دفاع میں کافی دستاویزی شہادت پیش نہ کر سکنے پر نہ صرف فوری طور پر عہدے سے ہٹانے کے لئے چیف الیکشن کمشنر کو حکم جاری کرنا مناسب سمجھا بلکہ آئندہ کے انتخابات کے لئے بھی نااہل کر کے ملک میں ایک سیاسی خلا پیدا کرنے کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی، جس میں ان کے تین دیگر رفقاء جج صاحبان نے اس بنیاد پر اتفاق نہ کیا کہ نہ تو تحریک انصاف نے اپنے الزامات کے ثبوت دیئے ہیں اور نہ ہی وزیر اعظم اپنے بچوں کے اثاثوں کے بارے میں عدالت کو مکمل طور پر مطمئن کر سکے ہیں۔ تین جج صاحبان مسٹر جسٹس اعجاز افضل، مسٹر جسٹس شیخ عظمت سعید اور مسٹر جسٹس اعجاز الاحسن کی رائے میں سپریم کورٹ نیب کی عدالت نہیں، نہ ہی سیشن کورٹ ہے جو شہادتیں ریکارڈ کر کے مقدمات کا فیصلہ کرتی ہیں ان فاضل جج صاحبان کی رائے میں الزامات کی مزید تحقیقات کی ضرورت تھی اور الزامات بادی النظر میں ثابت ہونے کی صورت میں متعلقہ نیب کورٹ کے سامنے باقاعدہ مقدمہ چلوا کر ہی کسی نتیجے پر پہنچا جاسکتا تھا۔

اس فیصلے سے قانون کے شعبے اور پارلیمنٹ کے حاضر و سابق اراکین کو بھی کچھ حیرانگی ہوئی ہے کہ آئین کے آرٹیکل دس اے (10A) جس کو اٹھارویں ترمیم کے وقت پارلیمنٹ کے متفقہ ووٹ کے ساتھ آئین پاکستان میں شامل کیا گیا تھا اسکی صریحاً نفی کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کیونکہ یہ آرٹیکل ذوالفقار علی بھٹو اور میاں محمد نواز شریف کے خلاف ملٹری ادوار میں چلائے گئے مقدمات کے حوالے سے کچھ بنیادی تحفظات کو ختم کرنے کے لیے ایک بنیادی حق کے طور پر شامل کیا گیا تھا اور اسکے ساتھ فیئر ٹرائیل ایکٹ (FAIR TRIAL

Scanned with CamScanner

مجریہ 2011 (ACT-2011) بھی نافذ کیا گیا تھا تا کہ انصاف کا سرسری جھٹکا کرنے کا رواج ختم ہو لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ جو خدشات غیر آئینی حکومتوں کے عدالتوں سے منسلک تھے جیسا کہ مسٹر جسٹس مولوی مشتاق، مسٹر جسٹس انوار الحق، مسٹر جسٹس ارشاد حسن اور مسٹر جسٹس عبدالحمید ڈوگر کے عہد میں دیکھا گیا وہ ایک ایسی آئینی عدالت کے ایک بینچ کے اس معزز سربراہ اور ان کے سینئر ساتھی مسٹر جسٹس کھوسہ اور مسٹر جسٹس گلزار احمد سے سرزد ہو گیا حالانکہ گزشتہ کچھ عرصہ سے وہ قتل کے بے شمار کیسوں کے مجرموں کو چھوٹی چھوٹی تکنیکی کی بیشی کی بنا پر بری کرتے رہے۔

کچھ قانونی اور جمہوری ذہن کے لوگوں کی یہ بھی رائے ہے کہ جو کام عمران خان دھرنا ایک اور دھرنا دو یا دھاندلی کیس کے ذریعے نہ کر پائے وہ 20 اپریل 2017 کے عدالتی فیصلے نے کر ڈالا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ نیب کا موجودہ چیئرمین قمر زماں چوہدری ان مقدمات میں قانون کے مطابق کارروائی کے لئے تیار نہیں ہے۔ ایسی رائے دیتے وقت بینچ کے معزز جج صاحبان نے غالباً نیب کے تحریری بیان کو بغور پڑھنے کی کوشش بھی نہیں کی (کیونکہ اسکا فیصلے میں کوئی حوالہ نہیں) جس میں بینچ کو بتایا گیا تھا کہ حدیبیہ پیپر ملز کیس میں لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کے خلاف نیب نے اپیل اس بنا پر نہیں کی تھی کہ اس کے پراسیکیوٹر جنرل موجودہ جسٹس کے کے آغا آف سندھ ہائیکورٹ نے مدلل قانونی رائے دی تھی کہ اپیل دائر کرنا ریاست اور عوام کے وقت اور سرمائے کا ضیاع ہوگا لیکن نیب نے یہ بھی درخواست میں لکھا تھا کہ مزید فاضل بینچ مناسب سمجھے کہ اپیل دائر کرنا چاہیے تو نیب ان کے حکم کی مکمل تعمیل کرے گا۔

اس دستاویز کو نظر انداز کرنا ایک سنگین مذاق قرار دیا جا رہا ہے چونکہ اس سے پاکستان کے قانونی سیاسی جمہوری اور آئینی ڈھانچے کو مفلوج کرنے کی آبیاری کی جا سکتی ہے۔ پاکستان کے 21 کروڑ عوام کے تیسری بار منتخب وزیر اعظم کو جو کہ قومی اسمبلی کے قائد ایوان بھی ہیں ان کو بشمول ملٹری اور انٹر سروسز انٹیلی جنس کے نمائندگان کے روبرو اپنی تین نسلوں کے کاروباری معاملات کی وضاحت کے لیے پیش ہونے کا حکم دے سکتی ہے حالانکہ بطور وزیر اعظم آئین کے آرٹیکل 248 کے علاوہ انہیں کچھ ذاتی بنیادی حقوق بھی حاصل ہیں۔ جب تک وہ وزیر اعظم کے منصب پر موجود ہیں وہ اپنی کابینہ اور وزرائے مملکت سمیت صرف اور صرف پارلیمنٹ کے اپنے ضمیر کے اور عوام، خدائے بزرگ و برتر کے سامنے جوابدہ ہیں۔ بینچ نے 20 اپریل 2017 کو جو دروازہ کھولا ہے سیاسی طور پر منتشم اور امن و امان کے حوالے سے گزشتہ 17 سال سے دہشت زدگی کی شکار اندھیروں میں ڈوبی سسکتی معیشت جس کے دیوالیہ ہونے کی پیش بندی پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کے اتحادی کر کے جو ملک مسلم لیگ (ن) کی حکومت کو ورثے میں دے گئے تھے اس کی سنبھلتی سانسوں اور کم ہوتے ہوئے اندھیروں، کارخانوں کی چمنیوں اور گھروں کے چولہوں سے دوبارہ اٹھنے والے دھوئیں پر ایک بار پھر مہیب سائے پیدا کرنے کی کوئی بھی کوشش اجتماعی خودکشی کے برابر ہوگی جو کہ ایک عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت کو پسپا کرنے تک محدود نہیں رہے گی جس کی عالم اسلام کو پاکستان سے کیا امیدیں وابستہ ہیں اس کا ایک ہلکا سا اشارہ جنرل (ر) راحیل شریف کے اسلامی اتحاد کی افواج کی سربراہی میں قائم ہونے والے ادارے کی شکل میں سامنے آ رہا ہے۔ یہ وہ خواب تھا جو 1974 میں لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس میں دیکھنے والے قائدین کی یکے بعد دیگرے شہادتوں، معزولیوں، پھانسیوں، ملک بدریوں کے باوجود بالآخر شرمندہ تعبیر ہونا آج شروع ہو گیا ہے۔

برادر ملک چین نے جس طرح 2013 سے پاکستان کو ایک مشکل صورتحال سے باہر نکالنے میں دامے درمے سخنے مدد کی ہے اور 55 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری پاکستان میں کرنے کا تاریخ ساز بیڑہ اٹھایا ہے اس کے ثمرات آنے سے پہلے ایک دفعہ پھر پاکستان دشمن طاقتیں پوری طرح مستعد اور متحد ہو کر حملہ آور ہو چکی ہیں جس کی بھارتی نیوی کا حاضر سروس آفیسر کلبھوشن یادیو صرف ایک پرزہ ہے پاکستان میں اندرونی طور پر بھی ایسے لوگ، عناصر، ایجنٹ موجود ہیں جو دانستہ یا نادانستہ ذاتی فائدے سے قطع نظر پاکستان کو نقصان پہنچانے میں ہمہ تن ذہنی

Scanned with CamScanner

طور پر تیار رہتے ہیں عرصہ 38 سال سے ہماری سرزمین پر لاکھوں غیر ملکی بھی اس بارے میں ظاہری یا خفیہ طریقے سے دشمن کے مددگار رہے ہیں جس کے لئے کم از کم 65 ہزار پاکستانی جانیں اپنے خون کا نذرانہ دے چکی ہیں جو کہ تقریباً 120 ارب ڈالر کے مالی نقصانات کے علاوہ ہیں۔ اگر ہمارا کوئی ماہر محب وطن معیشت دان اس رقم کے استعمال کے فائدے کا حساب کتاب لگا سکے کہ اس بھاری رقم سے پاکستان کتنے سکول، ہسپتال، کارخانوں، راہداریوں وغیرہ وغیرہ سے محروم ہو چکا ہے اس بھاری عدم سرمایہ کاری سے ہمارے نوجوانوں کو روزگار نہ میسر آنے اور بیرون ملک جا کر دھکے کھانے سے جو نقصان ہوا اس کا غیر جانبدارانہ تجزیہ ضروری ہے تا کہ ملک کی 65 فیصد وہ آبادی جو نائین الیون کے بعد پیدا ہوئی اس کو اس نقصان کا احساس ہو سکے جو ہمارے ایک سابق کمانڈر جنرل (ر) پرویز مشرف نے ایک ریٹائرڈ امریکی فوجی جرنیل کولن پاؤل کی ایک ٹیلیفون کال پر پاکستان اور پاکستان کی قوم کو دہشت گردوں کے ہاتھوں گروی رکھنے کا فیصلہ کر کے کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

کوئی بھی منتخب وزیراعظم آئینی مدت پوری نہ کرسکا

سپریم کورٹ آف پاکستان کے پانامہ کیس کے 28 جولائی 2017 کو اعلان کیے گئے فیصلے کے نتیجے میں یہ نئی تاریخ رقم ہوئی ہے کہ 1947 سے لے کر 2017 تک کی قومی سیاست میں کسی بھی جمہوری طور پر قوم کے منتخب وزیراعظم کو پانچ سالہ آئینی میعاد پوری کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ 2008 سے 2013 کے دوران آصف علی زرداری نے پانچ سالہ جمہوری دور ضرور مکمل کیا، مگر وہ قوم کے منتخب وزیراعظم نہیں تھے ، وہ صدر پاکستان تھے ان کے پانچ سالہ دور میں بھی دو وزیراعظم رہے پہلے نمبر پر سید یوسف رضا گیلانی اور دوسرے نمبر پر راجہ پرویز اشرف وزیراعظم پاکستان بنے۔ سپریم کورٹ نے وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کو سوئس حکومت کو خط نہ لکھنے کے حکم کی تعمیل نہ کرنے پر توہین عدالت کی سزا سنائی اور اسی وقت سے یوسف رضا گیلانی کی وزارت عظمیٰ کا خاتمہ ہوا ان کے بعد راجہ پرویز اشرف کو قومی اسمبلی کا قائد ایوان چنا گیا۔

1947ء سے یحییٰ دور تک منتخب وزرائے اعظم آتے جاتے رہے ایک موقع ایسا بھی آیا کہ بھارتی وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ میں نے دور اقتدار میں اتنی تعداد میں دھوتیاں نہیں بدلیں جتنے پاکستان میں وزیراعظم بدلے جاتے رہے۔

پاکستان میں کسی منتخب جمہوری وزیراعظم کو میعاد وزارت عظمیٰ پوری کرنے کا موقع حاصل نہ ہو سکا، ملک کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کو سازش کے تحت لیاقت باغ راولپنڈی کے جلسہ عام میں افغانستان سے قاتل منگوا کر شہید کیا گیا۔ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین 17 اکتوبر 1951 میں وزیراعظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 17 اپریل 1953 کو گورنر جنرل غلام محمد نے انہیں اس عہدہ سے معزول کر دیا۔ 17 اپریل 1953 کو محمد علی بوگرہ وزیراعظم متحدہ پاکستان بنے، انہیں 12 اگست 1955 کو گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین نے برطرف کر دیا۔ چوہدری محمد علی بھی 12 اگست 1955 سے 12 ستمبر 1956 تک وزیراعظم رہے۔ وہ 1956 کے دستور کے خالقین میں سے تھے، اس وقت کے صدر کے ساتھ اختلافات کی بناء پر انہیں مستعفی ہونا پڑا۔ حسین شہید سہروردی 12 ستمبر 1956 سے 17 اکتوبر 1957 تک وزیراعظم پاکستان رہے، اس وقت کے صدر سکندر مرزا کے ساتھ اختلافات پر وہ وزارت عظمیٰ سے معزول کر دیئے گئے۔ سکندر مرزا نے سہروردی کے استعفے کے بعد ابراہیم اسماعیل چندریگر کو 17 اکتوبر 1957 کو وزیراعظم مقرر کیا مگر صرف دو ماہ بعد ہی آئی آئی چندریگر 16 دسمبر 1957 کو مستعفی ہو گئے۔ انکی جگہ فیروز خان نون 16 دسمبر 1957 سے 7 اکتوبر 1958 تک وزیراعظم رہے۔ 1958 میں مارشل لاء نافذ کر کے انہیں برطرف کر دیا گیا۔ 24 اکتوبر 1958 سے 28 اکتوبر 1958 تک ایوب خان وزیراعظم رہے جس کے بعد وہ پاکستان کے صدر بن گئے، اس عہدے پر وہ 1958 سے 1969 تک فائز رہے۔ اس دوران صدارتی نظام رہا۔ 1962 میں نئے آئین میں وزیراعظم کا عہدہ ہی ختم کر دیا گیا، تاہم یہ آئین 1969 میں معطل کر دیا گیا۔ ایوب خان نے 1969 میں استعفیٰ دیدیا۔ یحییٰ خان نے مارشل لاء لگا دیا۔ صدر یحییٰ خان نے نور الامین کو اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں وزیراعظم بنایا، جب نور الامین نے یہ عہدہ چھوڑا تو اس کے ساتھ ہی ذوالفقار علی بھٹو نے نور الامین کو اپنا نائب صدر بنایا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے فوری بعد یحییٰ خان کے مستعفی ہونے پر ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے صدر بنے۔ 1973 کے آئین کی منظوری تک وزیراعظم کا عہدہ نہیں تھا۔ 1973 کے آئین کے تحت ملک میں پارلیمانی نظام رائج کر دیا گیا، اور ذوالفقار علی بھٹو 14 اگست 1973 کو وزیراعظم بن گئے اور 5 جولائی 1977 تک پاکستان کے وزیراعظم رہے۔ 5 جولائی 1977 کو جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء لگا دیا اور وزیراعظم کو معزول کر دیا۔ 24 مارچ 1985 کو محمد خان جونیجو وزیراعظم منتخب ہوئے۔ جنرل ضیاء الحق نے 29 مئی 1988 کو انہیں برطرف کر دیا۔ 2 دسمبر 1988 کو محترمہ بے نظیر بھٹو پاکستان کی پہلی خاتون وزیراعظم بنیں، انکی حکومت 6

Scanned with CamScanner

اگست 1990 تک قائم رہی۔ 6 اگست 1990 سے 6 نومبر 1990 تک غلام مصطفیٰ جتوئی نگران وزیر اعظم رہے۔ نواز شریف 6 نومبر 1990 کو 12 ویں جمہوری وزیر اعظم بنے اس وقت کے صدر غلام اسحاق خان نے 18 اپریل 1993 کو ان کی حکومت ختم کردی۔ سپریم کورٹ نے مئی 1993 میں انکی اپیل منظور کرتے ہوئے 26 مئی 1993 کو وزارت عظمیٰ کے عہدے پر بحال کردیا۔ ان کی معطلی کے عرصہ میں (18 اپریل 1993 سے 26 مئی 1993) تک بلخ شیر مزاری نگران وزیر اعظم بنائے گئے۔ 28 مئی 1993 کو بحال ہونے والے وزیر اعظم نواز شریف سے 18 جولائی 1993 کو استعفیٰ لے لیا گیا۔ 18 جولائی 1993 کو معین قریشی کو نگران وزیر اعظم بنایا گیا عام انتخابات کے نتیجے میں 19 اکتوبر 1993 کو بے نظیر بھٹو دوسری مرتبہ منتخب وزیر اعظم بنیں مگر 5 نومبر 1996 کو صدر فاروق لغاری نے 58 ٹو بی کے تحت انہیں گھر بھیج دیا۔ ملک معراج خالد کو نگران وزیر اعظم بنایا گیا، وہ 5 نومبر 1996 سے 17 فروری 1997 تک نگران وزیر اعظم رہے۔ عام انتخابات کے نتیجے میں 17 فروری 1997 کو نواز شریف دوسری مرتبہ وزیر اعظم بنے اور دو تہائی اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ ایٹمی تجربات کرنے والے نواز شریف کو بعض طاقتوں نے 12 اکتوبر 1999 کو آرمی چیف جنرل پرویز مشرف کے ذریعے معزول کر کے مارشل لا لگادیا۔ 21 نومبر 2002 کو میر ظفر اللہ خان جمالی وزیر اعظم چنے گئے اور وہ 6 جون 2004 تک ملک کے وزیر اعظم رہے مگر انہیں بھی صدر پرویز مشرف سے اختلافات کی وجہ سے مستعفی ہونا پڑا۔

چوہدری شجاعت حسین کو 45 دنوں کے لئے 20 جون 2004 کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ 20 اگست 2004 کو ان کی جگہ اس وقت کے وزیر خزانہ شوکت عزیز کو وزیر اعظم چنا گیا۔ وہ 16 نومبر 2007 تک اس عہدے پر فائز رہے محمد میاں سومرو کو 16 نومبر 2007 کو نگران وزیر اعظم بنایا گیا۔ وہ 25 مارچ 2008 تک وزیر اعظم رہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو 27 دسمبر 2007 کو شہید کردی گئیں، جس کی وجہ سے عام انتخابات ملتوی ہوگئے۔ یوسف رضا گیلانی 25 مارچ 2008 کو وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ اپریل 2012 میں سپریم کورٹ نے توہین عدالت کی کارروائی میں انہیں پانچ سال کے لئے نااہل قرار دیدیا، ان کے بعد راجہ پرویز اشرف کو وزیر اعظم چنا گیا۔ وہ 22 جون 2012 سے 25 مارچ 2013 تک وزیر اعظم رہے۔ 2013 کے عام انتخابات نگران وزیر اعظم میر ہزار خان کھوسو نے کرائے وہ 25 مارچ 2013 سے 5 جون 2013 تک وزیر اعظم رہے۔ 2013 کے عام انتخابات میں اکثریت حاصل کر کے نواز شریف تیسری مرتبہ ملک کے وزیر اعظم بنے۔ انہوں نے 5 جون 2013 کو حلف اٹھایا، وہ گزشتہ روز 28 جولائی 2017 کو سپریم کورٹ کے فیصلہ کی روشنی میں نااہل قرار پائے اور اس عہدے سے سبکدوش ہوگئے۔

محمد نواز شریف اور محترمہ بے نظیر بھٹو نے پاکستان میں جمہوری وزیر اعظم کے خلاف ہونے والے اقدامات سے تنگ آکر 14 مئی 2006 کو لندن میں رحمٰن ملک کی رہائش گاہ پر مسلسل دو دن اجلاس کے بعد میثاق جمہوریت کی تاریخی دستاویز پر دستخط کئے۔ ان اجلاسوں میں بے نظیر بھٹو کے ساتھ مخدوم امین فہیم، میاں رضا ربانی، راجہ پرویز اشرف، سردار آصف احمد علی، سید خورشید شاہ، واجد شمس الحسن مذاکرات میں شریک ہوتے رہے، جبکہ نواز شریف کی مذاکراتی ٹیم میں شہباز شریف، احسن اقبال، چوہدری نثار علی خان، خواجہ آصف، سید غوث علی شاہ، ظفر اقبال جھگڑا اور تہمینہ دولتانہ شامل تھے۔ میثاق جمہوریت پر 2006 سے 2017 تک کامیابی سے عمل درآمد ہوتا رہا۔ غالباً اس کا ثمر تھا کہ صدر آصف علی زرداری ملکی تاریخ کے پہلے جمہوری صدر ثابت ہوئے جنہوں نے 5 سال کی مدت پوری کی۔ نواز شریف حکومت کے خلاف عمران خان اور طاہر القادری کی جانب سے پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے دیئے گئے دھرنے کے موقع پر پیپلز پارٹی نے جمہوریت بچانے کے لئے مسلم لیگ (ن) کا ساتھ دیا۔ نااہل قرار دیئے گئے

Scanned with CamScanner

محمد نواز شریف نے اپنی عملی سیاست کا آغاز ایوان صنعت وتجارت لاہور کا صدر منتخب ہونے کے ساتھ کیا، جب وزارت خارجہ کے سیکرٹری اور صدر ضیاء الحق کے دست راست گورنر غلام جیلانی وزارت دفاع کی راولپنڈی میں واقع عمارت میں الوداعی گارڈ آف آنر لے کر پنجاب کے گورنر کا عہدہ سنبھالنے لاہور پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ لاہور کے بڑے بزنس مین اور صنعتکار گورنر ہاؤس میں مدعو کئے۔ محمد نواز شریف کی قیادت میں چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کا وفد گورنر سے ملا، انکے راہ ورسم بڑھتے چلے گئے اور حالات یہاں تک پہنچے کہ گورنر جیلانی نے نواز شریف کو اپنی کابینہ میں بطور وزیر خزانہ شامل کیا۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں نواز شریف وزیر اعلیٰ بنے، جب وہ وزیر اعلیٰ تھے تو اس وقت محمد خان جونیجو وزیر اعظم پاکستان تھے۔ پاکستان مسلم لیگ ن اور ق میں تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ اسلام آباد ہوٹل میں وزیر اعظم محمد خان جونیجو اور وزیر اعلیٰ نواز شریف کے دھڑوں میں اس وقت تصادم شروع ہوا جب جامع مسجد روڈ راولپنڈی میں اقامت پذیر پی پی کے جیالوں نے جو کہ مدعو بھی نہیں تھے جونیجو نواز شریف گروپوں میں تلخ کلامی کے دوران اپنی کھانے کی پلیٹیں انکی جانب اچھال دیں۔ جونیجو کے حامی یہ سمجھتے رہے کہ نواز شریف کے حامیوں نے یہ کام کیا اور نواز شریف کے حامی سمجھتے رہے کہ جونیجو کے حامیوں نے یہ پلیٹیں پھینکی ہیں۔ یہ وہ دن تھا جب مسلم لیگ عملی طور پر دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ نااہل ہونے والے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف 5 جون 2013ء کو تیسری بار وزیر اعظم بنے۔ وہ ملک کے 12ویں جمہوری وزیر اعظم تھے۔ نواز شریف اور ان کا خاندان 1930ء کے عشرہ سے بزنس کرتا چلا آرہا ہے۔ نواز شریف پاکستان کی ایک مضبوط سیاسی جماعت مسلم لیگ (ن) کے سربراہ ہیں، 2013ء سے اب تک قومی اسمبلی کی اکثریتی جماعت ہے۔ نواز شریف اور ان کے خاندان کا شمار پاکستان کے امیر ترین خاندانوں میں ہوتا ہے۔ وہ 25 دسمبر 1949ء کو لاہور میں پیدا ہوئے، ان کے والد محمد شریف اتفاق گروپ کے بانی تھے۔ نواز شریف نے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور سے بزنس سٹڈیز میں ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے سیاست کا آغاز وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے قومیانے کی پالیسی کے بعد کیا۔ سٹیل بزنس کا سرکردہ خاندان قومیانے کی پالیسی سے تباہ ہوا، کیونکہ ان کی اتفاق فاؤنڈری سمیت تمام اداروں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ وہ اپنے کارخانے واپس لینے کے لئے کوشاں رہے۔ 1981ء میں نواز شریف کو جنرل ضیاء الحق نے پنجاب ایڈوائزری بورڈ میں شامل کیا۔ نواز شریف نے ضیاء الحق کے ساتھ مراسم کو اس قدر مضبوط بنایا کہ ضیاء الحق نے قومیائی گئی اتفاق فاؤنڈری واپس کرنے پر رضامندی ظاہر کردی۔ نواز شریف کے جنرل رحیم الدین خان کے ساتھ بھی گہرے مراسم رہے جو اس وقت چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی تھے۔ سابق ڈی جی آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل (ر) حمید گل سے بھی ان کے قریبی مراسم تھے جنہوں نے آئی جے آئی بنوانے میں اہم کردار ادا کیا۔ 1988ء میں ملٹری لاء کے خاتمے پر نواز شریف کو وزیر اعلیٰ پنجاب کے عہدے پر فائز کیا گیا وہ کم وبیش 35 سال سے قومی سیاست میں اہم اور فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ اگرچہ سپریم کورٹ کے فیصلہ سے وہ وزارت عظمیٰ کے عہدے سے سبکدوش ہو گئے ہیں اور رکن قومی اسمبلی کے عہدہ سے انہیں نااہل قرار دیا گیا ہے مگر اب بھی مسلم لیگ (ن) کے وہ غیر متنازعہ قائد ہیں اور پارٹی لیڈر کے طور پر ان کا فعال اور متحرک کردار بدستور قائم رہے گا کیونکہ ووٹ بینک بہرحال نواز شریف کے نام کا ہے، اب نواز شریف وزیر اعظم ہاؤس سے نکل کر عوام میں جائیں گے، مسلم لیگ (ن) کی حکومت بدستور قائم رہے گی۔ نواز شریف جس ایم این اے کو نامزد کریں گے وہی اگلے وزیر اعظم ہوں گے۔ 2018ء کے الیکشن کی مہم اب زور پکڑ جائے گی اور مسلم لیگ (ن) کی انتخابی مہم کی قیادت بہرحال نواز شریف ہی کریں گے جن کا مضبوط سیاسی گڑھ پنجاب ہے۔ انہوں نے اپنے دوسرے دور اقتدار میں جنرل جہانگیر کرامت کو آرمی چیف مقرر کیا اور خود ہی ان سے استعفیٰ لیا، اس کے بعد انہوں نے پرویز مشرف کو بھی کئی جرنیل سپرسیڈ کر کے آرمی چیف بنایا مگر پرویز مشرف نے ملک کے چیف ایگزیکٹو سے خفیہ رکھ کر کارگل کی جنگ چھیڑی جس پر وزیر اعظم اور آرمی چیف میں اختلافات

Scanned with CamScanner

پیدا ہوگئے کیونکہ امریکی صدر بل کلنٹن نے کارگل سیکٹر میں پاک بھارت جنگ بند کرانے کا بیڑہ اٹھایا۔ وزیر اعظم نواز شریف اور وزیر اعلیٰ شہباز شریف 4 جولائی 1999ء کو ہنگامی طور پر امریکہ گئے صدر کلنٹن جو تعطیلات پر واشنگٹن سے باہر تھے۔ انہوں نے نواز شریف کی موجودگی میں بھارتی وزیر اعظم کو فون کیا اور دونوں ملکوں میں جنگ بندی کرادی۔ تاہم اس کے بعد وزیر اعظم نواز شریف کے تعلقات آرمی چیف سے کشیدہ ہو گئے اور 12 اکتوبر 1999ء کے مارشل لاء پر منتج ہوئے۔ مہینوں تک نواز شریف غیظ وغضب کا شکار رہے۔ انہیں گورنر ہاؤس مری کے برفیلے تہہ خانے میں جما دینے والی سردی میں کئی ماہ گزارنے پڑے کیونکہ نواز شریف نے معزول ہونے کے ایک ہفتے کے اندر چکلالہ میں ملاقات کیلئے آنے والے سابق ڈی جی آئی ایس آئی جنرل محمود کے کہنے پر قومی اسمبلی تحلیل کے مسودہ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نواز شریف کے ساتھ شاہد خاقان عباسی، شہباز شریف بھی مری کے تہہ خانے اور بعد ازاں اٹک قلعہ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ ان کے ساتھ نہ تو چوہدری نثار علی خان اور نہ ہی مشاہد حسین کو قید رکھا گیا یہ دونوں اپنی رہائش گاہوں پر نظر بند تھے۔ طیارہ سازش کیس میں جب انسداد دہشتگردی کورٹ نے اور پھر سندھ ہائیکورٹ نے عمر قید کی سزا سنائی تو ان کیخلاف جنرل پرویز مشرف نے اعلیٰ عدلیہ کے روبرو یہ درخواست دائر کرائی کہ نواز شریف کو پھانسی کی سزا دی جائے' تاہم امریکی صدر بل کلنٹن بھارت کے پانچ روزہ دورہ کے دوران پانچ گھنٹوں کیلئے اسلام آباد آئے اور انہوں نے ایوان صدر میں جب جنرل پرویز مشرف سے ملاقات کی تو بل کلنٹن نے نہ صرف امریکی میڈیا بلکہ پاکستان کے سرکاری ٹی وی کے کیمرہ مین باہر نکلوا دیے۔ ملکی اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ کو ہدایت کی گئی کہ بل کلنٹن اور پرویز مشرف کے ملنے کی تصویر نہ بنائیں۔ ایوان صدر سے بل کلنٹن نے پرویز مشرف کو یہ دوٹوک پیغام دیا کہ وہ قید کئے گئے وزیر اعظم نواز شریف کو پھانسی کی سزا کسی قیمت پر نہیں ہونے دینگے۔ امریکی صدر نے اس وقت کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس ارشاد حسن کو ایوان صدر میں خفیہ انداز میں دوٹوک پیغام دیا کہ وہ امریکہ کے صدر کی حیثیت میں بتا رہے ہیں کہ مقید وزیر اعظم نواز شریف کو کسی قیمت پر پھانسی کی سزا نہ دیں۔ مسٹر جسٹس ارشاد حسن نے امریکی صدر کو دی گئی یقین دہانی پر پورا عمل کیا اور جنرل پرویز مشرف کو تین سال تک آئینی صدر بننے کا حکم سنایا اور اسکے بدلے جسٹس ارشاد کو تین سال کیلئے چیف الیکشن کمشنر مقرر کیا گیا' حالانکہ یہ عہدہ انکے شایان شان نہ تھا۔ نواز شریف نے امریکی صدر اور سعودی ولی عہد عبداللہ بن عبدالعزیز کی کوششوں کے نتیجے میں 2000ء کے ماہ رمضان المبارک میں چکلالہ ائیربیس سے خصوصی طیارے کے ذریعے پورے خاندان کے ہمراہ سرور پیلس جدہ میں شفٹ ہو گئے جہاں انہوں نے 8 سال جلاوطنی کاٹی۔ جلاوطنی کی زندگی کے دوران نواز شریف نے سرور پیلس میں جنگ کو زمانہ اسیری کے حوالے سے ایک خصوصی انٹرویو دیا جس میں انہوں نے چونکا دینے والے انکشافات کئے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

نواز شریف کے خلاف پہلی عدالتی کارروائی بے نظیر بھٹو کے پہلے دور حکومت میں ہوئی تھی

ماضی میں سابق وزیر اعظم نواز شریف کیخلاف ہونے والی عدالتی کارروائیوں پر نظر ڈالیں تو ان کیخلاف سب سے پہلی کارروائی 23 سال قبل بینظیر بھٹو کے دوسرے دورِ حکومت میں ہوئی جب اکتوبر 1994ء میں انکے اور ان کے خاندان کیخلاف رمضان شوگر ملز کے حوالے سے لاہور ہائی کورٹ میں درخواست دی گئی۔ اس کیس میں شریف خاندان پر رقم کی خورد برد اور غیر مجاز استعمال کا الزام تھا اور اسکی تفتیش سکیورٹیز اینڈ ایکسچینج کمیشن آف پاکستان نے کی تھی تاہم 20 سال بعد 2014ء میں یہ معاملہ رمضان شوگر ملز اور مدعی کے درمیان طے پا گیا۔ 1994ء میں ہی نومبر کے مہینے میں وفاقی تحقیقاتی ادارے ایف آئی اے نے حدیبیہ پیپر ملز اور حدیبیہ انجینئرنگ کمپنی کیخلاف خصوصی عدالت میں چالان جمع کرایا جس میں نواز شریف پر دھوکہ دہی اور رقم خورد برد کرنے کے الزامات لگائے گئے تھے۔ لیکن تین سال بعد جون 1997ء میں نواز شریف نے، جو اس وقت ملک کے وزیر اعظم بن چکے تھے، لاہور ہائی کورٹ میں ان دونوں مقدموں سے متعلق رٹ پٹیشنز اس استدعا کے ساتھ جمع کروائیں کہ ایف آئی اے کے دونوں

Scanned with CamScanner

چالانوں کو خارج کر دیا جائے۔ لاہور ہائی کورٹ نے یہ درخواست منظور کر لی اور ایف آئی اے نے اس فیصلے کے خلاف کوئی اپیل دائر نہیں کی۔

1999-2000ء پرویز مشرف دور حکومت کے نیب ریفرنسز

1997ء میں جب نواز شریف نے دو تہائی اکثریت سے انتخابات میں کامیابی حاصل کر کے دوسری دفعہ وزارت عظمی سنبھالی تو لگتا تھا کہ انکے سیاسی مخالفین اب کچھ بگاڑ نہ سکیں گے لیکن ڈھائی برس کے قلیل عرصے بعد ہی ان کے تقرر کردہ آرمی چیف جنرل پرویز مشرف نے اکتوبر 1999ء میں ان کا تختہ الٹ دیا۔ حکومت سنبھالنے کے بعد پرویز مشرف نے نواز شریف کے خلاف بدعنوانی اور دہشت گردی کے مختلف مقدمات درج کرائے۔ قومی احتساب بیورو (نیب) نے 1999ء اور 2000ء کے اوائل میں نواز شریف کے خلاف کل 28 مقدمات شروع کئے جن میں سے 15 ناکافی شواہد کی وجہ سے اگلے چار برسوں میں خارج ہو گئے جبکہ نو مقدمات 18 سال گزر جانے کے بعد ابھی بھی زیر تفتیش ہیں۔ نیب کی جانب سے شروع کیے جانے والے مقدمات میں سب سے اہم وہ چار ریفرنسز تھے جو احتساب عدالت کو بھیجے گئے تھے۔

ان چار میں سے ہیلی کاپٹر کیس کے نام سے مشہور ہونے والا پہلا ریفرنس اٹک قلعے میں قائم احتساب عدالت میں سنا گیا اور جج فرخ لطیف نے نواز شریف کو 1993 میں خریدے جانے والے چھ لاکھ پاؤنڈ مالیت کے ہیلی کاپٹر پر ٹیکس نہ دینے اور اثاثے ظاہر نہ کرنے کی پاداش میں 14 سال قید کی سزا اور دو کروڑ روپے جرمانہ عائد کیا۔ اب تک کے لگائے جانے والے کرپشن کے الزامات میں یہ واحد کیس ہے جس میں نواز شریف کو سزا ملی ہے۔ نواز شریف نے اس سزا کے چھ ماہ جیل میں گزارے تاہم دسمبر 2000 میں اس وقت ملک کے فوجی سربراہ جنرل پرویز مشرف کی جانب سے معافی دیے جانے پر وہ پاکستان چھوڑ کر سعودی عرب چلے گئے۔

حدیبیہ ملز ریفرنس وہ معاملہ ہے جس کا ذکر پاناما کیس کی سماعت کے دوران سپریم کورٹ اور پھر مشترکہ تحقیقاتی ٹیم کی دو ماہ کی تحقیقات کے دوران بھی سنائی دیتا رہا۔ حدیبیہ ملز ریفرنس دائر کرنے کی منظوری مارچ 2000ء میں نیب کے اس وقت کے چیئرمین لیفٹیننٹ جنرل سید محمد امجد نے دی تھی۔ اگرچہ ابتدائی ریفرنس میں میاں نواز شریف کا نام شامل نہیں تھا تاہم جب نیب کے اگلے سربراہ خالد مقبول نے حتمی ریفرنس کی منظوری دی تو ملزمان میں میاں نواز شریف کے علاوہ انکی والدہ شمیم اختر، دو بھائیوں شہباز اور عباس شریف، بیٹے حسین نواز، بیٹی مریم نواز، بھتیجے حمزہ شہباز اور عباس شریف کی اہلیہ صبیحہ عباس کے نام شامل تھے۔ یہ ریفرنس سابق وزیر خزانہ اسحاق ڈار سے 25 اپریل 2000ء کو لئے گئے اس بیان کی بنیاد پر دائر کیا گیا تھا جس میں انھوں نے جعلی اکاؤنٹس کے ذریعے شریف خاندان کے لیے ایک کروڑ 48 لاکھ ڈالر کے لگ بھگ رقم کی مبینہ منی لانڈرنگ کا اعتراف کیا تھا۔ اسحاق ڈار بعد ازاں اپنے اس بیان سے منحرف ہو گئے تھے اور ان کا موقف تھا کہ یہ بیان انھوں نے دباؤ میں آکر دیا تھا۔ رائیونڈ سٹیٹ کیس کا تعلق جاتی امرا میں 401 کنال زمین پر 1992ء سے 1999ء کے درمیان شریف خاندان کی رہائش گاہ اور دیگر عمارات کی تعمیر کے حوالے سے تھا اور اس میں میاں نواز شریف اور ان کی والدہ شمیم اختر ملزمان تھے۔ ریفرنس میں نواز شریف پر الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے ان تعمیراتی سرگرمیوں کے لیے جو رقم ادا کی وہ ان کے ظاہر کردہ اثاثوں سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ ان دونوں ریفرنسز کی سماعت نواز شریف کی ملک بدری کے بعد روک دی گئی اور جب 2013ء میں نواز شریف تیسری مرتبہ برسر اقتدار آئے تو ان کے اس دور میں لاہور ہائی کورٹ نے مارچ 2014 میں یہ دونوں مقدمات خارج کر دیئے۔ نیب کی جانب سے اس اخراج پر سپریم کورٹ میں کوئی اپیل دائر نہیں کی گئی۔

اتفاق فاؤنڈری قرضہ کیس میں نیب نے شریف خاندان پر بینکوں کے تین ارب 80 کروڑ روپے کے قرضوں کی عدم ادائیگی کا الزام لگایا تھا اور کہا تھا کہ ادائیگی سے بچنے کیلئے کمپنی نے جان بوجھ کر خود کو دیوالیہ ظاہر کیا۔ اتفاق فاؤنڈری کی فروخت سے حاصل شدہ رقم کی بینکوں کو ادائیگی کے بعد یہ مقدمہ بھی فروری 2015ء میں لاہور ہائی کورٹ نے ختم کر دیا۔

Scanned with CamScanner

وزیراعظم نواز شریف کی ''اقامہ'' پر نااہلی

نااہلی کا فیصلہ متوقع تو تھا لیکن اسکی بنیاد بننے والا یو اے ای کا اقامہ پارٹی کے کارکنوں کو بالخصوص اور قانونی وعوامی حلقوں کو بالعموم ورطہ حیرت میں ڈال گیا۔ کچھ قانونی ماہرین نے تو اس فیصلے کو مولوی تمیز الدین، نصرت بھٹو، ذوالفقار علی بھٹو اور ظفر علی شاہ کے کیسوں کے فیصلوں سے مماثلت تک دے دی جب کہ بہت سے لوگوں نے اسے اپنی فتح قرار دیا 28 جولائی 2017 کو چینلوں پر خبر بریک ہوتے ہی وزیر اعظم نواز شریف اپنے عہدے سے الگ ہو جانے کے فیصلے پر تحریری آرڈر آنے سے پہلے علیحدہ ہو گئے، کابینہ تحلیل کر دی گئی۔ پارلیمنٹری پارٹی کا بعد ازاں اجلاس طلب کیا اور ان سے مشاورت کر کے اپنے جانشین وزیر اعظم کی نامزدگی کی اور اسے قومی اسمبلی میں اپنے پہلے ہونے والے اجلاس میں رائے شماری کے بعد منتخب کرلیا ابتدائی طور پر اس عہدے کے لئے شہباز شریف کا نام بھی لیا گیا لیکن عدالت عظمیٰ کے فیصلے کا جائزہ لینے کے بعد اس میں تبدیلی ظاہر ہوئی کیونکہ اس بات کا خدشہ نظر آرہا تھا کہ شہباز شریف کو بھی کسی نہ کسی مقدمے میں ملوث کر دیا جائے گا۔ فیڈریشن آف پاکستان کی سربراہی اور وہ بھی ایک ایٹمی طاقت کی اس قسم کے تجربات کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس طرح پنجاب میں نئی قیادت (نئے وزیر اعلیٰ) کو منتخب کرنا تو آسان ہوتا لیکن موثر قوت بنتے بنتے وقت لگتا۔ بظاہر شریف فیملی نے ابتدائی فیصلے کے ممکنہ مضمرات کو بھانپتے ہوئے مخالفین کی ایک چال موثر طریقے سے ناکام بنا دی۔ اسی کے ساتھ قیادت نے عدالتی فیصلے کا احترام کرنے کے باوجود عوامی عدالت میں بھی اپنا مقدمہ لے جانے کا فیصلہ کیا تاکہ عدلیہ کے ادارے میں ممکنہ اصلاحات کے لئے عوامی مینڈیٹ پر کام کیا جائے جو 2018 میں ہونے والے انتخابات میں ریفرنڈم کی شکل میں پارٹی کے منشور کا حصہ بنے۔ ایسا اس لئے بھی ضروری سمجھا گیا کہ متقدرہ آرٹیکل 3-184 آف دستور پاکستان کے تحت حاصل اختیار کو عدالت عظمیٰ کے ذریعے آرٹیکل اٹھاون ٹو بی کا متبادل بنانے میں اپنی مہارت کے استعمال کے احتمال کو ختم کیا جائے۔ وہ آئینی وقانونی وجوہات جن کا سطور بالا میں تذکرہ کیا جا چکا ہے اس کے باوجود عدالت عظمیٰ کا اس سرعت (تیزی) کے ساتھ مقدمات قائم کرانا اور ان کے فیصلوں کے لئے حتمی تواریخ مقرر کرنا بذات خود محل نظر ہے عوامی حلقوں میں ایک بات تیزی سے پھیلنے لگی ہے کہ اگر کسی شہری نے اپنا مقدمہ جلد فیصلہ کرانا ہے تو اس سے تعلق کے قطع نظر شریف فیملی کے کسی فرد کا نام بطور مسئول الیہ (RESPONDENT) شامل کر دیں تو دنوں میں فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ گیارہ سال کے طویل عرصہ میں دو مرتبہ منتخب وزیر اعظم کے سرعام قتل کا مقدمہ جس میں طالبان کے افراد کی بریت کی گئی وہ تو دور متعلقہ ضلعی عدالت اس مقدمے کا فیصلہ نہیں کر پائی جس میں بیسیوں ججوں کو بمعہ خاندان کے افراد کے پانچ مہینے تک بدوں تحریری حکم اپنے اپنے گھروں میں مشرف دور میں نظر بند رکھا گیا اسکے علاوہ آرٹیکل نمبر چھ کے تحت پرویز مشرف کے خلاف قائم شدہ مقدمہ جسکا حکم عدالت عظمیٰ کے چودہ کے چودہ ججوں نے دو دفعہ دو مختلف چیف جسٹسوں (جسٹس افتخار چوہدری، جسٹس ناصر الملک) نے دیا تھا اسمیں وقت کی قید لگائی گئی نہ کوئی مانیٹرنگ جج مقرر ہوا اور نہ ہی استغاثہ مرتب کر کے جے آئی ٹی بنائی گئی۔ بلکہ ممکنہ تین ججوں پر مشتمل پینل کورٹ نے مقدمے کی سماعت کو تا حکم ثانی ملتوی کر دیا جبکہ عدالت عظمیٰ کے ایک جج نے جنرل (ر) پرویز مشرف کو ملک سے باہر جانے کی اجازت دے دی تاکہ وہ اپنی کمر کا علاج بذریعہ رقص کراتے رہیں۔

یہ امر بھی کسی تاریخی تجزیے میں زیر بحث آسکتا ہے کہ بی بی (بینظیر بھٹو) کا بہیمانہ سرعام قتل ہو یا مشرف کا آرٹیکل چھ کا مقدمہ یا شریف خاندان کے خلاف جے آئی ٹی کی تشکیل ہر ایک میں ایف آئی اے کے واجد ضیاء ہی نامزد کئے جاتے رہے اور اس بات کے قطع نظر کہ انہوں نے اپنے ہی ایک کزن کی کمپنی سے پچاس لاکھ روپے کے عوض وہ دستاویزات منگوائیں جو پہلے ہی تصدیق شدہ عدالت عظمیٰ کے ریکارڈ پر موجود

Scanned with CamScanner

تھیں۔ علاوہ باتوں کے یہ معاملہ سازشی نظریے کو تقویت پہنچاتا ہے۔ اگر چہ حکومت یہ دعویٰ کرسکتی ہے کہ وزارت داخلہ کے ماتحت ایک ادارے (ایف آئی اے) نے کسی خوف خطرہ یا دباؤ کے تحت اپنا کام کیا ہے لیکن اکثر سیاسی حلقے یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ چوہدری نثار علی خان جیسے طاقتور وزیر داخلہ کے ہوتے ہوئے ایف آئی اے اس قدر مادر پدر آزادی کا دعویٰ کرسکتی تھی کہ وہ ملک کے وزیر اعظم کو بھی ایک اقامے پر نکال باہر کراس کے بعد شہادتوں کی تلاش شروع کرواتی کہ کس طرح شریف خاندان کو سیاست سے نو دو گیارہ کروایا جائے۔ اس پس منظر میں میاں نواز شریف نے ساتھیوں سے مشورے کے بعد لاہور براستہ جی ٹی روڈ جانے کا فیصلہ کیا اور مسلح افواج کے گڑھ کے اندر اپنی سیاسی قوت کا مظاہرہ بھی کر دکھایا تاکہ کسی کے ذہن میں کوئی شبہ نہ رہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ 11 مئی 2013 کے عام انتخابات میں اٹک، راولپنڈی، اسلام آباد، جہلم، چکوال کے اضلاع میں قومی اسمبلی کے اکثر حلقوں میں نون لیگی امیدوار نہ صرف کامیاب ہوئے بلکہ ضمنی انتخابات میں بھی ہر جگہ اپنا سکہ قائم رکھا۔ فوج کے اس دل (راولپنڈی ڈویژن) کے عوام کی رائے کو نظرانداز کرنا کسی سیاسی یا عسکری قیادت کیلئے ممکن نہیں ہے اس لئے بھی کہ 2005 میں ڈی ایچ اے اسلام آباد آرڈیننس کی سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں تنسیخ کے بعد پیپلز پارٹی کے دور میں دوبارہ نئے قوانین ڈی ایچ اے کے بنائے گئے جس میں پارلیمنٹ آف پاکستان نے ڈی ایچ اے اسلام آباد اور پنجاب اسمبلی نے ڈی ایچ اے راولپنڈی کیلئے علیحدہ علیحدہ قانون سازی کی لیکن ایسا کرتے وقت مسلم لیگ نون کے مطالبے پر ہر دو نئے ڈی ایچ اے قوانین میں فوج کے صوبیدار میجر اور ان سے نچلے رینک کے فوجیوں کو ہر ڈی ایچ اے میں پچاس فیصد پلاٹ الاٹ کرنا لازمی قرار دیا یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ ہماری افواج کے بارے میں ازلی دشمن جو منفی پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے اس کا منہ توڑ عملی جواب بھی دیا جائے اور دوسری طرف افواج کے نچلے رینک کے فوجیوں میں ممکنہ تشویش کا ازالہ بھی کیا جائے۔ اس بارے میں جنرل اشفاق پرویز کیانی (سابق آرمی چیف) نے جس بھرپور انداز میں اپنے سپاہیوں کیلئے ڈی ایچ اے میں پلاٹوں کی الاٹمنٹ کی اس شاندار سہولت کی حمایت کی وہ ان کا ایک شاندار ورثہ ہے اور رہے گا۔ حالانکہ یہ بات بہت سے کروڑ پتی ریٹائرڈ افسروں کو ہضم نہیں ہوسکی، جیسا کہ توقع کی جارہی تھی عدالت عظمیٰ نے شریف فیملی کی جانب سے دائر نظر ثانی کی تمام درخواستیں سرسری سماعت کے بعد جمعہ 15 ستمبر 2017 کو لاہور کے ضمنی انتخاب (17 ستمبر 2017) سے صرف اڑتالیس گھنٹے پہلے مسترد کر دیں۔ لیکن ایسا کرتے وقت عدالت عظمیٰ نے ایک دفعہ پھر بنیادی سوالات اٹھا دیئے۔ یہ جانتے ہوئے کہ 28 جولائی 2017 کا فیصلہ 5 معزز ججوں کے دستخطوں سے جاری ہوا حالانکہ مقدمہ کی سماعت اس مرحلہ پر تین معزز ججوں نے کی لیکن پہلے دن (بارہ ستمبر 2017) کو تین ججوں کے سامنے نظر ثانی درخواستوں کی سماعت ہوئی اور فوری طور پر اپنی غلطی دیکھتے ہوئے دوسرے روز پانچ ججوں کا بنچ بنا دیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اپیل کنندگان اس وقت ملک سے باہر بسلسلہ علاج بیگم کلثوم نواز جا چکے ہیں اور ان کا یہ علاج کسی سرکاری ہسپتال کے جعلی میڈیکل سرٹیفکیٹ کی بنیاد پر نہیں بلکہ سرطان جیسی موذی مہلک مرض کا تھا جس میں تمام اہل خانہ مریضہ کے پاس رہنا اپنا انسانی فرض سمجھتے ہیں لیکن اس کے قطع نظر ان کے وکلاء کا یہ آئینی حق تھا کہ وہ اپنے موکل سے تفصیلی ہدایات ساتھ ساتھ لینے کا انتظار بھی کرتے جو کہ ٹیلیفون پر ممکن نہ تھا خاص طور پر جب کہ ایسا طریقہ محفوظ بھی نہیں تھا۔ ایک تاثر یہ پیدا ہوا کہ عدلیہ کے اعلیٰ ترین ایوان کو بھی ایک قانونی بھول بھلیوں میں الجھا دیا گیا ہے جس کا جواب وہ تاریخ کو نہیں دے سکے گی۔

یہاں اس امر کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ حکومت کے تبدیل ہونے سے پہلے ایک ایسا ماحول تیار کیا گیا جس میں مسلم لیگ نون کے اندر دھڑے بندی کی افواہیں پھیلائی گئیں بلکہ بعض "طوطا فال" سیاست دانوں اور ٹی وی اینکروں نے دھڑے سے ایم این ایز کے نام بھی ٹیلی کاسٹ کرنا شروع کر دیئے۔ جس پر نون لیگ سے الگ ہونے کا پیشگی الہام کا دعویٰ کیا گیا۔ کہیں شومئی قسمت کہ بقول مدبر وزیر اعظم شاہد

Scanned with CamScanner

خاقان عباسی میاں نواز شریف پہلے سے زیادہ طاقتور ہو چکے ہیں۔ کچھی کینال بلوچستان کے افتتاح کے موقع پر بھی یہی بات وزیر اعظم عباسی نے دہرائی کہ یہ افتتاح نواز شریف کو کرنا چاہتے تھا۔ اور ان کی ہدایات کے لئے ان سمیت وزراء نے لندن جا کر 17 ستمبر 2017 کو ملاقات کی یہ ملاقات بیگم کلثوم نواز کی عیادت کیلئے بھی تھی تو دوسری طرف اس کی سیاسی اہمیت بہت جلد ظاہر ہو گئی۔ ہر وہ توقع جو اس آس پر قائم کی گئی کہ شریف خاندان کے اندر فیصلہ پر خاندان کی طرح اقتدار کی کشمکش شروع ہو چکی ہے وہ نقش بر آب ثابت ہوئی۔ بیگم کلثوم سمیت شریف خاندان کے سیاسی بڑے یا تو تادم تحریر ملک سے باہر تھے یا قانونی وجوہات کی بنا پر 17 ستمبر 2017 کے لاہور کے ضمنی انتخاب کی مہم میں نظر نہیں آئے جبکہ عمران خان اور بلاول نے 16 ستمبر 2017 کو دو مختلف صوبوں میں جلسوں سے خطاب کر کے تکنیکی لحاظ سے الیکشن کمیشن کے ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی تو نہیں کی لیکن چینلوں کے ذریعے حلقہ این اے 120 کے گھر گھر میں اس قانونی پابندی کی دھجیاں اڑا دیں کہ پولنگ کے دن سے 24 گھنٹے قبل ہر قسم کی انتخابی مہم پر پابندی ہوتی ہے۔ عوام امید رکھتے ہیں کہ پارلیمنٹ نئے انتخابی قوانین میں اس چور دروازے کو بند کرنے کے لئے مناسب قانونی اہتمام کرے گی، الیکشن کمیشن کو بھی اس بارے میں ٹھوس تجاویز دینی چاہئیں۔

چوہدری نثار علی کے حوالے سے بہت سی باتیں، افواہیں، قیاس آرائیاں، تبصرے و تجزیے کئے جاتے رہے لیکن میاں نواز شریف کی کابینہ کے آخری اجلاس جو جولائی 2017 کے آخری ہفتے میں وزیر اعظم آفس شاہراہ دستور اسلام آباد میں منعقد ہوا اس میں وزیر اعظم نواز شریف نے اپنے رفقاء کو اعتماد میں لیتے ہوئے یہ بتایا کہ ان کا ضمیر اور ہاتھ بالکل صاف ہیں، انہوں نے سرکاری املاک، قومی خزانے کو ہمیشہ اللہ اور عوام کی امانت سمجھا ہے، سختیاں پہلے بھی آتی رہی ہیں پھر بھی آئیں تو انشاء اللہ ان کا دفاع کیا جائے گا۔ انہوں نے اس تاثر کو مکمل طور پر بے بنیاد قرار دیا کہ ان کی قانونی ٹیم نے کسی قسم کی کوتاہی کی ہے۔ نواز شریف نے یہ بھی بیان کیا کہ ان کو بتایا گیا تھا کہ چونکہ پانامہ کیس میں عمران خان اور ہم نواؤں کے کسی بنیادی حقوق پر اثر نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ سپریم کورٹ میں مقدمہ نہیں دائر کر سکتے، بڑی عدالت از خود عوامی مفاد کا مقدمہ بنا کر اپنا ڈیڑھ سال ضائع کر سکتی تھی جب یہ ہزاروں پاکستانی اپنے انفرادی مقدمات کے فیصلوں کے انتظار میں بے چین بیٹھے ہیں اس لئے معاملہ اللہ کی ذات پر چھوڑ دیا تھا کہ میری رضا اللہ کی رضا کے تابع ہے۔ کابینہ کے اسی تاریخ اجلاس میں جہاں تمام ارکان کابینہ نے نواز شریف کے ساتھ مکمل یکجہتی کا اظہار کیا وہاں سب سے زیادہ وفاداری کا مظاہرہ چوہدری نثار علی خان نے یہ کہتے ہوئے کیا کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے بعد اگر کسی شخصیت کے ساتھ پر خلوص لگاؤ 35 سالوں سے مسلسل رکھتے چلے آ رہے ہیں وہ میاں نواز شریف ہیں لیکن بد قسمتی سے کچھ عرصہ سے انہوں نے مجھے مشاورت کے عمل سے علیحدہ کر رکھا ہے یا میری بات کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ یہاں تک کہ میں نے پانامہ کیس میں آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ اور ڈی جی آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل نوید مختار کے ساتھ بات چیت کرنے کا نواز شریف صاحب کو مشورہ بھی دیا تا کہ معاملات نہ بگڑیں لیکن میاں صاحب نے میری بات نہیں مانی۔ وزیر اعظم نواز شریف نے اجلاس میں اس بات کی تائید کی اور وضاحت کی کہ انہوں نے چوہدری نثار کے مشورے پر عمل کرنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ ایک ذاتی اور خاندانی معاملے جو کہ اعلیٰ ترین عدالت کے روبرو چل رہا ہے اس میں اس طرح کی بات کرنا میرے نزدیک بالکل نامناسب تھا اور میری قومی غیرت و حمیت اس بارے مجھے ایسا طرز عمل اختیار کرنے سے روکتی رہی، اور یہ عمل باعزت بھی تھا ورنہ میں اپنی نظروں میں خود گر جاتا۔ بعض شرکاء کا اجلاس میں خیال تھا کہ اگر واقعی چوہدری نثار نے اپنا مشورہ خلوص کے ساتھ دیا تھا تو ان کے اپنے ادارے (ایف آئی اے) کے ایک منظور نظر فرد نے جو کارنامہ سرانجام دیا کیا وہ فرمائشی پروگرام تھا اور اگر ایسا تھا تو کس کے ایما پر یہ کارنامہ سرانجام دیا گیا، یہ بات مورخ کبھی نہ کبھی ڈھونڈ نکالے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

عوامی رہنما......ذوالفقار علی بھٹو

سابق وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کی 90ویں سالگرہ پانچ جنوری 2018ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کے جیالوں نے نہ صرف پاکستان بلکہ پاکستان کے باہر بھی منائی۔

ذوالفقار علی بھٹو 5 جنوری 1928ء کو لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔ وہ سر شاہنواز بھٹو کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ جنہوں نے ابتدائی تعلیم بمبئی کے کیتھڈرل ہائی سکول میں حاصل کی۔ 1947ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے امریکہ کی یونیورسٹی آف ساؤتھ کیلیفورنیا میں داخلہ لیا' اسکے بعد جون 1949ء میں وہ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا برکلے اعلیٰ تعلیم کیلئے چلے گئے۔ جون 1950ء میں انہوں نے یونیورسٹی آف کیلیفورنیا برکلے کی ڈگری آنرز کے ساتھ حاصل کی' بعد ازاں وہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے سٹوڈنٹ بھی رہے اور وہاں سے پولیٹیکل سائنس میں ماسٹرز' ایل ایل بی اور ایل ایل ایم کی ڈگریاں لیں۔ بھٹو صاحب نے زندگی میں دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی 1943ء میں محترمہ شیریں امیر بیگم کے ساتھ ہوئی۔ بھٹو نے پہلی بیوی کو چھوڑ کر 8 ستمبر 1951ء کو بیگم نصرت اصفہانی سے شادی کی' جو کہ ایرانی خاتون تھیں۔ 1953ء میں لنکنز ان میں بار ایٹ لاء کرنے چلے گئے۔ اسی سال انکے ہاں پہلا بچہ (بینظیر بھٹو) 21 جون کو پیدا ہوا۔ بار ایٹ لاء کرنے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان واپس آکر ڈنگومال کے زیر سرپرستی کورٹ و یو چیمبر ڈینسو ہال میں لاء کی پریکٹس شروع کی۔

برج جدی (Capricorn) سے تعلق رکھنے والے ذوالفقار علی بھٹو میں قدرت نے ناممکن کو ممکن بنانے کی اہلیت رکھی تھی۔ اسی لئے انکی نسبتاً مختصر سیاسی زندگی بڑے کارناموں سے عبارت رہی۔ وہ 1957ء میں اقوام متحدہ جانے والے پاکستانی وفد کے سب سے کم عمر رکن بنے' اس سے اگلے سال آبی قوانین سے متعلق اقوام متحدہ کی کانفرنس میں وہ پاکستانی وفد کے قائد بنے۔ 1958ء میں ذوالفقار علی بھٹو جنرل سکندر مرزا کی کابینہ میں بطور وفاقی وزیر تجارت شامل ہو گئے۔ 1958ء میں جب ایوب خان نے ان کو وزیر توانائی بنایا تو یہ انکے سیاسی کیریئر کا اہم ترین موڑ ثابت ہوا۔ فیلڈ مارشل ایوب خان نے جنرل سکندر مرزا کی مطلق العنان حکومت کا راتوں رات تختہ الٹا تو ذوالفقار علی بھٹو 1963ء میں ایوب خان کی کابینہ کے کم عمر ترین وزیر خارجہ بنا دیئے گئے۔ ان سے پہلے محمد علی بوگرہ متحدہ پاکستان کے وزیر خارجہ ہوا کرتے تھے۔ بھٹو صاحب کا پہلا کارنامہ 2 مارچ 1963ء کو پاک چین باؤنڈری معاہدہ کرنا تھا۔

1964ء کے وسط میں ذوالفقار علی بھٹو نے صدر ایوب خان کے دور میں ایران اور ترکی کے ساتھ قریبی اقتصادی سفارتی تعلقات استوار کئے۔ پاکستان کے ساتھ ان دونوں ممالک کی شراکت داری بعد میں آر سی ڈی ریجنل کوآپریشن برائے ڈیولپمنٹ (علاقائی تعاون برائے ترقی) تنظیم کی شکل میں سامنے آئی۔

1960ء میں ان کو وزیر تجارت' مواصلات وصنعت کا چارج دے دیا گیا' 1963ء میں وہ ملک کے وزیر خارجہ بنا دیئے گئے۔ ستمبر 1965ء کی جنگ کے خاتمے کے بعد صدر ایوب خان اور بھارتی وزیراعظم لال بہادر شاستری کے درمیان روس نے تاشقند میں جو معاہدہ کرایا تھا' بھٹو صاحب اسکے سخت خلاف تھے۔ اس معاہدے کے تحت دونوں قومیں سارے جنگی قیدیوں کے تبادلے پر آمادہ ہوئیں اور اپنی اپنی فوجیں جنگ سے پہلے کے مقامات پر واپس لے جانے پر تیار ہوئیں۔ اس معاہدے کیخلاف احتجاج کر کے ذوالفقار علی بھٹو 1966 میں ایوب کابینہ سے علیحدہ ہو گئے۔

1967ء میں بھٹو صاحب نے ڈاکٹر مبشر حسن' جے اے رحیم اور باسط جہانگیر شیخ کو ساتھ لیکر پاکستان پیپلز پارٹی تشکیل دی جس نے بحالی جمہوریت کی تحریک شروع کی۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور حکومت میں جنرل یحییٰ خان نے 69-1968ء میں پاکستان آرمی کی کمان بھی

Scanned with CamScanner

سنبھال لی۔ایوب خان کے مستعفی ہونے کے بعد دوسرے آمر صدر جنرل یحییٰ خان نے 1970ء میں عام انتخابات کرائے'ان انتخابات میں پی پی پی نے مغربی پاکستان میں بھاری اکثریت حاصل کی مگر مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کی عوامی لیگ نے پی پی پی سے دوگنے ووٹ حاصل کیے۔ بھٹو صاحب نے عوامی لیگ کی حکومت تسلیم کرنے سے یکسر انکار کردیا اور مطالبہ کیا کہ شیخ مجیب انکی پی پی پی کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت بنائیں۔ شیخ مجیب نے یہ تجویز مسترد کردی اور مشرقی پاکستان کو آزاد خودمختار ملک بنانے کا اعلان کردیا'اسکے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔ جنگ کا نتیجہ بنگلہ دیش کے قیام کی شکل میں نکلا۔مکتی باہنی اور عوامی لیگ کی تحریک کے نتیجے میں 16 دسمبر 1971ء کو پاکستان آرمی نے ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں بھارتی جرنیل کے سامنے ہتھیار ڈالے۔اسکے بعد پاکستان کے 90 ہزار جنگی قیدی بھارتی کیمپوں میں منتقل کردیے گئے۔اس موقع پر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی صاحبزادی بینظیر بھٹو کو ساتھ لے جاکر بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی کے ساتھ شملہ معاہدہ کیا' جسے آج تک محب وطن عناصر ہدف تنقید بناتے ہیں' جبکہ پی پی پی والے اسے بھٹو صاحب کا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔مشرقی پاکستان میں شکست کے ذمہ دار صدر جنرل یحییٰ خان نے اقتدار چھوڑ دیا۔ دسمبر 1971ء کو جنرل یحییٰ خان کے استعفیٰ کے ساتھ ہی ذوالفقار علی بھٹو نے مستعفی ہونے والے جنرل یحییٰ خان کے دونوں عہدوں صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹرز کے عہدوں کا حلف اٹھالیا۔جنرل یحییٰ خان نے اقتدار زیڈ اے بھٹو کو جنرل گل حسن کے ایماء پر منتقل کیا (جنرل گل حسن جو فوج کی کمان سنبھال چکے تھے) نے خصوصی طیارہ نیویارک بھجوا کر ذوالفقار علی بھٹو کو 18 دسمبر 1971ء کو اسلام آباد بلوایا۔اس طرح ذوالفقار علی بھٹو 20 دسمبر 1971ء کو نہ صرف صدر بنے بلکہ پاکستان کی تاریخ کے پہلے سویلین چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بھی بن گئے' مگر انہوں نے آخری وقت تک جرنیل کی یونیفارم زیب تن نہ کی۔اپنے محسن جنرل گل حسن اور پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف عبدالرحیم خان کو ذوالفقار علی بھٹو نے ایک تحریری حکم کے ذریعے اُنکے عہدوں سے ہٹادیا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے 146 رکنی قومی اسمبلی کے ایوان کے 108 ووٹ لے کر 14 اگست 1973ء کو وزارت عظمیٰ سنبھالی۔ پانچ سالہ دور اقتدار میں انہوں نے نجی صنعتوں کے اداروں اور بینکوں کی نیشنلائزیشن کی۔ذوالفقار علی بھٹو کا ایک بڑا کارنامہ دوسری مسلم سربراہ کانفرنس کا انعقاد تھا جو کہ 22 فروری سے 24 فروری 1974ء تک لاہور میں منعقد ہوئی۔مراکش کے دارالحکومت رباط کے بعد اسلامی ممالک کے سربراہان کا یہ دوسرا سب سے بڑا اجتماع تھا۔اس کانفرنس میں 38 مسلمان ممالک کے سربراہان جن میں سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فیصل' مصر کے صدر انور السادات' لیبیا کے صدر کرنل معمر قذافی' تنظیم آزادی فلسطین کے چیئرمین یاسر عرفات و دیگر بھی شریک تھے۔لاہور اسلامی سربراہ کانفرنس میں شرکت کی دعوت پہلے تو ذوالفقار علی بھٹو نے بنگلہ دیش کے اس وقت کے وزیراعظم شیخ مجیب الرحمان کو نہیں دی تھی' مگر جب مسلمان ملکوں کے سربراہان لاہور جمع ہوئے تو انہوں نے اسلامی ممالک میں اتحاد یا کسی اور وجہ سے خصوصی طیارے میں اپنے نمائندہ سربراہان ڈھاکہ بھجوائے' جو شیخ مجیب الرحمان کو ذوالفقار علی بھٹو کی دعوت پر راتوں رات لاہور لائے' اس سے یہ صاف ظاہر تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو جو بنگلہ دیش نامنظور کہتے رہے تھے' 24 فروری 1974ء کو انہوں نے خود شیخ مجیب الرحمان کو اپنا مہمان بنا کر بنگلہ دیش کو تسلیم کرلیا۔اس میں اسلامی ممالک کے سربراہان کا کلیدی رول تھا۔دوسری اسلامی سربراہ کانفرنس کی صدارت بھٹو صاحب نے خود کی تھی۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور میں ایوب خان کے ایٹمی پروگرام کو تیزی سے اور خفیہ طور پر آگے بڑھایا۔اپنے دور میں وہ یورینیم افزودہ کرنے کے ماہر ڈاکٹر اے کیو خان (عبدالقدیر خان) کو مکمل اختیارات دے کر ہالینڈ سے پاکستان لائے۔ڈاکٹر اے کیو خان نے پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے ممبر ٹیکنیکل بن کر ریٹائر ہونے والے غلام نبی صاحب اور انکے ساتھیوں کو واہ کینٹ میں ایک کمرہ الاٹ کرا کے ایٹمی پروگرام کا مطالعہ کرنے پر مامور کیا۔

Scanned with CamScanner

1973ء میں دستور پاکستان کو منتخب قومی اسمبلی سے منظور کروالینا بھی بھٹو صاحب کا ایک اہم کارنامہ تھا، مگر اس دستور کو جنرل ضیاء الحق، سابق چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری حتیٰ کہ جنرل پرویز مشرف نے بھی بالائے طاق رکھ دیا اور اسے معطل کیا جاتا رہا۔ 1977ء میں اپوزیشن جماعتوں نے پی این اے (پاکستان قومی اتحاد) بنا کر بھٹو دور کے انتخاب کو دھاندلی زدہ قرار دے کر نئے انتخابات کرانے کا مطالبہ کر دیا۔ پاکستانی افواج نے جولائی 1977ء میں بھٹو کو گرفتار کیا اور جنرل ضیاء نے مارشل لاء نافذ کر دیا، آئین کو معطل کر دیا گیا۔ بھٹو کو ہائیکورٹ نے نواب محمد احمد خان (معروف قانون دان احمد رضا قصوری کے والد) کے قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا سنائی، جس کے خلاف اپیل سپریم کورٹ نے کثرت رائے سے مسترد کر دی۔ 4 اپریل 1979ء کو 51 سال کی عمر میں انہیں راولپنڈی کی ڈسٹرکٹ جیل میں پھانسی دی گئی۔ پاکستانی عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ دینے والے ذوالفقار علی بھٹو کے پیروکار آج بھی بھٹو صاحب کو ''قائد عوام'' کا خطاب دیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

بھٹو پھانسی

18 اکتوبر 1977 عام انتخابات کی تاریخ کا اس وقت کے چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے اعلان ہوتے ہی سیاسی سرگرمیوں کی اجازت مل گئی۔ اس اثنا میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے بھی سی ایم ایل اے کے نوے دن کے اندر عام انتخابات کرانے کے اعلان پر حکومت پر قبضے کو جائز قرار دے دیا۔ پاکستان کے تمام صوبائی اور قومی اسمبلیوں کی نشستوں کیلئے پاک فوج کے کرنل صاحبان کا تقرر بطور ریٹرننگ افسر کر دیا گیا اور ایک نئے قانونی ڈھانچے (ہاؤسز آف پارلیمنٹ آرڈر 1977) کا اجراء ہو گیا اس وقت اسلام آباد میں چھ لیفٹیننٹ کرنل ریٹرننگ افسر بنائے گئے اور ان کو راولپنڈی ڈسٹرکٹ کونسل کے ہال واقع ضلع کچہری راولپنڈی میں دفاتر مہیا کر دیئے گئے (اس وقت اسلام آباد راولپنڈی ضلع کا ہی ایک حصہ تھا) اس اثنا میں خان عبدالولی خان کی غداری کے بھٹو کی طرف سے قائم کئے گئے مقدمے کو واپس لئے جانے کی خبریں بھی گشت کرتی رہیں۔ جنوری 1977 کے مقابلے میں اس دفعہ انتخابی مہم کا آغاز پی این اے (پاکستان قومی اتحاد) کی طرف سے لیاقت باغ راولپنڈی کے عام جلسے سے ہوا جس میں مولانا مفتی محمود (والد مولانا فضل الرحمٰن) سمیت پی این اے کی پوری قیادت کا زور خطاب دیکھا ان میں جماعت اسلامی کے پروفیسر غفور احمد، این ڈی پی کی بیگم نسیم ولی خان، شیر باز مزاری، تحریک استقلال کے ایئر مارشل (ر) اصغر خان، پاکستان مسلم لیگ (پگاڑا) کے ایک اہم رہنما سمیت شامل تھے لیکن ان کی مایوسی بہت واضح تھی۔ اچھے موسم کے باوجود لیاقت باغ میں لوگوں کی وہ حاضری نہ تھی جو مارچ 1977 کے الیکشن کی سیاسی مہم کے دوران ہوا کرتی تھی مایوسی اس وقت انتہا کو پہنچی جب 28 ستمبر 1977 کو بیگم نصرت بھٹو نے صرف پیپلز پارٹی کی طرف سے جلسہ عام سے لیاقت باغ راولپنڈی میں بھی خطاب کیا جو ہر لحاظ سے پی این اے کے جلسے کے مقابلے میں بہت بڑا اور پر جوش بھی تھا۔ اس دوران ایوان تجارت وصنعت راولپنڈی کے صدر مرحوم شیخ عشرت علی جو پی پی پی کے صوبائی اسمبلی کے ٹکٹ ہولڈر بھی تھے نے راولپنڈی کلب (جواب آرٹلری میس) مال روڈ میں چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کو ستمبر 1977 میں بعد نماز عصر استقبالیہ دعوت دی جس کے اختتام پر راقم نے ان کی طرف سے حیدر آباد ٹریبونل کے مستقبل اور خان عبدالولی خان اور ان کی سیاسی جماعت (نیشنل عوامی پارٹی) کے قائدین کی حیدر آباد جیل سے رہائی کے متعلق استفسار کیا کیونکہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد خان عبدالولی خان وقتاً فوقتاً کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں دانتوں کے علاج کے بہانے جنرل ضیاء الحق کے ساتھ خفیہ ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ راجہ ظفر الحق جو راولپنڈی بار کے اس وقت صدر تھے نے بھی ولی خان کو بار ایسوسی ایشن سے خطاب کی دعوت دی جس کے بعد سوال وجواب کی وجہ سے حبیب وہاب الخیری ایڈووکیٹ نے سپریم کورٹ میں توہین عدالت کی کارروائی کیلئے درخواست دائر کر رکھی تھی۔ جنرل ضیاء الحق نے ٹریبونل کے مستقبل کے بارے میں راقم کے سوال کا گول مول سا جواب دیا لیکن خان عبدالغفار خان مرحوم (والد خان عبدالولی خان) کی حب الوطنی کی تصدیق یہ کہتے ہوئے کی کہ میں غفار خان کو اتنا ہی محب وطن سمجھتا ہوں جتنا خود کو۔ راقم کے ساتھ اس مکالمے کی وجہ سے عام لوگوں میں جن میں سکیورٹی فورسز بھی شامل ہیں ایک اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور اس طرح راولپنڈی کے جلسوں کی حاضری کے ساتھ مل کر جنرل ضیاء الحق کو عام انتخابات ملتوی کرنے کا ایک بہانہ مل گیا۔ گویا ایسا نادانستگی میں ہی ہوا۔ اس مرحلے تک جنرل صاحب کو عمومی طور پر میڈیا کے سوال جواب کی حساسیت کا اتنا تجربہ نہیں تھا۔

اگلے دو دن کے اندر ملک کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور یکم اکتوبر 1977 کی شام کو چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے اپنے ہی اعلان

Scanned with CamScanner

کردہ عام انتخابات کو غیر معینہ عرصے کیلئے ملتوی کر دیا جس کیلئے یہ توجیہہ دی کہ دونوں بڑی سیاسی گروپ انتخابات کا التوا، چاہتے ہیں خاص طور پر ذوالفقار علی بھٹو صاحب جن کا یہ مطالبہ کہ جنرل صاحب پہلے احتساب کریں اور پھر انتخابات کرائیں تا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ انہوں نے عوام کی خدمت کی یا عوام کو لوٹا ہے جیسا کہ روزنامہ مساوات کی چیختی چنگھاڑتی سرخی میں بھٹو کا یہ بیان چھپا اس کے ساتھ ہی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے رویئے میں یکا یک تختی پیدا ہوگئی جس کا اظہار مسعود محمود وسابقہ ڈائریکٹر جنرل ایف ایس ایف کی ایبٹ آباد میں گرفتاری اور بعد میں اعتراضی (وعدہ معاف) گواہ کے طور پر بیان قلمبند کر دیا گیا۔ اسی عرصے میں لاہور ہائیکورٹ کی طرف سے بھٹو صاحب کی نظر بندی کے خلاف دائر کی گئی دخواست منظور کی گئی۔ اس کے بعد پورا لاہور (پنجاب) لاہور کی سڑکوں پر اس وقت امڈ آیا جب بھٹو صاحب لاہور ایئرپورٹ پر پہنچے روزمرہ کی زندگی تقریباً معطل ہوگئی اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو قوم سے خطاب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں تمام سیاسی لیڈروں کو یہ کہہ کر سخت انتباہ کیا گیا جہاں انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ سے دوسروں کے ساتھ شفقت سے پیش آنے کا سبق سیکھا وہاں ان کے والد کی طرف سے ضرورت پڑنے پر سختی کرنے پر بھی گریز نہ کرنے کا درس لے رکھا ہے اپنی اس تقریر میں ضیاء الحق نے بھٹو صاحب کے ساتھ کراچی میں ایک ہی کار میں سفر کا حوالہ بھی دیا اور قوم کو بتایا کہ بھٹو ایک قانون شکن لیڈر ہے کیونکہ وہ کسی ٹریفک سگنل پر گاڑی کھڑی نہیں کیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بھٹو صاحب کو نواب محمد احمد خان (والد احمد رضا قصوری) کے لاہور میں قتل کے الزام میں ایف آئی اے کے ذریعے آدھی رات کو- 70 کلفٹن کراچی میں جگا کر گرفتار کیا گیا۔ گرفتاری کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا گیا بھٹو صاحب کو اس کا سخت قلق رہا سخت صدمہ پہنچا بالخصوص اس وجہ سے سول ملٹری ٹیم نے نیم شب ان کی بیٹی بینظیر بھٹو کے بیڈروم میں بغیر دروازہ کھٹکھٹاتے گھسنے کا پتہ چلا۔ بھٹو صاحب کہا کرتے تھے ایسا انہوں نے خود بھی کبھی نہیں کیا کہ اپنی بیٹی کے کمرے میں بغیر دروازہ کھٹکھٹاتے اندر گئے ہوں۔ اسی اثنا میں ایف آئی اے نے لاہور ہائیکورٹ میں نواب محمد احمد خان کے قتل کا مقدمہ چلانے کی درخواست دائر کی حالانکہ عام طور پر ایسے مقدمات سیشن کورٹ میں زیر سماعت ہوتے ہیں۔ ہائیکورٹ نے پانچ ججوں پر مشتمل فل بنچ تشکیل دیا۔

جس کے روبرو کئی مہینے مقدمہ زیر سماعت رہا۔ بھٹو صاحب کی تضحیک کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا یہاں تک کہ چیف جسٹس ہائیکورٹ جسٹس مولوی مشتاق حسین نے اپنی عدالت میں ایک آہنی پنجرہ رکھوایا جس کے اندر بھٹو صاحب کو بٹھایا جاتا، ایک ایک کر کے وکیل صفائی مقدمے سے احتجاجاً علیحدہ ہوتے گئے ان میں ڈی ایم اعوان کا نام سرفہرست ہے ان کے بعد قربان صادق ایڈووکیٹ کو وکیل صفائی کی ذمہ داری دی گئی جو بعد میں ہائیکورٹ کے جج بنے لیکن فیصلہ متفقہ اور سزائے موت کا حکم صادر کر دیا گیا، فیصلے پر دستخط کرنیوالے جج صاحبان میں مسٹر جسٹس گلباز اور مسٹر جسٹس آفتاب حسین (جو بعد میں شریعت کورٹ کے چیف جسٹس بھی بنے) جسٹس ایم ایس ایچ قریشی (جو بعد میں سپریم کورٹ کے جج بنے) چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین شامل تھے لیکن فیصلہ مسٹر جسٹس آفتاب حسین نے لکھا۔

اس سارے عمل میں بھٹو صاحب کو اپیل کے ایک حق سے محروم کر دیا گیا جو عام طور پر سیشن جج کے فیصلے کے خلاف ہائیکورٹ میں کی جاتی ہے۔ ہائیکورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی جس کے لئے نو ججوں پر مشتمل فل کورٹ نے کئی ماہ سماعت کی، عام خیال یہ تھا کہ بھٹو صاحب سپریم کورٹ سے اپنی بریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو نگے لیکن اپیل کی سماعت کو اتنا لٹکایا گیا کہ دو جج صاحبان جس میں جسٹس وحید الدین احمد، مسٹر جسٹس قیصر خان کو ریٹائر ہونے دیا گیا اس طرح باقی سات ججوں مسٹر جسٹس انوار الحق چیف جسٹس آف پاکستان،

Scanned with CamScanner

چوہدری ظہور الٰہی کے سدھی مسٹر جسٹس کرم الٰہی چوہان، مسٹر جسٹس ملک اکرم، مسٹر جسٹس محمد حلیم، مسٹر جسٹس دراب پٹیل، مسٹر جسٹس صفدر علی شاہ اور ایک دوسرے فاضل جسٹس نے فیصلہ لکھا۔ مسٹر جسٹس محمد حلیم، مسٹر جسٹس دوراب پٹیل، مسٹر جسٹس صفدر علی شاہ نے بھٹو صاحب کو بری کرنے کا فیصلہ لکھا باقی چار نے ان کی اپیل مسترد کر دی۔ نظر ثانی کی اپیل بھی اسی بنچ نے خارج کر دی۔

اس دوران 23 مارچ 1979 کو صدر اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیا الحق نے ایک دفعہ پھر اکتوبر 1979 میں عام انتخابات کروانے کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان سنگین دھوکہ تھا کیونکہ بھٹو صاحب اور ان کی پارٹی کو یہ یقین ہو گیا کہ اب پھانسی بھٹو کو نہیں دی جا سکتی، چونکہ پھانسی دینے کی صورت میں پیپلز پارٹی پورے ملک میں مظلوم بن کر عام انتخابات جیت جاتی۔ لیکن یکا یک 3 اور 4 اپریل 1979 کی رات کو بارش کے باوجود بھٹو صاحب کو پھانسی لگا دی گئی اس سے ایک دن پہلے بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کی ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی (جہاں اب پارک بنا دیا گیا ہے) میں آخری ملاقات بھی کرا دی گئی لیکن بھٹو صاحب کو یہ بالکل یقین نہ آیا کہ موت کتنی قریب آ چکی ہے۔

پھانسی کی خبر ملتے ہی سندھ بھر میں ہنگامے پھوٹ پڑے باقی تینوں صوبوں میں کوئی خاص ردعمل نہ ہوا ہمارا کوہ ہمالیہ رویا نہ دریائے سندھ سرخ ہوا۔ بھٹو صاحب کی میت کو رات کے اندھیرے میں سی 130 طیارے میں نوڈیرو پہنچا کر ایک واجبی سا جنازہ کرانے کے بعد دفن کر دیا گیا اس کے کچھ ہفتوں کے بعد اکتوبر 1979 کے عام انتخابات بھی صدر ضیا الحق نے ایک دفعہ پھر منسوخ کر دیے۔ پی این اے کے مرکزی قائدین نے کمال ڈھٹائی کے ساتھ عبوری وفاقی کابینہ میں شمولیت اختیار کر لی جن میں چوہدری ظہور الٰہی (محنت افرادی قوت) پروفیسر غفور احمد (پیداوار) پروفیسر خورشید احمد (منصوبہ بندی و ترقی) جاوید ہاشمی (امور نوجوانان) لیفٹیننٹ جنرل غلام حسن (انڈسٹریز) شامل ہیں وزیر بننے والوں میں سندھ صوبہ سرحد صوبہ بلوچستان کے سیاست دان بھی شامل تھے۔ پی این اے جنرل الیکشن سے دوسری دفعہ راہ فرار اختیار کر گئی حالانکہ تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ میں ان کا بنیادی مطالبہ نئے الیکشن کا تھا جو بھٹو نے 3 جولائی 1977 کو تسلیم بھی کر لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

صدر ضیاء الحق اور 28 سٹار جنرل حادثے میں شہید

صدر جنرل محمد ضیاء الحق 17 اگست 1988 ، کو بدھ کی سہ پہر تین بجکر اکیاون منٹ پر بہاولپور کے قریب بستی لال کمال کے مقام پر فضائی حادثے میں شہید ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ حکومت پاکستان نے دس روز تک قومی سوگ منانے کا اعلان کیا۔ آئین کے تحت سینٹ کے چیئرمین مسٹر غلام اسحاق خان نے ملک کے سربراہ کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ بدھ کی شام پریذیڈنسی راولپنڈی میں انہوں نے کابینہ کے ایک ہنگامی اجلاس کی صدارت کی جس میں تینوں مسلح افواج کے سربراہان نے بھی شرکت کی۔ بدھ کی شب آٹھ بجے سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ صدر ضیاء الحق بہاولپور گئے تھے جہاں انہوں نے فوجی یونٹوں کا معائنہ کیا۔ واپسی پر وہ بہاولپور سے پاک فضائیہ کے سی 130 طیارے میں سوار تھے جو ساڑھے تین بجے کے بعد فضا میں بلند ہوا اور پرواز کے چند منٹ پر بہاولپور سے 7 میل دور دریائے ستلج کے قریب فضا میں دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ طیارے میں دوسروں کے علاوہ جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین جنرل اختر عبدالرحمن، چیف آف جنرل سٹاف لیفٹیننٹ جنرل محمد افضال اور امریکی سفیر آرنلڈ رافیل صدر کے ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر نجیب احمد ملک، صدر کے پریس سیکرٹری بریگیڈیئر صدیق سالک، صدر کے اے ڈی سی مسٹر راحت اور دوسرے اعلیٰ حکام بھی سوار تھے۔ طیارے میں سوار تمام افراد جاں بحق ہو گئے۔ سرکاری اعلان سے قبل صدر ضیاء الحق کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ملک کے طول وعرض میں پھیل گئی اور اخبارات کے دفاتر میں ٹیلیفون کالوں کا تانتا بندھ گیا۔ ملک کی تمام تنصیبات پر حفاظتی انتظامات سخت کر دیئے گئے اور شام ساڑھے سات بجے غلام اسحاق خان نے آئین کے تحت ملک کے صدر کی ذمہ داری سنبھال لی۔ وزیر دفاع محمود اے ہارون کو اس فضائی حادثے کی اطلاع کراچی ایئر پورٹ پر ملی وہ فوراً خصوصی طیارے کے ذریعے اسلام آباد لوٹ آئے۔ دن بھر کی مصروفیات کے بعد صدر ضیاء الحق اسلام آباد واپس آنے کے لیے بہاولپور ایئر پورٹ سے سی 130 طیارے میں روانہ ہوئے اور پرواز کے چند منٹ بعد ہی ان کا طیارہ خوفناک دھماکے سے پھٹ گیا۔ طیارے کا ملبہ کئی کلومیٹر کے علاقے میں پھیل گیا اس سارے علاقے کو فوجی دستوں نے گھیرے میں لے لیا۔ امدادی ہیلی کاپٹر موقع پر پہنچ گئے۔ صدر ضیاء الحق اور ان کے ہم سفر افراد کے پرخچے اڑ گئے جنہیں فوجی جوانوں نے جمع کرنے کا کام شروع کر دیا۔ سی 130 طیارہ چونکہ فضا میں پھٹا تھا اس لیے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکا۔ حکومت پاکستان نے فضائی حادثے کی اعلیٰ سطحی تحقیقات کا حکم دیدیا۔ حادثے میں جاں بحق ہونے والوں کے ٹکڑے دور دور تک بکھرے پڑے تھے۔ جنہیں اکٹھا کیا جا رہا تھا۔ بہاولپور سے اس مقصد کے لیے 25 تابوت روانہ کئے گئے تھے۔ سرکاری اعلان کے مطابق درج ذیل افراد بدقسمت طیارے کے حادثے میں جاں بحق ہوئے۔ جنرل محمد ضیاء الحق (صدر مملکت)، جنرل اختر عبدالرحمان خان (چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی) لیفٹیننٹ جنرل میاں محمد افضال (چیف آف جنرل سٹاف) میجر جنرل محمد شریف ناصر (ڈپٹی چیف آف جنرل سٹاف) میجر جنرل عبدالسمیع (وائس چیف آف جنرل سٹاف) میجر جنرل محمد حسین اعوان (جنرل آفیسر کمانڈنٹ) بریگیڈیئر نجیب احمد (ملٹری سیکرٹری پریذیڈنسی) بریگیڈیئر معین الدین خواجہ (پی ایس او ٹو چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی) بریگیڈیئر صدیق سالک (ڈی پی آر) بریگیڈیئر محمد لطیف (ڈی ای ایم ای) کرنل صفدر محمود (او ایس ڈی ایڈمن پریذیڈنسی) سکواڈرن لیڈر راحت مجیب صدیقی (اے ڈی سی صدر) کیپٹن زاہد (جی ایس او۔ 3 سی جی ایس سیکرٹریٹ) نائب صوبیدار محمد شفیق، غیر ملکی ہلاک شدگان آرنلڈ رافیل (سفیر امریکہ) بریگیڈیئر واسم مالک واڈوی (آرمی اتاشی امریکہ) طیارے کا عملہ ونگ کمانڈر مشہود سکواڈرن لیڈر ذوالفقار، فلائٹ لیفٹیننٹ ساجد، فلائٹ لیفٹیننٹ مشہود اور فلائٹ

Scanned with CamScanner

لیفٹیننٹ عصمت۔ سی ڈبلیو او وریز۔ چیف ٹیکنیشن رفیق، سینئر ٹیکنیشن فردوس، سینئر ٹیکنیشن حبیب، سینئر ٹیکنیشن منظر، سینئر ٹیکنیشن اطہر، سینئر ٹیکنیشن عزیز، جونیئر ٹیکنیشن شفقت۔ ریڈیو ٹی وی پر حادثے کا اعلان قائم مقام صدر غلام اسحاق خان نادانستہ طور پر بڑے مضحکہ خیز انداز میں کیا۔ ''بہاولپور کے قریب فضائی حادثے میں ہمارے محبوب صدر شہید اور 24 افراد ہلاک ہو گئے۔''

طیارے کی تباہی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا

نئے چیف آف آرمی سٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ نے صدر ضیاء الحق اور ان کے رفقاء کے طیارے کی تباہی کا دلدوز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پاکستان آرمی کے وائس چیف آف سٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ بدھ کی صبح جنرل ضیاء الحق کے ساتھ 130 طیارے میں بہاولپور گئے تھے۔ مگر واپسی پر چونکہ انہیں کسی اور جگہ جانا تھا اس لیے وہ اپنے لیے مخصوص چھوٹے طیارے میں الگ سوار ہو گئے۔ جنرل مرزا اسلم بیگ نے بدھ کی شب کابینہ کے ہنگامی اجلاس کو بتایا کہ صدر ضیاء الحق اور ان کے رفقاء جس سی 130 طیارے میں سوار تھے اس کا ان کے چھوٹے طیارے سے ریڈیائی رابطہ تھا۔ صدر کے طیارے کے ساتھ جونہی ان کے طیارے کا ریڈیائی رابطہ منقطع ہوا تو انہوں نے اپنے طیارے کے ہوا باز کو ہدایت کی کہ وہ طیارے کا رخ واپس موڑیں جونہی اس نے طیارے کا رخ موڑا اس وقت دور فضا میں سی 130 دھماکے کے ساتھ پھٹ چکا تھا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے طیارے کے ٹکڑوں سے شعلے بلند ہوتے دیکھے۔ یہ منظر بیان کرتے ہوئے جنرل اسلم بیگ جو صدر ضیاء الحق کے معتمد ترین رفیق تھے کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

تمام سرحدوں پر فوج کو چوکس کر دیا گیا

صدر ضیاء الحق کی المناک موت کے ساتھ ہی وطن عزیز کی تمام سرحدوں پر مسلح افواج کو چوکس کر دیا گیا تا کہ کوئی مکار دشمن اس نازک صورتحال سے استفادہ نہ کر سکے۔ اس طرح پاکستان کی تمام اہم تنصیبات پر فوجی، نیم فوجی اور پولیس کے دستے تعینات کر دیے گئے۔ بڑے بڑے شہروں کے علاوہ ہوائی اڈوں پر اور دوسرے حساس مقامات کے گرد فوجی دستے گشت کر رہے تھے۔

آرزو پوری نہ ہو سکی

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی پاکستان کے عظیم دوست عوامی جمہوریہ چین کے دورے کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔ وہ چین کے نئے صدر سے اہم ملاقات کے لیے پہلے 30 مئی کو بیجنگ جانے والے تھے مگر 29 مئی کے اپنے اقدام (وزیراعظم جونیجو کی برطرفی) کی وجہ سے وہ نہ جا سکے۔ پھر وہ 31 اگست کو چین جانے والے تھے۔ اس کی تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

پاکستانیوں نے ہزاروں کالیں بک کیں

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے فضائی حادثے میں جاں بحق ہونے والوں کی خبر لمحوں میں پوری دنیا میں پھیل گئی حتیٰ کہ محو پرواز طیاروں کے مسافروں کو ہوا بازوں نے پبلک ایڈریس سسٹم پر پاکستان کے صدر کی المناک موت کی اطلاع بہم پہنچائی۔ پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائن کارپوریشن کا طیارہ جو بدھ کو کراچی سے براہ راست پیرس، لندن روانہ ہوا تھا پیرس کے مختصر قیام کے بعد جب لندن کے لیے روانہ ہوا تو طیارے کے ہوا باز نے ریڈیائی رابطے سے حاصل ہونے والی یہ المناک خبر پبلک ایڈریس سسٹم پر مسافروں کو دی۔ اس خبر سے برطانیہ میں مقیم پاکستانی دم بخود ہو گئے اور تفصیلات معلوم کرنے کے لیے انہوں نے سینکڑوں کالیں پاکستان بک کرائیں۔

Scanned with CamScanner

لوگ دم بخود رہ گئے

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی ناگہانی اور المناک وفات کی خبریں سن کر پاکستانی قوم پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کوئی پاکستانی مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا بچہ ایسا نہیں تھا جس کا دل اس المناک واقعے پر نہ پسیجا ہو۔ صدر سے شدید اختلافات رکھنے والے لوگ بھی دم بخود رہ گئے۔ لوگ اس خبر پر یقین کرنے کو تیار نہ تھے۔ طیارے کے حادثے کے بارے میں اطلاع کی تصدیق کرنے کے لیے جب انٹر سروسز پبلک ریلیشنز کے ڈائریکٹر اور صدر کے پریس سیکرٹری بریگیڈیئر صدیق سالک کی رہائشگاہ پر فون کیا گیا تو ان کی نوعمر بچی نے جواب دیا کہ ابو صدر کے ساتھ ملتان گئے ہیں ضمنی استفسار پر اس بچی نے کہا کہ شام کو یا رات کو واپس آئیں گے۔

صدر ضیاء الحق کی پورے اعزاز کے ساتھ تدفین

عالم اسلام کے عظیم ترین رہنما پاکستان کے شہید صدر ضیاء الحق کو فیصل مسجد اسلام آباد کے احاطے میں دفن کیا گیا۔ نماز جنازہ میں پچاس سے زائد ممالک کے سربراہان اور وفود کے علاوہ پاکستان کے لاکھوں عوام نے شرکت کی۔ قائم مقام صدر غلام اسحق خان کی صدارت میں وفاقی کابینہ کے خصوصی اجلاس میں صدر ضیاء الحق کو سپرد خاک کرنے کے اقدامات کی منظوری دیدی گئی۔ علاوہ ازیں مسلح افواج کے سربراہ اور دوسرے عہدیداروں نے سول پولیس کے سرکردہ حکام کے ساتھ الگ الگ اجلاسوں میں غیر ملکی شخصیات کی حفاظت کے لیے غیر معمولی انتظامات کئے سب سے پہلے نیپال کے وزیر اعظم اسلام آباد پہنچے۔ رات گئے تک غیر ملکی سربراہوں اور وفود کا سلسلہ جاری رہا۔ بیشتر غیر ملکی شخصیات کا سینئر وزیر اسلم خٹک نے ہوائی اڈے پر خیر مقدم کیا۔ جنازے کے جلوس کے لیے راولپنڈی اور اسلام آباد میں ٹریفک کے غیر معمولی انتظامات کئے گئے تھے۔ شہید صدر کی میت لحد میں اتارنے سے قبل 21 توپوں کی سلامی دی گئی۔ ماتمی دھن بجائی گئی۔ اس موقع پر پاک فضائیہ کے طیاروں نے سلامی دی۔ سول ایوی ایشن کے ہیلی کاپٹروں اور طیاروں سے لحد پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔ قبل ازیں وزیر داخلہ ملک نسیم احمد چیف آف آرمی سٹاف جنرل مرزا محمد اسلم بیگ، چیئرمین سی ڈی اے مظہر رفیع نے دوسرے حکام کے ساتھ فیصل مسجد کے جنوب میں واقع سبزہ زار کو اتحاد عالم اسلام کے داعی کی آخری آرام گاہ کے طور پر قبر کھدائی۔ اسلام کے لیے صدر ضیاء الحق کی بے پناہ خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں دنیا کی عظیم ترین مسجد میں سپرد خاک کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس کا قوم نے از حد خیر مقدم کیا۔ نماز جنازہ کے موقع پر اسلام آباد اور راولپنڈی میں پاکستان کی تاریخ کے سخت ترین حفاظتی انتظامات کئے گئے۔ قومی دستوں کے علاوہ پنجاب کانسٹیبلری فرنٹیئر کانسٹیبلری پنجاب پولیس کے خصوصی دستے راولپنڈی اسلام آباد پہنچے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب جناب نواز شریف نے صدر کی تجہیز و تکفین اور جنازے کے جلوس کے انتظامات میں خصوصی رول ادا کیا۔

جنازے میں صدر غلام اسحاق خان سپیکر قومی اسمبلی حامد ناصر چٹھہ، وفاقی وزراء صوبائی گورنر، پنجاب کے وزیر اعلیٰ نواز شریف، بلوچستان کے وزیر اعلیٰ میر ظفر اللہ جمالی سرحد کے وزیر اعلیٰ فضل حق سندھ کے نگران گورنر جنرل رحیم الدین سندھ کے سینئر وزیر اختر علی جی قاضی، مسلح افواج کے سربراہان آزاد کشمیر کے صدر سردار عبدالقیوم خان، وزیر اعظم سردار سکندر حیات، وفاقی سیکرٹریز، وزراء اعلیٰ، سول و فوجی حکام اور غیر ملکی شخصیت نے بھی شرکت کی۔ نماز جنازہ کے بعد لحد پر سب سے پہلے قائم مقام صدر اسحاق خان، پاکستانی قوم کی طرف سے مسلح افواج کے سربراہان اور افواج کی طرف سے پھول چڑھائے گئے۔ غیر ملکی سربراہان اور وفود نے بھی اپنے اپنے ملک کی عوام اور حکومت کی طرف سے دوست ملک کے سربراہ کی لحد پر پھولوں کی چادریں چڑھائیں۔

Scanned with CamScanner

امریکا پاکستان کے تحفظ کے وعدے پر قائم رہے گا

امریکا کے وزیر خارجہ جارج شلز نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی تجہیز و تکفین میں امریکی صدر کی نمائندگی کی۔ ان کے ہمراہ نائب وزیر خارجہ آرما کوسٹ امریکی کانگریس کا وفد پاکستان میں امریکہ کے نئے سفیر رابرٹ اوکلے اور دوسرے حکام بھی تھے۔ اسلام آباد ایئرپورٹ پر اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے امریکی وزیر خارجہ نے کہا کہ صدر ضیاء الحق محافظ آزادی پاکستان تھے اس حیثیت میں ہمارے دل میں ان کے لیے بڑا احترام ہے۔ علاوہ ازیں وہ افغان کاز کے اولوالعزم چیمپئن تھے۔ جارج شلز نے کہا کہ ان کا موجودہ سفر عام سفر نہیں بلکہ سفر سوگ ہے۔ ہم صدر ضیاء الحق کا سوگ منانے پاکستان آئے ہیں۔ دنیا کے اس خطے میں استحکام پیدا کرنے کے لیے صدر ضیاء الحق نے جو اقدامات کئے ان کی بنا پر وہ ہمیشہ یاد کئے جائینگے۔ جارج شلز نے کہا کہ وہ پاکستان میں متعین امریکی سفیر آرنلڈ رافیل پاکستان میں اپنے دفاعی نمائندے بریگیڈیئر جنرل میر برٹ واسم کے فضائی حادثے میں موت پر بھی رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں اور ہمارے لیے قیمتی اثاثہ تھے۔ علاوہ ازیں امریکہ پاکستانی حکومت کے اس عزم کو سراہتا ہے جو اس نے آئینی عمل کو جاری رکھنے کے ضمن میں کیا ہے۔ امریکی وزیر خارجہ نے کہا کہ حالیہ فضائی حادثے کے بعد بھی امریکہ پاکستان کی آزادی و سالمیت کے تحفظ کے لیے اپنے مضبوط اور ناقابل شکست وعدے پر قائم رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ پاک امریکہ دوستی پائیدار رہے گی۔

ضیاء الحق نے صدر کی حیثیت سے کبھی تنخواہ نہیں لی

شہید صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے 1977ء سے 1988ء تک صدر پاکستان کی حیثیت سے کوئی تنخواہ نہیں لی وہ صرف چیف آف آرمی سٹاف کی حیثیت سے تنخواہ لیا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ دونوں عہدوں کی تنخواہ لے سکتے تھے۔ یہ بات نمائندہ جنگ سے غیر رسمی بات چیت کے دوران وزیر داخلہ ملک نسیم احمد آہیر نے کہی۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ ضیاء الحق دیانتدار، محب وطن اور قوم پرست مسلمان سربراہ مملکت تھے جن کی قدر و منزلت چند سال بعد معلوم ہوگی۔

امریکی سفارت خانے میں مسلح افواج کے سربراہان کا اظہار تعزیت

مسلح افواج کے سربراہان چیف آف آرمی سٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ چیف آف نیول سٹاف ایڈمرل افتخار سروہی چیف آف ایئر سٹاف ایئر مارشل حکیم اللہ خان امریکی سفارتخانے گئے جہاں انہوں نے آنجہانی امریکی سفیر آرنلڈ رافیل کی اہلیہ مادام رابن رافیل سے ان کے شوہر کے انتقال پر اپنی اور مسلح افواج کے ارکان کی طرف سے اظہار رنج و غم کیا۔ اس موقع پر امریکی سفارتخانے کی قائم مقام سربراہ مس الزبتھ جونز امریکی سفارتخانے کے نیول اور ایئر اتاشی اور دوسرے حکام بھی موجود تھے۔ مسلح افواج کے سربراہان نے سفارت خانے کے عملے سے بدقسمت طیارے کے حادثے میں بریگیڈیئر جنرل واسم مائیک کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔

صدر ضیاء الحق کی قومی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جائیگا

متوسط اور دیندار گھرانے میں 12 اگست 1924ء کو آنکھ کھول کر اسلامی دنیا کے اہم ترین ملک کے اعلیٰ ترین عہدے پر صرف اپنی صلاحیتوں کے بل پر پہنچنے والے صدر ضیاء الحق اگرچہ اغیار کی سازش کے باعث شہید ہوئے مگر رہتی دنیا تک کرۂ ارض پر بسنے والے مسلمان انہیں حب رسول ؐ اسلام سے والہانہ عشق کے باعث یاد رکھیں گے اور عقیدت پیش کرتے رہیں گے۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نہ صرف نماز پنجگانہ

Scanned with CamScanner

بلکہ تہجد تک باقاعدگی سے ادا کرتے ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اس قدر پختہ ایمان رکھتے تھے کہ کسی طاغوتی طاقت کے سامنے سر جھکانے کو آخری دم تک تیار نہ ہوئے۔ روضہ رسول اور خانہ کعبہ کے سامنے حاضری دیتے وقت ان پر جو رقت طاری ہوتی تھی اس کی بنا پر انہیں سچا عاشق رسول کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ شاید وہ واحد پاکستانی شخصیت تھے جنہیں مارچ 1982ء میں رسول پاک کی لحد مبارک تک جانے کی رسائی ملی اور وہ قبر مبارک سے لپٹ کر اتنی شدت سے روئے کہ ان کی ہچکی بندھ گئی۔ سنگین ترین اور مایوس کن داخلی و خارجی بحران کے موقع پر ان کے پایہ استقامت میں کبھی لغزش نہ آئی نازک سے نازک دور میں پاکستان کی قیادت کا فریضہ نبھاتے ہوئے مرحوم صدر نے جس انداز میں ملک کو سنبھالا دیا اور ترقی کی راہ پر گامزن کئے رکھا اس پر اپنوں کے علاوہ غیر بھی انہیں خراج تحسین پیش کرتے رہے۔ صدر ضیاء الحق نے پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار فوج کے ڈھانچے کو اسلامی نظریات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے بنیادی تبدیلیاں کرنے کی جرات کی۔ صدر ضیاء الحق کا ایک کارنامہ جسے پاکستانی قوم ہمیشہ یاد رکھے گی وہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ہے۔ اس پروگرام کے بارے میں اپنی موت سے صرف 9 روز قبل ملک کے سب سے بڑے ہفت روزے اخبار جہاں کو انٹرویو دیتے ہوئے صدر ضیاء الحق نے کھلے بندوں کہا کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں اور تو اور انہوں نے امریکہ جیسی سپر طاقت کو سوال کرنے کی اجازت نہیں دی۔ پاکستان نے ایٹم بم بنایا ہے یا نہیں بنایا۔ یہ عقدہ کھولے بغیر صدر ضیاء دار فانی سے کوچ کر گئے مگر ان کے کٹر مخالف بھی اس نتیجے پر پہنچے کہ صدر ضیاء الحق کی مدبرانہ قیادت میں پاکستان نے ایٹم بم بنا لیا جس کی صدر پاکستان نے کبھی تصدیق نہیں کی۔ پاکستان کے اس ایٹم بم یا اس کے متعلق دبدبے کا ہی نتیجہ تھا کہ بھارت دنیا بھر کا جنگی سامان حاصل کرنے کے باوجود صدر ضیاء الحق کے دور میں پاکستان پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کر سکا حالانکہ وہی بھارت قبل ازیں 7 سال میں دو بار پاکستان کو جارحیت کا شکار کر چکا تھا۔ صدر ضیاء الحق نہ صرف مستقل مزاج شخصیت تھے بلکہ وہ رواداری کا بھی سراپا و مرقع تھے۔ یتیموں، بیواؤں، کمزور افراد اور طبقوں کے لیے محبت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہزاروں یتیم اور بیواؤں نے ان کے لگائے ہوئے وظیفے سے باعزت زندگی بسر کی۔ معذور افراد کی بہبود کے لیے جتنا کام ان کے دور میں ہوا ملک کی 41 سالہ تاریخ میں نہیں ہوا۔ جنرل محمد ضیاء الحق نہ صرف اعلیٰ اخلاق اور بے مثال قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے بلکہ کئی محاذوں پر اپنی عسکری مہارت کا لوہا بھی منوا چکے تھے۔ عسکری امور میں دنیا بھر میں انہیں اتھارٹی سمجھا جاتا تھا۔ مرحوم نے پاکستان کی مسلح افواج کو نہ صرف جدید ترین دفاعی ٹیکنالوجی اور ساز و سامان سے لیس کیا بلکہ ملکی سرحدوں کے محافظوں کو جذبہ جہاد سے لبریز کرنے کے لیے مثالی کردار ادا کیا۔ صدر ضیاء الحق نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے پہلی مرتبہ مخلصانہ کوششیں کیں جس کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔ اگرچہ لا الہ الا اللہ کے نام پر حاصل کئے گئے اس ملک کو بنے 41 سال گزر چکے تھے مگر اسلامی نظام کے نفاذ کا اعزاز جنرل ضیاء الحق کو ہی حاصل ہوا۔ عالم اسلام کی سربلندی، اتحاد اور پاکستانی قوم کی ترقی و خوشحالی، استحکام و یکجہتی کے لیے انہوں نے جو کوششیں کیں ان کی افغان پالیسی جس طرح کامیابی سے ہمکنار ہوئی اس کی اہمیت آنے والے برسوں میں قائم رہی۔ اگر ضیاء الحق جیسا مسلمان جرنیل سپر طاقت کے سامنے سینہ سپر نہ ہوتا تو مستقبل قریب میں روس کی فوجوں کی یلغار پاک سرزمین کی طرف ہونے کو شاید کوئی نہ روک سکتا۔ ان حالات میں جب سرحد اور دوسرے علاقوں میں بعض عناصر روسی اور بھارتی افواج کو ہار پہنانے کی باتیں کر رہے تھے۔ افغانستان پر روسی فوجوں کے قبضے کے موقع پر صدر ضیاء الحق کا مجاہدانہ فیصلہ تاریخ اسلام کا سنہری باب ہے۔ مرحوم صدر جس بات کو حق سمجھتے تھے اس پر ڈٹ جاتے تھے۔ تا آنکہ لوگ ان کی فراست و تدبر اور دور اندیشی کے قائل ہو جاتے۔

صدر ضیاء الحق کو لاکھوں سوگواروں کی موجودگی سپرد خاک کر دیا گیا

داعی اتحاد اسلام محافظ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کو ہفتے کے روز لاکھوں افراد اور 50 سے زائد ملکوں کے سربراہوں اور وفود کی

Scanned with CamScanner

موجودگی میں فیصل مسجد کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا جس کے بعد انہیں 21 توپوں کی سلامی دی گئی۔ پاکستان کے قائم مقام صدر کے علاوہ غیر ملکی شخصیات نے مزار پر پھولوں کی چادریں چڑھائیں جس سے مزار پھولوں سے لد گیا۔ صدر ضیاء الحق کے جنازے کا باقاعدہ جلوس شاہراہ فیصل اور شاہراہ قائد اعظم کے سنگم سے شروع ہوا۔ جلوس کے سارے راستے لوگ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے رہے اور فضا ''مرد مومن مرد حق، ضیاء الحق ضیاء الحق'' کے نعروں سے گونجتی رہی۔ شاہراہ قائد اعظم کے سنگم سے فیصل مسجد تک لاکھوں کی تعداد میں اسلامیان پاکستان اور غیر ملکی باشندے موجود تھے۔ عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ مگر لاکھوں پاکستانیوں نے غیر ملکی سربراہوں اور دوسری شخصیتوں کی موجودگی کا بے حد خیال رکھا۔ صدر ضیاء الحق کا جنازہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا جس سے ان کے ساتھ پاکستانی قوم کی عقیدت کا عملی ثبوت عیاں ہو گیا۔ صدر ضیاء الحق کی میت صبح گیارہ بجے ملٹری ہسپتال راولپنڈی سے آرمی ہاؤس راولپنڈی لے جائی گئی جہاں ان کی اہلیہ شفیق ضیاء الحق صدر کے بیٹوں، صاحبزادیوں دوسرے عزیز رشتہ داروں نے آخری دیدار کیا۔ یہاں سے صدر کی میت والا تابوت پاک فضائیہ کے چکلالہ ایئر میں پہنچایا گیا۔ وہاں پر تینوں سروسز چیفس اور قائم مقام صدر کی موجودگی میں تابوت کو ایک بڑے ہیلی کاپٹر میں رکھا گیا۔ ہیلی کاپٹر ایوان صدر اسلام آباد کی طرف محو پرواز ہوا تو آٹھ ہیلی کاپٹروں نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ میت والا تابوت ہیلی کاپٹر 12 بج کر 15 منٹ پر ایوان صدر اسلام آباد کے ہیلی پیڈ پر اترا جبکہ آٹھ دوسرے ہیلی کاپٹر بم بلاسٹ کی طرح چاروں طرف بکھر گئے۔ ایوان صدر میں پون گھنٹے تک میت سٹاف کے دیدار کے لیے رکھی گئی جس کے بعد تابوت کو ایک فوجی گاڑی میں رکھ دیا گیا جس میں صدر کے صاحبزادے اعجاز الحق اور آٹھ اعلیٰ فوجی افسر سوار تھے یہ جلوس شاہراہ قائد اعظم کے راستے فیصل مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ فیصل مسجد کے ارد گرد میلوں کے علاقے میں لاکھوں کی تعداد میں مرد عورتیں بوڑھے بچے محبوب صدر کی میت کی آخری جھلک دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

جھلکیاں

o......شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے۔

o......ضیاء تیرا خون انقلاب لائے گا۔

o......دشمنان پاکستان کے خلاف نعرے

o...... 14 افراد تابوت دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔

o......زندہ رہے گا ضیاء الحق

o......راولپنڈی مری روڈ سے لے کر فیصل مسجد تک 18 کلومیٹر لمبے راستے پر گاڑیوں بسوں، ٹرکوں اور موٹر سائیکلوں کی ایک مسلسل قطار چیونٹی کی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی اور لوگوں کی بڑی تعداد جس میں بزرگ، نوجوان بچے بلکہ معذور افراد بھی شامل تھے۔ سڑکوں کے دونوں اطراف پیدل ہی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے فیصل مسجد جا رہے تھے۔

o......جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے جنازے میں شرکت کرنے والے لوگ تمام راستے میں باآواز بلند کلمہ شہادت پڑھتے جا رہے تھے۔ ان میں تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔

o......مختلف بسوں پر بینر لگے ہوئے تھے جن پر لکھا ہوا تھا شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے اور لوگوں نے اپنے بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھی ہوئی تھیں۔

o......طلبہ کا ایک گروپ یہ نعرہ لگا رہا تھا کہ ضیاء تیرا خون انقلاب لائے گا۔

o......اس موقع پر ذرائع ابلاغ کے نمائندے نماز جنازہ کی کوریج کے لیے موجود تھے۔

o......صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی تجہیز و تکفین کی تقریب میں عالمی برادری کے 100 سے زائد ملک کے سربراہان اور نمائندوں نے شرکت کی جنہوں نے شہید صدر کی تدفین کے بعد پھولوں کی چادریں چڑھائیں۔

o......جب میت لائی گئی تو قائم مقام صدر پاکستان غلام اسحاق خان گورنر پنجاب مخدوم محمد سجاد حسین قریشی سندھ کے قائم مقام گورنر جنرل (ر) رحیم الدین خان، گورنر سرحد امیر گلستان جنجوعہ، گورنر بلوچستان جنرل (ر) محمد موسیٰ وزیر اعلیٰ پنجاب نواز شریف وزیر اعلیٰ سرحد فضل حق، وزیر اعلیٰ بلوچستان میر ظفر اللہ جمالی، صوبہ سندھ کے سینئر وزیر اختر علی جی قاضی، تمام وفاقی وزراء اور مسلح افواج کے تینوں سربراہوں نے میت کو کندھا دیا۔

o......میت کی آمد سے قبل گورنر پنجاب مخدوم محمد سجاد حسین قریشی اور وزیر اعلیٰ پنجاب نواز شریف سے کابینہ ارکان اور سابقہ اسمبلیوں کے ارکان کے علاوہ معززین آ کر اظہار تعزیت کرتے رہے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب نواز شریف اس موقع پر انتہائی مغموم دکھائی دے رہے تھے اور تصویر غم بنے بیٹھے تھے۔

o......گورنر پنجاب مخدوم محمد سجاد حسین قریشی، وزیر اعلیٰ پنجاب نواز شریف اور وزیر اعلیٰ سرحد فضل حق کے ہمراہ فیصل مسجد میں مرحوم صدر کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے ایک ساتھ آئے۔

o......سپیکر پنجاب اسمبلی میاں منظور احمد وٹو اور تمام صوبائی وزراء جن میں عبدالستار لالیکا، محمد سلیم اقبال، عبدالقیوم اعوان، ارشد خان لودھی، احسان الحق پراچہ، محمد صدیق کانجو، اختر رسول، محمد نصیر خان اور نصر اللہ دریشک شامل ہیں نے بھی مرحوم صدر کے جنازے میں شرکت کی۔

Scanned with CamScanner

o..... گرمی اس قدر زیادہ تھی کہ گورنر پنجاب مخدوم سجاد حسین قریشی کو ایک موقع پر اپنی شیروانی اتارنی پڑی۔

o..... جنازے کا جلوس شاہراہ قائداعظم اور شاہراہ فیصل کے چوک پر پہنچا تو عوام نے دشمنان پاکستان کے خلاف فلک شگاف نعرے لگائے، ان میں بدلہ لینے کے عزم کا اظہار بھی تھا۔ اس چوک پر اکٹھے ہونے والے ہجوم میں سے 14 افراد تابوت دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔ جلوس گزر جانے کے بعد بھی "زندہ رہے گا ضیاء الحق" کے نعرے لگتے رہے۔ بعض گاڑیوں پر لوگوں نے لاؤڈ سپیکر لگا رکھے تھے۔

o..... پرانی صنعتی نمائش کے سامنے بھی بوڑھے، بچوں عورتوں اور جوانوں کو بسوں سے زبردستی اتارا جاتا رہا۔

o..... ایک معمر خاتون کالا ماتمی لباس پہنے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک سر سے اونچا اٹھائے کلمہ کا ورد کرتی سڑک کے کنارے کنارے فیصل مسجد کی طرف تیزی سے گامزن دیکھی گئی۔

o..... ایک معذور ضعیف معراج الدین ہاتھ اور پاؤں کے بل چلتے جا رہے تھے وہ کوئی 50، 60 گز جب چل چکتے تو ان کا سانس پھول جاتا کچھ دیر کے لیے وہ بیٹھ جاتے اور پھر چل پڑتے پوچھنے پر بتایا کہ میں اپنے محبوب صدر کے جنازے میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔

o..... جوانوں کی ٹولیاں صدر کی بڑی بڑی تصاویر اٹھائے یہ پرجوش نعرے بھی لگا رہی تھیں۔ ضیاء الحق زندہ ہے ضیاء الحق زندہ ہے۔

o..... بعض افراد نے ضیاء الحق کی رنگین تصویر گلے میں لٹکا رکھی تھی۔

o..... کچھ لوگوں نے گاڑیوں کے سامنے کے شیشے پر صدر ضیاء کی پوسٹر نما بڑی رنگین تصویر لگا رکھی تھی۔

o..... جنازے کے شرکاء کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ لاؤڈ سپیکروں کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا اور لاؤڈ سپیکروں والے پول جا بجا پڑے تھے۔

o..... دو بجے کے بعد بھی جب نماز جنازہ تکبیروں کی آوازیں نہ آئیں تو مسجد سے دو دو کلومیٹر دور کھڑے لاکھوں افراد نے از خود نیت باندھی۔ نماز ادا کی اور دعا مانگ کر واپس جانے لگے۔

o..... کئی کوٹھی والوں نے ہزاروں افراد کو نماز ادا کرنے کے لیے اپنے گیٹ کھول دیئے مگر چند کوٹھیوں کے مقیموں نے جب گیٹ نہ کھولے تو لوگوں کا جم غفیر گیٹ کے اوپر سے چھلانگیں مار کر اندر داخل ہو گیا اور وہاں انہوں نے نماز جنازہ ادا کی۔

o..... پراؤڈ پاکستانی ٹرسٹ کے ایک سو کارکنوں نے ہفتے کی شام 4 بجے مرحوم صدر ضیاء الحق کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھائی اس سے قبل مذکورہ تنظیم کے کارکنوں نے ایم ایچ کے سرد خانے کے باہر تمام رات قرآن خوانی کی۔

o..... مرحوم صدر ضیاء الحق کی نماز جنازہ میں نامور فنکار محمد علی نے بھی شرکت کی۔ وہ ایوان صدر اسلام آباد سے مرحوم کے تابوت کے جلوس کے ہمراہ فیصل مسجد پہنچے۔

o..... نماز جنازہ سے قبل اور بعد ریڈیو پاکستان سے رواں تبصرہ ہوتا رہا مگر نامعلوم وجہ کی بنا پر نماز جنازہ کی تکبیریں ریڈیو سے براہ راست نشر نہ ہو سکیں۔

o..... کئی کوٹھی والوں نے اپنے ریڈیو سیٹ لان میں نماز جنازہ ادا کرنے والوں کے لیے آن کر دیئے تھے۔

o..... میت پہنچنے سے قبل فیصل مسجد اور اردگرد کے وسیع و عریض میدانوں میں لوگ ٹولیوں کی شکل میں جمع تھے۔ ایک ٹولی میں لوگ کیسٹ پلیئر پر صدر ضیاء کی تقریریں سن رہے تھے اور ساتھ ساتھ رو رہے تھے جبکہ بعض ٹولیوں میں لوگ ضیاء الحق کے قصے سنا رہے تھے۔

o..... اسلام آباد جیسے ایک لاکھ آبادی کے شہر میں لاکھوں افراد کی نماز جنازہ میں شرکت اپنی مثال آپ ہے۔

Scanned with CamScanner

آرمی ہاؤس سے فیصل مسجد تک عوام کی والہانہ عقیدت کے مناظر

o..... داعی اتحاد اسلام اور شہید پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق کو لاکھوں فرزندان توحید کی ہچکیوں، سسکیوں، چیخ و پکار کے دوران فیصل مسجد کے احاطے میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

o..... قبر پر پاکستان کے قائم مقام صدر سپیکر صوبائی گورنر وفاقی وزراء، وزرائے اعلیٰ کے علاوہ بنگلہ دیش، ترکی، چین، ایران، امریکہ، سعودی عرب، برطانیہ، مالدیپ، زمبابوے، نیپال، قطر، مغربی جرمنی، بھارت سمیت 60 سے زائد ملکوں کے صدور، نائب صدور، وزرائے اعظم، وزرائے خارجہ اور وفود کے سربراہوں نے پھولوں کی چادریں چڑھائیں۔

o..... جنازے کے دوران صدر کے مان ایوان، صدر حسین محمد اور صدر ضیاء الحق کے بھائیوں، بیٹوں کو گلے لگا کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

o..... فیصل مسجد کے اندر اور باہر اردگرد کے تمام سیکٹروں کھلی جگہیں گلیاں سڑکیں نمازیوں سے اٹی پڑی تھیں۔

o..... ملک کے مختلف حصوں راولپنڈی اور اسلام آباد کے لوگ صبح سات بجے سے ہی بسوں، ٹرکوں، ٹرالیوں، ویگنوں، سوزوکیوں، موٹر سائیکلوں، رکشاؤں میں فیصل مسجد پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ صبح 10 بجے تک کم و بیش 20 ہزار افراد فیصل مسجد پہنچ گئے تھے۔

o..... ہر سڑک صبح سویرے سے ہی فیصل مسجد کی طرف رواں دواں تھی۔ 50 نشستوں والی بس میں 100 سے 150 افراد سوار تھے یہی حال ویگنوں، ٹرکوں، سوزوکیوں اور کاروں کا تھا۔

o..... محتاط اندازے کے مطابق 50 ہزار سے زائد گاڑیوں میں لوگ فیصل مسجد پہنچے جنہیں چھ سیکٹروں میں پارک کیا جا سکا۔

o..... وفاقی وزراء محبوب الحق، چوہدری شجاعت، اسلم خٹک اور نسیم آہیر نے صدر مرحوم کی نماز جنازہ کو تاریخ پاکستان کی سب سے بڑی نماز جنازہ قرار دیا۔

o..... اسلم خٹک نے کہا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اتنا بڑا جنازہ نہیں دیکھا۔ میری عمر 60 سال سے تجاوز کر گئی ہے مگر اپنی زندگی میں انسانوں کا اتنا بڑا اجتماع پہلی بار دیکھا ہے۔

o..... جس طرح صبح سے تمام سڑکوں پر گاڑیاں صرف فیصل مسجد کی طرف دوڑ رہی تھیں اسی طرح 3 بجے کے بعد رات گئے یہ گاڑیاں فیصل مسجد سے اپنی اپنی منزل کی طرف جاتی رہیں۔

..... 2 بج کر 2 منٹ پر صدر غلام اسحاق خان غم سے نڈھال ہو گئے ان کے ساتھ مسلح افواج کے سربراہ، صوبائی گورنر، وزرائے اعلیٰ سابق وزیر اعظم جونیجو بھی موجود تھے۔

o..... فیصل مسجد کے خطیب اور امام محمود غازی نے تاریخی نماز جنازہ پڑھانے کا تاریخی اعزاز حاصل کیا۔

o..... جگہ نہ ملنے پر ہزاروں افراد درختوں پر چڑھے ہوئے تھے۔

o..... سینکڑوں افراد فیصل مسجد کی مخروطی اور ڈھلوان والی چھت پر چڑھ گئے یہ چھت سخت گرمی کی وجہ سے لوہے کی طرح تپ رہی تھی مگر محبوب صدر کے عشاق چھت کے جلتے فرش پر گھنٹوں بیٹھے رہے۔

o..... پاکستان کو عزت و شرافت استقامت و استحکام و وقار دینے والے کے سفر آخرت میں لاکھوں فرزندان اسلام نے شرکت کی۔

o..... فیصل مسجد اور اس کے اردگرد کے وسیع و عریض علاقے میں پانچ لاکھ افراد کی گنجائش تھی یہ سارا علاقہ انسانوں سے بھرنے کے بعد مسجد کے مشرق، مغرب اور جنوب کا کئی کلومیٹر علاقہ نمازیوں سے اٹا پڑا تھا۔

Scanned with CamScanner

o.....مسجد کے جنوب میں ظفر چوک تک کی تمام کوٹھیوں کے صحن، لان اور کمرے نماز جنازہ ادا کرنے والوں سے بھرے ہوئے تھے۔

o.....مسجد سے تین کلومیٹر جنوب میں شاہراہ فیصل اردگرد کی تمام سڑکیں اور کوٹھیاں نماز جنازہ ادا کرنے والوں سے بھر گئیں۔

o.....مارگلہ کی سرسبز و شاداب پہاڑیوں کے اوپر بھی جہاں جگہ ملی ہزاروں افراد وہاں نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

o.....پہلی صف میں بنگلہ دیش کے صدر، سندھ کے گورنر، قائم مقام چیف آف نیول سٹاف، چیف آف ایئر سٹاف، چیف آف آرمی سٹاف، سینئر وفاقی وزراء، وزیر اطلاعات کور کمانڈرز کھڑے تھے۔

o.....ایوان صدر اسلام آباد میں صدر ضیاء الحق کے انتہائی گہرے دوست ترک صدر کنعان ایورن ٹھہرے ہوئے تھے اس لیے ترکی کا سرخ ہلالی پرچم پاکستان کے سبز ہلالی پرچم کے ساتھ ایوان صدر کی بلڈنگ میں لہرا رہا تھا مگر صدر ضیاء الحق کے سوگ کی وجہ سے دونوں پرچم سرنگوں تھے۔

o.....سرخ ہلالی ترک پرچم صدر ضیاء الحق کے صدارتی پرچم کی جگہ لہرایا تھا۔ صدارتی پرچم کی جگہ ترک پرچم کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ صدر ضیاء الحق نے شہادت کا جام نوش کرنے کے بعد بھی ترک قوم کے صدر کا خیال اسی طرح رکھا ہے جس طرح تحریک خلافت میں برصغیر کے مسلمانوں نے ترک بھائیوں کا خیال رکھا تھا۔ صدارتی میت ایوان صدر پہنچنے کے باوجود ایوان صدر پر صدر ضیاء الحق کا صدارتی پرچم نہیں لگایا گیا اس طرح صدارتی پرچم کی جگہ صدر کے بڑے بھائی ترک صدر کے پرچم کو دی گئی۔

o.....بعض اخبار نویسوں کو سکیورٹی اور پی آئی ڈی کے کارڈ ہونے کے باوجود ایوان صدر کے اندر نہیں جانے دیا گیا۔

o...11 بج کر 33 منٹ پر چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد اسلم بیگ اور چیف آف ایئر سٹاف ایئر مارشل حکیم اللہ ایک ہی گاڑی میں ایوان صدر پہنچے۔ راولپنڈی اسلام آباد میں بے پناہ ٹریفک ہونے کی وجہ سے انہیں چکلالہ ایئر بیس سے ایوان صدر اسلام آباد پہنچنے میں چند منٹ کی تاخیر ہو گئی انہوں نے چکلالہ ایئر بیس پر صدارتی میت والے ہیلی کاپٹر کو الوداع کیا تھا۔

o.....ایوان صدر کے سٹاف کے ارکان محبوب صدر کا آخری دیدار کرنے کے دوران زار و قطار رو رہے تھے۔ ایوان صدر کے مین گیٹ پر سرکردہ جرنیل ایک دوسرے کو تسلیاں دیتے دیکھے گئے۔

o...12 بج کر 15 منٹ پر صدر ضیاء الحق کی میت ہیلی کاپٹر میں ایوان صدر اسلام آباد کے ہیلی پیڈ پر اتری۔ یہ ہیلی کاپٹر چکلالہ ایئر بیس سے آیا۔

o.....ایوان صدر کے مین گیٹ کے اوپر میت والا ہیلی کاپٹر پہنچا تو باقی 7 ہیلی کاپٹر چاروں طرف بکھر گئے۔

o.....میئر راولپنڈی عبدالرشید جیلانی صدارتی ہیلی کاپٹر کے ایوان صدر کے ہیلی پیڈ پر اترنے کے فوراً بعد پہنچے۔

o.....ایوان صدر میں آخری دیدار کرنے والوں میں وزیر دفاع جناب محمود اے ہارون، تینوں مسلح افواج کے سربراہان دوسرے سرکردہ فوجی حکام شامل تھے۔

o...12 بج کر 45 منٹ پر محمود اے ہارون جو سیاہ شیروانی پہنے ہوئے تھے سروسز چیف کے ہمراہ ایوان صدر سے باہر آ گئے۔

o...12 بج کر 50 منٹ پر شہید صدر کا جنازہ ایک فوجی گاڑی میں رکھا گیا۔

o.....جنازے کا جلوس آہستہ آہستہ فیصل مسجد کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے ساتھ لوگوں کے ہجوم میں اضافہ ہوتا گیا۔

o.....شاہراہ فیصل پہنچنے پر ہجوم اتنا بڑھ گیا تھا کہ گاڑی کا چلنا مشکل ہو گیا۔

o.....مارگلہ روڈ سے فیصل مسجد تک سیکٹر F-7، F-8، E-7، E-8 کے سارے علاقوں میں سوگوار موجود تھے۔

Scanned with CamScanner

o..... ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے اپنے کیمروں سے مرحوم صدر کی تدفین کے لمحات کی عکاسی کی جبکہ متعدد افراد نے تدفین کی اپنے طور پر ویڈیو فلمیں تیار کیں۔

o..... فیصل مسجد کی فضا صبح سے ہی کلام پاک کی تلاوت سے گونج رہی تھی۔ لوگوں کی بڑی تعداد نے فیصل مسجد کے اندر قرآن خوانی کی جس کا اہتمام اسلامی یونیورسٹی نے کیا تھا۔

o..... صبح سے ہی فیصل مسجد کے درو دیوار نعرہ تکبیر اللہ اکبر، مرد غازی، مرد حق ضیا، الحق ضیا، الحق کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہے تھے۔

o..... فیصل ایونیو کی قریبی سڑکوں پر بیرون شہر سے آنے والی بسیں، کاریں، سوزوکیاں اور جیپیں قطار اندر قطار کھڑی تھیں جس سے پتہ چلتا تھا کہ ملک کے طول و عرض سے لوگ تدفین میں شرکت کے لیے فیصل مسجد پہنچے۔

o..... پونے گیارہ بجے سینئر وزیر اسلم خٹک نے چیئرمین سی ڈی اے مظہر رفیع کے ہمراہ تدفین کے انتظامات کا جائزہ لیا۔

o..... لاکھوں لوگوں کو پینے کا ٹھنڈا پانی فراہم کرنے کے لیے سی ڈی اے نے فیصل مسجد کے اندر اور سبزہ زار میں ایک سو سے زیادہ پوائنٹ بنائے تھے۔ اس کے علاوہ سی ڈی اے کا عملہ بالٹیوں میں بھی گھوم پھر کر لوگوں کو پینے کا پانی فراہم کر رہا تھا۔

o..... ملٹری ہسپتال جہاں مرحوم صدر کی میت جمعرات کی شب سے سردخانے میں رکھی گئی تھی۔ وہاں سے آرمی ہاؤس، آرمی ہاؤس سے چکلالہ ایئر بیس اور ایوان صدر سے فیصل مسجد تک کوریج کے لیے ٹیلی ویژن نے خصوصی ہیلی کاپٹر حاصل کیا۔

o..... فیصل مسجد باضابطہ طور پر 24 جون کو نمازیوں کے لیے کھولی گئی تھی۔ اس روز صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ہزاروں افراد کے ساتھ جمعے کی نماز ادا کی تھی۔ فیصل مسجد کے ہال صحن اور گیلریوں میں ایک لاکھ افراد بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں جبکہ اس سے ملحقہ سبزہ زاروں میں مزید تین لاکھ افراد کے نماز پڑھنے کی گنجائش موجود ہے۔ تدفین کے موقع پر فیصل مسجد اور اس سے ملحقہ تمام سبزہ زار لوگوں سے کھچا کھچ بھرے تھے۔

o..... نماز جنازہ میں شرکت کے لیے ملک کے مختلف حصوں سے لوگ جلسوں کی صورت میں فیصل مسجد پہنچے انہوں نے اپنے ہاتھوں میں کتبے اور بینرز بھی اٹھائے تھے۔ کئی جلسوں کے ہمراہ سیاہ ماتمی پرچم تھے۔ لوگوں نے اپنے بازوؤں اور سینوں پر سوگ میں سیاہ پٹیاں لگا رکھی تھیں۔

o..... دوپہر 12 بجے وزیروں سے پہلے چوہدری شجاعت حسین فیصل مسجد پہنچے۔ جس کے بعد بلوچستان کے وزیر اعلیٰ میر ظفر اللہ جمالی کی قیادت میں بلوچستان کا بڑا وفد فیصل مسجد آیا اس وفد میں سابق وزیر اعلیٰ بھی شامل تھے۔

o..... سوا بارہ بجے صدر آزاد کشمیر وزراء کے قافلوں کی آمد کے بعد غیر ملکی شخصیتوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسلامی کانفرنس میں سیکرٹری جنرل شریف الدین پیرزادہ باہر سے آنے والے مہمانوں میں سب سے پہلے آئے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جبکہ دوسرے بینروں پر لکھا تھا الجہاد الجہاد پیارے ضیاء الحق ہمارے آنسوؤں کا نذرانہ قبول کرو۔ پیارے ضیاء الحق خدا کی تم پر رحمتیں نازل ہوں۔

o..... ساڑھے 12 بجے این پی پی کے صدر غلام مصطفیٰ جتوئی جب فیصل مسجد پہنچے تو انہیں وزراء کے ساتھ نشست دی گئی۔ جتوئی نے چیف الیکشن کمشنر سے مختصر بات چیت بھی کی۔

o..... پون بجے غیر ملکی سربراہوں اور وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور اس وقت تک فیصل مسجد کے عظیم الشان سبزہ زار سوگواروں سے مکمل طور پر

Scanned with CamScanner

بھر چکے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں سبزہ زاروں کے باہر سڑکوں کے ساتھ ٹیلوں پر جمع ہو کر مرحوم صدر کی نماز جنازہ پڑھی ان میں ہزاروں کی تعداد میں خواتین بھی تھیں۔

o......افغان مجاہدین کی تنظیموں کے سربراہوں کو اعلیٰ شخصیتوں کے پنڈال میں نشستیں دی گئیں۔

o......ملک کے ممتاز نعت خواں منصور تابش نے وہ مشہور نعت پڑھی جس پر مرحوم صدر اشک بار ہو جایا کرتے تھے۔ یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے۔

o......سب ارکان اسمبلی اور سینیٹروں کے لیے الگ نشستیں رکھی گئی تھیں۔

o......ایک بجے لوگوں کے بڑھتے ہوئے ہجوم کی وجہ سے پنڈال کے درمیان خالی جگہ کو بھی عام لوگوں کے لیے کھول دیا گیا اس وقت اعلان کیا گیا کہ شہید صدر کی میت اپنے آخری سفر پر روانہ ہو چکی۔

o......سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو، سابق سپیکر قومی اسمبلی حامد ناصر چٹھہ کے ہمراہ پہنچے۔ انہیں وزراء سے پیچھے نشستوں پر بٹھایا گیا۔

o......سوا ایک بجے امریکی وزیر خارجہ جارج شلز اپنے وفد کے ہمراہ پہنچے۔

o......12 بج کر 10 منٹ پر ایک بڑا فوجی ہیلی کاپٹر ایوان صدر کے ہیلی پیڈ نمبر 2 پر اترا یہ ہیلی کاپٹر مرحوم صدر کے عزیز و اقارب کو لے کر آیا تھا۔ صدر کے برادر نسبتی سینئر ڈاکٹر بشارت الٰہی اور صدر کے صاحبزادے بھی میت کے ہمراہ تھے۔

o......پونے ایک بجے صدر کی میت کو تابوت میں رکھ کر فیصل مسجد کی طرف روانہ کیا گیا۔ فوجی پرچم میں لپٹائے ہوئے تابوت کو فوجی ایمبولینس میں رکھا گیا تھا اس کے آگے موٹر سائیکل سوار صدارتی پائلٹ اور پیچھے سکیورٹی جیپیں اور کاریں اور اس کے پیچھے دیگر سینکڑوں کاریں تھیں۔ ایوان صدر سے فیصل چوک تک متعدد مقامات پر مرحوم صدر کے تابوت پر گل پاشی کی گئی۔

o......فیصل مسجد کے احاطے میں مرحوم صدر کے تابوت کی تدفین کے انتہائی احسن اقدامات کئے گئے تھے۔ ہزاروں لوگ صبح سے ہی احاطے میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔

o......ملٹری ہسپتال کے سرد خانے میں دو ایئر کنڈیشن چل رہے تھے اس کے علاوہ پہلے کمرے میں منوں کے حساب سے برف ٹوکریوں میں ڈال کر رکھی گئی تھی اس برف کی ٹھنڈک دوسرے ملحقہ کمرے میں رکھی گئی میت کو پہنچانے کا انتظام تھا۔

o......سرد خانے کے باہر زبردست پہرہ تھا اور کسی کو سرد خانے کے قریب بھی جانے کی اجازت نہیں تھی۔

o......ملٹری ہسپتال سرد خانے کے اندر ڈیوٹی پر موجود فوجی حوالدار جب میت کو الوداع کہنے لگا تو وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا۔

o......آرمی ہاؤس کے باہر تمام انتظامات مقامی انتظامیہ اور پولیس نے نبھائے ہوئے تھے جبکہ آرمی ہاؤس کے اندر کمانڈر کے نوجوان تمام انتظام کی نگرانی کر رہے تھے۔

o......آرمی ہاؤس کے باہر قومی و عسکری ادارۂ امراض ہسپتال کا فلائنگ سکواڈ چوکس تھا تا کہ شدت غم سے دل کی تکلیف پہنچنے پر کوئی طبی امداد بہم پہنچائی جا سکے۔

o......آرمی ہاؤس جب خواتین سے کھچا کھچ بھر گیا تو مزید خواتین کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی تھی اور سینکڑوں کی تعداد میں خواتین گیٹ کے ساتھ کھڑی رہیں۔

o......مرحوم صدر ضیاء الحق کی میت جب آرمی ہاؤس سے اٹھائی گئی تو فضا کلمہ شہادت سے گونج اٹھی۔ عورتوں نے مرد مومن مرد حق ضیاء الحق ضیاء

Scanned with CamScanner

الحق کے نعرے لگائے۔

o.....صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی میت جب راولپنڈی سے اسلام آباد کے لیے رخصت کی گئی تو بہت سے جذباتی مناظر دیکھنے میں آئے۔

o.....مرحوم صدر کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ آرمی ہاؤس پی اے ایف بیس لایا گیا۔صدر کی میت کو پاک آرمی کی ایک ایمبولینس میں ایئرپورٹ تک لایا گیا۔ایمبولینس کے عقب میں بھی ایم پی کا موٹر سائیکل سوار دستہ اور فوجی حکام کی گاڑیاں تھیں۔

o.....ایئرفورس بیس پہنچنے پر ایمبولینس کو سیدھا ہیلی کاپٹر کے قریب لے جایا گیا۔جہاں صدر مرحوم کی میت نکال کر ہیلی کاپٹر میں پہنچائی گئی۔

o.....جونہی مرحوم صدر کی میت ایمبولینس سے نکالی گئی تو پوری فضا خوشبوؤں سے معطر ہوگئی۔

o.....صدر مرحوم کی میت کو کندھا دینے والوں میں آفیسر میجر غفار کی حالت دکھ اور غم کی وجہ سے غیر ہورہی تھی۔نعرۂ تکبیر نعرۂ رسالت بلند کرتے اور روتے جاتے۔

o.....ٹھیک 12 بج کر 10 منٹ پر ہیلی کاپٹر میں میت کو فوجی دستہ کے سلامی کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر کا دروازہ بند ہوگیا۔اس کے ساتھ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ بریگیڈیئر نعیم نے انجن سٹارٹ کردیا۔

o.....مرحوم صدر کا ہیلی کاپٹر جونہی فضا میں بلند ہوا تو موجود فوجی سول حکام نے انہیں آخری سلیوٹ کیا۔

o.....خواتین کو صرف آرمی ہاؤس کے عقبی دروازے سے ہاؤس میں جانے کی اجازت تھی جہاں ملک بھر سے آنے والی سینکڑوں غریب اور بے سہارا خواتین پھٹے پرانے کپڑوں میں مرحوم صدر کے آخری دیدار کے لیے موجود تھیں۔

o.....آرمی ہاؤس کی طرف جانے والی سڑک پر سینکڑوں خواتین کو روتے ہوئے آرمی ہاؤس کے دروازے کی جانب جاتے ہوئے دیکھا گیا جو کہہ رہی تھیں کہ آج ان کا آخری سہارا بھی ٹوٹ گیا ان میں زیادہ تر بیوہ خواتین تھیں۔

o.....سیاسی رہنماؤں وزراء سیکرٹری صاحبان فوجی حکام اور سابقہ ارکان قومی وصوبائی اسمبلی کی بیگمات اور رشتہ دار خواتین بھاری تعداد میں آرمی ہاؤس گئیں۔

o.....جامع مسجد قلعہ ملتان کے خطیب جو ملتان سے مرحوم کی نماز جنازہ میں شرکت کی غرض سے آئے تھے کہہ رہے تھے مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ مرحوم صدر نے میری امامت میں نماز ادا کی تھی۔وہ آرمی ہاؤس میں جانا چاہتے تھے مگر پولیس اور کانسٹیبلری کے دستوں نے انہیں اندر جانے کی اجازت نہ دی۔

o.....آرمی ہاؤس میں ایئرپورٹ جانے والے تمام راستے میں ہزاروں کی تعداد میں غمگسار شہری کھڑے تھے اور شدید دکھ کے باوجود صبح 10 بجے سے ہی جھنڈا چیچی، رحیم آباد اور چکلالہ گاؤں کے افراد سڑک پر کھڑے ہوگئے۔ان میں زیادہ تعداد خواتین بچوں اور بوڑھوں کی تھی۔o.....صدر مرحوم کو آخری بار الوداع کہنے والوں میں ایئرفورس کے گروپ کیپٹن مقصود حسین، آرمی کے حکام کے علاوہ ڈی آئی جی مسٹر شاہد حسین، ڈپٹی کمشنر محمد اکرم ملک، ایس ایس پی اسرار احمد، ایس پی میجر فتح شیر، نامزد ایس پی محمد زبیر، ڈی ایس پی ملک لیاقت علی اور دیگر سول افسر ان میں ایئربیس پر موجود تھے۔

جارج شلز کی افغان لیڈروں سے اچانک ملاقات

امریکی وزیر خارجہ جارج شلز مرحوم صدر ضیاء الحق کی تدفین کے بعد سربراہان مملکت اور مہمان وفود کے انکلیوژر سے گزر رہے تھے تو اس وقت اتفاق سے جمعیت العلمائے اسلام کے سیکرٹری جنرل مولانا سمیع الحق افغان مجاہدین کی تنظیموں کے ساتوں سربراہوں مولوی محمد یونس

Scanned with CamScanner

خالص، استاد عبداللہ رسول سیاف، گل بدین حکمت یار، مولانا محمد نبی محمدی، پیر آفندی گیلانی، پیر مجددی استاد ربانی کے ساتھ ایک طرف کھڑے بات چیت کر رہے تھے۔ جارج شلز کی توجہ ان کے رفقاء نے اس گروپ کی طرف مبذول کرائی تو وہ لپک کر اس گروپ کے پاس چلے گئے پہلے ان سے سینیٹر مولانا سمیع الحق کا تعارف کرایا گیا۔ پھر مولانا سمیع الحق نے ایک ایک کر کے ساتوں افغان سربراہوں کا امریکی وزیر خارجہ سے تعارف کرایا۔ مولانا سمیع الحق کے ایک ساتھی مولانا اسد تھانوی نے مترجم کے فرائض سرانجام دیئے۔ مولانا سمیع الحق نے جارج شلز کو بتایا کہ افغان مجاہدین کی سپریم کونسل نے مرحوم صدر ضیاء الحق کو شہید جہاد افغانستان کا خطاب دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ جارج شلز نے کہا کہ بے شک ضیاء الحق کا رہتی دنیا تک بڑا مقام رہے گا۔ ضیاء الحق نے جو عظیم کارنامہ افغانستان سے روسی افواج کی واپسی کی شکل میں کیا ہے اسے آزاد دنیا ہمیشہ قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے گی۔

سمیع الحق...... پاکستان کے موجودہ نازک بحران میں امریکہ کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا مزید شدت سے احساس کرنا چاہیے۔

جارج شلز...... جی ہاں صدر ریگن نے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ پاکستان کے ساتھ ہماری پالیسیوں اور تعلقات میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

سمیع الحق...... جی ہاں پاکستانی قوم نے ٹی وی ریڈیو پر یہ بات سنی ہے اور خوشی محسوس کی ہے۔

جارج شلز...... نہیں ہم ضیاء الحق کے پاکستان کا ساتھ دیں گے۔

سمیع الحق...... (مجاہد لیڈروں کی طرف اشارہ کر کے) جب تک یہ موجود ہیں ہمیں کوئی فکر نہیں۔

جارج شلز نے افغان مجاہد لیڈروں کی ایک ایک کر کے خیریت دریافت کی اور ان سے گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ (پھر کچھ دیر سب پر صدر ضیاء کی موت سے واقع ہونے والے خلاء کی شدت احساس سے ایک گہری خاموشی چھا گئی)

مولانا سمیع الحق...... مسٹر شلز شکریہ آپ کافی گرمی میں کھڑے ہیں اس دوران ان لوگوں کے اردگرد کافی لوگ جمع ہو گئے۔

نگران وفاقی کابینہ انتخابات تک کام کرتی رہے گی

موجودہ نگران کابینہ عام انتخابات کے انعقاد پر کام کرتی رہے گی اور اس میں کوئی بنیادی تبدیلیاں نہیں کی جائیں گی اور ملک میں فی الحال کوئی نگران وزیر اعظم مقرر نہیں کیا جائے گا کہ صدر جناب اسحاق خان نے نگران کابینہ کے بارے میں قیاس آرائیاں ختم کر دیں جن کے مطابق مرکز اور صوبوں میں موجودہ وزارتوں کو تبدیل کر کے ان کی جگہ کوئی نیا نظام متعارف کرایا جا رہا ہے اتوار کو وفاقی کابینہ کے اجلاس کے موقع پر صدر غلام اسحاق خان نے یہ واضح کر دیا کہ نگران کابینہ ختم نہیں ہوگی۔ اور اس بارے میں قیاس آرائیاں اور بے یقینی کی فضا ختم ہو جانی چاہیے۔ وفاقی وزراء پوری دلچسپی و توجہ سے فرائض منصبی انجام دیں۔ معلوم ہوا کہ صدر غلام اسحاق خان نے وزراء کو ہدایت کی کہ وہ عبوری عرصے میں پوری دیانت، خلوص اور محنت و لگن سے قوم کی خدمت کریں۔ دریں اثناء معلوم ہوا ہے کہ صوبوں کی نگران حکومتیں بھی تبدیل نہیں کی جائیں گی۔ سیکرٹری داخلہ جناب ایس کے محمود نے اتوار کو کابینہ کو سندھ کے ان مقامات کے بارے میں بتایا جہاں امن وامان کی صورتحال زیادہ تسلی بخش نہیں ہے۔ کابینہ کو ان اقدامات سے بھی آگاہ کیا گیا جو حکومت ملک کے اندر داخلی امن وسکون برقرار رکھنے کے لیے کر رہی ہے۔ کابینہ نے ضروری اشیاء کی قیمتوں کو ایک حد تک رکھنے کے لیے دالوں سمیت بعض اشیاء درآمد کرنے کا فیصلہ کیا جناب غلام اسحٰق خان نے کہا کہ عوام کو مہنگائی کے چنگل سے نجات دلانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے۔ وفاقی کابینہ کے اجلاس کے بعد سرکاری بیان میں کہا گیا کہ کابینہ نے ہفتے میں چھ دن کام کرنے کا نظام کیم ستمبر 1988ء سے بحال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس وقت بیشتر سرکاری محکموں اور دفاتر میں ہفتے میں پانچ دن کام ہوتا تھا اس بارے میں فیصلہ جو 1984ء میں اس وقت کی کابینہ نے کیا تھا۔ ہفتے میں چھ دن کام کے فیصلے کے ساتھ ہی سرکاری دفاتر کے یومیہ اوقات کار وہی ہو جائیں گے جو

Scanned with CamScanner

ہفتے میں 5 روزہ کام کا نظام لاگو ہونے سے پہلے تھے۔ کابینہ کے اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ وفاقی حکومت سندھ کے سیلاب سے متاثرہ افراد کے لیے صوبائی حکومت کو ہر ممکن امداد مہیا کرے گی۔ کابینہ نے سندھ کے بعض اضلاع میں سیلاب سے ہونیوالے نقصانات کا جائزہ لیا۔ کابینہ نے عاشورہ محرم امن وسکون سے منائے جانے پر اظہار اطمینان کیا۔ کابینہ نے جیکب آباد کے بس حادثے میں ہونے والے جانی نقصان پر اظہار رنج وغم کیا اور جس کے اوپر بجلی کی تار گرنے کی تحقیقات کرانے کا فیصلہ کیا۔ اجلاس میں وفاقی وزراء اور وزرائے مملکت نے شرکت کی۔ کابینہ کا اجلاس ملک نسیم آہیر کی تلاوت قرآن سے شروع ہوا۔

میر اصدر ضیاء سے انتقام لینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا

سابق وزیر اعظم اور پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بے نظیر بھٹو نے کہا ہے کہ ضیاء الحق سے انتقام لینے کا ان کا کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی وہ ان کے خاندان کے کسی فرد سے انتقام لیں گی۔ ہم نے اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا تھا خدا کا جو فیصلہ ہے وہ ہمیں منظور ہے۔ بے نظیر بھٹو نے کہا ہے کہ وہ غریب عوام کے حقوق کے لیے جہاد کریں گی۔ یہ جہاد اس وقت تک جاری رہے گا جب تک پاکستان میں جمہوریت مکمل طور پر بحال نہیں ہو جاتی اور غریب لوگوں کی جب تک مشکلات دور نہیں ہو جاتیں وہ غریبوں کو ان کے حقوق دلا کر رہیں گی۔ کوئی قوت پاکستان کے غریب عوام کے حقوق زیادہ دیر سلب نہیں کر سکتی۔

سی 130 طیارہ فضا میں ساکت ہو گیا تھا

امریکی ماہرین کی ایک خصوصی ٹیم طیارے کے حادثے کی تحقیقات کے لیے اسلام آباد آئی اور بہاولپور بھی گئی۔ باخبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ امریکی تحقیقاتی ٹیم نے یہ قوی امکان ظاہر کر دیا ہے کہ مرحوم صدر ضیاء الحق کا سی 130 طیارہ فضا میں سٹل (ساکت) ہو گیا تھا۔ اس کے پیش نظر تحقیقات کے لیے ٹیم تباہ شدہ طیارے کے ایلی ویٹر کیبل سسٹم فیول لائن اور دوسرے حصے اپنے ساتھ امریکہ لے گئی۔ ٹیم کے قریبی ذرائع سے نمائندہ جنگ کو پتہ چلا کہ امریکی ٹیم کو یہ شبہ ہو گیا کہ طیارے کا مذکورہ کیبل سسٹم جب دھماکے یا کسی اور وجہ سے ناکارہ ہو گیا تو پائلٹ کا کنٹرول ختم ہوتے ہی سی 130 طیارہ خود بخود تیزی سے عمودی پرواز کرنے لگا۔ ماہرین کے مطابق سی 130 طیارہ پائلٹ یا خود بخود ایک خاص حد سے زیادہ عمودی پرواز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے چند سیکنڈ کی عمودی پرواز کے ساتھ ہی طیارہ فضا میں سٹل ہو گیا چونکہ طیارہ ساکت ہو گیا جس کے ساتھ ہی یہ لڑکھڑاتا ہوا زمین کی طرف گرتا دکھائی دیا اس کا ثبوت عینی شاہدوں کے بیان سے بھی ملتا ہے۔ سی 130 طیارہ کے مبینہ سٹل ہونے کے امریکی ماہرین نے مختلف پہلو سامنے رکھتے ہوئے تحقیقات کیں۔ ایک پہلو یہ ہے کہ ایلیویٹر کا کنٹرول کیبل دھات کے غیر جاندار ہونے کی وجہ سے یا اچانک دھماکے کی وجہ سے ختم ہو گیا۔ امریکی ماہرین طیارے کی فیول لائن بھی لیبارٹری میں چیک کرا رہے ہیں۔ تاکہ یہ یقین ہو سکے کہ آخر دم تک انجن میں فیول جا رہا تھا یا رک گیا تھا۔ علاوہ ازیں ماہرین نے ان حصوں کو بھی لیبارٹری میں ٹیسٹ کرایا جن پر بم پھٹنے کے اثرات مرتب ہونے کا شبہ تھا۔ ماہرین کے مطابق باقی خدشات کے ساتھ پائلٹ کی غلطی بھی حادثے کا سبب قرار دی جا سکتی ہے وہ الگ بات ہے کہ پائلٹ انتہائی تجربہ کار تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

منتخب جمہوری حکومت کا تختہ الٹنے کی اندرونی کہانی (12 اکتوبر 1999ء)

چیف آف آرمی سٹاف کو تبدیل کیا گیا تو آرمی اسے قبول نہیں کرے گی۔ یہ انتہائی اہم پیغام 25 ستمبر 1999ء کو جنرل پرویز مشرف نے اپنے ذاتی سٹاف کے ذریعے وزیر اعظم محمد نواز شریف کے تین انتہائی معتمدین کو پہنچایا۔ ایک معتمد نے فوری طور پر یہ پیغام وزیر اعظم نواز شریف کو ان کے بھائی میاں شہباز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب کی موجودگی میں من وعن پہنچا دیا۔ وزیر اعظم نے وضاحت کی کہ وزیر اعظم اور آرمی چیف کے درمیان کشیدگی کا معاملہ طے پا چکا ہے اس کے بارے میں جلد ہی باضابطہ اعلان کر دیا جائے گا۔

اس کے چند روز بعد ہی چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف اپنی اہلیہ صہبا مشرف کے ہمراہ لاہور چلے گئے جہاں انہوں نے وزیر اعظم کے والد بزرگوار میاں شریف کے ساتھ ان کی رہائش گاہ پر کھانا کھایا اور بات چیت کی۔ اس کھانے کے وقت وزیر اعظم نواز شریف، وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف اور ان کے دوست چوہدری نثار علی خان بھی موجود تھے۔ اس دعوت کی خبر باضابطہ طور پر ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں دی گئی۔

لاہور کی اس دعوت کے چند دنوں بعد ہی چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کو وزیر اعظم نواز شریف نے آرمی چیف کے ساتھ ساتھ جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کا اضافی عہدہ دینے کا نوٹیفکیشن بھی جاری کر دیا، اس سے بظاہر یہ تاثر پیدا ہوا کہ معرکہ کارگل کے معاملات میں وزیر اعظم نواز شریف اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کے مابین جو اختلافات پیدا ہوئے تھے۔ وہ ختم ہو گئے ہیں۔ جہاں تک جنرل پرویز مشرف کے آرمی چیف بنائے جانے کا تعلق ہے یہ بھی ایک دلچسپ معمہ ہے جو ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔

علی قلی خان سنیارٹی کے باوجود آرمی چیف نہ بن سکے جنرل علی قلی خان کے علاوہ لیفٹیننٹ جنرل خالد بھی پرویز مشرف سے سینئر تھے۔ جنرل جہانگیر کرامت کو اکتوبر 1998ء میں ان کے اس بیان پر استعفیٰ دینا پڑا جو انہوں نے نیول سٹاف کالج لاہور میں اپنے خطاب کے دوران دیا تھا اور جس میں قومی سکیورٹی کونسل کی تشکیل کی تجویز دی تھی۔ وزیر اعظم نواز شریف نے اخبارات میں یہ تقریر پڑھ کر اپنے رفقاء سے مشاورت کی اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل جہانگیر کرامت کو ایوان وزیر اعظم بلایا اس بیان کی وضاحت طلب کی اور استعفیٰ دینے کا کہا جنہوں نے اپنے رفقائے کار (کور کمانڈرز پرنسپل سٹاف آفیسرز) سے مشورہ کئے بغیر استعفیٰ وزیر اعظم ہاؤس پہنچا دیا۔

یہ عہدہ خالی ہوتے ہی نئے آرمی چیف کے لیے مشاورت شروع کر دی گئی۔ سنیارٹی کے اعتبار سے تو لیفٹیننٹ جنرل علی قلی خان کو آرمی چیف بنانا تھا ویسے بھی جنرل جہانگیر کرامت کو بطور آرمی چیف 1998ء میں ریٹائر ہونا تھا ان کی ریٹائرمنٹ پر جنرل علی قلی خان آرمی چیف ہونے تھے مگر جماعتی سازشوں اور ذاتی عناد کے باعث علی قلی خان اپنا استحقاق حاصل نہ کر سکے ان کا استحقاق مجروح کرتے ہوئے ان سے تیسرے درجے کے جونیئر جرنیل پرویز مشرف کو آرمی چیف بنانے کا فیصلہ ہوا حالانکہ ان کے ذاتی کردار کے بارے میں بہت سے سوالات اٹھتے رہے تھے جو عمومی طور پر آرمی چیف کے عہدے پر تعیناتی کے لیے نااہلی کا باعث ہوتے ہیں۔

جنرل پرویز مشرف کی آرمی میں حقیقی مقبولیت کا حال بھی رقمطراز کرتا چلوں وہ جب کور کمانڈر منگلا تھے ان کے صاحبزادے بلال کی شادی بریگیڈیئر آفتاب کی صاحبزادی کے ساتھ پی سی راولپنڈی میں ہوئی مگر اس شادی میں نہ تو اس زمانے کے سروسز چیف نہ ہی کوئی زیادہ جرنیل شریک ہوئے یہ شادی 1998ء میں منعقد ہوئی شادی میں ایک سو کے لگ بھگ مہمان تھے جن میں زیادہ تر ذاتی دوست اور جونیئر فوجی افسر تھے۔

Scanned with CamScanner

چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے پر تعیناتی کے فوری بعد انہوں نے وزیر اعظم نواز شریف سے سرد مہری اور اپنی برتری کا مظاہرہ شروع کر دیا، بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی اس ڈپلومیسی کے تحت جب واہگہ کے راستے لاہور میں داخل ہوئے تو جنرل پرویز مشرف نے آرمی ڈسپلن کی خلاف ورزی اور سستی شہرت کے حصول کی خاطر بھارتی وزیر اعظم کو سیلوٹ نہ کیا جس پر انڈیا پاکستان اور دوسرے ممالک میں زبردست چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ وزیر اعظم نواز شریف اور دوسرے حکومتی عہدیداروں نے اس حرکت کو پسند نہ کیا۔ اس کے ساتھ جنرل پرویز مشرف نے وزیر اعظم نواز شریف سے آرمی رولز کے مطابق اجازت لیے بغیر کارگل کا محاذ کھول ڈالا اور کئی مہینے تک کارگل کے مقام پر پاکستانی فوج کے اچانک قبضے کو صیغہ راز میں رکھا اور اس بارے میں وزیر اعظم کو اعتماد میں نہ لیا۔

کارگل پر پاکستانی فوجی دستوں کی موجودگی کا انکشاف اس وقت ہوا جب پرویز مشرف چین کے دورے پر گئے۔ اس دورے کے دوران انہوں نے چین سے پاکستان میں اس وقت کے چیف آف جنرل سٹاف لیفٹیننٹ جنرل عزیز خان سے ٹیلی فون پر کہا کہ کارگل کی چوٹی پر پاکستانی فوج کی موجودگی کا علم حکومت پاکستان کو نہیں ہونا چاہئے۔ یہ ٹیلی فون گفتگو ایک حساس ادارے نے ٹیپ کر کے وزیر اعظم نواز شریف تک پہنچا دی۔ اس ٹیپ سے کارگل کی صورتحال ہندوستان کے علم میں آئی۔ اس حوالے سے بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے اپنے خصوصی ایلچی کو ٹیپ دے کر پاکستان بھجوایا اور پوچھا کہ پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف وضاحت کریں کہ آیا کارگل کی چوٹی پر پاکستانی فوج کی موجودگی کا علم ان کو ہے یا نہیں۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ کارگل پر پاکستانی فوجی دستے پہنچانے کے منصوبے کو نواز شریف سے چھپایا گیا تھا کہ جنرل پرویز مشرف نے اس وقت تک کارگل کے واقعہ کو نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی اسلام آباد، کوئٹہ، لاہور، کراچی کے مسلح افواج کے سٹاف کالجوں اور دوسرے عسکری اداروں میں زیر بحث لانے پر باضابطہ طور پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔

وزیر اعظم نواز شریف کو ایک غیر ملکی ادارے کی ٹیپ سے جب کارگل پر کارروائی کا انکشاف ہوا تو ان کا جنرل پرویز مشرف پر سے اعتماد اٹھ گیا۔ اس کے باوجود نواز شریف نے اپنی سیاسی ساکھ داؤ پر لگا کر امریکا کے یوم آزادی (4 جولائی 1999ء) کو امریکی صدر کلنٹن سے بے مثال (UNPRCEDENTED) میٹنگ کر کے پاکستان آرمی کو کارگل سے نکلنے کا باعزت موقع فراہم کرایا اور اپنے قریبی قابل اعتماد ساتھیوں کے اصرار کے باوجود جنرل پرویز مشرف کو جنرل جہانگیر کرامت کی طرح راتوں رات آرمی چیف کے عہدے سے نہ ہٹایا۔

تفصیل اس اجمال کی کچھ یوں ہے کہ جب انڈیا امریکا وغیرہ کو کارگل پر اچانک پاکستان کی آرمی کے دستے آ جانے کی اطلاع ملی تو امریکا انڈیا کے درمیان ہاٹ لائن بجنا شروع ہو گئی۔ اس دوران دو جولائی 1999ء کی رات اڑھائی بجے چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف نے ہنگامی کال کر کے وزیر اعظم نواز شریف کو نیند سے جگایا اور ایس او ایس (SAVE OUR SOULS) یہ پیغام ٹیلیفون پر دیا" اگلے 48 گھنٹوں میں اگر کارگل کا کوئی سیاسی حل نہ نکالا گیا تو ہندوستانی افواج کارگل پیک (PEAK) کو واپس لینے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

جنرل پرویز مشرف نے جون 1999ء میں معرکہ کارگل کے دوران ایک موقع پر اس وقت کے چیف آف ایئر سٹاف ایئر چیف مارشل پرویز مہدی کو جی ایچ کیو راولپنڈی ملاقات کے لیے بلوایا مگر پاک فضائیہ کے اس زیرک سربراہ نے جی ایچ کیو جاتے وقت پاک فضائیہ کی اعلیٰ قیادت کے نصف درجن عہدیدار اپنے ساتھ لے لیے۔ جی ایچ کیو میں ملاقات کے دوران آرمی چیف جنرل مشرف نے ایئر چیف کو ہدایت دی کہ پاک فضائیہ ہندوستان کی ان بوفرز توپوں پر حملے شروع کر دے جو کارگل کی چوٹیوں پر گولے برسا رہی ہیں اس پر ایئر چیف مارشل پرویز مہدی نے کہا کہ پاک فضائیہ بھارت کی ان توپوں کو تباہ کرنے کی بلاشبہ صلاحیت رکھتی ہے لیکن اگر پی اے ایف کے طیاروں نے لائن آف کنٹرول کراس کر کے مقبوضہ کشمیر میں ایک سڑک کے کنارے نصب بھارتی بوفرز گنوں پر بمباری کی تو یہ کھلم کھلا اعلان جنگ ہو گا۔ دونوں

Scanned with CamScanner

ملکوں کے درمیان ایٹمی جنگ بارڈر پر بھی جنگ چھڑ جائے گی۔ ایئر چیف مارشل پرویز مہدی نے جنرل مشرف کو بتا دیا کہ میں یہ بتا دیتا ہوں کہ بھارت کے ساتھ کھلی جنگ شروع کرنے کا اختیار صرف اور صرف وزیر اعظم پاکستان نواز شریف کو ہے۔ آرمی چیف کو یہ اختیار حاصل نہیں۔ اس جرات مندانہ موقف اپنانے کا خمیازہ پاکستان ایئر فورس کے سربراہ پرویز مہدی اور ان کے ساتھ ہونے والے تعاون کرنے والے اعلیٰ عہدیداروں کو بھگتنا پڑا کیونکہ 12 اکتوبر 1999ء کے بعد چیف ایگزیکٹو آف پاکستان کا عہدہ سنبھال کر جنرل پرویز مشرف نے یہ صورتحال کے نتیجے میں فضائیہ کے ان تمام عہدیداروں کو سائیڈ لائن کر دیا تھا۔ اور چار جون 1999ء کی درمیانی شب رات ڈیڑھ بجے اسلام آباد ایئرپورٹ سے وزیر اعظم نواز شریف پی آئی اے کی معمول کی پرواز سے امریکہ روانہ ہوئے گئے تو چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف ان سے ملنے کھنچے آئے۔ وی وی آئی پی لاؤنج کے ہر ایک والے حصے میں وزیر اعظم نواز شریف خصوصی طور پر بیٹھ گئے پی آئی اے کے طیارہ میں وہ ایڈوائزر برائے سول ایوی ایشن (وزیر مملکت) شاہد خاقان عباسی سے اپنے دورہ امریکہ کے بارے میں آخری بات چیت کی مشاورت کر رہے تھے کہ آرمی چیف جنرل پرویز مشرف وزیر اعظم نواز شریف کی طرف بڑھے۔ وزیر اعظم نواز شریف کے کہنے کے باوجود آرمی چیف صرف وزیر اعظم کی گفتگو سن رہے تھے۔ البتہ جنرل پرویز مشرف کی چند منٹ تک وزیر اعظم نواز شریف سے بات چیت کے دوران آرمی چیف کی باڈی لینگویج سے مترشح ہو رہا تھا۔ جنرل مشرف کارگل کے بگڑتے ہوئے معاملے کے جلد سے جلد حل کے لیے پریشان تھے وزیر اعظم سے بار بار استدعا کر رہے تھے کہ امریکی صدر سے ملاقات کے دوران کارگل کے معاملے کا فوری حل نکالا جائے۔

4 جولائی امریکہ کا قومی دن ہوتا ہے اس روز امریکہ کا صدر کسی غیر ملکی مہمان سے نہیں ملتا مگر نواز شریف بیگم کلثوم نواز شریف کے ساتھ امریکہ کے صدر کلنٹن اور ان کی اہلیہ ہیلری کلنٹن کے ساتھ ملاقات کا اہتمام امریکہ میں متعین عرب سفیر بندر بن سلطان بن عبدالعزیز نے سعودی بادشاہ شاہ فہد بن عبدالعزیز کی ہدایت پر کرایا تھا اور یہ ملاقات اس مقام پر ہوئی جہاں امریکہ کے صدر قومی دن اور امریکی یوم آزادی کی چھٹی منانے گئے ہوئے تھے۔ یہ ملاقات وائٹ ہاؤس واشنگٹن کی بجائے بلیئر ہاؤس میں ہوئی تھی جس کے دوران امریکی صدر کلنٹن نے بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی سے ٹیلیفون پر بھی رابطہ کیا اس طرح کارگل کے روز بروز پیچیدہ ہوتے ہوئے معاملے کو اٹھایا۔ نواز شریف نے کلنٹن سے ملاقات کر کے اپنی سیاسی ساکھ داؤ پر لگا دی مگر اس نے پاکستان آرمی کے لیے کارگل سے واپس آنے کا باعزت راستہ فراہم کر لیا۔ با صلاحیت پیشہ ور فوجی ماہرین آج بھی نواز شریف کے اس دورے کو پاکستانی قوم اور فوج کی عزت و تکریم کے حوالے سے بے حد اہم قرار دیتے ہیں۔

وزیر اعظم نواز شریف اکتوبر 1999ء کو طے شدہ پروگرام کے تحت ملتان گئے۔ ملتان کے دورے میں پہلے راقم سمیت چند صحافیوں کو لے جانے کا کہا گیا مگر آخری وقت میں صحافیوں کو ملتان ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کر دیا گیا۔ ملتان میں وزیر اعظم نواز شریف نے سید جاوید علی شاہ ایم این اے کے منعقد کرائے گئے جلسہ عام سے خطاب مختصر کر دیا۔ ملتان کے جلسہ عام میں وزیر اعظم کو کوئی اطلاع دی گئی جس پر وہ ہنگامی طور پر ملتان سے اسلام آباد روانہ ہو گئے۔ پرواز سے پہلے انہوں نے پرنسپل سیکرٹری سعید مہدی اور سیکرٹری دفاع جنرل افتخار علی خان کو چکلالہ ایئر بیس پر ہنگامی طور پر طلب کیا اور ایوان وزیر اعظم اسلام آباد پہنچنے کے بعد وزیر اعظم نواز شریف نے آرمی چیف کے عہدے پر جنرل لیفٹیننٹ جنرل ضیاء الدین بٹ کو پاکستان آرمی کا نیا چیف مقرر کرنے کے احکامات جاری کر دئیے۔ ان احکامات کا نوٹیفکیشن صدر مملکت رفیق تارڑ کی منظوری کے بعد جاری کر دیا گیا اور اس کا باضابطہ اعلان پاکستان ٹیلی ویژن کی 5 بجے کی خبروں میں بھی کر دیا گیا۔ ریڈیو پاکستان پر بھی اس فیصلے کا اعلان کیا گیا۔ اس خبر کے نشر ہونے سے قبل ہی چیف آف جنرل سٹاف جنرل محمد عزیز خان اور کور کمانڈر راولپنڈی لیفٹیننٹ جنرل محمود نے

Scanned with CamScanner

ایوان وزیراعظم اور پاکستان ٹیلی ویژن کا گھیراؤ کرنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ سہ پہر 5 بجے کی خبروں میں فیصلے کا اعلان ہوا جبکہ شام ساڑھے پانچ بجے تک فوجی دستے پی ٹی وی سٹیشن اسلام آباد پہنچ گئے تھے اس کے ساتھ فوجی دستے ایوان وزیراعظم حتیٰ کہ کراچی ایئرپورٹ پر بھی تعینات ہو گئے تھے۔

مزید تفصیل میں جانے سے پہلے آرمی چیف کے دورہ سری لنکا پر اچٹتی نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ سات اکتوبر 1999ء کو چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف کے ملٹری سیکرٹری ندیم تاج نے آرمی چیف اور ان کے سٹاف کی کراچی سے کولمبو تک کی فضائی نشستیں ایمریٹس فضائی کمپنی کے ذریعے ریزرو کرائیں اور آرمی چیف سری لنکا کے دورے پر کولمبو چلے گئے جہاں سے واپسی کی ان کی نشستیں پی آئی اے کی بارہ اکتوبر کی پرواز جو براستہ مالدیپ کراچی پہنچتی تھی پر پہلے سے ریزرو تھیں۔ آرمی چیف سری لنکا کے دورے کے اختتام پر 12 اکتوبر 1999ء کی سہ پہر تقریباً دو بجے پی آئی اے کے ذریعے براستہ مالدیپ کراچی روانہ ہوئے۔ مالدیپ سے کراچی کے لیے پی آئی اے کی پرواز نے مقامی وقت کے مطابق تقریباً چار بجے ٹیک آف کیا۔ طیارہ محو پرواز تھا جب پاکستان آرمی چیف کی تبدیلی کا نوٹیفکیشن جاری ہوا اور ٹرپل ون بریگیڈ نے ایکشن لے لیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب جنرل مشرف کے اس فیصلے، حکمت عملی اور پلان کا حصہ تھا جو پیغام انہوں نے وزیراعظم کے دو تین معتمدین کی وساطت سے نواز شریف کو پہنچایا تھا کہ

"چیف آف آرمی سٹاف کو تبدیل کیا گیا تو آرمی اسے قبول نہیں کرے گی۔" پی آئی اے کی پرواز مالدیپ سے انڈیا کے اوپر پرواز کر کے کراچی پہنچتی ہے۔ پی آئی اے کی یہ پرواز جس کا نمبر پی کے 805 تھا۔ انڈین فضاؤں سے گزر رہی تھی اس لیے اس کا پاکستان یا جی ایچ کیو راولپنڈی سے کوئی رابطہ ممکن ہی نہیں تھا۔ وزیراعظم ہاؤس نے چیئرمین پی آئی اے سے 12 اکتوبر 1999ء کی شام ساڑھے چھ بجے رابطہ کیا اور دریافت کیا کہ کیا فلائٹ پی کے 805 کو مسقط بھیجا جا سکتا ہے یا نہیں۔ چیئرمین پی آئی اے نے بتایا کہ چونکہ یہ طیارہ پاکستان کی فضائی حدود میں داخل ہو چکا ہے اس لیے یہ طیارہ اپنی منزل کراچی یا متبادل منزل نوابشاہ میں اتر سکتا ہے۔ اس اثناء میں طیارے کے پائلٹ ثروت نے پی آئی اے فلائٹ کنٹرول کے ذریعے چیئرمین پی آئی اے سے رابطہ کیا اور دریافت کیا کہ کراچی ایئرپورٹ بند ہے۔ طیارے پر آرمی چیف جنرل پرویز مشرف بھی موجود ہیں۔ اس صورتحال میں مجھے (کیپٹن ثروت) کو کیا کرنا چاہیے۔ چیئرمین پی آئی اے نے جواب دیا کہ آپ اپنے فضائی پلان کے مطابق کراچی کے متبادل ایئرپورٹ نوابشاہ پر اتر جائیں۔ اس گفتگو کے فوراً بعد طیارے نے رخ موڑا اور نوابشاہ ایئرپورٹ پر اترنے کے لیے اپنی بلندی کم کرنا شروع کر دی۔ تقریباً سات بج کر دس منٹ پر جب جہاز نوابشاہ ایئرپورٹ پر اترنے سے تقریباً دو منٹ کے فاصلے پر تھا کہ کراچی ایئرپورٹ کے راڈار سے میجر جنرل افتخار جو ملیر گیریژن کے جی او سی تھے۔ راڈار کے ریڈیو پر آئے اور پائلٹ کو حکم دیا کہ طیارے کو واپس کراچی ایئرپورٹ لایا جائے اس پر کیپٹن ثروت نے جہاز کا رخ موڑا اور طیارے کے کراچی ایئرپورٹ پر اترنے کی تیاری کر لی۔

جب طیارہ کراچی ایئرپورٹ پر لینڈ کرنے کے پانچ میل کے فاصلے پر تھا اور اسے کراچی ایئرپورٹ اترنے کی کنٹرول ٹاور کی طرف سے اجازت مل چکی تھی کہ اچانک طیارے نے انٹرنیشنل ایوی ایشن رولز کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فضا میں دوبارہ بلند ہونا شروع کیا اور دس ہزار فٹ کی بلندی حاصل کر کے ایئرپورٹ کے اردگرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔ اس دوران جنرل مشرف خود پائلٹ کے کیبن میں موجود تھے۔ انہوں نے خود طیارے کے ریڈیو سے زمین پر موجود میجر جنرل افتخار اور بریگیڈیئر بھٹی سے بات چیت کی اور تمام نے اس امر کی تصدیق کی کہ راڈار ریڈیو پر بولنے والے واقعی ان کے حامی (Loyal) ہیں یا کہ نہیں۔ پھر کہیں جا کر احکامات جاری کئے کہ کسی کو ملک سے باہر جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس بات کی مکمل تصدیق کرنے کے بعد کہ زمین پر موجود فوجی ان کے حامی ہیں جنرل پرویز مشرف نے پائلٹ کو کراچی

Scanned with CamScanner

ہوائی اڈے پر اترنے کی اجازت دی۔ اس دوران تقریباً بیس منٹ تک طیارہ فضا میں چکر کاٹتا رہا۔ پی آئی اے کی پرواز سات بج کر پچاس منٹ پر کراچی ایئرپورٹ پر اتری طیارے کو وی آئی پی ٹرمنل پر لے جایا گیا جہاں پر فوجی دستے موجود تھے۔ جنرل مشرف ان فوجی دستوں کے ساتھ ایئرپورٹ سے روانہ ہو گئے۔

طیارے کے کاک پٹ میں ایک بات ان ٹیپ ریکارڈ ہوتا ہے جو طیارے کے لینڈ ہونے سے تیس منٹ پہلے تک کی کاک پٹ کی گفتگو آٹومیٹک ریکارڈ کرتا ہے۔ طیارے کے وی آئی پی ٹرمنل پہنچ جانے کے بعد جنرل پرویز مشرف کی ہدایت پر کیپٹن ثروت نے ٹیپ ریکارڈ کا بٹن دبا کر اس ٹیپ شدہ ساری گفتگو کو مٹا (Erase) دیا۔ یہ طیارے کے کاک پٹ میں ان کا فلائٹ لاگ (Flight Log) ہوتا ہے جس میں پرواز کے دوران کی کسی بھی غیر معمولی بات کو کیپٹن ریکارڈ کرتا ہے۔ ایسا کرنا کپتان کے فرائض میں شامل ہے۔ بارہ اکتوبر 1999ء کی پی کے 805 کے فلائٹ لاگ میں صرف دو غیر معمولی باتوں کا ریکارڈ درج پایا گیا ایک یہ کہ سری لنکا سے پرواز تقریباً آدھ گھنٹہ لیٹ اس لیے روانہ ہوئی کہ آرمی چیف جنرل مشرف لیٹ کولمبو ایئرپورٹ پہنچے اور دوسرا یہ کہ مالدیپ سے کراچی پرواز کے دوران ایک ایئر ہوسٹس کی طبیعت ناساز ہوئی اس کے علاوہ کیپٹن ثروت نے اس پرواز کی لمبی اور غیر معمولی معاملے کا اندراج فلائٹ لاگ میں نہیں کیا۔ یہ ریکارڈ آج بھی پی آئی اے اور سول ایوی ایشن اتھارٹی کی فائلوں میں موجود ہے۔

دوسری یہ بات قارئین کی دلچسپی کی ہے کہ ڈائریکٹر جنرل سول ایوی ایشن اتھارٹی امین اللہ چوہدری نے جو طیارہ ہائی جیکنگ کیس میں سلطانی (وعدہ معاف) گواہ بن گئے، نے از خود کراچی ایئرپورٹ کے رن وے کو گاڑیاں کھڑی کرا کر بند کر دیا تھا۔ انہوں نے تمام ملکی ہوائی اڈے بند کرا دیے تھے۔ حالانکہ ایسا حکم دینے کے امین اللہ چوہدری مجاز نہ تھے اور ان کے اسی غیر قانونی فعل نے ان کو سلطانی گواہ بننے پر آمادہ کیا۔ ادھر ایوان وزیر اعظم اسلام آباد میں پانچ بجے غیر معمولی سرگرمیاں دیکھی گئیں۔ ایوان وزیر اعظم کو فوجی دستوں نے گھیرے رکھا کسی کو اندر سے باہر نہ جانے دیا پھر تقریباً سات بجے حکم ملنے پر فوجی دستے تیزی سے ایوان وزیر اعظم کے اندر کنٹرول سنبھال چکے تھے۔ وزیر اعظم ہاؤس کے پورچ میں ایک طرف ٹرپل ون بریگیڈ اور دوسری طرف آئی ایس آئی کے سول کپڑوں میں ملبوس فوجیوں نے ایک دوسرے پر ہتھیار تان لیے۔ نئے بنائے گئے آرمی چیف جنرل ضیاء الدین بٹ فوری طور پر آئے۔ انہوں نے آئی ایس آئی کے اہلکاروں کو ہتھیار نیچے کرنے کا حکم دیا اور وزیر اعظم ہاؤس کے اندر خونریزی کو روک دیا۔ ساڑھے آٹھ بجے رات کور کمانڈر جنرل محمود چیف آف جنرل سٹاف محمد عزیز خان سمیت تین جرنیل ایوان وزیر اعظم میں داخل ہوئے انہوں نے اپنے فوجی دستوں کے ذریعے وزیر اعظم نواز شریف کو قیدی بنا کر جوائنٹ سٹاف ہیڈ کوارٹرز چکلالہ کے بیس میں منتقل کر دیا۔ جنرل محمود، جنرل عزیز اور ایک اور جرنیل 12 اور 13 اکتوبر کی درمیانی شب بیس میں اسیر وزیر اعظم نواز شریف کے پاس آئے ان کو دھمکیاں دے کر دباؤ ڈالا کہ وہ پارلیمنٹ توڑنے کے احکامات پر دستخط کر دیں لیکن جرات مند نواز شریف نے قیدی بننے کے باوجود ان تین جرنیلوں کی چار پانچ گھنٹے کی کاوشوں کو ناکام بنایا اور ان کے لائے ہوئے کاغذ پر دستخط نہ کیے۔ قومی اسمبلی میں دو تہائی سے زیادہ اکثریت رکھنے والے وزیر اعظم نواز شریف کو کچھ دن چکلالہ بیس میں رکھا۔ گورنمنٹ ہاؤس مری کے ایک کوارٹر میں نظر بند کر دیا گیا جہاں سے چھ ہفتے بعد ان کو جنرل محمود کراچی لے گئے جہاں ان پر طیارہ سازش کیس بنا کر نواز شریف کو پہلے ملیر کینٹ کی بیرک میں اور پھر لانڈھی جیل منتقل کر دیا گیا۔

مئی جون 2000ء میں سابق وزیر اعظم نواز شریف کو طیارہ سازش کیس میں عمر قید سنائے جانے کے بعد اٹک قلعہ میں منتقل کیا گیا۔ اس سزا کے خلاف مشرف حکومت نے سندھ ہائیکورٹ میں اپیل دائر کی کہ نواز شریف کی سزا کم ہے ان کو سزائے موت کا حکم سنایا جائے۔ اس

Scanned with CamScanner

اپیل کی سماعت کے دوران نواز شریف کو اٹک قلعہ سے نکال کر پھر لانڈھی جیل کراچی لایا گیا۔ ہائیکورٹ نے مشرف حکومت کی اپیل خارج کردی اور عمر قید کی سزا کو برقرار رکھا۔ سن دو ہزار کے رمضان المبارک کے مہینے (ماہ دسمبر) میں نواز شریف اور ان کے پورے خاندان کو امریکہ اور سعودی عرب کے سخت دباؤ کے باعث جنرل مشرف نے جدہ جلاوطن کردیا۔ نواز شریف نے جیل جرأت مندی سے کاٹی کہیں سر نہیں جھکایا ان پر کیا بیتی یہ علیحدہ طویل اور دلچسپ داستان ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

سابق وزیر اعظم نواز شریف کی کہانی ان کی اپنی زبانی

قلعہ اٹک کی کوٹھڑی سے سرور (SROOR) پیلس جدہ پہنچنے والے سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف سے راقم نے عمرہ کی ادائیگی اور روضہ رسول پر حاضری کے بعد جدہ میں ملاقات کی۔ سینیٹر سعدیہ عباسی جو نواز شریف کی معتمد خاص خاتون بیرسٹر ہیں نے عمرہ کی ادائیگی پر میری روانگی کی اطلاع ملنے پر کہا کہ عمرے کے بعد میاں صاحب سے کیا آپ ملاقات کریں گے۔ میں نے جواب دیا کہ سابق وزیر اعظم کے انٹرویو کی کوشش میرا پیشہ وارانہ فریضہ ہے۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ گیارہ ستمبر کو صفا و مروہ کے درمیان سعی کے موقع پر سابق ایم این اے میاں اعجاز شفیع سے آمنا سامنا ہو گیا۔ اسی وقت اے آر ڈی کے سربراہ نوابزادہ نصر اللہ بھی وہیل چیئر پر سعی کرتے دیکھے گئے۔ اعجاز شفیع نے اپنی باکباز اہلیہ کا مجھ سے تعارف کرایا۔ ہوٹل کا کمرہ نمبر بتایا عبادت کے مقصد سے چونکہ مکہ میں تھا اعجاز شفیع صاحب سے ان کے ہوٹل میں جانے کا وقت نہ ملا البتہ پاکستان ٹیلی کام اتھارٹی کے چیئرمین میجر جنرل شہزادہ عالم، پنجاب کے وزیر قانون و بلدیات بشارت اے راجہ، پاکستان کے مستعد باصلاحیت ڈائریکٹر حج بحر اللہ ہزاروی وغیرہ سے خانہ کعبہ کے طواف اور مسجد الحرام میں نماز کے دوران اچانک ملاقاتیں ہوئیں۔ جنگ گروپ کے ادنیٰ کارکن کے ناطے ان کے مسجد الحرام کے اندر اور پاکستان ہاؤس میں انٹرویو کئے جو ہمارے گروپ ایڈیٹر محمود شام صاحب نے نمایاں شائع کئے۔ پاکستان ہاؤس مکہ میں اچانک ایک دوپہر وزیر بھٹی کا ٹیلی فون آیا انہوں نے بتایا کہ سابق وزیر اعظم نواز شریف کو آپ کی مکہ میں موجودگی کی اطلاع سابق ایم این اے میاں اعجاز شفیع کے ذریعے ملی ہے عمرہ کی ادائیگی کے بعد نواز شریف صاحب جدہ میں پیلس میں آپ سے ملیں گے۔ وزیر بھٹی مدینہ میں نواز شریف کے معتمد خاص ہیں۔ اس طرح میاں نواز شریف سے 20 ستمبر 2005 کو سرور پیلس میں ملاقات طے ہوئی۔ اسی روز راقم کی وطن واپسی کی فلائٹ تھی۔ سرور پیلس کے ایک حصے میں نواز شریف فیملی اور دوسرے حصے میں شہباز شریف فیملی رہتی ہے جو نیو یارک گئی ہوئی تھی۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے سوالات اور جوابات درج ذیل ہیں۔

جنگ: بھارت نے پاکستان کے وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری کو نئی دہلی نہ آنے کا کہہ دیا ہے حالانکہ وہ جنوری 2004ء میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والی مجوزہ سارک سربراہی کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ دوسرے سارک سربراہوں کی طرح وزیر اعظم واجپائی کو اکتوبر میں پہنچانے جانے والے تھے۔

نواز شریف: میرے خیال میں بھارت کی طرف سے خورشید محمود قصوری کو اپنے ملک میں آمد سے روکا جانا 1971ء میں سقوط ڈھاکہ کے بعد دوسرا قومی سانحہ ہے۔ 1971ء میں پاکستانی فوج نے کسی مزاحمت کے بغیر ڈھاکہ میں انڈین جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے سامنے ہتھیار ڈالے اس طرح وہ فوجی سقوط تھا اور اب سفارتی سقوط ہوا ہے وہ فوجی تذلیل تھی اب سفارتی تذلیل ہوئی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی کبھی بھی ایسی تذلیل نہیں ہوئی۔ میرے پیارے پاکستانی عوام سمیت دنیا بھر کو یاد ہو گا کہ کارگل کی جنگ کے فوراً بعد میں نے اپنے وزیر خارجہ سرتاج عزیز کو بھارت روانہ کیا۔ حالت جنگ کے باوجود بھارتی وزیر خارجہ نے ایئرپورٹ پر آ کر سرتاج عزیز کا استقبال کیا جبکہ اب پرویز مشرف کی پالیسیوں کی وجہ سے پاکستان کا وقار اس قدر مجروح ہو گیا ہے کہ بھارت نے پاکستانی وزیر خارجہ کو اپنے ملک میں آنے سے منع کر دیا ہے۔ یہ بھی پاکستانی قوم اور میری نگاہوں میں قدر و منزلت کی حامل میری پیاری پاک فوج کے جوانوں، افسروں اور جرنیلوں کو یاد ہو گا کہ معرکہ کارگل کے شہداء کے لیے آرمی چیف جنرل پرویز مشرف نے جن مراعات و سہولیات کا پیکج میرے سامنے پیش کیا۔ میں نے پاک فوج سے ذاتی پیار، خلوص، محبت اور ان کی قربانیوں کی بنا پر شہداء اور زخمیوں کے لواحقین کے لیے مذکورہ پیکج میں دی گئی مالی مراعات اور دوسری سہولیات کو تقریباً دو گنا اپنے قلم سے کر دیا۔

Scanned with CamScanner

میرے دور میں پاکستان کا وقار بھارت کے حوالے سے بھی بڑا بلند تھا۔ وزیر اعظم واجپائی چل کر واہگہ کے راستے لاہور آئے۔ مینار پاکستان پر حاضری دے کر انہوں نے پاکستان کے وجود کو تسلیم کرنے کا مظاہرہ دنیا بھر کے سامنے کیا تھا۔ پرویز مشرف زبردستی وزیر اعظم واجپائی سے ہاتھ ملانے کی کوشش کرتے رہے لیکن ان کو ٹکا سا جواب بھارت کی طرف سے ملتا ہے۔ پاکستان کی حالیہ سفارتی تذلیل سے ثابت ہو گیا ہے کہ فوجی اور آمرانہ حکومت کا نہ ملک کے اندر نہ ہی ملک کے باہر وقار ہوتا ہے موجودہ حکومت کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر پاکستان کا تشخص مجروح ہوتا جا رہا ہے۔ خورشید محمود قصوری کو بھارت آنے سے روکنے کے واقعہ سے پرویز مشرف کی خارجہ پالیسی کی کامیابی کے دعووں کی قلعی مکمل طور پر کھل گئی ہے۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ پرویز مشرف کی ان غلطیوں کا خمیازہ ایٹمی طاقت رکھنے والی قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے جو ملک کا بہت بڑا نقصان ہے۔

جنگ: حکومتی ترجمان شیخ رشید احمد کے مطابق بے نظیر بھٹو سے ہمارا رابطہ ہے کیا آپ کی پارٹی حکومت سے سمجھوتہ کرنے کو تیار ہے یا ایسی کوئی کوشش آپ نے یا حکومت نے کی ہے۔

نواز شریف: سبھی جانتے ہیں اور میں اس کی تصدیق کر دیتا ہوں کہ نظامی صاحب پاکستان سے میرے پاس آئے جس جگہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں اسی جگہ وہ بیٹھے تھے۔ پرویز مشرف نے ان کو بلا کر میرے لیے پیغام دیا تھا وہ پرویز مشرف کا یہ پیغام لائے تھے کہ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے ساتھ حکومت سمجھوتہ کرنا چاہتی ہے مذاکرات شروع کر لیں۔ میں نے کہا کہ کس بات پر سمجھوتہ کروں، پرویز مشرف نے غیر آئینی ٹیک اوور کیا ان سے سمجھوتہ کراؤں جنہوں نے آئین کو توڑا اس کے آرٹیکل میں ہی آئین توڑنے والے کے لیے موت کی سزا درج ہے کیا قومی اسمبلی سینٹ اور صوبائی اسمبلیاں غیر آئینی طور پر توڑنے والوں سے سمجھوتہ کراؤں جس نے جمہوریت کو ختم کیا۔ وزیر اعظم کو گرفتار کیا اس سے سمجھوتہ کراؤں، میں نے نہ کل سمجھوتہ کیا نہ آئندہ کروں گا۔ 12 اکتوبر 2003ء کو چار سال پورے ہو رہے ہیں کہ پاکستان میں جمہوریت کی بساط لپیٹی گئی۔ اس کی وجہ سے دولت مشترکہ کی پاکستان کی رکنیت معطل ہوئی جو آج تک معطل ہے۔ میری پارٹی جمہوری پارٹی ہے۔ دستور قانون کی بالادستی پر یقین رکھتی ہے اس لیے غیر جمہوری قوتوں کے ساتھ اپنی پالیسی کو ذرہ برابر بھی تبدیل نہیں کرے گی۔ مشرف حکومت سے سمجھوتہ کرنا ہوتا تو میں میرا خاندان میرے رفقا 12 اکتوبر 1999ء کے بعد مسلسل اب تک قید و بند کی انتقامی مقدمات اور جلاوطنی کی روح فرسا سزائیں کیوں بھگت رہے ہوتے، سمجھوتہ کرنا ہوتا تو اس وقت پہلے ہی مہینے میں کر لیتا۔

جنگ: آپ پاک فوج کے بارے میں کیوں سخت کلمات استعمال کرتے ہیں۔ اس کے اسباب کیا ہیں؟

نواز شریف: میں پاک فوج کے بارے میں سخت اور تنقیدی ریمارکس بھی دینے کے خلاف ہوں۔ پاک فوج ہماری قومی فوج ہے اس میں میرے بھائی بھتیجے ہی تو ہیں یہ دشمن کی فوج نہیں کہ سخت کلمات کہوں میرے بارے میں یہ غلط تاثر ہے۔ پاکستان آرمی کے افسر اور جوان مجھے دل و جان سے پیارے ہیں۔ میرا داماد صفدر کیا آرمی کیپٹن نہیں۔ ہاں البتہ فوج کے چند جرنیل یا افسر جنہوں نے آئین کے تحت حلف کی خلاف ورزی کی ہے ان کو پاکستان آرمی کے اندر موجود میکانزم کی زد میں لایا جانا چاہئے۔ کمیشن حاصل کرتے وقت آرمی آفیسر آئین کے آرٹیکل 244 میں دیا گیا یہ حلف اٹھاتا ہے۔

میں......صدق دل سے حلف اٹھاتا ہوں کہ میں وزیر اعظم جسے ایوان کے اندر دو تہائی اکثریت حاصل ہو تو ایوان وزیر اعظم کو اندر سے گرفتار کر کے خود اقتدار سنبھال لے تو ایسے فوجی افسر کے خلاف کیا دستور توڑنے، سیاسی سرگرمیوں میں مشغول ہونے کے الزام میں پاک فوج کے ریگولیشن اور میکانزم کے تحت کارروائی کا مطالبہ کرنا پوری فوج کے خلاف سخت کلمات قرار دیے جا سکتے ہیں۔ میں نے پاک آرمی اور اس کے جرنیلوں کے خلاف کبھی بیان نہیں دیا۔ صرف اقتدار چھیننے والے چند فوجیوں کے بارے میں جذبات کا اظہار کل بھی کرتا تھا آج بھی کر رہا ہوں۔

جنگ: لیکن پاکستان مسلم لیگ (ن) کے چیئرمین جاوید ہاشمی اور ان کے بعض رفقاء کیوں اسمبلی کیفے میریا کی نیوز کانفرنس میں پاک فوج اور

Scanned with CamScanner

پاکستان آرمی کے جرنیلوں کے خلاف بیان دے رہے ہیں۔

نواز شریف: میں نے مسلم لیگ (ن) کے کسی عہدیدار رکن اسمبلی وسینٹ کو ایسے بیان دینے کی نہ ہدایت کی ہے نہ ہی ہماری یہ پارٹی لائن ہے۔ میں خود عدلیہ، بیوروکریسی تک کے خلاف Generalize کر کے بیان نہیں دیتا میں نے کبھی نہیں کہا کہ ہماری عدلیہ، بیوروکریسی کرپٹ ہے ہاں البتہ کبھی لوگوں کی طرح میں کہتا ہوں کہ عدلیہ کے چند ارکان اور بیوروکریسی کے چند ارکان کرپٹ ہیں۔ فوج جو قومی ادارہ ہے اس کے خلاف بیان جنرلائز نہیں کئے ہیں۔ اگر کسی نے ایسا بیان پوری فوج یا سارے جرنیلوں کے خلاف دیا ہے اس نے غلط کیا ہے۔ میری ہدایت ہے کہ میرا کوئی ساتھی عدلیہ یا فوج کے بارے میں کوئی منفی بیان نہ دے ہاں عدلیہ یا فوج کا کوئی فرد کرپٹ ہے تو ایسے کرپٹ کو کرپٹ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جنگ: 12 اکتوبر 1999ء کو ایوان وزیراعظم سے پکڑنے کے بعد آپ کے ساتھ کیا ہوا۔

نواز شریف: یہ طویل اور دُ راوئنی داستان ہے۔ ظالم نے ظلم کی انتہا کر دی تھی اور صابر نے صبر کی انتہا۔ بہرحال اٹک قلعہ کی موت کی کوٹھڑی سے اٹھ کر سرور پیلس پہنچ پایا جانا سوائے خدائی معجزے کے اور کچھ نہیں ہے۔ وہ تو مجھے بھٹو کی طرح موت کے گھاٹ اتارنے کے گھناؤنے عزائم رکھتے تھے لیکن مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہے میرے عوام میری مثال سے سبق سیکھیں۔ ہرگز کسی سے نہ ڈریں۔ زندگی، موت، عزت ذلت، رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی اسے چھین نہیں سکتا۔ 12 اکتوبر 1999ء کو پاکستانی قوم کے منتخب وزیراعظم کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا تین چار ہفتے مجھے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ کس شہر یا کس علاقے میں ہوں۔ ایک رات تین جرنیل جنرل محمود، جنرل علی اور کزئی اور جنرل احسان اکٹھے آئے۔ جنرل محمود بڑے درشت اور تضحیک آمیز لہجے میں باتیں کرنے لگا اس کا انجام پاکستانی عوام نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ اس نے بڑی بدتمیزی سے گفتگو کرتے ہوئے ایک کاغذ میرے سامنے رکھا اور کہا کہ اس پر دستخط کر دو میں نے کاغذ اٹھایا اس پر لکھا تھا۔

"I Hereby, Advise the President to Dissolve the National Assembly of Pakistan Under Article 58(1) of the constitution of the Islamic republic of Pakistan. I, Hereby, also resign from the prime minister ship of pakistan"

یہ تحریر پڑھتے ہی میں نے ان سے کہا کہ آپ کو کس نے اختیار دیا ہے کہ آپ ایک منتخب وزیراعظم کو گرفتار کر لیں اور اس سے قومی اسمبلی توڑنے اور وزارت عظمٰی کے عہدے سے استعفٰی دینے کی تحریر پر دستخط کرائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو کہہ رہے ہیں کہ آپ کو اس کاغذ پر دستخط کرنا ہوں گے دستخط کر دیں گے تو آپ کو آزاد کر دیا جائے گا۔ یہاں سے جہاں چاہیں چلے جائیں۔ میں نے جواب دیا کہ میں ہرگز دستخط نہیں کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ جلد دستخط کر دیں ورنہ آپ کو عبرتناک نتائج بھگتنا ہوں گے۔

میں نے کہا کہ جمہوریت کے خاتمے، وزیراعظم کو گرفتار کرنے کا سودا آپ کو بڑا مہنگا پڑے گا۔ ملک کو بھی اس کا زبردست نقصان پہنچے گا۔ آپ نے ملک کے لیے اچھا نہیں کیا۔ مجھے پاکستان سے پیار ہے پاکستانی عوام میرے دل کی دھڑکن ہیں میں ان کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ تم نے وطن کے خلاف گھناؤنی سازش کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سازش وازش کچھ نہیں جانتے اس پر میں نے کہا کہ میں موت کو گلے لگا لوں گا۔ دستخط نہیں کروں گا۔ میرے الفاظ تھے۔

''OVER MY DEAD BODY......I WILL NOT SIGN THIS PAPER''

اس کے بعد مجھے دھمکیاں دیتے ہوئے وہ نکل گئے۔

جنگ: LFO (لیگل فریم ورک آرڈر) پر ایم ایم اے اور متحدہ مسلم لیگ کے درمیان معاہدے کے نتیجے میں قومی اسمبلی سے اسے دوتہائی

Scanned with CamScanner

اکثریت سے منظور کرایا جاسکتا ہے۔ آپ ایسی صورتحال پر کیا کہیں گے؟

نواز شریف: کون سی متحدہ مسلم لیگ، آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ حکومتی مسلم لیگ، حکومت نہیں رہے گی تو متحدہ مسلم لیگ والوں کے مابین جوتیوں میں دال بٹنے لگے گی میں اور آپ یہ سب کچھ دیکھیں گے جس طرح کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہونے والوں کے مقابلے میں کونسل مسلم لیگ میں رہنے والوں کو آج ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جمالی صاحب بھی کونسل مسلم لیگ میں ہی رہے تھے۔ اسی طرح آج 12 اکتوبر 1999 تک مسلم لیگ (ن) میں رہ کر حکومت بدلتے ہی وزارتیں سنبھالنے والوں اور اپنی ہی جماعت مسلم لیگ (ن) کو برا بھلا کہنے والوں کو آئندہ انتخابات میں عوام مسترد کر دیں گے اور مسلم لیگ (ن) آئندہ کے منصفانہ اور ایجنسیوں کے بغیر ہونے والے الیکشن میں مسلم لیگ (ن) کو کامیاب بنائیں گے۔ پی پی پی والے بھی وہ جیتیں گے جو محترمہ کا ساتھ چھوڑ کر نہیں گئے۔ ایل ایف او کو اگر اسمبلی سے منظور کرانے کی کوشش کی گئی تو مسلم لیگ (ن) اور ان کی حامی جماعتیں انشاء اللہ اسمبلی کے اندر اور باہر اس کی مخالفت کریں گی۔ پاکستان کے کونے کونے میں احتجاجی مظاہرے شروع ہو جائیں گے۔ ہم اس تحریک میں اکیلے نہیں ہوں گے۔ پاکستان پیپلز پارٹی بھی ہوگی ملک بھر کے قانون دان، وکلاء، پاکستان بار کونسل، صوبائی بار کونسلیں، ضلعی بار ایسوسی ایشنیں، دانشور، شاعر، ادیب، مزدور، کسان جمہوری سیاسی قوتیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عوام ہمارے ساتھ ہوں گے۔ یہ پرویز مشرف کے لیے (NO WIN SITUATION) ہوگی وہ اپنا اور قوم کا وقت ضائع نہ کریں۔ وہ ملک کے مقدر سے کھیل رہے ہیں قوم کو بے یقینی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

جنگ: آپ کا پاسپورٹ اور آپ کے اہل خانہ کے پاسپورٹ کب سے ایکسپائر ہیں؟

نواز شریف: پاسپورٹ حاصل کرنا ہر پاکستانی شہری کا حق ہے اس کا بھی جو دو مرتبہ پاکستان کا وزیر اعظم رہا ہو۔ میرا پاسپورٹ 26 ماہ قبل EXPIRE ہوا پرویز مشرف شاید سودے بازی کے لیے نیا پاسپورٹ جاری کرنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ انشاء اللہ میں زندگی بھر سودے بازی نہیں کروں گا۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ پاسپورٹ میرا تجدید (Renew) کر دیں۔ پرسوں میں جدہ کے محل سے نکل کر کراچی، لاہور، اسلام آباد ایئر پورٹ پر اتر جاؤں گا جہاں سے جس جیل میں چاہیں مجھے لے جائیں۔

جنگ: واجپائی کی حکومت نے پاکستان کے وزیر خارجہ کو دلی آنے سے روک دیا ہے۔ آپ کے دور میں واجپائی خود چل کر لاہور آپ سے ملنے آئے تھے۔ اس وقت مسئلہ کشمیر کا ذکر ڈیکلریشن اور اعلان لاہور میں جنرل پرویز مشرف کو شامل کرانا پڑا۔

نواز شریف: یہ سراسر غلط ہے۔ دونوں جگہ مسئلہ کشمیر کا ذکر تھا، ہے اور رہے گا۔ ریکارڈ پر موجود ہے۔ میں سرکاری راز افشا کرنے والا نہیں۔ میں اس وقت یہی کہہ سکتا ہوں کہ واجپائی اور میرے درمیان تنازعہ کشمیر کے پر امن حل کے لیے ایک ڈیڈ لائن تقریباً طے ہو گئی تھی۔ واجپائی کی لاہور آمد ہاں کے مذاکرات اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ اگر کارگل کے نتیجے میں یہ سارا پلان سبوتاژ نہ کیا گیا ہوتا تو کشمیر کے 52 سالہ پرانے تنازعے کا تاریخ ساز حل آج تک نکل چکا ہوتا۔ ویسے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ 1965ء کی پاک بھارت جنگ ہو یا 1971ء کی۔ یہ جنگیں اس وقت ہوئیں جب پاکستان میں چند طالع آزما جرنیلوں نے جمہوریت کی گاڑی پٹڑی سے اتار کر اقتدار پر قبضہ کیا۔ انڈیا میں فوج اقتدار کیوں نہیں سنبھالتی۔ اس کا تجزیہ کر کے صحیح ڈگر، آئینی اور جمہوری راستہ تلاش کرنا اور اس پر چلنا پاکستان کے عوام پاکستان کی فوج پاکستان کے دانشوروں اور پاکستان کے سیاستدانوں کا مشترکہ قومی فریضہ ہے۔ میرے خیال میں عدلیہ ہو یا فوج بیورو کریسی ہو یا صدر، وزیر اعظم جو کوئی آئین کے تحت حلف اٹھا کر اس کی خلاف ورزی کرے اس کا متعلقہ ادارہ اپنے رولز کے مطابق محاسبہ کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

جلاوطنی میں شاہانہ جاہ وجلال، خوشگوار موڈ، کئی بار جذباتی ہوئے

انٹرویو کی جھلکیاں

اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے اس وقت کے امریکی صدر بل کلنٹن کی مداخلت، سعودی عرب فرمانروا اور سعودی ولی عہد کی کاوشوں سے قلعہ اٹک کی تنگ وتاریک کال کوٹھری سے سعودی پیلس ''سرور'' جدہ میں پہنچ جانے والے پاکستان مسلم لیگ (ن) کے صدر سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف کے ساتھ راقم نے چار گھنٹے دورانیے کا انٹرویو ان کے خاندان کے ارکان بشمول بیگم کلثوم نواز، کیپٹن صفدر کی موجودگی میں کیا۔ سرور پیلس جدہ جو سعودی عرب کے سابق شاہ فیصل بن عبدالعزیز کا ذاتی محل ہے تین سال سے پاکستان کے سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف اور ان کے جلاوطن خاندانوں کی اقامت گاہ بنا ہوا تھا۔ سرور پیلس میں پاکستان کا سابقہ حکمران خاندان خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز اور ولی عہد شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز کا ذاتی مہمان تھا۔ سرور پیلس کا انتظام و انصرام اور سیکرٹریٹ وزیر اعظم ہاؤس اسلام آباد جیسا پایا پیلس کے اردگرد سعودی فوج و پولیس کے مسلح اہلکار دکھائی دیے۔ صدر دروازے کو اس وقت تک کسی گاڑی، فرد کے لیے نہیں کھولا جاتا جب تک نواز شریف، شہباز شریف سے کلیرنس نہیں ملتی، ہماری گاڑی بھی روکی گئی مگر استقبالیہ پر مامور سعودی پروٹوکول کے اہلکاروں کو پیشگی ورقہ میزبان کی طرف سے دیا گیا تھا۔ سرور پیلس میں اپنے پاکستانی مہمان خاندان کے لیے میزبانوں نے 30 رکنی پروٹوکول سٹاف فراہم کیا ہوا تھا۔ جدید ترین جی ایم سی اور دوسری الٹرا ماڈرن گاڑیاں بھی سعودی حکمرانوں نے پاکستان کے سابق وزیر اعظم کے لیے مہیا کر رکھی تھیں۔ شام چھ بجے انتہائی خوبصورت کمرے میں لے جا کر بٹھایا گیا جہاں کئی ملین روپے مالیتی سٹینڈ یلیئرز (جہازی فانوس) جگمگا رہے تھے۔ اس کے ساتھ نواز شریف کے ذاتی معاون مسٹر شاہد اپنے ساتھی قاری شکیل کے ساتھ سیب کا جوس لے کر آئے اس کے فوراً بعد دوسرے صاحب ڈرائنگ روم لے گئے جو آرائشی زیبائشی اشیاء، گولڈ پلیٹڈ سے مزین تھا۔ ابھی ڈرائنگ روم کا جائزہ مکمل نہ ہوا تھا صرف اٹھائیس صوفے آٹھ بیش بہا میز کرسٹل کے سولہ جہازی فانوس گن پایا تھا کہ ڈرائنگ روم میں مسجد نبوی کے مینار کے لمبے لمبے جانمازوں کی چار صفیں بچھا دی گئیں۔ دروازہ کھلا تو سب سے پہلے سفید کپڑوں میں ملبوس میاں محمد شریف صاحب جو علالت کی وجہ سے وہیل چیئر پر تھے کو ایک خادم لے کر آیا۔ میرے ساتھ حال احوال دریافت کرنے کے بعد ان کی وہیل چیئر پہلی صف میں کھڑی کر دی گئی۔ قاری شکیل نے نماز مغرب کی امامت کی۔ چار صفوں میں شریف خاندان کے مرد حضرات اور ان کے سٹاف نے نماز باجماعت ادا کی سبھی نے پاکستان اور ان کے عوام کی ترقی وخوشحالی کی دعا کی۔ نماز مغرب کے بعد دیکھا نواز شریف مجھ سے عقبی رو میں اپنے داماد کیپٹن صفدر، سیکرٹری بریگیڈیئر (ر) جاوید ملک، سابق ڈپٹی میئر لاہور سہیل ضیاء بٹ اور دوسرے احباب کے ساتھ سجدہ ریز تھے۔ راقم نے چونکہ قصر نماز ادا کی اس لیے جلد فارغ ہو کر صوفے پر بیٹھ گیا تو سابق وزیر اعظم نماز مکمل کر کے اٹھے تو ان سے ملاقات ہوئی انہوں نے راقم کا تعارف دوسرے دو درجن احباب سے کرایا، اسی دوران میاں صاحب کے پریس سیکرٹری چوہدری صاحب اخبارات کے تراشے لے کر آئے اور ایک ایک کر کے پڑھ کر سنانے لگے۔ عرفان صدیقی صاحب کا کالم بھی پڑھا گیا۔ حاضرین مجلس میاں نواز شریف سمیت تبصرہ ساتھ ساتھ کرتے رہے۔ اس دوران جیوٹی وی کے میرے عزیز رفیق کار سہیل وڑائچ جو لندن سے پہنچے تھے معروف صحافی رؤف طاہر کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ گپ شپ کے دوران میاں نواز شریف نے کہا کہ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے ارکان قومی وصوبائی اسمبلی میرے دست وبازو ہیں چار سالہ آزمائش کے دور میں میرے ساتھ ثابت قدم رہنے والے میرے کارکن میرا اثاثہ ہیں نہ جھکنے والے نہ بکنے والے مسلم لیگ (ن) کے ارکان اسمبلی سینیٹ اور دوسرے لیگی عہدیداروں کو سونے سے

Scanned with CamScanner

تول دیا جائے تب بھی ان کی عظمت کا بدلہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس محفل میں میاں محمد شریف بھی موجود تھے۔ محفل کے آغاز سے قبل محمد نواز شریف، کیپٹن صفدر، سہیل ضیاء بٹ، بریگیڈیئر (ر) جاوید ملک اور دوسرے اہل خاندان باری باری میاں شریف کے پاس گئے جھک کر ان سے مصافحہ کیا۔ سر جھکا کر ان سے دعائیں لیں۔ بتایا گیا کہ سابق وزیراعظم نواز شریف نماز پنج گانہ باجماعت ادا کرنے کے بعد اپنے والد بزرگوار جو وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے ہیں ان کو اسی طرح مؤدبانہ سلام کرتے ہیں۔ دعائیں لیتے ہیں ان کی یہ بات واقعی قابل تقلید تھی ان فرزندوں کے لیے جو اپنے والدین کو اہمیت نہیں دیتے۔ ان سے بے اعتنائی برتتے ہیں یا ان کا حکم نہیں مانتے۔ اسی دوران نماز عشاء کا وقت ہو گیا اور نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد نواز شریف سمیت گھر کے سارے مرد ممبروں نے راقم سمیت ایک بڑی لمبی میز پر انواع و اقسام کے کھانے تناول کئے میز پر لسی کا گلاس، انگور کے جوس کے ساتھ موجود تھے۔ نواز شریف نے سنت محمدی کے عین مطابق ہاتھ سے کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران نیویارک سے شہباز شریف کا ٹیلیفون آیا جو نواز شریف نے سب کے سامنے میز پر ہی سنا۔ کھانے کی میز پر ہی سابق وزیراعظم نواز شریف سے راقم نے سلسلہ جنبانی یہ کہہ کر شروع کیا کہ رات پانچ بجے میری فلائٹ ہے۔ نواز شریف نے کہا کہ میں کوئی انٹرویو وغیرہ دینے کا قائل نہیں لیکن آپ پاکستان کے ایک کہنہ مشق غیر جانبدار وطن پرست اور غیر سیاسی صحافی ہیں اس لیے حالات حاضرہ ڈسکس کر لیتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ آپ وطن کب آئیں گے تو کہنے لگے میں پاکستان آنے کے لیے تیار ہوں پرویز مشرف زبردستی وطن آنے نہیں دے رہے۔ جو وطن گئے (مسز شہباز شریف ان کی صاحبزادیاں) ان کو اٹھا کر جہاز میں ڈال کر ملک سے باہر بھجوا دیا۔ ہمارے پاسپورٹ Expire ہو چکے ہیں۔ نئے پاسپورٹ پاکستان کی حکومت جاری کرے یا تجدید کر دے اگلے ہی روز میں پاکستان کی سرزمین پر لینڈ کر جاؤں گا میں اٹک قلعہ سے سرور محل آیا تھا۔ وطن میرے لیے سب سے پیارا ہے۔ سرور محل سے میں وطن عزیز کی جیل میں سیدھا جانے کے لیے تیار ہوں۔ وہاں میرے پیارے عوام ہوں گے ان کی خوشبو تو جیل میں ملے گی۔ میرے خلاف چار سال میں وہ کوئی مقدمہ نہیں بنا سکے حالانکہ سارے ریکارڈ سارے وسائل ساری مشینری ان کے پاس ہے۔ پرویز مشرف جو مقدمہ بنائیں گے۔ ہم اسے لڑیں گے میرے وطن کے جج انصاف دیں گے۔ انشاءاللہ، میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اس لیے میں پرویز مشرف کی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا۔ نہ ان کی دھمکیوں کو خاطر میں لاتا ہوں۔ میں حق پر ہوں حق آئے گا باطل مٹ جائے گا۔ سابق وزیراعظم محمد نواز شریف بے حد اعتماد میں تھے اور خوشگوار موڈ میں باتیں کرتے رہے۔ ان سے راقم نے درجنوں سوال کیے کئی بار وہ جذباتی بھی ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

مئی 2013ء کے عام انتخابات

بڑے بڑے برج الٹ گئے

2013ء کے انتخابات تمام تر خدشات اور دہشتگردوں کی وارداتوں سے پیدا ہونے والے خوف وہراس کے باوجود خوش اسلوبی سے مکمل ہوگئے اور انتخابی نتائج نے سب کو حیران کردیا وہ تجزیہ نگار جو سٹوڈیو میں بیٹھ کر عمران خان کو وزیراعظم دکھا رہے تھے اور نواز شریف کو 100 سے کم نشستیں دے رہے تھے انہیں شکست ہوئی۔ بعض حلقوں کی خواہش اور کوشش تھی کہ نواز شریف کو اکثریتی جماعت بننے سے روکا جائے لیکن عوام نے اپنا فیصلہ نواز شریف کے حق میں کیا۔ صدر آصف علی زرداری جنہیں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سیاست میں پی ایچ ڈی کی ہوئی ہے اس الیکشن میں ناکام ہوگئے ان کی تھیوری اور حکمت عملی بری طرح ناکام ہوئی کہ تحریک انصاف کو سپورٹ کیا جائے اس سے نواز شریف کے ووٹ تقسیم ہوں گے اور پیپلز پارٹی کامیاب ہوگی لیکن عملاً یہ ہوا کہ مہنگائی کے بوتل سے نکلنے والا جن پیپلز پارٹی کو ہی کھا گیا پھر پانچ سالہ دور میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے کرپشن، مہنگائی، بدامنی کے ریکارڈ قائم کردیے۔ توانائی کے بحران کو حل کرنے کی بجائے مزید گمبھیر بنادیا۔ قرضوں کا بوجھ دوگنا کردیا لیکن عمران خان اپنی انتخابی مہم میں پیپلز پارٹی کی پانچ سالہ کارکردگی کے بارے میں بوجوہ خاموش رہے اور ان کی تنقید کا ہدف صرف میاں برادران رہے پیپلز پارٹی کی منفی سیاست اسے لے ڈوبی۔ پیپلز پارٹی کی قیادت پوری انتخابی مہم میں غائب رہی انہوں نے میڈیا مہم پر انحصار کیا اور وہ بھی صرف منفی پروپیگنڈہ پر عوام نے پیپلز پارٹی کو اس کی کارکردگی کا ووٹ دیا۔ پی پی پی نے جو بویا وہ کاٹا۔ پیپلز پارٹی کو جو نقصان آمر نہیں پہنچا سکے وہ اس کی قیادت نے پہنچایا۔ البتہ سندھ کے عوام نے شہید محترمہ بینظیر بھٹو سے محبت کا ثبوت ضرور دیا جس سے پارٹی کی کچھ عزت رہ گئی ورنہ باقی تین صوبوں میں صفایا ہوگیا اب مسلم لیگ ن کو پنجاب کی پارٹی کہنے والوں کو سندھ کی پارٹی کا طعنہ ضرور سننے کو ملے گا۔ بہرحال الیکشن 2013ء نے تمام سیاسی جماعتوں کو سبق سکھائے ہیں پیپلز پارٹی کو اس کی منفی اور ناقص حکمت عملی اور پانچ سالہ ناقص کارکردگی کی قیمت ادا کرنا پڑی۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے بہت اچھی مہم چلائی لیکن پیپلز پارٹی کے بارے میں ان کے نرم گوشے نے عوام کو مایوس کیا دوسرے انہوں نے انتخابی مہم کے دوران میاں محمد نواز شریف جیسے قدآور سیاستدان کے بارے میں جو طرز تکلم اختیار کیا جس طرح پھینٹا لگانے اور او میاں کے نعرے لگائے اس سے ان کی شخصیت کا یہ منفی پہلو اجاگر ہوا کہ وہ پختہ کار سیاستدان نہیں ہیں۔ پولنگ سے دو دن قبل سٹیج سے گر کر زخمی ہونے کے باعث ہمدردی کے ووٹوں کے باوجود وہ قومی اسمبلی میں خاطر خواہ کارکردگی نہ دکھا سکے اور مسلم لیگ ن کے مضبوط قلعے پنجاب میں شگاف نہیں ڈال سکے۔ تحریک انصاف کے اثرات کے پی کے یا پنجاب کے صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ و متمول اربن کلاس تک محدود رہے۔ دوسری جانب مسلم لیگ ن کے صدر میاں محمد نواز شریف نے اپنی تقریر میں عمران خان کے منفی ریمارکس کا جواب نہیں دیا بلکہ شائستگی اور تہذیب کا دامن پکڑے رکھا جس سے عوام میں ان کا امیج مزید بہتر ہوا انہوں نے رزلٹ آنے کے بعد فاتحانہ خطاب میں عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کیا برا بھلا کہنے والوں کو معاف کردیا اور کارکنوں سے کہا کہ اللہ کے حضور سربسجود ہو کر شکریہ ادا کریں انہوں نے عوام سے کیے گئے وعدے پورے کرنے اور دوسری جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنے کی بات کی۔ الیکشن 2013ء میں پیپلز پارٹی کے کئی اہم رہنما شکست کھا گئے جن میں سابق وزیراعظم راجہ پرویز اشرف، سابق وزیر اطلاعات ونشریات قمر زمان کائرہ، سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے تینوں صاحبزادے اور سابق وزیراعلیٰ پنجاب میاں منظور وٹو شامل ہیں گویا یہ کہیے کہ بڑے بڑے برج الٹ گئے سابق وزیر دفاع چوہدری احمد مختار اور سابق چیئرمین پبلک اکاؤنٹس کمیٹی ندیم افضل چن بھی ہار گئے۔ پنجاب اسمبلی میں پیپلز پارٹی کے پارلیمانی لیڈر راجہ ریاض بری طرح شکست کھا گئے۔ پیپلز پارٹی کا بھی فیصلہ حیران کن تھا کہ میاں منظور وٹو کو پیپلز پارٹی کی صوبائی

صدارت سونپ دی گئی۔ اے این پی کو نہ صرف خیبر پختونخوا میں شکست ہوئی بلکہ اے این پی کے صدر اسفند یار ولی خان اور سابق وزیر ریلوے غلام احمد بلور بھی ہار گئے حالانکہ بلور خاندان نے حال ہی میں صوبائی وزیر بشیر احمد بلور کی شہادت کا صدمہ دیکھا۔ جے یو آئی کے سربراہ مولانا فضل الرحمان، ایم کیو ایم کے ڈاکٹر فاروق ستار، عوامی مسلم لیگ کے صدر شیخ رشید احمد، مسلم لیگ (ضیاء الحق) کے صدر محمد اعجاز الحق اور مسلم لیگ (قائد اعظم) کے رہنما چوہدری پرویز الٰہی، مخدوم شاہ محمود قریشی اور جاوید ہاشمی اسمبلی میں پہنچ گئے۔

راولپنڈی اسلام آباد میں حیران کن نتائج دیکھنے کو ملے اسلام آباد میں مخدوم جاوید ہاشمی کی فتح کا سہرا عمران خان کے سر ہے۔ عمران خان کا جادو واقعی چلا ہے کیونکہ راولپنڈی مسلم لیگ ن کا گڑھ تصور کیا جاتا رہا 2008ء کے الیکشن میں این اے 48 سے این اے 56 تک تمام نشستوں پر مسلم لیگ ن کامیاب ہوئی تھی سوائے راجہ پرویز اشرف کی ایک نشست کے۔ راولپنڈی شہر میں جہاں عمران خان ابھر نے کردار ادا کیا وہاں مسلم لیگ ن کی دھڑے بندی اور ٹکٹوں کی تقسیم پر تنازعات نے بھی کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ ن کو گزشتہ پانچ سال میں منظم کرنے پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ نوجوانوں کو پارٹی میں آنے کا موقع نہیں دیا۔ مسلم لیگ ن کی مقامی قیادت کا عوام سے رابطہ اب نہ ہونے کے برابر تھا۔ چوہدری نثار علی خان اور چوہدری تنویر خان کے باہمی جھگڑے نے پارٹی کو نقصان پہنچایا۔ حنیف عباسی کے رویے کے بارے میں کارکن شکایت کرتے نظر آتے ہیں۔ سماجی شخصیت ڈاکٹر جمال ناصر کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق تھے۔ شہر یار ریاض کو ٹکٹ کیلئے نظرانداز کرنے کے بعد انتخابی مہم میں ساتھ نہیں رکھا گیا۔ پنجاب میں جماعت اسلامی کی سولو فلائٹ ناکام رہی۔ عمران خان ضرورت سے زیادہ پراعتمادی بلکہ غرور کا مظاہرہ کر رہے تھے جنہیں اب اندازہ ہو گیا ہوگا کہ سیاست کا میدان کرکٹ کے میدان سے مختلف ہی ہے اور مشکل بھی۔ جو بھی ہو اب نتائج واضح ہو گئے ہیں مرکز اور پنجاب میں مسلم لیگ ن کی حکومت بنی۔ میاں محمد نواز شریف ملک کے وزیر اعظم اور میاں شہباز شریف پنجاب کے چوتھی مرتبہ وزیر اعلیٰ بن گئے۔ ایک اور خوش آئند بات یہ ہے کہ اس مرتبہ ٹرن اوور تقریباً 60 فیصد رہا اور ووٹرز کا غیر معمولی جوش و خروش دیکھنے میں آیا۔ عوام کی عدالت نے جو فیصلہ کیا اسے تمام سیاسی قیادت نے قبول کیا۔ اگرچہ نتائج میں بہت اپ سیٹ دیکھنے میں آیا لیکن یہ بہرحال جمہوریت کا حسن ہے۔

28 مئی 1998ء کے قومی یادگار دن کے بعد 11 مئی 2013ء کا دن 15 سال بعد پاکستانی قوم کے لیے ایک اور بڑی قابل فخر کامیابی کی نوید لیکر آیا۔ 11 اور 13 مئی 1998ء کے بھارت کے پانچ ایٹمی دھماکوں کے بعد بھارتی قیادت نے جس تکبر، غرور، نحوست کا اعلانیہ مظاہرہ کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا، پاکستانی قوم کے مایہ ناز ایٹمی سائنسدان بشمول ڈاکٹر اے کیو خان، ڈاکٹر ثمر مبارک مند، منیر احمد خان، اشفاق احمد اور پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے قوم کے محسن انجینئروں، سائنسدانوں، ٹیکنیشنوں نے 28 اور 30 مئی 1998ء کو نواز شریف کے فیصلے کے مطابق 6 جوابی ایٹمی دھماکے کر کے جس طرح بھارت کا غرور توڑ کر پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنایا پاکستان کو قوموں کی برادری میں باوقار مقام دلایا اسی طرح 11 مئی 2013ء کے جنرل الیکشن میں پاکستانی قوم نے مغرور حکمران اتحاد کا صفایا کر دکھایا اور پاکستان پیپلز پارٹی، اے این پی، ایم کیو وغیرہ کو جو نشان عبرت بنایا اُس سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قوم نے ثابت کر دیا کہ ''جمہوریت بہترین انتقام ہے''۔ 11 مئی کو پاکستانی عوام نے جس سیاسی شعور، ذہانت، بیداری کا عملی مظاہرہ کیا وہ بے مثال ہے۔ پاکستانی عوام نے اُن تمام بتوں کو گرا دیا جو کرپشن کے ذریعے ملک لوٹتے رہے۔ اُنہوں نے عوام کے مسائل کو 5 سال تک بالکل نظرانداز کئے رکھا جنہوں نے میرٹ کی دھجیاں اُڑائیں، جنہوں نے پاکستانی قوم کی ترجیحات کو پس پشت ڈالا، ذاتی مفادات کو ترجیح دی، تھر کے کوئلے سے بجلی نہ بننے دی اور غیر ملکی آئل کمپنیوں کو پاکستان سے دولت ''دونوں ہاتھوں سے'' لٹواتے رہے، کیونکہ آئل کی درآمدات اور اُسکے تصرف سے اُن کرپٹ حکمرانوں نے اربوں روپے کا کمیشن کھایا۔ اسی طرح میرٹ کو بالائے طاق رکھ کر تعلیمی اداروں میں داخلے سرکاری ملازمتوں تک کو لاکھوں کروڑوں کی رشوت لے کر فروخت کیا۔

Scanned with CamScanner

11 مئی 2013ء کے الیکشن میں اسلام آباد، لاہور، پشاور، کراچی سمیت ملک کے ہر بڑے چھوٹے شہر حتیٰ کہ دیہی علاقوں کے عوام نے اپنے سیاسی شعور سے تمام سیاستدانوں کو یہ پیغام دیا کہ اگر ملکی و قومی مفاد کو مدنظر رکھو گے عوام آپ کے ساتھ ہونگے اور اگر ذاتی مفادات کو ترجیح دو گے عوام کے مسائل حل نہیں کرو گے تو تمہارا انجام وہی ہوگا جو 11 مئی کو عوامی نیشنل پارٹی، پیپلز پارٹی، (ق) لیگ اور پاکستان مسلم لیگ کے "چند" کرپٹ ارکان قومی و صوبائی اسمبلی کا ہوا......!! ان میں وفاقی دارالحکومت راولپنڈی اسلام آباد کے شکست خوردہ کئی ارکان اسمبلی بھی شامل تھے۔ مسلم لیگ (ن) کی قیادت نے 5 سال میں پنجاب بالخصوص فیصل آباد، راولپنڈی، اسلام آباد، لاہور، ملتان، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، سرگودھا اور جنوبی پنجاب کے اضلاع میں عوام کی اجتماعی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے جو بے مثال تعمیراتی منصوبے مکمل کئے اُنکے بدلے میں پاکستان کے عوام نے جوق در جوق پولنگ سٹیشنوں پر جا کر ووٹ ڈالے اور گزشتہ 40 سال میں ڈالے گئے ووٹوں کا تناسب سب سے زیادہ رہا جو بقول چیف الیکشن کمشنر مسٹر جسٹس (ر) فخر الدین جی ابراہیم 60 فیصد تک پہنچ گیا۔ باقی کے ان 40 سال میں 55 فیصد بھی ووٹ نہیں ڈالے گئے۔

ملک کے اندر آزادانہ، منصفانہ، شفاف الیکشن کا سہرا بلاشبہ چیف الیکشن کمشنر، الیکشن کمیشن کے ممبروں، سیکرٹری، صوبائی الیکشن کمشنروں، اُنکی ٹیم، الیکشن سٹاف کے ساتھ ساتھ نگران حکومت بالخصوص وزیر داخلہ ملک محمد حبیب خان، پاکستان آرمی، پاکستان رینجرز، پاکستان کانسٹیبلری، پاکستان پولیس، پولنگ سٹیشنوں پر ڈیوٹی دینے والے پریزائیڈنگ افسروں (ایڈیشنل اور ڈسٹرکٹ سیشن جج صاحبان) کو جاتا ہے، بلاشبہ جسٹس (ر) فخر الدین جی ابراہیم نے قوم سے کیا گیا وعدہ پورا کر دکھایا۔ اُنہوں نے ہر قسم کے منفی پروپیگنڈے کی پرواہ کئے بغیر زندگی کے اپنے آخری مشن کو بلاخوف اور نڈر پاکستانی کی طرح پورا کر دیا۔ اس میں سپریم کورٹ، ہائی کورٹوں، ماتحت عدلیہ، پاکستان آرمی کے سربراہوں اور اُنکی ٹیموں نے چیف الیکشن کمیشن کی بھرپور سپورٹ کی۔

11 مئی 2013ء کے عام انتخابات کی مہم کے دوران یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس الیکشن میں نام نہاد ترقی پسند (Progressive) آزاد خیال (Liberal) اور ان پاکستانیوں کے درمیان مقابلہ ہوگا جو ملک کو اسلامی اقدار، روایات، تصورات، اخلاقیات، حیاء کی چھتری فراہم کر سکتے ہیں۔ عام انتخابات کے انتخابی نتائج نے یہ واضح کر دیا کہ آج بھی پاکستان کے عوام بے حیائی، عریانی، غیر اخلاقی حرکات، لبرل ازم کے نام پر انسانی اقدار کا مذاق اُڑانے والے طبقے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ یہ اللہ کا شکر ہے کہ ایسے لوگ آج بھی پاکستان میں بہت بڑی اکثریت میں ہیں......!! ماڈ ناڈ (ModNod) برگر فیملیاں، ڈسکو کلچر، شیشہ کلچر، چرس، ہیروئن اور دوسری منشیات استعمال کرنیوالی جواں سال لڑکیوں، لڑکوں حتیٰ کہ اُنکی ماؤں اور گھرانوں کی تعداد پورے ملک میں چند لاکھ بھی نہیں ہے۔ یہی پاکستان کی بقاء، سلامتی، مضبوط اور روشن مستقبل، پاکستانیوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لے جانے کی کوششوں کی کامیابی کی علامت ثابت ہوگی۔

ہماری تمام تر کوتاہیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے گیارہ مئی 2013ء کے الیکشن کے جو نتائج قوم کو دیئے اُنکے نتیجے میں تین چار سال کے اندر "تھر کول" سے ہی پاکستان کا بجلی کا بحران ختم ہو جائیگا اور تھرمل بجلی گھروں کے لیے اربوں ڈالر کا سالانہ جو ڈیزل، پٹرول، فرنس آئل درآمد کیا جا رہا ہے، وہ اربوں ڈالر پاکستانی قوم کے لیے تعلیمی ادارے، شفاخانے، پل، سڑکیں، آبنوشی، آبپاشی کی سہولیات، نئے قومی پروجیکٹوں اور دیوالیہ ہونے والے پی آئی اے، ریلوے، پاکستان سٹیل ملز، واپڈا، گیس کمپنیوں وغیرہ کے لیے خون تازہ کی مانند ثابت ہوں گے۔ کرپشن کے خاتمے سے بجلی اور گیس کی اربوں روپے کی سالانہ چوری کا نومنتخب عوامی حکومت خاتمہ کرنے کے لیے زبانی نہیں عملی اقدامات کرے گی اور عوام جنہوں نے پی ایم ایل این کو ووٹ دیئے اپنے منتخب قائد نواز شریف کی ایک کال پر بجلی و گیس چوری کرنیوالے کارخانوں، فیکٹریوں، تجارتی اداروں، بڑے بڑے گھروں کی خود نشاندہی کرینگے۔ عوام توقع رکھتی ہے کہ نواز شریف حکومت قومی دولت لوٹنے والے اُن کرپٹ عناصر کو بھاری جرمانہ کر کے معاف نہیں کرے گی

Scanned with CamScanner

بلکہ اُن کو یورپ' امریکا اور مہذب دُنیا کی طرح بلاامتیاز کئی کئی سال قید کی سزا سنائے گی تاکہ باقی ایسے عناصر عبرت پکڑ سکیں۔

قوم سوا سو سے زائد قومی اسمبلی کی نشستیں دیکر نواز شریف کی توقعات پر پورا اُتر چکی ہے اب نواز شریف کی قومی ذمہ داری ہوگی کہ وہ قوم کی اُمنگوں پر پورا اُتریں اور قوم کو مشکلات کی اُس دلدل سے باہر نکالیں جس میں 2000ء سے 2013ء تک جنرل پرویز مشرف اور آصف علی زرداری نے قوم کو دھکیل رکھا ہے۔ یہ دلدل کرپشن' بیروزگاری' مہنگائی' میرٹ کی بے حرمتی' بجلی گیس کی لوڈ شیڈنگ' دہشت گردی' صنعتوں کی تباہی' انسانی جان کی ارزانی' قاتلوں' ٹارگٹ کلرز' اغواء برائے تاوان کرنے والوں' ڈرگ مافیا' لینڈ مافیا' قبضہ مافیا' کلاشنکوف مافیا کی حکمرانی کا خاتمہ آہنی ہاتھوں سے کرے گی۔

قوم نے اس لیے نواز شریف کو ووٹ دیئے کہ وہ اقوام عالم میں پاکستان کا تیزی سے گرتا ہوا معیار سنبھالیں گے اسے سربلند کریں گے اسی طرح جس طرح امریکی صدر کلنٹن کی دھمکی آمیز اور ترغیب دار پانچ ٹیلیفون کالوں کے باوجود نڈر، غیور، محب وطن نواز شریف نے بطور وزیراعظم بھارت کے پانچ کے مقابلے میں چھ ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان کو عالم اسلام کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت بنا دیا۔ اس وجہ سے آج اسلامی امہ کے ممالک پاکستان کے ایٹمی سائنسدانوں کو سر پر بٹھا رہے ہیں، ان کی عزت و توقیر کر رہے ہیں، حال ہی میں سعودی شاہی حکومت نے پاکستان کے ایٹمی دھماکوں میں کلیدی رول ادا کرنے والے ایٹمی سائنسدان اور پاکستان کے جوہری میزائل سسٹم شاہین/ بابر وغیرہ کے خالق کمیشن کے موجودہ ممبر سائنس وٹیکنالوجی ڈاکٹر ثمر مبارک منداور ان کی فیملی کو شاہی مہمان کے طور پر عمرہ کرایا، اس سفر عمرہ کے دوران جدہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ میں ان کی جس شاہانہ انداز میں پذیرائی ہوئی اور ان سے سعودی میڈیا کا انٹرایکشن (Inter Action) ہوا جس میں انہوں نے اسلامی امہ بالعموم اور پاک سعودی روابط کو فروغ دینے کے لیے قابل عمل تجاویز دیں۔ اس کے پس منظر میں سعودی حکومت نے انہیں دوبارہ مدعو کرنے کا عندیہ بھی دیا ہے۔ ایٹمی دھماکوں کو بھی انتخابی مہم کے دوران متنازعہ بنانے کی کوشش کی گئی، اشتہارات میں یہ بات ووٹ حاصل کرنے کے لیے غلط طور پر شائع کرائی گئی کہ نواز شریف کا دعویٰ غلط بیانی ہے کہ انہوں نے 11 اور 13 مئی 1998ء کو انڈیا کے 5 ایٹمی دھماکوں کے جواب میں چھ ایٹمی دھماکے کروائے تھے، اس کے لیے مقامی اُردو اخبار (جنگ نہیں) کا 29 مئی 1998ء کا یہ تراشا سیاسی جماعت کے اشتہار میں دیکھا گیا کہ جو 29 مئی 1998ء کا تھا اس میں پانچ ایٹمی دھماکوں کی خبر نمایاں تھی مگر یہ 28 مئی 1998ء کو چاغی کے اس کوہ کے سلسلے میں ایک کلومیٹر سے طویل ایسی سرنگوں میں کئے گئے جن کی تعمیر 1978ء سے 1983ء تک جنرل ضیاء الحق نے پانچ سالوں میں پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے لیے مکمل کروائی تھی۔ اشتہارات چھپوانے والوں کے علم میں یہ بات کیوں نہیں ہے کہ چھٹا ایٹمی دھماکہ پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن نے 30 مئی 1998ء کو خاران (بلوچستان) کے لق ودق صحرا میں 500 فٹ گہرے کنوئیں کے نیچے (زیر زمین) کیا تھا جو 31 مئی 1998ء کے دنیا بھر کے اخبارات میں رپورٹ ہوا تھا، یہی خاران والا ایٹم بم آج شاہین ون (اول) کے نیوکلیئر وار 3 کے طور پر لگا ہوا ہے، اس مثال کا حوالہ یہ ثابت کرنے کے لیے دینا راقم نے ضروری سمجھا کہ ہمارے سیاستدان آپس کی سیاسی دشمنیوں میں قومی مفادات کو پیش نظر نہیں رکھتے، یہ سلسلہ اب بند ہو جانا چاہئے کیونکہ قوم نے ایسے غلط، بے بنیاد اشتہارات میڈیا میں چلانے والے حکمران اتحاد کو گیارہ مئی کے الیکشن میں مسترد کر دیا۔ میڈیا مہم کے دوران یہ بھی مشاہدے میں بات آئی کہ نواز شریف حکومت نے قرضے لے کر معاف کرائے، 70 ارب روپے میٹرو بس لاہور (جسے مخالفین جنگلہ بس قرار دیتے ہیں) پروجیکٹ میں ضائع کئے، لیپ ٹاپ کی تقسیم پر کئی ارب روپے ضائع کئے اور تین ارب روپے سستی روٹی سکیم کے تندوروں میں جھونک دیئے۔ یہی سستی روٹی کھانے والوں نے 11 مئی کو نواز شریف کو ووٹ دے کر سرخرو کیا، لیپ ٹاپ میرٹ اور سو فیصد میرٹ پر حاصل کرنے والے جواں سال طلباء و طالبات نے نواز شریف کو نہ صرف خود بلکہ ان کے گھر والوں نے بھی ووٹ

Scanned with CamScanner

دیئے، شمسی لیمپوں کے ذریعے شہباز شریف نے جو لاکھوں غریب مستحق طلباء کے گھر لوڈ شیڈنگ کے باوجود روشن کرائے وہ نوجوان بھی پی ایم ایل (این) کی بے مثال فتح کا سبب بنے، بے شک جمہوریت ہی بہترین انتقام ہے۔ پاکستانی عوام کی نواز شریف سے بے حد توقعات ہیں وہ امید رکھتے ہیں کہ نواز شریف زرداری اور ان کے ٹولے کی طرح کرپشن نہیں ہونے دیں گے، نوکریاں، داخلے، ٹھیکے وغیرہ سب میرٹ پر دیں گے، کمیشن مافیا کو زرداری، گیلانی، راجہ پرویز اشرف اور ان کے وزراء عزیز و اقارب کی طرح اپنے اور اپنے خاندان اور اپنے رفقاء کو قریب نہیں پھٹکنے دیں گے، پولیس، پٹواریوں کی تقرریوں تبادلوں جیسے گھٹیا کاموں میں ہزاروں لاکھوں کروڑوں کی رشوت اپنے معتمدین کو نہیں لینے دیں گے، ایف بی آر سمیت تمام سرکاری محکموں کے افسروں ماتحتوں کو دیانتداری کی بنیاد پر تعیناتی کریں گے سابقہ حکمرانوں نے جس بے دردی سے کھربوں روپے قوم کے لوٹ کر بیرون ملک پہنچائے ہیں ان کے خلاف تحقیقات کے لیے ایسا عدالتی کمیشن بنائیں گے جو 3 ماہ کے اندر اندر قابل عمل رپورٹ پیش کرے اور بیرون ملک بینکوں سے پاکستان کی لوٹی ہوئی دولت واپس لائے ایسے ہنڈی والوں کو بھی جیلوں میں بند کریں گے جو سابقہ حکمرانوں کا کالا دھن ہنڈی کے ذریعے سفید کراتے رہے، ایسے سٹاک بروکروں کے گلے میں بھی پھندا ڈالیں گے جو آج بھی سٹاک مارکیٹ کو مصنوعی اونچا کر رہے ہیں، ایک دم کریش کر کے ہزاروں لاکھوں چھوٹے سرمایہ کاروں اور ای او بی آئی سمیت سرکاری اداروں کے فنڈز کو راتوں رات دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کا ناپاک منصوبہ رکھتے ہیں، ماضی کے سٹاک مارکیٹ کریش کرنے والے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے، غیر ملکی ایجنٹوں چاہے وہ میڈیا میں ہوں، ٹریڈ انڈسٹری میں ہوں، بیوروکریسی میں ہوں یا دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں ان کو قرار واقعی سزا دیں گے کیونکہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے۔ نواز شریف کو اب لی کوآن یو آف سنگاپور، مہاتیر محمد آف ملائشیا، اردگان آف ترکی بننا پڑے گا جن کے اپنے ہاتھ صاف ہیں اور جنہوں نے اپنے اپنے ملک کے گندے انڈوں کو توڑ کر گندی نالیوں میں بہا کر اپنے اپنے ملک کو آج ترقی یافتہ یورپ کے برابر لا کھڑا کیا ہے۔ پاکستان کے 11 مئی 2013ء سے شروع ہونے والے جمہوری دور میں قوم توقع کر رہی ہے کہ پاکستان کی ہر مشکل وقت میں ساتھ دینے والے ممالک چین، سعودی عرب، ترکی، یو اے ای، ایران وغیرہ سے تعلقات کو ترجیحی بنیادوں پر بہتر سے بہتر کرے۔ بھارت کے آگے نہ جھکے، پاکستانی پرچم اور سبز پاسپورٹ کی عزت و حرمت اور وقار کو بلند کرکے بیروزگاری، لوڈ شیڈنگ گرانی، کرپشن کے خاتمے کے لئے آہنی اقدامات کریں کسی کی سفارش پر عمل درآمد نہ کریں انصاف سستا اور بجلت سے فراہم کریں۔ دہشتگردی، انتہاپسندی نے پاکستان کے خطے کو بدنام کر رکھا ہے اس سے ہماری معیشت تجارت وصنعت اور زراعت تباہ ہو کر رہ گئی ہے دنیا کے سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ کاری کے لئے تیار نہیں ہو رہے یہاں تک کہ بھارت اور بنگلہ دیش جیسے ملک بھی پاکستان میں کرکٹ ٹیم تک نہیں بھیجنا پسند کرتے۔ دنیا نے پاکستان کو بالفاظ دیگر (No Go Area) قرار (DECLARE) دے رکھا ہے امید ہے کہ نواز شریف حکومت اس پستی سے قوم کو بلندی کی طرف لے جانے کے لئے ہنگامی اقدامات کرے گی۔ یہاں تک کہ بھارتی وزیر اعظم پھر بس میں بیٹھ کر پاکستان کا دورہ کرے گا اس وقت صورتحال ایسی ان کو ورثے میں ملی ہے کہ پاکستان کے صدر دونوں سابقہ وزرائے اعظم بھارتی وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ کو بالواسطہ طور پر ضلع جہلم کی اپنی جنم بھومی دیکھنے کے لئے بھی غیر رسمی وزٹ پر آجائیں مگر بھارت پاکستان کو آج اچھوت ملک قرار دے کر اس کی قیادت سے ناک تک رگڑوا رہا ہے توقع ہے کہ نواز شریف جس کے ساتھ پوری قوم ہے اپنی جرأت، تدبر، دانشمندی، معاملہ فہمی اور دوراندیشی جیسی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر یہ ساری صورتحال بدل ڈالیں گے۔ بجلی گیس کی لوڈ شیڈنگ کا خاتمہ تھر کول جیسے قومی وسائل بروئے کار لا کر چند سالوں میں ہی کر ڈالیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

پی پی حکومت کے پانچ سال......کیا کھویا کیا پایا؟

پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار کسی منتخب جمہوری حکومت نے 5 سالہ آئینی میعاد تمام تر منفی پروپیگنڈے اور اینکر پرسنوں کی پیشگوئیوں کے برعکس پوری کر لی ہے۔ دسمبر 2008ء سے خود کو نجومی سمجھنے والے دانشور صحافی اینکر پرسن موجودہ حکومت کے خاتمے کی ڈیڈ لائن دیتے رہے مگر پاکستان کے عوام کی منتخب کردہ حکومت نے اللہ کے فضل سے آئینی مدت پوری کر دی۔ اس میں اپوزیشن کی سب سے بڑی جماعت کا جو اہم کردار رہا جسے سراہا جانا چاہیے۔

ان پانچ سالہ جمہوری دور میں قوم نے کیا کھویا کیا پایا۔ اس کا بے لاگ تجزیہ پھر میڈیا کرے گا مگر راقم کا بے لاگ تبصرہ تجزیہ کچھ یوں ہے۔ اس حکومت کے مثبت پہلوؤں میں سرفہرست اس حکومت کی برداشت ہے۔ جانے والی پی پی اور اس کی اتحادی جماعتوں کی حکومت نے صحافیوں اینکر پرسن کی تنقید اور عدلیہ کی طرف سے کی جانے والی کھینچا تانی کو برداشت کیا مگر اپنا باریک کام کرتی رہی جس کی تفصیلات کا ذکر سطور زیریں میں کیا جائے گا۔ اس حکومت کے دور میں بھٹو دور حکومت ضیاء دور حکومت وغیرہ کی طرح سیاستدانوں کو جیلوں میں نہیں ڈالا گیا۔ اس قدر فراخدلی، برداشت کا مادہ تھا کہ کراچی میں 10 ہزار سے زائد بے گناہ انسانوں کو قتل کرنے والے درندوں میں سے درجن بھر کو پھانسی کے تختے پر نہیں لٹکایا گیا۔ اسی طرح ملک بھر میں ہزاروں معصوم جانیں تلف کرنیوالوں کو تختہ دار پر نہیں چڑھایا گیا جس سے لا اینڈ آرڈر کی صورتحال آج اس قدر بدترین ہے کہ پاکستان کا سرمایہ بنگلہ دیش تک کے ملکوں میں دن رات جا رہا ہے۔ اس حکومت کے حق میں یہ بات بھی جاتی ہے کہ ملک میں جمہوریت قائم رہی۔ میڈیا آزاد رہا۔ عدالتیں آزادانہ طور پر فیصلے سناتی رہیں۔ وہ الگ بات ہے کہ سپریم عدلیہ کے فیصلوں پر عملدرآمد سے موجودہ حکمران آخری دن تک گریزاں رہے۔ اس کے علاوہ یہ کہنا ضروری ہے کہ قومی اسمبلی کے اندر مثبت قانون سازی ہوئی اور بہت سی آئینی ترامیم کو اپوزیشن کے تعاون کے ساتھ منظور کیا گیا۔ آخر میں جاتے جاتے حکومت نے گوادر پورٹ کا انتظام چین کے حوالے کر دیا اور ایران پاکستان گیس پائپ لائن پراجیکٹ کا معاہدہ کیا۔ یہ یقیناً پاکستان کے مفاد میں بڑے اہم اقدامات ہیں جس کا سہرا حکمران اتحاد کے سر ہے۔

اگر ہم تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں تو بلاشک وشبہ پاکستان کی 65 سالہ تاریخ کے یہ پانچ سال اندوہناک رہے اور یہ پانچ سال سیاہ باب کی طرح یاد رکھے جائیں گے۔ ان پانچ سالوں میں محب وطن معصوم بے گناہ افراد کو چن چن کر خصوصاً کراچی میں قتل کیا گیا۔ بہت سارے دھماکوں میں ہزاروں قیمتی جانیں ضائع ہوئیں جن سے پاکستان کی جڑیں ہل گئیں۔ اس حکومت کے دور میں مہران نیول بیس اور کامرہ ایئر بیس پر پی سی تھری اورائین اور SAAB (اواکس) طیارے تباہ ہو گئے جن کی قیمت کھربوں روپے بنتی ہے۔ سبکدوش ہونے والی حکومت پر ایک بڑا الزام مورخ یہ ڈالے گا کہ ان کی حکمرانی ہماری 67 سالہ قومی تاریخ کی بدترین اور کمزور ترین حکمرانی رہی۔ اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کی سرعام جانے والی حکومت تضحیک کرتی رہی۔ بالآخر ملک کے منتخب وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کو عدالت عظمیٰ برخاست کرنے پر مجبور ہوئی۔ جانے والی حکومت نے اپنی صفوں میں موجود بہت سارے دیانتدار لوگوں کو نہ صرف آگے آنے سے روکا بلکہ اس حکومت نے بدترین، کرپٹ اور متنازعہ شخصیات کو اہم وزارتوں اور سرکاری کلیدی عہدوں پر فائز کیا۔ او جی ڈی سی، پاکستان سٹیل، پاکستان ریلوے، پی آئی اے، بیوروکریٹک عہدے اس کی مثال ہیں۔ این آر او زدہ لوگوں کو اقتدار کے ایوانوں میں اپنے ساتھ بٹھایا۔ 13 ستمبر 2008ء کو جب سابقہ چیئرمین پاکستان سٹیل ملز لیفٹیننٹ جنرل (ر) عبدالقیوم کو جنرل پرویز مشرف نے سبکدوش کیا تو اس وقت سٹیل ملز کے ریکارڈ کے مطابق سٹیل ملز میں تقریباً چھ ارب روپے کا خام مال، 4 ارب روپے کا تیار شدہ مال، دو ارب روپے کے سپیئر پارٹس کے علاوہ 10 ارب روپے کا سرمایہ بینک کے اندر سٹیل ملز کی پیداواری

Scanned with CamScanner

گنجائش ایک ملین ٹن سالانہ سے تین ملین ٹن سالانہ کرنے کے لیے موجود تھا جو سٹیل ملز کا اپنا تھا۔ راقم نے جب سٹیل ملز کا ریکارڈ دیکھا تو راقم یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سٹیل ملز جو شروع سے قرضوں تلے دبی ہوئی تھی۔ اس کے قرضے ستمبر 2008 تک ادا ہو چکے تھے اور آؤٹ فنانسنگ فیس ایک پائی بھی نہیں جا رہی تھی۔ آج جب یہ حکومت رخصت ہو رہی تھی تو پاکستان سٹیل ملز تقریباً 82 ارب روپے کی مقروض ہے جہاں تک پی آئی اے کا تعلق ہے۔ قومی ایئر لائن گزشتہ پانچ سال کے دوران دیوالیہ پن کے قریب پہنچا دی گئی۔ پانچ سے سات ہزار وہ لوگ پی آئی اے پر دوبارہ مسلط کر دیئے گئے جو مختلف جرائم، رولز کی خلاف ورزی، بے قاعدگیوں کی وجہ سے سابقہ حکومتوں کے ادوار میں نکالے گئے موجودہ حکمرانوں نے ان کے ووٹ لینے کے لیے ان کے سابقہ دس سالوں کے واجبات تنخواہ وغیرہ کی رقوم بھی طشتری میں رکھ کر ان کو پیش کیں۔ پی آئی اے میں بلاشبہ پیشہ ور باصلاحیت انجینئر پائلٹ اور انتظامی عملہ موجود تھا مگر میرٹ سے ہٹ کر سیاسی بنیادوں پر پی آئی اے میں سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگ بھرتی کئے گئے۔ آج پی آئی اے میں ان ہی لوگوں کا غلبہ ہے۔ بین الاقوامی معیار کے مطابق ایک جہاز کے لیے 140 سٹاف ہونا چاہئے تو پی آئی اے میں آج ایک جہاز کے لیے اڑھائی سو سے تین سو افراد کا عملہ موجود ہے جس کے بوجھ تلے پی آئی اے کارپوریشن تباہ ہو رہی ہے۔ قارئین کو پتہ ہوگا کہ جاتے جاتے پی پی پی حکومت نے پی آئی اے کے لیے ایک ارب روپے کے پیکج کا اعلان کیا جبکہ قومی خزانہ خالی تھا اور روزمرہ کی ضروریات کے لیے اوسطاً 7 ارب روپے کے نوٹ سیکورٹی کے بغیر چھاپے جا رہے تھے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ پی آئی اے کے بہترین دن وہ تھے جب مرحوم ایئر مارشل نور خان اس قومی فضائی کمپنی کے سربراہ تھے۔ اس وقت پی آئی اے دنیا کی بہترین فضائی کمپنیوں میں سے ایک تھی اور ایمریٹس ایئر لائن کو پی آئی اے کے لوگوں نے ہی فنی مدد فراہم کی تھی۔ اسی طرح پاکستان ریلوے ایک وقت میں پاکستان کے اندر ایک بہترین اور محفوظ ترین ذریعہ رسل و رسائل تصور ہوتا تھا اور ملک کا صدر، وزیر اعظم، گورنر وزرائے اعلیٰ، وزراء ریلوے سے ہی سفر کرتے تھے۔

سیاسی مہم پاک جمہوریت نامی خصوصی ریلوے ٹرین کے ذریعے شروع ہوئی۔ وزیر اعظم نواز شریف اپنے دور میں لاہور سے راولپنڈی کا سفر ہر ہفتے پاکستان ریلوے کے ذریعے کیا کرتے تھے۔ پاکستان ریلوے انڈین ریلوے سے کسی طور کم نہیں تھی مگر دکھ کی بات ہے کہ ہندوستان نے ہزاروں میل لمبی ریلوے کی پٹڑی بچھائی مگر پاکستان ریلوے کو انگریز کے جانے کے بعد جو ریلوے کی پٹڑی ملی اس میں سے سینکڑوں میل لمبی ریلوے کی پٹڑی اکھاڑ کر ہضم کر لی گئی۔ درجنوں ریلوے سٹیشنوں کی املاک کو اونے پونے داموں سیاسی رفقا کو فروخت کر دیا گیا اس کی زندہ مثال 90 کلو میٹر مندرہ چکوال ریلوے لائن کی ہے جو 19 ویں صدی میں انگریز دور میں اس علاقے کے عوام کے لیے بچھائی گئی اور اس کے اوپر ایک درجن ریلوے سٹیشن تھے جن پر آج لینڈ مافیا کا عملی قبضہ ہو گیا ہے۔ ریلوے کی پٹڑی مندرہ سے ڈھڈیال، چکوال، بھون، یعنی سالٹ رینج کے دامن میں بھون شہر تک تھی۔ ضلع چکوال کی حدود میں یہ پٹڑی اس وقت اکھاڑی گئی جب چکوال میں جنرل (ر) مجید ملک نہ صرف ایم این اے بلکہ وفاقی وزیر بھی تھے۔ جانے والی حکومت کے پانچ سالہ دور میں ریلوے کو تباہ و برباد کیا گیا اس کی بڑی وجہ کرپٹ اور نااہل لوگوں کی ریلوے میں تعیناتی، ریلوے کے نظام میں وزارت کی بے جا مداخلت اور وزیر کے عہدے پر دکانداری کرنے والوں کو بٹھائے رکھا گیا جنہوں نے ریلوے کی تباہی و بربادی کا کارنامہ سرانجام دیا۔ موصوف خیبر پختونخوا کے تھے وہاں کے بار برداری کے ٹرکوں، کنٹینروں اور مسافر کوچوں کے مالکان کی ملی بھگت سے پہلے ریلوے کو ایک سازش کے تحت تباہ کیا گیا حتیٰ کہ مال گاڑیاں کم و بیش بند ہو کر رہ گئیں حالانکہ گڈز ٹرین سے ہی ملک کی ریلوے کو فنڈز ملتے ہیں نہ صرف گڈز سروس بند کر دی گئی بلکہ ریل گاڑیوں کی تعداد بڑھانے کی بجائے جانے والی کرپٹ جمہوری حکومت نے درجنوں ریل گاڑیاں انجن نہ ہونے کی وجہ سے بند کر دیں اس کے نتیجے میں پشاور، جینگورہ، مردان، مظفر آباد، راولپنڈی، اسلام آباد، لاہور، فیصل آباد، کوئٹہ سے کراچی تک عوام کو ریلوے کے محفوظ سفر کی جگہ بسوں کا خطرناک سفر کرنے پر مجبور کر دیا گیا جو مسافروں سے منہ مانگے

Scanned with CamScanner

کرائے وصول کرنے لگے ٹرک اور کنٹینر مالکان بھی کراچی سے پشاور اور دوسرے شہروں کے کرائے من پسند وصول کر رہے تھے۔ کرایوں میں ان انسانوں کا سارا بوجھ غریب صارفین پر ڈالا جا رہا تھا جس سے وہ مہنگائی کی چکی میں پورے پانچ سال پستے رہے اور دونوں ہاتھوں سے آسمان کی طرف منہ کر کے کرپٹ غریب دشمن حکمرانوں کی حکومت کے خاتمے کے لیے دعا کرتے رہے۔ ریلوے، پی آئی اے، پاکستان سٹیل، گیس کمپنیوں، بجلی تقسیم کرنے والی کمپنیوں میں اربوں نہیں کھربوں کے گھپلے کیے گئے۔ آنے والی حکومت سے لوگ توقع کر رہے تھے کہ وہ قومی دولت لوٹ کر بیرون ملک پہنچانے والوں سے لوٹی ہوئی دولت وصول کرنے کے لیے آہنی شکنجہ کسے گی۔

گزرنے والے پانچ سال کہنے کو تو جمہوری تھے مگر جمہور کو جس طرح غربت گرانی، لاقانونیت میرٹ کی پامالی، جان و مال کے ضیاع کا سامنا رہا اس کی مثال ملکی تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں ملے گی۔ دنیا کے ہم جیسے کسی ملک میں بھی ایسا لوٹ مار کا بازار گرم نہیں ہوا جس قدر کرپشن کا دور دورہ گزرنے والے پانچ سالوں میں گرم رکھا گیا یوں لگتا تھا کہ حکمرانوں کو نہ کسی کا خوف ہے نہ ہی غریبوں کی آہوں سسکیوں سے وہ لرزیدہ ہیں۔ ان پانچ سالوں میں غریب غریب تر ہو کر بھوک و افلاس کی چکی میں پس رہا تھا۔ امیر امیر تر ہو گئے اس کی زندہ مثال صدر مملکت آصف علی زرداری کے ملک کے اندر اور باہر اربوں نہیں کھربوں روپے کے اثاثے ہیں۔ کوئی محب وطن جرات مند دیانتدار باصلاحیت لیڈر اقتدار سنبھال کر ملک و قوم کے لوٹے ہوئے اربوں کھربوں ڈالر وطن واپس لانے میں کامیاب ہو جائے گا ایسے کرنے والے کے ساتھ 18 کروڑ عوام سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑے ہوں گے۔ قارئین کو بتاتا چلوں کہ فروری 2008ء سے مارچ 2013ء کے پانچ سالوں کے دوران جمہوریت کے نام پر حکومت نے عوام کو جو جانی مالی نقصان پہنچایا اس کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ یہ صفحات کم پڑ جائینگے اور اب ہمیں خیال آتا ہے کہ اقتدار کے ایوانوں میں داخل ہوتے وقت صدر آصف علی زرداری نے یہ جملہ بولا تھا (DEMOCRACY IS THE BEST REVENGE) وہ سو فیصد صحیح، انہوں نے ثابت کر دیا کیونکہ پانچ سالوں میں پاکستان کی ریاست سے جو بدلہ لیا ان نقصانات کو پورا کرنے کے لیے اگلے کئی عشرے ناکافی ہوں گے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ عوام مئی 2013ء کے عام انتخابات کو ملتوی کرانے کی ہر سازش ناکام بنا دیں گے اور ووٹ کے ذریعے آزمائے ہوئے امیدواروں کو نہیں آزمائیں گے۔ دوسرا اپنے ووٹ کی طاقت سے دیانتدار، بے داغ ماضی کے حامل، محب وطن، باصلاحیت، آزمودہ امیدواروں کو بھاری اکثریت سے کامیاب بنائینگے جو اسمبلیوں میں آ کر قوم کے زخموں پر مرہم رکھ سکیں اس پر 5 سال کے دوران پاکستان کو پہنچائے گئے نقصانات کا ازالہ کر سکیں صرف اس طرح عوام کا جمہوریت پر ایمان بحال کیا جا سکے گا اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ گذشتہ 5 سالوں کی تباہی کی وجہ جمہوریت کا نظام نہیں بلکہ جمہوری اصولوں سے انحراف اور بدنیتی تھی۔ 08-2007ء میں ایف بی آر کے جمع شدہ محاصل ایک ہزار ارب (ایک ٹریلین) یا 100 کھرب روپے کے لگ بھگ تھے۔ 12-2011ء میں یہ 188 ارب روپے کے قریب پہنچ گئے۔ اس طرح 5 سالوں میں ایف بی آر کی ٹیکس وصولیاں اوسطاً 15 سے 18 فیصد سالانہ گذشتہ 5 سالوں میں بڑھتی رہیں۔

سب سے بڑی گڑبڑ جولائی 2012ء سے فروری 2013ء کے دوران دیکھنے میں آئی۔ مالی سال کے پہلے آٹھ مہینوں میں محاصل کی وصولی کی گروتھ 5 فیصد سے زیادہ نہیں بڑھ سکی جو انتہائی خطرناک صورتحال تھی۔ اس سال وفاقی میزانیے میں ایف بی آر کے ریونیو ٹارگٹ میں دو سو سے تین سو ارب روپے کا شارٹ فال کا اندیشہ تھا۔ اس لیے سبکدوش ہونے والے وفاقی وزیر خزانہ ریونیو ڈاکٹر عبدالحفیظ شیخ سے چیئرمین ایف بی آر علی ارشد حکیم اور ان کی ٹیم نے سالانہ ریونیو ٹارگٹ 2380 ارب روپے سے کم کرا کر اسے 2190 ارب روپے کرا لیا مگر قرائن اب زمینی حقائق سے مترشح ہوتا ہے کہ ایمنسٹی سکیموں کے بغیر یہ 2190 ارب روپے کا ٹارگٹ بھی پورا نہیں ہوگا۔ ایف بی آر کی توجہ محاصل کی وصولی کے لیے دیانتدارانہ کاوش کرنے کی بجائے حکمرانوں کی ڈفلی پر رقص کرنے کی تھی۔ امراء ارکان پارلیمنٹ، کسٹم آن پیڈ

Scanned with CamScanner

گاڑیوں کے لیے ایجنسی دے کر بیشتر ایف بی آر والے اپنی نوکریاں پکی کرنے، خود مال بنانے اور حکمران ٹولے کو اربوں روپے کا مالی فائدہ پہنچانے کے چکر میں لگے ہوئے ہیں۔ ایف بی آر کے دو عہدیداروں نے کسٹم وغیرہ کی پکڑی ہوئی گاڑیاں اپنے زیر استعمال رکھی ہوئی تھیں۔ ایف بی آر کی ایک سینئر شخصیت نے ایک اطلاع کے مطابق ایسی 22 بیش قیمت گاڑیاں لے کر اپنے زیر استعمال اور اپنے یار دوستوں رشتہ داروں اور اہل خانہ کے تصرف میں رکھی ہوئی تھیں اور ان گاڑیوں کے تمام تر اخراجات ایف بی آر کی فیلڈ فارمیشن پورا کرنے پر مجبور تھے جبکہ ان کے ماتحت ایک ممبر صاحب نے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ آٹھ ماہ میں انہوں نے کروڑوں روپے مالیت کی آٹھ نان کسٹم پیڈ ضبط شدہ گاڑیاں اپنے اور اپنے عزیز و اقارب کو دے رکھی تھیں۔ ٹمپرڈ گاڑیاں اور نان کسٹم پیڈ گاڑیاں کسٹم کے حکام پکڑتے تھے۔ قانون کے تحت ایسی ضبط شدہ گاڑیاں ویئر ہاؤس میں کھڑی کرنا ہوتی ہیں تا کہ مالک کسٹم ڈیوٹی اور جرمانہ ادا کر کے واپس لے سکے۔ اگر ایک خاص میعاد گزر جائے تو ایف بی آر قانونی طور پر پابند ہے کہ وہ واپس پکڑی گئی گاڑیوں کو شفاف انداز میں نیلام کر دے اور رقم قومی خزانے میں جمع کرا دے۔ ان کے پیشرو سابق وفاقی سیکرٹری خزانہ نے بھی آٹھ سے زائد پکڑی گئی گاڑیاں اپنے صرف لاہور میں گھر میں اپنے اہل وعیال کے استعمال میں دے رکھی تھیں اور ان کا خرچہ بھی فیلڈ فارمیشنوں کو دینا ہوتا تھا۔ ان کے ایک صاحبزادے نے پکڑی گئی اپنے زیر استعمال گاڑی کا بری طرح ایکسیڈنٹ بھی کیا تھا وہ اور ان کے دوسرے بہن بھائی، یار دوست گاڑیوں کے مزے خود لیتے اور پٹرول/ڈیزل کی ٹینکی آر ٹی او کے افسروں سے بھروائی جاتی تھیں۔ اس کے برعکس گاڑیوں کا ناجائز استعمال ایف بی آر کے کئی عہدیدار ہی نہیں وفاقی حکومت کی وزارتوں ڈویژن کے بھی کئی حکام سرعام کرتے رہے جو حکام گاڑیوں کا غیر قانونی استعمال اپنی بیگمات اولاد کے لیے کرنے کو گناہ نہیں سمجھے وہ بدعنوانی کرپشن رشوت ستانی سے کیسے دامن پاک رکھ سکتے ہیں۔ ایف بی آر کا بنیادی کام ٹیکس کی وصولی میزانیاتی ریونیو ٹارگٹ کا حصول ہے مگر مالی سال کے پہلے آٹھ ماہ میں ریونیو کی گروتھ 5 فیصد تک گر جانے سے افراط زر کی شرح کے مطابق بھی گروتھ نہیں آئی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ایف بی آر کی ریونیو گروتھ درحقیقت منفی ہوگی جس کا اثر 13-2012ء میں صوبوں کی مالی ضروریات پر پڑے گا۔ موجودہ مالی سال میں بھی صوبوں کے لیے مختص کی گئی پوری رقوم نہیں دی جا سکیں گی۔ وفاقی کابینہ قومی اسمبلی کے ساتھ ہی سبکدوش ہو گئی۔ 2008-2007ء سے 13-2012ء تک جمہوری حکومت نے 5 سال کی آئینی میعاد پوری کی۔ ان تاریخی سالوں میں ہم نے کیا کھویا کیا پایا یہ عوام بخوبی جانتے ہیں کیونکہ کرپشن، مہنگائی، میرٹ کی صریحاً خلاف ورزیوں، لاقانونیت کے بوجھ سے آزاد کئے گئے جن ان 5 سالوں میں پورے پاکستان میں مار دھاڑ کرتے رہے۔ آدم بو، آدم بو کی آوازیں سن سن کر محب وطن، دیانتدار شریف النفس شہری الامان الامان پکارتے رہے سوائے سینئر عدلیہ کے کسی نے ان کی ایک نہ سنی عدلیہ بھی ایک محدود حد تک ریلیف دے سکتی تھی۔ عام آدمی ان پانچ سالوں میں مہنگائی بے روزگاری کی چکی میں اس قدر پستا رہا کہ ان کو اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ خودکشیاں کرنے پر مجبور کر دیا گیا ان 5 سالوں میں بجلی گیس کی لوڈ شیڈنگ پاکستان کی تاریخ کی بدترین سطح پر پہنچائی گئی۔ بجلی گیس میں کھربوں روپے کی چوری کرا کر اس کی قیمت عام صارف کے بلوں میں بلاخوف وخطر ڈالی جاتی رہی حتیٰ کہ کئی کئی ماہ قبل کے فیول پرائس ایڈجسٹمنٹ (FPA) کے نام پر صارفین کی جیبیں اندھادھند کاٹی جاتی رہیں۔ ٹرانسپورٹر، دکاندار، کارخانہ دار، کارٹل ساز اپنی اپنی قیمتیں من مانے طور پر بڑھاتے رہے ملک میں ان 5 سالوں میں ہزاروں بے گناہ افراد مارے گئے مگر ان کے قاتلوں میں سے درجن بھر کو بھی پھانسیاں نہیں دی گئیں حتیٰ کہ پی پی پی جس کی حکومت تھی اس کی چیئرپرسن کے قاتلوں کو ان کے شوہر نامدار نے اس اعلان کے باوجود گرفتار کر کے 5 سالوں میں پھانسی نہیں دی کہ وہ محترمہ کے قاتلوں کو جانتے ہیں اور بہت جلد ان کے چہرے بے نقاب کر کے ان کو تختہ دار پر لٹکائیں گے۔ ان پانچ سالوں میں میرٹ پر نوکریاں دینے کا عقار رہا سرکاری

Scanned with CamScanner

نوکریاں سرعام زیادہ سے زیادہ بولی لگانے والے کو ملتی رہیں جو نوکریاں ڈنکے کی چوٹ پر بیچتا رہا اسے مارچ 2013ء میں ڈاکٹر حفیظ شیخ کے استعفیٰ کے بعد سینٹ کی سیٹ دے دی گئی۔ سپریم کورٹ کا بھلا ہو جس نے سرکاری نوکریوں کے دلال کو سینٹ کا رکن بنائے جانے کے خلاف حکم امتناعی جاری کر دیا۔ ان پانچ سالوں میں بجلی کی قیمت دوگنی یا اس سے بھی زیادہ کر دی گئی۔ گیس کی قیمتوں میں بھی زبردست اضافہ کیا گیا۔ 2008-2007ء کو بنیادی سال قرار دے کر اگر اس بنیادی سال میں 53 اشیاء کے صارفین کی قیمت کو 100 افراد سے لیں تو آج ان جنرل اشیاء کی اوسط قیمت حکومتی اعداد و شمار کے مطابق 172.78 روپے ہو گئی۔ اشیاء خوراک و ضروریات کی قیمت 193.27 روپے ہو گئی۔ ٹرانسپورٹ کے کرائے 185.94 روپے ہو گئے۔ ریستوران اور ہوٹل کے ریٹ 200.78 روپے ہو گئے۔ سگریٹ تمباکو کے ریٹ 190.51، لباس و جوتوں کے ریٹ 171.88 روپے، ہاؤسنگ، پانی، بجلی، گیس، دوسرے ایندھن کے ریٹ 149.93 روپے، فرنشڈ ہاؤس سولڈ ایکوپمنٹ اور گھروں کی مرمت کے ریٹ 170.74 روپے، علاج معالجے کے اخراجات 175.95 روپے، تفریحی کلچر کے ریٹ 166 روپے، تعلیم کے اخراجات 154.41 روپے ہو گئے مگر یہ سرکار کے اعداد و شمار تھے۔

2008-2007ء سے 2013-2012ء کے پانچ سالوں میں سینٹرل ڈائریکٹوریٹ آف نیشنل سیونگز نے کامیابیوں کے ریکارڈ قائم کئے۔ یکم جولائی 2012ء سے 7 مارچ 2013ء تک اس نے 282 ارب روپے کی آل ٹائم ریکارڈ سیونگز جمع کیں جبکہ اس کا ٹارگٹ صرف 154 ارب روپے جمع کرنے کا تھا۔ 5 سالوں میں 2008-2007ء کے لیے قومی بچتیں جمع کرنے کا ٹارگٹ 90 ارب 57 کروڑ روپے کا تھا لیکن یہ حاصل نہ کیا جا سکا۔ صرف 99 فیصد ٹارگٹ حاصل کرتے ہوئے سال بھر میں 89 ارب 46 کروڑ 8 لاکھ روپے قومی بچتوں کی ریکوری میں جمع ہو سکے۔ 2009-2008ء کے لیے قومی بچتوں کو جمع کرنے کا ٹارگٹ 222 ارب 62 کروڑ 35 لاکھ روپے تھا جبکہ 120 فیصد ٹارگٹ حاصل کرتے ہوئے 267 ارب 22 کروڑ 7 لاکھ روپے قومی بچتوں میں لوگوں نے جمع کرائے۔ 2010-2009ء کے لیے بچتوں کے جمع کرنے کا ہدف 219 ارب 82 کروڑ روپے بجٹ میں رکھا گیا جو 102 فیصد حاصل کرتے ہوئے 225 ارب 71 کروڑ 44 لاکھ روپے قومی بچت کی سکیموں میں جمع کئے گئے۔ 2011-2010ء کے لیے ہدف 223 ارب 10 کروڑ روپے کا تھا۔ 105 ٹارگٹ حاصل کرتے ہوئے 234 ارب 94 کروڑ 39 لاکھ روپے جمع ہوئے 12-2011ء کے لیے قومی بچتوں کا ہدف 146 ارب کا رکھا گیا جو 128 فیصد پورا کر کے 187 ارب 18 کروڑ 50 لاکھ روپے جمع ہو سکے۔ 13-2012ء کے لیے ٹارگٹ 153 ارب 86 کروڑ 10 لاکھ روپے جمع کرنے کا تھا جو 7 مارچ 2013ء تک ہی 183 فیصد حاصل کرتے ہوئے سینٹرل ڈائریکٹوریٹ نے 281 ارب 35 کروڑ 80 لاکھ روپے جمع کر کے ملک کی بچتوں کی تاریخ میں سنہرے باب کا اضافہ کیا۔

2013-2008ء کے 5 سالہ دور میں قومی بچتوں کے ادارے نے اس وقت جبکہ دوسرے قومی ادارے تباہی کا شکار تھے نے سبکدوش ہونے والی حکومت کی پیشانی پر کلنک کی بجائے نیک نامی کا ٹیکہ لگایا۔ این ایس پی حکومت کے واحد لسٹڈ ٹریڈ ایبل بانڈز کے اجراء نے ڈیبٹ سیکورٹیز کی سیکنڈری مارکیٹ کو استحکام بخشا۔ سیکنڈری مارکیٹ بانڈز کا مینجمنٹ یونٹ تشکیل دیا گیا۔ 25 ہزار روپے مالیتی انعامی بانڈز جاری کئے گئے جس میں تیس یوم کے اندر عوام کی طرف سے 20 ارب روپے لگائے گئے جبکہ ایک ماہ میں 25 ہزار روپے مالیتی بانڈز پانچ ارب روپے کے فروخت کئے جانے کا ٹارگٹ رکھا گیا۔ یکم جولائی 2012ء سے شارٹ ٹرم سرٹیفکیٹ لانچ کئے گئے نوجوانوں میں بچت کی عادت پیدا کرنے کے لیے ایک سو روپے مالیتی سٹوڈنٹ ویلفیئر بانڈ 16 نومبر 2012ء سے جاری کئے گئے قومی بچت کے سینٹرل ڈائریکٹوریٹ نے 89 پائلٹ نیشنل سیونگز سینٹرز کھولنے کے علاوہ 108 نیشنل سیونگز دفاتر کو کمپیوٹرائزڈ کیا۔ آئی ٹی پروگرام کے تحت وِدہولڈنگ ٹیکس 2009ء

Scanned with CamScanner

میں دو ارب 23 کروڑ روپے جمع کیا گیا تھا جبکہ 2012ء میں 7 ارب 29 کروڑ روپے جمع کیا گیا۔ 1984ء میں عملے کی تعداد 35 سو تھی جبکہ کام کئی گنا بڑھتا رہا۔ 1984ء میں نیشنل سیونگز سینٹرز کا ٹوٹل ڈیپٹ سٹاک 19 ارب روپے تھا جو 15 مارچ 2013ء میں 24 کھرب روپے کے لگ بھگ ہو گیا۔

5 سالوں میں حکمرانوں کی مجرمانہ غفلت کی وجہ سے کھربوں روپے کی بجلی اور گیس چوری کی گئی چوری شدہ بجلی گیس کے لائن لاسز اور ٹرانسمیشن لاسز قرار دے کر یہ کھربوں روپے بے زبان عوام کے بلوں میں ڈالے جاتے رہے جس کے نتیجے میں بجلی اور گیس صارفین کی رسائی سے باہر چلی گئی بجلی گیس کی 20 گھنٹے تک لوڈ شیڈنگ جانے والی حکومت کا ناقابل فراموش تحفہ رہا۔ گیس پٹرولیم کی مصنوعات کا بھی یہی حال رہا۔ حکمرانوں کی چشم پوشی کی وجہ سے کرپٹ سی این جی سٹیشن صنعتی تجارتی حتیٰ کہ گھریلو صارفین گیس پیٹرولیم کی مصنوعات کی خرید و فروخت میں 100 سے دو سو فیصد ناجائز منافع کماتے رہے۔ عوام کے مفادات کے تحفظ کے لیے بجلی گیس پیٹرولیم کے بدعنوان ڈاکوؤں کی مار دھاڑ روکنے کے لیے حکومت اقدامات کرنے میں ناکام رہی کسی بجلی چور گیس چور کارخانہ دار کو جیل میں حکومت نے نہیں بھیجا۔ بجلی گیس کی 10 سے 22 گھنٹے تک لوڈ شیڈنگ کے عرصے میں بجلی گیس کے بل آدھے یا 90 فیصد کم نہیں ہوئے بلکہ یہ بڑھتے گئے۔ فیول ایڈجسٹمنٹ چارجز کی مد میں صارفین سے سالانہ اربوں روپے اینٹھے جاتے رہے۔ شماریات ڈویژن جو سرکاری ادارہ ہے کے مطابق 101 سے 300 یونٹ ماہانہ بجلی استعمال کرنے والوں سے 2008-2007ء میں 3.75 روپے یونٹ بل لیا جاتا تھا جو مارچ 2013ء میں 8 روپے یونٹ سے بھی زیادہ وصول کیا جا رہا تھا۔ 301 سے 1000 یونٹ ماہانہ بجلی استعمال کرنے والوں سے 2008-2007ء میں 6.28 روپے یونٹ بجلی کا بل لیا گیا تھا۔ فروری 2013ء میں یہ 12.33 روپے یونٹ کر دیا گیا ایک ہزار یونٹ ماہانہ سے زائد بجلی استعمال کرنے والوں سے 7.54 روپے کی بجائے 15.07 روپے فی یونٹ بل لیا جا رہا تھا۔ اس طرح کمبائنڈ اوسط بجلی کے سلیب 2008-2007ء میں 4.41 روپے یونٹ تھے فروری 2013ء میں 8.56 روپے یونٹ کر دیئے گئے ہیں۔ حکومتی ٹیکس اور سرچارجز بجلی پر بے تحاشا من مانے طور پر وزارت خزانہ بڑھاتی رہی جس کا سارا بوجھ دیانتدار صارفین پر پڑتا رہا۔ بددیانت صارفین بجلی کے بل اور ٹیکسوں کی ادائیگی نہ کر کے گلچھرے اڑاتے رہے۔ قدرتی گیس کے فی ملین برٹش تھرمل یونٹ 600 کیوبک فٹ تک استعمال کی صورت میں 95.29 روپے 2008-2007ء میں ہوئے تھے فروری 2013ء میں بڑھا کر 123.12 روپے کر دیئے گئے۔ 100 سے دو سو کیوبک میٹر گیس استعمال کرنے والوں سے 2008-2007ء کے 177.45 روپے کی بجائے فروری 2013ء میں 245.24 روپے فی کیوبک میٹر وصول ہو رہے تھے۔ دو سو سے تین سو کیوبک میٹر ماہانہ گیس استعمال کرنے والوں سے 2008-2007ء میں 283.62 روپے ٹی ایم پی ٹی یو بل لیا جاتا تھا فروری 2013ء میں اسے 245.24 کر دیا گیا۔ 3 سو سے 500 کیوبک فٹ کا ریٹ 2008-2007ء کے 359.29 روپے کے مقابلے میں فروری 2013ء میں 615.60 روپے فی کیوبک میٹر وصول کئے گئے۔ 500 کیوبک میٹر سے زائد گیس کے استعمال پر 359 کی بجائے 615.60 روپے فی کیوبک میٹر بل فروری 2013ء میں وصول کیا گیا۔ اس طرح گیس کی قیمت میں 66 فیصد سے بھی زیادہ اضافہ کیا گیا۔ حکومتی ٹیکس سرچارجز اس کے علاوہ جو اندھا دھند 5 سالوں میں بڑھائے جاتے رہے۔ وزارت خزانہ بجلی گیس کے بلوں پر ٹیکس سرچارجز وغیرہ لگا کر ریونیو جمع کرنے کا آسان ترین طریقہ استعمال کرتی رہی جس کی وجہ سے بجلی گیس کے صارفین کی چیخیں نکل گئیں اور وہ حکومت کے جانے اور دیانتدار محب وطن قوم پرست حکمران آنے کی دعائیں کرتے نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ ہی پاکستان کے عوام پر اپنی رحمت نچھاور کر سکتا ہے۔

پی پی پی کی قیادت میں سبکدوش ہونے والی حکومت نے اپنے پانچ سال مکمل کئے یہ پانچ سال پاکستان کی تاریخ کا بدترین دور ہے۔ اس

Scanned with CamScanner

دور کو اس طریقے سے بھی یاد رکھا جائے گا کہ ان پانچ سالوں کے اثرات ڈبلیو ایم ڈی (Weapons of Mass Destruction) سے کم نہیں ہیں کیونکہ ڈبلیو ایم ڈی بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے میں چاہے وہ معاشی ہوں یا ملکی سطح پر۔ ڈبلیو ایم ڈی سے بڑی تعداد میں لوگ ہلاک ہوتے ہیں ملک کے انفرا سٹرکچر تباہ ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ معیشت بھی تباہ ہوتی ہے اس پانچ سالہ دور میں ہزاروں لوگ بے موت مارے گئے لاکھوں زخمی ہوئے ہزاروں کی تعداد میں عورتیں بیوہ ہوئیں، بچے یتیم ہوئے بہنوں سے بھائی، بھائیوں سے بہنیں، والدین سے بچے ہمیشہ کے لیے جدا ہوئے اور بچے والدین سے محروم ہو گئے۔ ہزار ہا لوگ آج سڑکوں پر اپاہج ہو کر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ملک کا انفراسٹرکچر تباہ ہوا، سڑکیں ہزاروں سکول، سرکاری عمارتیں پل نجی گھر دکانیں تباہ کر دی گئیں۔ ڈبلیو ایم ڈی بھی یہی کام کرتا ہے۔ ڈبلیو ایم ڈی جس طرح معیشت تباہ کرتا ہے اس طرح اس پانچ سالہ دور حکومت میں معیشت تباہ کر دی گئی۔ اسی لیے راقم نے 5 سالہ دور کو ڈبلیو ایم ڈی لکھا ہے۔

اب ہم معیشت کا طائرانہ جائزہ لیتے ہیں۔ 2000ء سے 2007 تک پاکستان کی معیشت ایک بہترین معیشت کے طور پر ایشیائی ممالک میں مانی جاتی رہی اور یہ بات پی پی پی کی حکومت نے 20 نومبر 2008ء کو ایک دستاویز (DOCUMENT) جو آئی ایم ایف کو دیا گیا تھا۔ اس میں اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ پاکستان کی معیشت 2000ء اور 2007ء کے دوران ایشیا کے چند تیز ترین ترقی کرنے والے ممالک کی معیشتوں کے ہم پلہ تھی۔ اس دستاویز میں اس بات کا بھی اقرار کیا گیا کہ پاکستان کے قرضوں کے بوجھ میں کمی ہوئی۔ افراط زر کی شرح قابو میں رہی۔ بیرون ملک سے اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری پاکستان آئی۔ بزنس مین طبقے نے بڑے پیمانے پر ملک کے اندر سرمایہ کاری کی۔ فی کس آمدنی مشرف کے سات سالوں میں دوگنی ہو گئی۔ غربت، بے روزگاری میں کمی ہوئی۔ سوشل سیکٹر میں قابل ذکر بہتری آئی۔ یہ حقائق زرداری حکومت کے خود تحریر کردہ ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اپنے ملک کے لوگوں کو یہ بات زرداری حکومت نے نہیں بتائی اپنے لوگوں کو کیا بتایا کہ ہمیں مشرف سے تباہ شدہ معیشت ملی جس میں مسائل کے انبار ہیں۔ لہٰذا زرداری حکومت کی بنیاد ہی جھوٹ، فریب، مکر غلط بیانی پر رکھی گئی تو جس حکومت کی بنیاد ہی مکر و فریب، ریاکاری اور جھوٹ پر ڈالی گئی ہو اس سے قوم کیا تو قعات وابستہ کر سکتی تھی؟

جہاں تک معیشت کا تعلق ہے یہ زرداری حکومت کے راڈار پر کبھی تھی ہی نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس پانچ سالہ دور میں سٹیٹ بینک کے گورنروں، وزرائے خزانہ سیکرٹری خزانہ اور چیئرمین ایف بی آر نصف نصف درجن کے لگ بھگ لائے گئے اور بھگائے گئے سٹیٹ بینک میں پہلے ڈاکٹر شمشاد اختر گورنر تھیں ان کے بعد سلیم رضا کو گورنر سٹیٹ بینک بنایا گیا اس کے بعد شاہد کاردار اور پھر یاسین انور گورنر سٹیٹ بینک بنائے گئے سٹیٹ بینک کے گورنر کا عہدہ تین تین سال کی دو مدتوں (چھ سال) کے لیے ہوتا رہا ہے۔ مگر 5 سالوں میں پی پی پی حکومت نے 24 سالوں کا گورنر سٹیٹ بینک کا سفر کرا ڈالا اسی طرح 5 سالوں میں پہلے اسحاق ڈار پھر نوید قمر، پھر شوکت ترین پھر حفیظ شیخ اور زرداری کے یار سلیم مانڈوی والا وزیر خزانہ بنے۔ اس طرح 5 سالوں میں 5 وزرائے خزانہ بنے۔ اس طرح پانچ گورنر سٹیٹ بینک پانچ وفاقی وزیر خزانہ بنائے گئے یہی کیفیت وفاقی سیکرٹری خزانہ اور چیئرمین ایف بی آر کی رہی۔ پہلے ڈاکٹر وقار مسعود، پھر فرخ قیوم، پھر ڈاکٹر وقار مسعود، سلمان صدیق، ڈاکٹر وقار مسعود، واجد رانا اور عبدالخالق وفاقی سیکرٹری خزانہ رہے۔ اس طرح 5 سال میں زرداری صاحب سات وفاقی سیکرٹری لائے نامعلوم اندرون خانہ اس کے کیا اسرار و رموز تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

حج سکینڈل 2010ء

حج 2010ء کیسا رہا، کیا خوبیاں تھیں، کیا خامیاں تھیں، کیا مسائل درپیش ہوئے، ان مسائل کی وجوہات کیا تھیں، پاکستان حج مشن کن حالات میں کام کر رہا تھا۔ حجاج کرام کیا توقعات لے کر حجازِ مقدس پہنچے تھے۔ وہ توقعات کس حد تک پوری ہوئیں۔ راقم نے اس سال خود حج کیا اور بہت قریب سے تمام باتوں کا جائزہ لیا۔ حج پالیسی کے اعلان کے بعد پاکستان میں سرکاری حج کیا اور بہت قریب سے تمام باتوں کا جائزہ لیا۔

حج پالیسی کے اعلان کے بعد پاکستان میں سرکاری حج سکیم اور پرائیویٹ حج سکیم دونوں کے تمام انتظامات احسن طریقے سے مکمل ہو گئے۔ عازمین حج کو کہیں مشکلات پیش نہیں آئیں۔ اسی اثناء میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں رہائشوں کے حصول میں گھپلوں کی اطلاعات موصول ہوئیں جس کے نتیجے میں قومی اسمبلی اور سینٹ کی ریویو کمیٹی کی جانب سے ڈائریکٹر جنرل حج پر کرپشن کے الزامات عائد کیے گئے اور نتیجتاً انہیں پاکستان واپس بھیج دیا گیا۔ اس سے قبل ڈائریکٹر حج جبکہ ان کی خواہش پر پاکستان بھیج دیا گیا۔ اب دونوں اہم عہدے خالی تھے۔ حج فلائٹس شروع ہونے والی تھیں۔ حجاج کرام مکہ مکرمہ پہنچنے والے تھے۔ حجاج کرام کے لیے مکہ مکرمہ میں رہائشوں کے حصول کا صرف 25 فیصد کام مکمل ہوا تھا۔ یعنی تقریباً 19000 افراد کے لیے عمارتیں لی جا چکی تھیں جبکہ تقریباً 60000 افراد کے لیے رہائشیں حاصل کرنے کا کام باقی تھا۔ وزارت مذہبی امور کے لیے پریشان کن صورتحال تھی۔ وہ افسران کی تلاش میں تھی جو فوری طور پر حجازِ مقدس پہنچ کر ضروری انتظامات مکمل کر سکیں جبکہ ریویو کمیٹی نے رہائشیں حاصل کرنے کی اہم ذمہ داری وفاقی سیکرٹری مذہبی امور آغا سرور رضا قزلباش پر ڈال دی۔ آغا سرور رضا قزلباش نے اپنی معاونت کے لیے ڈائریکٹر حج اسلام آباد سید سلطان علی شاہ کو طلب کر لیا۔ ان دونوں افسران کے لیے اتنی قلیل مدت میں ساٹھ ہزار افراد کے لیے رہائشیں حاصل کرنا انتہائی کٹھن کام تھا۔ حرم شریف کے قریب کی تمام عمارتیں دوسرے ممالک پہلے ہی لے چکے تھے۔ حرم سے دور دستیاب عمارتیں بھی بہت مہنگی تھیں جبکہ حجاج کرام کے پہنچنے میں صرف 8 دن باقی تھے۔ ان حالات میں عمارتوں کا چناؤ اور قیمت کا تعین کوئی آسان بات نہ تھی جبکہ دوسری طرف انتظامی امور بھی سنبھالنے تھے۔ ایئرپورٹ پر حجاج کرام کے استقبال کے انتظامات، ویلفیئر وفاتر کا قیام، ڈسپنسریوں اور ہسپتال کا قیام، ڈیوٹی روسٹر تیار کرنا، مکاتب کی الاٹمنٹ، عمارتوں کے سٹکر کی تیاری، منیٰ عرفات کے نقشوں کی تیاری، میڈیکل مشن، خدام الحجاج اور میڈیکل سٹاف کے لیے رہائش اور ٹرانسپورٹ کا انتظام، ٹیلیفون، فیکس اور نیٹ ورک کی سہولت وغیرہ فراہم کرنے کے لیے ایک ذمہ دار افسر کی ضرورت تھی۔ لہٰذا انتظامی امور سنبھالنے کے لیے ڈائریکٹر حج (ریٹائرڈ) فروغ آفتاب زیدی کو طلب کیا گیا۔ انہوں نے درج بالا تمام انتظامات کو احسن طریقے سے مکمل کر لیا لیکن بنیادی مسئلہ عمارتوں کو حجاج کرام کی رہائش کے قابل بنانا تھا۔ سیکرٹری مذہبی امور آغا سرور قزلباش اور سید سلطان علی شاہ کی تمام تر توجہ اچھی اور سستی عمارتوں کے حصول کی طرف تھی جو کام دو ماہ قبل مکمل ہو جانا چاہیے تھا وہ صرف چند دنوں میں مکمل کرنا تھا۔ ان دونوں کی کوششوں سے زیادہ تر ایسی عمارتیں لی گئیں جن کا کرایہ 1600 ریال تک تھا گو کہ یہ دور تھیں لیکن ان عمارتوں کے ساتھ ٹرانسپورٹ کی سہولت دی گئی۔ کم کرائے کی وجہ سے حجاج کرام کو تین ہزار ریال سے زائد کا زرمبادلہ مل گیا۔ اگر ٹرانسپورٹ نہ بھی مہیا کی جاتی تو بھی حجاج کرام حرم شریف جانے کے لیے ٹیکسی استعمال کر سکتے تھے کیونکہ انہیں جو زرمبادلہ دیا گیا اس میں سے ایک ایک ہزار ریال فی کس بھی ٹیکسی کے کرائے پر خرچ کر لیتے تو کوئی مضائقہ نہیں تھا کیونکہ سابق ڈائریکٹر جنرل حج کی جانب سے لی گئی عمارتیں دور ہونے کے ساتھ

Scanned with CamScanner

زیادہ کرائے کی بھی تھیں اور حجاج کرام کو صرف 900 ریال زرمبادلہ ملا تھا۔ آغا سرور قزلباش اور سید سلطان علی شاہ نے کچھ عمارتیں ایسی بھی لیں جن کا کرایہ 2500 ریال فی کس تھا لیکن یہ معیاری عمارتیں تھیں لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ حجاج کرام کو مشکلات کیوں پیش آئیں۔ میں نے مختلف عمارتوں کا دورہ کیا اور میرا مشاہدہ کچھ یوں تھا۔ آغا سرور رضا قزلباش اور سید سلطان علی شاہ نے سستی عمارتیں لے کر حاجیوں کو مالی فائدہ تو دے دیا لیکن دوسری طرف وہ حجاج کرام جن کی عمارتیں پہلے لی جا چکی تھیں، مہنگی اور دور تھیں۔ ان میں کچھ خستہ حال بھی تھیں۔ انہیں صرف 900 ریال زرمبادلہ ملا۔ ایسی عمارتوں میں رہنے والے سراپا احتجاج بن گئے اور پاکستانی حج مشن کے دفاتر کا گھیراؤ کرتے رہے کہ انہیں بھی رقم واپس کی جائے۔ حج مشن بے بس تھا کیونکہ کرائے کی رقم مالکان کو ادا کی جا چکی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ تمام رقم مالکان کو گئی یا ایجنٹوں کی جیب میں گئی۔ 3 ہزار ریال سے زائد کرائے کی ایسی عمارتیں بھی دیکھنے میں آئیں جو تمام بنیادی سہولتوں سے محروم تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ ان عمارتوں کے مالکان سے معاہدہ کرنے سے پہلے انہیں دیکھا تک نہیں گیا۔ چڑھائی پر ہونے کے ساتھ ساتھ بغیر لفٹ کے تھیں۔ ستر ستر سیڑھیاں چڑھ کر حجاج کرام کو عمارت تک پہنچنا پڑتا تھا۔ ٹوائلٹ تنگ اور چھوٹے تھے۔ فلش کے اوپر نہانے کا شاور لگا ہوا تھا اور حجاج کرام کو اپنے آپ کو پاک رکھنا مشکل تھا۔ باتھ روم میں کنڈیاں تک نہیں تھیں۔ پاکستان حج مشن کی موبائل ٹیمیں ان عمارتوں میں جا کر ٹیکنیکل مسائل دور کرنے کی کوشش تو کرتی تھیں لیکن چڑھائی اور خستہ حالی کو کیسے دور کر سکتی تھیں۔ حجاج کرام خدام الحجاج اور عملے پر غصہ نکال کر خاموش ہو جاتے تھے۔

اس سال ایک لاکھ 60 ہزار پاکستانیوں نے فریضہ حج ادا کیا جن میں سے 85 ہزار پرائیویٹ حج سکیم اور 75 ہزار گورنمنٹ سکیم کے تحت گئے۔ گورنمنٹ سکیم کے تحت حاجیوں کے لیے جو رہائش گاہیں لی گئیں ان میں اربوں روپے کی لوٹ مار کی گئی۔ حاجیوں نے شکایت کی کہ عمارتیں کئی کئی کلومیٹر دور ہونے کی وجہ سے انہیں حرم جانے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وعدے کے مطابق ٹرانسپورٹ فراہم نہیں کی گئی۔ منیٰ میں بھی 22 ہزار سے زیادہ حاجیوں کو نئی جگہ ٹھہرایا گیا جہاں بجلی اور پانی کی سہولت نہیں تھی۔ اب اگرچہ سعودی حکومت نے ان حاجیوں کی دلجوئی کے لیے امدادی رقم دے دی لیکن سوال یہ ہے کہ وزارت مذہبی امور کے حکام نے بروقت منیٰ کا سروے کر کے متعلقہ حکام سے بات کیوں نہ کی کہ وہ خیمے پاکستانی حاجیوں کو الاٹ نہ کیے جائیں۔ اس طرح حاجیوں کی بڑی تعداد کو سامان کی گمشدگی کے باعث پریشانی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ پردیس میں ان کے پاس پہننے کے لیے کپڑے تک نہیں تھے۔ خود راقم کا سامان بھی گم ہو گیا تھا اور قائم مقام ڈی جی حج سید سلطان شاہ نے مختلف مکاتب کو خط تحریر کر کے یہ سامان تلاش کیا جو واپسی سے دو روز پہلے مجھے مل سکا۔ خدام الحجاج اور سیزنل سٹاف کی کارکردگی بھی مایوس کن رہی۔ سب سے افسوسناک پہلو یہ تھا کہ ناقص کارکردگی کے اس حج آپریشن کی نگرانی بذات خود وفاقی وزیر مذہبی امور کر رہے تھے۔ پرائیویٹ حج سکیم کے تحت جانے والے حاجیوں کو سہولتیں معیار کے مطابق دی گئیں یا نہیں یہ چیک کرنا بھی وزارت مذہبی امور کا کام تھا لیکن چونکہ ٹور آپریٹرز مبینہ طور پر رشوت دے کر حج کوٹہ لیتے ہیں اس لیے ان کا احتساب کون کرے گا حج کوٹہ بھی سیاسی دباؤ پر من پسند لوگوں کو زیادہ دیا گیا۔ کوٹہ دلانے والوں میں وفاقی وزیر کے قریبی عزیز بھی شامل تھے۔ اگر وفاقی وزیر مذہبی امور حامد سعید کاظمی سے استعفیٰ لے لیا جائے تو وزارت کے افسران کھل کر یہ بتا سکیں گے کہ حج کوٹہ کی تقسیم اور بلڈنگز کی ہائرنگ میں کیا کیا گل کھلائے گئے۔ اگرچہ ایف آئی اے حج انتظامات میں ہونے والی بے قاعدگیوں اور بے ضابطگیوں کی تحقیقات کر رہی تھی لیکن قوم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ کیا اربوں روپے کی بدعنوانی کے اس سکینڈل کے اصل کردار بے نقاب ہو سکیں گے یا نہیں؟ بہتر تو یہ تھا کہ اس معاملے کی تحقیقات عدالتی کمیشن یا خصوصی پارلیمانی کمیٹی کے ذریعے کرائی جائیں تا کہ وفاقی وزیر یا دوسرے با اثر لوگ انکوائری پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ ناقص حج انتظامات سے نہ صرف حاجیوں کو پریشانی اٹھانا

Scanned with CamScanner

پڑی بلکہ ملک کی بدنامی بھی ہوئی۔ حج آپریشن کے دوران حاجیوں کو ایک مشکل یہ پیش آئی کہ ان کی فلائٹس کئی کئی گھنٹے لیٹ ہوئیں۔ یہ مسئلہ عازمین حج کو پاکستان سے سعودی عرب جانے اور وہاں سے واپس آنے میں دونوں مرتبہ پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جدہ کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر کل چودہ BAYS ہیں جہاں جہاز اتر سکتے ہیں ان میں سے چار BAYS سعودی ایئرلائنز کے لیے مختص تھیں اور باقی اس پوری دنیا کی ایئرلائنز کے لیے دستیاب ہوتے تھے۔ پی آئی اے کے سعودی عرب میں کنٹری منیجر خرم مشتاق نے اس دشواری کے پیش نظر سعودی حکام سے مذاکرات کر کے یہ طے کرالیا کہ سعودی حکومت ایک BAY پاکستان کے لیے مختص کرے گی۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ امیگریشن کا عمل سست ہوتا تھا خصوصاً سکیورٹی کے لیے سکینگ مشینوں کی تعداد کم تھی جس میں فوری اضافہ کی ضرورت تھا۔ رش کا یہ عالم تھا کہ 250 حج پروازیں روزانہ روانہ ہوتی تھیں اور حاجیوں کا بہت رش ہوتا تھا تاہم ایک بات قابل تعریف تھی کہ پی آئی اے کے کنٹری منیجر خرم مشتاق حاجیوں کے استقبال اور روانگی کے موقع پر خود ایئرپورٹ پر موجود رہے اور انتظامات کی خود دیکھ بھال کی۔

1431 ہجری کے حج کے موقع پر راقم نے سعودی عرب میں پاکستانی رہائش گاہوں، پاکستانی حجاج کے لیے مختص ٹرانسپورٹ منیٰ میں پاکستانی حجاج کے خیموں میں جو بدنظمی دیکھی اس پر اس طرح پناہ مانگنے کو دل چاہ رہا تھا جس طرح انسان شیطان سے پناہ مانگتا ہے کیونکہ وہاں حالات بدترین تھے۔ اس سانحہ نما صورتحال سے 80 ہزار سے زائد حجاج دو چار ہوئے، اس میں سارا قصور وفاقی وزیر مذہبی امور حامد سعید کاظمی، وزیر مملکت برائے مذہبی امور شگفتہ جمانی، ڈائریکٹر جنرل حج راؤ شکیل اور ان کی ٹیم کا تھا۔ آخر الذکر تو سپریم کورٹ آف پاکستان کے حکم پر گرفتار ہوئے۔ باقی تمام اس سانحے کی ذمہ داری اپنی سر سے اتار کر دوسرے کے سر پر ڈالنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ مہذب دنیا کا اصول ہے کہ اگر کوئی ناخوشگوار واقعہ ہو جاتا ہے تو جاپان اور اٹلی کے وزرائے اعظم اور بھارتی وزراء کی طرح وزارت کا انچارج اس کی ذمہ داری قبول کر کے استعفیٰ دے دیتے ہیں۔ پاکستان وہ بدقسمت ملک ہے جہاں شیخ رشید احمد وزیر ریلوے کے دور میں ریلوے کا بدترین حادثہ ہوا مگر شیخ رشید احمد صاحب بے حد تیزی سے کام لیتے ہوئے کہنے لگے کہ میں استعفیٰ کیوں دوں؟ میں حادثے کا موجب بننے والی ریلوے ٹرین کا انجن ڈرائیور تو نہیں تھا۔ ان ہی کی تقلید وفاقی وزیر مذہبی امور حامد سعید کاظمی نے جدہ سے اسلام آباد ایئرپورٹ پہنچنے پر جیو سے گفتگو کے دوران یہ کہہ کر کی کہ سعودی عرب میں پاکستانی حجاج کے مسائل و مصائب مشکلات کے ذمہ دار ملازمین کے خلاف کارروائی جاری ہے۔ اس بھلے مانس وزیر سے کوئی پوچھے کہ مجموعی طور پر ذمہ دار تو وزارت کے انچارج وفاقی وزیر ہیں۔ وہ مستعفی کیوں نہیں ہو رہے، جب وہ اپنے عہدے پر قائم ہیں تو ان کے ماتحت عہدیداران کے کچے چٹھے کھولنے کی جرات کیسے کریں گے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی اگر حجاج کے ہمدرد تھے، کرپشن کے خلاف تھے تو وہ وفاقی وزیر اور وزیر مملکت جن پر لوگ رہائشگاہوں میں کروڑوں اربوں روپے کا گھپلا کرنے کے ڈنکے کی چوٹ پر الزامات لگا رہے تھے، ان کو اسی طرح استعفیٰ دینے پر مجبور کرتے جس طرح پی پی پی کی شریک چیئرپرسن محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی وزارت عظمیٰ کے دور میں اپنے وزیر مملکت برائے خزانہ احسان پراچہ سے استعفیٰ لے لیا تھا کیونکہ ان پر کچھ الزامات لگے تھے۔ اگرچہ بعدازاں احسان پراچہ پر عائد الزامات ثابت نہیں ہوئے تھے۔ گیلانی صاحب کو بھی چاہیے تھا کہ وہ بی بی شہید کی روح کو سکون پہنچانے کے لیے مذہبی امور کے وفاقی وزیر و وزیر مملکت سے بھی استعفیٰ لیتے جن پر نہ صرف حجاج کی رہائشگاہوں سے مال بنانے بلکہ پرائیویٹ سیکٹر کے حجاج گروپوں کو کوٹے دینے میں بھاری رقوم لینے کے الزامات زبان زدعام تھیں۔ ایک وی آئی پی شخصیت کے صاحبزادے پر پرائیویٹ حج آپریٹرز نے الزام لگایا کہ موصوف ٹیلیفون کر کے ان سے حج کوٹہ دینے کے حوالے سے اپنا حصہ لیتا ہے۔ منیٰ میں کیمپ نمبر اکیاون ترپن چون وغیرہ کے حجاج جس طرح رل گئے اس کی مثال نہیں ملتی۔ وفاقی وزیر حامد سعید کاظمی، وزیر مملکت شگفتہ جمانی نے منیٰ میں پاکستان حج مشن کے عہدیداروں کی طرف سے

Scanned with CamScanner

پروٹوکول نہ ملنے کا شکوہ ضرور کیا مگر وہ سرکاری طور پر حج پر بھجوائے گئے ستر اسی ہزار عازمین کے مسائل کے حل کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہوئے۔ عرفات مزدلفہ منیٰ میں میٹروٹرین کے جدید ترین ریلوے سٹیشن اور چار چار ریل پٹریاں بچھائے جانے سے منیٰ کی وادی مزدلفہ کی وادی میں بہت بڑا رقبہ کم ہو گیا، وہاں خیمے نہ لگ سکے۔ پہاڑ کاٹ کر خیمہ بستیاں ضرور بنادی گئیں مگر وہاں پانی بجلی کا ہی معقول بندوبست نہیں تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ دور دراز کی گئی حجاج کی عمارتیں تھیں جو حرم کے دو سو میٹر اندر ہونے کی بجائے تین چار ہزار میٹر (تین چار کلومیٹر) کے فاصلے پر تھیں ان عمارتوں سے پاکستانی حجاج مسجد الحرام آ کر نماز ادا نہ کر سکے جس کے لیے وہ گئے تھے ٹیکسی والے آنے جانے کا 50 ریال کرایہ مانگ رہے تھے۔ اتنی دور عمارتیں 15 سو ریال فی حاجی کے حساب سے قزلباش کمیٹی نے حاصل کر کے دکھائیں مگر وفاقی وزیر حامد سعید کاظمی اور وزیر مملکت شگفتہ جمالی کی سربراہی میں وزیراعظم کے دوست راؤ شکیل نے ڈیڑھ سے دو ہزار ریال فی حاجی کے حساب سے مہنگی رہائش گاہیں حاصل کیں اس طرح غریب حجاج کے چار سے سات ارب روپے وزارت مذہبی امور کے اس مافیا نے ہڑپ کئے۔ یہ رقم حکومت کو مافیا کے پیٹ سے نکالنی ہوگی اگر نہ نکالی گئی تو اللہ تعالیٰ اپنے مہمانوں کی کھائی گئی رقم خود اس مافیا کے پیٹ سے کسی نہ کسی شکل میں ضرور نکال لے گا۔

روح فرسا حالات

فریضہ حج کی ادائیگی کے دوران راقم نے حجاج کے روح فرسا حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ہزاروں پاکستانی حجاج کے خیموں میں بجلی تھی نہ پانی تھا اگرچہ منیٰ سے 5 کیمپوں میں رہنے والے 25 ہزار پاکستانی حجاج کو سعودی حکومت نے 250 ریال فی کس امداد دینے کا انتظام کیا ہے مگر دوسرے پاکستانی حجاج کے منیٰ کے کیمپوں میں بھی صورتحال کچھ بہتر نہ تھی۔ بیشتر کیمپوں کے اندر بیت الخلاء کچھ بہتر نہ تھے۔ بیشتر کیمپوں کے اندر بیت الخلاء کی صفائی کئی کئی روز سے نہیں ہو رہی تھی، پانی عنقا تھا۔ بجلی ناپید تھی۔ کولر نہیں چل رہے تھے۔ عرفات سے مزدلفہ تک بارہ بارہ گھنٹوں حتیٰ کہ پندرہ پندرہ گھنٹوں میں پاکستانی حجاج کی بسیں پہنچیں۔ پاکستان کے ہزار، دو ہزار نہیں ایک لاکھ کے لگ بھگ حجاج عرفات سے مزدلفہ منیٰ کا سفر دسویں ذی الحجہ کی رات پیدل کرتے رہے جس سے ان کے پاؤں سوج گئے۔

حج میڈیکل مشن

پاکستان حج میڈیکل مشن کا مکہ میں انتظام بہتر تھا۔ کرنل حبیب الرحمن کی سربراہی میں قائم میڈیکل مشن کمپلیکس میں اشفاق آغا جیسے محنتی، دیانتدار، باصلاحیت ڈاکٹر موجود تھے جنہوں نے حجاج کرام کے طبی مسائل موقع پر نہ صرف یہ کہ حل کئے بلکہ ہر آنے والے حاجی کے حج میڈیکل مشن سے متعلق سفری سرٹیفکیٹ، موت کے سرٹیفکیٹ سمیت ضروری سرٹیفکیٹ چشم زدن میں جاری کئے۔ اگر آرمی کے کرنل کی سربراہی میں حج میڈیکل مشن مثالی خدمات سرانجام دے سکتا تھا تو ایسا کیوں نہیں کیا جاتا کہ جس طرح پاکستان میں ہر مصیبت کے وقت فوج متاثرین کی مدد کو پہنچتی ہے۔ اگلے سال کے حج سیزن کا انتظام پاکستان آرمی کی پلاننگ کے مطابق کیا جائے۔

وی آئی پی پرواز

اس مرتبہ وزیر داخلہ رحمان ملک نے اپنے دوست ملک ریاض آف بحریہ ٹاؤن کی سو فیصد معاونت سے دو سو سے زائد افراد جن میں بحریہ ٹاؤن کے ملازمین، وزارت داخلہ کے خصوصی اہلکار اور ایوان وزیر اعظم کے اعلیٰ افسران شامل تھے ان کے لئے وی آئی پی پرواز کے ذریعے مفت حج کا اہتمام کیا۔ باقی شعبوں کا ذکر کرنے کی بجائے صحافی برادری کا ذکر ضروری ہے۔ 50 رکنی صحافیوں کے گروپ میں غیر صحافی کافی تعداد میں شامل تھے۔ ان صحافیوں کے چناؤ کا کیا پیمانہ تھا۔ وہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ کئی معروف صحافی بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتے دیکھے

Scanned with CamScanner

گئے۔ گروپ میں شامل ایک غیر صحافی کے بارے میں تصدیق ہوئی جو صحافی کے طور پر گروپ میں موجود تھے۔ بہرحال انہوں نے اپنے داماد کو شامل کروا ہی دیا۔ چند معروف صحافیوں کو چھوڑ کر کئی خاتون اور مرد صحافی اپنے ساتھ اپنے عزیز و اقارب کو بھی رحمان ملک کے اس مفت کو بڑ حج میں ساتھ لے کر گئے۔ پاکستان حج مشن منیٰ میں اس گروپ کے کچھ ارکان نے اودھم مچایا۔ وہاں پہلے سے الاٹ شدہ خیموں پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ حکام کے گلے پڑ گئے۔ گروپ میں شامل سنجیدہ صحافیوں نے اس صورتحال پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ البتہ پاکستان حج مشن میں موجود پاکستانی سفیر اور دوسرے سرکاری عہدیدار صحافیوں کے ایک چھوٹے گروپ کے اس رویے کی بر سر عام مذمت کرتے رہے۔ وزیر داخلہ رحمن ملک کو چاہئے کہ وہ آئندہ ایک ایک صحافی کے ساتھ تین تین، چار چار، پانچ پانچ حتیٰ کہ سات سات افراد کو بھجوائے جانے پر پابندی لگائیں۔ مجھے آج تک سمجھ نہیں آیا کہ کیا سرکاری اخراجات پر مفت حج کو اللہ قبولیت بھی دے گا یا نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

چین میں ورلڈ اکنامک فورم کا اجلاس

چین کے چھٹے بڑے شہر تیان جن میں ہونے والے ورلڈ اکنامک فورم کے اجلاس میں چین نے پھر ایک مرتبہ عالمی سطح پر اپنی اقتصادی سبقت ثابت کر دی۔ اس اجلاس میں 86 ممالک کے دو ہزار سے زائد مندوب شریک ہوئے۔ اجلاس میں پاکستان کی نمائندگی وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف نے ایک وفد کو ساتھ لے کر کی اور چینی وزیر اعظم ون جیاباؤ نے بے پناہ مصروفیت کے باوجود پاکستان کے منتخب جمہوری وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف سے ون آن ون ملاقات کے علاوہ وفود کے ہمراہ مذاکرات کئے اور پاکستان کو ہر شعبے میں چین کی طرف سے بھرپور مدد و تعاون کا یقین دلایا۔

عالمی سطح پر اقتصادی بدحالی کے باوجود چین نے نہ صرف اپنے اقتصادی اہداف 10 سال پہلے ہی حاصل کر لیے ہیں بلکہ دنیا بھر پر یہ ثابت بھی کر دیا ہے کہ اگر قیادت مخلص اہل اور دیانتدار ہو تو کوئی ہدف حاصل کرنا ناممکن نہیں۔ اس کانفرنس سے استفادہ کرنے کے مواقع کو استعمال کر کے پاکستان بھرپور فائدہ حاصل کر سکتا تھا۔ چینی قیادت کی طرف سے پاکستان کو ہر عالمی فورم پر امداد و تعاون کی پیشکش صرف لفظوں تک محدود نہیں بلکہ اس کے ٹھوس شواہد اس دورے میں نظر آئے۔ ایک اعلیٰ پاکستانی سفارتکار کے مطابق چین اور پاکستان کی دوستی اور باہمی تعلقات ہر شعبے میں اس سے کہیں زیادہ ٹھوس بنیادوں پر قائم ہیں جن کا سرکاری سطح پر اظہار کیا جاتا ہے۔ دونوں ملکوں کی مسلح افواج باہم مل کر اس خطے میں امن استحکام کو یقینی بنانے کے لیے مختلف سطحوں پر بھرپور تعاون کر رہی ہیں۔ ٹریننگ سے لے کر دفاعی پیداوار تک اس تعاون کی کئی جہتوں (Dimensions) میں چین روایتی طور پر تعلقات کے لیے اظہار کو ضروری نہیں سمجھتا اور چینی قیادت نے ہمیشہ پاکستان کو "گفتگو کم اور کام زیادہ" (Talk Less And Work More) کا مشورہ دیا ہے کیونکہ ان دیرینہ تعلقات سے اس خطے میں بھارت اور عالمی سطح پر امریکہ کو کافی پریشانی لاحق رہتی ہے جس کے حوالے سے دبے لفظوں میں صدائے احتجاج بلند کی جاتی رہی۔

پاکستانی وزیر اعظم سے چینی وزیر اعظم کی طرف سے ون آن ون ملاقات (One on One Meeting) اور اس ڈبلیو ای ایف کی سمر ڈیووس (Summer) کانفرنس کے دوران یہ بات واضح الفاظ میں کہی گئی کہ پاکستان دہشت گردی کیخلاف جنگ کا شکار (Victim) بنا ہوا ہے حالانکہ وہ دہشت گردی کیخلاف نیٹو کا بھرپور ساتھ دیتا چلا آ رہا ہے۔ ون جیاباؤ نے عالمی سطح پر پاکستان کے اس کردار کی تعریف کرنے کا عالمی برادری کو مشورہ دیا، چین سمجھتا ہے کہ افغان مسئلے کا حل صرف خطے کے ممالک کی باہمی کوششوں اور افغان گروپوں کے مکالمے سے ہی نکل سکتا ہے اور اس ضمن میں پاکستان اور چین میں اتفاق رائے سے انٹرا افغان ڈائیلاگ (Intra Afghan Dialogue) کی ضرورت پر زور دیا گیا۔

وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف نے انٹرا افغان ڈائیلاگ کی میزبانی کرنے کی پیشکش کی جو اسی سال دسمبر میں اسلام آباد میں ہونے تھے۔ یاد رہے کہ اس سہ فریقی اتحاد (چین پاکستان افغان کے سربراہوں) کا پہلا اجلاس اسی سال بیجنگ میں ہوا تھا۔ افغانستان کے مسئلے کے حل میں چین کی دلچسپی کوئی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ اس خطے میں امریکی پیش قدمی کو روکنا تھا۔ خاص طور پر سن 2014ء میں نیٹو/ایساف کی افواج کے افغانستان سے انخلاء کے بعد افغانستان کا مستقبل کیا ہوگا اس میں چین اور پاکستان گہری یکساں دلچسپی رکھتے تھے۔ ایک طرف امریکہ افغانستان میں بھارت کو اہم کردار سونپنے پر مصر تھا تو دوسری طرف چین پاکستان کے کلیدی کردار کا حامی تھا۔ اپنے چینی ہم منصب کے ساتھ ملاقات میں وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف نے پاکستان کے توانائی کے بحران کے خاتمے اور اقتصادی چیلنجوں کو اجاگر کیا جسے چین کے وزیر اعظم نے تسلیم کیا

Scanned with CamScanner

اور ون جیاباؤ نے مثبت انداز میں پاکستان کے اندر توانائی کے پراجیکٹوں، ٹرانسپورٹیشن کے پراجیکٹوں سمیت ... چائنا ...
بینک، حبیب بینک، یو بی ایل کو چین میں شاخیں کھولنے کے لیے کہا تاکہ چینی کمپنیوں کی طرف سے پاکستان میں سرمایہ کاری کی جا
سکیں۔ اس ضمن میں بتایا گیا کہ نیشنل بینک آف پاکستان جو سرکاری شعبے کا بینک ہے سب سے پہلے چین میں برانچ کھولے گا۔ توانائی کے
بحران کے حوالے سے چینی وزیر اعظم نے ہائیڈل پاور، کول پاور پراجیکٹ، سولر انرجی کے منصوبوں میں چینی سرمایہ کاری اور تکنیکی تعاون کی
بھی یقین دہانی کرائی اور واضح الفاظ میں کہا کہ توانائی سے متعلق تمام چینی کمپنیاں پاکستان سے بھرپور تعاون کریں گی۔ اسی طرح آبی وسائل،
رسائل، مواصلات اور آمدورفت کے ذرائع کو بہتر بنانے کے لیے کئی منصوبے تکمیل کے آخری مراحل میں تھے جن میں سے قراقرم ہائی وے کو
توسیع دینے کا 80فیصد کام چین نے مکمل کر لیا تھا اور باقی کام آئندہ سال مکمل ہو جائے گا۔ چین کی طرف سے پاکستان کو پانڈا
بانڈز کے اجراء کی اجازت دینا بھی اسی تعاون کی ایک کڑی تھی۔ گوادر پورٹ جو ایک فطری بندرگاہ (Natural Port) ہے کی تعمیر چین کی
طرف سے پاکستانی قوم کے لیے ایک گرانقدر تحفہ تھا، اس کے حوالے سے بھارت اور امریکہ وغیرہ کی طرف سے واویلے کو چین حقیقی پروپیگنڈہ
تصور کرتا ہے۔ پاکستان اور چین کے تعلقات 1960ء کے عشرے سے ٹھوس بنیادوں پر قائم ہیں اور بھارت کو ان دوستانہ تعلقات پر تشویش
لاحق ہے جس کے لیے چین کے مطابق پاکستان کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف نے ورلڈ اکنامک فورم پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے راقم کو بتایا کہ ہم چین کے کامیاب اقتصادی تجربے سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے اپنی اقتصادی پالیسیوں پر نظر ثانی کریں گے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان اقتصادی پالیسیوں پر سنجیدگی سے عمل کر کے آنے والے وقت میں وہ اہداف حاصل کئے جا سکتے ہیں جنہوں نے چین کو آج عالمی سطح پر سرفہرست لا کھڑا کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے چین کی قیادت میں پاکستان کے لیے ہمدردی، محبت، لگاؤ، پیار کے جذبات کو واضح انداز میں محسوس کیا ہے کیونکہ یہ تعلقات مضبوط ستونوں پر استوار ہیں اور ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم چین کے ساتھ مل کر باہمی تعاون کی ایسی نئی راہیں دریافت کریں جن سے پاکستان درپیش بحرانوں سے کامیابی سے نمٹ سکے۔ دیوار چین کا ذکر کرتے ہوئے راجہ پرویز اشرف نے کہا کہ یہ ماضی کے حکمرانوں کے اتحاد اور منصوبوں کے تسلسل کا شاہکار ہے اور ہمارے لیے ملک میں جمہوریت کو تسلسل دینا مضبوط اور مستحکم کرنا دیوار چین کی تعمیر کے مترادف ہے۔ گوادر پورٹ کو ایک نیول بیس (Navel Base) کی تعمیر کے حوالے سے بھارت اور امریکہ میں پائی جانے والی تشویش کو چینی اور پاکستان کے وزرائے اعظم نے درخور اعتنا نہیں سمجھا اور اتفاق رائے سے اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اپنے علاقے میں کسی بھی منصوبے پر عملدرآمد متعلقہ ملک کا استحقاق ہے۔

پاکستانی وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف نے اپنے چار روزہ دورہ چین کے دوران چینی قیادت کے علاوہ دیگر ممالک سے آئے ہوئے ڈنمارک کی ہم منصب، ورلڈ اکنامک فورم کے بانی ایگزیکٹو چیئرمین ڈاکٹر کلاز شواب سے ملاقاتوں کے علاوہ عالمی اور چین کی سرمایہ کار کمپنیوں کے سربراہوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ وزیر اعظم پرویز اشرف یقینی طور پر اس دورے کے نتائج سے مطمئن ہو کر وطن واپس لوٹے۔ اب یہ دیکھنا باقی تھا کہ پاکستان کے متعلقہ ادارے کس برق رفتاری سے اس دورے کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔ راجہ پرویز اشرف ملک کے پہلے وزیر اعظم ہیں جنہوں نے ماضی قریب میں آزمودہ دوست ملک عوامی جمہوریہ چین کے دورے کے لیے جمبو جیٹ/ بوئنگ/ ائیر بس جیسے بڑے اور آرام دہ طیارے میں سفر کرنے کی بجائے غریب قوم کے ٹیکسوں سے بھرنے والے اخراجات کی بچت کے لیے ایک منے سے جیٹ طیارے گلف سٹریم (Gulf Stream) میں نہ صرف خود سفر کیا بلکہ خاتون اول بیگم راجہ پرویز اشرف، وفاقی وزیر خزانہ و اقتصادی امور ڈاکٹر حفیظ شیخ، سیکرٹری خارجہ جلیل عباس جیلانی اور دوسرے ضروری عملے کے ساتھ اسلام آباد سے براہ راست تیان جن

Scanned with CamScanner

(Tain Jin) تک کا سفر کیا جو چین کے چھ سب سے بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔ ماضی میں حکمران وزرائے اعظم/صدور چین کے دورے کے لیے آرام دہ طیارہ استعمال کرتے رہے ہیں جس میں دو سو سے تین سو مسافر سفر کرتے ہیں۔

قارئین کرام کو بتانا ضروری ہے کہ وزیراعظم راجہ پرویز اشرف کے ساتھ بورڈ آف انوسٹمنٹ کے چیئرمین سلیم مانڈوی والا اور وفاقی وزیر فاروق ایچ نائیک کی بھی ورلڈ اکنامک فورم میں شرکت اور چینی وزیر اعظم اور دوسرے غیر ملکی سربراہوں سے ملاقاتوں کا پروگرام تھا لیکن عین وقت پر مذکورہ دونوں شخصیات دورے پر نہیں آئیں، راجہ پرویز اشرف کے گلف سٹریم جیسے کھلونا نما جیٹ طیارے کو بھی اسی صحرائے گوبی پر سے پرواز کرنا پڑی جس پر پرواز کرتے ہوئے پی آئی اے کا ایئربس طیارہ جس میں دو سو کے لگ بھگ مسافر سوار تھے کم و بیش سات سے دس منٹ تک (Turbulence) یا ایئر پاکٹوں کی وجہ سے 24 گھنٹے پہلے ایسے ہچکولے لیتا رہا کہ ہمارے ساتھی چار صحافیوں نے اپنی جان کے صدقے کے لیے کالے بکرے دینا مان لیے۔

بیجنگ ایئرپورٹ ہو یا بیجنگ شہر یا اس کے مضافات جدھر بھی راقم نے نگاہ ڈالی ترقی ترقی اور ترقی کے خوش کن مناظر دیکھنے کو ملے، وہاں سے بذریعہ بس تیان جن شہر کا 120 کلومیٹر کا سفر چار گھنٹے میں ممکن ہوا کیونکہ بیجنگ سے لے کر تیان جن کے بیشتر راستے میں تاحد نگاہ امریکہ سے لیکر کوریا، جاپان تک کی پرتعیش بیش بہا گاڑیاں دوڑ رہی تھیں۔ بیجنگ میں 1992ء تک ذاتی گاڑی خریدنے اور رکھنے کی اجازت چینی عوام کو نہ تھی اس کے 20 سالوں کے اندر اندر دارالحکومت سمیت ہر بڑے چھوٹے چینی شہر میں چمکتی دمکتی گاڑیوں کی ریل پیل ہو گئی۔ دونوں شہروں میں بیک وقت ہزاروں نہیں کئی لاکھ فلیٹ زیر تعمیر مشاہدے میں آئے۔ بیجنگ میں 1987ء تک صرف ایک انڈر گراؤنڈ ریلوے لائن تھی جبکہ اب 13 انڈر گراؤنڈ ریلوے لائن کروڑوں چینی عوام اور مہمانوں کو سفر کی جدید ترین سہولیات فراہم کر رہی ہیں۔ تیان جن سٹی تک کوچ کے ذریعے جو سفر چار گھنٹوں سے زائد میں طے ہوا وہی سفر چین کی برق رفتار ٹرین سے صرف 27 منٹ میں ہمارے ہی ایک پاکستانی عہدیدار نے طے کیا۔ ٹرینوں کا ذکر آ ہی گیا ہے تو یہ بتانا ضروری ہے کہ چین کی بلٹ ٹرین کو گذشتہ سال 550 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے آزمائشی طور پر چلا کر عالمی ریکارڈ بنا دیا گیا۔ اب چین کے بڑے چھوٹے شہروں شنگھائی کوانگ چو، شی آن، فوچین، شن جن وغیرہ کے درمیان جدید ترین ٹرین اڑھائی سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلائی جا رہی ہے جبکہ 1989ء میں چین میں ٹرین کی اوسط رفتار 55 کلومیٹر فی گھنٹہ ہوا کرتی تھی۔ اس طرح 20 سال کے اندر ہمارے قابل اعتماد دوست ملک چین نے ہر شعبہ زندگی میں ایسی قابل تقلید ترقی کی جس کی انسانی تاریخ میں مثال ڈھونڈے سے نہ مل سکے گی۔

یہ انقلاب اتنے کم عرصے میں کیسے ممکن ہوا......؟ اس سوال کا جواب چین میں سالہا سال سے مقیم پاکستانیوں اور چند چینی دوستوں سے راقم نے حاصل کرنے کی کوشش کی جن کا کہنا تھا کہ "لیڈر شپ، جامع پلاننگ، وسائل کی فراہمی، انتھک محنت اور حب الوطنی"

لیڈر شپ کی کمٹمنٹ (Commitment) بیجنگ سے لے کر وہاں سے ہزاروں کلومیٹر دور افتادہ چھوٹے بڑے چینی دیہات تک ہم آہنگ (One Voice) ہوتی ہے، اس سلسلے میں کوئی کوتاہی نہ تو ہوتی ہے نہ ہی برداشت کی جاتی ہے۔ جامع منصوبہ بندی کے حوالے سے بتایا گیا کہ چین نے ترقی کا آغاز اپنے مشرقی ساحلی علاقوں شن جن کوانگ چو، فوچیان، شنگھائی وغیرہ سے کیا اور دس سال کے اندر اندر اس سے جمع ہونے والی آمدنی کو اندرون ملک کے پسماندہ اور کم ترقی یافتہ صوبوں کی طرف منتقل کیا۔ اس طرح بغیر کسی بیرونی امداد کے صرف انفراسٹرکچر ڈویلپ (Develop) کر کے غیر ملکی سرمایہ کاروں کو چین میں سرمایہ کاری پر راغب کیا اور اس طرح ترقی کا نیا باب کھل گیا۔

غیر ملکی سرمایہ کاری کے باعث ملک میں ٹیکس زیادہ جمع ہوا، روزگار کے مواقع میں تیزی سے اضافہ ہوا، اسی کے ساتھ چین کی

برآمدات میں نمایاں اضافہ ہوا جو اب کھربوں ڈالر تک جا پہنچی ہیں۔ انتھک محنت اور وطن سے محبت کے حوالے سے بتایا گیا کہ چینی عوام ہر مشکل کام کو اپنے مادر وطن کی خاطر صعوبتیں برداشت کرنے کے باوجود انتہائی خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اسی جذبے کے ذریعے چینی قوم نے ایک اطلاع کے مطابق 30 منزلہ انٹرنیشنل ہوٹل صرف پندرہ (15) دن میں بنا کر پوری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا اور آج یہ عالم ہے کہ چین جاپان سے بھی آگے نکل کر امریکہ کے بعد دنیا کی دوسری بڑی اقتصادی طاقت (Economic Super Power) بن چکا ہے۔

چین کی حیرت انگیز ترقی سے پاکستان اور اس کی قیادت کی جانب سے کیا سبق حاصل کیا جا سکتا ہے۔ راقم کی نگاہ میں اگر آج سے ملک کے اندر رائج الوقت ہر قانون پر چین کی طرح سختی کے ساتھ عمل شروع کر دیا جائے، کرپشن کا خاتمہ چین کے خطوط پر ہمارے حکومت کر دے، ''کاغذوں میں موجود'' ملکی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے درکار وسائل بروقت فراہم کیے جائیں، سرکاری ملازمین کو سختی سے منصوبے مقررہ میعاد کے اندر مکمل کرنے پر مجبور کیا جائے، عوام کو ان سارے منصوبوں میں حب الوطنی کے جذبے کے تحت شامل کیا جائے تو کوئی عجب نہیں ہے کہ پاکستان بھی چین کی طرح ترقی نہ کر سکے۔

چین پاکستان کا پراعتماد دوست ہے اور یہ دوستی مئی 1951ء میں پاکستان کا سفارتخانہ اس وقت کے پیکنگ میں کھلتے ہی پروان چڑھنے لگی، اس طرح سے پاکستان پہلا غیر کمیونسٹ مسلمان ملک بن گیا جس کی چین سے سفارتی تعلقات تھے۔ ان تعلقات کو مزید فروغ اس وقت ملا جب 1962ء میں پی آئی اے نے ایوبی دور میں اپنی پروازیں چائنا کے لیے شروع کیں، حالانکہ امریکہ اور مغربی ممالک پاکستان کی طرف سے چین میں سفارتخانہ کھولنے اور قومی ایئرلائن پی آئی اے کی چین کے سلک روٹ پر پروازیں شروع کرنے سے خوش نہ تھے۔ بوئنگ کمپنی آف امریکہ کی طرف سے پی آئی اے پر یہ پابندی لگا دی گئی کہ وہ پہلے سے فروخت کیے گئے بوئنگ طیارے چین کے روٹ پر نہیں چلائے گی، اگر ایسا کیا تو بوئنگ کمپنی پی آئی اے کے بوئنگ طیاروں کے فالتو پرزہ جات فراہم نہیں کرے گی۔ اس پابندی کی وجہ سے پی آئی اے نے ایوبی دور میں بوئنگ کمپنی سے نقد ادائیگی کر کے 707 کیٹگری کے طیارے حاصل کیے اور اس روٹ کو کامیابی سے چلایا۔ اس طرح چینی قیادت کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ دنیا جہان میں آسانی سے فضائی سفر کر سکتے ہیں۔ اس سے پہلے چین سے چینی لوگ طویل سفر کر کے اور متعدد فلائٹس تبدیل کر کے یورپ اور امریکہ جایا کرتے تھے۔ 1960ء اور 1971ء کے عشروں میں پی آئی اے کی پروازیں دنیا جہان میں کامیابی سے چلتی رہیں جس کا چین کو بہت فائدہ ہوا۔ 1985ء کے اوائل سے پی آئی اے کا زوال شروع ہوا جبکہ چینی فضائی کمپنیاں 1990ء کی دہائی سے فقید المثال ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئیں۔ چین کے تمام چھبیس صوبوں کی اپنی اپنی ایئرلائنیں ہیں اکثر بڑے بڑے چینی شہروں حتیٰ کہ ایک چھوٹے سے گاؤں کی بھی اپنی ایئرلائن ہے، جنھوں نے انتہائی جدید طیارے خرید رکھے ہیں اور ایک ایک چینی ہوائی اڈے سے 25 سے 30 ملین مسافر سالانہ فضائی سفر کرتے ہیں۔ چین کی ایک ایک ایئرلائن کے پاس سیکڑوں کی تعداد میں نئے طیارے ہیں جو چین کو اندرون و بیرون ملک تمام بڑے دارالحکومتوں اور بڑے شہروں سے ملا رہے ہیں۔ محتاط اندازے کے مطابق چین کے پاس پی آئی اے کی طرح تیس چالیس کی بجائے دسیوں ہزار طیارے ہیں جو دن رات ایک جگہ سے دوسری جگہ محو پرواز رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ چین کی سمندری تجارت کے لیے چین کی بڑی بڑی شپنگ کمپنیاں ہیں جن کے کارگو بحری جہاز دنیا کی عمومی اقتصادی کساد بازاری کے باوجود دنیا بھر کی بندرگاہوں تک چینی مصنوعات پہنچا کر چین کی ترقی میں اپنا دیا گیا کردار بخوبی سرانجام دے رہی ہیں۔ دنیا کی کسی بھی بندرگاہ کا رخ کریں تو وہاں چینی شپنگ کمپنیوں کے دیوہیکل بحری جہاز ضرور نظر آئینگے۔ چین بحری جہاز خود بنا رہا ہے، اس کے بحری جہازوں کی تعداد بھی دسیوں ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ مزید برآں چین کے ساؤتھ چائنا سمندر (Sea) میں سیکڑوں جدید بندرگاہیں موجود ہیں جن میں سے متعدد راٹرڈیم سمیت دیگر یورپی بندرگاہوں

Scanned with CamScanner

سے بہتر، جدید اور سستی سروس مہیا کر رہی ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی بندرگاہ ہالینڈ کی راٹر ڈیم (Rotter Dam) ہے، اس کے مقابلے میں اسی جسامت حجم کی چین کے پاس آج کم از کم دس بندرگاہیں موجود ہیں۔ ہزاروں جہاز چینی بندرگاہوں پر روزانہ لنگر انداز ہوتے ہیں اور بیرون ملک سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ وزیراعظم پاکستان کے حالیہ دورۂ چین کے دوران تیان جن کے مشہور و معروف ثقافتی بازار میں راقم اور رفقاء کو سفارتخانہ پاکستان کے قونصل جنرل متعینہ چھنگدو (Chengdu) محترم حبیب حسن کے ہمراہ گئے جہاں پر ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ چین نے جدید ترقی کے باوجود اپنے ثقافتی ورثے کو محفوظ رکھا ہے اور اس سے سیاح کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ اس ثقافتی بازار میں قدیم زمانے کی چین کی تمام دستکاریاں اور مصنوعات نہایت خوبصورت طریقے سے سیاحوں کے لیے موجود تھیں جنہیں دیکھنے کے لیے چینی اور غیر ملکی سیاح جوق در جوق آئے ہوئے تھے۔ اس بازار میں مختلف ادوار کی عمارتیں بھی محفوظ کی گئی ہیں اس سے لاتعداد افراد کو روزگار کے مواقع میسر ہیں۔ تیان جن کی آبادی ایک کروڑ میں لاکھ افراد پر مشتمل ہے، اس ایک شہر کی مجموعی داخلی پیداوار (Gross Domestic Produce) جی ڈی پی 2 سو بلین ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ چین کے اس سے بڑے دوسرے پانچ شہروں کی جی ڈی پی اس شہر سے بہت ہی زیادہ ہے، اس شہر میں فی کس سالانہ آمدنی 9 ہزار ڈالر کے لگ بھگ ہے جبکہ پاکستان میں فی کس سالانہ آمدنی بمشکل ایک ہزار ڈالر سالانہ ہوگی۔ اس شہر میں 74 کلومیٹر طویل دریا ہائے خد بہہ رہا ہے جس کے ارد گرد جدید طرز تعمیر کی عمارات چالیس چالیس پچاس پچاس منزلوں پر مشتمل ہیں جو اس شہر کو انتہائی خوبصورت (Sky Line) دے رہی ہیں۔ رات کو دریا اور ارد گرد موجود ان سیکڑوں عمارتوں پر جدید ترین روشنیاں جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔ صرف اس شہر میں دو سو سے زیادہ فائیو سٹار ہوٹل اور ڈیڑھ سو سے زیادہ فور سٹار ہوٹل مہمانوں سے بھرے رہتے ہیں جو اس شہر کی سیاحتی اور معاشی ترقی کے غماز ہیں۔

اگرچہ اس شہر کی آبادی 12 ملین سے تجاوز کر چکی ہے مگر ہمارے لاہور فیصل آباد کراچی کی طرح دن کے وقت یہ شہر انسانوں سے عموماً خالی محسوس ہوتا ہے کیونکہ تمام بالغ عورتیں مرد اپنے اپنے معاش میں مشغول ہوتے ہیں جبکہ بچے اور نوجوان اپنے سکولوں کالجوں یونیورسٹیوں میں حصول تعلیم کے لیے گئے ہوتے ہیں۔ تیان جن میں کشادہ اور صاف شفاف سڑکیں خوبصورت پارک ڈیلٹا کی شکل میں سمندر میں ضم ہونے والے پانچوں دریاؤں کو انتہائی خوبصورت اور شہر کی تفریح گاہ بنا دیا گیا ہے۔ شہر میں انڈر گراؤنڈ ریلوے کا سسٹم دیدنی تھا، ہر پانچ منٹ کے اندر شہر میں گھومنے والی اور دوسرے شہروں کو جانے والی ٹرینیں آتی جاتی ہیں۔ دوسرے شہروں کو جانے والوں کے لیے چار ریلوے اسٹیشن ہیں جو پورے چین سے اس شہر کو منسلک کرتے ہیں۔ شہر کے لیے اوور ہیڈ (Light Rail) ٹرین کا شاندار سسٹم بھی یورپ سے زیادہ بہتر کام کر رہا ہے۔

تیان جن شہر کا فن تعمیر اس کے ماضی کی داستان کے اوراق ایک ایک کر کے کھول دیتا ہے، اس میں اٹلی، فرانس، برطانیہ، امریکہ اور دیگر یورپی ممالک کے فن تعمیر کی جھلک دریائے کروز (Cruise) کے دوران ہم سب نے دیکھی۔ تیان جن پر نوآبادیاتی طاقتوں کے تسلط کے دور کی عمارات کو ماضی کے ورثے کے طور پر محفوظ کر لی گئی ہیں۔ تیان جن شہر کا اپنا ایئرپورٹ ہے جو کسی بھی یورپی ایئرپورٹ سے زیادہ بڑا اور ماڈرن ہے، جہاں سے روزانہ ہزاروں مسافر اندرون و بیرون ملک سفر کرتے ہیں اور یہ ایئرپورٹ پسنجر اور کارگو طیاروں کا حب (Hub) بنا ہوا ہے۔ تیان جن نے 20 سالوں میں جو ترقی کی وہ ہم پاکستانیوں نے 65 سالوں میں بھی نہیں کی جو لمحہ فکریہ ہے۔ تیان جن سے ہم بلٹ ٹرین کے ذریعے بیجنگ گئے جو تقریباً 300 کلومیٹر کی رفتار سے 33 منٹ میں بیجنگ پہنچ گئی۔ یہ امریکہ یورپ سے زیادہ برق رفتار اور جدید تصور کی جاتی ہے۔ ایک طرف پاکستان اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے، بجلی گیس کی قلت کی وجہ سے گھر تاریک اور کارخانے بند ہوتے جا رہے ہیں اور دوسری طرف ہمارے پڑوسی اور قابل اعتماد دوست چین کے شہر روشنیوں سے جگمگ جگمگ کر رہے ہیں۔ چین میں قائم چینی اور غیر ملکی کارخانوں کو توانائی اور دوسرے وسائل کی کوئی کمی نہیں، بعض لوگوں نے تو یہاں تک بتایا کہ کچھ کارخانوں کو چین کی حکومت تقریباً مفت بجلی فراہم کر رہی ہے جس پر

امریکہ اور اس کے ساتھی مغربی ممالک مسلسل اعتراض کرتے چلے آ رہے ہیں۔ توانائی کی بہتات کی وجہ سے چین کے کارخانے پیداواری صلاحیتوں کا سودمند استعمال کر کے نہایت ارزاں قیمت پر مختلف اشیا، بنا کر ان کو برآمد کر رہے ہیں۔ چین کو برآمدات سے 1.89 ٹریلین (اٹھارہ سو نوے ارب) ڈالر 2011ء میں حاصل ہوئے۔ چین کا مالی سال جنوری سے دسمبر تک کا ہوتا ہے۔ چین میں روزگار کے مواقع اس قدر زیادہ ہو گئے ہیں کہ بعض صوبے پڑوسی ممالک سے لیبر امپورٹ کرنے کے لیے منصوبہ سازی کرنے میں مصروف ہیں۔

تیان جن میں دنیا کی پانچ سو بڑی کمپنیوں میں سے تین سو کے دفاتر موجود ہیں جو چین کی پیداواری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی مصنوعات کو چین میں پیدا کر کے اسے امریکہ، یورپ سمیت دنیا بھر میں پہنچا رہے ہیں۔ ایپل (Apple)، سونی، سیم سن، آئی بی ایم، سام سنگ، فلپس، نیسلے، جنرل موٹرز، فورڈ، ٹویوٹا، الیکٹرانک گڈز بنانے والی جاپانی، کورین، سنگاپورین، یورپین اور امریکہ کی تمام برانڈڈ مصنوعات چین میں بنا کر برآمد کی جارہی ہیں۔ کھلونے سے لے کر نائیکی، سپورٹس گڈز، اے سی، ریفریجریٹرز، فریزرز، ٹی وی، ہر قسم کے برانڈڈ پرفیوم اور دیگر ہزاروں اشیاء بنانے والی کمپنیاں سستی بجلی اور سستی پیداواری لیبر کی وجہ سے چین میں دھڑا دھڑ کارخانے کھول رہے ہیں۔ چین کے کارخانوں میں پاکستان کی طرح ہڑتال کا کوئی رواج نہیں ہے۔ چین میں تیز رفتار ترقی کی وجہ یہاں موجود جدید (Vibrant) کنسٹرکشن سیکٹر ہے جو کسی بھی پراجیکٹ ہمیں طے شدہ وقت اور مناسب نرخ پر تیار کر کے دے دیتا ہے جس کی وجہ سے غیر ملکی کمپنیاں چین میں پراجیکٹ لگانے کا منصوبہ بڑے اعتماد سے بناتی ہیں اور سالہا سال سے غیر ملکی کمپنیوں کو چین کی مرکزی یا صوبائی یا مقامی حکومت سے کسی بھی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوتی۔

چین کی فقید المثال ترقی کی ایک بڑی وجہ چین کا سکیورٹی نظام ہے جو لاکھوں کلوز سرکٹ ٹی وی کیمروں اور اس سے زیادہ افرادی قوت کی دیانتدارانہ محنت کی وجہ سے کامیابی سے چل رہا ہے اور کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ شاذ و نادر ہی رونما ہو پاتا ہے اور اگر کچھ ہو بھی جائے تو اس کی منصفانہ شفاف اور قانون کے عین مطابق تحقیقات کر کے فوری انصاف فراہم کیا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں کوئی سفارش کوئی بڑی سے بڑی رشوت یا سیاسی اثر و رسوخ بے سود ہوتا ہے۔ اس سے پاکستان کے حکمرانوں کو کوئی سبق تو ضرور لینا چاہئے۔ ایک ارب تیس کروڑ کی آبادی ہونے کے باوجود چین میں کسی ملزم کا غائب ہونا ناممکن ہے اور کسی بھی کیس کو داخل دفتر (CLOSE) کرنے کا کوئی رواج تک نہیں۔ پولیس ملزم کے پیچھے سرگرداں رہتی ہے۔ چاہے بیس سال کے بعد ہی ملزم اس کے ہتھے چڑھے پولیس انتہائی دیانتدار ہے اور تفتیش و تحقیق میں اسے کمال حاصل ہے اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ چین میں انصاف کی فراہمی اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ اسی لیے چین میں دہشت گردی تو دور کی بات، قتل، ڈکیتی، چوری، اغواء برائے تاوان اور دیگر جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اگر کوئی قانون شکنی کر بھی دیتا ہے تو قانون کے مضبوط ہاتھ اسے زیادہ دیر آزاد نہیں رہنے دیتے۔ اسے پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیتے ہیں۔ کیسوں کے فیصلے عشروں تک یا سالہا سال تک معرض التواء میں ڈالنے کا رواج نہیں۔ انصاف بے حد سرعت کے ساتھ چینی عوام اور غیر ملکیوں کو پہنچایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے چین جو ایک صدی پہلے افیونچیوں کی جنت تھا۔ اب چین میں کوئی مافیا ڈرگ سمگلنگ کرنے سے پہلے سو بار سوچتا ہے۔ چین میں تین سو گرام یا اس سے اوپر مقدار کی منشیات رکھنے، لانے اور فروخت کرنے والے کو موت کی سزا دے دی جاتی ہے۔ چین کے تمام شہروں، دیہات میں تعلیم کا ایک مربوط نظام چل رہا ہے جس کی وجہ سے چین کی شرح خواندگی سو فیصد ہو گئی ہے اور چین میں آج کل لاکھوں کی تعداد میں غیر ملکی طالب علم سائنسی، معاشرتی، میڈیسن، اقتصادی شعبوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ چین کی اکثر یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں اعلیٰ تعلیم انگریزی میں دینے کا سلسلہ تیزی سے بڑھایا جارہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب چین کی تعلیمی سند یورپ اور امریکہ کے مقابلے میں آ جائے گی۔ صرف

Scanned with CamScanner

پاکستان سے دس ہزار کے لگ بھگ طلباء وطالبات چین میں سائنسی اقتصادی، صنعتی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔ آج چین میں تعلیم کا جو بین الاقوامی معیار کا نظام رائج ہے۔ شاید سوا چودہ سو سال قبل پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی دور بینی نگاہوں سے دیکھ کر اپنی حدیث مبارکہ میں کہا: ''علم حاصل کرو چاہے (اس کے لیے آپ کو دور دراز واقع ملک) چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔''

تعلیم کا معیار اس قدر بلند ہے کہ اب چین کے ہسپتالوں، میڈیکل اداروں، کلینکوں میں دوسرے ممالک کے لوگ علاج کے لیے دھڑا دھڑ آ رہے ہیں کیونکہ امریکہ یورپ کے مقابلے میں علاج کے اخراجات چین میں کم ہیں اور علاج امریکہ یورپ کے سٹینڈرڈ سے بھی بہتر کیا جا رہا ہے۔ چین میں ایلوپیتھک کے ساتھ ساتھ چینی جڑی بوٹیوں اور آکوپنچر کے قدیمی طرز علاج کو بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ چین کے اندر مالش (MASSAGE) کو انتہائی جدید خطوط پر استوار کیا گیا ہے۔ مالش (MASSAGE) کے نظام میں انسانی اور مشینوں کے استعمال کو بڑی خوبصورتی سے ختم کیا ہے۔ فالج زدہ مریض کو ادویات، مساج اور ورزش کرا کر بہت جلد تندرست اور نارمل انسان بنا دیتے ہیں۔ ایک امریکی بزرگ ڈاکٹر کو جب امریکہ میں فالج سے پوری ریکوری نہیں ہو پا رہی تھی وہ آخری امید کے ساتھ بیجنگ آ گئے جہاں چینی ڈاکٹر نے ان کے فالج کا علاج چینی جڑی بوٹیوں سے تیار کی گئی ادویات اور مالش (مساج) سے شروع کیا۔ امریکی ڈاکٹر اس وقت حیرت زدہ ہو گئے جب اگلے دن صبح صبح ان کا معالج ان کو چینی طریقہ ورزش ''تھائے چی'' (TAI JI) کے لیے مدعو کرنے خود آ گیا۔ امریکی ڈاکٹر (مریض) اس وقت مزید حیران ہو گیا جب صرف چند ماہ کے قلیل عرصے میں وہ تندرست ہو کر اپنے وطن واپس چلا گیا۔

چینی ''تھائے چی'' کے بہت شوقین ہیں اور صبح سویرے سڑکوں اور پارکوں میں سینکڑوں نہیں لاکھوں کی تعداد میں چینی عورتیں مرد ایک ساتھ ''تھائے چی'' ورزش کرتے نظر آتے ہیں۔ ''تھائے چی'' ایکسرسائز کو شیڈو باکسنگ (SHADOW BOXING) بھی کہتے ہیں۔ اس ورزش میں انسان اپنے جسمانی اعضاء کو انتہائی اطمینان سے (STRETCH) اور (MOVE) کرتا ہے جو اس کے جسمانی اور ذہنی سکون کا موجب بنتا ہے اس کے علاوہ بزرگ چینی خواتین اور مردرات کو گلیوں کے کناروں اور پارکوں میں میوزک لگا کر رقص کر کے اپنی صحت برقرار رکھتے ہیں۔ چین میں عام آدمی کی کم سے کم عمر اسی سال سے بھی زیادہ ہے اور 80,80 سال کے چینی متحرک چوکس، فعال اور جوانوں جیسی زندگی گزار رہے ہیں۔ چین میں روایتی مساج اڑھائی سو یوآن تقریباً تین ہزار روپے کی ہے۔ اس سے پچیس منٹ دورانیے کا ایکسپورٹ ڈاکٹر کرتے ہیں جس سے اعصاب اور پٹھوں کا کھنچاؤ بتدریج ختم ہو جاتا ہے۔ چینی لوگ گرم پانی ہر وقت پیتے ہیں گرم پانی میں قہوہ کی چند پتیاں ڈال کر سارا دن پیتے رہتے ہیں جس سے ان کی جسم پر چربی جمع نہیں ہوتی۔ دورۂ چین کے دوران ہمیں چینی کھانوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا سفیر پاکستان مسعود خان نے پاکستانی اخبارات کے ساتھ ایڈیٹر صاحبان کے اعزاز میں عشائیہ دیا جس میں فارن سیکرٹری جلیل عباس جیلانی وزیر اعظم کے پرنسپل سیکرٹری ایوب قاضی خاص طور پر شریک ہوئے۔ اس عشائیے میں مہمانوں کو مختلف چینی کھانے پیش کیے گئے۔ عظیم ملک چین میں کھانوں کے پانچ چھ مختلف طریقے ہیں جن میں کل ڈشوں کی تعداد 5 ہزار سے تجاوز کرتی ہے جس میں پھیکے کھانے سے لے کر انتہائی تیز مرچ والے سچوان (SICHUAN) کے کھانے شامل ہیں ان میں نہ صرف ذائقہ مختلف ہے بلکہ ان کو پیش کرنے کے انداز کھانوں کے رنگ منفرد ہیں۔ یہ مختلف ادوار میں نامور چینی شہنشاہوں کے دربار سے شروع ہو کر اب اپنے بام عروج تک پہنچ گئے ہیں اور بعض ریستوران جڑی بوٹیوں پر مشتمل کھانے بھی اپنے مہمانوں کو پیش کرتے ہیں جس سے ان کا علاج بھی ہوتا ہے اور وہ علاج میں اچھی خوراک بھی کھانے لگتے ہیں۔ بنیادی طور پر چینی غذا انتہائی صحت بخش ہے شاید اس لیے ہمیں اپنے دورے کے دوران شاذ و نادر ہی موٹے چینی خواتین اور مرد نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا جہاں میں چینی ریستوران کھلے ہوئے ہیں۔ امریکہ سے لے کر جاپان آسٹریلیا تک چینی ریستورانوں میں جا کر کھانا کھانا ایک فیشن بن گیا ہے۔ یہ

Scanned with CamScanner

ریستوران چینی ثقافت کا عملی مظاہرہ بھی کر رہے ہیں اور ان ہی چینی ریستورانوں کے اطراف میں چائنا ٹاؤن/ چائنا بازار/ چائنا مارکیٹ دنیا کے ہر مشہور شہر میں قائم ہیں اور زبردست کاروبار کامیابی سے کر رہی ہیں۔ نیویارک ہو یا میلبورن، کوپن ہیگن ہو یا لاس اینجلس ہر جگہ سیاح اور مقامی لوگ چائنا ٹاؤن سے خریداری کرنے میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ ہم نے تیان جن سے بیجنگ کا سفر بلٹ ٹرین میں کیا۔ تیان جن ریلوے سٹیشن پر ہمارے سفارت کار حبیب حسن اور کرنل عاطف نے ہمارے پاسپورٹ لے کر ان پر بلٹ ٹرین کے ٹکٹ خریدے۔ ایک ٹکٹ کی قیمت 66 یوآن تھی۔ ایک یوآن تقریباً پندرہ روپے کا ہے اس طرح 990 روپے کا ٹکٹ 120 کلومیٹر مسافت کے لیے خریدا گیا لیکن یہ ٹکٹ فرسٹ کلاس کے تھے۔ تیان جن ریلوے سٹیشن کا طرز تعمیر کشادہ جدید تھا۔ اس سٹیشن پر صفائی قابل دید تھی اور ایک ایک مسافر کو فرداً فرداً ایک سے زیادہ دفعہ واک تھرو گیٹ اور الیکٹرانک سکینر/ میٹل ڈی ٹیکٹر سے چیک کر کے پلیٹ فارم نمبر 15 پر جانے کی اجازت دی گئی۔ ٹرین ساڑھے چار بجے بیجنگ کے لیے تیار کھڑی تھی۔ پلیٹ فارم اور ریلوے کی پٹڑی کے ارد گرد اتنی زیادہ صفائی موجود تھی جتنی شاید ہمارے دفاتر اور گھروں میں نہیں ہوتی۔ بلٹ ٹرین جس پر بوگی کے ساتھ انتہائی صاف ستھرے فلش سسٹم کے باتھ روم تھے جس میں قد آدم آئینے موجود تھے۔ پانی واش روم میں ہمہ وقت موجود تھا۔ سروس کا عملہ خصوصی یونیفارم میں انتہائی مستعدی سے فرائض منصبی نبھا رہا تھا۔ بلٹ ٹرین نے 298 کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے راستے میں ایک اور سٹیشن پر صرف ایک منٹ رک کر 35 منٹ میں ہمیں بیجنگ کے جنوبی سٹیشن پر پہنچا دیا تیان جن کے تین ریلوے سٹیشن ہیں جبکہ بیجنگ کے پانچ ریلوے سٹیشن ہیں جنوبی سٹیشن پر بلٹ ٹرین رکنے کے بعد ہم چار برقی زینوں (ESCLATORS) سے اوپر سطح زمین پر پہنچے۔ گاڑی میں سوار ہوتے وقت سٹیشن سے باہر نکلتے وقت مشین میں ڈال کر ایک طرف راستہ کھلتا اور اگلی جانب سے ٹکٹ نکل آتا۔ اس موقع پر ریلوے کی ملازم چاق و چوبند لڑکیاں ٹکٹ مشین میں ڈالنے کا اشارہ کرتیں بلٹ ٹرین میں اس کے بغیر ٹکٹ سفر کیے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ 35 منٹ میں بلٹ ٹرین کے ذریعے کیا گیا سفر دو روز قبل ہم نے جدید ایئر کنڈیشنڈ کوچ کے ذریعے تقریباً چار گھنٹے میں طے کیا تھا۔ بلٹ ٹرین شاہراہ پر جدید موٹر کاریں اس طرح پیچھے چھوڑ کر بھاگ رہی تھی جیسے پاکستان کی سڑک پر کار تانگے ریڑھے کو پیچھے چھوڑتی ہے۔

چین کے دورے کے دوران ہمیں مختلف زرعی فارم نظر آئے تاحد نگاہ سرسبز و شاداب کھیت اور اس کے کنارے لگے بلند و بالا درخت، چینی قوم کی سلیقہ مندی، زراعت کی ترقی کی لگن عیاں کر رہی تھی۔ زرعی فارم کے بارے میں بتایا گیا کہ چینی حکومت زرعی ترقی پر خصوصی ترقی دے رہی ہے تاکہ دیہات میں رہنے والوں کا معیار زندگی شہر والوں کے معیار پر آ جائے یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ چینی حکومت کی پالیسیوں میں تسلسل کی وجہ سے 450 ملین چینی لوگ جو خط غربت (POVERTY LINE) سے نچلی سطح کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ چینی حکومت نے ان کا معیار زندگی غربت کی لکیر سے اونچا کر دیا ہے۔ 45 کروڑ افراد کو خط غربت سے اوپر یورپ حتیٰ کہ امریکہ تک نہیں لے جا سکا۔ زراعت کی ترقی کے لیے چینی حکومت نے زرعی تعلیم پر خصوصی توجہ دے رکھی ہے۔ بہت سی یونیورسٹیاں کالج اور زرعی ادارے زرعی تحقیق پر نوجوانوں کو لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کسانوں کو معیاری بیج، کھاد، کیڑے مار ادویات اور پانی کی گارنٹی کے ساتھ فراہم کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ زرعی اجناس کے ذخیرہ کرنے کے لیے جدید خطوط پر گودام تعمیر کر دیے ہیں۔ فارم سے مارکیٹ تک سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے سبزی پھل اور دوسری زرعی اجناس کے ضیاع کو کم و بیش روک دیا گیا ہے۔ ان سارے اقدامات سے دیہی علاقوں میں ہمارے ہی علاقوں کے مقابلے میں خوشحالی کا دور دورہ ہے۔ زراعت کو ماڈرن خطوط پر ترقی دی گئی ہے تاکہ لوگوں کا دیہات سے شہروں کی طرف منتقلی کے رجحان کو روکا جا سکے۔

چین کے سیچوان صوبے کے بارے میں بتایا گیا کہ وہاں دنیا کے نایاب جانور پانڈہ کی نسل کے فروغ کے لیے چینی حکومت نے

Scanned with CamScanner

ابتدائی سائنٹفک بنیاد پر مثالی کام کیا ہے جس کے بعد اس جانور کی نسل میں نمایاں اضافہ ہونے لگا ہے اور اب ان نایاب جانوروں کو چین کے جنگلوں میں آزاد بھی کیا جا رہا ہے۔ پانڈے ریچھ نما جانور ہیں اور عموماً بہت سست اور عدم تشدد کے علمبردار ہیں۔ انہیں امریکہ یورپ اور دوسرے ممالک میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے چڑیا گھروں میں ان کو نہایت آرام دہ کمروں میں رکھا جاتا ہے۔ محتاط اندازے کے مطابق 10 سال کے لیے مستعار دیئے جانے والے پانڈے کے جوڑے کا خرچ 8 سے دس ملین ڈالر چینی حکومت کو ادا کیا جاتا ہے۔ اس رقم کو پانڈہ کی نسل کے فروغ اور نگہداشت پر چینی حکومت خرچ کر رہی ہے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ نیویارک (Zoo) چڑیا گھر میں چین سے لائے گئے پانڈہ کے جوڑے کو دیکھنے کا ٹکٹ 60 ڈالر تک وصول کیا جاتا رہا جس سے نیویارک (Zoo) کی آمدنی بڑھی۔ ایک وقت تقریباً معدوم ہو جانے والا نایاب پانڈہ ایک چینی حکومت کی کاوشوں سے اب ہزاروں کی تعداد میں ہے اور پانڈہ کی نسل ختم ہونے کے خدشات چینی حکومت نے تقریباً ختم کر ڈالے ہیں۔ ہمیں یہ بھی پتہ چلا کہ چین کے شہر چینگ ڈو کے ایک سکول کے بچوں کو بطور والنٹیئر (VOLUNTEER) پانڈہ کے علاقے میں لے جانے سے پہلے ان کا مکمل میڈیکل ٹیسٹ کر دیا گیا تاکہ کوئی انسانی بیماری پانڈہ کو منتقل نہ ہو جائے۔ چینگ ڈو میسٹر انٹرنیشنل سکول کے ہونہار طالب علم مرتضیٰ اور ان کی کلاس کے بچوں کو وہاں اس لیے لے جایا گیا تاکہ ان میں پانڈہ سے محبت ہو اور وہ پانڈہ کے تحفظ کے لیے مستقبل میں بھی کام کریں اس علاقے میں پچیس تیس پانڈہ ایئر کنڈیشنڈ اور سینٹرلی ہیٹڈ کمروں میں رہ رہے تھے۔

دورہ چین کے دوران ہمیں ملنے والے پاکستانیوں نے شنگھائی کے بارے میں حیرت انگیز معلومات فراہم کیں۔ شنگھائی صدیوں سے چین کے معاشی ترقی یافتہ علاقوں میں جانا مانا جاتا تھا لیکن 1980ء کے بعد سے ہونے والی شنگھائی نے جو محیر العقل ترقی کی ہے۔ اس کی مثال بنی نوع انسان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آسمان چھوتی ہوئی جدید ترین ہزاروں عمارات کا یہ شہر دنیا کا ایک بڑا اقتصادی مرکز کی شکل اختیار کر گیا ہے جہاں دنیا بھر کی مشہور کمپنیوں کے ہزاروں دفاتر موجود ہیں ان میں امریکہ یورپ ایشیا مشرق بعید کی بڑی بڑی کمپنیوں کے عہدیداروں کا مجموع لگا رہتا ہے۔ شنگھائی میں 500 سے زائد فائیو اور سکس سٹار ہوٹل بروقت مہمانوں سے بھرے رہتے ہیں۔ مزید برآں طرز تعمیر میں شہر کی خوبصورتی اور ثقافت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اس لیے من چلے سر شام ہی سیر کو نکل کھڑے ہوتے ہیں چین کے بڑے شہروں کی طرح شنگھائی کی راتیں بہت رنگین ہوتی ہیں اور یورپ کو شرمانے لگی ہیں اس لیے جو امریکہ یورپ کے بڑے بڑے بینڈ، سنگر، رقاص، طائفے اور ڈرامے پیش کرنے والے گروپ ہر وقت شنگھائی میں دنیا بھر سے آئے ہوئے اہل ثروت لوگوں کو تفریح فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ شنگھائی میں سینکڑوں کلب چینی اور غیر ملکیوں کو میل ملاپ اور تفریح کے وافر مواقع فراہم کر رہے ہیں۔ غرض شنگھائی واقعی چین ہی کا نہیں بلکہ پوری دنیا کا عروس البلاد ہے۔ عروس البلاد سے راقم کا مراد پاکستان کے عروس البلاد کراچی سے نہیں جہاں بھتہ خوری، اغواء برائے تاوان، موٹر کار، موٹر سائیکل سے لے کر موبائل فون تک پستول دکھا کر چھین لیے جاتے ہیں اگر کوئی نہ دے تو پستول کی گولی ان کے سینے چیرتی ہوئی نکل جاتی ہے۔ چین کے دوسرے شہروں کی طرح شنگھائی میں نہ تو ایسی وارداتیں ہوتی ہیں اور نہ ہی جرائم کے بارے میں سننے میں آتا ہے۔ چین کے دیگر شہروں کی طرح سے شنگھائی بیجنگ، تھیین جن، کوانگ جو، شنجن میں بھی دنیا بھر کی جدید ترین بیش بہا گاڑیوں کی ریل پیل ہے جو دیدہ زیب تو ہیں لیکن ٹریفک کے مسائل چین کے بڑے شہروں میں بڑھانے میں پیش پیش ہیں۔ چین میں کاریں اور موٹر گاڑیاں بنانے کے کارخانے شنگھائی میں 3 سال قبل کے فوکس ویگن پلانٹ لگنے کے بعد پورے ملک میں دنیا بھر کی دیگر موٹر کمپنیوں کے تعاون سے موٹر سازی کی صنعت پھیل گئی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق بیجنگ اور دوسرے کئی شہروں میں روزانہ ایک ہزار نئی گاڑیاں رجسٹر ہو کر سڑکوں پر آ رہی ہیں۔ اس طرح چین موٹر سازی کی صنعت دنیا میں نمبر ایک پوزیشن حاصل کرنے والا ہے۔ چین کی ترقی استقامت و استحکام کا ایک راز اس کی تاریخی امن کی پالیسی

Scanned with CamScanner

ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ چین نے یورپ کے برعکس کبھی کسی ہمسایہ ملک کے خلاف جارحیت نہیں کی اور نہ ہی نوآبادیاتی کشاکش استعماریت کے نظام کو دوسرے ملکوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی۔ چین نے کبھی دوسرے ملکوں کے وسائل پر قبضہ نہیں کیا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ چین میں بیورو کریسی کا نظام کنفیوشس کے زمانے سے شروع ہو کر 1911ء تک نافذ رہا جہاں اہل اور ایماندار افسر عوام کی صدق دل سے خدمت کرتے تھے اور حکمرانوں کو بھی دیانتداری سے مشورہ دیتے تھے۔ ان ہی بیوروکریٹس کی استعداد اور صلاحیت کی وجہ سے چین کی تاریخ تعمیر فلسفہ اور فنون لطیفہ سے بھری ہوئی ہے اور ہر چیز کا باضابطہ ریکارڈ موجود ہے جو قدیم زمانے کے چینی باشندوں کے طرز معاشرت، علم اور فنون کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ ان ہی افسران کے درمیان سے نامور ادیب شاعر فلسفی تاریخ دان جغرافیہ دان، سائنسدان پیدا ہوئے جنہوں نے چین کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار بخوبی انجام دیا۔ کاش پاکستان کی بیوروکریسی بھی چینی بیوروکریسی کے نقش قدم پر چلنے کا آج بھی عہد کر لے تاکہ پاکستانی عوام کی زندگیوں میں راحت، سکون اور امن کی نعمتیں میسر آ سکیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

پاک چین دوستی نئی بلندیوں پر

مفکر پاکستان علامہ اقبال نے قیام پاکستان کا جو خواب دیکھا تھا اور قائد اعظم محمد علی جناح نے برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کے لیے ایک خوشحال مملکت تشکیل دے کر علامہ اقبال کے خواب کو جس طرح شرمندۂ تعبیر کیا۔ اسی طرح 68 سال بعد آج مفکر پاکستان کے اس دنیا سے رخصت ہونے کی برسی (21 اپریل) کو چین کے صدر شی جن پنگ کے تاریخی دورۂ پاکستان کے دوران 45 کھرب 67 ارب کے توانائی اور انفراسٹرکچر کے معاہدے کر کے پاکستانی قوم کو بجلی کی لوڈشیڈنگ سے نجات دلانے اور پاکستان کے عوام کو خوشحال بنانے کا آغاز کر دیا ہے۔ 20 اپریل 2015ء کو چینی صدر کے دورۂ پاکستان کے دوران 45 کھرب 67 ارب روپے کی لاگت کے 51 معاہدوں/ایم او یوز پر دستخطوں سے شی جن پنگ اور نواز شریف نے پوری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ ایسا دنیا کی مسلمانوں کی حالیہ تاریخ میں شاذ و نادر ہی ہوا ہوگا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ ان معاہدوں پر عملدرآمد سے پاکستان عالمی بینک آئی ایم ایف وغیرہ کے چنگل سے نکل آئے گا جو سخت شرائط پر قرضے دیتے ہیں۔ چین کے صدر پاکستان کے 2 روزہ دورے میں وہ سب کچھ کر کے آج شام انڈونیشیا جانے والے ہیں۔ پیر کو صبح پونے گیارہ بجے نور خان ایئربیس چکلالہ پہنچنے پر جو شایان شان اور پروٹوکول کے تقاضے بالائے طاق رکھ کر استقبال کیا گیا۔ اس سے مہمان صدر بے حد خوش و خرم نظر آ رہے تھے۔ چینی صدر کے خصوصی چار انجنوں والے طیارے کو پاکستانی فضاؤں میں پہنچتے ہی پاکستان اور چین کے مشترکہ طور پر بنائے گئے جدید ترین لڑاکا طیارے جے ایف 17 (JF/17) تھنڈر نے اپنے حفاظتی حصار میں لے کر نور خان ایئربیس راولپنڈی پہنچایا جہاں پاکستان کی سول و عسکری قیادت پاکستانی قوم کے انتہائی قابل احترام اور باوقار معزز مہمان صدر شی جن پنگ اور مادام شی جن پنگ کے والہانہ استقبال کے لیے چشم براہ تھی۔ ایئر چائنہ کا طیارہ جونہی ٹاسک پر رکا سیڑھی لگی تو پاکستان کے چیف آف پروٹوکول معین الحق اور اسلام آباد میں چین کے سفیر سیڑھی چڑھ کر معزز صدر کے طیارے میں گئے۔ انہیں اور ان کی اہلیہ کو خوش آمدید کہتے ہوئے پاک سرزمین پر اترنے کی درخواست کی۔ صدر اور مادام شی جن پنگ جونہی طیارے سے نمودار ہوئے تو استقبال کے لیے آنے والی ہر شخصیت نے تالیاں بجائیں جن کا جواب چین کے صدر اور ان کی اہلیہ نے پر جوش ہاتھ ہلا کر دیا۔ چینی صدر اور ان کی اہلیہ کا پرکشش اور خوبصورت ہیئر سٹائل دیکھ کر لوگ بے حد متاثر ہوئے۔ معزز صدر نے پنک ٹائی کے ساتھ بلیک سوٹ اور مادام نے آف وائٹ سوٹ کے ساتھ ہلکے انگوری کلر کا دوپٹہ نما سکارف زیب تن کیا ہوا تھا اور یہ ہماری الٹرا ماڈرن خواتین کو پیغام دے رہا تھا جو دوپٹہ سر پر اوڑھنے سے قباحت محسوس کرتی ہیں کہ وہ چینی صدر کی اہلیہ کی طرح کم از کم دوپٹہ (لمبا سکارف) کو اپنے گلے اور سینے کو ڈھانپنے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیں۔ معزز مہمان اپنی اہلیہ کے ساتھ جوں جوں خراماں خراماں جہاز سے سیڑھی کے ذریعے نیچے اترتے گئے استقبالیہ تقریب کے شرکاء اتنی ہی زور دار تالیاں بجانے لگے۔ جب معزز صدر نے پاک سرزمین پر قدم رکھا تو عین اسی لمحے پاکستان آرمی کے دستے نے انہیں 21 توپوں کی سلامی دی۔ سب سے پہلے صدر ممنون حسین اور ان کی اہلیہ بیگم محمودہ ممنون حسین اور بعد ازاں وزیر اعظم محمد نواز شریف اور ان کی اہلیہ بیگم کلثوم نواز نے 9 سال کے عرصے کے بعد پاکستان آنے والے چینی صدر اور ان کی اہلیہ کا خیر مقدم کیا۔ یہ بات نوٹ کی گئی کہ بیگم کلثوم نواز جو ہلکا فیروزی سوٹ اسی کلر کے دوپٹے کے ساتھ پہن کر آئی تھیں۔ ان کے سر سے دوپٹہ ان کی خاندانی مشرقی روایات کے عین مطابق ایک لمحے کے لیے بھی سر سے نہیں سرکا۔ چینی صدر اور مادام کو علاقائی ثقافت کے آئینہ دار لباس زیب تن کیے ایک ننھی بچی اور ایک ننھے بچے نے پاکستانی قوم کی طرف سے گلدستے پیش کیے جس کے بعد مہمان صدر کو چیف آف پروٹوکول معین الحق سلامی کے شاندار چبوترے پر صدر اور وزیر اعظم پاکستان کے ہمراہ لے کر گئے۔ عین اس وقت پاک فضائیہ کے دو جے ایف 17 تھنڈر طیارے جو چینی صدر کے

Scanned with CamScanner

طیارے کو اپنی حفاظت میں لے کر نور خان ایئر بیس پہنچا کر محو پرواز تھے نے دوبارہ فارمیشن بنا کر نیچی پرواز کرتے ہوئے معزز مہمان کو چبوترے کے سامنے سلامی دی۔ چینی صدر سلامی کے چبوترے پر پاکستان کے صدر اور وزیر اعظم کے درمیان کھڑے ہوئے سلامی کے چبوترے پر سبز ہلالی پرچم لہرا رہے تھے۔ اسی موقع پر عساکر پاکستان کے بینڈز نے پہلے چین کے اور بعد میں پاکستان کے قومی ترانوں کی دل آویز دھنیں الاپیں جن کے دوران چین کے صدر تعظیماً دونوں ہاتھ نیچے کئے ہوئے تھے اور پاکستانی وزیر اعظم دایاں ہاتھ اپنے دل پر احتراماً رکھ کر قومی ترانے کی دھن سنتے رہے۔ اس کے فوری بعد آرمی کمانڈ نے معزز صدر کو پاکستان ملٹری، پاکستان نیوی اور پاکستان ایئر فورس کے چاق و چوبند گارڈز آف آنر کے معائنے کی دعوت دی۔ گارڈز آف آنر کے معائنے کے بعد وزیر اعظم نواز شریف نے چینی صدر سے پاکستان کے جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین جنرل راشد محمود چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف چیف آف نیول سٹاف ایڈمرل ذکا، اللہ اور چیف آف ایئر سٹاف ایئر چیف مارشل سہیل امان سے تعارف کرایا۔ تمام فوجی سربراہان نے عظیم دوست چین کے صدر کو مخصوص انداز میں سلیوٹ کیا اور ہاتھ ملایا جس کے بعد وزیر اعظم نواز شریف نے اپنی کابینہ کے ارکان سے مہمان صدر کا تعارف کرایا۔ دفاعی پیداوار میں کیوں کہ پاک چین تعاون بے مثال ہے۔ اسی ناطے سے وفاقی وزیر دفاعی پیداوار رانا تنویر حسین اور چینی صدر سے گرمجوش مصافحہ نسبتاً زیادہ دیر جاری رہا۔ اسی طرح وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کے ساتھ چینی صدر نے کافی دیر ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر مصافحہ کیا۔ کابینہ کے بعد چینی صدر ان طلبہ و طالبات اور چینی خواتین و حضرات کی طرف گئے جو بہت بڑی تعداد میں پاک چین ملی پرچم پر جوش انداز میں ہلا کر زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ چینی صدر نے سبھی کو خوش ہو کر سلام کیا اور بہت سے بچوں، بچیوں کے ساتھ ہاتھ بھی ملائے۔ ننھے بچوں کے سروں اور کندھوں پر شفقت کے ساتھ ہاتھ پھیرے جس پر بچے بے حد خوش ہوئے۔ صدر شی جن پنگ نے 2 دراز قد فوجیوں جنہوں نے بغل میں روایتی شمشیر دبا رکھی تھی کی معیت میں گارڈ آف آنر کا معائنہ آرمی بینڈ کی خصوصی فوجی دھن کے دوران کیا۔ معائنے کے دوران پاکستان اور چین کے ساتھ ساتھ لہرانے والے قومی پرچموں کے سامنے پہنچتے ہی چینی صدر نے احتراماً اپنے سر کو جھکایا۔ گارڈ آف آنر کے معائنے کے بعد چینی صدر نے ایئر بیس لان کے اوپر بہت بڑی تعداد میں ساتھ ساتھ لہرانے والے پاکستان اور چین کے قومی پرچم دیکھے۔ انہوں نے اپنی آمد پر قدرت کی طرف سے اسلام آباد کا موسم سہانا دیکھ کر طمانیت قلب محسوس کی۔ حالانکہ رات گئے تک راولپنڈی اسلام آباد میں بادلوں کی گھن گرج کے ساتھ دو دنوں سے طوفانی بارشوں اور ژالہ باری کا سلسلہ جاری تھا۔ مگر چینی صدر کی آمد کے موقع پر وفاقی دارالحکومت راولپنڈی اسلام آباد کا موسم بھی معزز مہمان کے استقبال کے دن بے حد خوشگوار ہو گیا۔ چینی صدر کی آمد کے موقع پر نہ صرف نور خان ایئر بیس بلکہ پورے علاقے کو بالعموم اور ان کے روٹس کو بالخصوص پاک چین دوستی زندہ باد، ہم معزز چینی صدر کا انتہائی گرم جوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں اور چین کی کامیابیوں کی آئینہ دار پینٹنگز اور پاکستان کے تاریخی ورثے کی عکاسی کرنے والے جہازی سائز کے بل بورڈز کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ ایوان صدر اور وزیر اعظم آفس اور ایوان وزیر اعظم کو جانے والی شاہراہ دستور کو انتہائی سلیقے کے ساتھ چینی صدر کی تصاویر آویزاں کر کے اور رات کو پاکستانی تاریخ کا بہترین درختوں، پودوں، جھاڑیوں پر چراغاں کر کے انسانی آنکھوں کو محو حیرت بنایا گیا۔ چین کے صدر اور ان کے ساتھ آنے والے سینئر وزراء بڑے بڑے چینی سرمایہ کار کمپنیوں کے سربراہان کو اسلام آباد میں پرنس آغا خان کے ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ نور خان ایئر بیس سے معزز چینی صدر اور مادام نے اپنے صدارتی لاؤنج میں خود کو فریش اپ کیا اور بعد دوپہر گاڑیوں کے جلوس کی شکل میں شاہراہ دستور پر واقع وزیر اعظم آفس گئے۔ وزیر اعظم آفس کے صدر دروازے پر وزیر اعظم محمد نواز شریف اور ان کے وفد کے ارکان نے معزز مہمانوں کا خود استقبال کیا۔ وزیر اعظم آفس میں پہلے نواز شریف اور شی جن پنگ کی ایک گھنٹے سے بھی زائد دورانیے کی ون آن ون ملاقات ہوئی جس میں پاکستان کے دفاع، معیشت اور پاکستانی عوام کا معیار زندگی بہتر سے بہتر بنانے کے

Scanned with CamScanner

اہم فیصلے ہوئے۔ اس کے بعد دوپہر پاکستان اور چین دونوں ملکوں کے وفد کے درمیان طویل دورانیے کے مذاکرات کیے گئے۔ مذاکرات میں پاکستانی وفد کی قیادت وزیراعظم نواز شریف اور چینی وفد کی قیادت صدر شی جن پنگ نے کی۔ مذاکرات کے اختتام پر دونوں سربراہوں نے 45 ارب ڈالر سے زائد مالیت کے توانائی اور انفراسٹرکچر کے معاہدوں پر دستخط کے بعد دستاویزات کے تبادلے کی تقریب میں شرکت کی۔ یہ معاہدے ایٹمی توانائی ودفاع بجلی کے پراجیکٹوں شاہرات کی تعمیر، نیو گوادر انٹرنیشنل ایئر پورٹ کراچی تا پشاور 140 کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے ٹرینیں چلانے کے انفراسٹرکچر لاہور میں اورنج میٹرو لائن اور دوسرے پراجیکٹس کے ہیں۔ وزیراعظم آفس میں صدر شی جن پنگ نے پاک چین دوستی کو لازوال قرار دیا۔ محمد نواز شریف نے کہا کہ پاک چین دوستی کا استحکام ہمارا مشترکہ ورثہ ہے۔ مضبوط محفوظ اور خوشحال پاکستان ہمارا قومی ایجنڈا ہے۔ رات کو وزیراعظم نواز شریف نے ایوان وزیراعظم میں معزز مہمان صدر اور ان کے وفد کے اعزاز میں ایک پر تکلف عشائیہ ترتیب دیا جس میں مسلح افواج کے سربراہان کابینہ کے ارکان صوبائی گورنر صوبائی وزیرائے اعلیٰ بھی موجود تھے۔ چینی صدر کو پروگرام کے مطابق منگل کو پاکستانی پارلیمنٹ کے مشترکہ سیشن میں اعلیٰ ترین سول اعزاز نشان پاکستان سے نوازا گیا۔ صدر ممنون حسین کی چینی صدر سے ملاقات ہوئی۔ صدر پاکستان نے چینی صدر کے اعزاز میں ظہرانہ دیا۔ پارلیمنٹ ہاؤس میں چین کے صدر نے پاکستان کی پارلیمانی جماعتوں کے پارلیمانی لیڈروں سے بھی مشترکہ ملاقات کی۔ منگل کی شام وہ دو روزہ دورہ مکمل کر کے انڈونیشیا میں ہونے والی انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کے لیے چلے گئے۔

(چینی صدر کے دورۂ پاکستان کے موقع پر 21 اپریل 2015ء کو شائع ہونے والی تحریر)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک منصوبہ)

چین پاکستان اقتصادی راہداری جسے سی پیک کہا جاتا ہے ایک قومی منصوبہ ہے لیکن بدقسمتی سے آغاز میں ہی اسے متنازع بنانے کی کوشش کی جاری ہے۔ یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ کسی صوبے میں کتنی سرمایہ کاری ہوگی یا کتنے پراجیکٹس لگیں گے۔ روزنامہ جنگ نے تحقیق کے ذریعے قارئین کو یہ آگاہ کرنے کی ایک کاوش کی ہے تاکہ حقائق قوم کے سامنے لائے جائیں کہ کہاں کتنی سرمایہ کاری ہوگی اور کس صوبے میں کتنے منصوبے لگیں گے لیکن یہ امر پیش نظر رکھا جائیگا سی پیک کے پروجیکٹ 15 سال میں مکمل ہونے ہیں اور ابھی ابتدائی مرحلہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعصب کی بجائے حب الوطنی کے جذبے کا مظاہرہ کیا جائے۔ سی پیک کے پروجیکٹوں کو سندھ کے اندر 12 ارب 33 کروڑ ڈالر کے بلوچستان 7 ارب 46 کروڑ ڈالر پنجاب میں 9 ارب ڈالر، خیبر پختونخوا ایک ارب 8 کروڑ ڈالر آزاد جموں وکشمیر وگلگت بلتستان کو 3 ارب 81 کروڑ ڈالر کے پروجیکٹ ملیں گے، اسی طرح سی پیک میں زیادہ حصہ 36 فیصد سندھ کا ہے۔ دوسرے نمبر پر 26 فیصد حصہ پنجاب کا ہے۔ تیسرے نمبر پر 22 فیصد حصہ بلوچستان کا ہے۔ آزاد جموں وکشمیر گلگت بلتستان کا حصہ 11 فیصد اور صوبہ خیبر پختونخوا کا حصہ 5 فیصد بنتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خیبر پختونخوا صوبے کا حصہ آزاد کشمیر سے بھی کم کیوں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چائنا پاک اکنامک کوریڈور کے تحت منصوبے حکومت پاکستان کے اپنے منصوبے ہی ہیں بلکہ پی ایس ڈی پی کے تحت اگر صرف خیبر پختونخوا صوبے کے انرجی اور دوسرے منصوبوں کا حساب لگایا جائے تو 9410 میگاواٹ کے منصوبے صرف اور صرف خیبر پختونخوا میں لگائے جارہے ہیں اسی طرح سے سندھ میں 10250 میگاواٹ بجلی کے منصوبے بلوچستان میں 5360 میگاواٹ اور پنجاب میں 5020 میگاواٹ بجلی کے منصوبے زیر تکمیل ہیں۔ گلگت بلتستان میں زیر تعمیر توانائی کے منصوبوں کا حساب لگایا جائے تو 11917 میگاواٹ بجلی کے منصوبے وہاں بن رہے ہیں۔ آزاد جموں وکشمیر میں 4029 میگاواٹ بجلی کے پروجیکٹ زیر تعمیر ہیں۔ بجلی کے پروجیکٹوں کے حساب سے پنجاب چوتھے نمبر کا صوبہ ثابت ہورہا ہے۔ سی پیک کے تحت توانائی کے منصوبوں میں پنجاب کا حصہ تیسرے نمبر پر یعنی 26 فیصد ہے۔ احسن اقبال نے کہا کہ ان اعداد وشمار وحقائق کی بناء پر وہ بلاخوف تردید یہ بات کہہ رہے ہیں کہ محض یہ کہنا کہ تمام پروجیکٹ پنجاب میں لگائے جارہے ہیں غلط اور سراسر حقائق کے منافی ہے۔ سی پیک حکومت پاکستان کی جانب سے ترقی کا واحد منصوبہ نہیں، بلکہ حکومت پاکستان نے اپنے وسائل سے توانائی اور انفراسٹرکچر کے دیگر منصوبے سی پیک کے علاوہ شروع کررکھے ہیں جو آئندہ تین سے پانچ سال کی مدت میں مکمل ہوجائیں گے۔ پاک چین اقتصادی راہداری منصوبہ 46 بلین ڈالر کا میگا پراجیکٹ ہے، جس کے لیے چین کا ایگزیم بینک 11 بلین ڈالر پاکستان کو ذرائع مواصلات کی ترقی کے لیے فراہم کرے گا جس پر سود کی شرح انتہائی کم یعنی 1.6 فیصد ہوگی، چین کی کسی بیرونی ملک میں کی جانے والی یہ سب سے بڑی سرمایہ کاری ہوگی، سب سے زیادہ توجہ توانائی کے شعبہ پر دی جائے گی اور اس پر 30 بلین ڈالر خرچ کیے جارہے ہیں۔ سی پی ای سی کے مطابق ملک میں مارچ 2018 تک 10400 میگاواٹ بجلی پیدا ہونا شروع ہوجائے گی۔ اس منصوبے کے اہم روٹ تربت، پنجگور، بسیما، قلات، مستونگ، کوئٹہ، قلعہ سیف اللہ، ژوب، ڈی آئی خان، بنوں، کوہاٹ اور پشاور ہیں۔ بنیادی ڈھانچے کی ترقی کے لیے 11 بلین ڈالر حکومت پاکستان رعایتی قرضے حاصل کرکے فراہم کرے گی۔ 920 ملین ڈالر قراقرم ہائی وے کے دوسرے فیز پر خرچ کئے جائیں گے۔ 12000 سکیورٹی اہلکار منصوبے کے تحفظ کے لیے تعین کئے جائیں گے، اس وقت 8100 پاکستانی سکیورٹی اہلکار چینی انجینئر واہلکاروں کی حفاظت کررہے ہیں۔ اقتصادی راہداری منصوبے کے بڑے پراجیکٹ میں کراچی پشاور مین لائن کی توسیع، خنجراب ریلوے کراچی لاہور موٹروے کی تعمیر، حویلیاں تا خنجراب ریل کی پٹڑی بچھانا، ہزارہ موٹروے جو ای 35 ایکسپریس کے نام سے مشہور ہے۔ ایران پاکستان گیس پائپ لائن

Scanned with CamScanner

اقتصادی راہداری سپورٹ فورس، حویلیاں خشک بندرگاہ، اورنج لائن (لاہور میٹرو) گوادر انٹرنیشنل ایئر پورٹ کی توسیع، پاک چین، مشترکہ کاٹن بائیوٹیک لیبارٹری، گوادر نواب شاہ ایل این جی ٹرمینل اور پائپ لائن پراجیکٹ 700 میگاواٹ ہائیڈرو الیکٹرک، شوک کیناری ہائیڈرو پاور پراجیکٹ، 1320 میگاواٹ ساہیوال کول پاور پراجیکٹ 1320 میگاواٹ پاکستان پورٹ قاسم پاور پراجیکٹ، 720 میگاواٹ کروٹ ہائیڈرو پاور پراجیکٹ 900 میگاواٹ کا سولر پاور پراجیکٹ، جھم پیرونڈ پاور پراجیکٹ، تھر بلاک ٹو 2x330 میگاواٹ کول پاور پراجیکٹ، نجی بجلی گھروں کی ترقی، داؤد ونڈ پاور پراجیکٹ، حب کول پاور پلانٹ پراجیکٹ، کوس بارڈر فائبر آپٹیک ڈیٹا کیمونیکیشن سسٹم پراجیکٹ مری میں ملٹی میڈیا براڈ کاسٹ پائلٹ پراجیکٹ کا قیام اور کئی دیگر منصوبے شامل ہیں۔

1۔ حویلیاں سے تھاکوٹ تک قراقرم ہائی وے اپ گریڈیشن کے دوسرے مرحلے کے لیے چائنیز وزارت کامرس اور پاکستان کی وزارت خزانہ کے درمیان چین کی طرف سے رعایتی قرض کی فراہمی کی یادداشت پر دستخط

2۔ کراچی لاہور موٹروے (ملتان سکھر سیکشن) کے لیے چین کی طرف سے رعایتی قرض کی فراہمی کا معاہدہ

3۔ گوادر ایسٹ بے ایکسپریس وے کے لیے رعایتی قرض کی فراہمی کی یادداشت پر دستخط

4۔ گوادر انٹرنیشنل ایئر پورٹ کے لیے رعایتی قرض کی فراہمی کی یادداشت پر دستخط

5۔ بینکنگ سروس پروٹوکول پر دستخط

6۔ موسمیاتی تبدیلیوں سے نمٹنے کے لیے مواد کی فراہمی کی یادداشت پر دستخط

7۔ بڑے مواصلاتی انفراسٹرکچر منصوبوں میں تعاون کا فریم ورک معاہدہ

8۔ چین کی این ڈی آر سی اور وزارت منصوبہ بندی، ترقی اور اصلاحات کے درمیان مفاہمتی یادداشت پر دستخط

9۔ گوادر بندرگاہ کے ایریا میں پورو بونو منصوبوں کی یادداشت پر دستخط

10۔ پاک چائنہ مشترکہ کاٹن بائیو لیبارٹری کے قیام کی مفاہمتی یادداشت

11۔ پاکستان ریلوے اور چائنہ ریلوے کے درمیان ایم ایل ون کی اپ گریڈیشن کی مشترکہ فیزیبلٹی سٹڈی اور حویلیاں ڈرائی پورٹ کے قیام کا فریم ورک معاہدہ

12۔ پاک چائنہ مشترکہ میرین ریسرچ سنٹر پروٹوکول پر دستخط

13۔ چین کی ایڈمنسٹریشن آف پریس، پبلی کیشن، ریڈیو، فلم ٹیلی وژن اور وزارت اطلاعات ونشریات کے درمیان مفاہمتی یادداشت

14۔ چائنہ سنٹرل ٹیلی وژن، پی ٹی وی اور پاکستان ٹیلی وژن فاؤنڈیشن کے درمیان سی سی ٹی وی نیوز اور سی ٹی وی ڈاکومینٹری پاکستان میں دوبارہ چلانے کا ٹرپل پارٹی معاہدہ

15۔ لاہور اور چینگ ڈو کے درمیان سسٹر سٹیز تعلقات قائم ہونے کے پروٹوکول پر دستخط

16۔ گوادر اور ژوہائی گینگ ڈونگ کے درمیان سسٹر سٹیز تعلقات قائم کرنے کے پروٹوکول پر دستخط

17۔ گوادر اور کرامے کے درمیان سسٹر شہروں کے تعلقات قائم کرنے کے پروٹوکول پر دستخط

18۔ گوادر نوابشاہ ایل این جی ٹرمینل اور پائپ لائن معاہدہ

19۔ لاہور اورنج لائن میٹرو ٹرین منصوبے پر کمرشل معاہدہ

Scanned with CamScanner

20۔ لاہور اورنج ٹرین منصوبے کے لیے فنڈز کی فراہمی کا معاہدہ

21۔ 870 میگاواٹ کے سکی کناری ہائیڈرو منصوبے کے لیے فنڈز فراہمی کا معاہدہ

22۔ پورٹ قاسم 2x660 میگاواٹ کے کول پاور پلانٹ کے لیے فنڈز کی فراہمی کا معاہدہ

23۔ 720 میگاواٹ کے کروٹ منصوبے کے لیے فریم ورک فیسیلیٹی معاہدہ

24۔ زونگری 9x100 میگاواٹ شمسی منصوبے کے لیے سہولیات کی فراہمی کی ٹرم شیٹ پر دستخط

25۔ جھمپیر ونڈ پاور پراجیکٹ کا معاہدہ

26۔ ہر بلاک II 3.8 ایم ٹی اے مائننگ منصوبے کے لیے شرائط وضوابط

27۔ پاک چین راہداری منصوبے پر عملدرآمد کے لیے مالیاتی تعاون کا فریم ورک معاہدہ

28۔ واپڈا اور سی ٹی جی کے درمیان تعاون کی مفاہمتی یادداشت

29۔ پی پی آئی بی، سی ٹی جی اور سلک روٹ فنڈ کے درمیان نجی ہائیڈرو منصوبوں کی یادداشت پر دستخط

30۔ ڈاؤڈ ونڈ منصوبے کے لیے فیسیلیٹی آپریٹنگ معاہدہ

31۔ پاکستان میں چائنیز سرمایہ کاری کے فروغ اور صنعتی پارکس کی ترقی کے لیے مالیاتی خدمات تعاون کا معاہدہ

32۔ بلاک ون کی مالیاتی شرائط کا معاہدہ

33۔ پنجاب اور چائنیز گروپ کے درمیان توانائی سٹریٹیجک تعاون فریم ورک معاہدہ

34۔ اقتصادی راہداری توانائی منصوبے کے متعلق تعاون کا فریم ورک معاہدہ

35۔ سینو سندھ ریسورس اور شنگھائی الیکٹرک گروپ کے درمیان تھر کول فیلڈ ون پاور پراجیکٹ کے لیے تعاون کا معاہدہ

36۔ مٹیاری لاہور اور مٹیاری فیصل آباد ٹرانسمیشن اینڈ ٹرانسفارمیشن منصوبے کا معاہدہ

37۔ پورٹ قاسم کول پاور پلانٹ کا معاہدہ

38۔ ساہیوال کول پاور پلانٹ کا معاہدہ

39۔ حبکو کول پاور منصوبے کا معاہدہ

40۔ سالٹ رینج کول پاور منصوبے کا معاہدہ

41۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے نمل یونیورسٹی اور زنگ جیانگ یونیورسٹی کے درمیان معاہدہ

42۔ نمل یونیورسٹی اور زنگ جیانگ یونیورسٹی کے درمیان نمل انٹرنیشنل سنٹر آف ایجوکیشن کے قیام کا معاہدہ

43۔ گوادر ہسپتال کی فیزیبیلیٹی سٹڈی کے نوٹس کے تبادلے کا معاہدہ

44۔ پاکستان اور چین کے درمیان لا اینڈ انفورسمنٹ سامان کی فراہمی کا معاہدہ

45۔ انسداد منشیات کے ساز وسامان کی فراہمی

46۔ پاکستان اور چین کے درمیان سٹریٹیجک تعاون پارٹنرشپ کے قیام کے مشترکہ اعلامیہ کا معاہدہ

47۔ اقتصادی اور تکنیکی تعاون کا معاہدہ

Scanned with CamScanner

سی پیک کے پروجیکٹ

کروٹ ہائیڈرو پاور پروجیکٹ

چائنا پاکستان اکنامک کوریڈور کے تحت آزاد کشمیر اور پنجاب کے سنگم پر واقع تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی سے 65 کلومیٹر فاصلے پر واقع موضع کروٹ میں دریائے جہلم پر 720 میگاواٹ کا ہائیڈرو پاور پلانٹ کی تعمیر 10 جنوری 2015ء کو شروع کر دی گئی جس پر چائنا ڈیلی کے مطابق ایک ارب 65 کروڑ ڈالر لاگت آئے گی یہ پروجیکٹ چین کے سب سے بڑے ہائیڈرو پاور پروجیکٹ تعمیر کرنے والی چینی کمپنی تھری گورجز کارپوریشن (THREE GORGES CORPORATION OF CHINA) تعمیر کر رہی ہے جسے چائنا کے سلک روٹ فنڈ سے رقم جاری کر دی گئی ہے کروٹ ہائیڈرو پاور پروجیکٹ 2020ء میں مکمل ہو جائے گا۔ سن 2002ء کی پاور جنریشن پالیسی کے مطابق چینی کمپنی 30 سال تک اس پروجیکٹ کو چلانے کے بعد پاور پروجیکٹ حکومت پاکستان کے حوالے کر دے گی۔ کروٹ کے علاوہ سی پیک میں دنیا کے سب سے بڑے شمسی توانائی پلانٹ پنجاب میں لگانے کا آغاز اگست 2015ء میں کر دیا گیا ہے اس کا دوسرا حصہ چینی فرم زونر جی بنا رہی ہے اس سال کے آخر تک یہ ایک ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کرنے لگے گا کروٹ اور شمسی توانائی قومی گرڈ پر ڈالی جائے گی جس سے چاروں صوبے استفادہ کریں گے، کراچی سندھ میں 10 ارب ڈالر سے 1320 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے والے دو نیوکلیئر پاور پلانٹ کے ۔ٹو اور کے۔ تھری لگانے کا کام شروع ہے، پورٹ قاسم کراچی میں کوئلے سے بجلی پیدا کرنے والا پہلا انرجی پروجیکٹ سی پیک فریم ورک میں لگ رہا ہے یہ پاور چائنا ریسورسز لمیٹڈ دو ارب ڈالر سے لگا رہی ہے اور 2017ء کے اختتام تک یہاں سے بجلی پیداوار شروع ہوگی، مارچ 2018ء تک سی پیک کے 14 چینی انرجی پروجیکٹ 10 ہزار 400 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے لگیں گے جس سے 2015ء کا بجلی کا پاکستانی شارٹ فال 4500 میگاواٹ ختم ہو جائے گا۔ سی پیک فریم ورک میں بجلی پیدا کرنے کے کل 21 پروجیکٹ شامل ہیں جن سے بالآخر 16400 میگاواٹ بجلی پاکستان کے عوام کو ملنے لگے گی۔ ان پروجیکٹوں کی تکمیل پاکستان کے لیے گیم چینجر (GAME CHANGER) ثابت ہوگی۔

سی پیک فنڈز کی صوبوں میں تقسیم

46 ارب ڈالر میں سے وفاقی وزیر احسن اقبال کے مطابق سب سے زیادہ رقم سی پیک کے تحت سندھ میں ساڑھے گیارہ ارب ڈالر خرچ ہوگی اس کے بعد دوسرے نمبر پر بلوچستان میں 7.1 ارب ڈالر کے پروجیکٹ بنیں گے، تیسرے نمبر پر پنجاب میں 6.9 ارب ڈالر کے پروجیکٹ 15 سالوں میں مکمل ہوں گے۔ وطن کے دشمن چاہے ملک کے اندر ہوں یا باہر، افراد ہوں یا ادارے، دوست نما ملک ہوں یا کھلے دشمن، ان کا ٹریک ریکارڈ یہی ہے کہ دنیائے اسلام کی پہلی ایٹمی قوت ہو یا روئے ارض کی ساتویں جوہری طاقت کبھی اس کی ترقی، استحکام سے خوش نہیں بلکہ وہ قائداعظم کے بنائے ہوئے پاکستان کو معاشی، دفاعی اور معاشرتی طور پر مضبوط کیے جانے کی ہر کوشش ناکامی سے دوچار کرنے کے درپے ہو گئے ہیں۔ چین ہمارا واحد ہمسایہ، قابل اعتماد دوست ملک ہے جو پاکستان کے دفاع، معاشی استحکام، انفراسٹرکچر بنانے میں دامے درمے، سخنے عملی معاونت کر رہا ہے ورنہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے باقی چاروں مستقل اراکین میں سے کوئی ایک بھی ملک آج کے دور میں ایسا نہیں جس نے پاکستان میں اسی کے عشرے سے لے کر اب تک پینتیس سال میں کوئی ایک میگا پراجیکٹ لگا کر دیا ہو۔ ہماری ملکی قیادت بھی ایوب خان کے بعد ایسی ہی میسر آئی جس نے تربیلا ڈیم، منگلا ڈیم کے بعد کوئی بھی میگا پراجیکٹ کسی بھی بڑی طاقت سے نہیں لگوایا۔ وزیر اعظم نواز شریف اور چین کے صدر شی جن پنگ نے بائیس اپریل دو ہزار پندرہ کو اسلام آباد میں چھیالیس ارب ڈالر کی چینی سرمایہ کاری کے ایم او یوز پر ایک

Scanned with CamScanner

تاریخ ساز تقریب میں دستخط کیے جس کے نتیجے میں کاشغر سے گوادر تک چائنہ پاکستان اکنامک کوریڈور کی تعمیر کا سلسلہ دن رات جاری ہے۔ یہ چھیالیس ارب ڈالر چینی قرضہ نہیں بلکہ سرمایہ کاری ہے۔ 1947 کے بعد سے اب تک وطن عزیز میں یہ سب سے بڑی غیر ملکی سرمایہ کاری قرار دی جاسکتی ہے۔ چین پاکستان اکنامک کوریڈور (سی پیک) ایک سڑک کا نام نہیں بلکہ یہ پاکستان کے چاروں صوبوں کے عوام کے لیے ترقی و خوشحالی کی ایک راہداری ہے۔ چھیالیس ارب ڈالر کی سرمایہ کاری سب سے زیادہ پنجاب میں کیے جانے کے الزامات غلط اور محض مخالفین کا پراپیگنڈا ہے۔ درحقیقت اس میں سے تقریباً بارہ ارب ڈالر سندھ میں، سات ارب ڈالر سے زائد بلوچستان میں اور اسی طرح اربوں ڈالر کے پی، گلگت بلتستان کے منصوبوں میں خرچ ہوں گے۔ سندھ سے بہت زیادہ کم رقم پنجاب میں لگے گی۔ سی پیک کے تحت بلوچستان میں تین سو میگاواٹ بجلی کا پاور سٹیشن بنے گا، اربوں ڈالر سے گوادر میں ایسا انٹرنیشنل ایئر پورٹ تعمیر ہونے جارہا ہے جس پر دنیا کا سب سے بڑا فرانسیسی ساختہ دو منزلہ مسافر بردار طیارہ اے ایٹ تھری ایٹ زیرو ایئر بس طیارہ لینڈ اور ٹیک آف کر سکے گا۔ سی پیک کے تحت ہزاروں میگاواٹ بجلی کے کارخانے بقول وزیر اعظم نواز شریف لگانے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ سی پیک کا مغربی کوریڈور دسمبر 2016 تک قائم ہو جائے گا جس کے بعد یہ شاہراہ جو دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر ہوگی اس کے قرب وجوار فری پراسیسنگ زون، انڈسٹریل ایریاز بنیں گے۔ اسی طرح حویلیاں جو صوبہ کے پی میں ہے ڈرائی پورٹ بنے گی۔ گوادر سے رتو ڈیرو تک چھ سو کلومیٹر طویل شاہراہ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے اس کا ساڑھے پانچ سو کلومیٹر حصہ بن چکا ہے اور صرف پچاس ساٹھ کلومیٹر سڑک جو ایک نجی کمپنی حسنین کنسٹرکشن علاقے کے حالات کی وجہ سے بنانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی اس کا ٹھیکہ منسوخ کر دیا گیا ہے اس کا کنٹریکٹ ایف ڈبلیو او کو دے دیا گیا ہے۔ یکم جنوری دو ہزار سولہ کو چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف نے سال کا پہلا دن گوادر پورٹ میں گزارا اور خود گوادر کو کراچی کوئٹہ شاہراہ سے ملانے والی انٹرنیشنل معیار کی سڑک پر سفر کیا۔ یہ سڑک ماہِ رواں کے آخر میں مکمل ہوگی جس کا افتتاح وزیر اعظم نواز شریف اور آرمی چیف جنرل راحیل شریف اکٹھے کریں گے۔ گوادر کو کوئٹہ شاہراہ کے نتیجے میں دونوں اضلاع کے درمیان سفر کا دورانیہ بارہ گھنٹے سے چھ گھنٹے رہ جائے گا۔ گوادر کوئٹہ شاہراہ چمن کے راستے افغانستان اور ایران بارڈر کے راستے وسطی ایشیائی ریاستوں کو سی پیک سے منسلک کرے گی۔ مشرقی روٹ اکتیس دسمبر دو ہزار سولہ تک گوادر سے منسلک ہو جائے گا کیونکہ ایف ڈبلیو او کو ساٹھ کلومیٹر سڑک اکتیس دسمبر دو ہزار سولہ سے پہلے مکمل کرنے کے احکامات آرمی چیف کی طرح سے جاری کر دیئے گئے ہیں اس طرح گوادر سے رتو ڈیرو تک شاہراہ پر آئندہ جنوری سے ٹرانسپورٹ آنے جانے لگے گی اور گوادر لاہور کو کراچی سے ملانے والی قومی شاہراہ سے منسلک کر دیا جائے گا۔ اسی سی پیک کے تحت کے۔ ٹو، کے۔ تھری اور کے۔ فور کے ایٹمی بجلی گھر کراچی، بلوچستان کے ساحل پر تعمیر کرنے کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ مارچ دو ہزار اٹھارہ تک دس ہزار میگاواٹ بجلی قومی سسٹم میں آجائے گی۔ مارچ دو ہزار اٹھارہ کے بعد چودہ ہزار میگاواٹ بجلی قومی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اگلے چند سالوں میں قومی ٹرانسمشن سسٹم کو فراہم ہونے لگے گی۔ سی پیک کی کامیابی سے جہاں پاکستان کی معیشت کو فائدہ ہوگا وہاں چین کے درآمدی و برآمدی تجارت میں اس کے اربوں ڈالر بچیں گے کیونکہ آج کل چین مشرق وسطی اور افریقہ کی منڈیوں میں اپنی مصنوعات پہنچانے کے لیے جو مال بردار جہاز استعمال کر رہا ہے اسے کم وبیش 14500 کلومیٹر کا اضافی سفر طے کرنا پڑ رہا ہے چینی درآمدی و برآمدی سامان شیاشینگ سے شنگھائی پورٹ تک 4500 کلومیٹر اور شنگھائی پورٹ سے دبئی تک تقریباً دس ہزار کلومیٹر کا بحری سفر طے کرنا ہوتا ہے۔ کاشغر سے شاہراہ قراقرم، حویلیاں، میانوالی، ڈی آئی خان، ژوب، کوئٹہ، سوراب اور گوادر تک کا سفر تقریباً تین ہزار کلومیٹر پر محیط ہے۔ سی پیک بننے سے کاشغر سے گوادر تک تقریباً دو ہزار کلومیٹر کے لگ بھگ شاہراہ قراقرم اور پاکستان میں سی پیک کے مشرقی و مغربی روٹس کے ذریعے اس کی مصنوعات گوادر پورٹ پہنچانے لگیں گی اور اسی طرح اسی کی برآمدات گوادر پورٹ سے خشکی کے راستے کاشغر کم خرچ پر آنے

Scanned with CamScanner

جانے لگیں گی۔ گوادر پورٹ مسقط اور امریکہ کی ایک بندرگاہ کی طرح دنیا کی گہرے پانیوں کی تیسری بندرگاہ ہے اس کے ساحل پر گہرائی اٹھارہ سے بیس میٹر قدرتی ہے جب کہ کراچی پورٹ کی گہرائی چینل بنا کر بارہ سے پندرہ فٹ کی گئی ہے۔ چینل ایک ہونے کی وجہ سے کراچی پورٹ پر زیادہ سے زیادہ تین چار جہاز بیک وقت لنگر انداز ہو پاتے ہیں مگر اب کراچی کی نئی پورٹ بنانے کا آغاز کر دیا گیا ہے جہاں پر بڑے مال بردار اور تیل بردار جہاز اٹھارہ فٹ گہرائی والے قدرتی سمندر میں تیز رفتاری سے آنے جانے لگیں گے۔ گوادر پورٹ میں دنیا کے نہ صرف موجودہ بلکہ آئندہ عشروں میں بننے والے سب سے بڑے کارگو شپ اور خام تیل کے شپ ایک نہیں بیک وقت درجن بھر لنگر انداز ہوا کریں گے۔ سی پیک کی وجہ سے بلوچستان ہی نہیں پورے ملک کے عوام کو روزگار کے لاکھوں مواقع ملیں گے۔ پورے ملک میں معاشی سرگرمیاں تیزی سے ہونے لگیں گی۔ اس سے چین ہی نہیں افغانستان، وسطی ایشیائی ریاستوں کو بھی بہت فائدہ پہنچے گا اور ان کی درآمدات و برآمدات کی ٹرانسپورٹیشن کے اخراجات میں نمایاں کمی آئے گی۔ پاکستان میں ملک دوست سیاسی و عسکری قیادت موجود ہے جو وطن عزیز اور اس کے اٹھارہ کروڑ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ایک پیج پر ہے۔ یہ خدائی نعمت ہے کہ عسکری و سیاسی قیادت میں اختلاف پیدا کرنے کی دشمنوں کی کوششیں ناکام ہو گئیں تو دشمنوں نے پاکستان کے اندر اپنے ایجنٹوں کو استعمال کرنا شروع کیا ہے۔ پاکستان کے ایک سیاسی رہنما جس کی کے پی کے صوبے میں نشستیں گنتی کی رہ گئی ہیں اسے امریکہ نے پینٹاگون (واشنگٹن) کا دورہ کرایا، کس مقصد کے لیے یہ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ موصوف کا یہ اعلانیہ بیان دینا کہ جس طرح ہم نے کالا باغ ڈیم نہیں بننے دیا ہم سی پیک کو نہیں بننے دیں گے اسی قسم کے عناصر کے لیے بھارت نے ساٹھ کروڑ ڈالر بھارتی اخبار کی اطلاع کے مطابق سی پیک کو ناکام بنانے کیلئے مختص کر دیے ہیں۔ یہ عناصر اپنی تحریروں اور تبصروں کے ذریعے زہر افشانی کرنے لگے ہیں جو ان کے آقاان کو ہدایت کرتے ہیں۔ وطن عزیز کی سیکورٹی اداروں کا کیا یہ قومی فریضہ نہیں بنتا کہ وہ ایسے پاکستانیوں چاہے وہ میڈیا سے ہوں سیاست سے ہوں تجارت سے ہوں سول سوسائٹی سے ہوں ان کی پندرہ سال قبل کی مالی پوزیشن، منقولہ و غیر منقولہ اثاثوں، بینک اکاؤنٹس کا آج کی ان کی دولت سے موازنہ کریں اور ٹیکس گوشواروں میں دکھائی گئی آمدنی و اخراجات سے ان کے اثاثوں کی مالیت کا موازنہ کریں اور پھر ان سے پوچھیں کہ ان سے ظاہر کردہ آمدنی کے ذرائع اور ان کے حقیقی اثاثوں کے تناسب میں درجنوں، سیکڑوں کا فرق کیوں ہے؟ وفاقی دارالحکومت میں دس جنوری دو ہزار سولہ کو ہونے والی آل پارٹیز کانفرنس میں سوائے چند مقررین کے بیشتر نے سی پیک کے بارے میں جو کچھ کہا وہ ملک کی سول و عسکری قیادت کے لیے لمحہ فکریہ سے کم نہیں ہے۔ اگر وفاقی دارالحکومت میں کھلم کھلا گوادر پورٹ کو بلوچستان حکومت کی ملکیت میں دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے تو پھر کل کو کراچی پورٹ، محمد بن قاسم پورٹ کی ملکیت کا مطالبہ سندھ کی حکومت بھی کر سکتی ہے حالانکہ دستور پاکستان کے مطابق پورٹس اینڈ شپنگ وفاق کا سبجیکٹ تھا، ہے اور رہے گا اور اسی میں ملک کی بقا ہے۔ ایک اینکر ریکارڈ پر ہیں جنہوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ گوادر پورٹ کی ملکیت وہاں کی صوبائی حکومت کو دینے میں کیا حرج ہے۔ یہ دستور پاکستان کے منافی تبصرے کیوں کیے جانے لگے ہیں۔ پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی کے نئے چیئرمین ابصار عالم جو راقم کے اچھے دوست ہیں وہ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے دستور پاکستان کے منافی مطالبہ چاہے وہ سرسری کیوں نہ تھا کرنے والوں کے خلاف پیمرا ایکٹ کے تحت کیا کارروائی کی۔ سی پیک جو قومی معاشی منصوبہ ہے کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے کوشاں ایسے تمام عناصر کا اداروں کو نوٹس لینا ہوگا جو اس قومی منصوبہ کو متنازع بنانے کے درپے ہیں اور قوم اور ریاستی ادارے کو ایسے اداروں کے ساتھ کھڑا ہونا ہوگا تاکہ سی پیک کو دشمنوں اور ان کے گماشتوں کے مذموم عزائم سے محفوظ رکھا جا سکے۔ یہی پاکستان کے کروڑوں عوام کی کراچی سے لے کر خیبر تک سنی جانے والی آواز ہے۔ وزیراعظم نواز شریف اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف کی موجودگی میں ملک بھر کی سیاسی جماعتوں نے سی پیک کی برملا حمایت کا اعلان کیا مگر آج یہی حمایت کرنے والے بعض عناصر کس کو خوش کرنے کے لیے اور کس سے

Scanned with CamScanner

حاصل ہونے والے ذاتی مفادات کی خاطر اپنے وعدوں سے پھر رہے ہیں جو اٹھائیس مئی دو ہزار پندرہ کی آل پارٹیز کانفرنس میں وزیر اعظم نواز شریف اور آرمی چیف جنرل راحیل شریف کے سامنے انہوں نے کیے تھے۔ ایسے عناصر کو یاد رکھنا ہوگا کہ پاکستانی قوم اور اس کی موجودہ سول و عسکری قیادت دشمن ممالک کے ایجنٹوں کو ایسا کوئی کھیل کھیلنے نہیں دیں گے جس طرح 1971 میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے پہلے مکتی باہنی نے کیا یا ایک پارٹی نے اقتدار میں آنے کے لیے نوے ہزار پاکستان کے سویلین اور فوجی افراد کو بھارت کے کیمپوں میں قید کرایا۔ آج ہر پاکستانی وطن کی محبت کے جذبے سے سرشار ہے۔ پاکستان کا ہر شہری اور مسلح افواج کا ہر سپاہی اپنی دیانت دار سول و عسکری قیادت کے شانہ بشانہ کھڑا ہے اور وہ وطن عزیز کے میر جعفروں اور میر صادقوں کے قوم دشمن عزائم کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑا ہوگا۔ ملک کی سول و عسکری قیادت کو ابھی سے وطن عزیز میں رہ کر دشمنوں سے مالی معاونت حاصل کرنے والوں کو بے نقاب کرنا چاہئے۔ ایف بی آر کے ذریعے ان کے خلاف ناجائز دولت پر ملکی قانون کے تحت ایکشن کرانا چاہئے تاکہ پاکستان میں دشمنوں کے گماشتوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کی بجائے اس میں اسی طرح کمی آئے جس طرح چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف اور وزیر اعظم نواز شریف کی سول و عسکری قیادت نے آپریشن ضرب عضب شروع کر کے دہشت گردوں کا صفایا کم و بیش کر دیا ہے۔ بلوچستان اور کراچی بھی آج دو ہزار تیرہ کے مقابلے میں بے حد پر سکون بنا دیے ہیں۔ ملک کے اندر خود کش بمباروں اور بم دھماکوں کے سلسلے کو کم و بیش کنٹرول کر لیا ہے۔ غیر ملکی ایجنٹوں کے خلاف اگر سول و عسکری قیادت نے فوری ایکشن نہ لیا تو یہ طاعون کے جراثیموں کی طرح پھیلیں گے اور وطن عزیز کو انتہائی کمزور و لاغر بنا کر رکھ دیں گے۔ کمزور اور لاغر پاکستان ہمارے دشمن ملک کے لیے تر نوالہ اسی طرح ثابت ہو جائے گا جس طرح پاکستان ٹوٹنے کے بعد بنگلہ دیش، نیپال، بھوٹان، مالدیپ، سری لنکا وغیرہ بھارت کی بالادستی قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ آل پارٹیز کانفرنس جو دس جنوری کو بلوچ لیڈر سردار اختر مینگل نے منعقد کرائی میں اکثر مقررین ایک مخصوص کالم نگار کے کالموں کے اقتباسات، مندرجات اور جملے اپنی تقریروں میں دہراتے رہے جو بڑے فخر سے یہ تک لکھ چکا ہے کہ سی پیک ایسے پاکستانی قوم کے مفادات کے منافی ہے۔ سی پیک سے پاکستانی قوم کو تو فائدہ ہوگا اور چین کو بھی فائدہ ہوگا۔ سی پیک بھارت، بحیرہ عرب اور خلیج فارس کی چند بندرگاہوں والے ملکوں اور چین کا محاصرہ ایسے اقدامات کرنے والے امریکہ سمیت مغربی ملکوں کے لیے تکلیف کا باعث ہے۔ وہی سی پیک کی راہ میں اپنے حاشیہ برداروں کے ذریعے روڑے اٹکا رہے ہیں۔ تشویشناک بات یہ ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف کی کابینہ کے اندر بھی ذاتی دوستی و دشمنی کی بناء پر ٹانگیں کھینچے جانے کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ وزیر اعظم کو ان کا نوٹس لینا چاہئے اپنی کابینہ کے اندر اتحاد و اتفاق رکھنا چاہئے جو وزیر اعظم کی ہدایت کے باوجود نجی محفل، چینل یا اخبار میں اپنے ہی ساتھی کو ہدف تنقید بنائے ایسے وزیر کو کابینہ سے وزیر اعظم کو نکال باہر کرنا ہوگا۔ سی پیک کسی ایک وزیر کی میراث نہیں یہ وزیر اعظم نواز شریف کی حکومت کا وژن ہے۔ ہر وزیر چاہے وہ احسن اقبال ہوں اسحاق ڈار ہوں یا دوسرے سبھی کو سی پیک کا مشترکہ دفاع کرنا ہوگا اس کے مخالفین کو اکٹھے مل کر سمجھانا ہوگا۔ سی پیک کے فائدے اجاگر کرنا ہوں گے۔ وزیر اعظم کو یہ بات برداشت نہیں کرنی چاہئے کہ ان کی کابینہ کے کچھ وزیر سی پیک کے سیاسی مخالفین کو Food for Thought اس لیے مہیا کریں کہ اس سے ان کے ایک ساتھی وزیر کی جگ ہنسائی ہو۔ یہ جگ ہنسائی اسحاق ڈار یا احسن اقبال کی نہیں چوہدری نثار علی کی بھی نہیں اور ان جیسے دوسرے وزراء کی بھی نہیں بلکہ نواز حکومت کی ہوگی۔ آل پارٹیز کانفرنس میں سردار اختر مینگل، محمود خان اچکزئی، مولانا فضل الرحمان، سینیٹر فرحت اللہ بابر، میر حاصل خان بزنجو، ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ، پرویز خٹک، مشاہد حسین سید، سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری، خالد مقبول صدیقی اور دوسری جماعتوں کے نمائندے موجود تھے۔ جب کہ اپوزیشن جماعتوں کے اتنے زیادہ رہنماؤں کی موجودگی میں وزیر اعظم نواز شریف کی پالیسیوں کا دفاع صرف دو وزراء احسن اقبال اور سعد رفیق نے کیا جہاں تک آل پارٹیز کانفرنس میں اٹھائے گئے اعتراضات اور سی پیک کے

Scanned with CamScanner

بارے میں کانفرنس کے بعض شرکاء کے خدشات کا تعلق ہے اس کے بارے میں راقم نے وفاقی وزیر منصوبہ بندی، ترقیات واصلاحات پروفیسر احسن اقبال سے خصوصی ملاقات کی اور ان کے سامنے سی پیک کے بارے میں آل پارٹیز کانفرنس میں بعض شرکاء کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات رکھے۔ جناب احسن اقبال کے مطابق یہ اعتراضات کچھ مغالطوں پر مبنی ہیں جو شاید معلومات کی کمی یا پھر کچھ ایسی معلومات پر مبنی ہیں جو حقائق کے منافی ہیں۔ انہوں نے پاکستان اور چھوٹے صوبے کے مفاد میں یہ نکات اٹھائے ہیں تاہم ان نکات کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ چین پاکستان اقتصادی راہداری کی ایک واضح تصویر ابھر سکے۔ بصد احترام کے ساتھ یہ خدشات قطعی طور پر بے بنیاد ہیں کہ حکومت پاکستان نے ان منصوبوں کو پر اسراریت اور رازداری کی دبیز تہوں میں لپیٹا ہوا ہے۔ اس منصوبے سے متعلق تمام تر حقائق اور معلومات وقتاً فوقتاً موجودہ حکومت مختلف فورم پر قوم اور سیاسی قیادت سے شیئر کرتی رہی ہے۔ اٹھائیس مئی 2015 کو ہونے والی کل جماعتی کانفرنس میں ملک کی تمام سیاسی قیادت کو اس اقتصادی راہداری کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی بریفنگ دی گئی تھی اور تمام سیاسی قیادت نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ اس منصوبے میں شفافیت کو برقرار رکھنے کے لیے پارلیمانی نگرانی کا میکنزم بروئے کار لایا گیا جب تمام جماعتوں کی مشاورت سے ایک بائیس رکنی کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا جس میں بارہ اراکین پارلیمان کا تعلق بلوچستان اور خیبر پختونخوا سے ہے، اگر کسی سیاسی رہنما یا پارٹی کو اعتراض ہے تو وہ اس پارلیمانی فورم میں اٹھائے اور اطمینان کرے نہ کہ عوامی اجتماعات یا میڈیا میں بیان بازی کر کے آقاؤں کو خوش کرنے کی روش اپنائی جائے۔ موجودہ حکومت ترقیاتی کاموں میں شفافیت کے جس معیار کو برقرار رکھے ہوئے ہے اس کی گواہی موجودہ حکومت کا ڈھائی سالہ ٹریک ریکارڈ بذات خود دیتا ہے کہ اس عرصے میں ترقیاتی کاموں میں حد درجہ شفافیت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ پاکستان مسلم لیگ نواز نے ہمیشہ بلوچستان کی ترقی کو مقدم رکھا اور وہاں سرگرم بلوچ قوم پرست جماعتوں کے ساتھ بہتر تعلقات رکھے۔ نوے کی دہائی میں نواز لیگ کی دوسری حکومت میں سردار اختر مینگل کی مخلوط حکومت میں نواز لیگ اتحادی تھی اور دو ہزار تیرہ کے انتخابات میں اکثریت کے باوجود نواز لیگ نے پہلے ڈھائی سال نیشنل پارٹی کو بلوچستان میں حکومت کرنے کا اختیار دیا۔ جیسے سطور بالا میں عرض کیا کہ اقتصادی راہداری کے متعلق تحفظات شاید معلومات کی کمی کے باعث ہیں جس کا ایک اظہار چھیالیس ارب ڈالر کی صوبوں کے درمیان تقسیم سے متعلق ہے۔ میں نے بارہا اس کا اظہار کیا ہے یہ اقتصادی راہداری کے چھیالیس ارب ڈالر چین یک مشت پاکستان کی جیب میں نہیں ڈال رہا ہے کہ اسے مختلف وفاقی اکائیوں کے درمیان اس طرح تقسیم کر دیا جائے جس طرح قومی مالیاتی ایوارڈ کی رقوم تقسیم کی جاتی ہیں۔ یہ چھیالیس ارب ڈالر سرمایہ کاری کے اس فریم ورک کے تحت پاکستان میں خرچ کیے جائیں گے جو چینی سرمایہ کاران منصوبوں میں لگائیں گے جو دونوں ممالک کے ماہرین اور حکام پر مشتمل ورکنگ گروپس باہمی گفت وشنید سے طے کریں گے۔ ان چھیالیس ارب ڈالر میں سے اڑتیس ارب توانائی کے شعبے میں آئیں گے جو خالصتاً نجی سرمایہ کاری کی صورت میں آئیں گے۔ اس لیے ان چھیالیس ارب ڈالر کی تقسیم کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ توانائی کے بڑے منصوبوں کو فقط سندھ و پنجاب میں لگانے اور خیبر پختونخوا اور بلوچستان کو ان سے محروم رکھنے کی ان کی شکایت بھی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتی۔ خیبر پختونخوا میں سکی کناری اور کروٹ ہائیڈرو پاور منصوبے اس اقتصادی راہداری کا حصہ ہیں۔ صوبہ بلوچستان میں گوادر پاور پلانٹ، حبکو پاور پلانٹ اور گڈانی پاور پلانٹ اس اقتصادی راہداری کے تحت لگائے جائیں گے۔ گوادر بندرگاہ اور بلوچستان کی سرزمین اس منصوبے میں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ گوادر بندرگاہ کو اس اقتصادی راہداری میں گیٹ وے کی حیثیت حاصل ہے۔ گوادر بندرگاہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ گوادر شہر کی ترقی کے لیے کئی منصوبے اس اقتصادی راہداری کا حصہ ہیں۔ ایک بندرگاہ ایک مارکیٹ سے منسلک نہیں ہوتی بلکہ یہ ملٹی پل مارکیٹس کے لیے ہوتی ہے۔ گوادر بندرگاہ فقط چین کی منڈیوں سے منسلک نہ ہوگی بلکہ وسطی ایشیا کی ریاستیں بھی اس کے ثمرات سمیٹیں گی۔ فقط پنجاب کا گوادر بندرگاہ سے فائدہ اٹھانے کا مفروضہ کسی کی ذہنی

Scanned with CamScanner

اختراع کے علاوہ کچھ نہیں۔ مغربی روٹ پر سب سے زیادہ تنازع کھڑا کیا جا رہا ہے جو فقط مفروضوں پر مبنی ہے۔ وفاقی حکومت نے اعلیٰ ترین سطح پر بارہا اس کا اعادہ کیا ہے کہ مغربی روٹ کی تعمیر اس اقتصادی راہداری میں سب سے پہلی ترجیح ہے جس کے لیے اس کے مسنگ لنکس پر کام بھی جاری وساری ہے۔ تربت سے سوراب کے مسنگ لنک پر کام دن رات جاری ہے اور اس پر کام کی تکمیل دسمبر دو ہزار سولہ تک ہو جائے گی، وزیر اعظم نے ژوب۔ مغل کوٹ سڑک کا سنگ بنیاد گزشتہ ماہ رکھا۔ مغربی روٹ کا یہ سیکشن ایشیائی ترقیاتی بنک کے تعاون سے تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اس مغربی روٹ پر چار رویہ موٹروے بنانے کے لیے وزیر اعظم نے پہلے ہی ہدایات جاری کر دی ہیں اور اس سلسلے میں ایک کمیٹی بھی تشکیل دے دی گئی ہے۔ صنعتی زونز اور دو چھوٹے صوبوں کو ان سے محروم رکھنے کے خدشات اس لیے بے بنیاد ہیں کہ ابھی تک صنعتی زونز کا قیام عمل میں نہیں لایا گیا ہے۔ جب یہ ورکنگ گروپ تشکیل پائے گا اس کے بعد دونوں ممالک باہمی مشاورت سے پاکستان میں صنعتی زونز کے قیام پر کام کریں گے۔ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ وفاقی حکومت نے تمام صوبوں سے اپنے اپنے علاقوں میں ایسی جگہوں کے بارے میں تجاویز مانگی ہیں جہاں ان کے مطابق یہ زونز قائم کیے جا سکتے ہیں۔ بلوچستان کو اس اقتصادی راہداری میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ایک ایسا منصوبہ جس سے خطے کے تین ارب افراد اقتصادی ثمرات سمیٹیں گے یہ کیونکر ممکن ہے کہ بلوچستان اس سے محروم رہ جائے۔ بلوچستان اور خیبر پختونخوا کی سماجی و اقتصادی ترقی موجودہ حکومت کے پیش نظر روز اول سے رہی اور چین پاکستان اقتصادی راہداری ایک نعمت مترقبہ کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی جس کے ذریعے ان دونوں صوبوں کو ترقی کی دوڑ میں شامل کیا جا سکے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

دبئی ورلڈ کا انقلابی فیصلہ

متحدہ عرب امارات اور پاکستان کے دوستانہ ہی نہیں برادرانہ رشتے کم وبیش اس دن سے قائم ودائم ہیں جس روز یعنی دو دسمبر 1971ء کو متحدہ عرب امارات شیخ زید بن سلطان النہیان کی قیادت میں معرض وجود میں آیا تھا۔ دونوں ممالک ہر دکھ درد، غم خوشی میں ایک دوسرے کا ساتھ نبھاتے چلے آ رہے ہیں۔ مشکل وقت میں پاک امارات تعاون واشتراک ملکوں کے تعلقات میں مشعل راہ کے طور پر جانا پہچانا جاتا ہے۔ متحدہ عرب امارات کے سفیر متعینہ اسلام آباد السید علی سیف العوانی نے اپنے ملک کے 38 ویں قومی دن کے موقع پر راقم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں متحدہ عرب امارات کی سرمایہ کاری بڑھتی جائے گی۔ متحدہ عرب امارات کے صدر شیخ خلیفہ بن زید النہیان، یو اے ای کے نائب صدر، وزیر اعظم اور دبئی کے حکمران شیخ محمد بن راشد المکتوم پاکستان کے عوام کے لیے انتہائی محبت آمیز اور مشفقانہ جذبات رکھتے ہیں۔ ابوظہبی گروپ کی پاکستان میں اربوں ڈالرز کی سرمایہ کاری ہے۔ 8 اکتوبر 2005ء کے قیامت خیز زلزلے سے متاثرہ لاکھوں کنبوں کے لیے متحدہ عرب امارات نے تقریباً 50 کروڑ ڈالر کی امداد متاثرین خدائی آفت کی بحالی کے لیے بھجوائی۔ یو اے ای کے سفیر کے مطابق متحدہ عرب امارات کی ریاست دبئی کے حکمران شیخ محمد بن راشد المکتوم نے وژن 2030ء دے رکھا ہے۔ دبئی کی ترقی وخوشحالی دشمنان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ دبئی میں تیل کے ذخائر ابوظہبی کے مقابلے میں بے حد کم ہیں۔ امارات ابوظہبی متحدہ عرب امارات میں سب سے زیادہ تیل وگیس پیدا کرتی ہے۔ ابوظہبی کی امارت میں ہائیڈروکاربن کے تقریباً 90 فیصد ذخائر ہیں باقی 10 فیصد دبئی، شارجہ، راس الخیمہ، اجمان، ام القیویان، الفجیرہ میں ہیں۔ ابوظہبی میں خام تیل کے مجموعی ذخائر 98 ارب بیرل کے لگ بھگ ہیں جو خام تیل کا سعودی عرب، ایران کے بعد تیسرا بڑا ذخیرہ ہے جبکہ متحدہ عرب امارات قدرتی گیس پیدا کرنے والا دنیا کا پانچواں سب سے بڑا ملک ہے۔ یہاں 6 کھرب کیوبک فٹ گیس کے ذخائر ہیں۔ 28 لاکھ بیرل یومیہ تیل یہاں سے نکل رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ دبئی سمیت کسی بھی مسلمان ملک کی اقتصادی ترقی دشمنان اسلام کو پسند نہیں ہے۔ وہ ترقی کرنے والے ہر مسلمان ملک کی ٹانگ کھینچنے لگتے ہیں، چاہے ملائیشیا ہو، انڈونیشیا ہو، ترکی ہو، سعودی عرب، ایران، متحدہ عرب امارات، پاکستان ہی کیوں نہ ہو۔ اب ان اسلامی ملکوں کے عوام کو سورۃ ھود کی ان آیات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ "اے مسلمانو! یہود ونصاریٰ تمہارے کبھی دوست نہیں ہو سکتے، ان میں زمانہ حال میں ہنود کو شامل کرنا بے جا نہ ہوگا۔ گذشتہ ہفتے 46 ممالک سے ایک ایک دو دو سینئر میڈیا مین متحدہ عرب امارات کے قومی دن کی تقریبات کے سلسلے میں ابوظہبی مدعو کیے گئے جن کے اعزاز میں متحدہ عرب امارات کے نائب صدر، وزیر اعظم دبئی کے حکمران شیخ محمد بن راشد المکتوم متحدہ عرب امارات کے ہائر ایجوکیشن اور سائنٹفک ریسرچ کے وفاقی وزیر شیخ نہیان بن مبارک النہیان نے بالترتیب ظہرانہ اور عشائیہ اپنے اپنے محل میں ترتیب دیا۔ اگرچہ پروگرام میں لکھا گیا تھا کہ سوال وجواب کا سلسلہ نہیں ہوگا مگر شیخ محمد بن راشد اور شیخ نہیان بن مبارک النہیان کو کھانے سے پہلے دربار میں دنیا بھر سے آئے ہوئے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی شخصیات نے بات چیت پر مجبور کر ڈالا۔ 19 نومبر 2009ء کو یو اے ای کے وزیر اعظم کی شاہی رہائش گاہ پر خصوصی کوسٹر میں ہمیں لے جایا گیا۔ نہ کسی نے موبائل ٹیلیفون جمع کروائے نہ ہی موبائل فون بند کرنے کی ہدایات جاری کیں۔ شیخ محمد سے راقم نے کہا کہ پاکستان میں یو اے ای کی سرمایہ کاری کا حجم بڑھائے جانے کی رفتار بڑھ تو رہی ہے مگر اس میں تیزی آنی چاہئے۔ دوسرے گلوبل اقتصادی بحران جو اکتوبر 2008ء میں ظہور پذیر ہوا تھا، اس کے اثرات دبئی پر کب ختم ہوں گے کیونکہ یورپ والوں کا پروپیگنڈہ ہے کہ دبئی کی اکانومی ایک بلبلہ ہے، ہوا سے بھرا ایک غبارہ ہے۔ یہ جلد پھٹ جائے گا۔ دبئی کے حکمران نے جواب دیا کہ دبئی کی معیشت کے متعلق یورپی پروپیگنڈے کا غبارہ آج پھٹ چکا ہے کیونکہ دبئی معاشی طور پر مضبوط ومستحکم ہوتا جا رہا ہے۔ 2008ء میں 37 ملین غیر ملکی دبئی آئے تھے۔ 2009ء کے پہلے دس ماہ میں 45 ملین

Scanned with CamScanner

غیر ملکی دبئی آ چکے ہیں۔ ابھی دو ماہ باقی ہیں، ہم دشمنوں کے پروپیگنڈے کو خاطر میں لائے بغیر آگے بڑھتے جائینگے، ہم نے گلوبل اکنامک بحران سے محفوظ رہنے کے لیے دوررس حکمت عملی اختیار کی ہے۔ امریکا یورپ کے ادارے بینک انشورنس کمپنیاں عالمی اقتصادی بحران کی وجہ سے ڈیفالٹ کر گئیں۔ ہم احتیاط سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ وزیراعظم شیخ محمد بن راشد المکتوم سے مذکورہ ملاقات کے دس روز بعد ہی دبئی ورلڈ نے بانڈز کی رقوم کی تین چار ارب ڈالر کی واپسی جو 15 دسمبر 2009ء کو جانا تھی اس میں 6 ماہ کی مہلت مانگی ہے۔ دبئی کی رئیل اسٹیٹ بینکوں، مالیاتی اداروں، تعمیراتی کمپنیوں میں غیر ملکی سرمایہ کاروں کا 80 ارب ڈالر لگا ہوا ہے۔ بعض پاکستانیوں نے بھی کئی ارب روپے کی سرمایہ کاری کی ہوئی ہے 59 ارب ڈالر دبئی نے واپس ادا کرنا ہے۔ دبئی ورلڈ ایک ہولڈنگ کمپنی ہے جو درحقیقت مختلف بڑے بڑے تعمیراتی، مالی و مالیاتی اداروں کو تحفظ فراہم کرتی ہے، ان کے لیے چھاتہ ہے، مرکزی بینک کی حیثیت میں دبئی ورلڈ ہولڈنگ کمپنی ذمہ داری نبھا رہی ہے۔ ایک پلاننگ کے تحت دبئی ورلڈ نے چند ارب ڈالر کے قرضوں کی واپسی کو موخر کیا جس سے دبئی سٹاک ایکسچینج 8.3 فیصد اور ابوظہبی سٹاک ایکسچینج عیدالاضحیٰ کی تعطیلات کے پہلے روز گر گیا۔ اکتوبر 2008ء کے عالمی اقتصادی بحران کے بعد یہ گراوٹ سب سے زیادہ ہے، اس کا اثر ایشیائی اور ایشیائی بعید کی سٹاک مارکیٹوں پر بھی پڑا، جاپان نے بحران کو روکنے کے لیے 31 ارب ڈالر جاری کرنے کا اعلان 30 نومبر کو کیا۔ دبئی ورلڈ ہولڈنگ کمپنی 5 سالوں کے لیے جاری کئے جانے والے فارن کرنسی بانڈز کے خریداروں کو رقوم کی پانچ، سات ارب ڈالر کی رقم کی واپسی کے ایشو کو مزید بہتر طور پر ہینڈل کیا جا سکتا تھا۔ اس امر کی قطعاً ضرورت نہ تھی کہ دبئی غیر ملکی سرمایہ کاروں سے چھ ماہ سے قرض کی ادائیگی میں مہلت (Moratorium) مانگتا۔ ایسا کئے جانے سے سرمایہ کاروں کا اعتماد شیک (Shake) ہوا ہے، دبئی ورلڈ کے ذمے کل قرضے 59 ارب ڈالر کے تھے، ادائیگی صرف پانچ ارب ڈالر کی تھی۔ دبئی کے حکمران چاہتے تو گذشتہ بلوں کی طرح ابوظہبی سے قرضہ لے کر ادائیگی کر دیتے جس طرح گذشتہ سال انہوں نے ابوظہبی سے 20 ارب ڈالر کا ڈیٹ لے کر ڈیفالٹ کو ٹال دیا تھا۔ ابوظہبی والے اور خلیج تعاون کونسل والے جلد دبئی کو اس مالی مسئلے سے نکال لیں گے۔ موراٹوریم مانگ کر سرمایہ کاروں کے اعتماد کو جو دھچکا پہنچا ہے۔ اس کی وجہ سے دبئی مارکیٹ کی ریکوری کا پروسیس جو بے حد تسلی بخش طریقے سے جاری تھا اب اسے پٹڑی پر لانے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے مگر دبئی کے حکمران جو بے حد جرأت مند، دوراندیش اور وژن والے مدبر وزیراعظم ہیں، چند ہفتوں کے اندر دبئی کو مالی بحران سے نکال کر ترقی کی راہ پر گامزن کر دیں گے۔ یو اے ای کے وزیراعظم شیخ محمد بن راشد نے لگی لپٹی رکھے بغیر غیر ملکی صحافیوں کے سوالوں کا جواب دیا جس کے بعد انہوں نے پرتکلف ظہرانہ ترتیب دیا جس میں درجنوں سالم دنبوں کے علاوہ دنیا کے ہر ملک کا پھل، کھانے چنے گئے تھے، عرب روایت کے مطابق اونٹنی کے دودھ کی دہی، لسی، بھی صحافیوں کے لیے پرکشش تھی، ظہرانے کے بعد گروپ فوٹو ہوا۔ دبئی میں دنیا کی بلند ترین 160 منزلہ عمارت کی تعمیر مکمل ہو گئی ہے، داخلی تزئین و آرائش کا کام چند ہفتوں میں مکمل ہونے والا ہے، اس کا نام "برج الدبئی" رکھا گیا ہے جس پر اربوں ڈالر لاگت آئی ہے۔ دبئی کے دل ہاسہ (Delhasa) ڈرائیونگ سینٹر کے انسٹرکٹر محمد ندیم جن کا تعلق پنجاب کے شہر لالہ موسیٰ سے ہے نے دوران سفر بتایا کہ دبئی میٹرو کا ایک زون مکمل ہو گیا ہے جس کا افتتاح نو نو نو کو ہوا۔ وضاحت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ چھ بار 9 کا ہندسہ آپ نے بتایا ہے، مراد کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ شیخ محمد بن راشد المکتوم علامہ اقبالؒ کے تصور کی طرح انتہائی قابل عمل وژن کے حامل ہیں۔ انہوں نے دنیا کے طویل ترین آٹومیٹڈ میٹرو سسٹم ون گو میں جب شروع کیا، اس روز تاریخ 9 ستمبر 2009 تھی اور انہوں نے صبح 9 بج کر 9 منٹ 9 سیکنڈ پر دبئی میٹرو کا استعمال کیا جو دبئی انٹرنیشنل ایئرپورٹ سے جبل علی پورٹ کے ڈیوٹی فری زون تک جاتی ہے۔ یہ سو فیصد الیکٹرک ٹرین ہے، زیرو فیصد ایمیشن سے، اس کے گولڈ کلاس کیبن ہیں، اس میٹرو ٹرین میں کوئی ڈرائیور نہیں ہوتا، اس کا کرایہ 1.8 درہم ہے، ٹرین کے سارے راستے میں موبائل فون پر بات ہوتی رہتی ہے۔ دبئی میٹرو کا

Scanned with CamScanner

ٹریک سگنل پر بھی ہے۔ فضا میں بھی ہے۔ حتیٰ کہ شہر کے گنجان آباد علاقے میں کئی کئی درجن بلند و بالا عمارتوں کے زیر زمین بھی ہے۔ اگرچہ دبئی کا درجہ حرارت 48 سے 50 ڈگری سینٹی گریڈ تک جاتا ہے مگر ایئر کنڈیشنڈ میٹرو سسٹم میں انسانی جسم کے موافق/ساز گار درجہ حرارت 20 سے 24 ڈگری سینٹی گریڈ رکھا گیا ہے جو پاکستان میں ایئر کنڈیشنڈوں کو بھی 26 ڈگری سینٹی گریڈ پر رکھنے کا مشورہ پاکستان الیکٹرک پاور کارپوریشن ہمیشہ ٹی وی چینلوں اور پرنٹ میڈیا پر دیا کرتی ہے۔

دبئی میٹرو میں خواتین اور بچوں کے لیے مختص ڈبے لگائے گئے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے آئینہ دار ہیں۔ محمد ندیم نے بتایا کہ پلیٹ فارم پر سکرین ڈور ہیں۔ 3 ہزار کلوز سرکٹ ٹی وی کیمرے ٹرینوں اور سٹیشنوں پر میٹرو پولیس استعمال کر رہی ہے۔ میٹرو دبئی کی ریڈ لائن کھولی گئی ہے جس پر 29 سٹیٹ آف دی آرٹ میٹرو سٹیشن بنائے گئے ہیں جو امریکہ، یورپ، ملائیشیا، انڈیا، جاپان کے سٹیشنوں سے جدید ترین ہیں۔ یہ دنیا بھر کی جدید ترین ٹیکنالوجی کا حامل میٹرو سسٹم ہے جسے چین و جاپان، جرمنی نے تیار کیا ہے۔ اس میں آٹومیٹک ٹرین پروٹیکشن (اے ٹی پی) ہے۔ نیز سائیڈ آپٹیکل ڈی ٹیکشن کا نظام ہے۔ ٹرین کے آگے اور پیچھے کیمرے نصب کیے گئے ہیں جو ہمہ وقت ٹرین کی سرویلنس کرتے ہیں۔ ہر ٹرین کے 5 ڈبے ہیں۔ سارے نیٹ ورک میں وائی.....فائی تک رسائی مل رہی ہے۔ ہر ٹرین سٹیشن پر ایمرجنسی کال باکس لگائے گئے ہیں۔ ہر سٹیشن بسوں، ٹیکسیوں، پرائیویٹ کار ڈراپ آف اور پک اپ سے منسلک ہے۔ رشیدیہ، نخیل بندرگاہ اور نادر پر تین بڑے بڑے کار پارک ہیں۔ میٹرو کے لیے این اوائل کارڈ بطور ٹکٹ اور پارکنگ فیس استعمال ہو سکیں گے جو وینڈنگ مشین یا آر ٹی اے کے مجاز سیلز ایجنٹس سے دستیاب ہیں۔ نول کارڈز سے مشین سفر کا کرایہ آٹومیٹک منہا کر لیتی ہے۔ نول کارڈ سلور، گولڈ، بلیو اور سرخ کلر کے ہیں یہ کارڈ 500 درہم تک کے ہیں۔ دبئی میٹرو کے مسافر سیٹ پر پاؤں نہیں رکھ سکیں گے۔ میٹرو میں الکحل، نشہ آور مواد لے جانے پر پابندی ہوگی۔ سگریٹ نوشی ممنوع ہے۔ ٹرین کے اندر کھانے پینے پر پابندی ہے۔ بغیر ٹکٹ سفر یا دوسرے کے کارڈ پر سفر کرنے والے کو بھاری جرمانے ہونگے۔ میٹرو کارڈ دوبارہ رقم جمع کرا کر ری چارج کرائے جائینگے۔ 5 سال تک کی عمر اور 90 سینٹی میٹر سے کم قد کے بچے میٹرو میں مفت سفر کر سکیں گے۔

متحدہ عرب امارات میں ٹرانسپورٹ کے قواعد غریب، ان پڑھ، تعلیم یافتہ عام فرد اور حکمران خاندان کے ارکان سبھی کے لیے یکساں ہیں۔ نول یا سوز ڈرائیونگ سنٹر کے انسٹرکٹر محمد ندیم کے مطابق دنیا کی بلند ترین عمارت برج الدبئی جو 160 منزلہ ہے کا افتتاح 4 جنوری 2010ء کو کیے جانے کی اطلاع ہے۔ متحدہ عرب امارات کے نائب صدر، وزیر اعظم اور دبئی کے حکمران شیخ محمد بن راشد المکتوم اس افتتاحی تقریب کے مہمان خصوصی ہونگے۔ یہ بلند ترین بلڈنگ میزائل کی شکل کی ہے۔ اس کے ارد گرد 30 منزل سے چھوٹی کوئی بلڈنگ نہیں ہوگی۔ البتہ 30 سے 60 منزل والی 80 کے لگ بھگ عمارتیں بھی چھ ماہ کے اندر بن جائیں گی۔ محمد ندیم کے مطابق متحدہ عرب امارات میں ٹریفک رولز کی خلاف ورزی پر بھاری جرمانے عائد کیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے لاکھوں گاڑیاں شہر میں بڑے ڈسپلن سے چل رہی ہیں۔ ٹریفک حادثات نہ ہونے کے برابر رہ گئے ہیں۔ سیٹ بیلٹ کے بغیر گاڑی چلانے والے کو 400 درہم (9200 روپے) تک جرمانہ کیا جاتا ہے۔ غلط پارکنگ کرنے والے کو 2 سو درہم (46 سو روپے) کا ٹکٹ جاری ہوتا ہے۔ تیز رفتاری پر 600 درہم کا جرمانہ ہوتا ہے۔ 80 کلومیٹر کی حد رفتار پر 90 یا سو کلومیٹر تک گاڑی چلانے والے کو 600 درہم (13800 پاکستانی روپے) کا جرمانہ لگتا ہے۔ اسی طرح حد رفتار سے زیادہ 20 کلومیٹر اضافی رفتار پر دو دو سو درہم جرمانہ کیا جاتا ہے۔ ریڈ سگنل کراس کرنے پر 5 سو سے 5 ہزار درہم جرمانہ ہے۔ 24 پوائنٹس والے لائسنس سے 6 پوائنٹس حذف ہوتے ہیں۔

دبئی، ابوظہبی وغیرہ میں ڈرائیونگ لائسنس کا اجراء جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ڈرائیونگ لائسنس کے خواہاں افراد کو آر ٹی اے (Road Transport Authority) دستاویزات پیش کرنا ہوتی ہیں۔ دستاویزات صرف وہ شخص بھجوانے کا مجاز ہے جس نے کسی رجسٹرڈ

Scanned with CamScanner

ڈرائیونگ سکول رسنٹر سے ایک ایک گھنٹے کی چالیس کلاسز لی ہوں ایک گھنٹے کی ایک کلاس کی فیس 70 درہم (1610 روپے) ہے۔ ڈرائیونگ سکول رسنٹر کے سپروائزر پہلے متعلقہ شخص کی اسیسمنٹ (Assessment) کرتا ہے وہ منظوری دے تو آر ٹی اے روڈ ٹیسٹ لیتی ہے اگر ڈرائیونگ ٹیسٹ کے دوران غلطی سرزد ہو گئی تو پھر اسے مزید چھ کلاسیں لے کر دوبارہ ٹیسٹ میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ ٹیسٹ میں بیٹھنے کی فیس 210 درہم (4830 روپے) ہے۔ دبئی میں رہائش بے حد مہنگی ہے۔ پاکستانی اور دوسرے ملکوں کی غیر ہنر مند لیبر کو سات سو درہم (16100 روپے) ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ اوور ٹائم پورا مہینہ ملے تو 12 سو درہم (26600 روپے) ماہانہ ضرور کما سکتا ہے۔ گندا ترین کمرہ رہائش کے لیے ایک لاکھ روپے ماہانہ سے کم نہیں ملتا۔ اس لیے پاکستان اور دوسرے ملکوں کے محنت کش ایک کمرہ کرائے پر لے کر اس میں آٹھ دس افراد رہائش پذیر ہیں۔ انتہائی بدبودار گندے کمرے میں وہ اکٹھے کھانا پکاتے ہیں کیونکہ اگر سب سے نچلے درجے کی دکان سے کھانا کھائیں تو وہ گھر والوں کو کچھ نہیں بھجوا سکیں گے۔ جن محنت کشوں کے بیوی بچے والدین پاکستان میں ہیں وہ اگر یہ سطور پڑھ رہے ہوں تو انہیں بیرون ملک مزدوری کے لیے اپنے پیاروں کی حالت زار کا تھوڑا بہت اندازہ ہوگا کہ جو انتہائی نامساعد، ناخوشگوار، غیر انسانی حالت میں رہ کر ان کے لیے مہینے بھر کی بچائی ہوئی رقم پانچ دس ہزار روپے بھجوا پاتے ہیں۔ انہیں شیر مادر کی طرح بے رحمی سے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ غیر ملکی میڈیا ٹیم کو یاس آئی لینڈ کی سیر کرائی گئی جہاں اٹلی کی تیز رفتار ترین موٹر کار ''فراری'' کی ریس کا خصوصی ٹریک بھی بنایا گیا ہے۔ اس ٹریک پر 320 کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے گاڑیاں دوڑ سکتی ہیں۔ یعنی اسلام آباد لاہور کا سفر 70 منٹ میں طے ہو سکتا ہے۔ یہاں ڈیڑھ ہزار سے زائد جدید ترین سہولیات سے مزین کمرے 7 ہوٹلوں میں بنائے گئے ہیں۔ یاس آئی لینڈ جنگل میں منگل بنا ہوا ہے جو ایک جزیرے پر تعمیر ہے۔ اس جدید ترین شہر میں ایک لاکھ کی آبادی کے لیے دنیا کی ہر اقسام کی سہولیات مہیا ہیں۔ فراری ریس دیکھنے کا ٹکٹ 23 ہزار روپے سے ڈیڑھ لاکھ روپے تک ہے۔ ہوٹل کے کمرے کا کرایہ 30 ہزار سے 50 ہزار روپے فی رات ہے۔ یہاں عالمی شہرت کے جوا خانوں کے شہر لاس ویگاس سے بھی جدید ترین رولر کوسٹر ہیں جو 5 کلومیٹر کا فاصلہ ایک منٹ میں طے کرتے ہیں۔ فراری کا ہزاروں فٹ لمبا سینکڑوں فٹ چوڑا ماڈل یہاں بنا ہوا ہے۔ جزیرے کے چاروں طرف سمندر ہے اور اسے شیخ خلیفہ پل کے ذریعے ابوظہبی سے گذشتہ ماہ منسلک کیا گیا ہے۔ یہ شہر بنانے کے لیے 45 ہزار نفوس دن رات کام میں مصروف ہیں۔ دو سال میں یہ شہر آباد ہو جائے گا۔

ایمریٹس سنٹر آف سٹریٹجک سٹڈیز اینڈ ریسرچ کے ڈائریکٹر جنرل کی طرف سے دی گئی بریفنگ میں متحدہ عرب امارات کی قومی اسمبلی (فیڈرل نیشنل کونسل) کے عبدالعزیز الغدیر نے عالمی میڈیا کو بتایا کہ کونسل میں 23 فیصد نشستیں عورتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ پارلیمنٹ خودمختار ہے۔ حکومت سوچ رہی ہے کہ وفاقی کونسل کے ارکان کے چناؤ کے لیے ہر حلقے میں ہزاروں افراد کا انتخابی کالج بنائے۔ مصدر کے چیف ایگزیکٹو افسر سلطان الجابر نے اپنے ادارے کے متعلق بریفنگ دی۔ رات کو وزیر مملکت برائے خارجہ ڈاکٹر انور گرگاش نے ایمریٹس پیلس ہوٹل میں عشائیہ دیا۔ آخری روز انور گرگاش نے صحافیوں کو خارجہ پالیسی کے بارے میں بریفنگ دی جس کے بعد یو اے ای کی وزیر غیر ملکی تجارت شیخ لبنیٰ القاسمی نے غیر ملکی ٹیم کو نہ صرف متحدہ عرب امارات بلکہ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن، عالمی اقتصادی بحران اور دنیا کی معیشتوں کے بارے میں اعداد و شمار کے ساتھ معلومات بہم پہنچا کر سبھی کو حیرت میں ڈال دیا۔ پاکستان کے وزیر تجارت کا علم شیخ لبنیٰ کے علم کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔ ہماری آخری مصروفیت شیخہ فاطمہ زوجہ شیخ زید بن سلطان النہیان کی بنائی ہوئی جنرل وومن یونین کا دورہ تھا۔ وہاں میڈیا ٹیم کو پھول یو اے ای کے پرچم کے رنگوں والے مظاہر پیش کئے گئے ثقافتی شو ہوا اور انواع و اقسام کے کھانوں پر محیط ظہرانہ پیش کیا گیا۔

46 ملکوں کے عالمی اجتماع میں روس سے لے کر امریکہ آسٹریلیا سے لے کر برطانیہ تک کے سینئر صحافی نیشنل میڈیا کونسل کے

Scanned with CamScanner

ڈائریکٹر جنرل ابراہیم العابد ہیڈ آف میڈیا افیئرز محترمہ اخلاص اسٹکلی ان کے معاون محترم محمود پر مشتمل ٹیم کی نگرانی میں 20 نومبر کو یو اے ای کے ہائر ایجوکیشن اینڈ سائنٹفک ریسرچ کے وفاقی وزیر شیخ النہیان بن مبارک النہیان کے عشائیے میں گئے۔ شیخ النہیان نے پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن کمپنی لمیٹڈ یوفون وغیرہ ریکارڈ شفاف بولی دے کر خریدے ہیں۔ ان کی پاکستان میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری ہے۔ وہ پاکستانیوں سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے عشائیے میں انواع واقسام کے عرب کھانے بنوائے تھے۔ عشائیے سے قبل وہ غیر ملکی میڈیا ٹیم کے سوالوں کا جامع جواب انہماک سے دیتے رہے۔ شیخ النہیان نے برطانیہ میں تعلیم حاصل کی ان کا ملکی معاملات بین الاقوامی ایشوز پر بے حد عبور حاصل ہے۔ اسی وجہ سے غیر ملکی صحافیوں کے سوالات کے انہوں نے بھرپور مدلل جواب دیئے۔ شیخ النہیان نے کہا کہ 1971ء میں یو اے ای کے جن تین جزائر گریٹر (LESSE-TUMB(TUMB) اور ابوموسیٰ پر ایران نے مسلسل قبضہ کر رکھا ہے۔ متحدہ عرب امارات ان جزائر کا مکمل حاکمیت کے ساتھ واپسی کا معاملہ عالمی عدالت انصاف میں اٹھانے کا جائزہ لے رہا ہے۔ ان جزائر کے ساتھ علاقائی سمندر اور فضائی راستے کی حدود اور اہم تجارتی زون شامل ہیں جو یو اے ای کا حصہ ہیں۔ شیخ النہیان نے کہا کہ ہم عالمی برادری سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ایران پر زور دے کر متحدہ عرب امارات کے اس سلسلے میں کئے جانے والے پرامن اور مخلصانہ اقدامات کا مثبت جواب دیں۔ ہمارے ان اقدامات کی خلیج تعاون کونسل اور عرب لیگ نے مکمل حمایت کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ متحدہ عرب امارات کی تاریخ میں 42.2 ارب درہم کا 2009ء کا وفاقی بجٹ حجم کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے جو 2008ء سے 21 فیصد اور 2005ء سے 100 فیصد زیادہ ہے۔

متحدہ عرب امارات کے نائب صدر وزیر اعظم اور دبئی کے حکمران شیخ محمد راشد المکتوم کا کہنا تھا کہ ہم نے توانائی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے پرامن ایٹمی پروگرام بھی شروع کر رکھا ہے جس سے مستقبل میں ہماری توانائی کی ضروریات پوری کرنے میں مدد ملے گی۔ ہم پاکستان کے ساتھ دو طرفہ تعلقات کو مزید فروغ دینے کے خواہشمند ہیں۔ دونوں ملکوں کے مابین سٹرٹیجک پارٹنرشپ قائم ہے۔ ہمارے سفارتی تعلقات باہمی عزت واحترام مساوات اور تعاون پر مبنی ہیں۔ ہمارے مذہب اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے ملک نے ہر قسم کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستانی حکومت کو ہر قسم کے تعاون کی پیشکش کی ہے۔ 46 ممالک کے صحافیوں کو بریفنگ کے دوران یو اے ای کے اقتصادی ترقی کے انڈر سیکرٹری محمد عمر عبداللہ نے کہا کہ یو اے ای نے وژن 2030ء بنایا ہے جس کے لیے 16 ارب درہم مختص کئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یو اے ای نے اکنامک وژن 2030ء تشکیل دیا ہے۔ اقتصادی ترقی کے ڈیپارٹمنٹ کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس وژن کو پلان کی شکل دیں اس کا مقصد یہ ہو کہ اس سے یو اے ای معیشت کی شرح نمو کم نہ ہو بڑھتی جائے۔ یو اے ای مجموعی داخلی پیداوار میں سالانہ 7 فیصد اضافے کو برقرار رکھنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے جو نان آئل سیکٹر کی ہے۔ آئل سیکٹر کی گروتھ اس کے علاوہ ہے اس کے لیے 16 بلین درہم سے شیخ خلیفہ فنڈ قائم کیا گیا ہے۔ محمد عمر عبداللہ نے کہا کہ کیمیکلز، قابل تجدید توانائی، دفاع، آئل گیس وغیرہ کے شعبوں کے لیے پلان بن رہا ہے۔ اس کے تحت فنی مہارت اور تعلیم و تجربہ کا اہتمام ہونے لگا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ایک سو سال کے لیے تیل موجود ہے۔ ترقی میں تسلسل صرف تیل کی وجہ سے نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے عوام کا کلچر ماڈرن بنائینگے ان کے ذہنوں میں بزنس کلچر ڈالیں گے۔ فوری طور پر ایک بلین درہم وژن 2030ء کے لیے جاری کئے گئے ہیں۔ محمد عمر عبداللہ نے کہا کہ امارات کے دفاع کے لیے سارے وسائل مہیا کئے جا رہے ہیں۔ یو اے ای میں ٹریفک قوانین پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ سرخ اشارہ کراس کرنے کا تصور نہیں ہوتا۔ اسے دو ہزار درہم (46 ہزار روپے) یا اس سے زیادہ بھی جرمانہ ہوتا ہے۔ سڑک کو پیدل عبور کرنے والوں کے لیے زیبرا کراسنگ ہے اگر آپ سڑک کراس کر رہے ہیں تو یورپ کی طرح آنے والی گاڑی کھڑی ہو کر آپ کو سڑک کراس کرنے کا موقع دے گی۔ خریدی ہوئی چیز کے بارے میں اگر آپ مطمئن نہیں ہیں

Scanned with CamScanner

تو آپ اس دکان یا سٹور پر نہ صرف واپس کرنے کے مجاز ہیں بلکہ اگر آپ نے متعلقہ محکمے سے شکایت کر دی تو متعلقہ محکمہ آپ کی شکایتیں دور نہیں کرے گا بلکہ غیر معیاری اشیا فروخت کرنے والے کو موقع پر سخت سزا دے گا۔

متحدہ عرب امارات میں رہائش بے حد مہنگی ہے۔ ایک بیڈ روم کا سالانہ کرایہ 70 ہزار درہم ابوظہبی میں ہے جبکہ محنت کش پاکستانی ایک گندا کمرہ ایک لاکھ روپے میں لے کر اس میں آٹھ اوپر نیچے بستر لگانے پر مجبور ہیں۔ متحدہ عرب امارات میں پاکستان کے سفارتخانے کا کردار پاکستانیوں کی بہبود کے حوالے سے نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیبر اتاشی کرنل اتاشی، سوشل اتاشی، قونصلر کا پاکستانیوں سے رویہ بے حد حقیرانہ ہے۔ دبئی کے قونصل خانے میں پریس اتاشی، لیبر اتاشی، اپنی منصبی ذمہ داریاں پوری کرنے کی بجائے سرکاری ٹیلیفون کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ یو اے ای کے میڈیا میں پاکستان کے بارے میں منفی کے علاوہ کوئی مثبت خبر ہمارے قیام کے دوران نظر نہیں آئی۔ یو اے ای میں پاکستانی پریس قونصلر کو متحرک ہونا چاہئے فعال ہونا چاہئے۔

متحدہ عرب امارات میں کھانے پینے کا سامان بے حد خالص ہے۔ ہر ایک شے پر ایک Expiry Date درج کی جاتی ہے۔ زائد المیعاد یا ناقص خوراک کا تصور نہیں ہے۔ یو اے ای کی آبادی 2009ء کے تخمینے کے مطابق 50 لاکھ 60 ہزار ہے۔ اس میں ایک لاکھ 64 ہزار اماراتی ہیں۔ غیر ملکی 2007ء میں 36 لاکھ سے زائد تھے۔ اس وقت 30 لاکھ مرد 14 لاکھ خواتین تھیں۔ آبادی کی سالانہ شرح نمو 6.3 فیصد (2009-2008ء) ہے سب سے زیادہ آبادی ابوظہبی میں 15 لاکھ ہے۔ سب سے کم آبادی ام القوائین میں 52 ہزار افراد رہتے ہیں۔ یو اے ای کا سرکاری مذہب اسلام ہے مگر دنیا کے 100 سے زائد ممالک سے آئے ہوئے لوگوں کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کی آزادی ہے اوسط عمر 73 سال ہے۔ فی کس آمدنی ایک لاکھ 62 ہزار درہم (2007ء) سالانہ ہے۔ یونیورسٹیوں میں 75 فیصد خواتین تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ یو اے ای میں 60 یونیورسٹیاں کام کر رہی ہیں۔ 30 فیصد خواتین یو اے ای کی ورک فورس میں شامل ہیں۔ 70 فیصد یو اے ای کے لوگ خواندہ ہیں۔ یو اے ای کی جی ڈی پی 729.23 ارب درہم ہے۔ یومیہ 22 لاکھ بیرل تیل یو اے ای برآمد کر رہا ہے۔ سالانہ برآمدات 664.34 بلین درہم سے زیادہ ہیں۔ فری زون کی برآمدات 83.7 بلین درہم (2007ء) میں درآمدات 428.19 بلین درہم سالانہ ہیں سرکاری دفاتر جمعہ اور ہفتہ کو بند رہتے ہیں۔

2008ء کے دوران یو اے ای کی معیشت نے 7.4 فیصد شرح نمو ریکارڈ کی۔ وزارت اقتصادیات کے ابتدائی اعداد و شمار میں 2008ء میں یو اے ای کے مجموعی قومی پیداوار (جی ڈی پی) مقررہ قیمتوں میں 535.6 ارب درہم رہی جو کہ پچھلے مالی سال 2007ء کے 498.7 ارب درہم سے 5.2 فیصد زیادہ رہی۔ موجودہ قیمتوں پر مجموعی قومی پیداوار پچھلے سال 2007ء کی 729.7 ارب درہم کے مقابلہ میں 2008ء میں تقریباً 929.4 ارب درہم رہی۔ متحدہ عرب امارات کی اقتصادی اور اس کے بنیادی مالی اشارے مضبوط اور مستحکم رہے کیونکہ ملک کے رہنماؤں نے قومی معیشت اور علاقائی بینکوں کے نظام کو عالمی بحران کے اثرات سے بچنے کے لیے کئی اقدامات اٹھائے۔ انہوں نے اپنی معیشت کو مستحکم رکھنے کے لیے 120 ارب درہم (32.7 ارب ڈالر) کی سرمایہ کاری کی، یہ دو اقساط میں ہوئی، پہلے یو اے ای کے مرکزی بینک نے اپنے بینکوں کے لیے 50 ارب درہم مہیا کئے اور دوسری قسط میں 70 ارب درہم وزارت اقتصادیات کو جاری کئے جا رہے ہیں کہ ایسا نظام تشکیل دے کہ جیسے اور جب ان کی ضرورت پیش آئے بینکنگ شعبہ کو جاری کئے جائیں۔ وزیر اقتصادیات کے مطابق تیل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے ہماری معیشت میں تیزی سے اضافہ ہوا، تیل کی فی بیرل قیمت پچھلے سال کے وسط میں 147 ڈالر فی بیرل رہی لیکن تیل کی قیمتوں میں کمی سے (38.6 ڈالر فی بیرل) معیشت سست روی کا شکار ہوئی۔ شرح نمو میں اضافہ زیادہ تر تیل کی قیمت میں اضافہ کی وجہ سے ہوا۔

Scanned with CamScanner

متوازن مالیاتی اکاؤنٹ کے دوبارہ قیام سے بھی ترقی کا عمل تیز ہوا ہے جو کہ پچھلے سال کے تیل کی قیمتوں میں اضافہ کے نتیجہ میں متوازن ہوئی تھی۔ فعال معاشی اور مالی پالیسیوں اور تیل کی قیمتوں سے حکومت اس قابل ہوئی ہے کہ ایک اضافی بجٹ پیش کیا جائے۔

2008ء میں متحدہ عرب امارات کی حکومت نے جوہری توانائی کے پرامن استعمال کے حوالے سے تفصیلی پالیسی کا اعلان کیا۔ یہ پالیسی 2020ء تک عرب امارات کی توانائی کی ضروریات میں متوقع سو فیصد سے زیادہ اضافے کو مد نظر رکھ کر بنائی گئی ہے۔ متحدہ عرب امارات کے قدرتی گیس کے دستیاب ذخائر اس میں سے صرف 50 فیصد ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں۔ اس لیے حکومت جوہری توانائی کو ضروریات پورا کرنے کی بہترین ضمانت تصور کرتی ہے۔ متحدہ عرب امارات کی جوہری توانائی کی پالیسی نے جوہری توانائی کی بین الاقوامی ایجنسی آئی اے ای اے کے ساتھ مشاورت کے بعد اس پالیسی پر عملدرآمد کا منصوبہ تیار کیا ہے اور ابتدائی طور پر اس کے لیے ایک سو ملین ڈالر رقم مختص کی گئی ہے جبکہ ایک مکمل طور پر خود مختار نیوکلیئر ریگولیٹری اتھارٹی کے قیام کے سلسلے میں قانون سازی کا عمل بھی جاری ہے۔ اس منصوبہ پر عمل موجودہ بجلی گھروں کی مثال کے تحت غیر ملکی سرمایہ کاروں کے تعاون سے عمل کیا جائے گا۔ متحدہ عرب امارات نے اپنے جوہری بجلی گھروں کے لیے ایندھن کو خود افزودہ کرنے کی بجائے بیرون ملک سے محفوظ درآمد کا فیصلہ کیا ہے اور اگر ممکن ہوا تو استعمال شدہ جوہری ایندھن کو محفوظ انداز میں ٹھکانے لگانے کے لیے بھی ایسی ہی حکمت عملی اختیار کی جائے گی۔ چنانچہ متحدہ عرب امارات نے اب تک امریکہ، جاپان اور فرانس کے ساتھ جوہری تعاون کے معاہدوں پر دستخط کئے ہیں۔ متحدہ عرب امارات میں تعمیر کئے جانے والے مجوزہ 14 جوہری بجلی گھروں سے بجلی کی پیداوار 2020ء تک 20 گیگاواٹ تک پہنچ جائے گی۔ چنانچہ ہم ہر سال اضافی 40 ارب کیوبک میٹر گیس یا 35 ملین ٹن تیل برآمد کر سکیں گے۔ وزیر خارجہ نے جوہری توانائی کے حصول کے فیصلہ کی وضاحت کرتے ہوئے قبل ازیں بتایا تھا کہ ان کا ملک اپنی توانائی کی ضروریات پورا کرنے کو یقینی بنانے کے لیے ایک ذمہ دار ریاست کی حیثیت سے جوہری توانائی کے عالمی اداروں اور معاہدوں کی مکمل طور پر پاسداری کرے گا اور اس حوالے سے بھرپور شفافیت کو یقینی بنائے گا اور یورینیم کو مقامی طور پر افزودہ نہ کرنے کا فیصلہ اس مقصد کے لیے کیا گیا ہے۔

ابوظہبی فیوچر انرجی کمپنی کے ذیلی ادارے مصدر نے شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے شمسی توانائی پیدا کرنے والے پہلے پلانٹ کی تعمیر شروع کر دی ہے۔ یہ دنیا کے سب سے بڑے شمسی بجلی گھروں میں ایک ہوگا۔ یہ ابتدائی طور پر مصدر سٹی کی تعمیراتی سرگرمیوں میں معاونت کے لیے بجلی فراہم کرے گا اور بعد ازاں مصدر انسٹیٹیوٹ کے لیے بجلی کی فراہمی کا بڑا ذریعہ بن جائے گا۔ مصدر انسٹیٹیوٹ کا آغاز رواں سال کے آخر میں ہو جائے گا اور شمسی بجلی گھر سے پیدا ہونے والی اضافی بجلی کو قومی گرڈ کو فراہم کیا جائے گا۔ 10 میگاواٹ پیداواری صلاحیت رکھنے والے اس بجلی گھر میں کل 87,777 پینل استعمال ہونگے اور اس ماحول دوست منصوبہ کے نتیجہ میں ماحول کو نقصان پہنچانے والی گیس کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اخراج میں سالانہ 15 ہزار ٹن کی کمی ہو سکے گی۔ یہ بجلی گھر خطہ میں متبادل توانائی کے حصول کے لیے ایک ماڈل کا کام دے گا۔ مصدر کے چیف ایگزیکٹو آفیسر سلطان الجابر کے مطابق حکومت کی طرف سے عالمی شراکت داری کے 2030ء تک کے لیے مقرر کردہ اہداف کے حصول میں اہم ترین کردار ادا کرے گا۔

جون 2009ء میں متحدہ عرب امارات نے قابل تجدید توانائی کے بین الاقوامی ادارے (آئی اے ای این اے) کا ہیڈ کوارٹر ابوظہبی میں قائم کرنے کا فیصلہ کرانے میں کامیابی حاصل کی۔ یہ کامیابی اسے 136 رکنی تنظیم کے جرمنی اور آسٹریلیا جیسے ارکان کے سخت مقابلے کے باوجود حاصل ہوئی۔ زبردست سفارتکاری کے نتیجہ میں حریف ممالک نے مقابلے سے دو ماہ قبل متحدہ عرب امارات کے حق میں دستبردار ہونے کا اعلان کیا۔ مصدر سٹی ہی آئی آر ای این اے کے ہیڈ کوارٹر کے قیام کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ اس منصوبے سے ترقی پذیر اور غریب ترین

Scanned with CamScanner

ممالک خاص طور پر مستفید ہونگے اور روایتی ایندھن پر ان کا انحصار بھی کم ہوگا جو آلودگی پیدا کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ بحری راستوں سے ہونے والی ترسیلات ودرآمدات کے تحفظ کی ذمہ دار پاکستان نیوی ہے اس کے علاوہ پاک بحریہ امن کی حالت میں بھی اور جنگ کی صورت میں بھی ملکی برآمدات کے منزل مقصود تک پہنچائے جانے اور درآمدات کو بحفاظت ملکی بندرگاہوں، کراچی، بن قاسم، گوادر تک کی بحفاظت پہنچنے کی ضامن ہے۔ اس چیز کا براہ راست تعلق پاکستان کی معاشی ترقی سے ہے گلف سے آئل کی درآمدات سمندر کے راستے سے ہورہی ہیں اور پاکستان بھر کے طیارے، موٹر گاڑیاں، فیکٹریاں، مواصلات، انرجی کا انحصار درآمدی آئل اور اس کی مصنوعات پر ہے۔ پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن جو درجن بھر کارگو جہازوں کی مالک تھی اسے کرپٹ حکومتوں نے برباد کر دیا ہے جس کے نتیجے میں پاکستان تقریباً سبھی درآمدات و برآمدات غیر ملکی جہاز ران کمپنیوں کے ذریعے کی جارہی ہے۔

بحری راہداریاں جتنی محفوظ ہونگی غیر ملکی شپنگ کمپنیوں کے کارگو جہاز آتے ہی محفوظ طریقے سے پاکستانی بندرگاہوں پاکستان کے سپیشل اقتصادی زون کو استعمال کرینگے جو اس وقت دو سو ناٹیکل میل ہے جسے (Exclusive Economic Zone) بھی کہتے ہیں حکومت پاکستان اب ای ای زی (مخصوص اقتصادی زون) کی حد 350 ناٹیکل مائل کرنے کے لیے کیس اقوام متحدہ بھجوار کھا ہے جس پر یواین سپیشل کمیٹی بنائی گئی ہے جو پاکستان کی ای ای زی کو دو سو سے 350 ناٹیکل میل بنانے پر فیصلہ دے گی۔ علاقائی و عالمی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کے تناظر میں پاکستان بحریہ کو عالمی و علاقائی چیلنجوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی بحری قوت میں متناسب اضافہ کرنا ہوگا اس کے لیے ایٹمی آبدوز کا حصول ناگزیر ہے۔ اس کے ساتھ جدید ترین جنگی جہازوں (WAR SHIPS) کی پاکستان کے بحری بیڑے میں شمولیت وقت کی آواز ہے۔ اس حوالے سے ضروری کاوش کی جارہی ہے۔ اس میں اہم ترین پیش رفت کراچی شپ یارڈ (KARACHI SHIPYARD) میں وار شپ اور میزائل بوٹ (MISSILE BOATS) کی تیاری ملکی وسائل بروئے کار لاتے ہوئے شروع ہوگئی ہے جو پاکستان کی خود مختاری کی طرف قابل تحسین کوشش ہے۔ پی این ایس "اصلت" جو کراچی شپ یارڈ میں چینی تعاون سے تعمیر کیا گیا، بحری بیڑے میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اصلت میں جدید ترین میزائل تارپیڈو سونار سسٹم نصب کیا گیا ہے یہ آبدوز شکن اور خشکی پر دشمن کی تنصیبات تباہ کرنیوالے میزائلوں سے بھی لیس ہے۔ دشمن کی آبدوزوں اور جنگی جہازوں کیخلاف موثر کارروائی کرنے کی جملہ صلاحیتوں کا حامل ہے۔

پاکستان نے "پی این ایس وحشت" میزائل بوٹ تیار کر کے سمندر میں اس کے ٹیسٹ اینڈ ٹرائل (TEST AND TRIAL) کامیابی سے مکمل کیے ہیں اور عنقریب یہ بوٹ پاک بحریہ کے بیڑے میں شامل ہوجائے گی۔ وحشت پر ایسے میزائل نصب کیے گئے ہیں جو دشمن کی 190 کلومیٹرز مین پر موجود تنصیبات کو آن واحد میں تباہ و برباد کر کے رکھ چھوڑے گی۔ یہ عظمت کلاس کی میزائل بوٹ ہے جو چین کے تعاون سے پاکستان شپ یارڈ میں پاکستان کے محنتی، محب وطن، ہنرمندوں کی مدد سے تکمیل کے مراحل میں ہے۔ پاکستان نیوی مزید میزائل کشتیاں تیار کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور بوقت ضرورت میزائل بوٹ کم سے کم وقت میں ملکی وسائل سے تیار کرے گی۔

انڈیا نے روس سے ایٹمی آبدوزیں حاصل کرنے کا آغاز کر دیا ہے۔ انڈین نیوی نے روس کے تعاون سے آئی این ایس آری ھانت (ARIHANT) تعمیر کر کے اپنے بحری بیڑے میں شامل کر لی ہے جو کئی کئی ماہ تک سمندر کی تہہ میں آپریٹ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ہمارے نام نہاد دوست امریکہ اور یورپی ممالک نے تاحال ہمیں ایک بھی ایٹمی آبدوز نہیں دی۔ جبکہ بھارت جو امریکہ سے دھڑا دھڑ سویلین نیوکلیئر ٹیکنالوجی اور جنگی ساز وسامان حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ روس سے طیارہ بردار جہاز ری ماڈلنگ کرا کر اپنے بحری بیڑے میں شامل کر لیا ہے بھارتی طیارہ بردار جہاز وکرانت (VIKRANT) انڈیا کی بلیو واٹر نیوی ڈاکٹرائن (INDIA's BLUE WATER NAVY

Scanned with CamScanner

(DOCTRINE) کو کامیابی سے آگے بڑھانے کا ایک حصہ ہے۔

اس تناظر میں پاکستان نیوی کی دفاعی استعداد حکمرانوں کو بڑھانی چاہیئے۔ بالخصوص ایٹمی آبدوز کم سے کم سالوں میں پاک بحریہ کے بیڑے میں شامل کرنا چاہیئے۔ پاکستان کے پاس آگستا 90 براوو اور آگستا 70 براوو ٹائپ کی پانچ آبدوزیں ہیں جو فرانس سے خریدی گئیں اور دو پاکستان نیوی ڈاکیارڈ (PAKISTAN NAVAL DOCKYARD) میں ٹرانسفر آف ٹیکنالوجی کے تحت فرانسیسی تعاون سے پاکستان نے خود بنائی ہیں۔ پاکستان کے پاس جدید ترین آبدوزیں بنانے کی بھرپور صلاحیت ہے۔ بوقت ضرورت پاکستان نیوی ڈاکیارڈ اپنی اس صلاحیت سے بھرپور استفادہ کر سکتا ہے۔ ایٹمی آبدوز کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ جتنی جلدی پاکستان نیوی کی اس ضرورت کا حکومت احساس کر لے اتنا ہی ملکی معیشت اور سمندری دفاع کے لیے فائدہ مند ہوگا۔

عالمی سطح پر پاکستان نیوی وطن عزیز کا پرچم بلند کیے ہوئے ہے۔ بحری قزاقی کے خلاف عالمی ٹاسک فورس کا پاکستان 2004ء سے ممبر چلا آ رہا ہے اور پانچ بار اس ٹاسک فورس کی کمان کر چکا ہے۔ سمندروں میں دہشت گردی کے خلاف بھی ایک عالمی ٹاسک فورس قائم کی گئی ہے جس میں پاکستان سرگرم رول ادا کر رہا ہے۔ ٹاسک فورس 150 اور ٹاسک فورس 151 ایک بحری قزاقی کے خلاف اور ایک بحری دہشت گردی، منشیات مافیا کے خلاف ایکشن کرتی ہے۔ سمندر میں بحری قزاقوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے سپیشل سروسز گروپ نیوی پر مشتمل اینٹی پائریسی یونٹ (ANTI PIRACY UNIT) پاک بحریہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ جس میں سپیشل فورسز بوٹس (BOATS) سی کنگ ہیلی کاپٹرز حصہ لیتے ہیں۔ جناح نیول بیس اور ماڑہ کو پاک بحریہ کے ثانوی بحری بیس (SECONDARY NAVAL BASE) کے طور پر ترقی دی جا رہی ہے جو آپریشنل ہو چکا ہے اس کے قیام سے پاکستان کا بحری دفاع مزید مستحکم و موثر ہو گیا ہے۔ اس کے گونا گوں سٹریٹجک فوائد ہیں جن سے انکار ممکن نہیں کراچی کے علاوہ اور ماڑہ کے جناح نیول بیس سے بھی پاک بحریہ جنگی آپریشن کرنے کی صلاحیت کی حامل ہو گئی ہے۔ پاک بحریہ اگرچہ ملاحوں افسروں سامان حرب کی تعداد کے حوالے سے دشمن سے پانچ چھ گنا چھوٹی ہے مگر پاکستان نیوی ایک ڈیفنس فورس ہے یہ کسی بھی دوسرے ملک کے خلاف جارحانہ عزائم بھارت کی طرح ہی رکھتی ہے مگر یہ پاکستان کے 996 کلومیٹر طویل ساحل کی موثر حفاظت کے لیے ایسی صلاحیت کی حامل ہے کہ دشمن بھی وقت آنے پر ششدر رہ جائے گا۔ سمندری سرحدوں اور ساحلوں کی حفاظت تو پاک بحریہ کر ہی رہی ہے وزیراعظم نواز شریف نے اقتدار سنبھالنے کے بعد کراچی کے قریب ساحل مکران پر ایک ایک ہزار میگاواٹ کے جن دو نئے ایٹمی بجلی گھروں کی چین کے تعاون سے تعمیر کا آغاز کیا اسی طرح کوئلے سے تیرہ سو میگاواٹ بجلی پیدا کرنے والے دو تھرل پاور سٹیشنوں کا سنگ بنیاد رکھا ان کے تحفظ کی ذمہ داری بھی پاکستانی فورسز پر عائد کی گئی بحری سرحدوں اور ساحلی پٹی کی حفاظت کے ساتھ ساتھ پاک بحریہ اپنے وسائل کیسے تعلیم صحت پینے کے پانی کی فراہمی وغیرہ کی سہولیات 40 ہزار کی اور ماڑہ کی آبادی اور ساحل مکران پر موجود ساری آبادیوں کو فراہم کر رہی ہے۔ کیڈٹ کالج اور ماڑہ، پی این ایس درمان جاہ (DARMAN JAH) اور ماڑہ، پی این ماڈل سکول گوادر، انڈسٹریل ہوم، جیونی میں بحریہ ماڈل سکول اور ساحلی پٹی پر میڈیکل تنصیبات علاقے کے ہزاروں افراد کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئے ہیں اس علاقے میں بحریہ نے کنوئیں کھود کر مقامی آبادی کو پینے کے صاف پانی کی فراہمی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ جس کے نتیجے میں مقامی آبادی اور بحریہ میں بھرپور تعاون سے نیول چیف کا وژن اجاگر ہو رہا ہے۔ بلوچستان کے عوام کی فلاح و بہبود اور خوشحالی کے لیے حکومت کے علاوہ پاکستان نیوی جو کاوشیں کر رہی ہے ان سے بلوچستان کے عوام میں وطن عزیز کے لیے محبت بڑھ رہی ہے کیونکہ ان تعلیمی اداروں میں 50 فیصد نشستیں بلوچستان کی آبادی کے لیے مخصوص کی گئی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

اکتوبر 2017......قومی معیشت کا احوال

12 اکتوبر 2017 کو آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ نے فیڈریشن آف پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے معیشت اور سلامتی پر سیمینار میں کلیدی خطبہ پیش کیا جس میں انہوں نے قومی معیشت کا متوازن تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ حکومت کے چار سالوں سے زائد عرصے میں انفراسٹرکچر اور توانائی کے شعبے میں بہتری آئی۔ٹیکس وصولی میں اضافہ ناگزیر ہے پڑوس میں جھگڑالو بھارت اور غیر مستحکم افغانستان سے ہم دوستی چاہتے ہیں تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔سلامتی اور معیشت جڑواں ہیں۔ترقی میں اضافہ ہوا قرضے آسمان پر چلے گئے تجارتی توازن بہتر نہیں۔ریاست کی رٹ چیلنج کرنے والوں کو شکست دی ہمارا خطہ ڈوبے گا تو سب ڈوبیں گے معاشی استحکام کیلئے عدم استحکام دور کرنا ہوگا۔اس سے اگلے روز 13 اکتوبر 2017 کو ملکی معیشت کے بارے میں یہ تاثر دیا کہ معیشت بری نہیں تو اچھی بھی نہیں، اس کا جواب وفاقی وزیر داخلہ احسن اقبال جو سی پیک اور منصوبہ بندی وزارت کا مقدمہ دلائل سے لڑتے ہیں نے ملکی معیشت کے بارے میں اپنے موقف کو ٹی وی پر آ کر قوم کے سامنے رکھا فوج کے ترجمان کے بیان پر بے لاگ تبصرہ کیا اگلے روز میجر جنرل آصف غفور نے آئی ایس پی آر کی پریس کانفرنس میں اور وزیر داخلہ احسن اقبال نے اپنی اپنی گفتگو میں غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا۔ان حالات میں راقم نے وزارت داخلہ کے ترجمان اور حکومت پاکستان کے اقتصادی مشیر سے ان کے آفس جا کر قومی معیشت کے بارے میں طویل انٹرویو کیا اور معاشی حقائق قوم کو بتائے جو درج ذیل ہیں۔وفاقی وزارت خزانہ کے ترجمان نے کہا کہ قومی معیشت کو جون 2013 کے مقابلے میں تنزلی کا شکار قرار دینے والے حقائق کا منہ چڑا رہے ہیں ملکی معیشت 2013 کے مقابلے میں بدرجہا بہتر ہے۔قومی معیشت کے تمام اہم اعشاریئے مثبت ہیں۔جون 2013 میں جب نئی حکومت میں اس وقت مجموعی داخلی پیداوار کی شرح نمو 3.68 فیصد تھی۔موجودہ حکومت کے اقتدار میں آنے کے بعد جی ڈی پی گروتھ ریٹس میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا آ رہا ہے جو آج 2017 میں 5.28 فیصد تک پہنچ چکی ہے اور یہ دس سالوں کی بلند ترین جی ڈی پی گروتھ ہے۔ان سے پوچھا گیا کہ مجموعی داخلی پیداوار کی شرح نمو کم ہونے کی بجائے کن عوامل کی بنیاد پر بڑھی تو انہوں نے جواب دیا کہ موجودہ حکومت کی زرعی و صنعتی پالیسیوں اور 47 سال میں کم ترین (شرح سود، پالیسی ریٹ) اس کی بنیادی وجوہات ہیں۔اس کے نتیجے میں 2013 سے 2017 کے دوران ہماری زرعی پیداوار میں 3.5 فیصد اضافہ ہو گیا ہے۔گزشتہ تین سالوں سے انڈسٹریل سیکٹر مسلسل پانچ فیصد شرح نمو دکھا رہا ہے سروسز سیکٹر (خدمات کا شعبہ) کی گروتھ میں مسلسل تین سالوں سے اضافہ ہو رہا ہے۔جب ان سے کہا گیا کہ انڈسٹریل سیکٹر میں بڑی صنعتوں کی پیداوار کا گروتھ ریٹ کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ حکومت کی پرو گروتھ پالیسیوں کی وجہ سے ہمارا جولائی 2017 میں لارج سکیل مینوفیکچرنگ کی شرح نمو 12.9 تک چلی گئی ہے جو بارہ سالوں کی بلند ترین شرح نمو ہے۔ترجمان نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جون 2018 تک پاکستان کا جی ڈی پی گروتھ کا ٹارگٹ 5.28 سے بڑھا کر 6 فیصد رکھا گیا ہے۔لارج سکیل مینوفیکچرنگ سیکٹر کی جو گروتھ آ رہی ہے اور زرعی شعبے کی اہم فصلوں کی پیداوار کے اعشاریئے جو سامنے آ رہے ہیں اس چیز کی غماز ہیں کہ ہم رواں مالی سال کیلئے مقرر کئے گئے اہداف پورے کر لیں گے۔(کیوں کہ ہمارے زرعی قرضے جو 2013 میں 336 ارب روپے کے کسانوں کو دیئے گئے تھے وہ مالی سال 2016-17 میں 704 ارب روپے کے کاشتکاروں کو دیئے گئے) اور رواں مالی سال میں یہ بڑھ کر ایک ہزار ارب روپے سے بھی زیادہ کر دیئے جا رہے ہیں۔ترجمان نے کہا کہ افراط زر کی شرح بڑھنے کی بجائے موجودہ حکومت کی بہتر زرعی مالی پالیسیوں وفاقی و صوبائی حکومتوں کی طرف سے قیمتوں کی بہتر مانیٹرنگ اور اشیا کی وافر رسد کی وجہ سے افراط زر کی شرح 7.4 فیصد سے کم ہو کر مالی سال 2017-18 کی پہلی سہ

Scanned with CamScanner

ماہ میں 3.9 فیصد ہو گیا ہے جبکہ میں 17-2016 میں افراط زر کی شرح 4.16 فیصد تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ 16-2015 مالی سال میں افراط زر کی شرح نمو 47 سال کی کم ترین سطح پر آ گئی جو 2.86 فیصد تھی جب پوچھا گیا کہ 2013 کے مقابلے میں 2017 میں ایف بی آر کی ریونیو وصولیوں کی کیا پوزیشن رہی تو ترجمان نے کہا کہ جون 2013 کو ختم ہونے والی مالی سال میں ایف بی آر کے ریونیو کی وصولی 1946 ارب روپے کی تھی جو جون 2017 میں بڑھ کر 3361 ارب روپے سے تجاوز کر گئی اسطرح موجودہ حکومت کے چار سالوں میں ریونیو کی وصولی میں 73 فیصد ریکارڈ اضافہ ہوا ہے اگر اس ریونیو وصولی کو جی ڈی پی کے تناسب سے دیکھا جائے تو یہ 9.8 فیصد سے بڑھ کر 12.5 فیصد تک پہنچ گئی رواں مالی سال کی پہلی سہ ماہی میں گروتھ کا رجحان جاری ہے ایف بی آر نے جولائی ستمبر 2017 میں 634.22 ارب روپے کے ٹیکس جمع کئے جو جولائی ستمبر 2017 میں بڑھ کر 765.12 ارب روپے جمع کئے گئے ہیں جو ملکی تاریخ کا آل ٹائم ریکارڈ ہے۔ 765.12 ارب روپے کی ٹیکس وصولی اس حقیقت کے باوجود ہوئی کہ ایف بی آر نے اسی پہلی سہ ماہی میں 41 ارب روپے کے ٹیکس ریفنڈ ٹیکس گزاروں کو ادا کئے۔ جب سوال کیا گیا کہ پاکستان کا مالی خسارہ (Fiscal Deficit) 2013 میں کیا تھا اور اب کیا ہے تو ترجمان نے بتایا کہ 2013 میں یہ 8.2 فیصد تھا جو 17-2016 میں کم ہو کر 5.8 فیصد ہو گیا ہے۔ ترجمان نے ضمنی سوال پر بتایا کہ یہ قرضے پاکستان میں ہی نہیں لئے جا رہے ہیں دنیا بھر کے چھوٹے بڑے ملک اپنی اقتصادی ترقی کی رفتار تیز کرنے کیلئے قرضے لیتے ہیں آئی ایم ایف کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ، برطانیہ اور جاپان جیسے ترقی یافتہ ملکوں پر قرضوں کا بوجھ ان کی جی ڈی پی کے 80 فیصد تک ہے حتی کہ ہمارے جیسے ترقی پذیر ملکوں جیسا کہ مصر سری لنکا بھارت کے ذمے قرضے ان کی جی ڈی پی کے 61 فیصد سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ 2017 میں مصر کا قرضہ جی ڈی پی کے 93.6 فیصد، سری لنکا پر قرضہ اس کی جی ڈی پی کے 79.5 فیصد بھارت پر قرضوں کا بوجھ اس کی جی ڈی پی کے 67.7 فیصد کے مساوی ہے۔ یہاں یہ بات ضروری ہے کہ پوری دنیا کے ملکوں پر قرضے کا جو بوجھ ہے وہ 2013 سے 2017 تک تقریباً 8 فیصد بڑھا جبکہ پاکستان پر قرضے کا بوجھ بڑھنے کی شرح 1.4 فیصد تھی (60.2 فیصد 2013 سے 61.6 فیصد 2017) یہ آئی ایم ایف کی رپورٹ ہے۔ ترجمان نے برآمدات کے متعلق ضمنی استفسار پر مزید بتایا کہ صرف پاکستان کی ہی برآمدات میں کمی نہیں ہوئی بلکہ عالمی کساد بازاری کی وجہ سے بھارت انڈونیشیا، سری لنکا وغیرہ کی برآمدات میں بھی خاطر خواہ کمی ہوئی۔ مستحق افراد کا حق مارا ہوا تھا۔ بینظیر انکم سپورٹ پروگرام آٹومیشن کے راستے پر عمل پیرا ہے اور مستحقین کو جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے اوسطاً 4834 روپے فی سہ ماہی ادا کئے جا رہے ہیں۔ 2013 میں فی سہ ماہی ادائیگی 3000 روپے فی خاندان تھی۔ ترجمان نے یہ بھی بتایا کہ موجودہ حکومت نے کسان پیکج، ایکسپورٹ پیکج اور ملک کی پانچویں ایکسپورٹ اور سٹینڈ انڈسٹریز (ٹیکسٹائل سپورٹس، لیدر، سرجیکل گڈز (آلات جراحی)، قالین کو زیرو ریٹڈ (ایکسپورٹ ڈیوٹی) سے استثنیٰ دیا اس کے باوجود بھی مالی خسارہ بتدریج کم کیا گیا۔ ایک ضمنی سوال پر ترجمان نے کہا کہ ہمارا جی ڈی پی کا سائز/حجم جون 2013 میں 231 ارب ڈالر تھا 17-2016 میں بڑھ کر 304.4 ارب ڈالر ہو گیا ہے یہ اضافہ تقریباً 32 فیصد بنتا ہے۔ ان سے کہا گیا کہ بعض حلقوں کی طرف سے یہ اعتراض سامنے آ رہا ہے کہ ہمارے ڈائریکٹ ٹیکسز کم ہو رہے ہیں اور ان ڈائریکٹ ٹیکس زیادہ ہو رہے ہیں۔ کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں جس پر وزارت خزانہ کے ترجمان نے جواب دیا کہ 91-1990 میں ڈائریکٹ ٹیکس ٹوٹل ٹیکسوں کا 20 فیصد ہوتے تھے جو 17-2016 میں 40 فیصد تک پہنچ گئے ہیں یہ اعتراض برائے اعتراض ہے۔ اسی طرح سالانہ آمدن ٹیکس گوشوارے جمع کرانے والوں کی تعداد 7 لاکھ 66 ہزار سے بڑھ کر 17-2016 میں بارہ لاکھ 60 ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ مزید برآں رواں مالی سال میں ایف بی آر ٹیکس بنیاد میں وسعت (BTB) کا ایک نیا پیکج قوم کو دینے کے لئے تیار کر رہا ہے جس کے نتیجے میں سالانہ آمدن ٹیکس گوشوارے جمع کرانے والوں کی تعداد رواں مالی سال میں تیزی سے بڑھے

Scanned with CamScanner

گئی۔ یکم جولائی 2017 سے 13 اکتوبر 2017 تک ٹیکس گوشوارے جمع کرانے والوں کی تعداد 3 لاکھ 52 ہزار ہوگئی ہے، جبکہ 17-2016 کی اسی مدت 3 لاکھ 13 ایام میں ایک لاکھ 62 ہزار افراد نے ٹیکس گوشوارے جمع کرائے تھے اس طرح ٹیکس ریٹرن فائل کرنے والوں کا نمبر تیزی سے بڑھ رہا ہے ٹیکس گوشوارے جمع کرانے کی آخری تاریخ 31 اکتوبر 2017 ہے۔ ترجمان نے حتمی استفسار پر بتایا کہ کریڈٹ ٹو پرائیویٹ سیکٹر میں اضافے نے بھی قومی معیشت کی بہتری میں اہم کردار ادا کیا ہے 2013 میں یہ منفی 7.6 ارب روپے تھا جو 17-2016 میں 748 ارب روپے (مثبت) ارب ملک میں کمپنیوں کی ان کارپوریشن یعنی ایس ای سی پی میں رجسٹریشن حاصل کرنے والی کمپنیوں کی تعداد کے متعلق ترجمان نے کہا کہ یہ تعداد 3960 جو 2013 میں تھی 2017 میں بڑھ کر 8286 ہوگئی ہے۔ رواں مالی سال کی پہلی سہ ماہی میں مزید 2422 کمپنیاں ایس ای سی پی میں رجسٹر ہوئیں جب کہ 17-2016 کے پہلے تین ماہ میں 1485 نئی کمپنیاں ایس ای سی پی میں رجسٹر ہوئیں اس طرح ایس ای سی پی کی رجسٹریشن حاصل کرنے والی نئی کمپنیوں میں 64 فیصد ریکارڈ اضافہ ہوا جو معیشت کے استحکام و مضبوطی کی طرف گامزن ہونے کا مظہر ہے۔ پاکستان کی توازن ادائیگی کی صورتحال کے متعلق ترجمان نے بتایا کہ ہمارے ملک میں فارن ڈائریکٹ انویسٹمنٹ (ایف ڈی آئی 2013) کی 1.45 ارب ڈالر سے بڑھ کر 2.41 ارب ڈالر 17-2016 میں پہنچ گئی اس طرح 4 سالوں میں پاکستان میں فارن ڈائریکٹ انویسٹمنٹ میں 65 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ جولائی اگست 2017 کے تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق ایف ڈی آئی میں اضافے کی شرح 155 فیصد ریکارڈ کی گئی ہے جو معیشت بہتر سے بہتر ہونے کی دلیل ہے۔ ترسیلات زر کے متعلق ترجمان نے کہا کہ 2013 میں یہ 13 ارب 90 کروڑ ڈالر کی تھیں جو 17-2016 میں بڑھ کر 19 ارب 35 کروڑ ڈالر کی ہوگئی ہیں۔ جولائی ستمبر 2017 کے تین مہینوں میں ترسیلات زر 4 ارب 79 کروڑ ڈالر کی آئی ہیں جبکہ 17-2016 کے پہلے تین ماہ میں ترسیلات زر 4.74 ارب روپے کی تھیں اس طرح ترسیلات زر موجودہ تین ماہ میں کم نہیں ایک فیصد زیادہ رہیں جبکہ سعودی عرب خلیجی ریاستوں سے ہمارے پاکستانی ورکرز دوسرے ملکوں کے ورکرز کی طرح واپس آ رہے ہیں کیونکہ سعودی عرب اور خلیجی تعاون کونسل کے ممبر ملکوں میں کساد بازاری بڑھ رہی ہے اور وہ غیر ملکی لیبر کو فارغ کر رہے ہیں۔ ترجمان سے پوچھا گیا کہ ہماری برآمدات 2013 کے مقابلے میں 17-2016 میں کم ہوئی ہیں تو انہوں نے کہا کہ پاکستان کی برآمدات 2013 میں تقریباً 25 ارب ڈالر کی تھیں جو 17-2016 میں کم ہو کر 22 ارب ڈالر کے لگ بھگ ضرور رہیں مگر اس کی بڑی وجہ عالمی منڈی کساد بازاری اور انٹرنیشنل قیمتوں میں کمی ہے لیکن اب پاکستانی برآمدات بڑھنے لگی ہیں ان میں بتدریج اضافہ ہونے لگا ہے۔ جولائی ستمبر 2017 کی پہلی سہ ماہی میں پاکستان بیورو آف سٹیٹکس (پی بی ایس) کے مسلمہ اعداد و شمار کے مطابق تقریباً 11 فیصد اضافہ پاکستانی برآمدات میں ریکارڈ ہوا ہے جبکہ اس عرصے میں 17-2016 میں 9 فیصد کی برآمدات میں ریکارڈ کی گئی تھی۔ ترجمان کی توجہ جب درآمدات میں تیز رفتار اضافے کی خبروں کی طرف دلائی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ 2013 میں جب موجودہ حکومت اقتدار میں آئی اس وقت برآمدات 40.2 ارب ڈالر کی تھیں پھر 2014 میں پاکستان کی درآمدات تقریباً 42 ارب ڈالر ہوگئیں جو 16-2015 میں 41 ارب ڈالر سے کچھ اوپر ہوگئیں۔ جبکہ 17-2016 میں 48 ارب ڈالر سے بڑھ گئیں۔ ترجمان نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ 17-2016 میں امپورٹ میں اضافہ مثبت اضافہ ہے کیونکہ پاکستان نے صنعتی مشینری بجلی کے کارخانوں، ٹیکسٹائل انڈسٹری کی مشینری، تعمیراتی مشینری، زرعی مشینری وغیرہ ماضی کے مقابلے میں بہت زیادہ امپورٹ کی جو ملکی پیداوار میں تیز رفتار اضافے کا موجب بننے لگی ہے، بجلی کی لوڈشیڈنگ کم سے کم ہوگئی ہے۔ تعمیراتی صنعتوں میں بوم آ رہا ہے بجلی کی پیداوار میں ہزاروں میگاواٹ کے اضافے سے بند انڈسٹری چلنے لگی، بے روزگار لوگوں کو پہلے سے زیادہ روزگار ملنے لگا ہے۔ بے روزگاری کے اعداد و شمار اس پروسیس سے کم ہو رہے ہیں، بے روزگاری کی شرح 6.2 فیصد سے کم ہو کر 5.9 فیصد

Scanned with CamScanner

پڑ آ گئی ہے۔ فی کس آمدنی جو 2013 میں 1334 ڈالر تھی وہ بڑھ کر 2016-17 میں 1629 ڈالر ہو گئی ہے جو 22 فیصد زیادہ ہے۔ اس طرح سرمایہ کاری میں جو 3348 ارب روپے 2013 میں تھی وہ 2016-17 میں بڑھ کر 5 فیصد سے زیادہ ہے اگر ہم اسے جی ڈی پی کے تناسب سے دیکھیں تو یہ 14.96 سے بڑھ کر 15.78 فیصد ہو گئی ہے یہ مثبت معیشت کی غمازی کرتی ہے 2013 میں مشینری کا امپورٹ بل 5.7 ارب ڈالر تھا جو 2016-17 میں 11.8 ارب ڈالر ہو گیا ہے، یہ بھی مثبت پیش رفت ہے، انشاء اللہ آنے والے سالوں میں قومی معیشت مستحکم تر ہوتی جائے گی۔ وزارت خزانہ کے ترجمان نے انکشاف کیا کہ پاکستان کا داخلی اور غیر ملکی قرضہ مجموعی طور پر جون 2017 میں 19 ہزار 634(19634) ارب روپے ہے جو کہ 61.6 فیصد آف جی ڈی پی ہے جس کو حکومت نے (FISCAL RESPONSIBILITY AND DEBT LIMITATION ACT-2005) ایف آر ڈی ایل ایکٹ 2005 کے تحت ہے) جون 2018 تک 60 فیصد آف جی ڈی پی تک لانا ہے 2001 کی جنرل مشرف حکومت کے وقت یہ 97.7 فیصد آف جی ڈی پی تھا۔ داخلی قرضہ تقریباً 13081 ارب روپے کا ہے جبکہ بیرونی قرضہ 6552 ارب روپے مالیتی ہے اگر ہم جی ڈی پی کی سطح پر موازنہ کریں تو بیرونی قرضہ جی ڈی پی کے 20.8 فیصد سے کم ہو کر 20.6 فیصد ہو گیا ہے جبکہ داخلی قرضہ 40.5 فیصد سے بڑھ کر 41.1 فیصد ہو گیا ہے۔ جنرل مشرف کے دور میں 2001 میں بیرونی قرضہ کل مجموعی قرضے کا 52.1 فیصد تھا۔ جو کہ جون 2017 میں کم ہو کر 33.4 فیصد رہ گیا ہے۔ ترجمان نے کہا کہ 2001 میں جی ڈی پی کے حوالے سے جنرل مشرف دور میں بیرونی قرضہ تقریباً 50 فیصد تھا جو کہ جون 2017 میں جی ڈی پی کے 20.6 فیصد رہ گیا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ 82 ارب ڈالر کا قوم پر غیر ملکی قرضہ ہو گیا ہے اسے غریب قوم کس طرح لوٹائے گی۔ انہوں نے جواب دیا کہ 82 ارب ڈالر کا قرضہ نہیں ہے کیونکہ اس میں نجی شعبے کا بھی قرضہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت پاکستان پر جون 2017 تک غیر ملکی قرضہ 62.5 ارب ڈالر کا ہے باقی تقریباً 20 ارب ڈالر کا قرضہ واپس کرنے کی ذمہ دار حکومت پاکستان نہیں ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ حکومت نے قرضے کا بوجھ کم کرنے کیلئے کیا حکمت عملی اپنائی ہے تو ترجمان نے کہا کہ موجودہ حکومت نے ترمیم کے ذریعے مختصر المدت اور طویل المعیاد حکمت عملیاں بنا کر ان کو پارلیمنٹ کے ذریعے ایف آر ڈی ایل ترمیمی ایکٹ 2005 کا حصہ بنایا ہے جس کے تحت جولائی 2018 سے 2023۔24 کے مالی سال تک ہر سال اس قرضے کو 0.5 فیصد کم کیا جاتا رہے گا پھر اسے اگلے دس سال میں 2032-33 تک ہر سال 0.75 فیصد تک کم کیا جاتا رہے گا اس طرح 2032-33 میں پاکستان پر مجموعی قرضہ جی ڈی پی کا 50 فیصد تک رہ جائے گا جب ان سے سوال کیا گیا کہ کیا پاکستان کی حکومت اس قابل ہے کہ وہ غیر ملکی قرضہ وقت پر ادا کرتی جائے تو ترجمان نے بتایا کہ گزشتہ چار سالوں کے دوران پاکستان نے اوسطاً چار سے ساڑھے چار ارب ڈالر کے غیر ملکی قرضے ہر سال واپس کئے ہیں۔ اس لحاظ سے پاکستان کو اگلے سالوں میں اتنے اوسطاً قرضے واپس کرنے میں کوئی مشکل وقت نہیں ہوگی۔ کیونکہ پاکستان کے زرمبادلہ کے ذخائر بہتر ہیں جو کہ 2013 میں موجودہ حکومت کو ورثے میں ملے تھے 10 فروری 2014 میں زرمبادلہ کے ملکی ذخائر 7.57 ارب ڈالر تھے جس میں سٹیٹ بینک کے پاس 2.83 ارب ڈالر تھے اور بینکوں کے پاس 4.75 ارب ڈالر تھے 13 اکتوبر 2017 کو پاکستان کے زرمبادلہ کے ذخائر 7 ارب 57 کروڑ ڈالر کی بجائے 20 ارب 5 کروڑ ڈالر تک پہنچ گئے جس میں سٹیٹ بینک کے 14 ارب 16 کروڑ ڈالر، بینکوں کے پاس 5 ارب 89 کروڑ ڈالر ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں ترجمان نے کہا کہ ملکی معیشت کی مجموعی صورتحال آنے والے سالوں میں مزید مستحکم ہوتی جائے گی جو ہم میڈیم ٹرم (وسط المدت) میں جی ڈی پی 7 فیصد تک لے جانے کی صلاحیت کے حامل ہیں اس کی بڑی وجہ آپریشن ضرب عضب، آپریشن ردالفساد کی کامیابیاں ہیں خاص طور پر پاکستان کے اقتصادی حب کراچی میں امن وامان کی تیزی سے بہتر ہوتی صورتحال ہے آپریشن ضرب

Scanned with CamScanner

عضب اور آپریشن ردالفساد کی کامیابی کا سہرا عسکری قیادت کے سر ہے اس کیلئے موجودہ حکومت تمام ضروری وسائل فراہم کرتی چلی آرہی ہے۔

ترجمان نے ضمنی سوال پر بتایا کہ یہ قرضے پاکستان میں ہی نہیں لئے جاتے دنیا بھر کے چھوٹے بڑے ملک اپنی اقتصادی ترقی کی رفتار تیز تر کرنے کیلئے قرضے لیتے ہیں آئی ایم ایف کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ برطانیہ اور جاپان جیسے ترقی یافتہ ملکوں پر قرضوں کا بوجھ ان کی جی ڈی پی کے 80 سے 100 فیصد تک ہے حتیٰ کہ ہمارے جیسے ترقی پذیر ملکوں جیسا کہ مصر، سری لنکا، بھارت کے ذمے قرضے ان کی جی ڈی پی کے 61 فیصد سے بھی کہیں زیادہ ہیں 2017 میں مصر کا قرضہ جی ڈی پی کے 93.6 فیصد، سری لنکا پر قرضہ اس کی جی ڈی پی کے 79.5 فیصد، بھارت پر قرضوں کا بوجھ اس کی جی ڈی پی کے 67.7 فیصد کے مساوی ہے۔ یہاں یہ بات ضروری ہے کہ پوری دنیا کے ملکوں پر جو قرضے کا بوجھ ہے وہ 2013 سے 2017 تک تقریباً 8 فیصد بڑھا جبکہ پاکستان پر قرضے کا بوجھ بڑھنے کی شرح 1.4 فیصد رہی (60.2 فیصد 2013 سے 61.6 فیصد 2017) یہ آئی ایم ایف کی رپورٹ ہے۔ ترجمان نے برآمدات کے متعلق ضمنی استفسار پر مزید بتایا کہ صرف پاکستان کی ہی برآمدات میں کمی نہیں ہوئی بلکہ عالمی کساد بازاری کی وجہ سے بھارت، انڈونیشیا، سری لنکا وغیرہ کی برآمدات میں بھی خاطر خواہ کمی ہوئی لیکن چونکہ اب عالمی کساد بازاری میں کمی آرہی ہے انٹرنیشنل اداروں کے مطابق عالمی گروتھ 3.1 فیصد سے بڑھ کر 3.5 فیصد تک چلی گئی ہے جس کی وجہ سے توقع ہے کہ پاکستان کی برآمدات رواں مالی سال میں بڑھتی جائیں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

ایوب خان سے جنرل قمر جاوید باجوہ تک

2015ء میں 1965ء کی پاک بھارت جنگ کی گولڈن جوبلی منائی گئی۔ پوری قوم نے 6 ستمبر یوم دفاعِ پاکستان جبکہ 7 ستمبر کو "یومِ فضائیہ" کے طور پر منایا۔ آج سے ٹھیک پچاس برس قبل 6 ستمبر 1965ء کو قوم کے مکار دشمن، بھارت نے جب بکتر بند (آرمرڈ) بریگیڈ اور پیدل فوج (انفنٹری) کی مدد سے رات کی تاریکی میں واہگہ بارڈر کراس کر کے لاہور پر یلغار کے ناپاک منصوبے پر عملدرآمد شروع کیا تو اس وقت پاکستانی فوج کے آرمرڈ دستے، سیالکوٹ اور مقبوضہ کشمیر کی جنگ بندی لائن پر متعین تھے۔ بھارتی فوج نے جوں ہی لاہور کی طرف پیش قدمی کی اسے واہگہ برکی ہڈیارہ سیکٹر پر بی آر بی نہر کے کنارے پاکستانی بری فوج کے دستوں کی بھرپور مزاحمت سے دوچار ہونا پڑا۔ تمام رات گھمسان کی جنگ ہوئی اور بھارتی فوج کو بی آر بی نہر عبور کرنے کا موقع نہ ملا۔ بھارتی فوجی کمان نے 6 ستمبر کی شام کی چائے لاہور جم خانہ میں نوش کرنے کے دعوت نامے تقسیم کر رکھے تھے۔ ادھر 6 ستمبر کی دوپہر تک بھارت کے آرمرڈ بریگیڈ کی لاشوں سے واہگہ بارڈر اور بی آر بی نہر کا درمیانی علاقہ اَٹا پڑا تھا۔ جلتے ہوئے بھارتی ٹینکوں، فوجی ٹرکوں اور توپوں سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے بھارتی یلغار شروع ہوتے ہی ریڈیو پاکستان پر قوم سے تاریخ ساز خطاب میں کیا خوب کہا کہ "دشمن کو اندازہ نہیں ہے کہ اس نے کس قوم کو للکارا ہے۔"

پاکستان نے جوابی حملہ قصور کے قریب کھیم کرن سیکٹر سے برق رفتاری سے شروع کیا اور چند ہی گھنٹوں میں کھیم کرن ریلوے سٹیشن اور شہر پر قبضہ کرنے کے بعد امرتسر کی طرف بڑھتے ہوئے واہگہ سیکٹر پر پھنسی بھارتی سپلائی لائن کو کاٹ کر رکھ دیا۔ ادھر لاہور سیکٹر میں منہ توڑ شکست کھانے کے بعد بھارتی فوج نے سیالکوٹ سیکٹر میں چونڈہ کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ حملہ کرتے وقت دشمن کا خیال تھا کہ پاکستان کی نسبتاً چھوٹی اور مختصر فوج لاہور اور کشمیر سیکٹرز میں مصروف ہونے کی وجہ سے سیالکوٹ کا دفاع نہیں کر سکے گی۔ اس طرح سیالکوٹ کو فتح کر کے وہ وزیر آباد، گوجرانوالہ کے درمیان سے جی ٹی روڈ کو بھی کاٹ دے گا اور کراچی کو پشاور سے ملانے والی ریلوے لائن پر بھی قبضہ کر لے گا اور پھر اس حقیقت سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا تھا کہ پاکستان کے پاس چند ہی (PATTON) پیٹن ٹینک تھے جو لاہور اور واہگہ برکی، ہڈیارہ بیدیاں اور کشمیر کے چھمب جوڑیاں سیکٹر میں مصروفِ عمل تھے۔ پاکستانی افواج کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ وہ بھارتی ٹینکوں کی چونڈہ پر یلغار کو اپنے چند پیٹن ٹینکوں ہی سے روکے رکھے اور پاکستانی افواج کے توپ خانے کو موثر طریقے سے استعمال کرے۔ چناں چہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سب سے بڑی ٹینکوں کی لڑائی چونڈہ کے میدان ہی میں لڑی گئی جہاں پاکستانی فوج کے ٹینک بھارتی ٹینکوں کو تباہ کرنے میں مصروفِ عمل تھے۔ دوسری طرف ہمارے جری بہادر فوجی جوانوں نے اپنے جسموں سے بم باندھ کر بھارتی ٹینکوں کے نیچے لیٹ کر انہیں اڑانا شروع کر دیا۔ چھمب جوڑیاں میں جنرل اختر حسین ملک کی کمانڈ میں پاک فوج سے منہ توڑ شکست کے بعد بھارت کو یہ بات سمجھ آ گئی کہ وہ اس علاقے کا کبھی دفاع نہیں کر سکتا، لہٰذا وہ اس سے مستقل طور پر دستبردار ہو گیا، جس کے بعد سے وہ علاقہ آج بھی آزاد کشمیر کا حصہ ہے۔ بعد ازاں اسی مقبوضہ کشمیر کے ایک بڑے شہر اکھنور پر بھی پاک فوج نے قبضہ کر لیا لیکن جب ہماری بہادر افواج پٹھان کوٹ، سرینگر شاہراہ تک جا پہنچیں تو جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا جس کے بعد اکھنور اور کھیم کرن سیکٹر کے علاقوں سے پاکستان نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں اور بھارت نے واہگہ سے لے کر جلو تک کا علاقہ خالی کر دیا۔

پاکستانی فضائیہ نے ستمبر 1965ء کی جنگ میں بھارتی فضائیہ پر شروع سے آخر تک جو برتری حاصل کیے رکھی۔ اس میں اس وقت

Scanned with CamScanner

کے جدید ایف 104 سٹار فائٹر طیاروں کے سکواڈرن کا بڑا اہم کردار تھا۔ پھر جنگی طیاروں کے علاوہ پاکستانی فضائیہ کے مایہ ناز پائلٹس کا بھی فتح میں کلیدی کردار رہا۔ ایم ایم عالم (سکواڈرن لیڈر) نے ایک منٹ کے اندر اندر بھارت کے چھے حملہ آور لڑاکا طیارے سرگودھا لاہور کے درمیان مار گرائے۔ پاک فضائیہ میں ایک نہیں کئی ایم ایم عالم موجود تھے جنہوں نے بھارتی حملہ آور طیاروں کو آگ کے گولوں کی شکل دے ڈالی۔ ستمبر 1965ء کی جنگ میں پاکستانی قوم کے خاص سرگودھا، لاہور، گجرات، گوجرانوالہ، وزیر آباد، قصور، سیالکوٹ، پسرور کے ایک کروڑ سے زائد افراد کے حوصلے قابل رشک حد تک بلند رہے جس کی بنا پر لاہور، سرگودھا، سیالکوٹ کے شہریوں کو پرچم استقلال عطا کیے گئے جو ہر سال یوم دفاع (6 ستمبر) کی صبح تینوں شہروں کے ٹاؤن ہالز میں لہرائے جاتے ہیں۔ پسرور، سیالکوٹ، وزیر آباد، گوجرانوالہ، لاہور اور قصور کے شہریوں نے مثالی جذبہ حب الوطنی کا مظاہرہ کیا۔ جنگ کے دوران پلواڑہ، پٹھان کوٹ، جام نگر وغیرہ کی پاک فضائیہ کے ہاتھوں تباہی کا بدلہ لینے کے لئے انڈین ایئر فورس سرگودھا ایئر بیس سمیت پاک فضائیہ کے اڈوں پر بار بار حملوں کی کوشش کرتی رہی مگر ایم ایم عالم اور رفیقی جیسے جواں مرد غیور پاکستانی ہوابازوں نے دشمن کے ہر حملے کو ناکام بنا دیا۔

سترہ روزہ جنگ کے دوران پاکستانی قوم کا جذبہ حب الوطنی عروج پر تھا۔ پاک فوج کے دستے بھارت کے ساتھ جنگ کے محاذوں کی طرف جن راستوں سے گزرتے، ہزاروں افراد ان کی راہ میں دیدہ و دل فرش راہ کر دیتے۔ سکولوں کے بچے اور کچھ نہ کر سکتے تو فوجیوں کی گاڑیوں کو جن پر توپیں ٹینک لدے ہوتے یا خود فوجی سوار ہوتے، جگہ جگہ رک کر کھڑے ہو کر سیلوٹ کرتے، گجرات کے شہری زیادہ خوشحال نہیں تھے لیکن اس کے باوجود یہاں کے مقامی افراد ان فوجیوں کو بسکٹ، چائے کی پتی اور خشک راشن اپنی جیب سے خرید کر تحفتاً پیش کرتے۔ گجرات ریلوے سٹیشن پر اترنے والا اسلحہ فوجی ٹرکوں کے کانوائے پہلے کنجاہ روڈ، پھر جی ٹی روڈ اور اس کے بعد پڑاؤ ایریا کے درمیان سڑک کا شارٹ کٹ لے کر بھمبر روڈ سے ہوتے ہوئے چھب جوڑیاں اور دریائے توی کو کراس کر کے اکھنور کے محاذ تک پہنچایا جاتا تھا۔ ایسے ہی فوجی ٹرکوں کے ایک قافلے پر بھارتی جنگی طیاروں نے ہزار ہزار پونڈ کے تین بم گرائے مگر خوش قسمتی سے اسلحہ لے کر جانے والے فوجی ٹرکوں کا کانوائے بال بال بچ گیا اور تینوں بم سڑک سے صرف 50 گز کے فاصلے پر کھیتوں میں گرے۔ بم اس قدر طاقت ور تھے کہ وہ جہاں گرے وہاں ساٹھ فٹ گہرے گڑھے بن گئے اور ان کے نیچے سے پانی اُبلنے لگا۔ گجرات کی طرح وزیر آباد گوجرانوالہ، لاہور اور قصور کے شہریوں نے بھی پاکستانی فوجی دستوں سے دیوانہ وار محبت کا عملی اظہار کیا۔ لاہور کے ہزاروں زندہ دلان شہری روزانہ گاڑیوں، موٹر سائیکلوں، تانگوں حتیٰ کہ پیدل محاذ جنگ جاتے اور فوجی گاڑیوں پر پھول نچھاور کرتے۔ دشمن کے ٹھکانوں پر گولہ باری کرنے والی ایک بڑے دہانے کی توپ پاک فوج نے شالامار باغ، لاہور میں نصب کی تھی جو بی آر بی سے واہگہ کی جانب گھسنے والے بھارتی فوجیوں اور ان کی توپوں، ٹینکوں پر آگ برسا کر انہیں تباہ کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتی۔ لاہوریوں نے اس کا نام پیار میں "رانی توپ" رکھ دیا۔ اس توپ پر بھی زندہ دلان لاہور نے روزانہ پھولوں کے تازہ ہار ڈالنے کا سلسلہ سترہ روز تک جاری رکھا۔

ستمبر 1965ء کی سترہ روزہ جنگ کے دنوں میں جس طرح حکمران اور عوام ایک صف میں تھے، اللہ کے فضل سے آج دہشت گردی کے خلاف آپریشن ضرب عضب کے معاملے پر بھی سول و عسکری قیادت اور عوام ایک صف پر موجود ہیں۔ وزیر اعظم نواز شریف اور آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی قیادت میں پوری قوم مل کر دہشت گردوں کا صفایا کرنے کا عزم رکھتی ہے۔ ہمارے بہادر سپاہیوں نے پچاس برس قبل جرأت و بہادری کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں لیکن آج ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ 2015ء کی پاکستانی مسلح افواج کس مقام پر کھڑی ہیں۔ مئی 1974ء میں بھارت نے پوکھران میں ایٹمی دھماکا کر کے پاکستان کو جوہری طاقت بننے پر مجبور کر دیا تو اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے عزم کیا کہ

Scanned with CamScanner

پاکستان اپنا ایٹمی پروگرام تیزی سے شروع کرے گا۔ چنانچہ مارچ 1983ء میں پاکستان نے ایٹم بم کا پہلا کامیاب کولڈ ٹیسٹ سرگودھا کی کرانہ پہاڑیوں میں ڈاکٹر ثمر مبارک مند رڈاکٹر عبدالقدیر خان کی سربراہی میں کر کے ایٹمی میدان میں اپنا جھنڈا اگاڑ دیا۔ مئی 1998ء میں جب بھارت نے دوسری بار ایٹمی دھماکا کر کے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو للکارا تو دو ہفتے کے اندر اندر ہی پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کی ٹیم نے ڈاکٹر ثمر مبارک مند کی سربراہی میں پانچ کے مقابلے میں چھ کامیاب ایٹمی دھماکے کر کے بھارتی دھماکوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ قبل ازیں مئی 1998ء کے اپنے جوہری تجربات کے بعد بھارت نے مسلسل دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ کشمیر کا مسئلہ اب باقی نہیں رہا کیونکہ سارا جموں وکشمیر (بشمول آزاد کشمیر) بھارت کی ملکیت ہے۔ بھارتی سورماؤں نے اپنی پارلیمنٹ میں یہاں تک کہہ ڈالا کہ پاکستان کے پاس جواب دینے کے لیے ایٹم بم نہیں ہے۔ لہٰذا مستقبل میں پورے برصغیر بشمول پاکستان کی دفاعی پالیسیاں بھارت بنایا کرے گا لیکن بھارت کو یہ علم نہیں تھا کہ پاکستان کے قابل سائنس دان انجینئرز ،ٹیکنیشنز نہ صرف بھارت کے ایٹمی تجربات کا منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ پاکستان کے شاہین اور غوری میزائل بھارت کے آخری کونے تک جنگی اہداف کو خاک میں بھی ملا سکتے ہیں۔ آج بہ فضل تعالیٰ پاکستان جے ایف 17 تھنڈر جیسے جدید ترین لڑاکا طیارے تک بنا رہا ہے۔ پاکستان کے شاہین میزائل کی مار کی ڈر سے بھارت اپنی تمام دفاعی تنصیبات کو شاہین میزائل کی رینج سے دور ہٹاتا ہوا جزائر انڈیمان (کالا پانی) تک لے جانے پر مجبور ہو گیا ہے، لیکن شاید اسے علم نہیں کہ وہاں بھی وہ پاکستان کے شاہین میزائل کے کامیاب حملے سے محفوظ نہیں۔ یہی نہیں پاکستان کے بابر اور رعد نامی کروز میزائلز نے بھی پاکستان کو سیکنڈ سٹرائیک کی صلاحیت فراہم کر کے بھارت کے تمام فوجی اڈوں، اسلحہ ساز کارخانوں کو گجرات، کاٹھیاواڑ سے لے کر کولکتہ تک ایٹمی زد میں لے لیا ہے۔

بلاشبہ پاکستانی افواج کی کمان ایک انتہائی قابل، غیور، بہادر، محب وطن، پیشہ ور جرنیل راحیل شریف کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے شروع کیے گئے "آپریشن ضرب عضب" کو پوری قوم تحسین کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ بری فوج کی کمان ہمارے غیور سپہ سالار جنرل راحیل شریف کر رہے ہیں جبکہ فضائی فوج کے سپہ سالار ایئر چیف مارشل سہیل امان ہیں۔

جنرل راحیل شریف نے امریکا، روس، چین سمیت متعدد دوست ممالک کے کامیاب دورے کیے ہیں۔ ان دوروں کے دوران انہیں جس قدر عزت و پذیرائی دی گئی وہ فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور کی یاد دلاتی ہے جنہیں امریکا کا صدر جان ایف کینیڈی خود ایئرپورٹ لینے جایا کرتا تھا۔ پھر پاکستان کی خوش نصیبی ہے کہ وزیر اعظم محمد نواز شریف اور ان کی ٹیم نے پاکستان کی معیشت کو صحیح ڈگر پر گامزن کرنے کے لیے مثالی اقدامات کیے ہیں کہ آئی ایم ایف، عالمی بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک اور موڈیز جیسے ادارے پاکستان کی معیشت کو دنیا کی تیزی سے ترقی کرنے والے معیشتوں میں شمار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اس وقت ہمارے زرمبادلہ کے ذخائر ملکی تاریخ کی بلند ترین سطح پر ہیں۔ نواز شریف اور راحیل شریف کی یکساں سوچ ہے کہ ملک ترقی و خوشحالی سے دوچار ہو کیوں کہ مضبوط معیشت مضبوط دفاع کے لیے ناگزیر ہے اور جب یہ دونوں مضبوط پہیے چلیں گے تو انشاءاللہ مستقبل قریب میں پاکستان دفاعی لحاظ سے دنیا کا صف اول کا ملک بن کر ابھرے گا۔

(پاک بھارت 1965ء جنگ کی گولڈن جوبلی پر خصوصی مضمون۔ 6 ستمبر 2015ء کو شائع ہوا)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

جنرل راحیل خوش آمدید..........جنرل کیانی الوداع

پاک فوج کی تبدیلی کمان سے ایک نئے دور کا آغاز ہوگیا اور نئے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کو گوناگوں چیلنجوں کا سامنا کرنا ہوگا جن میں سرفہرست دہشت گردی کے خلاف جاری جنگ کو منطقی انجام تک لانا، سول ملٹری ریلیشنز کو متوازن انداز میں بہتر سے بہتر بنانا دفاع وطن کو لاحق خطرات کو ختم کرنا، پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات کے کمانڈ اینڈ کنٹرول کو وقت کے تقاضوں کے عین مطابق مزید موثر و مستحکم بنانا تھا۔ وزیراعظم نواز شریف نے 27 نومبر 2013ء کو نئے جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین جنرل راشد محمود اور نئے چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف کی نامزدگی قبل از دوپہر اور نئے چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر جسٹس تصدق جیلانی کی تقرری اسی سہ پہر کر کے تین نوٹیفکیشن جاری کئے۔ وزیراعظم نے خواجہ آصف کو وزارت دفاع کا اور پرویز رشید کو وزارت قانون کا اضافی چارج بھی اسی روز دیا۔ ان کلیدی وقومی اہمیت کے فیصلوں سے ملکی سٹاک مارکیٹ کا 416 پوائنٹ چند گھنٹے میں اوپر جانا اس امر کا شاہد تھا کہ ان فیصلوں سے ملک وقوم استحکام سے ہمکنار ہوں گے۔ بلاشبہ لیفٹیننٹ جنرل ہارون اسلم آرمی کی سنیارٹی میں پہلے نمبر پر تھے ان کو نظر انداز کرنے کی کئی وجوہات بھی سامنے آئی ہیں۔ ویسے بھی آئین کے تحت وزیراعظم پاکستان کو یہ صوابدیدی اختیار پی پی دور میں منظور ہونے والی اٹھارویں آئینی ترمیم کے تحت حاصل تھا کہ وہ مسلح افواج کے سربراہان کا تقرر اپنی مرضی سے کر سکتے تھے اس کے لیے سنیارٹی کا اصول فالو کرنا ضروری نہیں اس کے باوجود وزیراعظم نواز شریف نے آرمی سنیارٹی لسٹ کے نمبر دو اور نمبر تھری کو فور سٹار جنرل کے عہدے پر ترقی دی اور صرف ایک لیفٹیننٹ جنرل ہارون اسلم سپرسیڈ ہوئے۔ وزیراعظم نواز شریف نے دوسرے اور تیسرے نمبر کے سینئر لیفٹیننٹ جرنیلوں کو فور سٹار جنرل بنانے کا فیصلہ اس وقت کے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی اور دوسرے معتمدین کی مشاورت کے بعد کیا۔ سپرسیڈ ہونے کے بعد لیفٹیننٹ جنرل (ر) ہارون اسلم نے جو رد عمل اختیار کر رکھا تھا اس سے میری مراد وزیراعظم کی جانب سے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کے اعزاز میں دیئے جانے والے الوداعی عشایئے میں عدم شرکت اگلے روز جی ایچ کیو میں جنرل اشفاق پرویز کیانی کی زیر صدارت ہونے والی کور کمانڈرز کی الوداعی میٹنگ اور اس سے اگلے روز آرمی ہاکی سٹیڈیم راولپنڈی میں منعقدہ پروقار فوجی تبدیلی کمان تقریب سے غیر حاضری لیفٹیننٹ جنرل (ر) ہارون اسلم کی شخصیت کو آئینے کی طرح واضح کر گئی۔ اگر وہ سمجھتے بھی تھے کہ ان سے کوئی زیادتی ہوئی ہے تب بھی وہ وزیراعظم کے عشائیہ میں ان کی شرکت نہ کرنے کو کسی حد تک قابل فہم قرار دیا جا سکتا ہے لیکن کور کمانڈرز میٹنگ میں شرکت نہ کر کے انہوں نے اپنے چیف آف آرمی سٹاف جنرل کیانی کے ساتھ پیشہ ورانہ سلوک نہیں کیا اس طرح انہوں نے تبدیلی کمان تقریب میں بھی نہ آ کر نئے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی عزت وتکریم میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ ایسے رویے انسانی شخصیت کے عکاس ہوتے ہیں یہ معاشرتی عسکری روایات کی بھی نفی کے حامل قرار پاتے ہیں۔ تبدیلی کمان تقریب کے لیے سخت ترین حفاظتی انتظامات کئے گئے حتیٰ کہ کئی کوبرا ہیلی کاپٹرز جن میں (Snipers) سنائپرز سوار تھے ہمہ وقت فضائی نگرانی کرتے رہے۔ راولپنڈی کینٹ اور تقریب گاہ کی طرف جانے والے راستوں پر ٹریفک حفاظتی نقطہ نگاہ سے بند کر دی گئی تھی جس سے راولپنڈی صدر اور شہر کے لوگوں بالعموم اور تعلیمی اداروں سے چھٹی کر کے آنے والے طلبہ وطالبات کو بالخصوص مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

پاکستان کے پندرہویں آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے دو دسمبر 2013ء کو جی ایچ کیو راولپنڈی میں بطور سپہ سالار پاکستان اپنا پہلا دن گزارا۔ 29 نومبر 2013ء کو سبکدوش ہونے والے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے ''تبدیلی کمان پاکستان آرمی'' کی علامت ''ملاکا اسٹک'' جسے کمان اسٹک بھی کہا جاتا ہے نئے سپہ سالار پاکستان کو سونپ کر اپنی پیشہ وارانہ زندگی کا آخری دن جی ایچ کیو

راولپنڈی کے اپنے چیف آف آرمی سٹاف چیمبر جا کر اپنے پرسنل سٹاف اور آفس سٹاف سے الوداعی ملاقاتوں میں گزارا سبھی کی خیریت دریافت کی اور سارے عملے کا فرداً فرداً شکریہ ادا کیا۔

پیر 2 دسمبر 2013ء کو نئے چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف جب جی ایچ کیو راولپنڈی پہنچے تو ان کے لیے خصوصی استقبالیہ تقریب منعقد کی گئی جس میں قومی ترانہ اور گارڈ آف آنر پیش کیا گیا، سلامی دی گئی۔ جنرل راحیل شریف نے پہلے ہی روز جی ایچ کیو میں پرنسپل سٹاف افسروں کور کمانڈروں اپنے سیکرٹریٹ اور ذاتی سٹاف سے ملاقاتیں کرینگے اور پہلے ہی روز پیشہ وارانہ فرائض کی سرانجام دہی شروع کر دی۔ نئے چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف نے اگلے ہفتے پاکستان کے صدر ممنون حسین، وزیر اعظم محمد نواز شریف، وزیر دفاع خواجہ محمد آصف سے خیر سگالی کی ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں کے دوران پیشہ وارانہ امور پاکستان آرمی کو درپیش چیلنجوں سے عہدہ برآ ہونے کی حکمت عملی دہشت گردی کے خلاف جنگ، سرحدوں کی صورتحال اور عسکری امور بھی زیر غور آئے۔

چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف کے عسکری خانوادے کا تعلق راقم کے ضلع گجرات سے ہے۔ گجرات ملک بھر میں مردم خیز خطے کے طور پر مشہور ہے۔ اس ضلع کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کے دو سپوت میجر عزیز بھٹی اور میجر شبیر شریف نے دفاع وطن کے دوران انتہائی جرات اور دلیری سے حب الوطنی کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کے سب سے بڑے عسکری اعزازات ''نشان حیدر'' حاصل کیے۔ اول الذکر میجر عزیز بھٹی نے ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں دشمن کے لاہور پر قبضے کے خواب چکنا چور کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ ان کی اعلیٰ پیشہ وارانہ قربانی کے اعتراف کے طور پر اس وقت کے صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے میجر عزیز بھٹی کو ''نشان حیدر'' کے اعلیٰ ترین قومی عسکری اعزاز سے نوازا۔ میجر عزیز بھٹی ضلع گجرات کے گاؤں لادیاں کے رہنے والے تھے اسی گاؤں لادیاں (ضلع گجرات) میں میجر عزیز بھٹی شہید کی قبر ہے۔

دوسرا نشان حیدر پانے والے میجر شبیر شریف نے 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران بے مثال جرات بہادری ایثار کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے شہادت کا رتبہ حاصل کیا ان کی غیر معمولی شجاعت وطن عزیز کے دفاع کے لیے بے جگری سے دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے اپنی جان آفرین کے سپرد کرنے پر اس وقت کے صدر پاکستان فضل الٰہی چوہدری نے ان کو اعلیٰ ترین قومی عسکری اعزاز ''نشان حیدر'' عطا کیا۔

یہ حسن اتفاق ہے کہ نشان حیدر کا قومی اعزاز لڑ کر جان دے کر حاصل کرنے والے مذکورہ دونوں قوم کے محسنوں میں ایک پندرھویں سپہ سالار پاکستان کے اعلیٰ ترین فوجی عہدے پر فائز ہونے والے چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف کے حقیقی بڑے بھائی ہیں جبکہ گجرات کی دوسری شخصیت جس نے ستمبر 1965ء کی جنگ میں نشان حیدر کا اعزاز پایا وہ نئے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کے ماموں ہیں۔

بجا طور پر قوم توقع رکھ سکتی ہے کہ دونوں نشان حیدر پانے والی (عسکری) شخصیات کے ساتھ خونی رشتہ رکھنے والے ہمارے نئے سپہ سالار پاکستان جنرل راحیل شریف کی قیادت میں پاکستان آرمی ایثار و شجاعت کی نئی داستانیں رقم کرے گی۔ جنرل راحیل شریف کا خاندان گجرات کے قصبہ کنجاہ سے تعلق رکھتا ہے جو ریلوے سٹیشن گجرات سے سرگودھا کی طرف جانے والی کنجاہ روڈ پر صرف 5 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ معروف شاعر ادیب شریف کنجاہی اسی قصبے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مردم خیز گجرات کے فوجی سربراہ بننے والے جنرل راحیل شریف دوسرے سپوت تھے۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف سے پہلے 1980ء کے عشرے میں گجرات کے ہی ایک فرزند ایئر چیف مارشل پرویز مہدی قریشی پاک فضائیہ کے چیف آف سٹاف کے عہدے پر قومی پیشہ وارانہ ذمہ داریاں پورے خلوص لگن دیانت کے ساتھ سرانجام دے کر ریٹائر ہوئے تھے۔ ہمارے معروف قانون دان اعتزاز احسن ان کے قانون دان والد محمد احسن علیگ بھی گجرات سے تعلق رکھتے

Scanned with CamScanner

ہیں ان کا گاؤں منگووال جنرل راحیل شریف کے خاندانی قصبے کنجاہ سے 5 میل کے فاصلے پر پھالیہ منڈی بہاؤالدین سرگودھا جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ مردم خیز خطہ ہونے کے ناطے پاکستان بھر کے لوگ جانتے ہیں کہ معروف پنجابی شاعر استاد امام دین، فلمسٹار صبیحہ، سابق قائم مقام وزیر اعظم چوہدری شجاعت حسین، چوہدری ظہور الٰہی، پی پی پی کے رہنما قمر زمان کائرہ، سرائے عالمگیر سے گجرات تک 1957ء میں مسلم لیگی لیڈر خان عبدالقیوم خان کا 32 میل لمبا جلوس نکلوانے والے نوابزادہ اصغر علی بھی گجرات سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی جلوس سے مرعوب ہو کر جنرل سکندر مرزا نے اقتدار پر قبضہ جمایا۔ بعدازاں 27 اکتوبر 1957ء کو جنرل ایوب خان نے سکندر مرزا سے اقتدار چھینا۔

مردم خیز خطے گجرات کے قصبے کنجاہ میں 28 اپریل 1943ء کو نئے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کے بڑے بھائی میجر شبیر شریف شہید نشان حیدر پیدا ہوئے۔ میجر شریف (ن) نے او لیول کا امتحان سینٹ انتھونی ہائی سکول لاہور سے پاس کیا۔ اس کے بعد شبیر شریف نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ ابھی وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں زیر تعلیم تھے کہ ان کو 19 اپریل 1964ء کو پاکستان ملٹری اکیڈمی (پی ایم اے کاکول) سے پاکستان آرمی میں شمولیت کی کال آ گئی جہاں انہوں نے اپنی فوجی تربیت کامیابی سے مکمل کی۔ ان کی عمدہ عسکری تربیت کے انعام کے طور پر کیڈٹ شبیر شریف کو "اعزازی شمشیر" (SWORD OF HONOUR) عطا کی گئی۔ انہیں فرنٹیئر فورس رجمنٹ کی چھٹی بٹالین میں پوسٹ کیا گیا۔ نئے چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف کی بھی فرنٹیئر فورس رجمنٹ کی چھٹی بٹالین تھی۔ 29 نومبر کو تبدیلی کمان کی فوجی تقریب میں جس طرح جنرل (ر) اشفاق پرویز کیانی کو ان کی پانچویں بلوچ بٹالین نے سلامی دی۔ اسی طرح سبکدوش ہونے والے آرمی چیف کو نئے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی چھٹی ایف ایف رجمنٹ کی چھٹی بٹالین نے سلامی دی۔ سلامی کے چبوترے پر مہمان خصوصی سبکدوش ہونے والے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی کے ساتھ صرف 6 انچ پیچھے نئے چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف کھڑے تھے۔ اس طرح آؤٹ گوئنگ (OUT GOING) اور ان کمنگ (IN COMING) سپہ سالاران پاکستان نے ایک ساتھ نہ صرف اپنی اپنی پہلی بٹالین سے بلکہ دوسرے کی پہلی بٹالین سے سلامی لی۔

میجر شبیر شریف کو چھٹی فرنٹیئر فورس رجمنٹ کے کمپنی کمانڈر کی حیثیت سے دسمبر 1971ء میں آرڈر ملا کہ وہ سلیمانکی ہیڈورکس کے قریب زمینی ٹیلے پر قبضہ کریں جس کے دفاع میں آسام رجمنٹ کی ایک کمپنی سے بھی زیادہ تعداد میں بھارتی فوجی آ رہے تھے۔ آسام رجمنٹ کی کمپنی کو بھارتی ٹینکوں کے سکواڈرن کی سپورٹ حاصل تھی۔

میجر شبیر شریف نے ایک منظم جرات مندانہ ایکشن شروع کیا۔ بارودی سرنگوں کا فیلڈ کراس کرتے ہوئے وہ اگلے تین دن تین راتوں تک آسام رجمنٹ کی کمپنی بھارتی ٹینکوں کی گولہ باری میں رکاوٹیں عبور کرتے رہے۔ شبیر شریف کی قیادت میں ان کی کمپنی نے 43 دشمن سپاہیوں کو جہنم رسید کیا اور چار بھارتی ٹینک تباہ کر کے دشمن کی دو بٹالینوں سے ہتھیار ڈلوا لیے۔ شبیر شریف نے دشمن کو زیر کر لیا مگر ان کے توپچی (GUNNER) کے فائر کیے گئے ٹینک شکن گولہ لگنے سے جام شہادت 6 دسمبر 1971ء کی سہ پہر نوش کر گئے۔

جنرل راحیل شریف کے بڑے بھائی میجر شبیر شریف شہید (نشان حیدر) پاک فوج کے ایک انتہائی جرات مند محب وطن افسر تھے ان کی شجاعت دلیری کی داستانیں پوری فوج میں مشہور ہیں ان کے ایک فوجی ساتھی اور قریبی دوست کرنل (ر) اعظم قادر نے میجر شبیر شریف کی زندگی عسکری کامیابیوں کو انتہائی خوبصورتی سے قلمبند کیا ہے جس میں 1965ء اور 1971ء کی بھارت کے ساتھ پاکستان کی جنگوں میں میجر شبیر شریف کی دلیری ہمت بے خوفی نڈر فوجی کیریئر کے واقعات ہیں حتیٰ کہ 6 دسمبر 1971ء کو ان کی سلیمانکی سیکٹر میں بھارتی ٹینکوں کے ساتھ مڈبھیڑ کی تفصیلات میں میجر شبیر شہید نے ان جنگوں کے دوران کرنل اعظم قادر کو جو خطوط لکھے وہ اس کتاب میں شامل کئے گئے ہیں۔ میجر شبیر شہید نے

Scanned with CamScanner

فوج میں نظم وضبط جرات، بلند حوصلہ کی خوبصورت داستانیں رقم کی ہیں۔ میجر شبیر شہید پاک بھارت جنگوں میں زخمی ہوجانے کے باوجود محاذ سے پیچھے ہسپتال میں علاج کے لیے آنے سے انکار کرتے رہے اور اگلے مورچوں پر اپنے جوانوں اور افسروں کے ساتھ دشمن سے لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا۔

ویسے تو نئے آرمی چیف کو ملک کی اندرونی و بیرونی سلامتی کے حوالے سے کئی چیلنجز درپیش تھیں لیکن ایک حساس اور نازک معاملہ حکومت کے طالبان سے مجوزہ مذاکرات کا تھا جو ایک مرتبہ ڈرون حملے کی وجہ سے تعطل کا شکار ہو چکے تھے اور اب انہیں دوبارہ واپس ٹریک پر لانے کی کوششیں جاری تھیں۔ یہ اہم ایشو تھا جس پر ملک کی سیاسی اور عسکری قیادت کا ایک پیج پر ہونا ضروری تھا۔ اسی طرح ڈرون حملوں کے خلاف تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کے دھرنوں سے پیدا ہونے والی صورتحال سے نمٹنا بھی اہم چیلنج تھا کیونکہ اس سے نیٹو فورسز کیلئے مسائل پیدا ہو رہے تھے۔ آرمی چیف کا منصب دوررس اثرات کا حامل ہوتا ہے اور یہ اتنا طاقتور عہدہ ہے کہ ہر آرمی چیف کی سوچ ادارے پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔ نئے آرمی چیف ایسے حالات میں یہ منصب سنبھال رہے تھے جب ان کے پیش رو جنرل کیانی فوج میں جمہوریت دوست کلچر چھوڑ کر جا رہے تھے اگر آج ملک میں جمہوریت مستحکم ہے تو اس میں جہاں سیاستدانوں کا کردار ہے وہاں جنرل اشفاق پرویز کیانی کا بھی کلیدی کردار ہے۔ جنہوں نے اپنے آپ کو ایک پروفیشنل سولجر ثابت کیا اور فوج کے ادارے کو سیاست سے دور رکھا۔

کمان کی تبدیلی، آنکھوں دیکھا حال

شہید نشان حیدر اور دوسرے 1965ء کی جنگ کے ہیرو میجر راجہ عزیز بھٹی ہیں۔ جنرل راحیل شریف میجر شبیر شریف (نشان حیدر) شہید کے چھوٹے بھائی اور میجر عزیز بھٹی (نشان حیدر) کے بھانجے ہیں۔ ہاکی سٹیڈیم جی ایچ کیو راولپنڈی میں تقریب کے انتظامات اور سکیورٹی کی نگرانی کور کمانڈر راولپنڈی لیفٹیننٹ جنرل قمر جاوید باجوہ نے کی جبکہ تقریب میں پاک فضائیہ کے سربراہ ایئر چیف مارشل طاہر رفیق بٹ، پاک بحریہ کے سربراہ ایڈمرل آصف سندھیلہ، چیئرمین جوائنٹ سٹاف ہیڈکوارٹر جنرل راشد محمود کور کمانڈر جی ایچ کیو میں تعینات جرنیلوں فارمیشن کمانڈرز اور غیر ملکی سفارتکاروں کے علاوہ اعلیٰ سول و فوجی افسران ان کی بیگمات نے شرکت کی۔ تقریب میں فوجی بینڈز جن کی قیادت صوبیدار میجر غلام علی اور صوبیدار امانت نے کی قومی و علاقائی دھنوں سے حاضرین کو محظوظ کیا۔ جنرل اشفاق پرویز کیانی پاک فوج کی طویل قیادت کے بعد گیارہ بج کر 43 منٹ پر قیادت جنرل راحیل شریف کو سونپ کر فوج سے سبکدوش ہو گئے جنرل کیانی 44 سال تک مختلف اہم عہدوں پر فائز رہے وہ چھ سال تک آرمی چیف اور تقریباً چار سال کور کمانڈر راولپنڈی اور آئی ایس آئی کے سربراہ اور چیف آف جنرل سٹاف رہے۔ جنرل اشفاق پرویز کیانی کے فوجی اقتدار کے دور میں اسامہ بن لادن، سلالہ کیمپ حملہ، جی ایچ کیو پر حملے کے واقعات کے علاوہ بڑی تعداد میں دہشت گردوں کے حملوں میں فوجی جرنیلوں سمیت سینئر فوجی افسروں، جوانوں کی شہادت ہوئی جن کی تعداد سات ہزار کے لگ بھگ ہے۔ جنرل اشفاق پرویز کیانی نے دفاع پاکستان کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ سوات، مالاکنڈ اور دوسرے اہم علاقوں میں دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کر کے ان کی کمر توڑ دی۔ کمان کی تبدیلی کی تقریب میں سلامی اور گارڈ آف آنر پیش کرنے والے فوجی دستے میں جنرل اشفاق پرویز کیانی کی بلوچ رجمنٹ کا دستہ بھی شامل تھا۔ جنرل راحیل شریف نے سپہ سالار کی حیثیت سے کمان سنبھالنے کے بعد اپنے ساتھی کمانڈروں ایئر فورس پاک بحریہ اور دوسرے فوجی افسروں سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور ان سے مبارکبادیں وصول کیں۔ تقریب کی اردو کمپیئرنگ آئی ایس پی آر کے کرنل شفیق اور انگریزی کی کمپیئرنگ بریگیڈیئر فواد نے کی۔ فوج کی کمان سنبھالنے کے بعد جنرل راحیل اور دوسرے کور کمانڈروں نے

Scanned with CamScanner

جنرل اشفاق پرویز کو رخصت کیا۔ جب وہ گاڑی میں گئے تو انہوں نے نئے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کو بھی اپنے ساتھ بٹھالیا۔ دونوں فوجی سربراہوں نے شہداء کی یادگار پر پھول چڑھائے۔ جنرل اشفاق پرویز کیانی نے طویل فوجی اقتدار کو اپنے لیے اعزاز قرار دیا اور کہا کہ میں نے جتنے بھی فیصلے کئے وہ ملک وقوم کے بہترین مفاد میں کئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ جنرل راحیل شریف فوج کو مزید مضبوط بنانے کے لیے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرینگے۔ جنرل کیانی نے کہا کہ ریٹائرمنٹ کے باوجود میرا دل آپ کے ساتھ دھڑکے گا۔ میں کامیابیوں پر خوش اور ناکامیوں پر دکھی ہوں گا۔ ریٹائرڈ جرنیلوں جنرل سید نور حسین اور جنرل کیانی نے کہا کہ فوج کے نئے سربراہ جنرل راحیل ان کے کورس میٹ ہیں۔ ہم نے فوج میں اکٹھے شمولیت اختیار کی۔ جنرل راحیل بہت اچھے سولجر اور نہایت محنتی انسان ہیں۔ ان کے دور میں پاک فوج مزید مضبوط ہوگی۔ وہ نہایت ایماندار اور مضبوط اعصاب کے مالک ہیں۔

جنرل راحیل بچپن میں کرکٹ، مطالعہ کتب اور سائیکلنگ کے شوقین تھے۔ پڑھائی میں تیز ہونے کے ساتھ ساتھ موٹر سائیکل اور موٹر کار بیحد مہارت سے چلاتے تھے۔ شرارتیں بھی کرلیا کرتے تھے، بچپن سے ہی خوش اخلاق، بڑوں کا احترام کرنے والے تھے۔ جرمنی سے دوسالہ ملٹری کورس میں ٹاپ کر کے کینیڈین ملٹری سٹاف کالج سے ڈگری لی۔ جنرل راحیل شریف کا خاندان پابند صوم وصلوٰۃ اور والدہ پودوں کی اولاد کی طرح دیکھ بھال کرتی تھیں۔ اپنا کام خود کرنے پر یقین رکھتے تھے آنکے بچپن کے دوست جو راحیل شریف کی اہلیہ کے بھائی ہیں، جن کا نام خالد عثمان ہے۔ راقم کی امریکی شہر سیکرامنٹو (کیلیفورنیا) میں ان سے اور مسز خالد عثمان سے خصوصی ملاقات ہوئی۔ مسٹر اینڈ مسز خالد عثمان نے راقم کو غیر رسمی انٹرویو میں بتایا کہ پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف کا بچپن بیحد سہانا تھا۔ وہ گریژن سکول لاہور میں میٹرک کرنے کے دوران سائیکلنگ شوق سے کیا کرتے تھے۔ شرارتیں بھی دوستوں سے کرلیا کرتے تھے۔ بچپن سے ہی خوش اخلاق، بڑوں کا احترام کرنے والے تھے۔ وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے محنتی اساتذہ کا احترام کرنے والے نوجوان تھے۔ کرکٹ، سکول اور کالج لائف میں کھیلا کرتے تھے، کلاس فیلوز کے ساتھ لڑنا جھگڑنا انکی سرشت میں نہ تھا، وہ صلح جو طالب علم تھے جو پڑھائی میں تیز ہونے کے ساتھ ساتھ موٹر سائیکل اور موٹر کار بیحد مہارت سے چلاتے تھے۔ یہ باتیں موجودہ آرمی چیف کے بچپن کے ایک دوست خالد عثمان نے کیلیفورنیا کے دارالحکومت سیکرامنٹو کی سینٹ میں 23 مارچ 2015ء کو پاکستانی امریکن ڈے منانے کی متفقہ قرارداد کی منظوری کے بعد حیات ریجنسی فائیو سٹار ہوٹل میں پاکستانیوں کی تنظیم کی طرف سے اُس وقت کے قونصل جنرل پاکستان حامد اصغر خان، سیکرامنٹو کے ممبر سینیٹروں کے اعزاز میں دیئے گئے ظہرانے میں راقم کو بتائیں۔ خالد عثمان نے کہا کہ انکی جنرل راحیل شریف کے ساتھ بچپن کی دوستی ہے، نہ صرف وہ دونوں سچے اور پکے دوست تھے بلکہ انکے والد کی آرمی چیف کے والد میجر شریف کے ساتھ سچی محبت اور دوستی تھی۔ وہ گجرات شہر کے قصبہ کنجاہ سے تعلق رکھتے تھے مگر آرمی سروس کے دوران میجر شریف اور انکے والد آرمی کے سگنل یونٹ میں اکٹھے کراچی ٹرانسفر ہوئے۔ اس طرح دونوں خاندانوں کی تعلق داری جاری وساری رہی۔ جنرل راحیل شریف کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ آرمی چیف کی والدہ محترمہ پودوں کی بچوں کی طرح دیکھ بھال لاہور کینٹ کے گھر میں کیا کرتی تھیں آنکی والدہ ہمیشہ مجھے راحیل کی طرح پیار کرتیں، سمجھاتی رہتیں، اخلاقی پندونصائح جنرل راحیل شریف اور مجھے کیا کرتیں ان کا اور ہمارا گھر لاہور کینٹ کی ایک ہی گلی میں تھا۔ راحیل شریف کا گھر گلی کے نکڑ (کارنر) پر تھا۔ ہمارا گھر ان سے ایک گھر چھوڑ کر تھا۔ راحیل شریف کی والدہ حتی کہ پورا گھرانہ پابند صوم و صلوٰۃ اور مشرقی روایات کا امین تھا۔ راحیل شریف دوسالہ آرمی کورس کرنے کے لیے بھیجے گئے، سخت محنتی دھن کے پکے قول کے سچے بچپن سے ہیں۔ پاکستان اور اسکی سرزمین سے محبت ان میں اور انکے خاندان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ستمبر 1965ء کی جنگ کے بعد انکے ماموں میجر عزیز بھٹی شہید کو نشان حیدر (بعد از مرگ) دیا گیا۔ دسمبر 1971ء کی جنگ میں انکے بڑے بھائی میجر شبیر شہید کو (بعد از مرگ) نشان حیدر کا

Scanned with CamScanner

اعلیٰ ترین قومی عسکری اعزاز ملا۔ راحیل شریف عسکری خانوادے کے چشم و چراغ ہیں' ہر قسم کی لالچ اور طمع سے مبرا ہیں اور جرمنی کے دو سالہ ملٹری کورس میں انہوں نے ٹاپ کیا۔ اسکے بعد راحیل شریف جرمن آرمی یونٹ میں ٹاپ کرنے کے نتیجے میں کینیڈا ملٹری سٹاف کالج بھیجے گئے جہاں انہوں نے امتیاز کے ساتھ اعلیٰ عسکری تعلیم کی ڈگری حاصل کی۔ وہ کتابیں پڑھنے کے بچپن سے شوقین ہیں۔ خالد عثمان نے بتایا کہ خاندانی دوستی کے سبب میری بہن فریحہ کی شادی راحیل سے 1982ء کے لگ بھگ ہوگئی۔ اس طرح رشتے میں وہ میرے بہنوئی ہیں مگر ہمارے تعلق دیرینہ دوستوں کے تھے اور رہیں گے۔ خالد عثمان کی اہلیہ رومانہ خالد نے جنگ کو بتایا کہ راحیل شریف شفیق' مودب' خاندان سے پیار کرنے والے انسان ہیں۔ رومانہ نے بتایا کہ میری ایک بہن زیبا کنیئرڈ کالج لاہور کی ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ہیں' آمینہ سائیکالوجسٹ ہیں' بھائی رضی کمپیوٹر انجینئر ہے اور اسمہ ایم ڈی ہیں۔ راحیل اور فریحہ نہ صرف اپنے بچوں بلکہ پورے خاندان میں ہر دلعزیز ہیں۔ جھوٹ سے نفرت اور سچ سے پیار کرنے والے انسان ہیں۔ ذرائع کے مطابق نومبر 2014ء کے امریکہ کے دورے کے دوران وہ اپنی اہلیہ ملٹری سیکرٹری اے ڈی سی کے ساتھ آئے' ماضی کی طرح وہ پاکستان سے سکیورٹی سٹاف لیکر نہیں آئے تاکہ قوم کے فنڈز کو بچایا جاسکے۔ دورہ واشنگٹن میں سرکاری ملاقاتوں کے بعد وہ اپنے دیرینہ دوست خالد عثمان کے ہاں چلے گئے۔ ذرائع نے یہ دلچسپ انکشاف کیا کہ خالد عثمان کے گھر پہنچنے کے بعد جنرل راحیل شریف نے فریحہ کو اوپر بھیجا اور خود گاڑی کی ڈگی سے سامان نکال کر اوپر لے جانے لگے' انکے ملٹری سیکرٹری اے ڈی سی وغیرہ نے بہرحال انہیں سامان اوپر کی منزل میں نہ لے جانے دیا' خود ایک ایک بیگ لیکر اوپر گئے تو جنرل راحیل شریف نے دوبارہ نیچے آکر اپنا سامان خود اٹھالیا۔ ذرائع کے مطابق ان میں خود انحصاری' خود اعتمادی اور علامہ اقبال کی خودی کا جذبہ ہمہ وقت موجزن ہے۔ راحیل شریف نے اپنے برادر نسبتی اور بچپن کے دوست کے گھر قیام کیا' گفتگو کے دوران کہا کہ پاکستانی قوم کی اس سے زیادہ خدمت نہیں کہ پاکستان کو دہشت گردوں' انتہا پسندوں' بھتہ خوروں' ٹارگٹ کلرز' کرپٹ عناصر چاہے ان کا تعلق کسی گروہ' فرقے یا سیاست سے کیوں نہ ہو' بلا امتیاز صفایا کر دیا جائے تاکہ پاکستانی عوام سکون' چین کی زندگیاں پھر سے گزارنے لگے۔ خالد عثمان نے کہا کہ پاکستانی قوم انکی پشت پر ہے اسلئے انہیں یقین واثق ہے کہ راحیل شریف اپنے نیک ارادوں میں کامیاب و کامران ہونگے۔ راحیل شریف ایک شریف گھرانے کے چشم و چراغ ہیں' لاہور جمخانہ کے اعزازی سیکرٹری انکے والد میجر شریف برسہا برس تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ستمبر 1965ء کی جنگ میں میجر شریف نے جمخانہ کلب لاہور کے ڈائننگ ہال میں ٹی وی پر بھارتی سرکار کے ٹی وی دوردرشن کا پاکستان مخالف پراپیگنڈہ دیکھنے کی ممانعت کر رکھی تھی۔ جنرل راحیل شریف اپنی کار میں اپنے والد میجر شریف کو جمخانہ کلب چھوڑ کر جاتے اور فرمانبردار بیٹے کی حیثیت میں میجر شریف کو جمخانہ سے لیکر گھر لے جاتے۔ میجر شریف ان خدمات کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

جنرل قمر جاوید باجوہ

چیف آف دی آرمی سٹاف

جنرل قمر جاوید باجوہ پاکستان آرمی کے مایہ ناز سپوت ہیں وہ درویش منش، راسخ العقیدہ مسلمان اور بلند حوصلہ متوازن انسان ہیں، ان کی شخصیت ''نرم دمِ گفتگو اور گرم دمِ جستجو'' کی آئینہ دار ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف نے نومبر 2016 کو انہیں فور سٹار جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر پاکستان کا سولہواں چیف آف آرمی سٹاف مقرر کیا اور ان کے پیشرو جنرل راحیل شریف نے تین سال کی مدت ملازمت پوری ہونے پر اپنے عہدے سے ریٹائرمنٹ لے لی، چونکہ جنرل راحیل شریف بڑی مضبوط شخصیت کے مالک تھے لہٰذا پوری قوم چاہتی تھی یا تو جنرل راحیل شریف کو ملازمت میں ایکسٹینشن دی جائے یا ان کا جانشین کوئی ایسا جنرل ہو جو دہشت گردی کے خلاف جاری جنگ کو منطقی انجام تک پہنچا سکے۔ بہرحال اللہ کا شکر ہے کہ جنرل قمر جاوید باجوہ اس اہم عہدے کے لیے درست انتخاب ثابت ہوئے۔ انہوں نے جنرل راحیل شریف کے ضرب عضب آپریشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا جس طرح آرمی پبلک سکول کے شہید بچوں کی تصاویر کا فریم جنرل راحیل شریف کی آفس ٹیبل پر موجود تھا۔ آج ان شہید بچوں کی خوبصورت تصاویر کا فریم جنرل باجوہ کی آفس ٹیبل پر بھی موجود ہے جو ان کے جذبہ عمل کو ہردم مہمیز دیتا ہے کہ اس ملک سے جلد از جلد دہشت گردی کا عفریت اپنے انجام کو پہنچے۔ جنرل باجوہ اپنے پیشرو جرنیلوں کی طرح محض انڈیا دشمنی کو ہی اپنی سوچ و فکر کا محور نہیں خیال کرتے ہیں بلکہ ان کی نظر میں پاکستان میں داخلی انتشار دہشت گردی اور انتہا پسندی سے ریاست کے استحکام کو زیادہ خطرہ ہے۔ اس لئے انہوں نے آپریشن رد الفساد کا آغاز بڑی شدت اور حکمت سے کیا ہے تا کہ دہشت گردوں کو ان کے آخری انجام تک پہنچایا جائے۔ علاوہ ازیں ان کی ذہنی ساخت پرو جمہوریت ہے جس وقت اسلام آباد میں تحریک انصاف نے دھرنوں سے نواز شریف کی حکومت کو لرزا کر رکھا ہوا تھا، جنرل قمر جاوید باجوہ 10 کور کے کمانڈر تھے۔ مگر وہ کور کمانڈر کانفرنس میں ہمیشہ یہ رائے دیتے تھے کہ فوج کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے اور وہ ہمیشہ سے اس فلسفے کے قائل رہے ہیں کہ اعلیٰ فوجی قیادت کو سیاسی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہئے۔

جنرل قمر جاوید باجوہ 11 نومبر 1960 کو کراچی میں پیدا ہوئے ان کے والد محترم لیفٹیننٹ کرنل محمد اقبال کا تعلق گکھڑ منڈی سے تھا۔ اور وہ دوران ملازمت کوئٹہ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قمر جاوید باجوہ جاٹ خاندان کے سپوت ہیں اور پورا خاندان راسخ العقیدہ مسلم عقائد کا حامل ہے۔ انہوں نے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کی تعلیم ایف جی سرسید سکول راولپنڈی سے حاصل کی۔ اس کے بعد گریجویشن کے لئے گورڈن کالج میں داخلہ لیا مگر 1978 میں انہیں کراچی کے 62 لانگ کورس کے لئے منتخب کر لیا گیا اور وہ کاکول اکیڈمی چلے گئے اور وہاں سے 24 اکتوبر 1980 میں پاس آؤٹ ہو کر 16 بلوچ رجمنٹ میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کی پوسٹ پر سیالکوٹ میں تعینات ہوئے۔ 1992 میں وہ اسی رجمنٹ میں میجر تھے۔ اس کے بعد جب وہ لیفٹیننٹ کرنل بنے تو ان کی تعیناتی 10 کور میں ہوگئی اور پھر بطور بریگیڈیئر اور کور کمانڈر بھی وہ 10 کور میں اپنی ذمہ داریاں سرانجام دیتے رہے۔ 10 کور پاکستان آرمی کی سب سے بڑی کور ہے۔ اسی لئے انہیں لائن آف کنٹرول کشمیر کے مسائل اور دشمن کی چالوں کے متعلق کما حقہ آگاہی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اس محاذ پر ہندوستان کی مذموم چالوں کو کس طرح ناکام بنانا ہے بریگیڈیئر بننے کے بعد وہ یونائیٹڈ نیشن کے مشن کانگو میں تعینات ہو گئے جہاں انہوں نے انڈیا کے سابق آرمی چیف جنرل بکرم سنگھ کے ساتھ فوجی ملازمت کی۔ جب جنرل باجوہ پاکستان کے آرمی چیف تعینات ہوئے تو بکرم سنگھ نے انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انتہائی ہونہار اور

Scanned with CamScanner

پروفیشنل سپاہی قرار دیا۔ 2009 میں وہ میجر جنرل کے عہدے پر فائز ہوئے اور انہیں جنرل آفیسر کمانڈر کے طور پر سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ انہیں اعلیٰ فوجی مہارت پر حکومت پاکستان نے نشان امتیاز اور ہلال امتیاز کے ایوارڈز سے بھی نوازا۔ وہ نیول پوسٹ گریجویٹ سکول کیلیفورنیا اور کینیڈین آرمی کمانڈ اینڈ سٹاف کالج اور نیشنل ڈیفنس کالج اسلام آباد سے بھی متعدد وار کورسز کر چکے ہیں۔ جنرل باجوہ 2013 میں بحیثیت جنرل کے عہدے پر تعینات ہوئے اور آرمی چیف بننے سے پہلے وہ جی ایچ کیو میں انسپکٹر جنرل ٹریننگ اینڈ ایویلیوایشن کے عہدے پر تعینات تھے۔ جنرل باجوہ ایک عاجز اور غریب پرور انسان ہیں۔ وہ اپنے جونیئرز کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے ہیں۔ وہ پروٹوکول کو زیادہ پسند نہیں کرتے ہیں اور اپنی فیملی کے ساتھ بھرپور تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں کرکٹ کے کھیل سے گہری دلچسپی ہے۔ PSL کی چیمپئن ٹیم پشاور زلمی کے کھلاڑیوں کو جی ایچ کیو میں دعوت پر بلایا اور ان کے ساتھ نہایت خوشگوار لب و لہجے میں گفتگو کی۔ وہ بین الاقوامی سیاست اور تاریخ پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی ذات کو نمایاں کیے بغیر سعودی عرب، افغانستان اور امریکہ کے ساتھ اسٹریٹجک پیچیدہ موضوعات پر کامیاب ڈپلومیسی کی وہ ہندوستان اور افغانستان کے ساتھ پرامن تعلقات کے خواہاں ہیں اور بے حد صبر و تحمل سے ان ممالک کی جارحانہ کارروائیوں کو برداشت کر رہے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ جنرل باجوہ علامہ اقبال کے اس شعر کی سچی تفسیر ہیں۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

آج ہماری قوم کو جنرل قمر باجوہ پر فخر ہے کہ وہ پاکستان کی سرزمین کی حفاظت کرنے والی بہادر افواج کی قیادت بے حد فراست اور جذبہ عمل کے ساتھ کر رہے ہیں۔ جنرل باجوہ کی قیادت میں پاکستان کی بہادر افواج جلد اندرونی اور بیرونی جارحیت کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنرل قمر جاوید باجوہ کو اپنے مشن میں کامیاب کرے اور پاکستان کے عوام اس بہادر جنرل کی خدمات تا عمر یاد رکھیں۔

جنرل قمر جاوید باجوہ کے عزم اور اعتماد سے پوری قوم کو ہمیشہ احساس تحفظ محسوس ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ پوری پاکستانی قوم کے لیے سائبان ہیں جب میں ان کی فوجی سرگرمیوں کا مشاہدہ کرتا ہوں تو دل ایسے میں پکار اٹھتا ہے۔

گرمیِ شوق نظارا کا اثر تو دیکھو
گل کھل جاتے ہیں وہ سایہ در تو دیکھو
صبح کی طرح جھمکتا ہے شب غم کا افق
فیضؔ، تابندگی دیدہ تر تو دیکھو

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

Scanned with CamScanner

پاک فضائیہ دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ

ایئر چیف مارشل سہیل امان کا خصوصی انٹرویو

پاکستان ائیر فورس کے سربراہ چیف آف ائیر سٹاف ائیر چیف مارشل سہیل امان نے دو ٹوک الفاظ میں انتباہ کیا ہے کہ کوئی بھی ملک ہمارے ملک میں جارحیت نہ کرے پاک فضائیہ پوری قوت سے ہر حملہ آور ملک کو تہس نہس کر دے گی ہماری جنگی قابلیت صلاحیت کا انڈیا کو بخوبی علم ہے وہ ائیر ہیڈ کوارٹرز میں اپنی رہائش پر جنگ گروپ کو خصوصی انٹرویو دے رہے تھے ونگ کمانڈر خورشید اس موقعہ پر موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری ائیر فورس بھارت سے کسی طرح کم نہیں امریکہ کے مقابلے میں ایک درجہ کم ہے دشمن کو کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے پاک فضائیہ ملکی دفاع کا رول پورے مصمم ارادے اور طاقت سے کر دکھائے گی پاک فضائیہ صرف اور صرف وطن عزیز کا دفاع کرے گی مگر کسی دشمن کی فضائیہ نے پاکستان پر حملے کی غلطی کی تو اسکی نسلیں یاد رکھیں گی انڈیا کا کونہ کونہ پاکستان اور اسکے میزائیلوں کے نشانے پر ہے سپر پاور مڈل ایسٹ میں دراندازی اور مداخلت کرتی ہے، پاکستان میں ایسی زمینی اور فضائی مداخلت کا بھارت تو بھارت سپر طاقت بھی سوچ نہیں سکتی ہم پہاڑوں کے درمیان کی وادیوں اور بے حد بلندیوں (HIGH ALTITUDE) پر دشمن کے حملہ آور طیاروں کے پرخچے اڑانے کی صلاحیت کے حامل ہو گئے ہیں ہم دو شہروں میں خلائی پروگرام پر عمل پیرا ہو گئے ہیں جدید ترین جنگی طیارے ایف۔35 سے بھی بہتر دنیا کا جدید ترین جنگی طیارہ بنانے جا رہے ہیں جو جدید راڈار پر بھی نظر نہیں آیا کرے گا ہم نے اسکا نام عزم جنگی طیارہ رکھا ہے یہ امریکہ وغیرہ کے (STEALTH) وار پلین کی تمام تر خصوصیات سے بھی کئی لحاظ سے آگے ہوگا پاکستان نے یو ایس سٹیلتھ جنگی طیارے کا ڈیزائن بنالیا ہے اسکا انجن عمل سٹارٹ کر دیا ہے یہ چھ ہزار میل کی اڑان ایک بار فیول بھر کر کرنے کی صلاحیت کا حامل ہوگا دنیا کے اس جدید ترین موسٹ ماڈرن طیارے کی تیاری میں پاکستان کو دو ملکوں کا فنی تعاون اور اشتراک عمل حاصل ہوگا عزم نامی پاکستانی سٹیٹ آف دی آرٹ جنگی طیارے میں سو فیصد ٹارگٹ تباہ کرنے والے پریسیون ویپن (PRECISION WEAPON) نصب ہونگے جو پاکستان نے تیار کر لئے ہیں۔ پاک فضائیہ کے سربراہ جنہوں نے دنیا بھر کے ملکوں کے جنگی لڑاکا جدید طیارے ایف۔16، میراج۔ ایف۔7، ایف۔16اے، ایس یو۔3 (نشاط) ایس یو۔ 87 (چائنا) گریپن (GRIPPEN) سویڈن یورپ کا مشترکہ لڑاکا طیارہ یورو فائٹر، نارینڈ (یورپ) وغیرہ خود اڑا رکھے ہیں۔ انڈین آرمی چیف کی طرف سے پاکستان کا ایٹمی صلاحیت کو دھوکہ قرار دے کر درحقیقت انہوں نے پاکستان کے خلاف جارحانہ عزائم کھل کر ظاہر کئے ہیں اس حوالے سے انڈین ائیر فورس کے متعلق سوالات کئے گئے تو پاک فضائیہ کے شیر دل جرأت مند چیف آف سٹاف نے کہا کہ ہم بھارتی فضائیہ سے کسی طور کم نہیں ہیں قوم کو یاد ہوگا کہ گزشتہ چار 4 سالوں میں انڈین جنگی طیارہ پاکستان کی فضائی حدود میں ایک بار نہیں گھس سکا کیونکہ ان کو علم ہے کہ پاک فضائیہ اس انڈین طیارے کو چشم زدن میں اپنی سرزمین پر ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی صلاحیت اور ہتھیاروں سے لیس ہے بے شک بھارتی ائیر فورس کے طیاروں کی تعداد ایک کے مقابلے میں اڑھائی ہے مگر ہم 2020 تک یہ تناسب ایک کے مقابلے میں دو کر دیں گے پاکستان فضائیہ میں پاک چین اشتراک عمل سے بنائے گئے کم و بیش ایف۔16 امریکی طیاروں کی عمومی جنگی صلاحیتوں کے حامل جے۔ ایف۔ 17 تھنڈر طیاروں کی تعداد ایک سو کر دی گئی ہے۔ انڈین ائیر فورس سے متعلق جنگ کے استفسار پر ائیر چیف مارشل سہیل امان کی آنکھوں میں پاکستان کی فضاؤں کے محافظ کے طور پر چمک پیدا ہوئی پر عزم پاکستانی ائیر چیف نے کہا کہ مغربی ہو یا مشرقی فضا پاک فضائیہ دشمن کے ہر قسم کے طیاروں کو تباہ کرنے کے لئے بے چین رہے گی ہم نے پاکستان کی مشرقی اور مغربی سرحدوں پر پیٹرولنگ کے آرڈرز پاک فضائیہ کے تمام ائیر بیس

Scanned with CamScanner

کمانڈروں کو پہنچا دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ حیدرآباد کے بولاری کے نئے فضائی مستقر پر سے آج ایف سولہ طیاروں کی نہ صرف پروازوں کا آغاز کر دیا ہے بلکہ اس فضائی مستقر پر فضائی جنگ کے جدید ترین اور مہلک ترین ہتھیار پہنچا دیئے ہیں ہمیں پونے دو سال پہلے رپورٹ دی گئی تھی کہ بھارت کی سرکار کراچی تا خیبر قومی شاہراہ اور ریلوے سسٹم سندھ کے علاقے بولاری کے قریب کاٹنے کا پلان بنا رہی ہے اس کے پلان کو نیست و نابود کرنے کے لئے بولاری (ضلع حیدرآباد) میں ہم نے 21 ماہ کی ریکارڈ مدت میں پاکستان ایئر فورس کا ماڈرن ایئر بیس بنا کر وہاں ایف۔16 سکواڈرن تعینات کر دیا ہے جو بھارتی جنگی عزائم کے لئے بہت بڑا ڈیٹرنس ہے۔ چیف آف ایئر سٹاف ایئر چیف مارشل سہیل امان نے کہا کہ پاکستان جو عزم نامی اسٹیلتھ جنگی لڑاکا طیارہ ڈویلپ کرنے لگا ہے ایسا جدید ترین فائیٹر بمبار طیارہ بنانے کی بھارت میں بھی صلاحیت نہیں ہے جو چھ ہزار میل تک ایک دفعہ فیول لے کر محو پرواز رہا کرے گا۔ پاکستان کا یہ آواز کی رفتار سے بھی بہت زیادہ رفتار سے اڑنے والا جنگی طیارہ دشمن کے ٹھکانوں کی راڈار میں نظر آئے بغیر تباہ کر کے اپنے اڈے پر اترنے کی صلاحیتوں سے لیس ہوگا۔ عزم لڑاکا بمبار طیارہ پاکستانی قوم کا سر اقوام عالم میں فخر سے بلند کر دے گا پاکستان دشمن کے لئے تر نوالہ نہیں ہے بلکہ روایتی اور غیر روایتی ہتھیاروں والے ایٹمی ملک پاکستان کے زمینی فضائی بحری دفاع کا امین ہوگا ہم کسی پر جنگ مسلط ہرگز نہ کریں گے تاہم پاکستان کی بری بحری فضائی سرحدوں کا دفاع پورے عزم کے ساتھ کامیابی سے دنیا کو کر دکھائیں گے۔ آج کل انڈین ایئر فورس پرانے جنگی طیاروں مگ۔21، مگ۔27، مگ۔29 کی وجہ سے گوناگوں مشکلات سے دوچار ہے آج ہو یا کل پاک فضائیہ کو انڈین ایئر فورس کے ساتھ پنجہ آزمائی میں کبھی مشکل پیش نہیں آئے گی انہوں نے قوم کو یقین دلایا کہ پاکستان ایئر فورس کو انڈین ایئر فورس سے کسی بھی وقت مقابلہ کرنے میں کسی بھی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ پاک فضائیہ کے عظیم قائد نے کہا کہ انہوں نے پوری دنیا گھومی ہے ہمارے ملک کے جو لوگ ہیں ان کے دل میں پاکستان کی محبت اور لگاؤ ہے وہ مثالی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان بھر کے عوام انتشار، تفرقہ بازی چھوڑ کر ایک دوسرے سے تسبیح کے دانوں کی طرح مل کر رہیں۔ اتحاد کے ساتھ رہیں۔ دشمن کی دھمکیوں کا جواب افواج پاکستان دے گی قومی اتحاد وقت کا تقاضا ہے دفاع وطن عسکری قوت بخوبی کرے گا پاکستان کے اندر قومی اتحاد ستمبر 1965 جنگ کی طرح ابھی سے ہو جانا چاہیے انہوں نے بتایا کہ 1971 کی جنگ کے وقت وہ ساتویں جماعت کے طالب علم تھے۔ سقوط مشرقی پاکستان کا سانحہ ان کی زندگی کا ٹرننگ موڑ (TARAING POINT) تھا اسی وقت انہوں نے طے کر لیا یہ عزم صمیم کر لیا کہ ملک و قوم کی عزت کی حفاظت کے لئے وہ بھرپور کردار ادا کریں گے اسلئے وہ میٹرک کا امتحان پاس کر کے پاکستان ایئر فورس میں شامل ہو گئے دسمبر 1971 کی جنگ میں ان کے بہنوئی میر پرویز شکر گڑھ محاذ پر شہید ہو گئے تھے اللہ نے پڑھائی پر میرا فوکس کرایا ایئر چیف نے کہا کہ مسلح افواج میں پڑھائی کا بے حد اہم رول ہے میں نے سرگودھا بورڈ سے بارہویں جماعت پاس کی ایئر فورس میں ہی انہوں نے یونیورسٹی تعلیم مکمل کی وہ 1980ء میں پی اے ایف اکیڈمی رسالپور سے پاس آؤٹ ہوئے پاک فضائیہ کے سربراہ نے کہا کہ فلائنگ ایسا بزنس ہے آپ کے عزیز اس میں شہادت نوش کر جاتے ہیں ایسے واقعات نے میرا دل مزید پختہ کیا اللہ نے بھی بڑا کرم کیا۔ دنیا کا کم و بیش ہر لڑاکا طیارہ خود اڑایا۔ ایئر چیف مارشل سہیل امان نے کہا کہ فلائنگ (جنگی جہاز اڑانے) سے سب سے بڑی بات کمبابٹ کمانڈوز سکول سرگودھا میں بطور استاد پانچ سال پڑھانا ہے میں کمبابٹ کمانڈوز سکول کا کمان دار (کمانڈر) بھی رہا۔ پاک فضائیہ کے اعلیٰ عہدوں (آپریشن، ٹریننگ) برانچوں میں ذمہ داریاں نبھائیں۔ ایئر چیف مارشل سہیل امان دو سال قبل آپریشن ضرب عضب کے صف اول کے منصوبہ ساز تھے۔ انہوں نے دہشت گردی کے خلاف حکمت عملی بنانے کی ذمہ داریاں ادا کیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاک فضائیہ نے دہشت گردوں کے قلع قمع میں اہم کردار ادا کیا آپریشن کو لیڈ کیا پاکستان آرمی کی مدد کرنے کی خاطر آرمی کے لئے راستوں کو کھولنے کے سلسلے کی قیادت کی پاک فضائیہ کے سربراہ نے فضائیہ

Scanned with CamScanner

کالونی شاہراہ اسلام آباد میں سٹیٹ آف دی آرٹ متبادل کی تعمیر مکمل ہونے پر اس کا افتتاح کیا۔ فضائیہ کالونی میں سکونت پذیر پاکستان ائیر فورس کے ریٹائرڈ افسروں اور سٹاف کو سی ایم ایچ یا پی اے ایف متبادل ائیر ہیڈ کوارٹرز اسلام آباد تقریباً دس کلومیٹر کا سفر کر کے آنا پڑتا تھا اب فضائیہ کالونی والوں کو ہنگامی مدد اور علاج معالجے کی جملہ سہولیات بشمول ادویات فضائیہ کالونی کے پی اے ایف متبادل میں ملنا شروع ہو گئی ہیں اس کے علاوہ پاک فضائیہ کے کم تنخواہ والے سٹاف اور ضرورت مند پاک فضائیہ کے افسروں کے بچوں کی شادیوں کے لئے مالی امداد کا سلسلہ ائیر چیف مارشل سہیل امان نے شروع کرا دیا۔ نیشن بلڈنگ میں اہم رول ادا کرتے ہوئے پی اے ایف نے ملک بھر میں یونیورسٹیاں، کالجز میڈیکل کالج و ویکیشنل ٹریننگ سنٹر کھول دیئے ہیں۔ پاک فضائیہ کے سربراہ نے کہا کہ ہم بڑے بڑے جنگی طیاروں کی انسپکشن آج خود کرنے لگے ہیں ماضی میں انسپکشن کے لئے لڑاکا طیارے دوسرے ملکوں میں ہم بھجواتے تھے جن پر بیش بہا زرمبادلہ متعلقہ ملک کو ہم دیا کرتے تھے۔ آج ہم نہ کسی دوسرے ملک کی دھمکی سنتے ہیں نہ ہی کسی کی دھمکی کو کامیاب ہونے دیتے ہیں ہم نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھ لیا (PRECISION) والے ہر قسم کے روایتی غیر روایتی ہتھیار ہم نے بنا لئے ہیں جو صحیح نشانے پر لگتے ہیں۔ یو کے میں 89 ملکوں کی فضائی افواج کے اعلیٰ عہدیداروں کی انٹرنیشنل کانفرنس میں وہ گئے تھے جو رائل کالج آف ڈیفنس سٹڈیز یو کے میں ہوئی جس میں انہیں اول پوزیشن دی گئی انہوں نے بتایا کہ 2007 میں وہ ایس سی کانفرنس میں بطور ائیر کموڈور پی اے ایف شریک ہوئے اس وقت کے رائل کالج آف ڈیفنس سٹڈیز کے کمانڈر نے میرے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے کہ ائیر کموڈور سہیل امان ایسا شخص ہے جو ایک دن پاکستان ائیر فورس کا چیف بنے گا۔ 2017 کے اواخر میں وہ انٹرنیشنل ائیر فورس کانفرنس میں لیکچر دینے گئے وہاں پر ساری فوجی دنیا کی فضائی جنگ کی پالیسیوں کا انہوں نے تجزیہ کر کے عالمی ائیر لیڈرز کے سامنے جب پیش کیا تو تمام لیڈرز کو میرے متعلق رائل کالج آف ڈیفنس سٹڈیز کے 2007 کی درست ثابت ہونے والی پیش گوئی کو یاد کرایا گیا جنگ گروپ کے قارئین اور پوری پاکستانی قوم کو یہ پیغام دیا۔'' پاکستان کے بارے میں سوچیں۔ سب سے پہلے پاکستان۔ پاکستان ہے تو سب کچھ ہے پاکستان کے لئے جان بھی جائے تو اس سے بہتر سعادت اور نہیں۔ دن رات وطن کے لئے دیانتدارانہ محنت کریں۔ قومی اتحاد سے ہی مسلح افواج وطن کے دشمنوں کو عبرتناک شکست دے سکتی ہے۔ چیف آف ائیر سٹاف ائیر چیف مارشل سہیل امان نے کہا کہ ائیر پاور سنٹر آف ایکسی لینس (اے سی ای) کے سعودی عرب، ترکی، پولینڈ، برطانیہ، ملائیشیا، سری لنکا، قطر کویت اردن کی فضائیہ کے وفود نے کہا کہ پاکستان ائیر فورس ایسی فضائی قوت بن گئی ہے جو باقی دنیا کی فضائی افواج کو انسداد دہشت گردی کی تربیت دینے لگی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کام اللہ نے ہم سے کرایا ہے کہ پاکستان ائیر فورس نے ایوی ایشن سٹی کامرہ میں کامیابی سے تقریباً بنا لیا ہے اسکے تمام حصے مکمل کر لئے گئے ہیں وہاں یونیورسٹی بن گئی ہے ایوی ایشن انڈسٹری بھی قائم ہو گئی ہے ایوی ایشن ڈیزائین انسٹی ٹیوٹ بھی بن گیا ہے ان سب کو اپنی نظر میں رکھنے کے لئے سرٹیفکیشن ایجنسی بن گئی ہے پی اے ایف میں ولولہ تازہ پیدا ہو گیا ہے یہ سب قوم کے اتحاد کی وجہ سے ممکن ہوا ہے ہماری قوم کو اتحاد قائم رکھ کر پاکستان کو مشرقی پاکستان جیسے سانحہ سے محفوظ رکھنا چاہئے جس سانحے کے باعث وہ پاک فضائیہ میں 1974 میں شامل ہوئے تھے۔

دو ٹوک انتباہ

(15 جنوری 2018ء کو شائع ہوا)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ترک صدر عبداللہ گل......ویلکم ٹو پاکستان

ترکی کے صدر کا خصوصی انٹرویو

برادر ملک جمہوریہ ترکیہ کے صدر عبداللہ گل نے نواز شریف کے وزارت عظمیٰ کے دور میں پاکستان کا تاریخی دورہ کیا۔ ترک صدر عبداللہ گل نے اپنے دورۂ پاکستان سے قبل پاکستان کے سب سے بڑے میڈیا گروپ جنگ اور ملک کے اندر باہر سب سے زیادہ دیکھے جانے والے جیو ٹی وی کو انٹرویو دینے کے لیے جنگ راولپنڈی کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر حنیف خالد کو خصوصی دعوت پر ترکی بلایا، اپنا مہمان رکھا۔ ان کے ساتھ جیو کے کیمرہ مین نیئر عباس بھی تھے۔ جنگ گروپ/جیو ٹیم نے ترک صدر کا ایوان صدر انقرہ میں تفصیلی انٹرویو کے علاوہ جنرل ہیڈ کوارٹرز انقرہ میں ترکی کے چیف آف جنرل سٹاف جنرل الکم باشبوغ کا خصوصی انٹرویو کیا۔

ترک وزیر خزانہ، ترکی کے وزیر مملکت برائے تجارت ترک پارلیمنٹ کے 370 ارکان پر مشتمل سنگل سب سے بڑے پاک ترک فرینڈشپ پارلیمنٹیرین گروپ کے چیئرمین، پاکستان کے ترکی میں سفیر سے بھی اس دورے کے دوران جنگ/جیو ٹیم نے انٹرویوز کیے۔ انقرہ میں ڈائریکٹوریٹ جنرل آف پریس اینڈ انفارمیشن جس کے سربراہ وزیر اعظم رجب طیب اردوان خود ہیں دیگر ارکان، عارف کلین، دیک دیک جیدک مادام برجو علی کاظم سے ملاقاتیں رہیں۔ استنبول میں مہماندار دوشیزہ مس نیسلیہان (NESLIHAIN) نے تاریخی مقامات کی ٹیم کو خوب سیر کرائی۔ استنبول کی سب سے بڑی یونیورسٹی بوگا نیکی جہاں 11 ہزار ملکی وغیر ملکی طلبہ وطالبات خوشگوار ماحول میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہاں کے پروفیسروں سے ملاقاتیں رہیں۔ ترک سیاحت وثقافت کے سیکرٹری عصمت ہیلماز کا انٹرویو کیا۔ ترکی کے این ٹی وی ہیڈ کوارٹرز کا دورہ کیا۔ حاجیہ صوفیہ میوزیم، انڈر گراؤنڈ سیسٹرن (CISTERN) ٹوپ کاپی پیلس، بلیو مسجد (MOSQUE) (تعمیر کردہ سلطان احمد) اور گرینڈ بازار مال میں گئے۔

سوال: جناب صدر! پاکستان اور ترکی کے مابین مختلف شعبوں میں دوطرفہ تعاون بڑھانے کے لیے آپ کا وژن کیا ہے۔

ترک صدر: سب سے پہلے جنگ گروپ، جیو ٹی وی کا آپ کی وساطت سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے دورۂ پاکستان سے پہلے انقرہ آ کر میرا انٹرویو کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ میرے لیے اعزاز ہے کہ پاکستان کے سب سے بڑے میڈیا گروپ اور سب سے بڑے ٹی وی چینل کو میں انٹرویو دے رہا ہوں۔ یہ انٹرویو دیتے ہوئے مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے جب ہم ترکی اور پاکستان کے رشتوں کی بات کرتے ہیں تو میں یہ کہوں گا کہ یہ دو ملکوں کے مابین عمومی دوستانہ تعلقات جیسے نہیں ہیں بلکہ ان کو ہم دو حقیقی بھائیوں کے درمیان خونی رشتوں کی مانند کہہ سکتے ہیں۔ دونوں ملکوں کے مابین قابل تقلید دوستی ہے جس کی ایک باضابطہ مسلمہ قابل فخر تاریخ ہے یہ رشتے ناطے بے حد مضبوط مستحکم موثر فعال ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ میرے دورے سے یہ روابط تعلقات کے نئے افق تک پہنچیں گے اس دورے کے دوران پاکستان اور ترکی کی قیادت کو ایک دوسرے سے زیادہ بات چیت کا موقع ملے گا یہ بات چیت دونوں ملکوں کے درمیان عوام کے لیے فائدے کا موجب ہوگی۔ میرا یہ بھی ایمان ہے کہ دونوں ممالک کے روابط تیزی سے بڑھیں گے ترکی پاکستان کے ساتھ مضبوط یکجہتی (SOLIDARITY) رکھتا ہے۔ میرے دورے سے معیشت تجارت اور دوسرے ایریاز میں پاک ترکی اشتراک عمل فروغ پائے گا۔ دورۂ پاکستان سے میری بے حد توقعات وابستہ ہیں۔

سوال: پاکستان اور ترکی کے مابین اخوت دوستی بے مثال ہے مگر اسے اقتصادی اور دوسرے شعبوں میں تعاون بڑھانے کے لیے کس طرح (TRANSLATE) ٹرانسلیٹ کیا جا سکتا ہے۔ میری مراد سیاسی سطح پر جو مکمل اتفاق رائے بین الاقوامی فورموں میں یکجہتی مشترکہ موقف ہے

Scanned with CamScanner

مگر اس کا عکس تجارت، اطلاعات، صنعت، سرمایہ کاری، انرجی، دفاع وغیرہ کے شعبوں میں کب نظر آئے گا۔

ترک صدر: ترکی اور پاکستان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بے حد قریب ہیں ان کے مابین دوستی بے حد مضبوط ہے۔ تمام بین الاقوامی معاملات میں یکساں موقف اور نقطۂ نگاہ سے دونوں ملکوں کے عوام کے مابین دوستی نہیں اخوت کے رشتے ہیں۔ دونوں کے عوام بھائی بھائی ہیں۔ آپ نے درست کہا کہ پاکستان اور ترکی کے مابین سیاسی سطح پر برادرانہ رشتوں کا پرتو اور عکس معیشت کے میدان میں قریبی تعاون کی شکل میں نظر نہیں آ رہا۔ میرا خیال ہے میرا موقف اور رائے ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان سیاسی سطح کے علاوہ تمام معاشی ثقافتی توانائی کے شعبوں میں تعاون بڑھائے جانے کی بڑی گنجائش ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم دونوں ملکوں کو قریب تر لانے کی گنجائش سے بھرپور استفادہ کریں۔ نئی راہیں نئی جہتیں ڈھونڈ نکالیں تاکہ دونوں ممالک ساتھ ساتھ ترقی کرتے جائیں۔ دونوں ملکوں کے عوام کا معیار زندگی بہتر سے بہتر ہو۔ مختلف ایریاز میں ہم کو آگے جانا ہوگا مختلف شعبوں میں ہمیں اپنی صلاحیتیں اور سرمایہ بروئے کار لانا ہوگا۔ ٹریڈ اینڈ انوسٹمنٹ کے ایریاز میں ہمیں آگے ساتھ ساتھ جانا ہوگا۔ میں اپنے ساتھ ترک بزنس مینوں کا ایک بہت بڑا گروپ لے کر جا رہا ہوں۔ اس گروپ کے ممبر سرمایہ کار پاکستان کے اندر بجلی کی لوڈشیڈنگ کے مسئلہ کو ہنگامی طور پر حل کرنے کے لیے انرجی کے شعبے میں بھاری سرمایہ کاری کی پیشکش کریں گے۔ مینوفیکچرنگ کے شعبے میں پاکستانی بزنس مینوں کے ساتھ مل کر سرمایہ کاری کی تجویز دیں گے۔ دونوں ملکوں کے مابین مختلف معاملات میں پاکستانی لیڈروں سے بات چیت کروں گا اور خیالات میں یکسانیت کو مزید بہتر بنایا جائے گا۔ میری کوشش ہوگی کہ ترکی اور پاکستان کی باہمی دوطرفہ تجارت مختصر عرصے میں 5 ارب ڈالر تک کر دی جائے۔ اس کے لیے دونوں ممالک کے پبلک سیکٹر کے ساتھ ساتھ نجی شعبے کو آگے بڑھنا ہوگا۔ بین الاقوامی اصولوں پر دونوں ملکوں کے مابین تجارت بڑھانا ہوگی۔ تمام شعبوں میں تعاون میں اضافے کے لیے ہم بات چیت کریں گے۔

سوال: جناب صدر! پاکستان ایران ترکی نے غیر ملکی تجارت بڑھانے کے لیے مشترکہ کارگو ٹرین سروس چلانے کا تجربہ 14 اگست 2009ء کو کیا۔ یہ کارگو ٹرین مقررہ 12 ایام میں کراچی سے چل کر ایران میں ٹھہرتے ہوئے 28 اگست کو ترکی پہنچ گئی تھی۔ یہ کارگو ٹرین سروس اس کے بعد ریگولر کب چلنا شروع ہوگی۔

ترک صدر: آپ نے صحیح سوال کیا تجارت بڑھانے کے لیے لینڈ روٹ آسان ہوگا۔ کراچی تہران استنبول کارگو ٹرین سروس ہم جلد سے جلد شروع کرنے کے خواہاں ہیں۔ اسی لیے میں ڈائریکٹر جنرل ریلوے گورنمنٹ آف ترکی کو اپنے ساتھ پاکستان لے جا رہا ہوں۔ تینوں ملکوں کے درمیان باہمی تجارت کے لیے ریلوے کا انفراسٹرکچر تقریباً تیار ہے۔ پاکستان کی برآمدات ایران ترکی کے علاوہ اس سے آگے یورپ جانے لگیں گی۔ اسی طرح ایران کی برآمدات ترکی اور دوسرے یورپی ممالک پہنچا کریں گی۔ ترکی کی برآمدات ایران کے علاوہ پاکستان اور اس کے آگے ملکوں میں تیز رفتاری سے جانے لگیں گی۔ یہ ٹرین سروس توقع ہے کہ پانچ ماہ کے اندر شروع کی جا سکے گی۔ آج کل تینوں ممالک کے درمیان اور ان سے آگے تینوں ممالک کی برآمدات سمندر کے راستے جاری ہیں جن پر زیادہ وقت صرف ہوتا ہے اور لاگت بھی زیادہ آتی ہے۔ تینوں ممالک کی قیادت کے علاوہ افغان صدر کرزئی بھی اس کارگو ٹرین سروس کو اپنے ملک کے لیے مفید تصور کرتے ہیں۔ اس ٹرین کا آغاز کراچی سے ہوگا جو تہران پہلے رکے گی اس کے بعد یورپ کے ثقافتی کیپٹل (دارالحکومت) استنبول پہنچ کرے گی۔

یہی کارگو ٹرین سروس اس کے بعد استنبول تہران کراچی جایا کرے گی اس کا آنے جانے کا ایک روٹ ہوگا۔ ہم اس ریلوے روٹ کو مزید بہتر بنانے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ پاکستان کے صدر آصف علی زرداری جب حال ہی میں استنبول آئے تھے تو اس وقت ہمیں موقع میسر آیا تھا کہ ہم اس کارگو ٹرین سروس پر بات چیت کریں اس کی فنی ضروریات کو حتمی شکل دی گئی تینوں ملکوں کے ریلوے حکام نے اس ٹرین سروس کی تیاریاں

Scanned with CamScanner

زور وشور سے شروع کر رکھی ہیں۔ میرے دورۂ پاکستان کے دوران اس ٹرین سروس کو ریگولر بنانے کے لیے ڈائریکٹر جنرل آف ترکی سٹیٹ ریلوے کے علاوہ متعلقہ بیوروکریٹس بھی جا رہے ہیں جو اس کارگو ٹرین کو بہتر سے بہتر انداز میں چلانے کے پروگرام کو آخری شکل دیں گے۔ یہ کارگو ٹرین تیز رفتار چلا کرے گی اس نوعیت کے عملی اقدامات ہمیں دوسرے تمام شعبوں میں تعاون بڑھانے کے لیے کرنا ہوں گے۔ جب ہم تجارت بڑھانے کی بات کرتے ہیں تو اس کے لیے ہمیں سرمایہ کاری بڑھانے کے لیے دونوں ملکوں کے نجی شعبے کے درمیان عملی اقدامات کرانا ہوں گے۔ حکومت کی سطح پر ان کو پرکشش سہولیات دینا ہوں گی۔ سرمایہ کاری کے لیے پاکستان ترکی کو سازگار ماحول مہیا کرنا ہوگا۔ سرمایہ کار ہمیشہ وہاں جاتا ہے جہاں امن وامان ہو وہ خود کو محفوظ تصور کریں سرمایہ کاروں کو ہر لحاظ سے تحفظ حاصل ہو ترکی نے سرکاری شعبے کے تجارتی سرمایہ کاری ادارے بتدریج ختم کئے ان کی جگہ نجی شعبے کے اداروں نے لی۔ اس کے نتیجے میں گزشتہ چھ سات برسوں میں ہم نے تیز رفتار معاشی ترقی کی ہے۔ پاکستان کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ امن وامان کی فضا پیدا کرنا ہوگی۔ سرمایہ کاروں کی جان ومال کو تحفظ دینا ہوگا۔ میرے ملک کے سرمایہ کار جو پاکستان پہنچ رہے ہیں۔ ان میں انرجی/ہائیڈل پاور کے ماہر سرمایہ کار بھی شامل ہیں جو پاکستان میں بجلی کی پیداوار بڑھانے کے لیے اپنے پلان ساتھ لے کر جا رہے ہیں۔ ان کو سستی سے سستی بجلی پیدا کرنے کا اطمینان بخش اور وسیع تجربہ ہے ترک سرمایہ کار اپنے پاکستانی ساتھی سرمایہ کاروں سے بجلی کے مشترکہ منصوبے لگانے کے لیے رابطہ کریں گے جس سے مثبت نتائج سامنے آئیں گے حکومت پاکستان نے بھی انرجی پروڈکشن بڑھانے کا عزم کر رکھا ہے۔ ترکی پاکستان کو تاریکی سے اجالے میں لانے کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے گا۔ بجلی کی لوڈشیڈنگ کے خاتمے میں عملی مدد دے گا۔ ترکی کا پرائیویٹ سیکٹر پاکستان کے انرجی سیکٹر میں سرمایہ لگانے کے لیے تیار ہے۔ دونوں ملکوں کے بزنس مینوں سرمایہ کاروں کے مابین مذاکرات کے اچھے نتائج سامنے آئیں گے۔ ترک کمپنیوں کو ہائیڈرو الیکٹرک کا وسیع تجربہ ہے ترک کمپنیاں ہائیڈرو الیکٹرک بجلی بنانے کی مد میں وہ دریاؤں سے بجلی پیدا کرنے کا تجربہ رکھتی ہیں۔

سوال: جناب صدر! ترکی پاکستان کا سچا دوست ہے۔ اس ناطے ترکی نے پاکستان کو دہشت گردی سے محفوظ رکھنے کے لیے افغانستان پاکستان ترکی کی چار سربراہ کانفرنسوں کی میزبانی کی ہے۔ دو انقرہ، دو استنبول میں یہ سہ ملکی سربراہ کانفرنسیں ہوئیں کیا آپ ان کانفرنسوں کے انعقاد سے مطمئن ہیں ان کے فیصلوں کو عملی شکل کیا دی جا رہی ہے۔

ترک صدر: پاکستان اور افغانستان میں دہشت گردوں کے قلع قمع کے لیے سہ فریقی سربراہ کانفرنس کا میکانزم بے حد اہم ہے۔ میں پاکستان اور افغانستان کے بھائیوں کا مشکور ہوں کہ ان کے صدور ہماری دعوت پر چار مرتبہ ترکی تشریف لائے۔ انہوں نے اس امن عمل کو بے حد اہمیت دی، تقویت بخشی، یہ میکانزم بیش بہا ہے اس کی بے حد اہمیت ہے، ویلیو ہے۔ پاکستان اور افغانستان کے لیڈروں کے مطابق ان کا ترکی میں ان کی موجودگی میں ملاقات کرنا بے حد مفید نتائج کا حامل ہے۔ میں خوشی سے یہ بات بتا رہا ہوں کہ ہم نے پاک افغان سربراہوں کو ایک میز پر ترکی میں بٹھا کر امن کی خدمت کی ہے۔ دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کو موثر بنایا ہے۔ پاک افغان ترک سربراہ کانفرنس کے نتیجے میں ہم نے تینوں ملکوں کے عہدیداروں کی ملاقاتوں کا میکانزم بھی بنایا ہے اور سربراہوں کے فیصلوں پر عملدرآمد کو یقینی بنا رہے ہیں۔ ان میں وزارت خارجہ، وزارت دفاع کے عہدیدار شامل ہوں گے۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف، افغان فوج کے سربراہ، ترکی کے چیف آف جنرل سٹاف کے علاوہ تینوں ممالک کی عسکری انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہان ترکی میں اکٹھے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے انتہا پسندی، دہشت گردی کے خاتمے، امن وامان کی بحالی کے لیے اہم اقدامات کرنے پر رضامندی ظاہر کی جن پر آج کل عمل درآمد ہونے لگا ہے۔ تینوں ملکوں کے وزرائے تعلیم کی بھی ہم نے مشترکہ کانفرنس کرائی ہم نے تینوں ملکوں کی اعلیٰ ترین سطح اور ماتحت عہدیداروں کا سہ ملکی میکانزم تیار

Scanned with CamScanner

کیا ہے تاکہ تینوں ممالک غربت کے اندھیروں سے نکل کر ترقی کی روشنیوں سے بہرہ ور ہوتے جائیں۔ تینوں ممالک مشترکہ پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو رہے ہیں اور مشترکہ مسئلہ کو مل کر حل کرنے لگے ہیں۔ صدر زرداری اور صدر کرزئی دونوں نے ہمیں بتایا کہ یہ سہ فریقی میکانزم بے حد مفید ثابت ہونے لگا ہے۔ ترکی بھی اس میکانزم کو بے حد اہم، ضروری، فائدہ بخش تصور کرتا ہے۔ میرا یقین ہے کہ اس میکانزم کو تینوں ممالک کی قیادت اور عوام کا اعتماد حاصل ہے۔ اس سے کچھ مشترکہ چیلنجوں سے بطریق احسن عہدہ برآ ہوا جا سکے گا۔ میں اس عمل کو بے حد مثبت تصور کرتا ہوں۔

سوال: آپ کو بتانا ضروری ہے کہ انڈین حکومت جس نے 62 سال پہلے منظور شدہ یو این او قرارداد کے مطابق مسئلہ کشمیر حل نہیں کیا۔ اب اس نے سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزیاں شروع کر دی ہیں۔ دریائے چناب، دریائے جہلم کے بعد دریائے سندھ پر ڈیم بنانے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ یہ پاکستان کو بنجر، بے آب و گیاہ بنانے کی سازش ہے۔ آپ کا دوست ملک کے سربراہ کے طور پر اس صورتحال پر کیا موقف ہے۔

ترک صدر: کشمیر کا مسئلہ دونوں ممالک (انڈیا پاکستان) کے درمیان طویل عرصے سے ہے۔ اس کی جڑیں بے حد گہری ہیں۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانا بے حد اہم ہے۔ اس کی خاطر مسئلہ کشمیر کو حل کرنا بے حد ضروری ہے۔ ترکی ہمیشہ سے پاکستان کے ساتھ ہے۔ یہ مسئلہ پاکستان نے جب اور جہاں اٹھایا ترکی نے اس کا ساتھ دیا اور دے گا (او آئی سی کے ترک کشمیر کنٹیکٹ گروپ میں ترکی نے او آئی سی کی ہر قرارداد کی حمایت کی ہے) پاکستان اور بھارت کے مابین کمپوزٹ ڈائیلاگ جو ممبئی بم دھماکوں کے بعد منقطع ہو گئے تھے اب ان کو بحال کرنے کے لیے دونوں ملکوں کے درمیان سیکرٹری خارجہ سطح پر مذاکرات ہوئے ہیں۔ ڈپٹی انڈر لیول پر بات چیت ہوئی ہے۔ بھارت کے میرے دورے کے دوران مجھے بھارتی قیادت سے اس حوالے سے بات چیت کرنے کا موقع میسر آیا میں نے کمپوزٹ ڈائیلاگ بحال کرنے کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بھارتی قیادت کے سامنے کھل کر رکھا اور بتایا کہ ترکی پاکستان اور بھارت کے مابین متنازعہ امور طے کرنے کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان باہمی مذاکرات سے ان تنازعات کو طے کرنا ممکن ہے۔ ان مسائل کو مثبت سوچ کے ساتھ حل کیا جا سکے گا۔ میرے خیال میں ان تنازعات کا حل جنگ نہیں ہے۔ جنگ سے مسئلے حل نہیں ہوا کرتے۔ انڈیا پاکستان کو مسائل کے حل کے لیے جنگ کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے بات چیت ڈائیلاگ رابطوں کی راہ اپنانی چاہیے۔ ماضی کے تجربات شاہد ہیں کہ یہ مسائل جنگوں سے حل نہیں ہو سکے۔ میرا یقین ہے کہ پاکستان اور انڈیا اعتماد ساز اقدامات دوبارہ شروع کریں گے۔ پاکستان انڈیا کے درمیان تنازعات طے کرانے کے لیے اگر ترکی کوئی کردار ادا کر سکتا ہے تو ہم خوشی، سنجیدگی سے خلوص سے یہ رول ادا کریں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

ملک ریاض حسین......محنت میں عظمت کی قابل تقلید مثال

بحریہ ٹاؤن کے سربراہ کا خصوصی انٹرویو

بحریہ ٹاؤن کے سربراہ ملک ریاض حسین انتہائی ہمدرد، دیانتدار، ملنسار، غریبوں کی مدد کرنے والے محب وطن انسان ہیں۔ ہر کس و ناکس کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ سادہ طبیعت کے مالک ہیں۔ غربت کی زندگی ہرگز فراموش نہیں کرتے۔ اس لئے 35 ہزار غریبوں کو یومیہ کرسی میز پر بٹھا کر بحریہ دسترخوان پر کھانا کھلاتے ہیں۔ اندر باہر سے ایک ہیں۔ منافقت ان کے قریب سے نہیں گزری۔ جو دل میں بات ہوتی ہے بلاخوف وخطر زبان پر لے آتے ہیں۔ مشاورت کے ساتھ کام کرنا ان کا شیوہ ہے۔ سیدھے سادے (Straight Forward) انسان ہیں جو لوگ ان کو جانتے ہیں ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا خوش وضع بندہ ہے۔ حقیقی ضرورت مند، محتاجوں، مسکینوں، غریبوں کی مدد کر کے خوش ہوتے ہیں۔ ان میں عجز وانکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

مہذب اقوام اور اس کے افراد رفاہ عامہ کے کاموں میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کے لئے کوشاں ہیں۔ اسلام ہو یا عیسائیت، یہودیت ہو یا ہندومت، سکھ مذہب ہو یا دنیا کا کوئی اور مذہب، تمام مذاہب حقوق العباد پورا کرنے اور انسانیت کی خدمت کرنے کا درس دیتے ہیں۔

ہم اپنے ملک کے شہروں کراچی، لاہور، پشاور، راولپنڈی، فیصل آباد، ملتان، حیدرآباد، کوئٹہ، سیالکوٹ وغیرہ پر نظر دوڑائیں تو یہ بات سامنے آئے گی کہ انگریز حکمرانوں اور ہندو ساہوکاروں نے متحدہ ہندوستان کے اندر جس میں موجودہ پاکستان کا خطہ شامل ہے میں CHARITY (رفاہ عامہ) کے کام مسلمانوں سے زیادہ کئے۔ دیوی ہسپتال، میو ہسپتال، لیڈی ریڈنگ ہسپتال، دیال سنگھ لائبریری، راولپنڈی میں ہولی فیملی ہسپتال، سینٹ میری ہائی سکول، گورڈن کالج، سینٹ پیٹرک سکول، سینٹ جان سکول، مشن سکول، سیالکوٹ میں مرے کالج، کراچی میں انکل سریا ہسپتال، سوبھراج میٹرنٹی ہوم، سینٹ جوزف کالج، لیڈی ڈفرن ہسپتال، ڈی جے کالج، سینٹ پیٹرک کالج سمیت بہت سے طبی اور تعلیمی ادارے غیر مسلموں کے لیے تعمیر کرائے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر اے کیو خان ڈی جے کالج کراچی اور سابق وزیراعظم شوکت عزیز گورڈن کالج راولپنڈی میں پڑھتے رہے۔

پاکستان میں بھی ارب پتی شخصیات موجود ہیں۔ انہیں بھی زیادہ سے زیادہ رفاہ عامہ کے ادارے قائم کرنے چاہئیں۔ پاکستان کے اندر اور باہر ملک ریاض حسین کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان پر نہ صرف ملک میں موجود بلکہ ملک سے باہر مقیم پاکستانیوں کو اس قدر اعتماد ہے کہ صرف اوورسیز پاکستانیوں نے اڑھائی ارب ڈالر (225 ارب روپے) سے زائد کی سرمایہ کاری ملک ریاض حسین کے ادارے بحریہ ٹاؤن کے مختلف تعمیراتی پراجیکٹس میں کر رکھی ہے۔ کئی کھرب روپے کی سرمایہ کاری پاکستان میں رہائش پذیر لوگوں نے ان تعمیراتی منصوبوں میں لگا رکھی ہے۔ ملک ریاض حسین کی شخصیت کے بہت سے پہلو ملکی عوام کی طرح راقم کی نگاہوں سے بھی اوجھل تھے۔ ان کے بارے میں ہر قسم کی باتیں ماضی میں سننے کو ملیں مگر چند روز قبل اس شخصیت سے ان کی اسلام آباد کے سیکٹر جی سکس تھری کی ایمبیسی روڈ پر واقع رہائش گاہ میں چھ گھنٹے سے زائد وقت گزارنے کا موقع میسر آیا جس کے دوران ملک کے آئی کان (ICON) کی زندگی کے ادوار کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے پرکھنے کا موقع ملا۔ ملک ریاض حسین سیدھے سادے صاف گو، دیانتدار محنتی شخصیت ہیں۔ انہوں نے اپنے کیریئر کے بارے میں دوسرے لوگوں کی طرح یہ نہیں کہا کہ "پدرم سلطان بود" (میرے والد بادشاہ تھے) بے حد عجز وانکساری کے ساتھ کہنے لگے کہ میں نے کیریئر شروع کیا اس وقت

Scanned with CamScanner

میرے پاس صرف پندرہ سو روپے تھے۔ یہ بھی عزیز و اقارب سے ادھار لئے تھے۔ ملٹری انجینئرنگ سروس میں چھوٹے ٹھیکے لینے کا آغاز 1969ء میں کیا۔ اس وقت نہ میرے پاس بنگلہ تھا نہ کار حتیٰ کہ موٹر سائیکل ویسپا اور سائیکل تک نہ تھی۔ 1971ء میں ایک دن ایسا آیا کہ میری ڈیڑھ سالہ بیٹی امبر ریاض کو فوڈ پوائزن (Food Poission) ہوگیا۔ قے اسہال کا عارضہ لاحق ہونے پر ڈاکٹر کے پاس لے گیا مگر ادویات خریدنے کے لئے پیسے نہیں تھے جس پر پیتل کا بنا حمام (جس میں پانی گھر سٹور کیا جاتا ہے)۔ 45 روپے میں پرانے برتن خریدنے والے کے پاس جا کر فروخت کیا۔ ان پیسوں سے مری روڈ راولپنڈی کے کیمسٹ سے ادویات لیں۔ اس کے بعد ہولی فیملی ہسپتال راولپنڈی میں بیٹی کو داخل کیا اور گھر کے برتن فروخت کر کے اس کا علاج کرایا۔ اللہ پاک نے ایسا کرم کیا کہ میرے حالات بہتر ہونے لگے۔ 1969ء سے 5 مئی 1986ء تک ایم ای ایس کے ٹھیکے لیتا رہا۔ میرے پاس گاڑیاں بھی آ گئیں۔ پشاور روڈ راولپنڈی اسلام آباد کے مہنگے ترین سیکٹر ای سیون میں گھر بھی بن گئے۔ دنیا کی ہر نعمت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نوازا حالانکہ گریجویٹ/ پوسٹ گریجویٹ نہیں ہوں۔ پراپرٹی بزنس میں چلا گیا۔ 1996ء میں پاکستان نیوی کی بحریہ فاؤنڈیشن کیساتھ میرا جوائنٹ وینچر ہوگیا اور ہم نے بحریہ ٹاؤن لانچ کر دیا۔ میں جب بھی ملک سے باہر جاتا تھا مجھے ایک بات کی بڑی تکلیف ہوتی تھی کہ ہمارے ملک پاکستان میں لیبر سستی موجود ہے۔ خام مال کی کمی نہیں ہے۔ ہم اپنے ملک کو یورپ امریکہ خلیجی ریاستوں کی طرح کیوں ترقی نہیں دے سکتے جس وقت میں نے کام شروع کیا اس وقت میں نے پروردگار عالم رب العالمین کیساتھ عہد کیا کہ میں بحریہ ٹاؤن کو انٹرنیشنل سٹینڈرڈ پر بناؤں گا اور اگر اللہ نے چاہا تو لوگوں کے رہن سہن اور بود و باش میں مثبت تبدیلی لاؤں گا۔ میں جب اپنے ملک کو فضا میں سفر کرتے ہوئے نیچے دیکھتا تھا اور آج بھی دیکھتا ہوں تو میں اپنے ملک کو باقی دنیا سے پانچ سو سال پیچھے دیکھتا ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ گذشتہ 62 سال میں ہم نے پاکستان کے اندر انفراسٹرکچر کیوں نہیں بنایا اگر پاکستان میں ماضی کی حکومتیں انفراسٹرکچر ہی بنا دیتیں تو اس میں ملک کے تین فائدے ہو جاتے۔

1۔ PLANNED سٹی میں جرائم کم ہوتے ہیں۔

2۔ ملک میں لاکھوں کروڑوں روزگار کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں۔

3۔ ہمارے ملک میں چونکہ تعلیم کی کمی ہے اور ہم اپنے لوگوں کو 62 سال میں تعلیم تو نہیں دے سکے لیکن ہم اپنے لوگوں کو ہنر سکھا کر SKILLED LABOUR تو بنا سکتے ہیں۔ یہ ہماری لیبر دوسرے ممالک میں جا کر وطن عزیز میں اربوں ڈالر سالانہ بھجوا سکتے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم میں امریکہ میں جب اکانومی کا بحران پیدا ہوا تو امریکہ کے صدر روزویلٹ نے ملک میں کنسٹرکشن شروع کرادی۔ شاہرات، پل، عمارات، ڈیم کی تعمیر ہونے لگی۔ امریکیوں نے آغاز میں تو روزویلٹ کے اس پلان کو ہدف تنقید بنایا کہ ملک معاشی طور پر ڈوب رہا ہے اور امریکہ کا صدر یہاں پر انفراسٹرکچر تعمیر کرا رہا ہے لیکن اس کنسٹرکشن پلان نے امریکہ کی معیشت کو ڈیڑھ سال میں بحال کر دکھایا۔ جب کسی نے روزویلٹ سے سوال کیا کہ آپ نے یہ معجزہ (بحالی معیشت) کس طرح انجام دیا تو امریکی صدر نے بڑی سادہ سی بات کی کہ جب پمپ (نلکے) میں پانی ختم ہو جائے تو ہم لوگ کیا کرتے ہیں کہ ایک لیٹر پانی نلکے (پمپ) میں ڈالتے ہیں اور لاکھوں لیٹر پانی باہر نکال لیتے ہیں۔ اس وقت سے اس اکانومی کا نام ''PUMPING ECONOMY'' پڑا۔

دوسری مثال میں ملائیشیا کے سابق وزیر اعظم ڈاکٹر مہاتیر محمد کی دیتا ہوں جن کے جد امجد پاکستان سے گئے تھے ان کے ملک میں جب معاشی بحران آیا تو ڈاکٹر مہاتیر محمد نے اپنے ملک کا موجودہ دارالخلافہ پترا جایا کی تعمیر شروع کرادی اور سب سے پہلے وہاں اللہ کا گھر (مسجد) تعمیر کرایا جو دیکھنے کے قابل ہے۔ ملائیشیا کی اپوزیشن نے جب شور کیا کہ ملک کی اکانومی تباہی سے دوچار ہے اور وزیر اعظم مہاتیر دارالخلافہ تعمیر

Scanned with CamScanner

کرانے لگا ہے۔ ڈاکٹر مہاتیر کا جواب تھا کہ میں نے اللہ کا گھر تعمیر کرنا شروع کیا ہے جو اسے بند کرانا چاہتا ہے وہ آئے اور مسجد کی تعمیر بند کرائے۔
اس کے بعد ڈاکٹر مہاتیر محمد نے دوسرا آرڈر یہ جاری کیا کہ پترا جایا کی تعمیر میں جتنا میٹریل لگے گا اس کا 90 فیصد حصہ ملک کے اندر کی انڈسٹری مہیا کرے گی۔ اس حکم کے باعث ملائیشیا میں 50 سے زائد اقسام کی انڈسٹریز لگنا شروع ہو گئیں جو انڈسٹری بند تھی وہ چلنا شروع ہو گئی اور ملائیشیا کی اکانومی بھی بحال ہو گئی۔ ملک ریاض حسین کا کہنا ہے کہ ہمارے پیارے وطن پاکستان کے جملہ مسائل کا یہی علاج ہے کہ ہم بھی اپنے ملک میں کنسٹرکشن انڈسٹری کو فروغ دینا شروع کریں جس سے ملک کے اندر انفراسٹرکچر کی تعمیر تیزی سے مکمل ہو گی۔ پاکستان میں سرکاری سروے کے مطابق ہر سال سات لاکھ رہائش گاہیں درکار ہیں۔ پرائیویٹ اور گورنمنٹ سیکٹر مل کر سالانہ دو تین لاکھ سے زائد گھر تعمیر نہیں کر پا رہا ہے۔ آج پاکستان کے لوگوں کو 80 سے 90 لاکھ گھروں کی ضرورت ہے۔ اگر یہ گھر بن جائیں تو ان کے ساتھ کتنے پرائمری سکول، مڈل سکول، ہائی سکول، کالج، یونیورسٹیاں، گراؤنڈز، ہسپتال، مارکیٹیں وغیرہ بنیں گی۔ کتنے ملین لوگوں کو روزگار ملے گا۔ کتنے ملین بے روزگار افراد ہنر سیکھیں گے۔ کتنے ملین لوگوں کو سالانہ تعلیم حاصل ہونے لگے گی۔ اس کے لئے پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت ہے تو صرف اللہ کے کرم کی۔ عہد صمیم کی، نیت کی، بحریہ ٹاؤن اس کی ایک مثال ہے۔ پاکستان کے سارے لوگ مل کر اپنی ساری دولت بھی دے دیتے تو 14 سال میں اتنا بحریہ ٹاؤن نہ بن پاتا جتنا آج تک بن چکا ہے۔

1۔ ہم نے بحریہ ٹاؤن کے لیے کبھی کسی بینک سے کوئی قرضہ نہیں لیا۔
2۔ ہم نے کبھی سود کا کام نہیں کیا (سود اسلام میں حرام ہے)۔
3۔ بحریہ ٹاؤن نے اپنی کامیابی کے لئے اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کی، کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔
4۔ انسان نماز روزہ، حج، زکوٰۃ، عمرے اپنی لالچ اور اپنی ذات کے لیے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت خوش ہوتا ہے جب انسان اللہ کی مخلوق کے لیے کام کرتا ہے۔

میں نے ہندوستان میں دیکھا ہے کہ ہر فیکٹری، کاروبار کے ساتھ ویلفیئر ادارہ چل رہا ہوتا ہے کسی کا سکول کسی کا ہسپتال کسی کا یتیم خانہ کسی کا محتاج گھر، دنیا کے مہذب ممالک میں گیا ہوں۔ وہاں بھی ایسا ہی پایا۔ دنیا کے امیر ترین شخص بل گیٹس نے بھی اپنی دولت کا 75 فیصد حصہ چیریٹی ویلفیئر کے لیے دے دیا ہے۔ میرا بھی اللہ سے وعدہ ہے کہ میں اپنی دولت کا بیشتر حصہ چیریٹی کے لیے رکھ کر استعمال کروں گا۔ ہمارے بحریہ ٹاؤن کے ساتھ بھی پہلے دن سے ویلفیئر کے ادارے چل رہے ہیں۔ 7 ہزار بچے ہمارے سکولوں میں مفت تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ دو ہسپتال ایک راولپنڈی دوسرا لاہور میں کام کر رہا ہے جس میں گردوں کے ڈائیلاسز، ہارٹ ٹرانسپلانٹ، بون میرو ٹرانسپلانٹ تک موجود ہیں۔ باقی ہر قسم کے امراض کا علاج ہو رہا ہے۔ ہر غریب شخص کا مفت علاج کیا جاتا ہے۔ اس سے اس کا مذہب، برادری، شہر، گاؤں تک کا نہیں پوچھا جاتا۔ ہم نے پاکستان کے مختلف شہروں لاہور راولپنڈی کراچی، نوڈیرو وغیرہ میں دسترخوان کھول دیئے ہیں۔ یہ دسترخوان ایئرکنڈیشنڈ عمارات میں واقع ہیں جہاں روزانہ 35 ہزار مستحق غریب افراد کرسی میز پر بیٹھ کر مفت کھانا کھاتے ہیں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ انسان جو میرے بندوں کی بہتری کے لئے خرچ کرے گا میں اس خرچے کا گیارہ گنا سے لے کر ستر گنا تک واپس اس انسان کو کرونگا۔ اللہ پاک کے کرم سے اللہ تعالیٰ ہمیں ستر نہیں 170 فیصد واپس دے رہا ہے۔ بحریہ ٹاؤن کی طرف آتا ہوں اور میں بحریہ ٹاؤن کی مثال ہی دیتا ہوں کہ وفاقی دارالحکومت اسلام آباد جو 50 سال قبل 1960ء میں شروع ہوا تھا۔ 50 سال میں وفاقی دارالحکومت کا 40 ہزار (تین لاکھ 20 ہزار کنال) رقبہ ڈویلپ ہو سکا۔ سی ڈی اے نے 50 سال میں 11 سیکٹر ڈویلپ کئے۔ اللہ پاک کے کرم سے بحریہ ٹاؤن نے صرف 14 سال میں 9 سیکٹر اکیلے اور

Scanned with CamScanner

مزید 5 سیکٹرز ڈی ایچ اے کے ساتھ مل کر ڈویلپ کیے ہیں۔ بحریہ ٹاؤن کا ایک سیکٹر 10 ہزار ایکڑ پر مشتمل ہے اور بحریہ ٹاؤن 14 سال میں 40 ہزار ایکڑ پر ڈویلپ ہو چکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کا سارا قرضہ تعمیراتی صنعت اتار سکتی ہے۔ میں نے اس کی کئی بار ٹی وی انٹرویوز اور پرنٹ میڈیا کے دوست صحافیوں کو انٹرویو دیتے ہوئے مثال دی ہے کہ حبیب بینک لمیٹڈ آف پاکستان جس کی صرف ملک کے اندر 14 سو برانچیں موجود ہیں اور وہ پاکستان کے علاوہ دنیا کے 125 ممالک میں کام کر رہا ہے۔ اس کا سالانہ منافع 5 ارب روپے ہے۔ گورنمنٹ آف پاکستان نے اسے اٹھارہ ارب روپے میں فروخت کر دیا اور اسلام آباد کے دو پلاٹ ایک کنونشن سینٹر کے ساتھ گرینڈ ہائٹس والا پلاٹ اور ایک ایسی گروپ والا (سنٹورس) 13 ارب روپے میں بکے ہیں۔ اس کا مطلب ہے حبیب بینک کی 70 فیصد قیمت اسلام آباد کے صرف دو پلاٹوں کی قیمت کے برابر لی گئی ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ کون کہتا ہے کہ غریب ملک میں سی ڈی اے مارگلہ کے پہاڑ کے پیچھے دو لاکھ کنال زمین اکوائر کر کے اور اسے اوورسیز پاکستانیوں کے ہاتھ فروخت کر کے پاکستان کا سارا غیر ملکی قرضہ واپس ادا کر سکتا ہے۔ اسلام آباد کے سیکٹر ای سیون میں آج بھی ایک کنال کے پلاٹ کی قیمت 5 سے 7 کروڑ روپے تک ہے تو پہاڑ کے اندر سرنگ بنا کر دوسری طرف 10 ہزار روپے کنال کی قیمت کو بھی سی ڈی اے 5 سے 7 کروڑ روپے کنال میں (ڈویلپ شدہ) فروخت کر سکتا ہے۔ پاکستان کا مسئلہ پیسہ نہیں ہے۔ کمٹمنٹ اور نیت ہے۔ پاکستان کے جس بھی حکمران کی نیت اور کمٹمنٹ ٹھیک ہو گئی تو پھر پاکستان 5 سالوں میں دنیا کے ہر ملک کے برابر آ سکے گا۔ میرا 14 سالہ بحریہ ٹاؤن کا تجربہ یہ کہتا ہے کہ پاکستان کو بعض وڈیروں، جاگیرداروں اور کرپٹ بیوروکریسی، کرپٹ سیاستدانوں نے یرغمال بنا رکھا ہے اور یہی لوگ لینڈ مافیا ہیں یا ان کے سرپرست ہیں کیونکہ اس میں آج بھی آپ دیکھ لیں کہ لاہور، اسلام آباد اور دوسرے شہروں میں کیا ہو رہا ہے۔ مذکورہ عناصر ان شہروں میں قوم کی املاک پر طاقت سے قبضہ کر رہے ہیں۔ ہم جیسے لوگ جو ملک میں کام کر رہے ہیں وہ مجرم گردانے جاتے ہیں اور مذکورہ کرپٹ عناصر پارسا بنے بیٹھے رہتے ہیں جو کہ پس پردہ بیٹھے ہوئے ہیں اور سرپرستی کرتے ہیں۔ میرے سروے کے مطابق پاکستان میں 1629 ہاؤسنگ سوسائٹیوں نے 700 ارب روپے کے لگ بھگ غریبوں اور متوسط طبقے کے لوگوں کی رقوم لوٹ رکھی ہیں۔ ان غریبوں کی داد رسی تو آج تک نہیں ہوئی گذشتہ 15 سالوں سے کوآپریٹو سوسائٹیوں کا 13 ارب روپے نیب اور جتنی بھی سیاسی فوجی حکومتیں آئی ہیں انہوں نے غریبوں کو واپس کرانے کے وعدے تو کیے لیکن آج بھی ساڑھے چار ارب روپے متاثرین کے بقایا ہیں جو ان کی اصل رقم ہے۔

میں صرف ایک چیز پوچھتا ہوں کہ پاکستان کے طاقتور ادارے جس میں ایوان صدر ہاؤسنگ سوسائٹی نیشنل اسمبلی ہاؤسنگ سوسائٹی سینٹ ہاؤسنگ سوسائٹی، وزارت تجارت، وزارت داخلہ سمیت مختلف وزارتوں کی ہاؤسنگ سوسائٹیاں لوگوں کے اربوں روپے لے کر بیٹھی ہوئی ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں کوئی دادرسی کرنیوالا نہیں بحریہ ٹاؤن اور ڈی ایچ اے (ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی) جو اس ملک میں ڈیلیور کر رہے ہیں ان کے آگے بر اور ماہر حکومت رکاوٹ ڈال رہی ہے۔ بحریہ ٹاؤن دو بیڈ روم ڈرائینگ ڈائننگ، اس کیساتھ پارک سکول ہسپتال، انڈر گراؤنڈ بجلی، ورنج، سیوریج، گیس، ٹیلیفون انڈر گراؤنڈ پانی کی سہولت وغیرہ ساڑھے تین لاکھ روپے سے لیکر پانچ لاکھ روپے میں ہر لحاظ سے مکمل تزئین شدہ گھر مہیا کر رہے ہیں اس کے علاوہ 9 لاکھ روپے 15 لاکھ روپے 26 لاکھ روپے میں پلاٹ کی قیمت میں مکمل گھر موجودہ مہنگائی کے دور میں مہیا کر رہے ہیں۔ اللہ کا کرم ہے کہ بحریہ ٹاؤن کی ساکھ پاکستانی قوم کے دلوں میں اتنی ہے کہ جب نئی سکیم کا اعلان کرتے ہیں وہ دنوں میں پاکستان کے بنکوں میں خریداروں کا ہجوم آ جاتا ہے اور کئی بار تو بنکوں کے شیشے تک رش کی وجہ سے ٹوٹ گئے۔

20 فروری 2010 کو ہم نے لاہور میں رائے ونڈ روڈ پر آرچرڈ سکیم اوورسیز اناؤنس کی جس کے لیے خریداروں کو 10 یوم کے اندر بکنگ کرانے کا موقع دیا گیا لیکن اللہ پاک کے کرم سے 3 دن کے اندر ہی تمام پلاٹ بک کرا لئے گئے اور ہمیں چوتھے روز اخبارات میں مزید

Scanned with CamScanner

خریداروں سے معذرت کرنا پڑی۔ ایک سوال کے جواب میں ملک ریاض حسین نے بتایا کہ ایک عام غریب آدمی سے لے کر کروڑپتی شخص تک کے لیے گھر بنائے ہیں۔ 5 مرلے سے ایک کنال تک لاکھوں پلاٹ اور گھر راولپنڈی لاہور میں ہم فروخت کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے امیروں کے لیے دو گالف سٹی راولپنڈی میں بنائے ہیں جن میں دو انٹرنیشنل سٹینڈرڈ (پی جی اے سٹینڈرڈ) گالف کورس، شیراٹن ہوٹل، گالف کلب، سکول کالج، یونیورسٹیاں اور ہزاروں ہائی کلاس رہائش گاہیں شامل ہیں۔

بحریہ ٹاؤن نے پاکستان کی 55 سے زائد لائیڈ انڈسٹریز کو بحال کر دیا ہے جن میں سیمنٹ، سریا، ماربل، بلاک، بجری، دروازے، کھڑکیاں، ماربل سازی، ماربل، ایلومینیم، بجلی کا سامان، سینیٹری کا سامان وغیرہ کی صنعتیں شامل ہیں۔ اللہ کے فضل سے بحریہ ٹاؤن میں براہ راست 21 ہزار افراد ملازمت کر رہے ہیں اگر ان کے ساتھ ان کے اوسطاً چھ افراد لگائے جائیں تو سوا لاکھ سے زائد افراد کی زندگیاں بحریہ ٹاؤن سے وابستہ ہیں۔ اللہ کے فضل سے 25 کروڑ روپے ماہانہ تنخواہ ان لوگوں کو بحریہ ٹاؤن دے رہا ہے۔ 4 ارب روپے کی ماہانہ خریداری بحریہ ٹاؤن کر رہا ہے۔ اس طرح سال بھر میں بحریہ ٹاؤن 48 ارب روپے کا سامان خرید رہا ہے جس سے ملکی فیکٹریوں کی آمدنی بڑھ رہی ہے۔ بحوالہ قومی ریونیو مع ٹیکس کے لحاظ سے بحریہ ٹاؤن پاکستان کی سب سے بڑی ریونیو دینے والا بن رہا ہے۔ راولپنڈی میں اس کے ہیڈ آفس کی تعمیر تیزی سے مکمل کی جا رہی ہے۔ بحریہ ٹاؤن نے لاہور میں انٹرنیشنل سٹینڈرڈ کا میڈیکل کالج مکمل کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ لاتعداد سکول کالج ہسپتال کینٹری کلب، جم خانہ، کورٹ لوگوں کے لئے مکمل کر دیے گئے ہیں۔ مزید تعمیر جاری و ساری ہے۔ فلاح عامہ کے کاموں کا یہ سلسلہ انشاءاللہ جاری رکھا جائے گا۔

کراچی میں بحریہ آئیکون کے نام سے پاکستان کی سب سے کثیر المنزلہ بلڈنگ بحریہ ٹاؤن بنا رہا ہے جس کی 62 منزلیں ہوں گی۔ اس پراجیکٹ پر دن رات کام ہو رہا ہے۔ یہ پراجیکٹ 3 سال میں پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔ آئیکون سمیت لاہور، کراچی، راولپنڈی، اسلام آباد وغیرہ میں بحریہ ٹاؤن کی 400 ارب روپے کی سرمایہ کاری ہے۔ بحریہ ٹاؤن کے دو لاکھ سے زائد ممبر ہیں جن کا 4 سو ارب روپے بحریہ ٹاؤن میں انویسٹ ہے۔ اوورسیز پاکستانی 2 ارب ڈالر سے زائد کی سرمایہ کاری بحریہ ٹاؤن میں کئے ہوئے ہیں اور اس سرمایہ کاری میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

ملک ریاض حسین نے بتایا کہ دبئی کے حکمران شیخ محمد بن راشد المکتوم، ملائیشیا کے وزیر اعظم اور امریکی کمرشل قونصلر نے دعوت دی ہے کہ میں ان کے ملکوں میں جا کر کنسٹرکشن پراجیکٹ بناؤں جس کے لئے ان ممالک کی حکومتوں نے بھرپور تعاون و امداد کی پیشکش کی تھی لیکن میری ترجیح صرف اور صرف پاکستان ہے۔ میرا مرنا جینا پاکستان کے لئے ہے اور میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ میں پاکستان کے لئے ہی کام کروں گا۔ پاکستانی عوام کی ترقی و خوشحالی کے لیے انہیں کم سے کم لاگت کے معیاری مکانات بنا کر دوں گا۔ متوقع پراجیکٹ ہوگا۔

بحریہ ٹاؤن کا وژن پاکستان کے ہر شخص کو سستے اور معیاری گھر فراہم کرنا ہے۔ یہ متوسط طبقے کو اس کی ضرورت کے مطابق رہائش گاہ کم سے کم قیمت میں مہیا کرتا ہے۔ پاکستان میں مکانات کی قلت کو ختم کر کے سالانہ ضرورت کے مطابق مکانات تعمیر کرنے ہیں۔ قومی ضرورت کے گھروں کی سالانہ تعمیر میں بحریہ ٹاؤن ایک تہائی حصہ ڈالے گی۔ بحریہ ٹاؤن کا ٹریک ریکارڈ ہمارے سامنے رکھنا چاہیے۔ بحریہ ٹاؤن کی ترقی میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔

سوال: بعض لوگ آپ پر پاکستان کا بہت بڑا قبضہ مافیا ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔

ملک ریاض: ہم دراصل جب زمین لیتے ہیں تو اچھی طرح تحقیق پوری طرح کرتے ہیں کہ کون سی زمین دستیاب ہے۔ اس کا مالک کون ہے۔ پھر ہم زمین کے حقیقی مالک کے پاس جاتے ہیں۔ زیادہ تر زمین کے مالکان بیشتر بہت غریب لوگ ہیں۔ ان کے پاس جاتے ہیں کہ آپ اپنی

Scanned with CamScanner

زمین ہمیں فروخت کریں۔ ہم مارکیٹ کی قیمت دیں گے جو لوگ راضی نہیں ہوتے ان کو مارکیٹ سے زیادہ کی آفر بھی ضرورت کے مطابق دیتے ہیں۔ ان کو ہم سمجھاتے ہیں کہ اتنے سالوں سے آپ کے پاس زمین بنجر پڑی ہے۔ آپ کے بچے بھی بڑے ہورہے ہیں۔ آپ کی عمر بھی کافی ہو گئی ہے۔ آپ کم ازکم اپنے بچوں کے مستقبل کا سوچیں۔ اگر زمین کا پیسہ جو ہم دے رہے ہیں کئی سال پہلے ملا ہوتا تو آپ پہلے ہی اتنے خوشحال ہو جاتے۔ آپ کا خاندان خوشحال ہو جاتا۔ اب آپ کو موقع مل رہا ہے۔ زمین سے حاصل شدہ رقم سے بچوں کو حصہ دیں۔ اپنی زندگی اچھی گزاریں۔ اس طرح ہم راغب کرتے ہیں ہم گن پوائنٹ پر زمین نہیں چھینتے۔ البتہ کوئی اگر نہیں مانتا تو ہم ضرور یہ کرتے ہیں کہ گاؤں کے نمبردار، چوہدری وغیرہ سے کہتے ہیں کہ ان کو سمجھانے میں مدد کریں۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم جو زمین بیچیں گے اس میں آپ مکان بنا کر دیں گے جس کا خرچہ طے کرلیا جاتا ہے کہ ہم نے دینا ہے یا دہ دیں گے۔ اس طرح ہم زمین کے غریب مالکان کو مفت گھر بھی بنا کر دیتے ہیں اور وہ ہماری بات مان جاتے ہیں۔ ہم ان کی مان جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لینڈ مافیا پھر ہمیں بلیک میل کرنے کے لئے سب لوگوں کو جو اپنی زمین ہمیں فروخت کر چکے ہوتے ہیں، بہلا پھسلا کر اسی طرح پچھلی تاریخوں میں ایسے کاغذات بنالیتا ہے اور ورغلاتا ہے۔ لینڈ مافیا کے لوگ زیادہ لالچ دیتے ہیں۔ ماضی کی کسی تاریخ پر زمین کی خریداری کا معاہدہ کر لیتے ہیں اور اس طرح ان کو مجبور کرتے ہیں کہ ہمارے خلاف عدالت سے رجوع کریں یا ہمیں وہی لوگ بلیک میل کر کے زیادہ پیسے ہتھیانے آ جاتے ہیں۔ قبضہ گروپ/ لینڈ مافیا ہمارے ساتھ بھی ڈیل کر رہا تھا۔ ہمارے ہاں عدالتی حکومتی انتظامی نظام اتنا سست اور غیر معیاری رہا ہے کہ پھر ہم کسی طرح اپنی جان چھڑانے کے لئے ان میں سے کچھ لوگوں کو مزید پیسے دیتے ہیں تا کہ معاملہ رفع دفع ہو جائے اور پراجیکٹ کی تکمیل میں تاخیر نہ ہو۔ تاخیر سے بھی پراجیکٹ کو نقصان ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی غیر ضروری ڈیمانڈ ہم نہیں مان سکتے تو وہ کورٹ جاتے ہیں۔ حکومتی ادارے کے حکام کو جا کر شکایت کر دیتے ہیں۔

سوال : آپ کی پرورش کیسے گھرانے میں ہوئی؟

ملک ریاض : میری پرورش ایک اچھے نیک گھرانے میں ہوئی ہے۔ میری پرورش میرے نیک ماں باپ نے کی۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ میرا والد اور میں غریب تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی محنت، اللہ کی مہربانی سے کامیابی حاصل کی ہے۔ ابھی انشاء اللہ مزید بڑی کامیابی حاصل کرنی ہے۔ ہر دور میں جو حکمران آتے ہیں۔ پی پی پی/ مسلم لیگ (ق) / بے نظیر، نواز شریف، زرداری، پرویز مشرف کا آٹھ سالہ دور اس میں چوہدری شجاعت، پرویز الٰہی، وزیر اعلیٰ تھے وہ سارے ادوار ہیں۔ حکومت اور بیوروکریسی نے مذکورہ سارے دور حکومتوں میں ہماری مخالفت کی۔ روڑے اٹکائے۔ اس کے باوجود اللہ کی پاک ذات نے ہمیں ترقی دی۔ ہر دور میں ہمارا احتساب ہوتا رہا۔ 5 چیئرمین نیب آئی ایس آئی، ایم آئی، آئی بی، ایف آئی اے، عدالتوں نے ہمارا احتساب کیا۔ اس کے باوجود ہمیں اللہ پاک کے کرم سے انہی اداروں سے کلیئرنس ملی۔ ہمارے وارنٹ تک بھی جاری ہوئے۔ ان کے ادوار میں ہمارے اور اس ملک کی ترقی کے دشمنوں، حاسدوں، مخصوص لینڈ مافیا نے ورغلا کر میرے اوپر قاتلانہ حملے کرائے۔ ان حکمرانوں نے ہاتھ ڈالے مگر میں اللہ کی مہربانی سے سرخرو ہوا اور مجھ پر کوئی الزام ثابت نہ ہوا۔ ان حکمرانوں کا اپنا جو نظام تھا احتساب سیل ہو یا نیب ہو ان حکمرانوں کے بنائے ہوئے احتساب ادارے سب ان کے پاس تھے۔ عدالتیں بھی ان کے پاس تھیں۔ پولیس بھی، رینجرز، تحقیقاتی ایجنسیاں بھی ان کی تھیں۔ اس کے باوجود خدا ہر معاملے میں مجھے سرخرو کرتا رہا۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ ساڑھے پانچ سال تک واپڈا نے بحریہ ٹاؤن کو بجلی نہیں دی۔ چار سال تک سوئی ناردرن گیس کمپنی نے گیس بحریہ ٹاؤن کو نہ دی۔ سی ڈی اے نے 14 سال تک ہمیں NOC نہیں دیا۔ آج بھی ہمارا ہائیکورٹ میں NOC کا کیس چل رہا ہے۔ اگر ہم بحریہ ٹاؤن اس انٹرنیشنل معیار کے باوجود

Scanned with CamScanner

کو لیفائی نہیں کر سکتے تو پاکستان میں کوئی سوسائٹی بھی نہیں کر سکتی۔ یہاں معمول سے زیادہ سوسائٹیاں ہیں۔ عام لوگوں کا اربوں روپے کھا کر بھاگ گئیں۔ اس ملک میں لینڈ مافیا مضبوط ہے ایوان صدر ہاؤسنگ سوسائٹی، سپریم کورٹ ہاؤسنگ سوسائٹی، نیشنل اسمبلی ہاؤسنگ سوسائٹی سوسائٹیاں بھی بن گئیں اور لوگوں کا اربوں روپے ڈوبا ہوا ہے لیکن ان لوگوں کو پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔

سوال: آپ پر الزام ہے کہ صدر آصف زرداری اور وزیر داخلہ آپ کے قریبی آدمی ہیں۔ پچھلے دور کی طرح اس بار بھی آپ کے حکمرانوں کی قربت کی باتیں ہوتی ہیں پہلے بھی ہوتی رہی ہیں۔

ملک ریاض: جیسا کہ میں نے پہلے بھی بتایا کہ ہر دور میں ایسی باتیں میرے بارے میں ہوتی رہیں۔ شاید اس لئے ہوتی ہیں کہ میرے حاسد/دشمن بھی موجود ہیں۔ میں پاکستان میں کنسٹرکشن انڈسٹری کو مضبوط ہوتے اور پاکستان کو ترقی یافتہ ملک بنتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری دلچسپی اس میں ہے کہ حکمرانوں کو سمجھاؤں ان کے ساتھ رابطے رکھ کر ہی سمجھا سکتا ہوں۔ حکمران بھی مجھ سے رابطہ رکھتے ہیں۔ ماضی میں بھی کہا جاتا رہا کہ زرداری/رحمان ملک کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہوں۔ ہر دور کے حکمرانوں کے ساتھ ہمارا انٹرایکشن رہا ہے لیکن کسی دور کے حکمران سے نہ قرضہ لیا نہ معاف کرایا نہ ہی عہدہ لیا نہ اپنے لئے نہ اپنے عزیز واقارب کے لئے۔ الحمدللہ اتنے بحرانوں میں ٹائل، سیمنٹ، ریت، گرے سرامکس، ماربل، بجری انڈسٹری کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ الحمدللہ ان سے پوچھیں کہ ہم کتنے اچھے پے ماسٹر ہیں اگر ہم گڑبڑ کرتے تو اس مقام پر نہ ہوتے۔ دو ہزار ہاؤسنگ سوسائٹیاں پاکستانیوں کے اربوں روپے ہڑپ کر کے بھاگ گئیں۔ لینڈ مافیا اس قدر مضبوط ہے کہ ایوان صدر/ایوان وزیر اعظم، سپریم کورٹ تک کی ہاؤسنگ سوسائٹیوں کو کام کرنے نہیں دیا جا رہا۔ میں 50 سے زائد الائیڈ انڈسٹریز سے تعمیراتی سامان اربوں کا خریدتا ہوں آج تک کسی کی پیمنٹ نہیں روکی۔ ہر دور کے حکمران سے انٹروڈکشن ضرور رہا لیکن ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ کسی حکمران کے ذریعے نہ بینک قرضہ لیا نہ اربوں کروڑوں کا قرضہ معاف کرایا۔ میں سیاست سے دور بھاگتا ہوں اگر واقعی صدر زرداری، رحمان ملک کے اتنا قریب ہوتا تو ہائیکورٹ کے چکر لگانے کی بجائے سی ڈی اے سے NOC لے چکا ہوتا۔

معاشی واقتصادی ترقی میں بحریہ ٹاؤن کا کردار

☆ 21000 افراد اور 100,000 خاندانوں کو براہ راست ملازمت فراہم کی گئی ہے۔

☆ ضمنی ملازمتوں کے ذریعے دس لاکھ سے زائد خاندانوں کے لئے ذریعہ معاش فراہم کیا گیا ہے۔

☆ اقتصادی بحران کے دوران بھی غیر ملکی سرمایہ کاری کو راغب کر کے اس کے ذریعے ملکی معیشت کو توانائی بخشی گئی۔

☆ 200 ملین امریکی ڈالر کی سرمایہ کاری کے ذریعے 2 شیرٹن ہوٹل تعمیر کئے جا رہے ہیں۔

☆ سیمنٹ سے لے کر پینٹس، اینٹوں، گلاس، ٹائلز اور ایلومینیم تک کی 55 فیکٹریوں کی طلب تشکیل دی گئی۔

☆ بحریہ ٹاؤن نے حکومت کو اربوں روپے کے بالواسطہ براہ راست ٹیکسز ادا کئے ہیں۔

انفراسٹرکچر کی تشکیل

☆ ایشیا کی سب سے بڑی پرائیویٹ ہاؤسنگ سکیم تیار کر کے پیش کی۔ ☆ اربوں روپے مالیت کے ترقیاتی منصوبے جن میں پاکستان میں پہلی مرتبہ جدید ترین عالمی طرز زندگی کو متعارف کرایا گیا ہے۔ ☆ ساڑھے چھ ارب روپے سے زائد مالیت کے تعمیراتی ساز وسامان اپنا پراجیکٹ ڈویلپمنٹ ڈپارٹمنٹ قائم کیا۔ ☆ عوام کو شہروں کے برابر رہائشی سہولتوں کی فراہمی جن میں مکمل انفراسٹرکچر مہیا کیا گیا ہے۔ مثلاً گرڈ سٹیشنز،

Scanned with CamScanner

ہسپتال، سکول، تفریحی سہولیات، سکیورٹی، شہری سہولتیں اوٹیلیٹیز، ایمرجنسی سروسز۔ ☆ بیرونی گیٹوں پر سکیورٹی کی سہولیات وغیرہ شامل ہیں۔ ☆ آمدنی اور کفایت کے لحاظ سے تمام طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ساڑھے تین لاکھ روپے سے شروع ہونے والے رہائشی منصوبوں کے ذریعے ان کی رہائشی ضرورتیں پوری کرنے کا عزم کیا ہوا ہے جس سے 700,000 گھروں کی سالانہ کمی کو بھی پورا کیا جاسکے گا۔ حال ہی میں 20 کروڑ ڈالر سے زائد سرمایہ کاری کے ذریعے 2 شیرٹن ہوٹلز تعمیر کئے جارہے ہیں۔

کم لاگت کے گھروں کی تعمیر

☆ صرف ساڑھے تین لاکھ اور 5 لاکھ روپے کی مالیت کے 5 مرلے کے گھر ہزاروں پاکستانیوں کو فراہم کئے گئے۔

کاروباری سماجی ذمہ داری

☆ بحریہ ٹاؤن کے چیئرمین ملک ریاض حسین نے کمپنی کے کاروباری سماجی ذمہ داری (کارپوریٹ سوشل ریسپانسبلٹی) کے نئے پروگرام کے حصے کے طور پر متعدد اقدامات تجویز کئے جس کے بعد یہ انقلابی قدم اٹھایا گیا۔

☆ ہم کاروباری سماجی ذمہ داری (CSR) کے شعبے میں اپنی کاوشوں کو کئی گنا بڑھا رہے ہیں اور معلومات و بہترین کاوشوں کو دوگنا کررہے ہیں اور اس طرح کارپوریٹ ٹرانسپرنسی میں ایک مثال قائم کررہے ہیں۔

☆ ہمیں توقع ہے کہ دیگر ادارے بھی ہمارے نقش قدم پر چلیں گے۔ صرف نفع کمانا ہی کافی نہیں ہے۔ سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ معاشرے کی مدد کی جائے جس سے ہم بہت کچھ حاصل کرتے ہیں۔ ☆ بحریہ ٹاؤن ان ذمہ داریوں سے انتہائی سنجیدگی سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔ ہم اس ماحول اور علاقے کی انتہائی توجہ اور شفقت سے دیکھ بھال کرتے ہیں جہاں ہم تعمیراتی سرگرمیاں انجام دے رہے ہوتے ہیں۔ ہم نے تہیہ کیا ہوا ہے اور یہ ہمارا عزم ہے کہ مستحقین کی فلاح و بہبود میں اپنا کردار جانفشانی سے ادا کریں۔ تہذیبی اقدار کو فروغ دیں اور انہیں طویل المیعاد بنیاد پر مدد فراہم کریں۔ ☆ ہم نے ہمیشہ اس پر زور دیا ہے کہ دنیا کے اس خطے میں جس میں ہم رہتے ہیں۔ یہ انقلابی تبدیلیوں کا وقت ہے مگر الفاظ اس کے لئے کافی نہیں ہیں۔ ☆ کاروبار میں یہ حقیقت تسلیم کرنا ضروری ہوتا ہے کہ سماجی طور پر ذمہ دار اور پائیدار پروگراموں پر عملدرآمد سے سماج کو فائدہ پہنچتا ہے اور لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔ وہ ان کے اپنے کاروبار کو انتہائی پائیدار بنانے میں بھی مددگار ثابت ہورہے ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم اس عظیم قوم کا حصہ ہیں اور ہمیں یہ اعزاز نصیب ہوا ہے کہ اس کی اقتصادی اور سماجی ترقی میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

حقائق نامہ

ایشیا میں سب سے بڑی پرائیویٹ سیکٹر ڈویلپمنٹ

☆ 2005ء میں نجی شعبے میں جغرافیائی طور پر سب سے بڑا تعمیراتی منصوبہ شروع کیا گیا جو ایشیا بھر میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا منصوبہ ہے جو ملک میں مکانات کی سالانہ واقع ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے سلسلے میں سب سے بڑا انفرادی منصوبہ ہے۔ ☆ پاکستان میں یہ واحد ہاؤسنگ سوسائٹی ہے جس میں بین الاقوامی معیار کے ہم پلہ انفراسٹرکچر کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں اور پاکستان کا سب سے پہلا ہاؤسنگ پراجیکٹ ہے جس میں یوٹیلیٹیز اور سیلائز کی زیر زمین گنجائش اور سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔

☆ پاکستان کی پہلی رئیل سٹیٹ ڈویلپمنٹ اینڈ مارکیٹنگ کمپنی ہے جس کے پاس اپنا خودکار "انٹگریٹڈ اینڈ پرائز ریسورس پلاننگ اینڈ مینجمنٹ سسٹم"

Scanned with CamScanner

موجود ہے جس کی وجہ سے مختلف شعبوں اور حصوں کے مابین رابطہ آسان اور بروقت ہو جاتا ہے اور تمام کام نسبتاً جلد اور کم وقت میں انجام دیا جانا سہل ہوتا ہے جس سے کسٹمر کا وقت بچتا ہے اور کمپنی کو بھی اس کا لازمی فائدہ پہنچتا ہے۔

☆☆ ہر قسم کے صنعتی اداروں میں پاکستان میں پہلی تجارتی کمپنی ہے جس کے پاس ایک کھڑکی پر سارے مسائل حل کرنے والے نظام پر مبنی کسٹمر ریلیشنز سنٹر موجود ہے جو سال کے 365 دن، ہفتے کے ساتوں دن اور دن میں 24 گھنٹے کسٹمرز کو اپنی خدمات فراہم کرتا ہے۔

☆☆ پاکستان کی پہلی کمپنی ہے جس نے کم لاگت کے تعمیراتی منصوبے تیار کئے ہیں جن میں "مکمل پینٹ پری فیبریکیٹڈ ماڈیولر سٹرکچر ٹیکنالوجی استعمال کرائی گئی۔

☆☆ جدت طرازی پر مبنی ڈیزائن کا مظہر، پائیدار اور طویل المیعاد تصورات کے ادغام سے ایک جدید اور شاندار نیا ڈیزائن وجود میں لانے والے۔

☆☆ بحریہ ٹاؤن اپنے وسائل پر بھروسہ کرنے والا ادارہ ہے جس نے اپنی انفراسٹرکچر اور ترقیاتی کاموں کے لئے رقم کی فراہمی کے ضمن میں بھی حکومت سے مدد نہیں مانگی۔

☆☆ بحریہ ٹاؤن بالواسطہ اور براہ راست ٹیکسوں کی مد میں کروڑوں روپے ادا کرتا ہے۔ معاشرے کے ایک ترقی پسند کاروباری رکن کی حیثیت سے اپنا کاروبار کرتے ہوئے یہ متعدد افراد اور اداروں کو پراجیکٹ مینجمنٹ اور گاہکوں کو سہولتوں کی فراہمی کی خدمات کی شکل میں کاروباری مواقع فراہم کرتا ہے۔

☆☆ یہ ادارہ ڈیڑھ ہزار سے زائد لوکل سپلائرز کو ملازمت کے مواقع فراہم کرتا ہے لاہور اور اسلام آباد میں سپلائی چین نیٹ ورک کے ذریعے مزید 17 ہزار ملازمتیں فراہم کرتا ہے۔

☆☆ ایک لاکھ مالک مکان اپنی ترقی برقرار رکھنے کے لئے بالواسطہ اور بلاواسطہ بحریہ ٹاؤن پر انحصار کرتے ہیں۔ ہمارے پراجیکٹ کو مکمل کرنے کے لئے 572 ملین سے زائد افراد دن رات کوشاں ہیں۔ بحریہ ٹاؤن سے پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد مستفید ہو رہی ہے۔ 2 لاکھ صارفین اس کو ایشیا کی سب سے بڑی اور جدید ریئل سٹیٹ بنا رہے ہیں۔ ہوم پلس کمپنی پاکستان کی تیسری سب سے بڑی کمپنی ہے جس میں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے 85 ہزار پاکستانی کام کرتے ہیں جن میں زیادہ تعداد دیہی علاقوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر بحریہ ٹاؤن کے بالواسطہ بلاواسطہ ملازمین بحریہ ٹاؤن کے آلات کے ساتھ قطار بنائیں تو یہ لاہور سے راولپنڈی تک جائے گی۔ بحریہ ٹاؤن میں ہر قسم کے ملازمین کام کرتے ہیں اور یہ تمام ملازمین کے لئے یکساں مواقع فراہم کرتا ہے۔ اس کے بعد زمین میں مختلف قوموں، مذاہب، نسلوں اور مختلف خطوں کے لوگ ہیں جس کا تعلق ملائیشیا، فلپائن، مشرق وسطی اور عرب امارات سے ہے۔ بحریہ ٹاؤن پاکستان میں معاشی اور سماجی طبقہ کے مختلف صارفین کو مختلف پراجیکٹس جنہیں جھیل یا دریا کنارے پر لگژری ولاز، عوامی ولاز سے لے کر کھانے پینے تک کی اشیا فراہم کرتا ہے۔

بحریہ ٹاؤن کے جاری فلاحی منصوبے

دسترخوان

غریبوں کے لئے ایک دن میں دو وقت کا مفت کھانا فراہم کرنا ایک چھوٹی سی کاوش ہے لیکن یہ چھوٹی کاوش بھی ایک بڑا فرق ڈال سکتی ہے۔

پورے ملک میں 35 ہزار افراد کو دن میں دو مرتبہ مفت خوراک فراہم کرنا ایک ایسا اقدام ہے جو اس سے پہلے کبھی بھی نہیں اٹھایا گیا۔

پہلے سے شروع کئے گئے 6 دسترخوانوں میں 12 مزید دسترخوانوں کا اضافہ۔

سالانہ ایک کروڑ 5 لاکھ کھانوں کی فراہمی کے مجموعی طور پر 30 ملین پاکستانی روپے کا خرچ۔

Scanned with CamScanner

الحمدللہ ہم 35 ہزار سے زیادہ لوگوں کو روزانہ 2 وقت کا کھانا مفت فراہم کر رہے ہیں اور انشاءاللہ ہم پہلے سے شروع 6 دسترخوانوں میں 12 دسترخوانوں کا مزید اضافہ کریں گے۔

طبی سہولیات کے مفت منصوبے

☆ بحریہ ٹاؤن کے تین بڑے ہسپتالوں میں ڈائیلاسز سے لے کر دل کے آپریشن اور ہڈیوں کے گودے کی تبدیلی سے عام علاج تک بالکل مفت۔ ☆ دیہی علاقوں میں ادویات فراہم کرنے کے لئے موبائل ڈسپنسریاں۔ ☆ الشفاء ٹرسٹ، شوکت خانم میموریل ٹرسٹ ''سہارا ٹرسٹ'' ایس او ایس دیہات اور کئی دوسرے طبی مراکز کو باقاعدگی سے مالی امداد کی فراہمی۔

صحت کی دیکھ بھال

☆ بدقسمتی سے پاکستان میں عوام خاص طور پر غیر مراعات یافتہ طبقے کے لیے طبی امداد اور صحت کی دیکھ بھال کے لئے مطلوبہ ڈھانچہ اور سہولیات میسر نہیں۔

☆ عوامی ہسپتالوں اور کلینکس کی تعداد مطلوبہ ضرورت سے بہت کم ہے۔ علاوہ ازیں زیادہ تر پبلک ہسپتالوں میں سہولیات کا فقدان ہے اور نجی ہسپتال غریب عوام کی پہنچ سے دور ہیں۔

☆ غریبوں اور غیر مراعات یافتہ طبقے کے سماجی بہبود اور طبی خرچے پورے کرنے کے لئے کوئی ترقی یافتہ نظام بھی نہیں ہے۔ ایسے میں مایوس افراد کے لئے طبی امداد کی بہت کم امید رہ جاتی ہے۔ راولپنڈی اور لاہور میں کئی مریضوں کے علاج پر اب تک 10 کروڑ روپے خرچ کئے جا چکے ہیں۔

اختر رخسانہ میڈیکل ٹرسٹ

☆ ملک ریاض صاحب پاکستان میں ہسپتال کی زنجیر قائم کرنے کے مرحلے میں ہیں۔ ☆ اس طرح کے 60 بستروں پر مشتمل دو بیگم اختر رخسانہ ٹرسٹ لاہور اور راولپنڈی میں شروع ہو چکے ہیں۔ ☆ ان ہسپتالوں میں بلا رکاوٹ کام کو یقینی بنانے کے لئے ملک ریاض صاحب 9.7 ملین روپے سے زیادہ ماہانہ خرچ کر رہے ہیں۔ دونوں شہروں میں مریضوں کے علاج پر اب تک 20 کروڑ روپے سے زیادہ خرچ ہو چکا ہے۔ ☆ ہسپتالوں کو اعلیٰ تعلیم یافتہ ڈاکٹر چلا رہے ہیں اور یہ جدید مشینری سے آراستہ ہیں۔ ضرورت مندوں اور غرباء کو مفت طبی سہولیات فراہم کی جا رہی ہیں۔

بحریہ ٹاؤن ہسپتالوں میں دستیاب علاج معالجے کی سہولیات

☆ نیفرالوجی ☆ ای این ٹی ☆ نیورالوجی ☆ پیڈیاٹرکس ☆ آرتھوپیڈکس ☆ ڈینٹسٹری ☆ جنرل سرجری ☆ آئی ڈیپارٹمنٹ ☆ کارڈیالوجی ☆ گائناکالوجی ☆ ڈینٹل سرجری ☆ ڈرمیٹالوجی ☆ رینل ٹرانسپلانٹ ☆ بون میرو ٹرانسپلانٹ ☆ اوپن ہارٹ سرجری ☆ کیموتھراپی اینڈیو تھراپی ☆ 24 گھنٹے ایمرجنسی کیڈیونٹ الٹرا ساؤنڈ۔

سہولیات

☆ 24 گھنٹے ایکسرے ☆ آپریشن تھیٹر ☆ ڈائیلاسز سینٹر (ایک وقت میں 7 مریض)

غریبوں اور ضرورت مندوں کو مفت طبی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔

Scanned with CamScanner

موبائل میڈیکل ٹیمیں

☆1996ء سے راولپنڈی، اسلام آباد اور لاہور کے دیہات اور پسماندہ علاقوں میں بیماروں کو موبائل میڈیکل ٹیمیں مفت طبی سہولیات، مفت معائنہ اور ادویات فراہم کر رہی ہیں۔ ☆ایسے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے جن کو علاج کی ضرورت ہے یا جو طبی معائنہ کی سہولیات سے حقیقی طور پر محروم ہیں۔

صحت سے متعلق سیمینارز

گردوں کے بارے میں احتیاط و علاج اور فرسٹ ایڈ سے متعلق مفت آگاہی پروگراموں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ سکولوں کے طالبعلموں، اساتذہ، کمپنیوں کے ملازمین اور دوسرے عام شہریوں کے لیے تھا۔

حفظان صحت سے متعلق تنظیموں اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ بحریہ ٹاؤن پارٹنر ہے جو صحت کے شعبے کے مختلف اداروں میں معاشرے کو سہولیات فراہم کر رہا ہے۔ بحریہ ٹاؤن ان کے ساتھ مالی معاونت بھی کر رہا ہے۔

مستقبل روشن بنانے کے لئے روشنی پھیلانا

بہبودی سکیموں کے لئے عطیات

بحریہ ٹاؤن اپنے مقاصد کو موثر طور پر حاصل کرنے کے لئے ملک بھر میں بہت سی تنظیموں اور اداروں کے ساتھ رابطے میں ہے اور دور دراز علاقوں میں صحت اور تعلیم کی سہولتوں کی فراہمی میں ان کی مدد کر رہا ہے۔ چیئرمین بحریہ ٹاؤن ملک ریاض حسین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ پبلک ٹرسٹ کے نگہبان ہیں جس کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا ہے۔ جب بھی ان تک رسائی حاصل کی گئی۔ انہوں نے فیاضی سے عطیات دیئے اور بہت سے اداروں کی سپورٹ کی۔

ایس او ایس ولیج

ایس او ایس ولیج کی صدر سوریا انور کہتی ہیں کہ بحریہ ٹاؤن راولپنڈی میں زلزلے سے متاثرہ علاقوں کے 100 بچوں کو مفت رہائش اور اشیائے خورونوش کی فراہمی میں جس فیاضی کا مظاہرہ کیا گیا ایس او ایس ولیج اس پر ملک ریاض حسین کا شکر گزار ہے۔ **گوشہ سکون** : بحریہ ٹاؤن نے 2008ء میں معمر افراد اور یتیم بچوں کے لئے شیلٹر ہاؤس قائم کر کے جسے گوشہ سکون کا نام دیا گیا ہے ایک اور اہم سنگ میل عبور کیا ہے۔ اس گھر میں مفت رہائش خوراک اور علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس وقت گوشہ سکون میں 450 سے زائد بچے رہائش پذیر ہیں۔

غیر مراعات یافتہ طبقہ کی اجتماعی شادیاں

بحریہ فاؤنڈیشن نے پانچ ہزار سے زیادہ جوڑوں کی اجتماعی شادیاں کرائیں اور اس مقصد کے لئے 45 ملین روپے کے عطیات اب تک دیئے جا چکے ہیں۔

اجتماعی شادیاں

12 سال قبل بحریہ ٹاؤن نے اجتماعی شادیوں کا تصور پیش کیا اور اس سمت میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ اب تک سینکڑوں مستحق خاندانوں کو

Scanned with CamScanner

باوقار انداز میں رشتۂ ازدواج میں منسلک کیا جا چکا ہے اور وہ معاشرے کا سرگرم حصہ بن چکے ہیں۔

☆ شادی کی تقریبات کا انتظام کیا۔ دلہن کو جہیز دیا اور دوسرے انتظامات کیے۔ بحریہ ٹاؤن نے گورنر ہاؤس لاہور میں ہونے والی مختلف تقریبات کے اخراجات برداشت کیے جس کی سرپرستی سابق گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل خالد مقبول کرتے تھے۔

☆ بحریہ ٹاؤن اپنے ملازمین کو سود سے پاک قرضے بھی فراہم کرتی ہے جن کو آسان قسطوں میں وصول کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں ضرورت مندوں کی شادی کے اخراجات بھی برداشت کر رہا ہے۔ بحریہ ٹاؤن گزشتہ 12 برس سے ہزاروں خاندانوں کو خوراک اور جہیز کی فراہمی کی سہولتوں کے حوالے سے بھرپور حصہ لے رہا ہے۔

بحریہ ٹاؤن ڈیزاسٹر مینجمنٹ

☆ ہم قدرتی آفات اور حادثات کے وقت متاثرین کی امداد میں ہمیشہ سب سے آگے رہتے ہیں ان کی جیتی جاگتی مثال 2005ء کا تباہ کن زلزلہ، مارگلہ ٹاور کا انہدام، میریٹ ہوٹل کی آتشزدگی اور گکھڑ پلازہ راولپنڈی کی آتشزدگی وغیرہ ہیں۔

☆ ہم نے شورش زدہ علاقوں میں بے گھر ہونے والوں کی امداد کے لئے متعدد امدادی ٹیمیں تشکیل دیں جنہوں نے متاثرین کو مالی، طبی اور غذائی امدادی سہولتیں فراہم کیں۔

☆ سوات میں متاثرین کے لئے فری میڈیکل کیمپ لگائے جہاں 40 ہزار سے زائد افراد کو طبی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ قدرتی آفات اور اچانک پیش آنے والے حادثات کے وقت متاثرین کی مدد میں بحریہ ٹاؤن ہمیشہ سب سے آگے رہتا ہے۔

قدرتی آفات میں انتظام و انصرام

گکھڑ پلازہ راولپنڈی میں آتشزدگی کا واقعہ دسمبر 2008ء

☆ بحریہ ٹاؤن کا ایمرجنسی فلیٹ دسمبر 2008ء میں گکھڑ پلازہ میں آتشزدگی کے وقت سب سے پہلے موقع پر پہنچنے والا فلیٹ تھا۔

☆ اس فلیٹ نے آگ بجھانے کی کارروائیوں اور سرچ اینڈ ریسکیو آپریشن میں ضلعی حکومت راولپنڈی، ریسکیو 1122 راولپنڈی، کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی، سی ڈی اے اسلام آباد، سول ایوی ایشن اتھارٹی اور پی او ایف واہ کا بھرپور ساتھ دیا۔

☆ بحریہ ٹاؤن کے 150 سے زائد رضا کار جن کے پاس بحریہ ٹاؤن ڈویلپمنٹ پراجیکٹ کی 50 سے زیادہ نشستیں تھیں جن میں فائر بریگیڈ، لوڈرز، ایمبولینسز، ہیوی لفٹنگ پلانٹس و پنچرز شامل تھے، 24 گھنٹے کام کرتے رہے اور آپریشن کی تکمیل تک موقع پر موجود رہے۔

سوات میں فوجی آپریشن کے دوران بے گھروں کے لیے امدادی کارروائیاں

☆ سوات کے بے گھر ہونے والوں کا مسئلہ دورِ حاضر کا سب سے بڑا انسانی بحران تھا جس میں 25 لاکھ افراد مقامی طور پر بے گھر ہوئے۔

☆ اس بحران کی سنگینی کے پیشِ نظر بحریہ ٹاؤن نے ضلعی اور صوبائی حکومتوں کے رابطے سے امدادی سرگرمیاں انجام دیں جن میں انسانی وسائل اور لاجسٹک سپورٹ بھی شامل تھی اور مخصوص علاقوں میں اپنے مالی وسائل سے امدادی کارروائیاں سرانجام دیں۔

☆ ان کارروائیوں میں:

☆ ریلیف کیمپوں کا قیام

☆ اشیاء کی تقسیم

Scanned with CamScanner

☆ طبی امداد کی فراہمی

☆ پانی کی تقسیم

☆ لاجسٹک سپورٹ

☆ ریلیف سیل وغیرہ شامل ہیں۔

بحریہ ٹاؤن کی جانب سے فراہم کی جانے والی نان فوڈ آئٹمز برائے سوات بشمول آئی ڈی پیز

میڈیکل سپورٹ:۔ بحریہ ٹاؤن نے آئی ڈی پیز کے لئے ایک طویل المیعاد جامع میڈیکل ریلیف پلان کا بھی اعلان کیا ہے جس کے تحت اختر رخسانہ ٹرسٹ نے صوابی کیمپ میں آئی ڈی پیز کے لئے اپنی امدادی سرگرمیاں جاری رکھیں جو حالات معمول پر آنے تک جاری رہیں۔ ٹرسٹ نے 8 ملین روپے ریلیف فنڈ کے لئے مختص کئے۔ میڈیکل کیمپ میں 40 ہزار مریضوں کا علاج معالجہ کیا گیا۔

☆ ان میں ذیابیطس، ہائپر ٹینشن، ٹی بی، مختلف انفیکشن اور نزلہ زکام بخار کے مریض شامل تھے۔

☆ ٹرسٹ نے اپنے ہسپتالوں سے کوالیفائیڈ ڈاکٹر مقرر کئے جو مستقل طور پر وہاں رہے اور انہوں نے آئی ڈی پیز بالخصوص نوزائیدہ بچوں اور خواتین کو علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کیں۔

☆ ایمبولینس اور ادویات کی فراہمی کے لئے مطلوبہ سامان اور انتظامات بھی کئے۔

☆ کیمپ جو جدید سہولتوں سے مزین تھا، میں چھوٹے موٹے آپریشن بھی کئے گئے۔

پانی کی تقسیم:۔ بحریہ ٹاؤن نے ٹرکوں پر نصب جو واٹر ٹینک بھی فراہم کئے ہر ٹینک کی گنجائش 25 ہزار لیٹر تھی۔ ٹرکوں میں پمپنگ یونٹ بھی لگائے گئے تھے جن کے ذریعے کیمپوں میں مقیم آئی ڈی پیز میں پانی تقسیم کیا گیا۔

بحریہ ٹاؤن نے آئی ڈی پیز کے لئے طویل المیعاد جامع میڈیکل ریلیف پلان کا بھی اعلان کیا جس کے تحت اختر رخسانہ ٹرسٹ نے آئی ڈی پیز کے لئے امدادی کام جاری رکھا۔

لاجسٹک سپورٹ:۔ بحریہ ٹاؤن نے اپنے انسانی وسائل اور لاجسٹک سپورٹ ضلعی حکومت مقامی انتظامیہ اور بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں کو پیش کی۔

☆ ان میں مالی امداد، طبی امداد اور خوراک کی صورت میں امداد شامل تھی۔

☆ بحریہ ٹاؤن ٹیم کے ایک ہزار سے زائد رضا کار مختلف تنظیموں کے ساتھ مل کر ضرورت مندوں کی امداد کرتے رہے۔

ریلیف سیل:۔ بحریہ ٹاؤن نے اپنے تمام دفاتر اور کمیونٹیز میں ریلیف سیل قائم کئے جہاں اس کی ٹیم کے ارکان اور بحریہ ٹاؤن کے رہائشی آئی ڈی پیز کے لئے امدادی اشیاء اکٹھی کرتے تھے۔

2005ء کا المناک زلزلہ

☆ 8 اکتوبر کو 7.6 شدت کے زلزلے نے پاکستان کے شمالی علاقوں میں تباہی مچادی۔

☆ یہ خطے میں تاریخ کا شدید ترین اور تباہ کن زلزلہ تھا جس کے نتیجے میں تقریباً 73000 افراد جاں بحق اور 3000,00000 سے زائد افراد

Scanned with CamScanner

زخموں، چوٹوں، سردی، بھوک اور بے گھری جیسے عذابوں کا نشانہ بنے۔

☆بحریہ ٹاؤن نے اس نازک موقع پر زندہ بچ جانے والوں کو ضروری امدادی فراہمی کے لئے اپنی ٹیم کو فوری طور پر متحرک کر دیا۔

☆ضلع باغ مظفرآباد، راولاکوٹ، ایبٹ آباد، بالاکوٹ اور مانسہرہ میں متعدد دیہات میں بذریعہ زمین رابطہ اور امدادی سرگرمیاں بھی پہنچائیں۔

زلزلہ زدگان کے لیے امدادی کیمپوں کا قیام

بحریہ ٹاؤن نے آٹھ بڑے امدادی کیمپ قائم کئے جن کی مدد سے 10 کروڑ روپے مالیت سے زیادہ کا امدادی سامان جمع کیا گیا۔ ان امدادی کیمپوں میں چھ ہزار متاثرہ خاندانوں کو رہائش فراہم کی گئی جن کے فیملی ممبرز کی تعداد 36000 بنتی ہے۔ یہ مہاجر کیمپ تین ماہ تک کام کرتے رہے۔ جن خواتین کیساتھ مرد نہیں تھے ان کے لئے خصوصی کیمپ لگایا گیا جہاں ان کی طبی امداد اور حفاظت کا پورا بندوبست کیا گیا۔ بحریہ ٹاؤن نے متاثرہ خاندانوں کی خوراک، تعلیم، مالی اور طبی امداد کو یقینی بنانے کے لئے اپنا عملہ مستقل طور پر تعینات رکھا اور اس دوران پیدا ہونے والی انتظامی و دیگر مسائل کو خوش اسلوبی سے حل کیا گیا۔

کیمپوں کے مقامات

1) مظفرآباد

2) باغ

3) چکار

4) چکوٹھی

5) چار کیمپ اسلام آباد میں سیکٹر آئی نائن اور ایک ویو ہوٹل سمیت مختلف علاقوں میں لگائے گئے۔

امدادی سامان کی تقسیم

بحریہ ٹاؤن نے تین کروڑ روپے کا سامان دے کر ٹرکوں کا قافلہ بالاکوٹ، راولاکوٹ، مظفرآباد اور باغ روانہ کیا۔ متاثرہ علاقوں میں شدید سردی سے لوگوں کو بچانے کے لئے بحریہ ٹاؤن نے 10 ہزار خیمے خریدے اور انہیں کشمیر کے پہاڑی علاقوں تک پہنچایا۔ متاثرہ افراد میں گرم کپڑے، کمبل اور لحاف تقسیم کئے گئے تاکہ وہ آنے والی سردی کی سختی سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ بحریہ ٹاؤن کے امدادی سامان میں اشیائے خورد و نوش، جوتے، بستر، کپڑے، دوائیں اور موم بتیاں بھی شامل تھیں۔

مقامی آبادیوں کی دیکھ بھال اور بحریہ ٹاؤن کی اپنی آبادیوں تک منتقلی

ہمارے توسیعی منصوبوں، نئے پروگراموں کے آغاز اور نئے نئے مقامات تک جانے کا ہمیشہ خیر مقدم اس اعتماد تعلقات اور خیر سگالی کی بنیاد پر کیا گیا ہے جو مقامی آبادی کے ارکان کیساتھ پیدا کی گئی ہے۔

ہماری پوزیشن ایک انڈسٹری لیڈرز اور ایک موجد کی ہے جو ہمیں مختلف آبادیوں کو جامع اور مختصر انداز میں سہولتیں فراہم کرنے کے قابل بناتا ہے۔

ہم خاص طور پر ان منصوبوں کو پیش نظر رکھتے ہیں جن میں ہماری فنی مہارت انفراسٹرکچر کی ترقی کی اہلیت ہمارے ملازمین کی توانائی اور حقیقی نظریات میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے جو خصوصی اور اقتصادی میدانوں میں آگے جانے کے لیے تقویت دیتی ہے۔

Scanned with CamScanner

ہم مقامی آبادیوں کیساتھ اجتماعی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بحریہ ٹاؤن اور اردگرد کی آبادیوں کی ترقی کے لیے بھرپور جدوجہد کرتے ہیں۔

مالی فوائد :ایک عمومی رجحان کے تحت بحریہ ٹاؤن کی ملحقہ آبادیوں کی زمینوں کی قیمت بھی بحریہ ٹاؤن کی ترقی کے باعث بڑھی ہے۔

یہ سب عالمی ترقیاتی معیار کی وجہ سے ممکن ہوا ہے کہ بحریہ ٹاؤن کو یہ مقام حاصل ہوا ہے۔

لال مسجد تزئین وآرائش اور بحالی

چیئرمین بحریہ ٹاؤن ملک ریاض حسین نے 2007ء میں فوجی آپریشن کے بعد لال مسجد کے تشخص کو بحال کرنے اور خرابیوں کو دور کرنے کے سلسلے میں غیر سرکاری طور پر عطیات دینے کی حیثیت سے اہم کردار ادا کیا۔ بحریہ ٹاؤن نے لال مسجد کی مکمل آرائش کا کام سرخ اور زرد اینٹوں اور پتھروں سے کیا۔ مسجد کے ہالز کی مرمت اور تزئین از سرنو کی گئی اور اس کام پر مجموعی طور پر بیس ملین روپے خرچ کیے گئے۔ ام حسن کی رہائش اور ان کی طالبات کے نئے کوارٹرز کا اہتمام کیا گیا۔ مدرسہ کی طالبات بحریہ ٹاؤن راولپنڈی میں مقیم رہیں اور تقریباً 750 طالبات کو مکمل خوراک میڈیکل اور تعلیم کی سہولیات فراہم کی گئی۔ مولانا عبدالعزیز بھی جیل سے رہائی کے بعد بحریہ ٹاؤن کے ایک مکان میں رہائش پذیر رہے۔ لال مسجد ایک نیا منظر پیش کر رہی تھی۔ بحریہ ٹاؤن یہ سب کچھ مفت کر رہا تھا۔ بدقسمتی سے متعلقہ حکام نے مسجد کی تزئین وآرائش کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی۔

قیدیوں کی رہائی کے لیے ادائیگی

پنجاب کی مختلف جیلوں سے قیدیوں کی رہائی کے لیے ان کے 30 ملین روپے سے زیادہ کے جرمانے ادا کیے گئے۔ ان قیدیوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے جو اپنی قید کی مدت پوری کر چکے تھے۔ تاہم ان کے پاس جرمانہ ادا کرنے کی رقم نہیں تھی۔ یہ قیدی اٹک، راولپنڈی، فیصل آباد، گجرات، منڈی بہاؤالدین، میانوالی اور شاہ پور کی جیلوں میں سزا کاٹ رہے تھے۔ ان میں بہت ایسے قیدی بھی شامل ہیں جنھیں سزائے موت سنائی جا چکی تھی۔ تاہم دونوں پارٹیوں کی باہمی رضامندی سے ان کی رہائی عمل میں آئی جس میں بحریہ ٹاؤن نے مرکزی کردار ادا کیا۔

جیلوں کی اپ گریڈیشن

بحریہ ٹاؤن نے جیلوں کی ڈویلپمنٹ کے لیے 10 ملین سے زیادہ مالیت کا سامان بطور عطیہ دیا جو جیلوں کے مین کچن، مہمان خانوں اور طویل سزا یا سزائے موت پانے والے افراد کے لیے سٹور سیلوں کے قیام کے لیے استعمال کیا گیا۔ ان امدادی کاموں کی پیشرفت نے ملزموں کی بحالی کے کام کو بہتر بنایا ہے اور بحریہ ٹاؤن کو یقین ہے کہ یہ افراد اچھے شہری بن سکیں گے۔ جرائم کا ارتکاب نہیں کرینگے اور معاشرے کی بہتری میں مجموعی طور پر کردار ادا کرینگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

ظلم کیخلاف ڈٹ جانے کا نام کربلا ہے

شاہ ہست حسینؑ پادشاہ ہست حسینؑ
دیں ہست حسینؑ دیں پناہ ہست حسینؑ
سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لاالہ ہست حسینؑ

کربلا کے تصور کے ساتھ ہی دل و دماغ لرز اٹھتا ہے۔ اتنی بربریت، اتنی سفاکی، اتنی بے رحمی، اتنی شقاوت، اتنی سرکشی، اتنی رعونت، اتنی نخوت، اتنا ظلم اتنا جبر کہ خدا کی پناہ، آل نبیؐ کے ساتھ ایسا خوفناک سلوک نواسہ رسولؐ کے ساتھ ایسا بھیانک رد عمل اے یزید بدبخت تجھے یہ خیال نہ آیا کہ تو کن کے خلاف صف آرا ہو رہا ہے۔ یہ اولاد نبیؐ ہے۔ یہ نواسہ رسولؐ ہے۔ وہ رسولؐ جس کے لیے یہ کائنات بنائی گئی۔ یہ بزم ارض وسما سجائی گئی جس کے حسن سے حسن دو عالم کی محفل آراستہ کی گئی۔ اے یزید! تجھے ایک لمحے کے لیے بھی شرم نہ آئی کہ تو کن کے ساتھ کیا کرنے جا رہا ہے۔ ان کے ساتھ جن کے ایک اشارے پر دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے جو چاہیں تو زمین گردش کرے چاہیں تو گردشیں رک جائیں۔ یہ سب نظام ہستی جن کی مٹھی میں بند ہے۔ اے یزید! تو مر کر مر گیا ہے۔ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو گیا ہے اور تیری وحشتوں کا شکار ہونے والے امر ہو گئے ہیں۔ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے ہیں۔ حسینؑ اور یزید میں یہی فرق ہے کہ یزید ظاہری فتح کے باوجود کہیں نہیں اور حسینؑ تھے حسینؑ ہیں اور حسینؑ رہیں گے۔ جب تک نظام کائنات چل رہا ہے جب تک صبحیں جنم لے رہی ہیں جب تک شامیں وجود پذیر ہو رہی ہیں۔ اس وقت تک اور اس کے بعد بھی حسینؑ کا نور حسینؑ کی روشنی باقی رہے گی۔ زندگی کو کون مار سکتا ہے۔ حسینؑ تو زندگی ہے۔ ایک حیات ابدی ہے۔ ایک کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی، اے یزید! تو نہیں ہے اور حسینؑ ہیں۔ یہی سب سے بڑا امتیاز ہے کہ یزیدیت فنا کے گھاٹ اتر گئی اور حسینیتؑ پوری عظمت اور جلال کے ساتھ ہے اور رہے گی۔ روشنی کو کون قتل کر سکتا ہے۔ یزید تیرا نام ایک دشنام اور ایک گالی بن گیا ہے۔ نفرت کی علامت مگر حسینؑ کا نام ایک عبادت بن گیا ہے۔ لوگ حسینؑ کے نام چومتے ہیں اور اس سے تقویت، حوصلہ اور ہمت حاصل کرتے ہیں۔ یزید تو جیت کر بھی ہار گیا اور حسینؑ بظاہر ہار کر بھی جیت گیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے کیا خوبصورت شعر کہا ہے کہ

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

جوں جوں کربلائیں برپا ہوتی رہیں گی۔ حسینیت نکھر کر سامنے آتی جائیگی۔ یہی کردار ہے جو قیامت تک یزیدیت پر لرزہ طاری رکھے گا۔

میں اس موضوع کی وسعت پر کیا لکھوں۔ امام عالی مقام ایک بحر ذخائر میں ایک قطرہ بے حیثیت، کربلا بظاہر دو افراد کی جنگ، حقیقت میں دو نظریات کا ٹکراؤ، دو مکاتب فکر کا تصادم، یہ غلط فہمی دور کرنا بے حد ضروری ہے کہ نواسہ رسولؐ کے دل میں حب دنیا تھی نہ حرص اقتدار، وہ بھلا اقتدار اور کرسی کی خواہش کیسے کر سکتے تھے کہ جب یہ کائنات ارض وسما ہی ان کے لیے تھی۔ یہ دو کرداروں کی جنگ تھی۔ نیکی اور بدی کی محاذ آرائی تھی۔ یہ اطاعت اور سرکشی کی آویزش تھی۔ اقتدار کے لیے لڑنے والے چھ چھ سال کے کمسنوں کو میدان میں تھوڑی لاتے ہیں۔ یزید علامت ہے جبر کی۔ یزید نام ہے رعونت و نخوت کا۔ یزید نام ہے استحصال کا۔ یزید نام ہے سب کائنات سے بغاوت کرنے کا اور حسینؑ نام ہے تیرگی کی چٹانوں کو توڑنے اور زندگی کی شریانوں میں روشنی دوڑانے کا۔ حضرت امام حسینؑ خون میں نہا گئے۔ اپنا پورا کنبہ قربان کر دیا۔ اپنا سارا اثاثہ اللہ کی راہ میں لٹا دیا لیکن سچائی پر "حق پر" انصاف پر حرف نہیں آنے دیا۔ حسینؑ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے ساتھ یہ میثاق ہے کہ اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے مگر کسی ظالم کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا جا سکتا۔ گویا کربلا تو ایک روشنی ہے کربلا ظلم کے خلاف ڈٹ جانے کا نام ہے۔ کربلا جبر و استحصال اور تاریکی کی بیعت نہ کرنے کا نام ہے۔ کربلا سچ بولنے اور حق کا علم بلند کرنے کا نام ہے۔ جب تک کائنات کی سانسیں چل رہی ہیں کربلا سے روشنی کے چشمے ابلتے رہیں گے۔

Scanned with CamScanner

آج مسلمانانِ عالم عجیب قسم کی افراتفری اضطراب ٹوٹ پھوٹ اور شکست وریخت کا شکار ہیں جب سے امت رسولؐ اپنے مرکز ومحور سے ہٹی اور اپنی اصل سے دور ہوئی ہے۔ انحطاط، زوال، پسپائی اور ذلت آمیز شکست ورسوائی اس کا مقدر بن گئی ہے جن کی ہیبت حق گوئی وبیباکی سے بڑے بڑے دریاؤں پر لرزہ طاری رہتا تھا وہ آج خود پریشان وہراساں ہیں اس لیے کہ ہم اپنی قوت اور جلال کے اصلی مرکزوں سے پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ ورنہ آج بھی اگر ہمارے اندر حضرت ابراہیم جیسا ایمان پیدا ہوجائے تو آگ انداز گلستان پیدا کرسکتی ہے۔ ہماری کمزوری کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم اندر سے مرگئے ہیں۔ ہمارے ضمیروں کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ ہمیں ذاتی اغراض اور جاہ پسندی کی دیمک چاٹ رہی ہے۔ کاش ہم صحیح معنوں میں حضرت امام حسینؓ کے پیروکار بن جائیں۔ حسینیت ہماری رگ رگ میں اتر جائے اور ہم سچے دل سے نواسہ رسولؐ کے نقش قدم پر چلنا شروع کردیں اگر ہم حسینیت پر کاربند ہوجائیں تو یزیدی طاقتیں آج بھی پسپا ہوسکتی ہیں ہم خود ٹکڑوں میں بٹ گئے ہیں منتشر ہوگئے ہیں۔ بکھر گئے ہیں۔ ریزہ ریزہ ہوگئے ہیں چشم تصور میں وہ لمحہ سامنے لائیں جب یزید حضرت امام حسینؓ سے بیعت لینے کے لیے ظلم کی آخری حدوں تک پہنچ گیا اور ان پر پانی بند کردیا جو چاہتے تو کوثر وتسنیم کی نہریں زمین پر آجاتیں مگر جگر گوشۂ بتول نے اپنے عظیم وبے مثال کردار سے ثابت کردیا کہ اللہ والے اپنی جان دے سکتے ہیں اپنا پورا خاندان قربان کرسکتے ہیں قدم قدم لہو کے چراغ جلا سکتے ہیں مگر ایک سرکش اور خدا کے باغی کی بیعت نہیں کر سکتے کسی عیاش بدمست بدکردار شرابی اور بے حیاء کو اپنا فرمانروا تسلیم نہیں کرسکتے لہٰذا دشمن کی عددی برتری کو جانتے ہوئے اور ظاہری نتائج سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی جناب سیدالشہداء نے باطل کی برتری ماننے اور ایک فاجر وفاسق کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے انکار کردیا۔

یہی حسینیت ہے، یہی جگر گوشہ بتول سے عقیدت کا تقاضا ہے کہ جہاں جہاں احکامات الٰہی اور قرآن وسنت کی روشن تعلیمات سے انحراف کیا جائے وہیں وہیں حق کی پاسبانی کا فریضہ ادا کرنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرکے ثابت کردیا جائے کہ مومن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خالق کونین اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے لیے وقف ہے۔ جان جاتی ہے تو جائے مگر بارگاہ ظلم میں سر تسلیم خم نہ کیا جائے۔ سیدالشہداء حضرت امام حسینؓ نے کربلا میں ایسا ہی کیا، آپ نے بلا کی گرمی میں تشنگی اور پیاس کو برداشت کیا، حضرت اصغرؓ جیسے ننھے پھول کو نچھاور کردیا مگر یزیدی طور طریقوں اور فاسقانہ وجابرانہ روش کی تصدیق نہیں کی۔

جی ہاں جب تک دنیا باقی ہے حسینیت ویزیدیت کی جنگ جاری رہے گی اور حق کی راہ پر چلنے والے اور انصاف کی بات کرنے والے نواسہ رسولؐ کے مقدس لہو سے نئے نئے حوصلے کشید کرتے رہیں گے۔ آیئے اب ایک نظم پڑھ کر دیکھیں کہ شہید اعظم حضرت امام حسینؓ کا کردار کیا تھا اور ہمارا کردار کیا ہے۔ حضرت امام حسینؓ جس قدر سچے، پکے، عزم کے پختہ دلیر اور شجاع تھے، ہم اسی قدر کمزور، بزدل اور گھبرائے ہوئے ہیں۔

کسے یہ تاب کہ لکھے صفات ابن علیؓ
کسے مجال کہ سمجھے بھلا مقام حسینؓ
اسی کے فیض سے چلتی ہے نبض کون و مکاں
دھڑک رہا ہے وجود جہاں میں نام حسینؓ

☆☆☆☆☆☆☆

حسینؓ عرصہ ظلمت میں روشنی کا سفیر
نبیؐ کا لہجہ رسالت مآبؐ کی تصویر
نثار جس پہ جلال شہی وہ مرد فقیر
جبین وقت پہ خوں سے لکھی ہوئی تحریر

☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

حدودِ فکر سے باہر ہے اس کی شخصیت
ہر ایک حرف سے اونچا ہے مرتبہ اس کا
ہر ایک لفظ ہے اس کے مقام سے کمتر
غرورِ شرکی کلائی مروڑ دی اس نے
کمر رعونت و نخوت کی توڑ دی اس نے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مگر وہ خون کا دریا ابھی نہیں اترا
ہے کربلا بھی وہی عہد ابتلا بھی وہی
غرورِ شہ بھی وہی جاہ کا نشا بھی وہی
وہی سروں کی قطاریں وہی دریدہ بدن
وہی ستم کا چلن ہے وہی ہے طوق و رسن

☆☆☆☆☆☆☆

سنان و ناوک و خنجر کے مرحلے بھی وہی
کہ ہیں سلاسل و زنداں کے سلسلے بھی وہی
قبائے خوں بھی وہی قتل گل تناؤ بھی وہی
ہے کارواں بھی وہی دشت بے اماں بھی وہی
فجور و فسق بھی ہے فتنہ و فساد بھی ہے
وہی یزید وہی شمر بھی زیاد بھی ہے

☆☆☆☆☆☆☆

مگر حسینؑ سے اپنی رفاقتیں کیسی؟
ہزار مرثیے لکھیں کہ اشک برسائیں
ہزار نوحہ و ماتم کریں سلام پڑھیں
تضاد قول و عمل ہے تو پھر حسین کیساتھ
تمام نسبتیں باطل وفا کے دعوے غلط

☆☆☆☆☆☆☆

کہاں حسینؑ کا کردار اور کہاں ہم لوگ
کہاں وہ صبر کا کہسار اور کہاں ہم لوگ
کہاں وہ پیکرِ ایثار اور کہاں ہم لوگ
کہاں رسولؐ کے اطوار اور کہاں ہم لوگ
کہ ہم ضمیر کا نیلام عام کرتے ہیں
ہراک یزید جہاں کو سلام کرتے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

سقوط ڈھاکہ

عبدالقادر ملا کا عدالتی قتل.........زخم پھر تازہ ہو گئے

پاکستان دشمنوں کی سازش سے قائداعظم کے بنائے گئے پاکستان کو دو ٹکڑے کئے جانے کے آج 47 سال پورے ہونے پر پاکستان بھر کے محب وطن عوام بالخصوص دکھ کا سراپا مجسمہ بنے ہوئے ہیں۔ اس سازش میں امریکی اداروں میں برس ہا برس تک ذمہ داریاں نبھانے کے باوجود مجسم محب وطن پاکستان سابق وفاقی وزیر خزانہ ومنصوبہ بندی ڈاکٹر محبوب الحق مرحوم نے اپنی زندگی میں راقم سے ون آن ون ملاقات میں یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ قائداعظم کے بنائے گئے پاکستان کو جس میں لاکھوں مسلمانوں نے خون دیا۔ راقم کے والدین، خاندان سمیت ہزاروں مسلمان مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے قتل عام کا شکار ہوتے ہوئے پاکستان آئے تھے یا مغربی بنگال سے مشرقی بنگال گئے تھے پاکستان جو انڈونیشیا کے بعد دنیا کی تیسری سب سے بڑی مسلمان ریاست تھی، کو توڑنے میں بھارت اس کی ایجنٹ عوامی لیگ کے علاوہ امریکہ، اسرائیل، سوویت یونین حتیٰ کہ ہمارے بغل میں چھری منہ میں ہندو کی طرح رام رام جپنے والے ایک دو مغرب کی جانب واقع اسلامی ملک بھی شامل تھے۔ یہی سانحہ بہاولپور کی سازش کے کردار تھے اور یہی ایک دور پار سے مغرب میں واقع مسلمان ممالک آج بھی پاکستان کے مقابلے میں بھارتیوں کو محبت زیادہ روزگار دیے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر محبوب الحق کے 40 سال کے خیالات گزشتہ ہفتے اور اتوار دفتر خارجہ کے ترجمان کے اس سرکاری بیان میں کھل کر سامنے آ گئے ہیں کہ سقوط مشرقی پاکستان کی 42 ویں برسی سے صرف 4 روز قبل جس طرح بنگلہ دیشی وزیر اعظم حسینہ واجد نے 1971ء کے واقعات سے قبل پاکستان مسلح افواج کا مکمل باہمی کے ساتھ مقابلے میں اپنی جماعت سمیت بے جگری کے ساتھ دیا ہے۔ اس کی سزائے عمر قید کو خصوصی ٹریبونل تشکیل دے کر پھانسی میں تبدیل کر کے 12 دسمبر کو دس بج کر ایک منٹ پر تختہ دار پر لٹکوا دیا اور راتوں رات سخت پہرے میں ان کے آبائی قصبے فرید پور میں دفن کرا دیا۔ اس ہولناک اور دل لرزو دینے والے واقعہ پر مسلم امہ تو ایک طرف خود دفتر خارجہ کے ترجمان کا پھسپھسا بیان پاکستانیوں کے دل کے زخموں پر نمک چھڑک رہا ہے جو بقول محبوب الحق عناصر کے یہ سوال پوچھتے نظر آنے لگے ہیں کہ 1971ء کے واقعات میں پاکستان کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے مسلح افواج کا ساتھ دینے والے پاکستانیوں کو اگر پھانسیوں سے بچانے کے لیے مجرمانہ خاموشی پاکستانی وزارت خارجہ نے اپنائی ہے تو پھر خدانخواستہ بلوچستان کراچی وغیرہ میں علیحدگی کی تحریکوں، وہاں کی آزادی کی نام نہاد آرمی سے مقابلے میں ان علاقوں کے محب وطن پاکستانی ملکی فوج کا ساتھ آخر کیوں دیتے رہیں گے۔ 16 دسمبر 1971ء کو جس سازش کے ذریعے انعام کے نام پر بننے والے دنیا کے واحد ملک اسلامی جمہوریت پاکستان کو توڑنے والے تینوں لیڈر و وزرائے اعظم تو اللہ کے انجام کا شکار بن کر غیر طبعی غیر فطری موت کے پنجوں میں دبوچے جا چکے ہیں اس وقت پاکستان کے بنگلہ دیش کے کون وزرائے اعظم تھے۔ ہندوستان کی وزیر اعظم تو پہلے سے اندرا گاندھی تھیں۔ قدرت نے اسلام کے نام پر بننے والے قائداعظم کے پاکستان کو توڑنے والوں سے اپنے غیر مرئی لیڈر سے جو انتقام لیا وہ حکمرانوں اور ان کے حاشیہ برداروں کے لیے نشان عبرت ہے سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد بنگلہ دیش پاکستان کے وزرائے اعظم بننے والے نہ صرف خود وحشیانہ طور پر قتل کئے گئے بلکہ ان کی اولادیں بھی گولیوں سے چھلنی کر کے ملک الموت کے حوالے ہوئیں کیا شیخ مجیب وزیر اعظم بنگلہ دیش کا 17 رکنی خاندان دھان منڈی ڈھاکہ میں وحشیانہ طور پر قتل نہیں ہوا کیا بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی کو راشٹرپتی بھون دلی میں ان کے محافظ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ نہیں اتارا۔ ان کے دونوں بیٹے کیا غیر فطری غیر طبعی موت کا شکار نہیں ہوئے۔ ایک بیٹا طیارے میں جل مرا دوسرے راجیو گاندھی وزیر اعظم بھارت کے ان کے ملک میں خودکش بمبار نے چیتھڑے بکھیر دیئے۔ پاکستان کے وزیر اعظم ذوالفقار علی

Scanned with CamScanner

بھٹو کے ایک صاحبزادے شاہنواز بھٹو فرانس میں مارا گیا۔ دوسرے بڑے صاحبزادے مرتضیٰ بھٹو کو 70 کلفٹن کراچی میں اس وقت جب ان کی بہن بے نظیر بھٹو ایوان وزیر اعظم اسلام آباد میں وزارت عظمیٰ کے مسند پر متمکن تھیں، تو ایک گندم نما جو فروش اس وقت کے ڈی آئی جی کے ذریعے محترمہ کی قریب ترین شخصیت نے اس بے دردی سے قتل کرایا جس طرح کوئی جانور کو بھی نہیں مارتا۔ اس طرح بھٹو صاحب کی لاڈلی (بیٹی) بے نظیر بھٹو کو 27 دسمبر 2007 کو لیاقت باغ راولپنڈی کے جلسہ عام کے بعد ایک طے شدہ سازش کے تحت شہید کر دیا گیا۔ ذکر ہو رہا تھا سقوط ڈھاکہ کی 42 ویں برسی اور اس سے صرف چار روز قبل مشرقی پاکستان کو بھارتی حمایت یافتہ مکتی باہنی سے بچانے میں پاکستان کی مسلح افواج سے تعاون کرنے والے لیڈر عبدالقادر ملا کی وحشیانہ انداز میں پھانسی کا۔ اس حوالے سے پاکستان کی حکمران جماعت مسلم لیگ (ن) گنگ ہوئی بیٹھی ہے بہر حال پاکستان کے وزیر داخلہ اور جرات مندی سے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی شہرت کے حامل چوہدری نثار علی خان نے قومی اسمبلی کے فلور پر گزشتہ جمعہ کو پاکستانی عوام کی حقیقی ترجمانی کرتے ہوئے جو اظہار خیال کیا، مسلح افواج اور پاکستانی قوم اسے توقیر کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے۔ اس کے برعکس نواز شریف حکومت کے دفتر خارجہ کے ترجمان اعزاز صاحب کا بیان پورے پاکستانیوں کی توہین کے مترادف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستانی مسلح افواج کے واقعات میں تعاون کرنے والے عبدالقادر ملا کی پھانسی بنگلہ دیش کا داخلی معاملہ ہے۔ چوہدری نثار علی خان وزیر داخلہ اور پاکستان کے دفتر خارجہ کے ترجمان کے بیانات سے یہ بات مترشح ہو گئی ہے کہ پاکستان کی وزارت خارجہ اور وزارت داخلہ کے درمیان قابل تشویش حد تک تضاد ہے۔ نثار علی خان نے پاکستانی قوم کی ترجمانی کر کے اپنا قد کاٹھ بڑھایا ہے جبکہ اعزاز صاحب نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو بھارتی خارجہ پالیسی کا بغل بچہ شاید وزیر اعظم کی منظوری کے بغیر ہی بنا دیا ہے۔ پاکستان کے تازہ ریٹائر ہونے والے اور ماضی قریب اور ماضی بعید میں ریٹائر ہونے والے فوجی سے لے کر جرنیل کی تنظیم ایکس سروس مین سوسائٹی نے دفتر خارجہ کے ترجمان کے لتے لینا شروع کر دیئے ہیں۔ نثار علی خان کا یہ کہنا حقیقی پاکستانیت ہے کہ عبدالقادر ملا کو پاکستان سے وفاداری کے باعث پھانسی دی گئی ہے۔ عبدالقادر کو پھانسی دینا انتہائی افسوسناک اور المناک اقدام ہے جسے بعض حلقے عدالتی قتل (EXTRA JUDICIAL KILLING) قرار دے رہے ہیں، وہ بنگلہ دیش بننے سے پہلے اور آخری سانس تک قائداعظم کے بنائے گئے پاکستان کے وفادار رہے آج ہر پاکستانی کو ان کی رحلت پر دکھ اور افسوس ہوا ہے۔ نثار علی خان کا کہنا تھا کہ عبدالقادر بین الاقوامی تعلقات، مسلمہ کی یکجہتی اور دانشمندی اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ ماضی کے حالات کو پس پشت ڈال کر پاک بنگلہ دیش کو انڈیا کے اس وقت کے وزرائے اعظم کے مسلم لیڈروں کی موجودگی میں ہونے والے معاہدے پر عملدرآمد کا نیا دور شروع کرنا چاہیئے۔ نثار علی خان کے مطابق اس انتہائی افسوسناک واقعہ کے ذریعے ماضی کے بھرے زخموں کو پھر سے ہرا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امیر جماعت اسلامی پاکستان منور حسن، جے یو آئی کے ترجمان جان اچکزئی، اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن علامہ پیر احمد ظہیر اور دیگر رہنماؤں نے بھی مطالبہ کیا کہ پیر 16 دسمبر کو قومی اسمبلی عبدالقادر کے قتل پر مذمتی قرارداد منظور کرے۔ بنگلہ دیشی سفیر کو دفتر خارجہ طلب کر کے شدید احتجاجی مراسلہ دیا جائے اگر بھارت امریکہ میں اپنی پرکشش سفارت کار کو غیر سفارتی حرکات کی بنا پر حراست میں لے لیتا ہے اور دلی میں امریکی سفیر کو طلب کر کے اس کی فوری کارروائی کا تقاضا تحریری احتجاج کے ساتھ کرتا ہے تو پاکستان کو ہمارے دفتر خارجہ والے کیوں مردہ قوم بنانے پر لگے ہوئے ہیں۔ مولانا فضل الرحمن خلیل کے علاوہ پاکستان بھر کی وکلاء کی تنظیموں نے پیر 16 دسمبر کو ہنگامی اجلاس طلب کر کے عبدالقادر کے قتل کے خلاف احتجاج کرنے کے فیصلے کر لیے ہیں۔ لاہور ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن کا اجلاس آج ہو رہا ہے۔ سینٹ میں بھی قرارداد مذمت منظور ہونے والی ہے۔

آج پاکستان کے عوام کی منتخب کردہ نواز شریف حکومت بڑی خوش اسلوبی سے سینئر ترین جج مسٹر جسٹس تصدق حسین جیلانی کو 12

Scanned with CamScanner

دسمبر 2013ء کو چیف جسٹس آف پاکستان کا عہدہ سنبھالا چکی ہے۔ اسی شب 10 بج کر ایک منٹ پر سبکدوش ہونے والے اور چیف جسٹس آف پاکستان کا عہدہ سنبھال لینے والے چیف جسٹس کے اعزاز میں ہونے والے عشائیہ میں یہ بدشگونی کی خبر راقم کو ملی کہ مشرقی پاکستان کے 1971ء کے واقعات میں بھارتی مداخلت کا رکھتی باہنی کے ظالموں سے مشرقی پاکستان کی ماؤں بیٹیوں اور بہنوں کی عزت و پاکستانی بھائیوں کی جانیں بچانے والے درجن بھر دستور پاکستان کے وفاداروں کے خلاف آج اکتالیس سال بعد وزیر اعظم حسینہ واجد در پردہ بھارتی خواہش پر غداری کے بے بنیاد مقدمات چلا رہی ہیں ان میں سے ایک لیڈر عبدالقادر ملا کو آج تک غیر قانونی پھانسی دے دی گئی ہے۔ یہ خبر عشائیہ کے شرکاء اور پورے پاکستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ سابق محب وطن فوجیوں کی طرح اس عشائیہ کے شرکاء جن میں جج اور وکیل زیادہ تھے۔ بے ساختہ یہ باتیں کرنے لگے کہ جس طرح بھٹو صاحب نے سقوط مشرقی پاکستان کے فوجی اسباب جسٹس حمود الرحمن کمیشن کے ذریعے معلوم کئے اسی طرح اب وزیر اعظم نواز شریف جنہوں نے خود نئے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کو سو فیصد میرٹ پر اور جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین جنرل راشد محمود کو مقرر کیا ہے۔ ان کا قومی، آئینی اور قانونی فرض بنتا ہے کہ وہ قائد اعظم کے پاکستان کو 42 سال قبل دولخت کئے جانے کی بین الاقوامی سازش کو در پردہ طور پر کامیاب بنانے والے ان پاکستانی سیاسی شخصیات کے کردار کو تفصیل سے بے نقاب کرائیں جو بعد میں مغربی پاکستان کے عوام کو طفل تسلیاں بھی دے رہے ہیں اور آج تک گمراہ کر رہے ہیں۔ سقوط ڈھاکہ کے سیاسی اسباب جاننا پاکستان بھر کے عوام اور ان کی آئندہ نسلوں کا بنیادی حق ہے اس سے صرف نظر بدیانتی متصور ہوگا۔

ملک کے معروف قانون دان سابق وزیر قانون ایس ایم ظفر ایڈووکیٹ نے سقوط مشرقی پاکستان کی 42ویں برسی کے عین موقع پر پاکستان کو بچانے میں تعاون کرنے والی شخصیت عبدالقادر ملا کی پھانسی کو غیر قانونی، غیر آئینی، غیر منصفانہ و ظالمانہ سزا قرار دیتے ہوئے کہا کہ جس ٹریبونل/عدالت نے انہیں سزا دی ہے اسے بین الاقوامی کرائمز ٹریبونل کا نام دیا گیا ہے جبکہ وہ بین الاقوامی قانون کے تحت نہیں بنایا گیا بلکہ بنگلہ دیش کے خود ساختہ قانون کے تحت اسے تشکیل دیا گیا لہٰذا یہ انٹرنیشنل ٹریبونل نہیں ہے بلکہ داخلی اور من پسند ٹریبونل ہے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ جس جرم کے تحت سزا دی گئی ہے وہ جرم اس تاریخ کو موجود نہیں تھا جس کے حوالے سے یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے (عبدالقادر ملا) اس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ پاکستان کے شہرۂ آفاق ماہر قانون نے کہا کہ دنیا بھر کے قوانین کا یہ اصول ہے اور بنگلہ دیش کے آئین میں بھی یہ درج ہے کہ کوئی جرم موثر بہ ماضی نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لحاظ سے ایک نئے جرم میں ملا عبدالقادر کو سزا دینا خود بنگلہ دیش کے آئین کے خلاف ہے۔ تیسری بات کہ جس وقت پاکستان کا آئین مشرقی پاکستان پر بھی نافذ تھا اور ابھی بنگلہ دیش وجود میں نہیں آیا تھا۔ اس وقت کے آئین کا تقاضا تھا کہ اپنے ملک کا دفاع ہر پاکستانی کا فرض ہے جبکہ بنگلہ دیش کی حسینہ واجد حکومت نے بھارت میں قائم شدہ عارضی بنگلہ دیشی حکومت کو جواز بنا کر اس وقت کے نافذ العمل آئین کی مخالفت کرتے ہوئے یہ ٹریبونل تشکیل دیا۔ انہوں نے ایک سوال پر کہا کہ پاکستان کی حکومت کو ان تمام نکات پر بنگلہ دیشی حکومت اور اس کے سفارتخانے کو اپنا احتجاج ریکارڈ کرانا چاہئے اور مزید جو مقدمات بنگلہ دیش میں چل رہے ہیں ان کو روکنے کی کاوش کرنی چاہئے۔ اس کا جواز یوں بنتا ہے کہ جب شیخ مجیب الرحمن کو رہا کیا گیا تھا تو یہ طے ہوا تھا کہ دونوں جانب سے کوئی قانونی انتقام نہیں لیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام حضرات بشمول عبدالقادر ملا کو دوبارہ بنگلہ دیشی شہریت دی گئی اور وہ بنگلہ دیش کی پارلیمنٹ کا رکن بھی منتخب ہو گیا۔ ایس ایم ظفر نے دفتر خارجہ کے ترجمان کے بیان کو نہ مانتے ہوئے کہا کہ یہ بنگلہ دیش کا داخلی معاملہ نہیں ہے۔ مجیب الرحمن ایک دوسرے کے خلاف انتقامی، قانونی کارروائی نہ کرنے کا پاکستان سے معاہدہ کر کے گئے تھے۔

ایکس سروس مین سوسائٹی آف پاکستان کے نئے منتخب سربراہ اور سابق ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل (ر) حمید گل نے

کہا کہ قائداعظم کی قوم دوملکوں میں آباد ہے ہم ایک قوم ہیں۔ میں حسینہ واجد وزیراعظم بنگلہ دیش سے سوال پوچھتا ہوں کہ کیا بنگلہ دیش کے بھائیوں نے مساجد چھوڑ کر مندروں میں جانا شروع کر دیا ہے یا گائے کی ذبیحہ کرنے کی بجائے اس کا پیشاب پینا شروع کیا ہے۔ عبدالقادر ملا آف بنگلہ دیش کو پھانسی دے کر حسینہ واجد نے نہ صرف اس بین الاقوامی معاہدے کی دھجیاں بکھیری ہیں جس پر ان کے والد شیخ مجیب پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو، بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی نے اسلامی سربراہ کانفرنس کے سربراہی وفد کی موجودگی میں دستخط کر کے گارنٹی دی تھی کہ 1971ء کے واقعات کی بنا پر کسی کے خلاف وار کرائمز نہیں چلیں گے نہ ہی سزائیں دی جائیں گی۔ ان شرائط کے ساتھ تینوں وزرائے اعظم کے دستخط معاہدے پر کرانے کے بعد پاکستان نے بنگلہ دیش کو تسلیم کیا اور شیخ مجیب کو لاہور کی دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس میں اپنے ساتھ طیارے میں بٹھا کر لے آئے اس وفد میں سعودی بادشاہ شاہ فیصل بھی شامل تھے۔ لیفٹیننٹ جنرل (ر) حمید گل نے کہا کہ ہم بھی نہ صرف شیخ مجیب بلکہ خود حسینہ واجد پر بغاوت کا مقدمہ چلا کر سزا دے سکتے تھے مگر ہم نے بنگلہ دیش کے بھائیوں اور اس وقت کی قیادت کے ساتھ مفاہمت اسلامی اخوت صلح و درگزر کا راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی وزارت خارجہ کا ردعمل پاکستان کی مسلح افواج، پاکستانی قوم اور اسلام کے نام پر بننے والی اسلامی ایٹمی طاقت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگایا گیا ہے میں وزیراعظم نواز شریف سے سوال کرتا ہوں کہ آپ جو قائداعظم کی مسلم لیگ کے وارث ہونے کے دعویدار ہیں ان کی تقلید کرنے کا عزم ظاہر کرتے ہیں کیا یہ بیان آپ کی سوچ کا عکاس ہے اور قوم تقاضا کرتی ہے کہ نواز شریف دفتر خارجہ کے اس بیان پر اپنی پوزیشن فی الفور واضح کر کے مسلح افواج، پاکستانی قوم اور مملکت خداداد پاکستان کو مطمئن کریں ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ دفاع وطن کے لیے جانیں قربان کرنے والوں، افواج پاکستان کا دفاع وطن میں ساتھ دینے والوں کے متعلق آپ کی سوچ وہی ہے جو حسینہ واجد اور ان کے بھارتی آقاؤں کی ہے جنرل حمید گل نے کہا کہ شیخ مجیب اور ان کے 17 ارکان کو دھان منڈی ڈھاکہ میں یہ ادراک ہونے پر موت کے گھاٹ اتار گیا کہ مشرقی پاکستان کے ساتھ تو دھوکہ ہو گیا ہے مکتی باہنی دراصل بھارت کی زیر اثر اور تربیت یافتہ تھی اور تمام پروپیگنڈہ مغرب کی طرف سے کیا جاتا رہا کہ مشرقی پاکستان کے واقعات میں پاکستانی فوج اور ان کے حامیوں نے انسانیت سوز مظالم ڈھائے سبھاش چندر بوس کی پوتی نے اپنی نئی کتاب میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں عوامی لیگ اور بھارتی کردار کے ڈھول کی پول کھول دی ہے۔ حسینہ واجد بھارت کی کٹھ پتلی بنے رہنے کے بجائے ٹونگی (بنگلہ دیش) میں حج کے بعد مسلمانوں کا دنیا کا سب سے بڑا مسلم اجتماع ہوتا ہے، اس کو دیکھ لیں تو آنکھیں کھل جائیں گی کہ آپ کی قوم ہمارے بنگالی بھائی کیا چاہتے ہیں اور وہ انڈیا کے ساتھ پاکستانیوں سے بھی زیادہ نفرت کرتے ہیں۔ حسینہ واجد اور نواز شریف دونوں لیڈروں کو قائداعظم کی قوم کی 68 سال گزرنے کے باوجود جو اصل روح ہے۔ اسے سمجھنا چاہئے ورنہ بہت بڑا طوفان قائداعظم کی قوم بپا کر دے گی۔ لیفٹیننٹ جنرل (ر) حمید گل نے کہا کہ مجھے خدشہ ہے کہ اگر موجودہ حکمرانوں کا یہی رویہ رہا تو پاکستان کو ٹوٹنے سے بچانے والی افواج اور عوام کے درمیان یکجہتی نہیں دوریاں جنم لے لیں گی۔ انہوں نے بتایا کہ ریٹائرڈ فوجی افسروں اور جوانوں کی ملکی معاملات کے بارے میں یہی سوچ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہفتہ 14 دسمبر کو انہوں نے صفدر آباد، شیخوپورہ میں بہت بڑی تعداد میں ریٹائرڈ فوجی افسروں، جوانوں سے خطاب کیا۔ ان سب کا اس حوالے سے یکساں نقطہ نگاہ ہے۔ اس اجتماع میں سابق فوجیوں نے متفقہ قرارداد میں حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ دفتر خارجہ کے ترجمان کے بیان پر نظر ثانی کرے۔

جماعت اسلامی کے رہنما پروفیسر خورشید احمد نے کہا کہ 16 دسمبر وہ دن ہے جب سقوط ڈھاکہ کا المناک واقعہ رونما ہوا اور قائداعظم کی قیادت میں لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر قائم ہونے والا پاکستان دولخت ہو گیا۔ 43 سال کے بعد بنگلہ دیش میں ایک عدالتی ڈھونگ رچا کر حسینہ واجد نے بنگلہ دیش کی جماعت اسلامی کے قائد، روزنامہ سنگرام کے سابق ایڈیٹر اور دوبار منتخب ہونے والے رکن پارلیمنٹ عبدالقادر ملا کو شہید کر کے وہ

سارے زخم تازہ کردیے جو 1971ء میں لگے تھے۔ عبدالقادر ملا شہید ایک ذمہ دار صحافی، معروف سیاستدان اور تحریک اسلامی کے رہنما تھے۔ جنگی جرائم کے نام پر جو الزامات ان پر لگائے گئے وہ جھوٹ کا پلندہ ہیں جس نام نہاد بین الاقوامی جنگی ٹریبونل نے یہ فیصلہ دیا ہے وہ نہ بین الاقوامی تھا اور نہ آزاد اور خود مختار، اسے بنگلہ دیش کی حکومت نے اپنے مخالفین سے سیاسی انتقام لینے کا ذریعہ بنایا جس کا اعتراف عالمی سطح پر کیا گیا۔ لندن کے موقر جریدے اکانومسٹ نے دسمبر 2012ء کی اشاعت میں ان تمام ای میلز اور ٹیلیفون کالز کا ریکارڈ دیکھنے کے بعد اس ٹریبونل کا بھانڈہ پھوڑ دیا۔ اکانومسٹ نے یہ سارے حقائق دنیا کے سامنے رکھ دیئے کہ کس طرح اس ٹریبونل کے سربراہ اور حکومت بنگلہ دیش کے نمائندے کے درمیان ساز باز ہوئی اور اس کو باقاعدہ ہدایات دی گئیں کہ اسے کیا کرنا ہے۔ حتیٰ کہ مقدمے کی سماعت کے دوران ججوں کو جو فیصلہ دینا تھا۔ اس کا متن بھی حکومت کے آلہ کاروں نے ٹریبونل کو بھیجا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے انسانی حقوق کے اہم اداروں بشمول ہیومن رائٹس واچ، ایمنسٹی انٹرنیشنل، انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹ حتیٰ کہ خود بنگلہ دیش کے ہیومن رائٹ کے اداروں اور آزاد وکلاء نے اس ٹریبونل کو ایک ڈھونگ اور بین الاقوامی قانون اور انٹرنیشنل ہیومنیٹیرین لاء کی نگاہ میں غیر معتبر قرار دیا ہے جسے محض اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ حق و انصاف کے تقاضوں کو پامال کیا جاسکے اور سیاسی انتقام کا بازار گرم کیا جائے۔

عبدالقادر ملا شہید پر الزام ہے کہ انہوں نے میرپور میں سینکڑوں افراد کے قتل کا ارتکاب کیا حالانکہ اس کی کوئی شہادت موجود نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس زمانے میں قتل کا الزام لگا۔ اس پورے زمانے میں وہ ڈھاکہ میں سرے سے موجود ہی نہیں تھے۔ عبدالقادر کا قتل، سیاسی انتقام اور ریاستی دہشت گردی کی بدترین مثال ہے۔ ان کو جس "جرم" کی سزا دی گئی وہ پاکستان اس کے تصور اور اس کے نظریے سے وفاداری اور مشرقی پاکستان میں بھارت اور مکتی باہنی کی خونریزی اور جنگ کی مخالفت ہے۔ جماعت اسلامی نے پاکستان کے دفاع کی جدوجہد میں بھرپور شرکت کی اور عبدالقادر ملا شہید اور جماعت کے دوسرے رہنماؤں نے آج بھی برملا اپنے اس مبنی برحق موقف کا اظہار کیا۔ البتہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد انہوں نے بنگلہ دیش کی حقیقت کو تسلیم کیا اور پوری دیانتداری سے اس کی سلامتی اور ترقی کے لیے خدمات انجام دیں۔

شیخ مجیب الرحمن نے 1974ء کی SUMMIT (اسلامی سربراہ کانفرنس) کے موقع پر جب پاکستان نے بنگلہ دیش کو تسلیم کیا تو ماضی کے تلخ باب کو بند کرنے کا اعلان کیا تھا اور ان 145 فوجیوں کے نام واپس لیے گئے تھے جن پر جنگی جرائم کی فرد جرم عائد کی گئی تھی۔ اسی طرح بعد میں پاکستان بنگلہ دیش اور بھارت کے وزرائے خارجہ نے جنرل ایمنسٹی کا اعلان کیا تھا لیکن اس کے باوجود 43 سال کے بعد جھوٹے الزامات لگا کر جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کے قائدین کو سزائیں دی جارہی ہیں جو انصاف کا قتل اور سیاسی بنیادوں پر ٹارگٹڈ مرڈر کی بدترین مثالیں ہیں۔ دنیا بھر میں اس صریح ظلم کے خلاف احتجاج کیا جارہا ہے۔ ترکی، انگلستان، یورپ اور امریکہ سے صدائے احتجاج بلند کی جارہی ہے تمام اہم انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس پر بھرپور احتجاج کیا ہے اور دنیا کی تمام اسلامی تحریکیں اس پر بھرپور احتجاج کررہی ہیں لیکن افسوس پاکستان حکومت خاموش ہے۔ اس کی وزارت خارجہ نے اسے بنگلہ دیش کا اندرونی معاملہ کہہ ڈالا ہے۔ حالانکہ بین الاقوامی ہیومنیٹیرین لاء کے تحت ہر ملک اور ہر ادارے کا حق ہے کہ دنیا میں جہاں بھی انسانی حقوق کی پامالی ہو اور عدم انصاف کا خون ہو اس کے خلاف آواز بلند کرے۔ ملا عبدالقادر شہید کو جس جرم کی سزا دی گئی وہ 1971ء میں پاکستان اور اس کے دستور سے وفاداری ہے اگر پاکستان کی حکومت اور مقتدر ادارے اس ظلم صریح پر بھی خاموشی اختیار کرتے ہیں تو وہ ملک اور اس کے نظریے سے بے وفائی کے مرتکب ہورہے ہیں۔ ہم حکومت پاکستان کے اس رویے پر احتجاج کرتے ہیں۔ الحمدللہ، بنگلہ دیش کی اسلامی تحریک کی قربانیاں اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب رقم کررہی ہیں اور خود بنگلہ دیش کے مستقبل پر بھی اس کے دوررس اور گہرے اثرات مرتب ہونگے۔

Scanned with CamScanner

ملک کے سینئر قانون دان اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے ایڈووکیٹ سید کاظم بخاری نے کہا کہ حسینہ واجد کا سقوط مشرقی پاکستان کی 42ویں برسی کے موقع پر مسلح افواج کے ساتھ مل کر پاکستان توڑنے کی بھارتی اور ان کے سازشی ملکوں کے منصوبے کے سامنے ڈٹ جانے والے لیڈر عبدالقادر ملا کو خصوصی ٹربیونل بنا کر سزائے عمر قید کو سزائے موت میں تبدیل کرائے اور ان کی اپیل کا فیصلہ کئے بغیر پھانسی دینا انٹرنیشنل لاء کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ پاکستان جس کا بازو بھارتی سازش نے توڑا تھا اس کی حکومت بین الاقوامی عدالت انصاف میں پہلے کیس اٹھائے تاکہ دفاع وطن میں پاکستان کی مسلح افواج کے ساتھ تعاون کرنے والے عوام خود کو محفوظ سمجھ سکیں۔ کاظم بخاری نے کہا کہ 1974ء کو لاہور میں ہونے والی مسلم سربراہ کانفرنس درحقیقت پاکستان سے بنگلہ دیش تسلیم کرانے کے لیے بھی تھی اسی لیے لاہور سے خصوصی چارٹر طیارے میں اسلامی سربراہان کا وفد ڈھاکہ گیا وہاں اندرا گاندھی شیخ مجیب اور ذوالفقار علی بھٹو کے مابین بنگلہ دیش تسلیم کرانے کے عوض یہ بین الاقوامی معاہدہ ہوا کہ 1971ء کے واقعات کی پاداش میں جنگی جرائم کے نہ مقدمات چلیں گے نہ ہی سزائیں ہونگی۔ عالمی معاہدے کی خلاف ورزی پر خاموش نہیں بیٹھنا چاہئے۔

حسینہ واجد نے ایک بین الاقوامی معاہدے کی دھجیاں اڑائی ہیں اگر اب حکومت پاکستان نے قانونی ایکشن نہ لیا تو پھر پاکستان میں بھی نام نہاد لبریشن آرمی (بلوچستان) کراچی کے علیحدگی پسندوں کے خلاف بھی محب وطن پاکستانی کیوں پاکستان کے لاء انفورسمنٹ اداروں (پولیس رینجرز ایف سی فوج) کا ساتھ دیں گے۔ سید کاظم بخاری نے کہا کہ چوہدری نثار علی خان کا اس المناک واقعہ پر بیان شیر دلیرانہ ہے اور ترجمان دفتر خارجہ کا بیان کھسیانی بلی کھمبا نوچے والا ہے۔ پاکستان ایٹمی ملک ہے اسے صومالیہ، ایتھوپیا، ماریشس، نیپال، بھوٹان نہیں بننا چاہئے۔ اسے ویت نام بننا چاہئے آج پوری قوم سقوط مشرقی پاکستان کے غم میں نڈھال ہے۔

(دسمبر 2013 میں شائع ہوا)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

13 مئی 2013ء

اسامہ کی ہلاکت یا الیکشن جیتنے کا ڈرامہ...... حقیقت کیا ہے؟

امریکی صدر باراک حسین اوباما کی جانب سے کئے گئے اس دعوے نے کئی سوالوں کو جنم دیا ہے کہ امریکی سپیشل فورسز نے پیر کو علی الصبح ایبٹ آباد کے نواحی علاقے میں القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن کو ایک آپریشن میں ہلاک کر دیا ہے۔ اگرچہ امریکی صدر نے اسے بڑی کامیابی قرار دیتے ہوئے امریکی قوم کو مبارکباد دی اور خود پاکستان کے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے اسے تاریخی فتح قرار دے دیا لیکن اس کے باوجود اس واقعے کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جو نظروں سے فی الحال اوجھل ہیں اور نامکمل و غیر مبہم اطلاعات نے اس معاملے کو پراسرار بنا دیا ہے۔ کامیابی فتح و کامرانی کے امریکہ، برطانیہ، پاکستان، بھارت، افغانستان وغیرہ کے سربراہوں کے دعوؤں کے باوجود محب وطن حلقے یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ اسامہ بن لادن کی 2 مئی 2011ء کو ہلاکت واقعی ایک حقیقت ہے یا امریکی صدر کو اگلے الیکشن میں کامیاب کرانے کا امریکی اداروں کا ایک منظم اور سوچا سمجھا منصوبہ اور ڈرامہ ہے۔ پاکستان کے باشعور اور اہل علم حلقے یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کہیں اس آڑ میں پاکستان کو ٹریپ (TRAP) تو نہیں کیا جا رہا کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات، جوہری ہتھیار، نیوکلیئر اثاثہ جات دشمن بڑی طاقتوں بالخصوص امریکہ، یورپ، بھارت اور اسرائیل کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ خدشہ بجا ہے کہ اس کی آڑ میں خدانخواستہ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو نشانہ بنانے کے لیے ریہرسل نہ کی گئی ہو کیونکہ اسامہ بن لادن اس سے قبل 2003ء اور 2007ء میں بھی مبینہ طور پر ہلاک کیا جا چکا ہے اور اس کی ہلاکت کا یہ تیسرا دعویٰ ہے جس کی سچائی کا ثابت ہونا باقی ہے کیونکہ یہ بھی سب کے علم میں ہے کہ اسامہ بن لادن 1990ء کے عشرے سے گردے ناکارہ ہونے کی بنا پر ڈائیلاسز (DYLASIS) مشین پر زندہ تھے اور ماہرین کے مطابق گردے کا مریض بارہ چودہ سال تک زندہ نہیں رہتا چاہے اس کے پاس سٹیٹ آف دی آرٹ گردے واش کرنے والی مشین جدید ترین لیبارٹری اور جدید علوم کے ماہر یورالوجسٹس اور طبی عملہ موجود کیوں نہ ہو۔

جن حالات میں اسامہ بن لادن نائین الیون کے بعد پہاڑوں، پناہ گاہوں میں 10 سال سے غائب ہیں ان حالات میں اسامہ بن لادن کا زندہ رہنا ایک عجوبے سے کم نہیں ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے ڈائیلاسز محض زندگی میں مصنوعی، عارضی طوالت کا سسٹم ہے جس کا اسامہ بن لادن جیسا مریض افغانستان اور پاکستان کے حالات میں دو چار سال سے زیادہ زندہ رہ نہیں سکتا اسامہ بن لادن 1998ء میں سی ایم ایچ راولپنڈی میں داخل ہو کر ڈائیلاسز کراتے رہے اور ڈسچارج ہوتے ہوئے انہوں نے سی ایم ایچ کو مبینہ طور پر صدقہ جاریہ کے لیے ڈائیلاسز مشین بھی بطور عطیہ دی۔ پی ایم اے کاکول روڈ کے علاقے بلال ٹاؤن کے گھر میں اسامہ بن لادن کی ہلاکت ظاہر کی گئی ہے وہ گھر تو کجا اس پورے علاقے حتیٰ کہ پورے ایبٹ آباد میں ڈائیلاسز مشین دستیاب نہیں ہے ایک ذریعے کے مطابق ایبٹ آباد کے سی ایم ایچ میں بھی راولپنڈی سی ایم ایچ کی طرح کی ڈائیلاسز پروسیس کی مشینیں اور لیب نہیں ہے۔

اسامہ بن لادن امریکا کا ہائی ویلیو ٹارگٹ تھا ماہرین کے مطابق اگر اسے سر میں گولی مار کر ہی ہلاک کیا گیا تب بھی اس کی میت کو امریکی اور پوری دنیا بھر کے ٹی وی چینلوں پر دکھایا جا سکتا تھا لیکن 2 مئی 2011ء کو اچانک یہ خبر امریکی میڈیا نے جاری کی کہ اسامہ کی میت کو بقول ان کے اسلامی رسومات مکمل کر کے سمندر میں غرق کر دیا گیا ہے تاکہ اگر دنیا استفسار کرے کہ اسامہ بن لادن کی ڈی این اے ٹیسٹ رپورٹ کدھر ہے تو اس باب کو ہمیشہ کے لیے بند کرنے کی خاطر یہ قدم اٹھایا گیا۔ امریکہ کی ایک تاریخ ہے امریکی سی آئی اے نے 1960ء کے

Scanned with CamScanner

عشرے میں کیوبا پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا منصوبے کے تحت کچھ امریکی اپنے ملک میں مروائے جاتے تھے اور اس کا بہانہ بنا کر کیوبا پر حملہ کرنا تھا لیکن اس منصوبے کو امریکا کے اس وقت کے صدر جان ایف کینیڈی نے مسترد کر دیا اس کے بعد امریکی صدر کو پر اسرار طریقے سے (SNIPER) کے ذریعے قتل کرا دیا گیا اس کے علاوہ نائن الیون کے واقعے کو بہت سارے مغربی تجزیہ نگار ایک ڈرامہ کہتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ نائن الیون کا واقعہ ایک بہانہ تھا عراق کے تیل کے کنوؤں پر قبضے اور وسطی ایشیائی ریاستوں کے گیٹ سے افغانستان پر قبضہ کرنے کا۔ اس پس منظر میں جب ایبٹ آباد کا واقعہ دیکھتے ہیں جس میں امریکیوں نے دنیا کے سامنے اسامہ بن لادن کی میت کو نہیں دکھایا دکھانے سے اجتناب کیا حالانکہ امریکیوں کا دعویٰ ہے کہ اس کی موت سر میں گولی لگنے سے واقع ہوئی حالانکہ اسامہ بن لادن جیسے ہائی ویلیو ٹارگٹ کو امریکہ ہر حالت میں زندہ پکڑنے کی کوشش کرتا۔ اس سے شکوک جنم لینے لگے ہیں۔ اسامہ بن لادن کے بیٹے اور اس کے مرنے والے تین ساتھیوں کی لاشیں اور گرفتار کی گئی اسامہ کی بیویوں کی کوئی فوٹیج قومی یا بین الاقوامی میڈیا میں نہیں دکھائی گئی۔ اس لیے ہم توقع کرتے ہیں کہ ہمارے ملک کے صدر، وزیر اعظم، وزارت خارجہ اس مبہم صورتحال کو قوم کے سامنے واضح کریں۔ یہ بھی بتائیں کہ مبینہ طور پر امریکی ہیلی کاپٹر افغانستان سے اڑ کر ایبٹ آباد اگر آتے ہیں تو ہمارا دفاعی نظام کہاں تھا۔ اس لیے لگتا ہے کہ پاکستان میں ہی خفیہ طور پر امریکہ نے ہیلی کاپٹر لا رکھے ہیں۔ اگر یہ آپریشن صرف امریکی سپیشل فورسز نے بقول ان کے کیا ہے تو ہمیں یہ تشویش لازمی کرنی چاہیے کہ کل اسی طرح کی امریکی فورس ہماری ایٹمی تنصیبات اور جوہری اثاثوں کے خلاف بھی راتوں رات استعمال ہو سکتی ہیں۔ بلال ٹاؤن ایبٹ آباد کے عینی شاہدین نے بھی بتایا کہ یہ خالی مکان تھا اس میں کوئی رہائش پذیر نہیں تھا۔ انہوں نے صرف دھماکہ سنا اور ہیلی کاپٹر کو گر کر تباہ ہوتے ہوئے دیکھا اور دوسرا ہیلی کاپٹر ایبٹ آباد سے مانسہرہ کی جانب اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ریٹائرڈ جنرل پرویز مشرف کا کہنا ہے کہ میں کہا کرتا تھا کہ اسامہ بن لادن افغانستان میں ہو سکتا ہے پاکستان میں بھی ہو سکتا ہے مجھے نہیں پتہ کہ اسامہ کہاں ہے اگر کسی انٹیلی جنس کے پاس علم ہے کہ اسامہ کہاں ہے۔ اسامہ کا مارا جانا دنیا اور پاکستان کے لیے کامیابی ہے۔ اسامہ نے پاکستان کے خلاف جنگ کا اعلان کر رکھا تھا۔

اس آپریشن میں پاکستان کی خودمختاری کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ ہمارے سپیشل سروسز گروپ کو ایکشن لینا چاہیے تھا پاکستان کی سرحدوں کے باہر سے فوج کو آ کر آپریشن نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہمارے دفتر خارجہ نے کہا ہے کہ اسامہ بن لادن کے بارے میں ایکشن ہماری انٹیلی جنس ملے گی اس پر امریکہ کے ایکشن لینے کی پالیسی تھی۔ سابق صدر مشرف نے مزید کہا کہ اس ایکشن کی خبر ہماری انٹیلی جنس کو نہیں تھی مجھے انداز نہیں ہے۔ پاکستان سے جتنے بڑے بڑے دہشت گرد پکڑے گئے اس کی انٹیلی جنس امریکہ نے دی ایکشن ہماری پولیس رینجرز وغیرہ نے کیا۔ ہمارے قومی تقدس کو اس واقعہ میں مجروح کیا گیا۔ سابق صدر مشرف نے کہا کہ پاکستان اور امریکہ کے انٹیلی جنس اداروں میں اعتماد کا فقدان پیدا ہوا ہے جن نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کمزوری ڈال دی ہے۔ پاکستان القاعدہ طالبان دہشت گردی کے خلاف مسلسل برسرپیکار ہے۔ دہشت گردی کے خلاف پاکستان دنیا کے ساتھ آن بورڈ (ON BOARD) ہے۔ سابق صدر پاکستان کا کہنا ہے کہ ایبٹ آباد شہر کافی پھیل گیا ہے بہت زیادہ لوگ رہتے ہیں۔ وہ صرف چھاؤنی نہیں ہے۔ یہ انٹیلی جنس کی ناکامی (FAILURE) ہے۔ ویسے یہ درست آید اسامہ کو مار دیا گیا ہے۔ یہ خوش آئند امر ہے۔ سابق صدر مشرف کے مطابق وہ کہتے رہے کہ اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ اسامہ پاکستان میں کس مقام پر ہے ہم اسے پکڑ لیں گے۔ ایک بہت بڑا ٹارگٹ ختم کر دیا گیا ہے۔ پرویز مشرف نے کہا کہ کسی بھی خودمختار ملک کو خودمختاری کی دھجیاں اڑائے جانے کو برداشت نہیں کرنا چاہیے۔ ڈرون اٹیک نہیں ہونا چاہیے۔ پاکستان کو فضائی حدود کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرنی چاہیے۔ ڈپلومیٹک طریقے سے ایک فورس سے گورنمنٹ ٹو گورنمنٹ لیول مذاکرات کر کے ڈرون حملے روکنے چاہئیں۔ زمین پر دہشت گردوں

Scanned with CamScanner

کے ٹھکانے تباہ کرنے کے لیے پاکستان فورسز کو ایکشن لینا چاہئے۔ یہ اگر ہم دکھائیں گے تو پھر ڈرون حملے بند ہو سکتے ہیں۔ مشرف کا کہنا ہے کہ امریکہ کے پاس ٹیکنیکل وسائل بہت زیادہ ہیں۔ افغانستان سے ایبٹ آباد آنا مشکل ہے نائٹ ویژن صلاحیت ان کے پاس ہے۔ اسامہ کے ختم ہونے سے دہشت گردی کی جنگ ختم نہیں ہوئی وہ القاعدہ کا لیڈر تھا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی اہم لڑائی (BATTLE) میں کامیابی ہوئی ہے۔ آج پاکستان کی خودمختاری متاثر ہو رہی ہے جو کہ نہیں ہونی چاہئے۔

پاکستان کی سیاسی و عسکری قیادت کا اجلاس پیر کو ایوان صدر میں ہوا جس میں صدر، وزیراعظم اور سیکورٹی اداروں کے سربراہان بھی شریک ہوئے اس کے بعد دفتر خارجہ کی ترجمان تہمینہ جنجوعہ نے چند سطری اخباری بیان جاری کرنے پر اکتفا کیا جس میں انہوں نے کہا کہ یہ آپریشن امریکی سپیشل فورسز نے خود کیا ہے پاکستانی سیکورٹی فورسز نے آپریشن میں حصہ نہیں لیا۔ اگر خاتون ترجمان کی یہ بات درست ہے تو ہم بجا طور پر پاکستان کی خودمختاری میں مداخلت قرار دے سکتے ہیں کیونکہ ماضی میں مغربی دنیا نے اور ایک آدھ بار افغان صدر حامد کرزئی نے جب یہ دعویٰ کیا کہ اسامہ بن لادن پاکستان کے اندر ہے تو حکومت پاکستان کا ہمیشہ سے یہ موقف رہا ہے کہ اگر امریکی انٹیلی جنس کے پاس ایسی کوئی معلومات ہیں تو وہ پاکستان کو فراہم کرے پاکستانی فورسز خود آپریشن کرے گی کسی غیرملکی فوج کو پاک سرزمین پر فوجی کارروائی کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امریکی سپیشل فورسز نے حکومت پاکستان کی پیشگی اجازت اور منظوری سے یہ آپریشن کیا ہے یا از خود؟ اگر امریکی افواج نے خود یہ آپریشن کیا ہے تو کسی بھی غیرت مند پاکستانی کے لیے یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی اور اگر حکومت نے اس کی اجازت دی ہے تو ہماری قیادت میں اتنی اخلاقی جرات ہونی چاہئے کہ وہ قوم کو اس حوالے سے فوری اعتماد میں لے کر بتائے کہ آخر اتنا غیر معمولی قدم پارلیمنٹ کی منظوری اور اعتماد میں لیے بغیر کیوں اٹھایا گیا جبکہ قومی اسمبلی ان سیشن ہے اور سینٹ کا بھی اجلاس 2 مئی کی شام سے شروع ہو گیا ہے۔

ہمارے صدر اور وزیراعظم یہ کہتے نہیں تھکتے کہ وہ پارلیمنٹ کی بالادستی پر یقین رکھتے ہیں اور ہر اہم قومی مسئلہ پارلیمنٹ میں ہی زیر بحث لایا جانا چاہئے اور اس کی منظوری پارلیمنٹ سے لی جانی چاہئے۔ قائد حزب اختلاف چوہدری نثار علی خان نے قومی اسمبلی میں بارہا یہ سوال اٹھایا کہ سی آئی اے اور آئی ایس آئی کے مابین اختلافات کیا ہیں کیوں ہیں اس پر وزیراعظم پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیں لیکن وزیراعظم نے یہ کہہ کر چپ سادھ لی کہ آئی ایس آئی جو کچھ کر رہی ہے وہ حکومتی احکامات پر کر رہی ہے۔ وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے بجا طور پر 2 مئی 2011 کو وفاقی حکومت سے ایبٹ آباد میں امریکی آپریشن کی وضاحت کرنے کا مطالبہ کیا ہے یہ پوری قوم کا مطالبہ ہے۔

ایبٹ آباد شہر کا وہ علاقہ جہاں یہ آپریشن ہوا ہے وہاں کے عینی شاہدین بھی اس بارے میں کئی ایسی باتیں بتا رہے ہیں جن کے بارے میں حکومت اور انتظامیہ خاموش ہے ایک ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا کہ ایبٹ آباد آپریشن میں حصہ لینے کے لیے جلال آباد (افغانستان) سے دو سیاہ رنگ کے امریکی ہیلی کاپٹر اڑے روشنیاں بند کر کے انکی ایبٹ آباد پرواز کا وقت تقریباً پون گھنٹہ بتایا گیا ہے امریکہ نے اپنی سپیشل ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہوئے پاکستان کا راڈار سسٹم جام کیا اور بحفاظت ایبٹ آباد پہنچے مگر بلال ٹاؤن کے قریب زمین سے ایک راکٹ وغیرہ ہیلی کاپٹر پر فائر ہوا اس سے جب ایک امریکی ہیلی کاپٹر کو آگ لگ گئی تو اس کا فیول (ایندھن) ٹینک پھٹا جس سے خوفناک دھماکہ ہوا اس سے پورا علاقہ لرز اٹھا گھروں کے شیشے ٹوٹ گئے علاقے کے لوگ خوفزدہ ہو کر باہر نکل آئے عینی شاہد کے مطابق امریکی ہیلی کاپٹر تباہ ہو گیا جبکہ دوسرا ہیلی کاپٹر ایبٹ آباد سے مانسہرہ کی سمت محو پرواز ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اسامہ بن لادن کی موت کے بارے میں امریکی صدر اور حکومت کے دعوے ٹرانسپیرنٹ نہیں ہیں وہ گوناگوں سوالات کو جنم دے رہے ہیں یہ بھی سوال اٹھایا گیا ہے کہ امریکیوں نے پاکستان کی بری فوج کے حب پی ایم اے کاکول میں کارروائی کا بہانہ بنایا ہو یا ایٹمی تنصیبات کو ہٹ کرنے کا پروگرام تیار کیا ہو مگر امریکہ کا شوٹر ہیلی کاپٹر تباہ ہوتے ہی دوسرا بھاگ نکلا۔ عینی شاہد کے مطابق دھماکے کے دس منٹ کے

Scanned with CamScanner

اندر پی ایم اے کاکول کی سیکورٹی متاثرہ گھر میں چلی گئی جہاں ہیلی کاپٹر جلا تھا وہاں سے سی ایم ایچ کی ایمبولینس میں ساڑھے پانچ فٹ قامت کے مرد کی جلی ہوئی لاش لائی گئی حالانکہ اسامہ کا قد ساڑھے چھ فٹ کے لگ بھگ تھا عینی شاہد کے مطابق یہ جلی ہوئی لاش سو فیصد اسامہ بن لادن کی بجائے کسی اور کی تھی شاید یہ امریکی تباہ شدہ ہیلی کاپٹر پر سوار پائلٹ نیوی گیٹر یا کسی اور فوجی کی ہو یہ بھی شک کیا جا رہا ہے کہ امریکیوں نے پاکستان کے اندر جوہری تنصیبات کو تباہ کرنے کی ایکسرسائز کی ہے۔ امریکی میڈیا کی طرف سے اسامہ بن لادن کی مبینہ میت کی جو مسخ شدہ تصویر جاری کی گئی وہ تصویر 2003ء اور 2007ء کو امریکی صدر کے خطاب کے عقب میں لگی ہوئی تھی جو غالباً اسامہ بن لادن کا کوئی ہم شکل بنا کر بنائی گئی ہو بہر حال امریکہ نے اسامہ بن لادن کو ایبٹ آباد میں مارے جانے کا جو دعویٰ کیا ہے وہ ٹرانسپیرنٹ نہیں ہے ان کی میت کی تصویر دنیا بھر کے ٹی وی چینلز پر 2 مئی 2011ء کو دکھائی جانی چاہیے تھی۔ اس واقعے کے بعد کامرہ بیس سے دو جنگی طیارے رات کو اڑائے گئے کافی دیر تک دو جنگی طیاروں نے پروازیں کیں جبکہ 2 مئی 2011ء کا سورج نکلتے ہی دو سفید ری کنائے سینس (RECONNAISANCE) طیاروں نے علاقے پر پروازیں شروع کر دیں جن میں زمین کے چپے چپے کی تصاویر اتارنے والے کیمرے نصب تھے۔

اسامہ بن لادن کے حالات زندگی

القاعدہ کے رہنما اسامہ بن لادن 1954ء کو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں پیدا ہوئے ان کے والد کا تعلق یمن اور والدہ کا تعلق شام سے تھا، ان کے خاندان کے سعودی شاہی خاندان سے قریبی تعلقات تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں اسامہ بن لادن اخوان المسلمون کے ساتھ منسلک رہے تاہم 1980ء میں جب سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کیا تو وہ سعودی عرب میں اخوان جنگ کے لیے رقم جمع کرتے رہے بعد میں خود بھی سوویت یونین کیخلاف میدان جنگ میں آ گئے۔ کویت پر عراق کے حملے کے دوران سعودی حکومت نے امریکہ سے فوجی مدد حاصل کی تو اسامہ بن لادن سعودی حکومت کیخلاف ہو گئے اور انہوں نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی کھل کر مخالفت شروع کر دی۔ اسامہ پر 1998ء میں کینیا اور افریقہ میں امریکی سفارت خانوں پر حملوں میں ملوث ہونے کا الزام بھی تھا۔ انہوں نے 1970ء کی دہائی میں اسلامی شدت پسندی کا راستہ اپنایا، اسامہ نے 1980 کی دہائی میں سوویت یونین کے خلاف جنگ میں حصہ لیا، ان کا قد 6 فٹ تھا اور باریک داڑھی تھی اور وہ القاعدہ کے انتہائی حوصلہ مند اور طاقتور کمانڈر جانے جاتے تھے جبکہ ان کا تعلق امیر ترین گھرانے سے تھا۔ 2001ء میں امریکہ نے اسامہ بن لادن کو نائن الیون کے واقعہ کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اسامہ کو پناہ دینے کے جرم میں امریکہ نے افغانستان حکومت کیخلاف جنگ شروع کی تو اسامہ بن لادن القاعدہ کی اہم قیادت سمیت روپوش ہو گیا۔ امریکی فوج اسے دس سال سے تلاش کر رہی تھی وہ امریکہ کو دس انتہائی مطلوب افراد میں شامل تھے اور ان کے سر کی قیمت پانچ کروڑ ڈالر مقرر کی گئی تھی۔ اسامہ بن لادن کے دولت مند باپ کے 54 بچے تھے جن میں اسامہ کا شمار ایک ہونہار بیٹے کے طور پر ہوتا تھا تاہم 1970ء میں اسامہ بن لادن کم عمری کے دور میں ہی اسلامی نظریات کا حامی بنا اور انہوں نے سعودی عرب میں بنیاد پرستی کی مہم شروع کی اور وہ ہر ہفتے مکہ مکرمہ میں لیکچر دیتے تھے۔ اسامہ بن لادن کا قد چھ فٹ تھا انہوں نے باضابطہ جہادی سرگرمیاں 1980ء میں سوویت یونین کی فوجوں کیخلاف شروع کیں۔ وقت کے ساتھ وہ مجاہدین کے لیے ایک نظریے کا نام بن گئے تاہم کئی سالوں میں ان کے حوالے سے متضاد اطلاعات بھی آتی رہیں۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا رہا کہ انہوں نے آپریشن کی ذمہ داریاں اپنے نائب ایمن الظواہری کو سونپ دی تھیں اور وہ اب بیماری میں مبتلا ہیں۔ بعض رپورٹوں میں یہ بھی کہا گیا کہ اسامہ بن لادن کے گردے ختم ہو گئے مگر اس کی کوئی تصدیق نہیں ہوئی امریکہ کی جانب سے ان کو ایبٹ آباد میں ایک فوجی آپریشن کے دوران مار دینے کا دعویٰ کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

تھر کول پاور پراجیکٹس......توانائی کے حصول کا منصوبہ سازش کا شکار ہو گیا

کسی بھی ملک کی شہ رگ اس کی بجلی گیس کے وسائل ہیں یعنی کہ توانائی......جب کسی ملک کو تباہ کرنا مقصود ہو، دشمن کا پہلا وار اس ملک کے بجلی اور گیس کے وسائل کو محدود اور مہنگا کرنا ہوتا ہے۔ پاکستان وہ خوش قسمت ملک ہے جہاں دنیا کا چوتھا بڑا کوئلے کا ذخیرہ جو 175 ارب ٹن پر محیط ہے، تھر کے ریگستان میں چھ سوفٹ کی گہرائی میں موجود ہے۔

ایک ٹن کوئلہ تقریباً ایک بیرل ڈیزل بنا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کوئلہ 175 ارب بیرل ڈیزل کے برابر ہے جو کہ سعودی عرب خلیجی ریاستوں اور ایران کے مجموعی تیل کے ذخائر سے بھی زیادہ ہے۔ دنیا میں اوسطاً 41.6 فیصد بجلی کوئلے سے حاصل کی جا رہی ہے۔ ہندوستان میں 53.3 فیصد بجلی کوئلے سے بنائی جا رہی ہے جبکہ وطن عزیز میں صرف 2.3 فیصد بجلی کوئلے سے حاصل کی جا رہی ہے۔ پاکستان کے اتنے بڑے کوئلے کے ذخیرے کو دیکھتے ہوئے اتنی کم مقدار میں کوئلے سے بجلی حاصل کرنا انتہائی تشویشناک ہے۔ تیل سے 55.5 فیصد بجلی پاکستان میں بن رہی ہے جس کی وجہ سے ہمارا سالانہ تیل کی درآمد کا بل تقریباً 15 ارب ڈالر تک چلا گیا ہے اور یہ مسلسل بڑھتا جائے گا۔ اس درآمدی تیل سے بننے والی بجلی کی قیمت 15 سے 18 روپے فی یونٹ ہے جبکہ حکومت صارفین کو 5 سے 8 روپے فی یونٹ سبسڈی دینے کے بعد یہ بجلی 10 سے 13 روپے یونٹ صارفین کو فراہم کر رہی ہے۔ بجلی کا ہر یونٹ جو اس ملک میں صرف ہو رہا ہے اس پر حکومت مزید آئی ایم ایف / عالمی بینک کے بوجھ تلے دبتا چلا جا رہا ہے۔ جتنے برس آگے ہم اس راستے پر چلتے جائیں گے اتنا ہی پاکستان غیر ملکی قرضوں کے بوجھ کی دلدل میں دھنستا چلا جائے گا۔

وطن عزیز میں بجلی مہنگی اور کم بھی بن رہی ہے۔ اس کی وجہ سے ہماری معیشت کا پہیہ مسلسل چلنے کی بجائے اب رک رک کر چلنے لگا ہے اور خاکم بدہن اگر ہم نے ہوش کے ناخن نہ لیے تو ہماری معیشت کا پہیہ جام بھی ہو سکتا ہے۔ مالی سال 12-2011ء کے برآمدات کے اعداد و شمار پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ پاکستان کی ٹیکنالوجی پراڈکٹس، انجینئرنگ گڈز، سرجیکل آلات، قالین، سپورٹس گڈز وغیرہ کے برآمدی اہداف 15 سے 20 فیصد تک کم رہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہماری صنعت کے متعدد یونٹ اور ٹیکسٹائل ملیں مستقل طور پر بنگلہ دیش وغیرہ شفٹ ہو چکی ہیں۔ اس صورتحال میں پاکستان کی معیشت کے سنبھلنے کے امکانات بھی دور دور تک نظر نہیں آ رہے۔

بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ کے نتیجے میں ہماری زراعت کے لیے ٹیوب ویلوں سے پانی لینا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے کھاد کے کارخانے گیس کی کمی کی وجہ سے یا تو بند ہو رہے ہیں یا اپنی پیداواری صلاحیت سے بے حد کم کھاد بنا رہے ہیں جس سے پاکستان کھاد مہنگے داموں درآمد کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ گذشتہ چند برسوں میں گندم، دالیں، کھانے کا تیل، کپڑا، چینی اور دوسری زرعی اجناس کی قیمت میں تین سے چار گنا اضافہ ہوا ہے اس مہنگائی کی وجہ سے پاکستان میں غربت کا گراف بلند ہو گیا ہے اور ایک عام دیانتدار پاکستانی کے لیے زندہ رہنا مشکل سے مشکل تر ہو گیا ہے۔ ہسپتالوں میں بجلی نہ ہونے کی وجہ سے انتہائی نگہداشت کے وارڈز کے سینکڑوں مریض دم توڑ چکے ہیں۔ جتنی خودسوزیاں ہوئی ہیں۔ پاکستان کی پوری تاریخ میں اتنی خودسوزیاں / خودکشیاں نہیں ہوئیں۔

جس ملک میں معیشت صنعت تباہی کے دہانے پر پہنچ جائے، بے روزگاری اور غربت نئی ریکارڈ حد تک چلی جائے تو وہ ملک نہ صرف ٹوٹنے کے لیے ایک فٹ (FIT) کیس بن جاتا ہے بلکہ عالمی طاقتوں کے لیے ایسے ملک میں داخل ہو کر اس کے وسائل پر قبضہ کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ یہاں تو پاکستان کے صرف وسائل ہی نہیں بلکہ ایٹمی ہتھیار بھی مغربی ممالک کے ٹارگٹ پر ہیں اور وہ ان کی آنکھوں میں کانٹے کی

Scanned with CamScanner

طرح چبھ رہے ہیں۔ ایک کتاب "THE ECONOMIC HIT MAN" امریکہ میں شائع ہوئی ہے اس کتاب میں ترقی پذیر ممالک کے خلاف ترقی یافتہ ممالک کی سازش کا انکشاف کیا گیا ہے جن ملکوں میں تیل کے وسائل سونے اور تانبے کے زیرِ زمین وسائل، ہیرے اور قیمتی پتھروں کے علاوہ یورینیم اور دوسری قیمتی دھاتیں وافر مقدار میں موجود ہوں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ وہاں کے ایٹمی اثاثوں پر قبضہ کرنا بھی مقصود ہو تو یہ مقاصد حاصل کرنے کے لیے تین چار طریقے مذکورہ کتاب میں درج کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف جان پرکنز (JOHN PERKINS) ہیں جو امریکی دانشور ہیں وہ اس سازش پر عملدرآمد کرانے والی ٹیم کے ممبر تھے جن کے ضمیر نے ان کو مجبور کر دیا کہ وہ غریب اور ترقی پذیر ملکوں کے اربوں عوام کو ان کے خلاف تیار ہونے والی سازش سے اپنی کتاب کے ذریعے آگاہ کریں جن طریقوں کی نشاندہی اس کتاب میں کی گئی ہے۔ ان میں پہلا طریقہ یہ ہے کہ متعلقہ ملک کی حکومت کو اپنی طرف مائل کیا جائے تاکہ وہ ان مقاصد کے حصول میں رکاوٹ نہ بنے اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس ملک کی حکومت کا تختہ پلٹ کر وہاں پر اپنی مرضی کی حکومت بنانے کے ذریعے اس ملک پر فوج کشی کر کے عراق، افغانستان کی طرح قبضہ کر لیا جائے اور وہاں اپنے کاسہ لیسوں کو اقتدار سونپ کر اس کے مالی وسائل پر قبضہ جما لیا جائے۔ افریقہ کے ایک ملک لائبیریا کی مثال ہمارے سامنے ہے جہاں پر ہیرے کی کانیں جب دریافت ہوئیں تو اس ملک پر قابض ہونے کے لیے وہاں کے پانچ سات قبیلوں کو اسلحہ دے کر آپس میں لڑوا دیا گیا۔ چند سال کی خانہ جنگی کے نتیجے میں اس ملک کی آبادی 4.5 ملین سے کم ہو کر صرف 20 لاکھ رہ گئی جس میں 80 فیصد عورتیں اور بچے تھے۔ 07-2006ء میں یورپ کے ملکوں نے آ کر لائبیریا کی ہیرے کی کانوں پر قبضہ کر لیا۔ قارئین کرام ذرا اس مثال کو پاکستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں دیکھ لیں۔ بلوچستان میں دنیا کا سب سے بڑا اور قیمتی سونے اور تانبے کا ذخیرہ موجود ہے اور اسی طرح سندھ کے اندر دنیا کا سب سے بڑا کوئلے کا ذخیرہ موجود ہے آج پاکستان میں مذکورہ سازش بہت گرم ہے جس کے نتیجے میں ہمارے صوبوں کو آپس میں لڑایا جا رہا ہے۔ کہیں پر بلوچستان نیشنل آرمی ہے تو کہیں "سندھ قومی محاذ" اور یہ سب تنظیمیں پاکستانیت کی بجائے صوبائیت کو فروغ دے رہی ہیں۔ خدانخواستہ اگر کل بلوچستان سندھ وغیرہ پاکستان سے الگ ہوتے ہیں تو "ECONOMIC HITMAN" وہاں پہنچ کر ان کے وسائل پر اسی طرح با آسانی قبضہ کر لینگے جس طرح عراق کے تیل پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے قبضہ کیا تھا۔ پاک وطن کو مضبوط و مستحکم خوشحال بنانے کے لیے اس امر کی بے حد ضرورت ہے کہ قوم کی تکنیکی قوت کو بروئے کار لا کر پاکستان کے معدنی وسائل کو معیشت کے استحکام کے لیے استعمال کیا جائے۔ تھر کے کوئلے سے سستی اور وافر مقدار میں بجلی گیس ڈیزل کھاد پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس سے صنعتی گھریلو زرعی شعبے کو بے حد فروغ دیا جا سکتا ہے۔ اس سے نہ صرف ہمارے ملک میں زرعی اجناس کی قیمت بہت کم ہو جائے گی بلکہ ہماری ٹیکسٹائل انڈسٹری، انجینئرنگ انڈسٹری، فارماسیوٹیکل انڈسٹری اور دوسرے شعبہ جات میں پیداواری لاگت کم ہو جائے گی کہ ہم یہ تمام آئٹمز (ITEMS) برآمد کر کے بھاری مقدار میں زرِمبادلہ کمانے والا ملک بن جائینگے۔ برآمدات بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ ہماری صنعتی پیداوار جہاں تک ممکن ہو ہمارے اپنے خام مال سے تیار ہوں۔ اگر مستقبل میں ریکوڈک (REKO DIQ) کی کانوں سے تانبا اور سونا بین الاقوامی قیمت سے آدھی قیمت پر ہماری صنعت کو مہیا کر دیا جائے اور تھر سے کوئلہ نکال کر سستی بجلی گیس بنا کر بھی ملکی انڈسٹری ٹریڈ کو دے دی جائے تو جہاں جہاں آپ دنیا کے سٹورز پر نظر ڈالیں گے۔ آپ کو پاکستانی مصنوعات نظر آنے لگیں گی۔ یہ درج بالا انداز اپنا کر پاکستان پانچ سال سے بھی کم عرصے میں اپنی معیشت کو خلیجی ریاستوں یا جنوبی کوریا کی معیشت کے ہم پلہ کر سکتا ہے اور پاکستان واقعی ایشین ٹائیگر (ASIAN TIGER) بن کر خطے میں اپنا سر فخر سے بلند کر سکتا ہے۔

چند سال پہلے سندھ حکومت نے تھر پارکر کے کوئلے کے ذخائر کو عوام کے بہترین مفاد میں استعمال کرنے کے لیے تھر کول انرجی بورڈ

Scanned with CamScanner

کی تشکیل کی اس بورڈ کے چیئرمین وزیر اعلیٰ سندھ بنائے گئے۔ اس کے ارکان میں وفاقی وزیر پانی و بجلی، وفاقی وزیر خزانہ، سندھ کے وزیر اور ارکان صوبائی اسمبلی وغیرہ شامل کئے گئے۔ اس بورڈ کو بنانے کا مقصد یہ تھا کہ بیرون ملک سے سرمایہ کاروں کو "ون ونڈو آپریشن" کی سہولیات مہیا کی جائیں جو تھر میں سرمایہ کاری کے لیے آئیں۔ تھر کے ریگستان میں زیر زمین کوئلے کے ذخائر 9600 مربع کلومیٹر پر محیط ہیں۔ اس وسیع و عریض علاقے کو مختلف بلاکوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر بلاک کا رقبہ 80 سے 100 کلومیٹر کے لگ بھگ رکھا گیا۔ بے تحاشا وسائل استعمال کر کے ہر بلاک میں ڈرلنگ (DRILLING) کے ذریعے زیر زمین کوئلے کے ذخائر کا تخمینہ لگایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کان کنی کے لیے اور بہت سی معلومات بھی حاصل کی جاتی ہیں۔ ان بلاکوں میں سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا اور بجلی پہنچا دی گئی۔ بیرون ملک سے آنے والے سرمایہ کاروں کے لیے تین سو کمروں کا ایک عالیشان ہوٹل بھی اسلام کوٹ (تھر پارکر) میں تیار ہو گیا۔ میٹھے پانی کے بہت سے پلانٹ لگ چکے جو زیر زمین کڑوے پانی کو استعمال میں لانے کے قابل بناتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک دو سو بستر کا ہسپتال بھی تھر کول فیلڈ میں بلاکوں کے درمیان تعمیر ہو گیا تاکہ کبھی خدانخواستہ ناخوشگوار حادثے کی صورت میں پیدا شدہ صورتحال سے نمٹا جا سکے۔ اس کیساتھ ساتھ تھر کول کے بلاکوں کو ملکی و غیر ملکی سرمایہ کاری میڈیا میں اشتہارات کے ذریعے مدعو کیا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں پانچ بلاکس بشمول انڈر گراؤنڈ کول گیسی فکیشن (GASIFICATION) پراجیکٹ آف ڈاکٹر ثمر مبارک مند پلاننگ کمیشن آف پاکستان کو لیز پر دیئے جا چکے ہیں۔ ان میں پاکستانی صنعتی گروپ اینگرو، سندھ کول مائننگ کمپنی، کوگر (COUGAR) انرجی آسٹریلیا، بن ڈائین (BIN DAEN) گروپ آف گلف، گلوبل کمپنی (چائنا) شامل ہیں۔ مذکورہ تمام کاوشیں تھر کول انرجی بورڈ نے کی ہیں۔

تمام غیر ملکی سرمایہ کار کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کے منصوبے لے کر پاکستان آتے ہیں۔ انہوں نے اپنی فزیبلٹی (FEASIBILITY) بنالی ہے اور اب کام شروع کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ انڈر گراؤنڈ کول گیسی فکیشن پراجیکٹ پر (UCG) تھر کول فیلڈ میں کئی سال سے کام ہو رہا ہے۔ اس پراجیکٹ کے لیے وسائل وفاقی حکومت نے اب تک فراہم کئے۔ ان وسائل سے جو کہ 10.5 ملین ڈالر کے ہیں کوئلے سے گیس بنا کر دنیا کو دکھانا مقصود تھا تاکہ انڈر گراؤنڈ کول گیسی فکیشن کے ذریعے سستی گیس زمین کی سطح پر لائی جا سکے جس سے بجلی ڈیزل کھاد پلاسٹک، ادویات اور صارفین کو سستی گیس کی فراہمی ممکن ہو سکے۔ 2012ء کے اوائل میں کوئلے سے گیس پیدا کرنے کا مرحلہ کامیابی سے مکمل ہو گیا۔ پاکستان کے لیے یہ کسی خوشخبری سے کم نہیں کہ اس کے کوئلے کے وسیع و عریض وسائل نہ صرف بجلی بلکہ سستا ڈیزل کھاد، ادویات اور گیس کی فراہمی کا سبب بن سکتے ہیں۔ ملکی تاریخ میں پہلی بار ممکن ہوا کہ اربوں سال سے زیر زمین دفن کوئلہ توانائی کی صورت میں گیس بن کر زمین سے باہر نمودار ہوا۔ پاکستان میں یہ بات عام فہم ہے کہ ملک میں تقریباً 30 فیصد بجلی (اربوں روپے مالیتی) چوری ہوتی ہے اور 10 فیصد بجلی ٹرانسمیشن لائنوں کے لاس (Loss) میں چلی جاتی ہے اس کے نتیجے میں جو ادارے ملک میں بجلی بناتے ہیں خواہ وہ پانی سے ہو گیس سے یا درآمد شدہ تیل سے ہو ان کمپنیوں کو ان کی بجلی کے پیسے بروقت نہیں مل رہے۔ سرکلر ڈیٹ (DEBT) آج 800 ارب روپے تک پہنچ چکا ہے۔ پاکستان جس کی انڈسٹری بجلی نہ ہونے اور مہنگی ہونے کی وجہ سے پوری طرح پیداوار نہیں دے رہی۔ اس کے نتیجے میں قومی خزانے میں ٹیکس بے حد کم جمع ہو رہے ہیں ٹیکس ٹو جی ڈی پی تناسب 10 فیصد سے بھی کم ہے جو ترکی میں 25 فیصد اور ترقی یافتہ ممالک میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس وجہ سے حکومتی وسائل سے سرکلر ڈیٹ کو ختم کرنا ممکن نہیں رہا۔ پاکستان کو جس مہنگی بجلی بنانے کے راستے پر 25 سال سے گامزن کیا گیا اس کی وجہ سے اس کی معیشت ایک ڈیٹ ٹریپ (DEBT TRAP) قرضوں کی دلدل میں اس بری طرح دھنس گئی ہے جس سے نکلنا معجزے سے کم نہیں ہوگا۔ ناقص پالیسیوں کی اس سے بدتر مثال دیکھنے میں نہیں مل رہی۔

Scanned with CamScanner

ان حالات کی موجودگی میں بیرون ملک یا اندرون ملک کے سرمایہ کار تھر میں کوئلے سے بجلی بنانے سے قبل سو بار سوچیں گے۔ آخر انہوں نے بھی اپنی سرمایہ کاری سے منافع کمانا ہے نہ کہ پاکستان کے سرکلر ڈیٹ میں اپنے پیسے کو ڈبونا ہے۔ نجات کا راستہ صرف اسی میں ہے کہ حکومت سرکلر ڈیٹ کا بوجھ ختم کرے اور تھر کے سرمایہ کاروں کو یقین دلائے کہ ان کی تیار کردہ بجلی کے مناسب نرخ ان کو ساتھ ساتھ ملتے جائیں گے۔ یہ بھی بہت ضروری ہے کہ حکومت پاکستان تھر پارکول کا اپنا منصوبہ جس میں کوئلے سے گیس بن رہی ہے، تیزی سے مکمل کرنے کے لیے منظور شدہ فنڈز جاری کرے اور بیرون ملک سے جو سرمایہ کار بڑی شدت سے اس تھر کول منصوبے میں گیس سے ڈیزل بنانے کے لیے سرمایہ کاری لانا چاہتے ہیں۔ ان کے لیے راستہ کھل سکے۔ تھر میں گیس سے ڈیزل بنانے کے لیے برطانیہ کی سرمایہ کار کمپنی اوڈیکس (ODAX) انٹرنیشنل، جنوبی افریقہ کی کول سے ڈیزل بنانے کی کمپنی (CTL) اور شنگھائی (چائنا) کمپنی گریٹ وال (GREAT WALL) سرمایہ کاری کے لیے بے تاب ہیں، جوں ہی حکومت ثمر مبارک مند منصوبے کے لیے فنڈز فراہم کرتی ہے تو وہاں پر بہت سارے کنوؤں سے گیس بننا شروع ہو جائے گی جس سے غیر ملکی سرمایہ کار کھنچے چلے آئیں گے۔ اس سے پاکستان مائع ایندھن (ڈیزل) میں خود کفالت حاصل کر سکے گا۔ تھر میں بننے والے مائع ایندھن (ڈیزل وغیرہ) کی پیداواری لاگت درآمدی ڈیزل سے تقریباً آدھی ہوگی۔

تھر کول کے بارے میں جو کچھ سطور بالا میں لکھا گیا ہے، اس کے فوائد صرف اور صرف پاکستانی قوم کو ملنے چاہئیں جو لابیاں (LOBBIES) اس ملک کے اندر توانائی کی غلط پالیسیوں کی تشکیل کے ذمہ دار ہیں وہ اکنامک ہٹ مین (ECONOMIC HITMAN) کے آلہ کار ہیں وہ پاکستان کو ایک ناکام ریاست (FAILED STATE) بنانے میں اپنے ایجنٹوں کے ساتھ شب و روز مصروف ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ تو اس کوشش میں بھی ہیں کہ پاکستان کی وفاقی حکومت کا جو واحد کامیاب منصوبہ تھر میں (UCG) کی شکل میں کام کر رہا ہے۔ اس کے فنڈز کی فراہمی اپنے ایجنٹوں کے ذریعے رکوا کر ختم کر دیا جائے تاکہ پاکستان مستقبل میں کبھی بھی تھر پار کر کے کوئلے سے ڈیزل اور دوسری مصنوعات نہ بنا سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام کمرشل کمپنیاں جو پاکستان کے لیے بیرون ملک سے پیٹرولیم اور اس کی مصنوعات گیس وغیرہ درآمد کر رہی ہیں، بھی اس منصوبے کو کامیاب ہوتا نہیں دیکھنا چاہیں گی کیونکہ اس سے ان کا بزنس بند ہو جائے گا اگر پاکستان میں 40 ڈالر فی بیرل (35 روپے لیٹر) ڈیزل تھر کول سے وافر مقدار میں ملنے لگے تو ہماری معیشت کس قدر تیزی سے فروغ پائے گی اور ملک کے غریبوں کی قسمت کس تیزی سے بدلے گی اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

اکنامک ہٹ مین کے ایجنٹ پاکستان کی وزارت خزانہ، پلاننگ ڈویژن، وزارت پیٹرولیم و قدرتی وسائل، وزارت پانی و بجلی پر قابض ہیں ان کے پاس غیر ملکی پاسپورٹ گرین کارڈ غیر ملکی بیوی اور بیرون ملک منقولہ و غیر منقولہ کروڑوں اربوں روپے کے اثاثے ہیں جو انہوں نے پاکستانی قوم کو معاشی طور پر بدحال بنانے کے عوض حاصل کر رکھے ہیں۔ پاکستان کو کمزور کرنے کے ایک بے حد گھناؤنے منصوبے پر بھی یہی اکنامک ہٹ مین کے ایجنٹ عمل پیرا ہے جو عالمی بینک آئی ایم ایف اور ڈونر ایجنسیوں میں برسہا برس نوکریاں کر کے ان کے منظور نظر بن کر پاکستان کے اندر آئی ایم ایف، عالمی بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک امریکہ یورپ کی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہیں۔ یہی اکنامک ہٹ مین جس گھناؤنے منصوبے پر درپردہ عمل پیرا ہے اس کے مطابق پاکستان کے اعلیٰ تعلیم کے نظام کو تباہ کرنا ہے۔ اکنامک ہٹ مین کے ایجنٹوں کی علی الاعلان پالیسی ہے کہ پاکستان میں قائداعظم یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی، پشاور یونیورسٹی، کراچی یونیورسٹی، جامشورو یونیورسٹی، گورنمنٹ کالج لاہور یونیورسٹی سمیت سرکاری شعبے کی تمام یونیورسٹیاں بتدریج بند کر دینی چاہئیں۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن کو توڑ دیا جائے اور جتنے پاکستانی طالب علم ملک سے باہر پی ایچ ڈی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے حکومت نے بھیجے ہوئے ہیں ان کے وظائف روک دیئے جائیں اور مزید

Scanned with CamScanner

پاکستانی طلباء کو سرکاری وظائف دے کر اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک بھیجنے کا سلسلہ بند کرایا جائے۔ اس گھناؤنے منصوبے کا آغاز 12-2011ء میں ہائر ایجوکیشن کمیشن کے ڈویلپمنٹ بجٹ سے 10 ارب روپے کی کٹوتی سے کیا گیا اور مالی سال 13-2012ء میں بھی سرکاری یونیورسٹیوں کا بجٹ اس حد تک روک دیا گیا ہے کہ وہ بینکوں سے سود پر قرضہ لے کر فیکلٹی کی تنخواہیں اور یونیورسٹی کے اخراجات پورے کرنے پر مجبور کر دی گئیں۔ پاکستان کی تاریخ میں کبھی پاکستان کے اعلیٰ تعلیمی اداروں پر ایسا برا وقت نہیں آیا۔ بیرون ملک سرکاری وظائف پر گئے ہوئے پاکستانی طلباء و طالبات تو اپنی فیس ادا کرنے اور رہائش و خوراک کا خرچہ کرنے سے بھی قاصر ہو گئے۔ جمعہ کی نماز کے بعد اکثر طالب علم بیرون ملک مساجد کے باہر نمازیوں سے اپنی تعلیم وغیرہ کے لیے پیسے مانگتے ہوئے دیکھے گئے۔ امریکہ یورپ سے پاکستانی طلباء کے حوالے سے ہائر ایجوکیشن کمیشن میں خطوط موصول ہوئے۔ پاکستان کے مقدر کے جو ٹھیکیدار امریکہ وغیرہ نے پاکستان میں اعلیٰ عہدوں پر تعینات کر رکھے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ امریکہ اور یورپ کی خواہش کے مطابق پاکستان کے تعلیمی اداروں سے صرف کلرک وغیرہ ہی نکلتے رہیں جیسا کہ ہانگ کانگ پر برطانیہ کی سو سالہ حکمرانی کے دوران ہوتا رہا تھا۔ ہانگ کانگ میں برطانیہ نے کوئی یونیورسٹی قائم نہیں کی تھی اور وہاں کے تیار ہونے والے کلرک پوری برطانوی سلطنت میں خدمات سرانجام دیا کرتے تھے اور انگریز کے جوتے پالش کیا کرتے تھے۔ آج امریکہ اور یورپ میں اپنے آقاؤں کے جوتے پالش کرنے والی مخصوص پاکستانی شخصیات کے پاس دوہری شہریت موجود ہے۔ وہ اپنے غیر ملکی آقاؤں کے اشارے پر برطانیہ کی ہانگ کانگ پالیسی پاکستان میں نافذ کرنے کی ناپاک سازش پر عمل پیرا ہیں اس میں انہیں پاکستان کی نجی یونیورسٹیوں اور نجی تعلیمی اداروں کے مالکان کی تائید حاصل ہے۔ 2001ء میں ہمارے ملک کے وزیر خزانہ اور پلاننگ کمیشن کے سربراہ نے اسلام آباد میں سرکاری یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کے اجلاس کے موقع پر کھلے عام کہا تھا کہ پاکستان میں انہیں سرکاری شعبے میں یونیورسٹیاں نہیں چاہئیں جس پر ملک بھر کی یونیورسٹیوں میں شدید احتجاج کیا گیا۔

تھر کول پراجیکٹوں کو بڑے مسائل کا سامنا ہے۔ ایک تو حکومت کو سارا سرکلر ڈیٹ ختم کرنا پڑے گا اور دوسرا یو سی جی منصوبے کے لیے مختص فنڈز کا فوری اجراء کرنا پڑے گا جس کا وعدہ صدر آصف علی زرداری کے علاوہ وزیر خزانہ ڈاکٹر حفیظ شیخ، پلاننگ کمیشن آف پاکستان کے ڈپٹی چیئرمین ڈاکٹر ندیم الحق 31 مئی 2012ء کو اقتصادی سروے کے اجراء کی پرہجوم کانفرنس میں میڈیا پر کر چکے تھے۔ نہ جانے کیوں اتنی بڑی شخصیات 12-2011ء کے 900 ملین روپے اور 13-2012ء کے 900 ملین روپے کے فنڈز یو سی جی کو جاری کرانے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھیں کہیں ان کی یہ کوشش تو نہیں کہ تھر کول پراجیکٹ بھی کالا باغ ڈیم ڈوب جائے۔ کالا باغ ڈیم بھی اسی لابی نے بننے نہیں دیا جو پاکستان کے اندر زیادہ سے زیادہ تیل درآمد کرا رہی ہے اور مہنگی بجلی بنوا کر پاکستانی معیشت کو ڈبونے میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ یہ پاکستان دشمن لابی جس نے نہ کالا باغ ڈیم بننے دیا نہ بھاشا ڈیم بنانے دے گی اور نہ 22 سال سے دریافت شدہ تھر کے کوئلے کو پاکستان کی معیشت کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے استعمال کرنے دے گی۔ ڈیم کی تعمیر روک کر پاکستان کی دشمنی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہمارے حصے کا پانی بھارت نے ڈیم بیراج بنا کر اپنی طرف کھینچ لیا اور کھینچتا چلا جا رہا ہے جس سے پاکستان کے صوبے خیبر پختونخوا، پنجاب، بلوچستان کے علاوہ بالآخر سندھ بھی بے آب و گیاہ ریگستان بن جائے گا اور پاکستان ایک افریقی ملک کی شکل اختیار کر جائے گا۔ پاکستان کے پاس دنیا کا ترقی یافتہ ملک بننے کے تھر کول ریکوڈیک، دریاؤں کا پانی، ٹیکنیکل مین پاور، زرخیز زمین، چاروں موسم جیسے وسائل موجود ہیں مگر اکنامک ہٹ مین کے پاکستان میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ایجنٹ اپنے آقاؤں کے ایجنڈے کے مطابق پاکستان کو غربت، افلاس، پسماندگی، لوڈشیڈنگ کے جنگل سے نکلنے نہیں دے رہے اور اس کے عوض وہ امریکہ، یورپ اور دوسرے ممالک میں کروڑوں اربوں کے اثاثے اپنے اور اپنی نسلوں کے لیے بنا رہے ہیں۔ ان کو شرم آنی چاہئے

کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ان ہی کے لیے فارسی کی ضرب المثل ہے۔''قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند'' یہ بات دعوے سے کہی جاسکتی ہے کہ جن جن شخصیات نے غریب پاکستانی قوم کے خون پسینے کی کمائی ہڑپ کی پاکستان کے عوام کو غربت اور تاریکی میں ڈبویا اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی نہ کسی شکل میں اپنا عذاب ضرور نازل کیا اور حرام کاری سے حاصل کی گئی دولت اور بنائے گئے اثاثے ان کے کسی کام نہ آئے اور نہ انشاءاللہ آئندہ کام آئینگے۔حتیٰ کہ یہ پاکستانی قوم کی لوٹی ہوئی دولت ان کی بیوی بیٹوں بیٹیوں تک کے استعمال میں نہیں آئی اور نہ ہی آج کے قومی دولت کے لٹیروں کے بچوں تک کے کام آئے گی۔

تھرکول 5 سو برس تک 50 ہزار میگاواٹ سالانہ بجلی تیار کر سکتے ہیں، ثمر مبارک مند

ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے کہا تھا کہ تھرکول سے ہم پانچ سو برس تک پچاس ہزار میگاواٹ سالانہ بجلی تیار کر سکتے ہیں۔ پاکستان میں محنتی لوگ بستے ہیں۔ملک میں سونے اور کوئلے کے بڑے ذخائر ہیں۔ہماری میزائل ٹیکنالوجی دیکھ کر دنیا دنگ رہ جاتی ہے جو صرف ہمارے لوگوں کے ذہن کا کمال ہے۔انہوں نے کہا کہ تھر میں موجود کوئلے کے ذخائر پر تحقیق کرنے کے بعد پتہ چلا کہ وہاں بہترین کوئلہ موجود ہے جسے زمین کے اندر ہی گیس میں تبدیل کیا جاسکتا ہے اور گیس نکل آئے تو بجلی سمیت کئی چیزیں باآسانی تیار کی جاسکتی ہیں۔انہوں نے کہا کہ میں نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں بہترین سائنسدان اور انجینئرز شامل ہیں اور ہم زور وشور سے اس پراجیکٹ پر کام کر رہے ہیں اور آئندہ دو تین ماہ میں تھر سے گیس نکلنا شروع ہوجائے گی۔پاکستان کی آزادی اور خود مختاری کب تک تماشا ہی رہے گی؟ کے موضوع پر ہونے والے اس مباحثے میں مسلم لیگ (ہم خیال) کی سیکرٹری اطلاعات کشمالہ طارق اور وفاقی وزیر برائے ماحولیات حمید اللہ جان آفریدی بھی شریک تھے۔ پروگرام کے دوران میزبان نے پاکستان کے چند اعزازات کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ اگر ملکی وسائل کو درست طریقے سے استعمال کیا جائے تو ہمارا ملک ترقی کی منازل تیزی سے طے کر سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

28 مئی: یوم تکبیر...... 2014ء

ایٹمی اثاثے......قومی خودمختاری و سالمیت کے ضامن

28 مئی 1998ء کے ایٹمی دھماکوں کی پہلی سالگرہ 28 مئی 1999ء کو قومی جوش و جذبے کے ساتھ منائی گئی تھی کہ وزیراعظم پاکستان بنفس نفیس اسلام آباد سے بھاری بھرکم قافلہ لے کر چاغی کے جھلسا دینے والے پہاڑ پر قومی پرچم لہرانے گئے۔ ان کے ساتھ پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے ذمہ داران بھی تھے مگر 1999ء سے 2012ء تک کے 13 سالوں میں پاکستان کے ایٹمی پاور بننے والے دن ''یوم تکبیر'' کو اس طرح نظر انداز کر دیا گیا جیسے یہ ملک کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے کا کارنامہ نہیں تھا بلکہ یہ پاکستان کا کوئی ناکردہ جرم تھا۔ مشرف دور میں تو نواز شریف کے ساتھ انتقام کے جذبے کی بنا پر ایسا ہونا سمجھ میں آتا رہا لیکن پی پی پی کے 2008ء سے 2013ء تک کے 5 سالہ دور میں پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے کی سالگرہ نہ منانا بھارت کی خوشنودی حاصل کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ خدا کا شکر ہے آج پھر پاکستانی قوم ایٹمی دھماکوں کی پندرھویں سالگرہ منا رہی ہے کیونکہ دوبارہ محب وطن جرات مند حقیقی جمہوری حکومت چند روز میں اقتدار سنبھالنے والی ہے۔ 28 اور 30 مئی 1998ء کے چھ ایٹمی دھماکوں سے پہلے برسوں نہیں عشروں پر نگاہ دوڑائی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ بھارت نے مئی 1974ء میں پہلا ایٹمی دھماکہ کر کے ایٹمی طاقت بننے کے بعد لائن آف کنٹرول پر مستقل جارحیت کا سلسلہ جاری رکھا جس میں پاکستان کے سول و فوجی سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں شہید و زخمی ہوئے۔ یہ روزمرہ کا معمول بن گیا تھا۔ انڈیا ایٹمی طاقت ہونے کے زعم میں شب و روز بلا جواز لائن آف کنٹرول کی خلاف ورزیاں کرتا رہا توپخانہ آزاد کشمیر پر آگ برساتا رہا۔ ایل او سی کے ساتھ رہنے والے کشمیری گھر بار چھوڑ کر پاکستان کے شہروں میں منتقل ہوتے رہے۔ یو این او یا یورپی یونین اور بھارت نے پاکستان پر سفارتی یلغار مسلسل جاری رکھی وہ پاکستان کو طفیلی ریاست بنانے کے خواہاں ہیں مگر 11 اور 13 مئی 1998ء کے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے بعد پاکستان کو ذلیل کرنے کے لیے ایسے ایسے بیانات انڈیا کے وزراء حتیٰ کہ وزیراعظم نے لوک سبھا میں دیئے جس کے بعد پاکستانی قوم نے کہا کہ ذلت کی سو سالہ زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ شیر میسور سے یہ قول روایت ہے کہ

''گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے''

قوم کے اسی جذبے پر نواز شریف نے لبیک کہا اور قومی امنگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کو 14 مئی کی ڈی سی سی (DEFENCE COMMITEE OF CABINET) کے وزیراعظم سیکرٹریٹ میں ہونے والے اجلاس میں کافی غور و خوض کر کے پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے ممبر ٹیکنیکل ڈاکٹر ثمر مبارک کو ڈی سی سی کے ممبرز وزیر خارجہ گوہر ایوب، وزیر خزانہ سرتاج عزیز، تینوں سروسز چیفس (جنرل جہانگیر کرامت، ایئر چیف مارشل پی کیو مہدی، چیف آف نیول سٹاف) کے آر ایل کے سربراہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان، پرنسپل سیکرٹری سعید مہدی وغیرہ کی موجودگی میں یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ چاغی میں کمیشن کی اپنی ٹیم لے جائیں اور ایٹمی دھماکوں کی تیاری جنگی بنیادوں پر کریں اور جلد سے جلد دھماکے کریں۔ وزیراعظم نواز شریف نے ڈاکٹر ثمر مبارک مند اور ان کی ٹیم کو بمعہ تمام ساز و سامان سی 130 طیاروں و ہیلی کاپٹروں کے ذریعے چاغی کے جھلسا دینے اور 50 ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت والے موسم میں دھماکوں کا انتظام کرنے کے لیے ایک طرف بھجوایا اور دوسری طرف وزیر خارجہ گوہر ایوب کی قیادت میں ایک وفد خفیہ طور پر چین، ترکی، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور ایران وغیرہ بھجوایا تاکہ پاکستان کے ان دوست ممالک کو جوابی ایٹمی دھماکے کرنے سے پہلے آگاہ کر دیا جائے۔ 15 مئی کو خصوصی طیارے میں مذکورہ

Scanned with CamScanner

ممالک بھجوایا جانے والا وفد 19 مئی 1998ء کو وطن واپس پہنچ گیا۔ ذرائع نے بتایا کہ بھارتی دھماکے 11 اور 13 مئی 1998ء کو ہونے کے فوری بعد امریکی صدر کلنٹن نے وزیر اعظم نواز شریف کو ٹیلیفون کیے اور ان کو ایٹمی دھماکے نہ کرنے کے عوض اربوں ڈالر کی امداد دینے کی پیشکش کی جس کا ذکر نواز شریف نے 14 مئی کو ڈیفنس کمیٹی آف کیبنٹ کے اجلاس کے شرکاء کے سامنے کرتے ہوئے کہا کہ یو ایس پریذیڈنٹ بل کلنٹن نے ان کو ٹیلیفون کر کے جوابی ایٹمی دھماکے نہ کرنے کے لیے بار بار کہا ہے۔

19 مئی 1998ء کو وزیر خارجہ گوہر ایوب کے وفد کی دوست ممالک کے دورے سے واپسی کے بعد وزیر اعظم نواز شریف نے ڈاکٹر ثمر مبارک مند اور ان کی ٹیم کو ایٹمی دھماکوں کی تیاریوں کے لیے چاغی بھجوا دیا۔ یہ ٹیم 140 سائنسدانوں، انجینئروں، ٹیکنیشنوں اور ضروری معاونین پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد کے حالات سے قوم بخوبی آگاہ ہے کہ 28 مئی 1998ء کو سہ پہر تین بج کر سولہ منٹ پر راس کوہ کے پہاڑی سلسلے میں پاکستان نے 25 سے 30 کلوٹن طاقت کے پانچ ایٹمی دھماکے کیے جبکہ 11 سے 13 مئی 1998ء کو پوکھران (راجستھان) میں بھارت نے جو ایٹمی دھماکے کیے انٹرنیشنل جوہری ماہرین کے مطابق وہ 10 سے 12 کلوٹن طاقت کے تھے۔ پاکستان نے چھٹا اور آخری دھماکہ 30 مئی 1998ء کو چاغی سے ڈیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر خاران کے صحرا میں کر ڈالا۔ اس دھماکے کی طاقت تقریباً 15 کلوٹن تھی۔ چاغی میں چونکہ پانچ سرنگیں 7 سال میں ضیاء دور میں بنی تھیں چھٹے دھماکے کی گنجائش نہ رہی تو چھٹا دھماکہ خاران کے ریگستان میں زیر زمین ڈیڑھ سو میٹر گہرائی میں کیا گیا۔ چھ کامیاب ایٹمی دھماکوں کے بعد پاکستان نے دنیا کے نیوکلیئر کلب میں اپنے قدم مضبوطی سے گاڑھ لیے۔

ناقدین عرصے سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ تیسری دنیا کا ملک پاکستان جو آج بجلی کے بدترین بحران سے دوچار ہے جس کی معیشت تباہ ہو چکی ہے جہاں ہر طرف کرپشن ہی کرپشن ہے اور جہاں تعلیم و صحت کی سہولیات غریب کے لیے ناپید ہیں اسے نیوکلیئر پروگرام میں قومی وسائل صرف کرنا دانشمندی نہ تھی۔ اس سوال کا جواب محب وطن حلقے یہ دیتے ہیں کہ 1971ء میں بھارت نے پاکستان کو فوجی طاقت کے ذریعے دولخت کیا۔ پاکستان کے 80 ہزار سول و فوجیوں کو جنگی قیدی بنایا اور 2 مئی 1974ء میں پوکھران (راجستھان) میں ایٹمی دھماکہ کرنے کے بعد پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے کے بعد کے 15 سالوں کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو ایسے مواقع نظر سے گزرتے ہیں جن پر اگر پاکستان ایٹمی طاقت نہ ہوتا تو انڈیا پاکستان کو کھا چکا ہوتا۔ آج پاکستان کا وجود اللہ کے بعد صرف اور صرف ایٹمی کامیابیوں کی مرہون منت ہے۔ پاکستان کے وجود سے مراد پاکستان کی قومی خودمختاری، علاقائی سالمیت، قومی سلامتی و وقار ہے۔ قارئین کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ سری لنکا ہو یا بنگلہ دیش، نیپال ہو یا بھوٹان حتیٰ کہ مالدیپ ان سب کو بھارت نے ایٹمی قوت بن کر اپنی طفیلی ریاستیں اس حد تک بنا رکھا ہے کہ بنگلہ دیش جیسا مسلمان ملک پاکستان اپنی کرکٹ ٹیم بھیجنے کا اعلان کر کے بھارتی آنکھ کے اشارے پر یہ اعلان واپس لے لیتا ہے۔

کارگل کا واقعہ 1999ء کے موسم سرما میں رونما ہوا جب جنرل پرویز مشرف نے وزیر اعظم کو تاریکی میں رکھ کر آمرانہ فیصلہ کر کے ہزاروں پاکستانی فوجی (این ایل آئی' ناردرن لائٹ انفنٹری) مجاہدین کو موت کی وادی میں دھکیل دیا اس وقت انڈیا نے بوفرز گنوں سے کارگل کی چوٹیوں پر کارپٹ بمبنگ (گولہ باری) اور جنگی طیاروں سے بے تحاشا بمباری کر کے پاکستانی فوج اور مجاہدین کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیے مگر اسے انٹرنیشنل بارڈر کراس کرنے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بارڈر کے اس پار ایک نیوکلیئر طاقت موجود ہے۔ دوسرا موقع 2002ء میں کشمیری مجاہدین کے مبینہ لوک سبھا پر حملہ کی وجہ سے سامنے آیا جس کے نتیجے میں بھارت نے اپنی سات لاکھ فوج کشمیر سے لے کر سندھ کے بارڈر تک آٹھ ماہ تک متعین رکھی اس کے ساتھ ٹینک، توپخانہ اور جدید ترین روایتی جنگی ساز و سامان بھی تھا۔ بھارت کی اس فوج کشی کے باوجود بھارتی فوج کا ایک سپاہی بھی اپنا ناپاک قدم پاک سرزمین پر رکھنے کی جرات نہ کر سکا۔ وجہ صرف یہی تھی کہ پاکستان کے ایٹم بم ان کی راہ میں

Scanned with CamScanner

حائل تھے۔ تیسرا موقع 2008ء میں اس وقت سامنے آیا جب ممبئی ہوٹل پر کچھ دہشت گردوں نے حملہ کیا جسے بھارت نے پاکستان کی طرف سے جارحیت قرار دیا اور مرید کے (نزد لاہور) پر بھارتی فضائیہ نے بمباری کی کھلی دھمکی تک دے دی۔ اس وقت بھی پاکستان کے ایٹمی میزائل جو بھارت میں اپنے مقررہ اہداف کو نشانہ بنائے کھڑے تھے، نے بھارت کو پاکستانی شہر مرید کے پر بمباری کرنے سے باز رکھا۔ اگر پاکستان کی سرزمین پر بھارت بمباری کرتا تو یقیناً پاکستان اور بھارت کے مابین ایک بڑی جنگ چھڑ جاتی جس کے دوران کوئی نہ کوئی فریق اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے ایٹم بم استعمال کر لیتا۔ نتیجہ پورے پاکستان بھارت کی تباہی کی صورت میں نکلتا۔ جو وسائل پاکستان نے اپنے دفاعی جوہری پروگرام پر صرف کئے ہیں چاہے وہ ایٹمی ہتھیار یا ان کا ڈلیوری سسٹم (میزائلوں کی شکل میں) ہو۔ ان وسائل کے مقابلے میں کئی سو گنا زیادہ مالی نقصان مذکورہ تین مواقع کی پاک بھارت جنگوں میں ہو چکا ہوتا۔

آج یہ نظر آ رہا ہے کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان تجارت معیشت کے میدانوں میں جو دوستانہ مثبت تعلقات فروغ پا رہے ہیں وہ اس طاقت کے توازن کی مرہون منت ہیں جو پاکستان برصغیر میں قائم کر رہا ہے۔ دوست ملکوں کے مابین کلچرل، سپورٹس، میڈیا، ٹریڈ اینڈ انڈسٹری کے وفود کا آزادانہ تبادلہ ہرگز نہ ہو پاتا اگر پاکستان اپنا وقار بھارت کے مقابلے میں برابری کی سطح پر نہ لے آتا۔ ہماری صنعتی نمائش (MADE IN PAKISTAN) چنڈی گڑھ اور نئی دلی میں منعقد نہ ہوتی۔ مشرقی اور مغربی پنجاب کے مابین کبڈی کے میچ بھی نہ ہو پاتے وہ کشتی کے مقابلے بھی نہ دیکھنے میں آتے اگر پاکستان جوہری میدان میں بھارت کا منہ توڑ مقابلہ نہ کر چکا ہوتا۔

28 مئی 1998ء کے مقابلے میں 28 مئی 2013ء میں پاکستان کے عوام بجلی کی بدترین لوڈشیڈنگ کا سامنا کر رہے تھے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نواز شریف کے جرات مندانہ اقدام اور پاکستان کے باصلاحیت محب وطن جفاکش اپنا آج قوم کے کل پر قربان کرنے والے قومی ایٹمی سائنسدانوں، انجینئروں، ٹیکنیشنوں اور ان کے معاونین کی عشروں کی شبانہ روز محنت کے نتیجے میں پاکستان جب بھارت کے 5 کے مقابلے میں چھ ایٹمی دھماکے کر کے اسلامی امہ کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت بن گیا تو 28 مئی 1998ء کے بعد 28 مئی 2013ء تک کے عرصے میں پاکستان میں بجلی کی بدترین لوڈشیڈنگ سے پوری قوم بلبلا نہ رہی ہوتی بلکہ پاکستان بجلی کے معاملے میں خود کفیل ہی نہیں بجلی برآمد کرنے والا ملک بن چکا ہوتا دنیا کی باقی ایٹمی قوتوں کی طرح پاکستان ہر شعبہ زندگی میں مئی 1998ء کے مقابلے میں کئی گنا ترقی کر چکا ہوتا مگر ایسا نہ ہوا کیونکہ آمر ڈکٹیٹر نے انٹرنیشنل اسٹیبلشمنٹ کی سازش کا آلہ کار بن کر قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت رکھنے والے وزیراعظم کو نہ صرف معزول کیا بلکہ اس کی بدرجہ اتم بے توقیری کی اگر شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز (سعودی فرمانروا) مدد کو نہ پہنچتے تو پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے والا معزول وزیراعظم نواز شریف اس دنیائے فانی میں نہ ہوتا لیکن جسے خدا رکھے اسے کون چکھے پرویز مشرف نے جس وزیراعظم کو معزول کیا۔ آٹھ سال سے اس کے خاندان کو سعودی عرب میں جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا اس کے والد بزرگوار میاں محمد شریف کی لاہور میں تدفین اور نماز جنازہ میں شرکت کے لیے بھی شریف برادران کو جدہ سے لاہور آنے کی اجازت نہ دی۔ اسی نواز شریف کو گیارہ مئی 2013ء کے الیکشن میں عوام نے وزیراعظم منتخب کر کے پرویز مشرف کو سیاسی طمانچہ رسید کیا۔ یہ مکافات عمل ہی تھا کہ جس روز نواز شریف وزیراعظم پاکستان کا حلف لے رہے تھے ان کو طاقت کے نشے میں سرشار ہو کر 12 اکتوبر 1999ء کو معزول کر کے ہی انہیں ہتھکڑیاں پہنا کر بے عزت کرنے والے آمر جرنیل چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اسلام آباد کے اپنے فارم ہاؤس کے اندر ہی ایک کمرے کی جیل میں کف افسوس مل رہا تھا۔

28 مئی 1998ء کو ایٹمی طاقت حاصل کر لینے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ پاکستان کی عوام کا معیار زندگی بہتر سے بہتر ہونے لگتا۔ آج 28 مئی 2013ء کو عوام کا معیار زندگی امریکہ نہیں تو چین، فرانس، برطانیہ وغیرہ ایٹمی ملکوں کے عوام کے لگ بھگ بلند ہو گیا ہوتا مگر ہوا کیا

Scanned with CamScanner

28 مئی 1998ء کے ایٹمی دھماکوں کے بعد کے 15 سالوں میں پہلے جنرل پرویز مشرف کے آمرانہ اور پھر پی پی پی کے پانچ سالہ جمہوری دور میں جس طرح سے پرویز مشرف، شوکت عزیز ان کی کابینہ کے ارکان ان کی بیوروکریسی اور آصف علی زرداری، یوسف رضا گیلانی، راجہ پرویز اشرف ان کے وزیروں ان کے ایجنٹوں ان کے بدعنوان بیوروکریٹوں نے غریب قوم کے خزانے کو جس بے دردی سے لوٹا ان کو تنزلی کا شکار کیا گیا جس طرح قومی ادارے دیوالیہ پن کے قریب پہنچائے گئے ان بدترین پندرہ سالوں میں پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن نے ملکی دفاع کے شعبے میں بے پناہ ترقی کی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام نہ صرف بھارت بلکہ پوری دنیا میں تیزی سے مثبت انداز میں سب سے زیادہ ترقی کرنے والا ایٹمی پروگرام ہے جس کا سہرا ایٹمی توانائی کے قومی ادارے کی موجودہ قیادت کے سر ہے۔ خاص طور پر پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے ممبر ٹیکنیکل غلام نبی کے دور میں دفاع کے ہر شعبے میں بے پناہ ترقی و بہتری ہوئی۔ وہ اس شعبے سے مئی 1974ء کے بھارت کے پہلے ایٹمی دھماکے کے بعد چند ماہ میں ہی بھٹو دور سے منسلک چلے آ رہے ہیں۔ بھارتی دھماکوں کے بعد اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین منیر احمد خان کو ایٹمی پروگرام پر کام تیز کرنے کا گرین سگنل دیا جس کا آغاز دسمبر 1971ء کی جنگ میں پاکستان دولخت کئے جانے کے بعد سے ہی شروع کر دیا گیا تھا۔ 1974ء کے اواخر میں پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے نوجوان سائنسدانوں کو پی او ایف واہ میں ایک کمرہ دے دیا گیا اور ان کو کہا گیا کہ ایٹم بم بنانے کے لیے دن رات محنت کریں۔ اس زمانے میں نہ کمپیوٹر تھے نہ انٹرنیٹ وغیرہ کی حالیہ سہولیات تھیں اور نہ ہی یہ یقین تھا کہ یہ مشن پورا ہو جائے گا۔ ڈاکٹر اے کیو خان جو یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتے کہ ایٹمی دھماکہ کرنے پر انہوں نے اس نواز شریف کو مجبور کیا جو ایٹمی دھماکہ کرنے سے خائف تھے۔ وہ 1977ء میں ہالینڈ سے پاکستان لوٹے ان کی (SPECIALITY) میٹالوجسٹ (METALOGIST) دھات سازی تھی۔ ہالینڈ میں یورینیم افزودگی (ENRICHMENT) پلانٹ میں کام کرتے تھے جو جوہری بجلی کے لیے ہالینڈ استعمال کر رہا تھا۔ بھٹو صاحب کے معزول ہونے کے بعد صدر ضیاء الحق نے ایٹمی پروگرام بند کرنے کی بجائے اسے نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس کی رفتار بھی بڑھا دی۔ 1974ء میں قائم کئے گئے سائنسدانوں کے گروپ نے 1977ء تک شبانہ روز محنت کر کے ایٹم بم کا ابتدائی ڈیزائن تیار کر لیا تھا جسے 13 مارچ 1983ء کے کولڈ ٹیسٹ والے ایٹم بم میں استعمال کیا گیا یہ کولڈ ٹیسٹ سرگودھا کے قریب کرانہ کی پہاڑیوں کی سرنگ میں کیا گیا جس میں افزودہ یورینیم کی بجائے (DESLFTEL URANIUM) رکھا گیا۔ کولڈ ٹیسٹ کی کامیابی سے پاکستان نے ٹیکنیکلی (تکنیکی اعتبار سے) دنیا کے نیوکلیئر کلب کا ممبر بننے کی صلاحیت حاصل کر لی اور تکنیکی طور پر بھی اعتماد و مہارت تھی جس سے پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن نے اپنے نیوکلیئر (DEVICES) کے ڈیزائن کو بہتر سے بہتر کیا حتیٰ کہ مئی 1998ء میں پاکستان کے پاس ایٹم بموں کے بہت اچھے ڈیزائن تھے جن کے 28 اور 30 مئی 1998ء کو چاغی اور خاران کے علاقے میں پہلے پہاڑی سرنگوں اور 30 مئی کو خاران کے علاقے میں سینکڑوں میٹر گہرے پہلے سے تیار کنوئیں میں ٹیسٹ کیا گیا۔

امریکہ کو خیال تک نہ تھا کہ پاکستان نے جوہری دھماکے کرنے کی صلاحیت حاصل کر رکھی ہے۔ اسے علم ہی نہ ہو سکا کہ جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں کرانہ (سرگودھا) کی پہاڑیوں میں ایٹم بم کا کولڈ ٹیسٹ کرا لیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امریکہ کوئی خدا نہیں کہ ہر چیز کی خبر ہو پتہ بھی ٹوٹے تو اس کے علم میں آ جائے اگر پاکستان کے خفیہ اداروں، ایٹمی اداروں نے قومی راز کو قومی راز رکھا تھا تب مارچ 1983ء کے کولڈ ٹیسٹ امریکہ کے علم میں نہیں آئے تھے۔ امریکہ کو وہی علم ہوتا ہے جو اس کے خفیہ اداروں کے عموماً پاکستانی ایجنٹ کا مال لے کر قومی راز فروخت کرتے، امریکہ میں بھی عام انسان رہتے ہیں۔ امریکہ پاکستان کے ڈائریکٹر انجینئر، ہر شعبہ کے ذہین لوگوں کو بھاری معاوضے پر جاب دیتا ہے۔ اسی طرح اگر نواز شریف کی جون 2013ء میں بننے والی حکومت چین کی طرح بیرون ملک موجود ہر قسم کے ماہرین کو وطن واپس بلانے

Scanned with CamScanner

کے لیے ترغیبات دیتی تو پاکستان جوہری شعبے کی طرح معیشت، انرجی سمیت ہر شعبے میں بے مثال ترقی کرنے لگتا۔ دکھ اس بات کا ہے کہ گزشتہ 15 سالوں میں بالعموم اور پانچ سالوں میں بالخصوص پاکستان کی حکومت نے میرٹ کی دھجیاں اڑائیں۔ ملازمتیں، ٹھیکے سبھی رشوت لے کر دیئے جس سے کرپشن، قرابت داری، علاقائی و لسانی تعصبات کی دیمک قومی زندگی کو چاٹنے لگی اور تو اور توانائی کے اداروں تک کی سربراہی سیاسی نسلی لسانی وجوہ اور کرپشن کی بھینٹ چڑھا دی گئی او جی ڈی سی میں جعل کے میٹرک پاس ساتھی کو چیئرمین لگا دیا گیا۔ دوسرے توانائی کے ادارے میں میرٹ پر بھجوائی گئی سمری کو ایم کیو ایم نے رکوا کر اپنے بھنوا کو چیئرمین بنوا دیا۔ پی آئی اے، ریلوے، پاکستان سٹیل کی تباہی کے اسباب بھی اسی نوعیت کے ہیں۔ ایف بی آر میں 5 سالوں کے دوران پانچ سے زائد چیئرمین لگا کر سالانہ ریونیو میں اضافہ 25 فیصد سے کم کر کے 5 فیصد تک گرانے میں بھی کرپشن، اقربا پروری، نسلی لسانی علاقائی تعصبات کا بڑا عمل دخل تھا۔

نواز شریف کی نئی حکومت اگر ماضی کی ان غلط کاریوں کا ازالہ فوری کرنے کا سلسلہ شروع کرے گی۔ ''حق بقدر اہلیت'' کے مصداق جن باصلاحیت افسروں، سائنسدانوں، انجینئروں، بیوروکریٹوں کو ان کا حق ماضی کے 15 یا 5 سالوں میں نہیں دیا گیا ان کا حق چھین کر کروڑوں روپے رشوت لے کر لسانی نسلی علاقائی بنیادوں پر دوسرے کم صلاحیت والوں کو دے دیئے گئے۔ نواز شریف سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ریلوے ہو یا پی آئی اے پاکستان سٹیل ہو یا او جی ڈی سی ہو یا سی ڈی اے ہو، ڈی ایچ اے، راول ڈی اے، ایف بی آر جہاں کہیں بھی سابق حکمرانوں نے میرٹ پر ترقیاں نہیں دیں۔ وہ ان مظلوم افسروں کی دادرسی کریں گے۔ کرپٹ نااہل افسروں کو ان کے عہدوں سے ہٹائیں گے۔ وہاں میرٹ پر باصلاحیت حکام کو لگائیں گے۔

28 اور 30 مئی 1998ء کو ایٹمی دھماکے کیے جانے کے بعد پاکستان کے جوہری اور میزائل ساز ادارے خواب خرگوش کے مزے نہیں لے رہے۔ وہ پاکستان کی ایٹمی آبدوز کے پراجیکٹ سمیت وطن عزیز کے دفاع کو مضبوط سے مضبوط تر، ایٹمی اثاثہ جات کو جدید سے جدید تر، ایٹمی ہتھیاروں کے کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم کو موثر سے موثر تر بنانے کے لیے دن رات کوشاں رہے۔ سٹرٹیجک پلانز ڈویژن (STRATEGIC PLANS DIVISIONS) کے خالد قدوائی اور ان کی ٹیم، نیسکام (NATIONAL ENGINEERING SCIENTIFIC COMMISION) کے آر ایل (KAHUTA RESEARCH LABORATRIES) اور پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن سب میں محب وطن دیانتدار باصلاحیت انجینئر، سائنسدان، ٹیکنیشن اور ان کے معاونین دن رات وطن عزیز کے دفاع کو سیسہ پلائی دیوار کی مانند ناقابل شکست بنانے کے لیے کوشاں ہیں ان کا جس قدر بھی نواز شریف حکومت احترام کرے گی ان کو سہولیات و ترغیبات مہیا کرے گی جس قدر قوم کے ان محب وطن محسنوں کی حوصلہ افزائی ہوگی وہ بہتر سے بہتر انداز میں اپنے قومی فرائض سرانجام دے کر پاکستان کو نیوکلیئر کلب کا موثر ممبر بنا کر دم لیں گے۔ مئی 1998ء میں پاکستان کے پاس پلوٹونیم بم بنانے کی استعداد نہیں تھی جو کہ 1998ء سے تادم تحریر ہمارے محسنوں نے دن رات کی کاوشوں سے بفضل تعالیٰ حاصل کر لی ہے جس سے کم حجم کم وزن کے ایٹمی ہتھیار پاکستان بنانے لگا ہے جسے دنیا (TACTICAL NUCLEAR WEAPONS) ٹیکٹیکل نیوکلیئر ویپن کا نام دیتی ہے۔ انڈیا کے بارے میں جو معلومات قومی اداروں کو مختلف ذرائع سے مل رہی ہیں ان کے مطابق انڈیا نے کولڈ سٹارٹ سٹرٹیجی (COLD START STRATEGY) بنائی تھی جس کے تحت انڈیا اپنی فوجی چھاؤنیاں انڈیا کے وسط یا دوسرے اندرونی حصوں سے شفٹ کر کے پاکستان کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ لے آیا ہے تاکہ وہ پاکستان کے علاقوں پر اچانک فوجی یلغار کر سکے۔ انڈیا کے اس مذموم عزائم کو پاکستان کے دفاعی اداروں نے ناکام بنانے کے لیے اقدامات شروع کر دیئے جس کے نتیجے میں بہت سے (TACTICAL NUCLEAR WEAPONS) تیار کر لیے گئے اور انڈیا

Scanned with CamScanner

کی کولڈ سٹارٹ سٹرٹیجی کو (CHECK MATE) ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔ ایسا صرف پلوٹونیم نیوکلیئر ویپن کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔ یہ پاکستان کے دفاعی اداروں کی اتنی بڑی کامیابی ہے کہ انڈیا پاکستان کی مشرقی سرحد کے ساتھ ساتھ موجود اپنی کنٹونمنٹس سے آناً فاناً پاکستان کے مرضی کے ایریاز میں فوج کشی نہیں کر سکے گا۔ پاکستان کی پوری قوم انڈین جارحانہ عزائم کو ناکام بنانے والے جوہری ہتھیار تیار کرنے والے محسنوں کو تاحیات بھول نہیں پائے گا۔ ان ہی ٹی این ڈبلیو کا نتیجہ ہے کہ بھارت ہزار بار چاہے پاکستان پر حملے کی جرات اسی طرح نہیں کر پائے گا جس طرح 1983ء کے کولڈ ٹیسٹ سے لے کر آج 2013ء تک کے 30 سالوں میں نہیں کر پایا۔ بھارت بخوبی جانتا ہے کہ پاکستان کے پاس مختلف سائز اور مقامی سطح پر دشمن کی فوجوں کے جھگھٹوں کو خس و خاشاک کی طرح جلا دینے والے ہر سائز اور ہر ضرورت کے پلوٹونیم بموں کا ذخیرہ موجود ہے جو روایتی ہتھیاروں میں بالادستی حاصل کرنے والے بھارت کے پاکستان کی سرحد عبور کر کے پاکستان کی ریلوے لائن جی ٹی روڈ کاٹنے لاہور سیالکوٹ، رحیم یار خان، سندھ کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے ناپاک عزائم رکھنے والے بھارتی فوج کے دستوں کو بھون کر رکھ دیں گے۔ ان پلوٹونیم/ایٹم بموں اور ان کے ڈلیوری سسٹم کے باعث بھارت عشروں تک پاکستان کو زیر نگین کرنے میں کامیاب نہیں ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ گزشتہ 15 سالوں میں ایٹمی میزائل پروگرام مسلح افواج اس کے اداروں کے براہ راست کنٹرول میں ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

چنیوٹ۔ پاکستان کا کاپرٹی

وزیر اعظم محمد نواز شریف نے 11 فروری 2015ء کو چنیوٹ کے ونشنِ رجوعہ میں جا کر معروف ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر ثمر مبارک مند اور وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کی موجودگی میں قوم کو خود یہ خوشخبری سنائی کہ چنیوٹ کے گرد و نواح بشمول ونشنِ رجوعہ میں فولاد، تانبے، سونا اور چاندی کی بہت بڑی زیرِ زمین موجودگی ثابت ہوئی ہے۔ یہ پاکستانی قوم کے لیے خوشی کی ایک بہت بڑی خبر تھی۔ وزیر اعظم نواز شریف اور وزیر اعلیٰ شہباز شریف کو پنجاب منرل کمپنی کے چیئرمین ڈاکٹر ثمر مبارک مند کی موجودگی میں تکنیکی ماہرین اور جرمن کنسلٹنٹ نے اپنی بریفنگ میں بتایا کہ چند سال پہلے چنیوٹ رجوعہ میں جیالوجیکل سروے آف پاکستان (جی ایس پی) نے فولاد کے ذخائر کی موجودگی کی نوید اس وقت کی حکومت کو سنائی تھی۔ لہٰذا پنجاب منرل کمپنی کو میاں شہباز شریف نے یہ ذمہ داری سونپی کہ اس علاقے میں فوری ایکسپلوریشن (EXPLORATION) کا کام شروع کر کے یہ معلوم کیا جائے کہ یہاں فولاد یا کسی اور دھات کے کتنے ذخائر موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم کر لیا جائے کہ ان ذخائر کی وسعت اور گہرائی کیا ہے اور ان کی زمین میں کتنی فیصد موجودگی ہے۔ ایکسپلوریشن کا یہی مفہوم ہے۔

میاں شہباز شریف نے 11 فروری 2015ء کو ایک بہت بڑے اجتماع سے وزیر اعظم کی موجودگی میں خطاب کرتے ہوئے اس پروجیکٹ کی تاریخ پر کچھ روشنی ڈالی۔ بقول ان کے وزیر اعلیٰ بننے سے پہلے پنجاب کی جو حکومت تھی اس حکومت نے ایک پاکستانی نژاد امریکن ارشد وحید کو اس سارے علاقے کی 30 سال کی لیز (LEASE) تحفے میں عطا کی۔ تحفے سے مراد بے حد کم قیمت پر بغیر کسی ٹینڈر طلب کئے اور منہ مانگی مراد ارشد وحید نے پوری کی۔ چند سال تو یہ علاقہ ارشد وحید کے قبضے میں رہا اور لیز کی شرائط کے تحت وہ اس میں ایکسپلوریشن مکمل کرنے کے بعد مائننگ (MINING) کے حقدار بھی قرار پائے۔ مائننگ کے نتیجے میں جو بھی معدنیات سونا چاندی تانبا لوہا اس علاقے سے حاصل ہوئیں، اس کی فروخت ملک کے اندر یا باہر ارشد وحید کرتے اور وصول شدہ قیمت کا صرف دو فیصد پنجاب حکومت کو ادا کرتے۔

آپ اسے پنجاب کی خوش قسمتی سمجھیں کہ ارشد وحید نے چند سال کوئی کام علاقے میں شروع نہیں کروایا تھا کہ لیز دینے والی حکومت تبدیل ہو گئی اور میاں شہباز شریف 2008ء میں وزیر اعلیٰ بن گئے۔ ان کے نوٹس میں جب اس لیز کی شرائط لائی گئیں تو انہوں نے لیز کو فوراً اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے منسوخ کر دیا۔ اگلے تین برس پنجاب حکومت اور ارشد وحید کے درمیان لاہور ہائیکورٹ میں مقدمہ چلا اور جب عدالت عالیہ نے یہ دیکھا کہ لیز پر چار پانچ برس کام نہیں کیا گیا تو عدلیہ نے لیز کی تنسیخ کو قانونی قرار دے دیا۔

چنیوٹ (رجوعہ) خطے کے لیز سے آزاد ہونے کے بعد وزیر اعلیٰ پنجاب نے سیکرٹری معدنی وسائل کو تنبیہ کی کہ جلد سے جلد کوئی ایسا میکانزم بنایا جائے کہ اس خطے کی معدنیات زمین سے باہر نکال کر صرف پنجاب میں ہی نہیں بلکہ پاکستان بھر کی صنعت کو اس کے فوائد پہنچائے جا سکیں۔ اس جستجو میں تین سیکرٹری معدنی وسائل پنجاب میں وزیر اعلیٰ نے تبدیل کئے کیونکہ وہ خاطر خواہ نتائج نہ دے سکے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب نے اس مرحلے پر ڈاکٹر ثمر مبارک مند کے معدنیات کے شعبے میں تھر اور ریکوڈک کے تجربے کی بنا پر ان سے ملاقات کی اور چنیوٹ رجوعہ پروجیکٹ کو درست خطوط پر استوار کرنے کی خواہش ظاہر کی اس ملاقات کے نتیجے میں ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے اپنے ریکوڈک (بلوچستان) کے تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے چنیوٹ رجوعہ کے معدنی وسائل کو لیز کی بجائے کنٹریکٹ پر ترقی دینے کی تجویز پیش کی جس میں انٹرنیشنل ٹینڈر کرا کر شفاف طریقے سے بہترین ایکسپلوریشن کمپنی سے یہ کام کرانے کی سکیم بنائی۔ وزیر اعلیٰ پنجاب کی منظوری کے بعد پنجاب منرل کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز اور چیئرمین نے تیزی سے کام شروع کر دیا گیا۔ سیکرٹری معدنیات حکومت پنجاب ڈاکٹر ارشد محمود نے کمپنی کے چیف ایگزیکٹو کی ذمہ

Scanned with CamScanner

داری سنبھالی، تمام ڈائریکٹرز جن میں یونیورسٹیوں (لمز، پنجاب، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور) اور جی ایس پی کے علاوہ بڑی بڑی پرائیویٹ کمپنیوں اور بینکوں کے سربراہان کی ٹیم نے دن رات محنت کر کے 2 اپریل 2014ء میں میٹرولاجیکل کارپوریشن آف چائنا کے ساتھ ایکسپلوریشن کا کنٹریکٹ کیا۔ دسمبر 2015ء تک ایکسپلوریشن کا کام اس چینی کمپنی کو مکمل کرنا تھا۔ روزانہ صبح ساڑھے سات سے لے کر رات ساڑھے گیارہ بجے تک بے شمار ڈرلنگ مشینوں کے ذریعے اس وقت زمین کی تہہ سے ایک ہزار میٹر کی گہرائی تک خام مال کے نمونے (CORE SAMPLE) نکالے جا رہے تھے۔

اس مرحلے سے پہلے جیوگرافکس سروے جن میں چار طریقوں سے زیر زمین دھاتوں کی موجودگی کی نشاندہی کی جاتی وہ نومبر 2014ء میں مکمل ہو چکا۔ اس سروے کے نتیجے میں جہاں جہاں معدنیات کی نشاندہی ہوئی وہاں وہاں سٹیل ڈرلنگ مشینوں سے کور سیمپل نکالے جا رہے تھے یہ سیمپل سو فیصد معدنیات کی موجودگی کا ثبوت دے رہے تھے۔ ان کی کیمیائی اور فزیکل ٹیسٹنگ سوئٹزرلینڈ کی ایس جی ایس (S.G.S) لیبارٹریز اور کینیڈا کی لیبارٹری سے کرائی جا رہی تھی۔ خام سیمپل (Core Sample) کو انسانی نگاہ سے دیکھتے ہوئے صاف نظر آنے لگا کہ بہترین کوالٹی کا لوہا، (جس کو مقناطیس فوراً پکڑتا ہے۔ تانبا جو کہ اپنے مخصوص رنگ میں کور سیمپل پر وافر مقدار میں دکھائی دیتا ہے اور آنکھوں کو چندھیا دینے والا سونا اور سفید چمکنے والی چاندی بھی تانبے کے ساتھ ساتھ کور سیمپل میں صاف نظر آ رہی تھی۔ وزیر اعظم نواز شریف اور ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے بیشتر کور سیمپل وزیر اعلیٰ شہباز شریف اور دوسری شخصیات، ماہرین کی موجودگی میں 11 فروری 2015ء کو رجوعہ پروجیکٹ کے دورے کے دوران دکھائیں۔ یہ ساری دولت اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں ہزاروں کے اجتماع اور ٹی وی پر دیکھنے والے کروڑوں ناظرین کو بتایا کہ پاکستان میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی مقدار میں لوہا، تانبا، سونا اور چاندی کے ذخائر عطا کئے ہیں جن کی کنفرمیشن (CONFIRMATION) بین الاقوامی لیبارٹریوں نے کر دی ہے۔ پنجاب منرل کمپنی کے جرمن کنسلٹنٹ ڈاکٹر جرگن نے بھی وزیر اعظم کو بریفنگ میں واضح طور پر بتایا کہ آج کے بعد چنیوٹ کو (COPPER CITY) تانبے کا شہر قرار دے دینا چاہیے۔ جب سے پاکستان بنا ہے ایک بات اکثر راقم سنتا چلا آ رہا ہے کہ اس ملک میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے اور اسلام کی پیروی کرنے والے کروڑوں لوگ ہیں لیکن یہاں غربت و افلاس کا ابتدا سے دور دورہ رہا ہے جبکہ ہمارے برابر ملک سعودی عرب، یو اے ای ایران وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے بے تحاشا تیل کی دولت عطا کی ہے جس کی وجہ سے لاکھوں پاکستانی اپنا گھر بار بیوی بچے چھوڑ کر ان ممالک میں جا کر روزگار حاصل کرتے ہیں اور بے حد مشکل حالات میں محنت مزدوری کر کے اپنے بیوی بچوں والدین کا پیٹ پالتے ہیں۔ اپنی 70 سالہ تاریخ میں پاکستان مالی مشکلات سے دوچار رہا ہے یہاں تک کہ آج پاکستان میں بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے 67 ارب ڈالر پاکستانی قوم نے ادا کرنے ہیں۔ یہ تو ہے "پاکستانی قوم کا شکوہ"۔ اب "جواب شکوہ" اللہ تعالیٰ کی طرف سے چنیوٹ کی معدنیات کی شکل میں نمودار ہوا ہے۔ ایک ٹن خام تیل کی قیمت تقریباً 300 ڈالر ہے جبکہ ایک ٹن تانبے کی قیمت اس سے 20 گنا یعنی 6 ہزار ڈالر ہے اور سونا تو ایک اونس بارہ سو ڈالر کا ملتا ہے اور چاندی ایک اونس 21 ڈالر کی ہے۔ تانبے، چاندی سونے کے بے شمار قیمتی ذخائر کی موجودگی میں پورے پاکستان کو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کے آگے سربسجود ہونا چاہیے ہمیں اب شکوے سے نکل کر شکر کو اپنانا چاہیے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب تک ہم اپنے ذہن ہاتھ پاؤں ہلا کر محنت نہ کریں تو ہم قدرت کی دولت سے مستفید نہیں ہو سکتے کہ یہ لوہا، چاندی، سونا تو چنیوٹ رجوعہ کے گندم کے لہراتے کھیتوں کے نیچے اربوں سال سے دفن چلا آ رہا تھا اب پاکستان کی ترقی و خوشحالی کے لیے نمودار ہونے لگے ہیں۔ جب ہمارے پاک وطن نے اپنے لوگوں کے بازوؤں اور ان کی دیانتدارانہ محنت پر انحصار شروع کیا تو اس ملک کو ہمیشہ خوشی کی خبر ملی۔ ایک نجی کوشش اور خالصتاً پاکستانی سائنسدانوں، انجینئروں اور ٹیکنیشنوں نے

Scanned with CamScanner

دفاع کے شعبے میں پاکستان کو دنیا کے چھ ممالک کی صف میں لاکھڑا کیا۔ جب پنجاب کے وزیر اعلیٰ شہباز شریف نے پھر ایک بار اپنے ہی سائنسدانوں، جیالوجسٹس، مائننگ انجینئروں، یونیورسٹیوں اور کارپوریٹ سیکٹر کے محب وطن پاکستانیوں پر انحصار کیا تو قوم کو چنیوٹ میں لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کی نوید مل گئی۔ ان ذخائر کی وسعت وقت کے ساتھ ساتھ ایکسپلوریشن کے نتائج سے اتنی زیادہ معلوم ہوتی نظر آتی ہے کہ یہ ذخائر ریکوڈک سے بھی بیس پچیس گنا بڑے ثابت ہونگے۔ انشاء اللہ دنیا نے ریکوڈک کو بھی دنیا کا سب سے بڑا اور قیمتی تانبے کا ذخیرہ قرار دیا تھا۔ لوگ اس بات کی فکر کر رہے ہیں کہ کیا چنیوٹ کے ذخائر کا حال ریکوڈک جیسا تو نہیں ہوگا اس کا جواب جب ڈاکٹر ثمر مبارک مند کو دینے کو کہا تو انہوں نے یہ یقین دلایا کہ جس شفافیت، محنت و ایمانداری کے جذبے سے پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور پنجاب منرل کمپنی اس سفر پر چل رہے ہیں تو اس بات کی قوی امید ہے کہ کوئی ملٹی نیشنل کمپنی پاکستان کے اتنے بڑے لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کے ذخائر کو ریکوڈک کی طرح لوٹنے کا منصوبہ نہ بنا سکے گی نہ ہی اس کی دعویدار بن سکے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف کی وفاقی حکومت اور میاں شہباز شریف کی صوبائی حکومت ایک سیاسی عزم کو برقرار رکھتے ہوئے پنجاب منرل کمپنی کے تھنک ٹینک (بورڈ آف ڈائریکٹرز) کی سپورٹ جاری رکھیں حتیٰ کہ یہ کام خوش اسلوبی سے ترقی کی راہ پر مسلسل گامزن رہے اور پاکستان کے لوگ اس جواب شکوہ سے پوری طرح مستفید ہو کر صبر و شکر کی ایک آرام دہ زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں۔

پنجاب منرل کمپنی کے چیئرمین ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے جنگ سے گفتگو میں کہا کہ ہماری آئندہ نسلوں کی ترقی و خوشحالی کی ضمانت بھی چنیوٹ رجوعہ پروجیکٹ کی کامیابی میں مضمر ہے۔ یہ ذخائر آئندہ کئی صدیوں تک پاکستانی قوم کی ترقی، خوشحالی، سماجی ربط اور یکجہتی کی ضمانت رہیں گے۔ یہاں پر نہ صرف بچوں بلکہ بڑوں کو بھی تاوان کے لیے اغوا کر کے پیسے بنانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کی صنعتوں میں ہزاروں نہیں لاکھوں پاکستانیوں کو روزگار ملے گا۔ غریب کی غربت ختم ہوگی اور ہماری مستقبل کی ان صنعتوں سے جو مال بیرون ملک فروخت ہوگا اس سے ہمارے غیر ملکی قرضے بھی ختم ہو جائیں گے۔ ہمارا دفاع بھی مضبوط سے مضبوط تر ہو جائیگا۔ ہمارے زرمبادلہ کے ذخائر خطے کے ہم سے پانچ گنا بڑے ملک (بھارت) سے بھی بڑھ جائیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے لوگ اور حکمران دیانتداری اور محنت سے اللہ کی دی ہوئی اس دولت کو بروئے کار لائیں۔ یہ دولت صرف اس لیے پنجاب میں نمودار ہوئی ہے کہ یہاں کے حکمرانوں کی نیت نیک اور صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حکمرانوں کی نیت دیکھ کر اس کی رعایا کو اپنی رحمتوں سے نوازتا ہے۔ 28 مربع کلومیٹر چنیوٹ رجوعہ پروجیکٹ میں لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کی ایکسپلوریشن کے بارے میں فائنل رپورٹ 2015ء کے اواخر تک مل جائے گی۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے میں اس کی (ECONOMIC FEASIBILITY) اقتصادی طور پر قابل عمل رپورٹ تیار کی جائے گی اس کی روشنی میں تیسرے مرحلے میں حکومت پنجاب 2016ء میں فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہوگی کہ تانبا، سونا اور چاندی کی ریفائنریاں اور خام لوہے پر مبنی سٹیل ملز کس سائز کی، کس کس مقام پر اور کس کس طریقے سے لگائی جائیں۔ آج ہی ماہرین یہ عندیہ دے رہے ہیں کہ چنیوٹ رجوعہ واقعی ایک کاپر سٹی بن جائے گا اور یہ پاکستانی قوم کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تقدیر بدل دے گا۔ اکنامک فزیبلٹی 2015ء کے اواخر 2016ء کے اوائل میں دستیاب ہو جائے گی۔ اس کے بعد ریفائنریاں اور سٹیل ملز کے سائز اور لوکیشن کے فیصلے آئندہ سال ہو جائیں گے۔

وزیر اعظم نواز شریف کو رجوعہ کے دورے کے دوران تین انچ ڈایا میٹر (قطر) کی ڈرلنگ مشین سے زمین کی گہرائی سے نکالے گئے جو کور سیمپل دکھائے گئے ان کے سروں سے سونا، چاندی، تانبا جھلک رہا تھا۔ سورج کی طرف وزیر اعظم نے اس کا سرا کر کے دیکھا تو وہ انتہائی چمکدار تھا۔ سونا چاندی تانبا اپنی مخصوص چمک سے آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ ایک کور سیمپل تیس چینی انجینئروں کے نکالے ہوئے کئی سیمپل وزیر اعظم

نواز شریف نے بے حد دلچسپی سے دیکھے اور آخر میں پروجیکٹ کی کامیابی اور پنجاب منرل کمپنی کی کامیابی کے لیے خصوصی دعا کی۔ پنجاب منرل کمپنی میں اپنے اپنے شعبے کے سرفہرست ماہرین پی ایچ ڈی ہونے کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی پروفیسرز اور کامیاب بنکوں اور کمپنیوں کے چیف ایگزیکٹو بھی شامل ہیں۔ پنجاب منرل کمپنی کے چیئرمین اور تمام ڈائریکٹر صاحبان بلامعاوضہ یہ سارا کام کرنے میں مصروف ہیں جبکہ پی آئی اے نیشنل بنک سمیت کارپوریشنوں کے بورڈ کے ممبر ڈائریکٹرز چیئرمین ماہانہ لاکھوں روپے کا اعزازیہ وصول کر رہے ہیں۔

(16 فروری 2015ء کو شائع ہوا)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

حصہ چہارم

اہم صحافتی سکوپس (کوریج)

نوواردگان صحافت کیلئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خبرنگاری کا مثالی اسلوب

Scanned with CamScanner

سپریم کورٹ میں محمد خان جونیجو کی حکومت کی برطرفی کے خلاف

رٹ پٹیشن کی سماعت کی روداد

سپریم کورٹ آف پاکستان نے ملک کو درپیش بحران سے نکالنے کے لیے حکومت سے تجاویز طلب کیں۔ اس مقصد کے لیے اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی کو ہدایت کی کہ وہ پاکستان کی تاریخ کی اس سنگین صورتحال سے قوم و وطن کو نکالنے کے لیے اپنے موکلان سے تجاویز لے کر پیش کریں۔ اٹارنی جنرل نے وعدہ کیا کہ وہ یہ اہم تجاویز حکومت سے حاصل کر کے عدالت عظمیٰ میں پیش کر دیں گے۔ جہاں پر لاہور ہائیکورٹ کے اس حکم کے خلاف وفاقی حکومت کی اپیل کی سماعت ہو رہی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ صدر مملکت کا 29 مئی 1988ء کا اسمبلیاں توڑنے کا حکم غیر قانونی تھا۔ یہ سماعت سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس محمد حلیم کی سربراہی میں مسٹر جسٹس اسلم ریاض حسین، مسٹر جسٹس افضل ظلہ، مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ، مسٹر جسٹس عبدالقادر شیخ، مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن، مسٹر جسٹس جاوید اقبال، مسٹر جسٹس غلام مجدد مرزا، مسٹر جسٹس سعد سعود جان، مسٹر جسٹس ایس عثمان شاہ، مسٹر جسٹس علی حسین قزلباش اور مسٹر جسٹس نعیم الدین پر مشتمل فل بنچ نے کی۔ اپیل کی سماعت کے دوسرے روز اٹارنی جنرل آف پاکستان نے اپنے دلائل کم و بیش ساڑھے تین گھنٹے تک جاری رکھے جس پر فل بنچ کے فاضل جج صاحبان سوالات کرتے رہے۔ فاضل عدالت نے اٹارنی جنرل سے کہا کہ وہ 16 نومبر 1988ء کو عام انتخابات کے منعقد ہونے کے متعلق بھی حکومت پاکستان سے دریافت کر کے وہ تجاویز پیش کریں جن پر عملدرآمد سے اس سنگین صورتحال سے بچا جا سکے جو 29 مئی 1988ء کا صدارتی حکم غیر آئینی قرار دیئے جانے کے مضمرات سے پیدا ہو سکتی ہے۔ فاضل عدالت کے چیف جسٹس نے اپنے ریمارکس میں کہا کہ عدالت عظمیٰ آئین پاکستان کو جاری و ساری رکھے گی۔ اپنے اس قومی فرض کی ادائیگی میں وہ کوئی کوتاہی نہیں کرے گی اسے وفاقی بجٹ کا معاملہ بھی طے کرنا ہوگا۔ صدارتی آرڈیننس کے تحت حکومت 120 دن سے زیادہ بجٹ میں دیئے گئے اخراجات نہیں کر سکتی۔ فاضل عدالت نے کہا کہ ہم ملک کے حالات کو بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ قومی مفاہمت کے خواہاں ہیں اگر کسی معاملے پر قومی اتفاق رائے ہو گیا ہو تو سپریم کورٹ اس میں شامل کیوں نہ ہو۔ دوسرے روز بحث کا آغاز کرتے ہوئے اٹارنی جنرل جناب عزیز اے منشی نے عدالت کو بتایا کہ ان کا مؤقف ہے کہ صدر کا 29 مئی کا حکم عدالتی چھان بین سے مستثنیٰ ہے اور حکومت نے یہ تہیہ کیا ہوا ہے کہ 16 نومبر 1988ء کے انتخابات کے راستے میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔

عزیز اے منشی نے کہا کہ آئین کے آرٹیکل 58(2)بی اس قسم کے صدارتی صوابدیدی اختیارات میں سے ہے جس کا ذکر آرٹیکل 48(2) میں کیا گیا ہے یعنی صدر کا حکم جس سے اسمبلیاں برخاست کی گئی ہیں اس کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر فاضل بنچ کے مختلف جج صاحبان نے یہ سوال کیا کہ دفعہ 58(2)(ب) میں یہ صاف لکھا ہے کہ جب صدر 58(2)(ب) اختیارات استعمال کرتا ہے تو دفعہ 48(2) کا اطلاق نہیں ہوتا یعنی صدارتی حکم عدالت کی چھان بین کے ماتحت ہے۔ مختلف سوالات جو جج کی طرف سے کئے گئے ان میں یہ نقطہ اٹھایا گیا کہ عدالتی چھان بین سے متعلق اٹارنی جنرل کا مؤقف بنیادی طور پر درست دکھائی نہیں دیتا۔ جج صاحبان نے مزید کہا کہ سپریم کورٹ کے فیصلوں نے اس کی تائید کی ہے کہ ذاتی صوابدید کے اختیارات کے استعمال میں کوئی تصور نہیں ہے اور آئینی اختیار کے لیے لازم ہے کہ معقولیت کے درجے پر پورا اترے۔

عزیز اے منشی نے کہا کہ صدر کے حکم کی وجوہ عدالتی چھان بین سے مستثنیٰ قرار دی جائے۔ عدالت عظمیٰ کے ججوں صاحبان نے سوالات کے ذریعے اٹارنی جنرل کی توجہ اس بات پر مبذول کرائی کہ دفعہ 58(2)(ب) میں واضح طور پر وہ حالات لکھے گئے ہیں جن کے وقوعے کے

Scanned with CamScanner

بعد ہی صدر یہ اختیارات استعمال میں لا سکتے ہیں۔ یہ آرٹیکل کہتا ہے کہ صدر کو اسمبلی برخاست کرنے کا حق تبھی حاصل ہے جب ملکی حالات اس قدر دگرگوں ہوں کہ آئین کے مطابق حکومت کا چلنا ممکن نہ رہا ہو۔ عدالت نے اٹارنی جنرل کی توجہ ارکان اسمبلی کی تقاریر کی طرف مبذول کروائی۔ جب آرٹیکل 58(2) (ب) منظور کی گئی تھی تو اس وقت کے وزیر اعظم جونیجو اور وزیر قانون نے یہ واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ اس ترمیم کے ذریعے صدر کے اسمبلی توڑنے کے اختیارات ان کی صوابدید پر نہیں چھوڑیں گے بلکہ صاف طور پر یہ تحریر کیا گیا ہے کہ نہ صرف آئین کی دفعہ 48 (2) کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ دفعہ صرف ان حالات میں استعمال کی جا سکتی ہے جیسا کہ 1977ء کے دوران پیدا ہو گئے تھے اور حکومتی کارروائی سول ایجی ٹیشن کے باعث معطل ہو کر رہ گئی تھی عدالت عظمیٰ نے اٹارنی جنرل سے پوچھا کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صدر کی صوابدید ان حالات پر موجودگی کے ماتحت کر دی گئی ہے جن کا ذکر آرٹیکل 58(2) (ب) میں ہے۔ اٹارنی جنرل نے اس سوالات کے جوابات میں کہا کہ وہ اپنے مؤقف کو پہلے ہی ہائیکورٹ میں بیان کر چکے ہیں کہ صدر کا یہ اختیار عدالتی چھان بین سے مبرا ہے۔ اس کے بعد عدالت نے اٹارنی جنرل سے یہ سوال کئے کہ وہ مواد عدالت کو بتائیں جس کی بنیاد پر صدر نے 29 مئی کے احکامات جاری کئے تھے۔ عدالت نے کہا کہ اتنا اہم قدم اٹھانے سے پہلے یہ لازم تھا کہ صدر کے پاس ایسی اطلاعات موجود ہوتیں جو ان کو آرٹیکل 58(2) ب کے اختیارات کے استعمال کا حق دیتی۔ اٹارنی جنرل نے اس کے جواب میں کہا کہ ایسی کوئی فائل ان کے علم میں موجود نہیں ہے۔ عدالت اپنی صوابدید پر نتیجہ اخذ کر سکتی ہے۔ بحث کے اختتام سے قبل عدالت عظمیٰ نے اٹارنی جنرل سے کہا کہ وہ اپنے موکلوں سے واضح طور پر ان سوالات پر ہدایات حاصل کریں جو اس وقت عدالت کے سامنے ہیں۔ ملک کے موجودہ بحران میں سرفہرست یہ مشکل ہے کہ اگر 29 مئی کے احکامات غیر قانونی قرار دے دیے جاتے ہیں تو کیا منطقی طور پر یہ ممکن نہیں ہے کہ پرانی کابینہ وزیر اعظم سمیت واپس آ جاتی ہے۔ اسمبلیاں بحال ہو جاتی ہیں یا پھر موجودہ نگران حکومتوں کا وجود غیر قانونی بن جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں عدالت کو کیا کرنا چاہئے۔ حکومت اس سلسلے میں اپنی گزارشات بیان کرے۔ عدالت نے کہا کہ جو حالات اب ملک کو درپیش ہیں اس کی عدالتی تاریخ میں مثال نہیں ملتی لہٰذا حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ان مشکلات کے ایسے حل عدالت میں پیش کریں جس کی بدولت موجودہ بحران کا آئینی حل مل جائے اور آئندہ منعقد ہونے والے عام انتخابات پر بھی زد نہ آئے اٹارنی جنرل نے کہا کہ وہ اپنے موکلوں سے ان اہم سوالات پر جوابات حاصل کر کے عدالت میں اپنی گزارشات کل پیش کریں گے۔

حکومت کی اپیل کے علاوہ عدالت عظمیٰ کے پاس پرانی اسمبلی کے ارکان حاجی سیف اللہ، راجہ افسر، شیخ رشید احمد، رانا پھول خان وغیرہ کی اپیلیں بھی موجود ہیں جن میں یہ استدعا کی گئی ہے کہ ہائیکورٹ کے فیصلے کے بعد کہ صدر ضیاء الحق کا 29 مئی کا فیصلہ غیر قانونی تھا پرانی اسمبلیاں خود بخود بحال ہو گئی تھیں اور عدالت عظمیٰ ان کی بحالی کا حکم دے۔ راجہ محمد اکرم ملک عبدالکریم اور شیخ شوکت علی ان اپیلوں کی پیروی کر رہے ہیں ان کے علاوہ ان تمام اپیلوں میں پرائیویٹ مدعا علیہان ہیں جن کی نمائندگی ڈاکٹر فاروق حسن بار ایٹ لاء کر رہے ہیں ان کا ہائیکورٹ میں یہ مؤقف تھا کہ صدر کا 29 مئی کا فیصلہ غیر آئینی تھا لیکن اب ملک کی آئینی و سیاسی خود مختاری سیاسی آزادی کو سولہ نومبر کے انتخابات کے ذریعے یقینی بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا عدالت پرانی اسمبلیوں کو بحال نہ کرے۔ چیف جسٹس اپنے ساتھی جج صاحبان کے ساتھ نو بج کر سینتیس منٹ پر کمرۂ عدالت میں آئے تو کمرۂ عدالت مسلم لیگی رہنماؤں اور قانون دانوں سے بھرا تھا۔ سابق وزیر اعظم جونیجو دس بجے سے گیارہ بج کر چالیس منٹ تک کمرۂ عدالت میں ارباب جہانگیر خاں کے ساتھ بیٹھے رہے۔

عزیزا ے منشی...... جی ہاں کاپیاں تیار ہو گئی ہیں۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... اٹارنی جنرل صاحب پہلے آپ ان امور کے بارے میں دلائل دیں کہ صدارتی حکم کی عدالت سکروٹنی کر سکتی ہے یا نہیں کر سکتی۔

Scanned with CamScanner

عزیز اے منشی......اس بارے میں میرے دلائل تحریری طور پر ریکارڈ پر ہیں۔ ویسے حاجی سیف اللہ کی پٹیشن کا صفحہ نمبر 10 اس سلسلے میں دیکھ سکتے ہیں۔

جسٹس حلیم......(ورق گردانی کے بعد) صفحہ نمبر 10 تو بالکل کورا ہے اس پر تو ایک لفظ بھی درج نہیں۔

عزیز اے منشی......فیصلے میں کہا گیا ہے کہ اسمبلیاں توڑنے کا حکم ناجائز ہے۔

جسٹس اسلم ریاض حسین......کیا صدر اپنی مرضی سے منتخب اسمبلیوں کو کہہ سکتا ہے گیٹ آؤٹ

عزیز اے منشی......آئین کے آرٹیکل 58(2) بی کے تحت اس کی صوابدید صدر کے پاس ہے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن..........آرٹیکل 58(2) بی سے تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اس شق کے تحت صدر کو حاصل صوابدید کی عدالت ویلیو نظر ثانی کر سکتی ہے جبکہ آئین کے آرٹیکل نمبر 48 میں یہ پابندی ہے کہ عدالت صدارتی صوابدید کی جانچ پڑتال نہیں کر سکتی مگر 58(2) بی آرٹیکل پر آرٹیکل 48(2) اثر انداز نہیں ہوتی۔ ویسے بھی یہ سبجیکٹو (موضوعی) ہے اوبجیکٹو (معروضی) نہیں۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......آرٹیکل نمبر 48(2) کے تحت صدر اگر اسمبلیاں توڑیں تو یہ ان کی صوابدید پر ہے جسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا مگر آرٹیکل 58(2) بی کے تحت اسمبلیاں توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں ایسے حالات ہوں جن میں وفاقی حکومت آئین کے مطابق اپنے فرائض سرانجام نہ دے سکتی ہو۔

عزیز منشی صاحب......کیا آپ کے خیال میں 29 مئی کو مذکورہ حالات پیدا ہو گئے تھے۔

عزیز اے منشی......صدر مملکت نے اپنی صوابدید جو انہیں آئین میں دی گئی ہے 29 مئی کا حکم جاری کیا اور نئے انتخابات کروانے کا اہتمام کیا۔

جسٹس اسلم ریاض حسین......اس لیے ہائیکورٹ نے فیصلہ دیا ہے کہ کوئی کسی کو عدالت سے رجوع کرنے سے نہیں روک سکتا۔

اٹارنی جنرل صاحب صدر کے جی میں جو کچھ بھی آئے وہ کر گزرے اور کسی کو پوچھنے کا حق بھی نہیں ہے۔

عزیز اے منشی......آئین کے آرٹیکل 48(2) اور 58(2) بی کو ملا کر پڑھا جائے تو مطلب صاف اور واضح ہو جائے گا۔

جسٹس افضل ظلہ......آرٹیکل نمبر 58(2) بی جس سے ہم کو الیفائی کر رہے ہیں اس میں درج ہے کہ صدر کو اسمبلی کس طرح توڑنا ہوگی۔ اس سے آرٹیکل نمبر 48(2) کو الگ رکھ دیں کیونکہ اس کا اطلاق آرٹیکل 48(2) بی کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔ اس موقع پر جسٹس اسلم ریاض حسین نے مائیک پر ہاتھ رکھ دیا جس کے بعد چیف جسٹس مسٹر جسٹس محمد حلیم نے اپنی بائیں جانب بیٹھے جج افضل ظلہ اور دائیں طرف بیٹھے جج اسلم ریاض حسین سے مختصر مشورہ کیا۔

عزیز اے منشی......آرٹیکل 58 (اے) اور 48(2) میں دو الگ الگ اختیارات ہیں۔ پہلے آرٹیکل کے مطابق وزیر اعظم اگر صدر کو مشورہ دے کہ اسمبلیاں توڑنے کا اعلان کرے تو صدر لازماً ایسا کرے گا اگر صدر اسمبلیاں نہ توڑے تو 48 گھنٹے کے اندر اسمبلی خود بخود ختم تصور ہوگی جبکہ آرٹیکل 48(2) میں صدر وزیر اعظم کے مشورے کے بغیر اس وقت اسمبلی توڑ سکتا ہے۔

جسٹس حلیم......آرٹیکل نمبر 48(2) کے تحت صدر کو اتنے وسیع اختیارات کیوں دیے گئے ہیں۔

عزیز اے منشی......جناب اس کا قانون بنانے والی (قومی) اسمبلی کو علم ہوگا۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......ایک بنیادی معاملہ ہے کہ کیا اسمبلیاں توڑنے کے بعد آئین کے تحت دی گئی مدت میں الیکشن کروانے کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا تھا اور یہ کہ اسمبلیاں اس وقت توڑی گئی تھیں جب وفاق آئین کے مطابق فرائض پورے نہیں کر سکتا تھا۔ اگر حکومت ٹھیک کام کر رہی

Scanned with CamScanner

ہو تو کیا صدر اسے توڑ سکتا ہے؟
جسٹس اسلم ریاض حسین ـــــ ملک میں بعض مضبوط صدر اور بعض صرف صدر رہے ہیں ایک صدر کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ صدر مملکت کو تو قیدی بنا دیا گیا ہے۔ ویسے کوئی بھی عوام کو ووٹ کا حق استعمال کرنے سے نہیں روک سکتا۔
جسٹس حلیم ـــــ عزیز منشی صاحب کچھ صورتحال کی وضاحت کریں جو اسمبلیاں توڑے جانے کے متقاضی بنیں۔
جسٹس افضل لحہ ـــــ صورتحال کو اہلیت کے ساتھ سمجھا یا جاتا ہے اگر صدر اپنے فیصلے میں غلطی کرتا ہے تو نئے انتخابات ضروری ہو جاتے ہیں۔ لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کے بعد سابقہ قومی یا صوبائی اسمبلی سمجھتی ہے کہ وہ اسلام آباد یا دوسری معینہ جگہ اجلاس بلائے۔ ایک قرارداد منظور کر دے تو کیا ہوگا۔
اس موقع پر سابق وزیراعظم جونیجو کمرۂ عدالت میں داخل ہوئے تو مسلم لیگی ارکان ان کے لیے راستہ بنانے لگے۔ اس دوران شور ہوا تو چیف جسٹس نے کہا آرڈر آرڈر
جسٹس افضل لحہ ـــــ اس وقت قومی سطح پر سنگین بحران کی سی کیفیت ہے۔ اگر عدالت عالیہ کے فیصلے کے بعد سابقہ قومی اسمبلی کا اجلاس ہوتا تو دوسری طرف نگران صدر ہوتے۔ اس بحرانی حالت میں عدلیہ ہی کو مداخلت کرنا پڑتی ہے۔
عزیز اے منشی ـــــ نہیں نہیں جناب
جسٹس حلیم ـــــ صدر آرٹیکل 48(1) کے تحت وزیراعظم کے مشورے پر عمل کرتا ہے تو 48(2) کے تحت یک طرفہ اختیار دینے کی ضرورت کیوں پیش ہوئی۔
اسلم ریاض حسین ـــــ آپ کہتے ہیں کہ 1977 جیسی صورتحال سے بچنے کے لیے یہ اختیار دیا گیا ہے مگر اس کے دلائل کیا ہیں۔
جسٹس شفیع الرحمن ـــــ 1977ء میں ایسے اختیارات صدر کو نہیں تھے۔ ان حالات کے بعد 1985ء میں صدر اور وزیراعظم کے مابین اختیارات کی صحیح تقسیم ہوئی۔ (10 بج کر 4 منٹ پر اچانک بجلی غائب ہوگئی کمرۂ عدالت میں اندھیرا چھانے کے باوجود سماعت جاری رہی مگر جلد بجلی بحال ہوگئی۔ اب صدر کے پاس بہت سے اختیارات ہیں اس لیے کسی بھی وقت تنازعہ ہو سکتا ہے۔ آئینی تعطل پیدا ہو سکتا ہے۔
مسٹر جسٹس نسیم حسن شاہ ـــــ میرے بنیادی سوال کا جواب دیا جائے کہ واقعی 29 مئی کو ایسی صورتحال تھی کہ حکومت آئین کے تحت نہیں چل سکتی تھی۔ اپنی منشا کے مطابق کیسے صدر اور وہ بھی اسلامی مملکت کا صدر اسمبلی توڑنے کی صوابدید رکھ سکتا ہے جبکہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ سے بھری محفل میں دریافت کیا جاتا ہے اے عمرؓ تم نے یہ لمبا کرتا کیسے بنالیا۔ اس سوال کا مدلل جواب دینا پڑا اس لیے اسلامی مملکت میں کوئی بھی محاسبہ سے بالاتر نہیں۔
جسٹس شفیع الرحمن ـــــ صدر اور وزیراعظم کے درمیان اختلافات ہوں تو اسے عوام کے پاس لے جایا جائے یا عدالت میں لایا جائے
نسیم حسن شاہ ـــــ رائے دہندگان سے ہی رجوع کیا جا سکتا ہے۔ عوام اس پارٹی کو چن لیں گے جس نے ان کے لیے کام کیا ہو۔
عزیز اے منشی ـــــ اس بارے میں ہائیکورٹ میں دلائل دیے جا چکے ہیں۔ ریکارڈ پر موجود ہے۔
جسٹس افضل لحہ ـــــ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دلائل آپ عدالت سے چھپانا چاہتے ہیں یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ سابق وزیراعظم جونیجو کی غلطی تھی۔ وہ اسی وقت عدالت میں نہیں آئے۔ اگر وزیراعظم عدالت میں نہ آئے تو آئین کہتا ہے کہ 90 دن میں الیکشن کرائے جائیں۔
عزیز اے منشی ـــــ صدر نے الیکشن کی تاریخ دینے میں زیادہ دیر نہیں کی اگر وہ آئین کے مطابق 90 دن کے اندر انتخابات کی تاریخ کا اعلان نہ

Scanned with CamScanner

کرتے تو اسے کورٹ میں چیلنج کیا جاسکتا تھا۔

جسٹس افضل ظلہ......ایک سوال کا آپ دو حیثیت میں جواب دیں۔ایک جواب پاکستانی شہری کی حیثیت میں اور دوسرا جواب حکومت پاکستان کے اٹارنی جنرل کی حیثیت میں۔

عزیز منشی......یہ اپیل میں نے ذاتی طور پر فائل نہیں کی اس لیے خاموش ہوں میں نے تو حکومت پاکستان کے مفاد میں اپیل کی ہے۔

جسٹس اسلم ریاض حسین......اگر یہ کہا جائے کہ صدر کا محاسبہ ہونے لگا تھا تو صدر نے اسمبلیوں کو ہی توڑ دیا۔تاکہ ان کا محاسبہ نہ ہو سکے۔

عزیز اے منشی......آپ فاضل جج ہیں جو چاہیں کہیں۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......ہمیں بطور عدالت عظمیٰ ایسے ضوابط بنانا ہیں کہ آئندہ ایسا نہ ہو سکے۔

جسٹس اسلم ریاض حسین......1977ء میں کیا جب حکومت اور مخالفین میں تنازعہ ہوا تو ایک اور فورس معاملہ طے کروانے گئی تھی کیا عدالت معاملہ طے نہیں کر سکتی۔

جسٹس افضل ظلہ......آپ کے قبل ازیں جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ذاتی اپیل دائر نہیں کی جہاں تک عزیز اے منشی نامی پاکستان کا تعلق ہے اس نے فیصلہ تسلیم کر لیا۔

عزیز اے منشی......جی ہاں! اگر ایسی بات ہے تو کیا میں گھر چلا جاؤں۔

جسٹس قادر......اگر آپ کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا تو چلے جائیں۔(10 بج کر 16 منٹ پر چند منٹوں کے لیے فاضل ججز صاحبان ایک دوسرے سے صلاح مشورہ کرتے رہے)۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......آپ ٹھیک ٹھیک واضح الفاظ میں بتائیں کہ آپ کے پاس اس کے کیا دلائل ہیں کہ 29 مئی کے صدارتی حکم کو ہائیکورٹ نے جو غلط قرار دیا ہے وہ درست فیصلہ نہیں۔

عزیز منشی......بنیادی استدعا یہ ہے کہ صدر نے یہ آئین کے آرٹیکل 58(2) بی کے تحت اپنی صوابدید استعمال کی جو آئین کی دوسری شق کے مطابق چیلنج نہیں کی جاسکتی۔

جسٹس جاوید اقبال......اگر بدنیتی پر مبنی فیصلہ بھی صدر کرے تو کیا اس کا بھی تحفظ کیا جائے گا۔

عزیز منشی......صدر کا حکم غیر آئینی نہیں نہ ہی بدنیتی پر مبنی ہے۔

جسٹس افضل ظلہ......شورش کاشمیری کیس میں ہم نے کہا ہے کہ جو فیصلہ معقول دلائل پر مبنی نہیں وہ بدنیتی کا فیصلہ ہے۔

جسٹس حلیم......آپ کے مطابق صدر کی صوابدید آئین کے مطابق تھی۔

عزیز منشی......آئین کے آرٹیکل 48(2) اور آرٹیکل 58(2) بی کے تحت صدر اسمبلیاں توڑنے کا اگر فیصلہ کرتا ہے تو عدالت اس کی جانچ پڑتال کی مجاز نہیں۔(اس موقع پر اٹارنی جنرل نے اپنے جو دلائل دیے انہیں تمام ججوں نے لفظ بہ لفظ ریکارڈ کیا۔) صدر اپنے اطمینان کے مطابق جب مناسب سمجھے کہ وفاقی حکومت آئین کے تحت نہیں چل رہی۔اسمبلی توڑ سکتا ہے۔

جسٹس جاوید اقبال......یہ تو بڑے خطرناک اختیارات ہیں جب قومی اسمبلی صدر کا محاسبہ کرنا چاہے تو وہ اسے توڑ ڈالے۔

عزیز منشی......جناب اس وقت صورتحال مختلف تھی۔ویسے مقننہ (قومی اسمبلی) کی منظوری سے یہ صوابدید صدر کو دی گئی۔

جسٹس حلیم......یہ اختیارات کا غلط استعمال ہے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس نسیم حسن شاہ...... فرض کرو ہم ہائیکاٹ کا فیصلہ یہاں تک قبول کریں کہ اسمبلیاں توڑنے کا صدارتی آرڈر غلط ہے چونکہ اسمبلیاں غلطی سے توڑی گئی ہیں اس لیے صورتحال ایسی نہیں تھی کہ نگران حکومتیں بنیں سابقہ حکومت کو ہی چلنے دیں۔

جسٹس اسلم ریاض حسین...... کوئی حکومت تب گھر بھیجی جا سکتی ہے اگر قانونی طور پر توڑی گئی ہو۔

عزیزاے منشی...... حکومتیں توڑنے کے متعلق دوسرے ممالک کی بہت سی مثالیں ہیں۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... جب ہمارے پاس اپنی مثالیں اور فیصلے موجود ہیں تو ہم کینیڈا اور برطانیہ کیوں جائیں۔

جسٹس افضل لُلہ...... قومی اسمبلی کے ارکان نے آرٹیکل 48(2) کو آرٹیکل 58(2)بی سے الگ کر دیا اگر ہم اس کو الگ سمجھ لیں تو 58(2)بی کے تحت صدارتی اقدام کی پڑتال ہو سکتی ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... آرٹیکل 48(1) کے تحت صدر وزیراعظم کے مشورے سے اسمبلی توڑ سکتا ہے لیکن (48)(2) میں اسے اختیار دیدیا گیا ہے کہ وہ وزیراعظم کے مشورے کا پابند نہیں ہے۔ صدر کو وزیراعظم کے خلاف کارروائی کرتے وقت وزیراعظم سے مشورے کی ضرورت نہیں۔ مگر صدر کو مملکت کے مفاد میں صحیح فیصلہ کرتا ہے۔

جسٹس حلیم...... برطانوی ملکہ بھارتی صدر کے اختیارات کا ذکر ہوا۔ وہاں کے اختیارات شیئر ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک کے صدر کو کیوں اتنے اختیارات کا حامل بنا دیا گیا؟

جسٹس اسلم ریاض حسین...... آٹھویں ترمیمی بل کی منظوری کے دوران طویل بحث ہوتی تو رہی مگر کسی نے عدلیہ کی آزادی کا خیال پوری طرح کیوں نہ کیا۔ ارکان اسمبلی کو اس وقت خیال کیوں نہ آیا کہ کسی مرحلے پر ان کو عدلیہ کی ضرورت پڑے گی اب سیاستدانوں نے بہت بڑا سبق سیکھ لیا ہے۔

جسٹس افضل لُلہ...... سابق قومی اسمبلی کے سپیکر حامد ناصر چٹھہ اور سابق پنجاب اسمبلی کے سپیکر منظور وٹو پیش کیے جائیں۔

راجا اکرام ایڈووکیٹ...... جناب وہ چائے کے وقفے کے بعد حاضر ہو جائیں گے۔ (مگر چائے کے وقفے کے بعد ان کی طلبی نہیں ہوئی)

جسٹس حلیم...... عزیز منشی دلائل جاری رکھیں۔

عزیز منشی...... آئین کے آرٹیکل 48(2) اور 58(2)بی اکٹھے پڑھے جائیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ صدر نے آئین کے مطابق صوابدید استعمال کرتے ہوئے اسمبلیاں توڑی ہیں۔

جسٹس شفیع الرحمن...... اسمبلی کی بحث میں وزیر قانون کے بیان کا ذکر ہوا ہے۔ اس کی نقول کہاں ہیں؟ (راجا اکرام نے 11 نقول حاجی سیف اللہ سے لے کر فل بینچ کے ارکان کو پیش کیں اور عزیز منشی نے اسمبلی میں وزیر عدل کی آٹھویں ترمیمی بل والی تقریر پڑھ کر سنائی۔)

جسٹس نسیم حسن شاہ...... (تقریر کا متن سننے کے بعد) یہ تقریر آپ کے کیس میں آپ کی مدد نہیں کر سکتی۔

جسٹس اسلم ریاض حسین...... آپ نے کہا کہ صدر کو یکطرفہ آمرانہ اختیارات نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ صدر کو چیک کرنا تھا۔

جسٹس جاوید اقبال...... آٹھویں ترمیمی بل کے موقع پر وزیراعظم کی ایوان میں کی گئی تقریر پڑھ کر سنائی جائے۔

جسٹس افضل لُلہ...... وزیراعظم نے تقریر میں صاف کہا ہے کہ آرٹیکل 48(2) کا اطلاق آرٹیکل 58(2)بی سے اڑا دیا گیا ہے جس کی تجویز آزاد پارلیمانی گروپ نے دی تھی۔

عزیزاے منشی...... جناب یہ صرف وزیراعظم کا بیان ہے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس افضل ظلہ...... آپ کا کہنا ہے کہ اسمبلی میں وزیراعظم کا بیان نہ ہو۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... آپ اسمبلی ممبروں کو مطمئن کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ کسی اتھارٹی کو کلی اختیارات نہیں دیے اور دوسری طرف اتھارٹی کو کہتے ہیں کہ کلی اختیارات دیدیئے گئے ہیں۔

جسٹس قادر...... آپ دونوں فریقوں کو دھوکہ دیتے رہے۔

عزیزاے منشی...... دونوں فریقوں کے درمیان پل بنایا گیا تھا۔

جسٹس شفیع الرحمن...... آرٹیکل 58(2)بی میں دی گئی صدارتی صوابدید کے ساتھ جس طرح شرائط درج ہیں کیا آپ ایسا کوئی اور آرٹیکل بتا سکتے ہیں جس میں صدارتی صوابدید کو مشروط کیا گیا ہو۔

عزیزاے منشی...... آئین کا آرٹیکل 91(2)ہی لے لیں جس میں کہا گیا ہے کہ صدر ہی اسمبلی کے کسی ایسے رکن کو وزیراعظم نامزد کرے گا جو ان کے خیال میں ایوان سے اعتماد کا ووٹ لے سکتا ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... یہ تو دراصل توقعات وابستہ کی گئی ہیں کہ وہ متوقع طور پر ایوان کی اکثریت کی حمایت حاصل کرلے گا۔

جسٹس حلیم...... آئین کے آرٹیکل نمبر 58(2)بی کے شروع میں "کے باوجود" کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا؟

جسٹس نسیم حسن شاہ...... آپ کہتے ہیں کہ آرٹیکل 48(2)عدالت کو صدارتی حکم مجریہ 29 مئی زیر بحث لانے سے روکتا ہے۔ حالانکہ آرٹیکل 58(2)بی کہتا ہے کہ آئین کے آرٹیکل 48(2) کو بھول جاؤ۔

جسٹس قادر...... منشی صاحب! آپ کی بدقسمتی کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا ہم نے آپ کو سمجھ لیا ہے۔

جسٹس حلیم...... ڈسکریشن (صوابدید) معقول ہوتی ہے ہر ڈسکریشن قابل چیلنج ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... ڈسکریشن معقول ہونی چاہیے آئین کے آرٹیکل نمبر 230 میں ہے کہ صدر اپنی صوابدید کے مطابق ایک چیف الیکشن کمشنر مقرر کرے گا مگر ساتھ شرط ہے کہ چیف الیکشن کمشنر کوئی شخص اس وقت تک مقرر نہیں ہوسکتا جب تک وہ سپریم کورٹ کا جج نہ ہو۔

جسٹس حلیم...... اگر ڈسکریشن معقول نہ ہو تو صدر انسپکٹر جنرل پولیس کو چیف الیکشن کمشنر بناڈالے۔

جسٹس شفیع الرحمن...... بدترین باتوں کا قانونی سوالات کے ذریعے جائزہ لیا جارہا ہے۔ صوابدید والے احکامات ہرجگہ چیلنج ہوگئے ہیں۔

جسٹس حلیم...... ہم ہر قسم کی لاقانونیت کا نوٹس لیں گے چاہے مقننہ میں ہو یا انتظامیہ میں یا کہیں اور، ہماری عدلیہ کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ توازن کی کوشش کرے۔ اس کے لیے ہم شخصیتوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔

جسٹس نسیم حسن...... عزیز منشی صاحب! آپ کے خیال میں کیا صدر نے صحیح صوابدید استعمال کی ہے؟

عزیز منشی...... صدر نے صحیح حکم دیا تھا۔

جسٹس حلیم...... کیا اس وقت وفاقی حکومت اس قابل نہیں تھی کہ آئین کے تحت فرائض سرانجام دے سکتی اب یہ ثابت کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔

جسٹس افضل ظلہ...... 29 مئی کا صدارتی حکم اہم دستاویز ہی نہیں یہ دستاویز قانون بھی ہے۔ کیا کوئی فائل موجود ہے جس پر پہلے فیصلہ کیا گیا ہو اور پھر اسمبلیاں توڑنے کا نوٹیفکیشن جاری کیا گیا ہو۔ اس بارے میں کیا طریقہ اختیار کیا گیا اگر صحیح طریقہ نہیں اپنایا گیا تو پھر اسے دوسری طرح لیں گے۔ کیا کوئی فائل موجود ہے جس میں درج ہو کہ فلاں فلاں تاریخ کو وفاقی حکومت نے یہ غیرآئینی کام کئے۔ کیا صدارتی ڈائری ایسی موجود ہے آپ صدارتی حکم کے حق میں ایک دو واقعات کا زبانی ذکر تو کرسکتے ہیں مگر کاغذ پر کوئی چیز موجود ہے اسے ڈھونڈ نکالیے اور ہمارے روبرو پیش

Scanned with CamScanner

کیجئے۔
عزیز اے منشی......صدارتی آرڈر جس پر صدر کے دستخط تھے اخبارات میں شائع ہوا ہے۔
جسٹس افضل ظلہ......فیصلہ صدر نے خود کیا۔ آپ اس کی فائل لاکر دکھائیں۔
عزیز اے منشی......ہم نے سارا مواد بائینڈ میں دے رکھا ہے۔ اس کی نقول آپ کے سامنے موجود ہیں۔
جسٹس افضل ظلہ...... 29 مئی کے آرڈر سے قبل صدر نے کسی فائل پر اس سلسلے میں دستخط کیے؟
عزیز اے منشی......صدر نے اس کے بعد اپنی تقریر میں اسمبلیاں توڑنے کے اسباب بتا دیئے تھے۔ انہوں نے بعض ارکان پارلیمنٹ کو پلاٹ لائسنس پرمٹ دیئے جانے ترقیاتی فنڈز کے کروڑوں روپے کی خورد برد رشوت خوری، اقربا پروری کے ذکر کے ساتھ کہا تھا کہ 3 سال میں کراچی میں اتنا خون خرابہ ہوا کہ قیام پاکستان کے بعد کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔
جسٹس افضل ظلہ......ہم وہ فائل دیکھنا چاہتے ہیں جس پر صدر نے وزیر اعظم سے کہا ہو کہ وہ یہ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ صورتحال خراب تر ہو رہی ہے۔
عزیز اے منشی...... جو دستاویز تھیں وہ ریکارڈ پر ہیں۔ سات اپریل 1988ء کو پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں صدر نے وفاقی حکومت کی خامیوں کی نشاندہی کر دی تھی۔
جسٹس افضل ظلہ......کالعدم قومی اسمبلی طویل جدوجہد کے بعد بنی مگر صدر نے بیک جنبش قلم اسے توڑ ڈالا اور اب اس کا ریکارڈ تک موجود ہے۔ ہمیں بتانا ضروری ہے کہ کن خراب حالات کے تسلسل کی وجہ سے صدر نے ایسا کیا ان کے دفتر یا سیکرٹریٹ سے فائل یا مواد تلاش کرا کر پیش کیا جائے۔
عزیز اے منشی......آئین کے آرٹیکل 51(3) کے مطابق قومی اسمبلی کی 207 نشستوں کے لیے حلقہ بندیاں تازہ ترین مردم شماری کے مطابق ہونگی۔
جسٹس شفیع الرحمن......وہ حلقہ بندیاں کیوں تیار نہیں ہوئیں۔ یہ الیکشن کمیشن کی ڈیوٹی ہے۔ اس کام کے لیے اسے کسی کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔
عزیز اے منشی...... دسمبر 1987ء میں الیکشن کمیشن نے حکومت کو نئی حلقہ بندیاں کرنے کو کہا جس کے بعد اس نے اس وقت کی حکومت کو 7 بار یاد دہانی کے خط لکھے مگر الیکشن کمیشن کو حلقہ بندیاں کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔
جسٹس افضل ظلہ......اٹارنی جنرل یقین دلائے کہ 16 نومبر 1988ء کو جو عام انتخابات کروانے کے احکامات دیئے گئے ہیں وہ تبدیل تو نہیں ہونگے اگر تبدیل کرنے ہیں تو ان کی وجوہات پوچھ کر بتائیں۔
جسٹس نسیم حسن شاہ......نگران حکومت کے بارے میں اپنے موکلوں سے پوچھ کر ہمیں بتائیں جو کل تک بنتے جا رہی ہے اس بارے میں پوزیشن واضح ہونی چاہئے۔
جسٹس قادر......آرٹیکل 58(2) بی کے تحت صدارتی حکم اگر آئین کے مطابق نہیں تو نگران حکومت نہیں رہ سکتی۔ بشرطیکہ عدالت عظمیٰ ہائیکورٹ کے پہلے اور دوسرے حصے کو کنفرم کر دے اس میں قانونی سقم ہے۔
جسٹس اسلم ریاض حسین...... 29 مئی کو اسمبلیاں توڑنے کا حکم اگر جائز ہو تو صدر نگران حکومت بنا سکتا ہے۔ ورنہ اسے عبوری حکومت بنانی چاہئے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس قادر...... سابقہ حکومت بحال کر دی جائے بمعہ سابق وزیر اعظم کے۔

جسٹس افضل ظلہ...... اگر حکم غیر قانونی ہے تو نگران حکومت نہیں بن سکتی۔ عدالت ایسی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی کہ ملک کی صورتحال خراب ہو۔

جسٹس قادر...... اگر صدارتی اقدام آئین کے مطابق نہیں تو اس کے نتائج نکلیں گے۔ اسمبلیاں بحال ہو جائیں گی۔ وزیر اعظم اور وزراء وہی آئینگے اور اگر آئین تبدیل کر دیں گے ایسی صورتحال پیدا ہو گئی تو ملک میں حالات سنگین ہو جائینگے جو اصل مسئلے کو حل نہیں کرینگے۔

عزیز اے منشی...... ایسی صورتحال ہوئی تو پھر 16 نومبر کے عام انتخابات بھی نہیں ہونگے۔

جسٹس افضل ظلہ...... عدالت عالیہ کے حکم کو بادی النظر میں ہم نے کالعدم کر دیا ہے عبوری حکم امتناعی جاری کیا ہے اگر فریق مخالف (جونیجو کے حامی) کسی قانون دان کے مشورے سے یہ ثابت کر دیں کہ حکم غلط دیا گیا تو ملک سنگین صورتحال سے دوچار ہو جائے گا اس لیے آپ اپنے موکلوں سے تجاویز لے کر ہمیں پیش کریں تاکہ ملک سنگین صورتحال سے بچ جائے۔

عزیز اے منشی...... یہ سنجیدہ مسئلہ ہے مجھے ارباب بست و کشاد سے مشورہ کرنے کا موقع دیں۔

افضل ظلہ...... آپ اس بارے میں ہدایت لے کر آئیں ہم آپ کو کمپیوٹر نہیں سمجھتے نہ یہ توقع رکھتے ہیں۔ آپ کمپیوٹر کی طرح ہدایت لے کر محفوظ رکھیں آپ مناسب طریقے سے مناسب حکام سے ہدایت لیں۔

جسٹس اسلم ریاض حسین...... اٹارنی جنرل اور فریق مخالف پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بحران صحیح طور پر حل کرنے میں عدالت سے تعاون کریں۔

جسٹس افضل ظلہ...... دونوں فریق تخیلاتی فتوحات کو ختم کریں یہ نہ سوچیں کیس کون جیتا کون ہارا۔

جسٹس قادر...... ہمیں مستقبل کے لیے قانون بنانا ہے یہ اپنے لحاظ سے منفرد صورتحال ہے۔

جسٹس افضل ظلہ...... ہم ملکی صورتحال اور آئینی تقاضے کے مطابق توازن رکھیں گے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... کوئی بھی حالات خراب کرے یہ متمنی نہیں

جسٹس اسلم ریاض حسین...... دوسرے فریق کو بھی بیلنس کرنا ہوگا۔ ہماری خواہش ہے کہ سب کو قومی مفاد سامنے رکھنا ہوگا۔

جسٹس افضل ظلہ...... فرض کرو دوسرا فریق کہتا ہے کہ عدالت عالیہ کے فیصلے کے بعد قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلیاں وزارتیں بحال ہو گئی ہیں ہم تو تیسرے فریق کے طور پر درمیان میں آ گئے ہیں تاکہ بیلنس ہو مصالحت ہو۔

جسٹس نسیم حسن شاہ..... انتخابات کے ذریعے نمائندے چننے کا اعلان ہو چکا ہے ہر آدمی حتیٰ کہ سابق وزیر اعظم تک نے کہا ہے کہ میں عدالت کے بجائے عوام کا فیصلہ چاہوں گا۔ اب ہمیں قانونی سوال کو حل کرنا ہے۔ لاقانونیت کا توڑ کرنا ہے۔

جسٹس محمد حلیم...... آئین کا آرٹیکل 58(2) بی اگر برقرار رہا تو کل کو پھر غلط استعمال ہو سکتا ہے۔ اس کا تدارک کرنا ہے۔ اب وفاقی بجٹ کا آئینی سوال اٹھے گا۔

جسٹس افضل ظلہ...... منشی صاحب! ہم دوسرے دانشوروں، قانون دانوں، دوسرے فریق اور ان کے وکلاء کی مدد سے ملک کے سنگین حالات کو بہتر بنانا چاہتے ہیں تاکہ قومی مفاہمت کو اگر قومی اتفاق رائے کسی بات پر ہو تو سپریم کورٹ اس میں شامل کیوں نہ ہو۔ منشی صاحب! آپ کے پاس (انتہائی مشکل کام) ہے۔ آپ مستقبل کے لائحہ عمل کے متعلق گائیڈ لائن منگل کو لے کر آئیں۔

جسٹس اسلم ریاض حسین...... یہ کیس موجودہ صدی کا ایک تاریخی واقعہ ہے جس میں ہم سب کا رول یادگار رہے گا۔

Scanned with CamScanner

سپریم کورٹ کے اجلاس کی خاص خاص باتیں

o...... اسمبلیاں توڑے جانے کے بارے میں ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں حکومت کی اپیل کی سماعت کے موقع پر پاکستان مسلم لیگ کے کارکنوں کے زبردست رش کی وجہ سے کمرۂ عدالت کا دروازہ ٹوٹ گیا۔

o...... مسلم لیگ کے رہنما راجہ مجید عباسی اور ٹھیکیدار عبدالرحمن لیگی کارکنوں کے جلوس لے کر سپریم کورٹ پہنچے۔ مسلم لیگی کارکنوں نے باقاعدہ بیج لگائے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے صدر محمد خان جونیجو کا سپریم کورٹ پہنچنے پر والہانہ استقبال کیا۔

o...... مسلم لیگ کے صدر محمد خان جونیجو 10 بجے کے قریب سپریم کورٹ پہنچے اور چائے کے وقفے کے دوران واپس چلے گئے۔ اس دوران انہوں نے ارباب جہانگیر، گوہر ایوب، حاجی حنیف طیب اور ٹھیکیدار عبدالرحمن سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ اللہ جو کرے گا بہتر کرے گا۔

o...... سپریم کورٹ میں سابق ارکان اسمبلی کی بڑی تعداد موجود تھی۔ رانا نعیم محمود نے دوستوں سے گپ شپ کرتے ہوئے کہا کہ اگر عدالت عظمیٰ اسمبلی بحال کر دیتی ہے تو یہی قومی اسمبلی کا اجلاس ہو سکتا ہے۔ کورم پورا ہو جائے گا صرف سپیکر کو بلانا پڑے گا۔

o...... سماعت کے موقع پر تیز بارش ہو رہی تھی۔ نثار محمد خان نے کہا کہ یہ رحمت کی بارش ہے۔ ہمارا مسئلہ سپریم کورٹ میں آیا ہے اور رحمتیں شروع ہو گئی ہیں۔

o...... حاجی سیف اللہ عدالت کی کارروائی کے دوران قرآنی آیات کا ورد کرتے رہے۔

o...... وقفے کے بعد جب عدالت کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی تو حبیب وہاب الخیری ایڈووکیٹ نے اسمبلیاں توڑنے کے بارے میں اپنی اپیل پیش کرنا چاہی لیکن فاضل عدالت نے اس کی اجازت نہیں دی۔

o...... کمرۂ عدالت میں زبردست رش کی وجہ سے بعض وکیل اور سابق ارکان اسمبلی ہال میں داخل نہیں ہو سکے۔ ایک سابق رکن اسمبلی نے کہا کہ ہمیں آج اندازہ ہوا کہ اسلام آباد میں سپریم کورٹ بلڈنگ کی جلد تعمیر کا مطالبہ کتنا ضروری ہے۔

o...... ایک موقع پر اٹارنی جنرل نے کہا کہ صدر پاکستان نے اپنی تقریر میں اسمبلیاں توڑنے کی وجوہات بیان کر دی تھیں جس پر مسٹر جسٹس محمد افضل ظلہ نے کہا کہ صدر جب قوم سے خطاب کرتے ہیں تو اپنے ذہن اور ذاتی رائے کے مطابق بات کرتے ہیں لیکن جب یہ معاملہ کورٹ میں آئے گا تو عدالت معاملے کی چھان بین رپورٹ سے کرتی ہے۔ کیا آپ کے پاس ایسا ریکارڈ میٹریل موجود ہے جس کارروائی سے اسمبلیاں توڑی گئی تھیں یقیناً آپ کے پاس کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔

o...... ایک موقع پر اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی نے آئین کے آرٹیکل 48(2) کا پھر حوالہ دینا چاہا تو مسٹر جسٹس جاوید اقبال نے کہا کہ آپ کے ترکش میں اس تیر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جس پر اٹارنی جنرل نے کہا کہ نہیں جناب ابھی اور دلائل ہیں۔

o...... مسٹر جسٹس نسیم حسن شاہ نے ایک موقع پر کہا کہ صدر کو جس طرح اسمبلی توڑنے کا اختیار ہے اسی طرح اپنی مرضی سے الیکشن کمشنر استعمال کرتے ہوئے ان تقرریوں کے لیے طے شدہ شرائط کو نہیں دیکھیں گے جب وہ ان شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا اختیار استعمال کریں گے تو ان کے اختیار کو کوئی نہیں چھیڑے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

قومی اسمبلی کے انتخابات 16 نومبر اور صوبائی اسمبلیوں کے 19 نومبر کو ہونگے، اٹارنی جنرل

صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات 19 نومبر 1988ء کو ہوں گے جبکہ قومی اسمبلی کے انتخابات پہلے سے اعلان شدہ تاریخ 16 نومبر 1988ء کو منعقد ہونگے یہ بات حکومت پاکستان کے اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی نے منگل کے روز عدالت عظمیٰ کے فل بنچ کے روبرو کہی۔ فاضل عدالت نے گزشتہ روز فاضل اٹارنی جنرل سے کہا تھا کہ وہ عام انتخابات کے انعقاد یا اس میں ممکنہ تاخیر کے بارے میں اپنے موکلان (حکومت پاکستان) سے پوچھ کر بتائیں۔ فل بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس محمد حلیم کی سربراہی میں مسٹر جسٹس اسلم ریاض حسین، مسٹر جسٹس افضل ظلہ، مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ، مسٹر جسٹس عبدالقادر شیخ، مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن، مسٹر جسٹس غلام مجدد مرزا، مسٹر جسٹس سعد سعود جان، مسٹر جسٹس ایس عثمان شاہ، مسٹر جسٹس علی حسین قزلباش اور مسٹر جسٹس نعیم الدین پر مشتمل ہے۔ اپیل کی سماعت کے تیسرے روز سپیکر قومی اسمبلی چوہدری حامد ناصر چٹھہ عدالت کے طلب کرنے پر چائے کے وقفے کے بعد آئے اور سماعت بدھ کی صبح تک ملتوی ہونے تک عدالت میں رہے۔ فاضل اٹارنی جنرل نے لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کے خلاف حکومت کی اپیل پر دلائل تیسرے روز بھی جاری رکھے انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ صدر مملکت نے 29 مئی 1988ء کو جو حکم جاری کیا وہ آئین میں دی گئی صوابدید مرضی اور رائے کے مطابق تھا اور سیاسی نوعیت کا فیصلہ تھا۔ ایسے فیصلے کورٹ کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے۔ اس سلسلے میں اٹارنی جنرل نے مختلف عدالتوں کے فیصلوں کے حوالے دیئے۔ سپریم کورٹ آف انڈیا (راجستھان) کے 1977ء میں دیئے گئے فیصلے کو تفصیل سے پڑھ کر سنایا۔ علاوہ ازیں اٹارنی جنرل نے کہا کہ بھارتی آئین کی دفعات جن کی بنیاد پر یہ فیصلہ دیا گیا تھا ان میں بعینہٖ یہی الفاظ تھے۔ جو کہ ہمارے آئین کے آرٹیکل 58 (2) بی ہے۔ سپریم کورٹ آف انڈیا نے اپنے فیصلے میں گورنر کی طرف سے اسمبلی توڑے جانے کی صوابدید کے استعمال کو درست تسلیم کیا اور اس میں دخل اندازی نہیں کی۔ کمرہ عدالت میں سابق حکومت کے سینئر وزیر اور پاکستان مسلم لیگ (جونیجو گروپ) کے سیکرٹری جنرل مسٹر اقبال احمد خان کو موجود دیکھ کر عدالت نے استفسار کیا کہ آیا ان کی حکومت کے دور میں بھی اسمبلیاں توڑنے کا سوچا گیا تھا جناب اقبال احمد خان نے کہا کہ یہ درست ہے کہ جونیجو دور میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ اسمبلیاں توڑ دی جائیں اور مڈٹرم الیکشن کرا دیئے جائیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ صدر کی طرف سے الیکشن کی تاریخ دیئے جانے میں تاخیر کی ذمہ داری جونیجو حکومت پر عائد ہوتی ہے جس نے آئین کے مطابق قومی اسمبلی کی نشستوں کی ترتیب و تخصیص کا قانون نہیں بنایا اور نہ الیکشن کمیشن اور پاکستان کی بار بار کی یاددہانیوں کے باوجود انتخابی حلقہ بندیوں کا حکم دیا۔ عزیز اے منشی نے کہا کہ الیکشن کمیشن نے دسمبر 1988ء میں جونیجو حکومت کو لکھا کہ عام انتخابات کے انعقاد کے لیے حلقہ بندیوں کے احکامات صادر کیے جائیں۔ اس پر جواب نہ آیا تو 7 بار یاددہانیاں تحریری طور پر کرائی گئیں۔ اگر اس وقت کی حکومت مطلوبہ قانون بنا دیتی یا انتخابی حلقہ بندیاں کرنے کا حکم دے دیتی تو مختصر ترین نوٹس پر الیکشن کرا دیئے جاتے۔ 29 مئی 1988ء کو اسمبلیاں توڑے جانے کے فوراً بعد صدر نے عام انتخابات کے انعقاد کی تیاریاں کرنے کا حکم دیدیا۔ 20 جولائی کو صدر نے الیکشن کی تاریخ 16 نومبر 1988ء مقرر کر کے انتخابی حلقہ بندیوں سے متعلق مطلوبہ قانون اور آرڈیننس کی شکل میں جاری کر دیا۔ عدالت کے ایک سوال کے جواب میں اٹارنی جنرل نے کہا کہ انتخاب کے انعقاد کا فیصلہ آئین کی تمام شقوں کو دیکھ کر کرنا ہوتا ہے۔ ان شقوں میں آرٹیکل 48(5)، آرٹیکل 224 اور 254، آرٹیکل 51(3) شامل ہیں۔ عدالت نے اٹارنی جنرل سے سوال کیا کہ آئین کے آرٹیکل 46 کے تحت کیا سابقہ وزیراعظم کابینہ کے تمام فیصلے مشورے کے لیے صدر کو بھجواتے رہے یا کوئی ایسا موقع بھی پیدا ہوا کہ صدر نے آرٹیکل نمبر 46 کے تحت وزیراعظم کا کوئی مشورہ دوبارہ غور کے لیے واپس بھجوایا ہو۔ اس کے جواب میں اٹارنی جنرل نے کہا کہ فاضل عدالت 31 مئی 1988ء کی صدارتی تقریر جو ریکارڈ میں شامل ہے کا مطالعہ کر سکتی

Scanned with CamScanner

ہے جس میں کہا گیا ہے کہ صدر بار بار وزیر اعظم سے شکایت کرتے رہے۔ ان کی توجہ مختلف امور کی طرف مبذول کرواتے رہے جن پر عمل درآمد نہ ہوا۔ فاضل عدالت نے سپیکر اسمبلی مسٹر حامد ناصر چٹھہ سے سوال کیا کہ انہوں نے لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کے بعد قومی اسمبلی کا اجلاس کیوں بلایا جبکہ ہائیکورٹ نے اسمبلیاں بحال کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سپیکر نے کہا کہ انہوں نے اپنے قانونی ماہرین کے مشورے سے ایسا کیا تھا مشورہ یہ تھا کہ ہائیکورٹ کے ابتدائی فیصلے کی روشنی میں وہ قومی اسمبلی کا اجلاس بلا سکتے ہیں۔ چونکہ وہ خود قانونی ماہر نہیں صرف سیاستدان ہیں۔ اس پر فاضل عدالت نے پوچھا کہ آپ نے عدالت عالیہ کا سارا حکم پڑھا ہے یا کہ نہیں۔ چوہدری حامد ناصر چٹھہ نے کہا کہ انہوں نے حکم تو پڑھا تھا مگر اقدام اپنے قانونی ماہرین کے مشورے پر اٹھایا۔ سپیکر نے کہا کہ جمعرات کی شام سابق قومی اسمبلی کے ارکان کی طرف سے ان پر یہ دباؤ تھا کہ جمعے کی صبح یا ہفتے کو اجلاس طلب کریں۔ مگر انہوں نے اتوار کو اجلاس طلب کیا تا کہ عدالت کو کچھ وضاحت کرنا چاہے تو کر دے منگل کو ٹھیک ساڑھے نو بجے چیف جسٹس آف پاکستان کی قیادت میں فل بینچ کے ارکان کمرۂ عدالت میں آئے تو جملہ افراد احتراماً کھڑے ہو گئے۔ جناب عزیز اے منشی کی معاونت کے لیے ڈپٹی اٹارنی جنرل ملک محمد قیوم، پنجاب کے ایڈووکیٹ محمد خلیل رمدے، ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل پنجاب تنویر احمد سرحد کے ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل میاں اجمل، اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل محمد نواز عباسی کی جانب سے راجہ اکرم شوکت علی، افضل حیدر اور دیگر وکلاء موجود تھے۔ سپریم کورٹ کے فل بینچ کے ارکان وکلاء سے سوالات دریافت کرتے رہے۔ الیکشن کمیشن کے ایڈیشنل سیکرٹری مسٹر ہمایوں بھی سوالوں کا جواب دینے کے لیے ہمہ وقت تیار بیٹھے رہے مگر ان سے کوئی سوال نہیں کیا گیا۔ کمرۂ عدالت میں اپنی نشست سنبھالتے ہی کوئی وقت ضائع کئے بغیر چیف جسٹس مسٹر جسٹس محمد حلیم نے کہا کہ اٹارنی جنرل صاحب کیا دوسرے تمام مدعا علیہان موجود ہیں۔

عزیز اے منشی...... ماسوائے وزیر خارجہ کے باقی تمام مدعا علیہان حاضر ہیں۔

چیف جسٹس محمد حلیم...... مسٹر اٹارنی جنرل! اپنے دلائل جاری رکھیں۔

عزیز اے منشی...... 1981ء کی مردم شماری کے بعد اسمبلی کی نشستوں کی تخصیص اور انتخابی حلقہ بندیاں دو الگ الگ چیزیں تھیں۔

چیف جسٹس...... یہ تو الیکشن کمیشن آف پاکستان نے کرنا ہوتی ہے۔

عزیز اے منشی...... آئین کے آرٹیکل 222 کے مطابق قومی اسمبلی کی نشستوں کی تخصیص و تقسیم وفاقی حکومت کو کرنا ہوتی ہے۔ الیکشن کمیشن کو تو برسر اقتدار حکومت کے حکم کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے۔ فاضل عدالت میں پھر کو الیکشن کمیشن آف پاکستان کا رول زیر بحث آیا تھا۔ (اس موقع پر حکومت پاکستان کی سٹینڈنگ کونسل کے شیخ مقبول احمد نے الیکشن کمیشن آف پاکستان کا تحریری بیان اٹارنی جنرل آف پاکستان کو دیا جسے اٹارنی جنرل نے پڑھنا شروع کیا)

عزیز اے منشی...... مائی لارڈ (1) انتخابی حلقہ بندیوں کے عمل کے دو فیچر ہوتے ہیں۔ نمبر 1 نشستوں کا مخصوص کیا جانا نمبر 2 نشستوں کی اس تشخیص کی بنیاد پر انتخابی حلقہ بندیوں کا تعین...... جہاں تک نشستیں مخصوص کرنے کا سوال ہے اس کا پورا اختیار حکومت کو ہوتا ہے جہاں تک انتخابی حلقوں کی حدود کے تعین کا تعلق ہے یہ صرف اور صرف الیکشن کمیشن کی ذمہ داری ہے۔

(نمبر 2) قومی اسمبلی میں نشستوں کی مجموعی تعداد آئین کے آرٹیکل 51 کی ذیلی شق نمبر 1 شق نمبر 2 (اے) کے مطابق مقرر کی گئی ہیں۔ اس آرٹیکل کی شق نمبر 3 کا تقاضا ہے کہ ہر صوبے فاٹا اور وفاقی دار الحکومت کو نشستیں آبادی کے تناسب سے الاٹ کی جائیں۔ اس مقصد کے لیے تازہ ترین مردم شماری کے اعداد سامنے رکھے جائیں۔ آئین کا آرٹیکل نمبر 222 مزید کہتا ہے کہ

"آئین کے تحت مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) قانون کے تحت

Scanned with CamScanner

(ا) آرٹیکل نمبر 51 کی شق نمبر 3 اور شق 4 کا تقاضا پورا کرتے ہوئے قومی اسمبلی کی نشستوں کو مخصوص کرے۔
(ب) الیکشن کمیشن سے انتخابی حلقوں کی حدود متعین کرائے۔
(3) مذکورہ آئینی دفعہ کے تحت پارلیمنٹ نے انتخابی حلقہ بندیوں کا ایکٹ 1974ء میں پاس کیا اس کی دفعہ نمبر 3 میں کہا گیا ہے کہ الیکشن کمیشن آئین کی دفعات کے مطابق قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی حلقہ بندیاں کرے گا۔ ایکٹ کی دفعہ نمبر 7 کے مطابق آبادی کی بنیاد پر صوبوں کی قومی اسمبلی کی نشستیں مختص ہوں گی۔ اس دفعہ کے تحت مخصوص نشستوں میں تبدیلی یا تو پارلیمنٹ کر سکے گی اور اگر پارلیمنٹ کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو پھر ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے ایسا ہو سکے گا۔
(4) الیکشن کمیشن قانون ساز ادارہ نہیں اس لیے وہ نشستوں کو مخصوص کرنے یا مخصوص نشستوں میں تبدیلی کرنے یا کسی اور مقصد سے قانون میں ترمیم کا مجاز نہیں۔
قانون کے تحت نشستوں کو جس طرح مخصوص کیا جائے گا صرف اور صرف انہی کی بنیاد پر الیکشن کمیشن حلقہ بندیاں کر سکے گا۔
(5) نئی حلقہ بندیوں کے متعلق صورتحال معمولی سی بات سے واضح ہو سکتی ہے۔ آٹھ اکتوبر 1987ء کو ووٹروں کی نئی فہرستیں شائع کرنے کے فوراً بعد الیکشن کمیشن نے 1990ء میں ہونے والے تمام انتخابات کے لیے حلقہ بندیوں کا کام شروع کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حلقہ بندیوں کے لیے ابتدائی کام الیکشن کمیشن نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔
کمیشن نے تاہم نوٹ کیا کہ انتخابی حلقہ بندیوں کے ایکٹ 1974ء کی شقیں آئین سے متصادم ہیں کیونکہ مذکورہ ایکٹ میں حلقہ بندیاں 1972ء کی مردم شماری کے مطابق تھیں جبکہ آئین کے آرٹیکل 51(3) میں کہا گیا ہے کہ صوبوں فاٹا اور وفاقی دارالحکومت کے درمیان قومی اسمبلی کی نشستوں کی تقسیم تازہ ترین مردم شماری کے نتائج پر ہو گی۔ تازہ ترین مردم شماری چونکہ 1981ء میں ہوئی اس لیے 1972ء کی مردم شماری کے تحت ہونے والی انتخابی حلقہ بندیاں خود بخود کالعدم ہو چکی تھیں۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق نئی حلقہ بندیوں کے لیے الیکشن کمیشن کے پاس چونکہ کوئی قانونی بنیاد نہیں تھی اس لیے صورتحال کا جائزہ لے کر کمیشن نے دسمبر 1987ء میں اس وقت کی حکومت کو اس سقم اور عدم مطابقت سے آگاہ کیا۔
(6)..... قومی وصوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئیں اور نئے عام انتخابات کی تاریخ 16 نومبر 1988ء مقرر کر دی گئی۔ صدر نے حلقہ بندیوں کے تعین کا ترمیمی آرڈیننس 1988ء 20 جولائی 1988ء کو جاری کیا جس کے نتیجے میں الیکشن کمیشن 1981ء کی مردم شماری کے مطابق حلقہ بندیوں کا کام شروع کرنے کے قابل ہوا۔ ترمیمی آرڈیننس کی روح سے 1981ء کی مردم شماری کے مطابق ایکٹ کی دفعہ 7 کی روشنی میں قومی اسمبلی کی نشستیں صوبوں کے لیے مختص کی گئیں۔ درج ذیل نقشے سے ظاہر ہو گا کہ 1972ء میں نشستوں کی تقسیم کیا تھی اور 1981ء کی مردم شماری کے نتیجے میں کیا ہے۔
ایریا..... صوبہ سرحد میں 1972ء کی مردم شماری کے مطابق مخصوص شدہ نشستیں 26۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق مخصوص شدہ نشستیں 27، فاٹا 1972ء میں 5، 1981ء میں 8۔ وفاقی دارالحکومت 1972ء میں 1، 1981ء میں 1، پنجاب 1972ء میں 115، 1981ء میں 116، سندھ 1972ء میں 47، 1981ء میں 47، بلوچستان 1972ء میں 11، 1981ء میں 11، میزان 207، 207۔
7۔ ترمیمی آرٹیکل کے تحت کمشنر نے نئی حلقہ بندیاں کیں۔ حلقہ بندیوں کی تجاویز 16 اگست 1988ء کو شائع کر دیں جن کے بارے میں عوام سے تجاویز مانگی گئیں اگرچہ قانون کے مطابق ضروری نہیں تاہم کمشنر نے تجاویز دینے والوں کے دلائل بھی سنے۔

Scanned with CamScanner

8۔تجاویز دینے والوں کی ساعت جاری تھی کہ صدر نے فاٹا ریگولیشن 1988 ، (ریگولیشن نمبر 1 آف 1998 ،) انتخابی حلقہ بندیوں کی (دوسری ترمیم) کا آرڈیننس (VIII آف 1988 ،) دسمبر کو جاری کیا۔ اس ریگولیشن میں کہا گیا ہے کہ قومی اسمبلی کی نشستیں مخصوص کرتے وقت 1972 ، کی مردم شماری کے نتائج کو تازہ ترین مردم شماری سمجھا جائے۔

9.....فاٹا کے انتخابی حلقے جو 1988 ، کے آرڈیننس کے مطابق بنائے گئے تھے۔ کمیشن کو از سر نو ان کے تعین کی ضرورت نہیں۔

10.....قومی اسمبلی میں سرحد، پنجاب سندھ کی نشستوں کی تعداد میں کمیشن نے 1981 ، کی مردم شماری کی بنیاد پر مختلف اضلاع کی نشستوں پر نظر ثانی کی اور نظر ثانی شدہ انتخابی حلقہ بندیاں، ڈیرہ اسماعیل، ڈیرہ غازی خان، راجن پور اور تھرپارکر کے بارے میں کی

11..... 14 دسمبر 1988 ، کے بعد کمیشن نے مذکورہ چار اضلاع کے متعلق حلقہ بندیوں کی نظر ثانی شدہ ابتدائی تجاویز شائع کر دیں اور ان پر 7 یوم میں اعتراضات مانگے۔ یہ اعتراضات 27 ستمبر 1988 ، کو کمیشن نے کراچی میں سنے۔ کمیشن نے مذکورہ چار اضلاع سمیت تمام حلقہ بندیوں کے متعلق اعتراضات کے ساتھ مکمل کر لیں اور 16 نومبر 1988 ، کو عام انتخابات کے انعقاد کے لیے حلقہ بندیوں کی حتمی فہرست کیم اکتوبر 1988 ، کو شائع کر دی۔

12.....ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ الیکشن کمیشن نے حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً بننے والے قوانین کی روشنی میں اپنے فرائض منصبی سرانجام دیئے اور کمیشن نے کسی مرحلے پر بھی اسمبلی کی نشستیں اپنے طور پر مختص نہیں کیں۔

جسٹس عبدالقادر.....چیف الیکشن کمشنر کے بارے میں کل ریمارکس دیئے گئے تھے اس بیان سے حقیقت واضح ہو گئی ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ.....الیکشن کمیشن کے سربراہ جو ہمارے جج بھائی (جسٹس ایس اے نصرت) ہیں۔

(اس دوران فاضل جج صاحبان نے آپس میں مشورے شروع کر دیئے اور اٹارنی جنرل کتابوں کے پلندے سے دوسرے دلائل تلاش کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جسٹس عبدالقادر، جسٹس جاوید اقبال سے چیف جسٹس محمد حلیم مسٹر جسٹس افضل ظلہ سے اور مسٹر جسٹس اسلم ریاض حسین، مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ سے جسٹس سعد سعود جسٹس جاوید اقبال سے مشورے کرتے دیکھے گئے۔)

عزیز اے منشی.....مائی لارڈ! آئین کے آرٹیکل 48(5) 224(2) کو آرٹیکل 254 سے ملا کر پڑھا جائے۔ اسی طرح آرٹیکل 51(3) آرٹیکل 222 کے ساتھ پڑھا جائے۔ (9 بج کر 48 منٹ پر مسٹر عزیز منشی کی آواز کمرۂ عدالت میں موجود لوگوں کو سنائی دینا بند ہو گئی تو آواز آئی اٹارنی جنرل کی آواز بند کر دی گئی ہے)

جسٹس افضل ظلہ.....عزیز اے منشی کا فون بند ہوا ہے یہ کسی نے نہیں ہم نے خود بند کیا ہے۔ کیونکہ کنٹرول ہمارے پاس ہے۔ (اس دوران چیف جسٹس محمد حلیم، مسٹر جسٹس اسلم ریاض حسین کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔)

جسٹس نسیم حسن شاہ.....عزیز اے منشی صاحب! ماشاء اللہ آپ کی آواز اتنی بھاری بھرکم ہے کہ مائیکروفون کی ضرورت تک نہیں۔

جسٹس افضل ظلہ، عزیز منشی صاحب! آئین کے آرٹیکل 254 کے تحت کیا الیکشن اسمبلیاں توڑے جانے کے 90 روز بعد بھی ہو سکتے ہیں۔

جسٹس اسلم ریاض حسین.....یہ امر متنازعہ ہے کہ 90 کے دن کے اندر الیکشن ہونا تھا یا 90 دن کے اندر الیکشن کی تاریخ دینا ہوتی ہے۔

جسٹس حلیم.....اٹارنی جنرل اپنا موقف بیان کرے کہ 90 دن کے اندر کیوں عام انتخابات نہیں کرائے گئے۔

عزیز اے منشی.....آئین کے آرٹیکل 48(5) کے تحت جب صدر اسمبلی توڑتا ہے تو اسے 90 دن کے اندر الیکشن کے انعقاد کی تاریخ مقرر کرنا ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس حلیم......اس بارے میں ابہام پایا جاتا ہے۔

جسٹس افضل ظلہ......آئین کے آرٹیکل 48 کو الگ نہیں آرٹیکل 224 کے ساتھ پڑھا جائے۔کیا آرٹیکل 224 میں کوئی ابہام ہے کہ جب اسمبلیاں توڑی جائیں تو 90 دن کے اندر انتخاب مکمل ہوگا۔اس سے صدر راہ فرار اختیار نہیں کر سکتے۔ویسے آئین کے آرٹیکل 254 کے بارے میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے 16 نومبر 1988ء الیکشن ڈیٹ مقرر کی گئی۔یہ ایسے حالات تھے جو صدر کے کنٹرول میں نہیں تھے۔

عزیزاے منشی......صدر مملکت نے الیکشن کی تاریخ کا اعلان کرتے وقت سینیٹ میں جو تقریر کی اس میں ان حالات کا ذکر کیا تھا جو ان کے قابو میں نہیں تھے۔

جسٹس اسلم ریاض حسین......منشی صاحب! آپ یہ تسلیم کیوں نہیں کرتے کہ صدر کو آئین کے مطابق 90 یوم میں الیکشن کرانا ہوتے ہیں۔الیکشن کی تاریخ دینا نہیں۔

جسٹس شفیع الرحمٰن......یہ اختیاری نہیں لازمی ہے کہ 90 دن کے اندر الیکشن ہو جائیں۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......ہم یہ نہیں کہتے کہ اگر ناگزیر حالات بھی ہوں تب بھی 90 دن کے اندر الیکشن کرانا تھے۔الیکشن ڈیٹ میں توسیع ہو سکتی ہے۔

جسٹس عبدالقادر......عزیز منشی! آپ زبان سے تسلیم نہیں کر رہے مگر آپ کا دل مان رہا ہے کہ اسمبلیاں توڑے جانے کے 90 دن کے اندر الیکشن کا انعقاد ضروری ہے۔

جسٹس اسلم ریاض حسین......اگر 90 دن میں الیکشن ہونا تھے تو کیا یہ حکومت کی ذمہ داری نہیں تھی کہ وہ حلقہ بندیاں پہلے کرالیتی اور انتخابات کے التواء کے لیے یہ نہ کہتی کہ حلقہ بندیاں نہیں ہوئیں۔

عزیز منشی......صدر کی تقریر سے مجھے وہ دلائل پڑھنے دیں جو الیکشن کے انعقاد کی تاریخ کے اعلان میں تاریخ کا موجب بنی۔

جسٹس حلیم......یہ دلائل اگر 30 مئی کو صدر کی طرف سے دیے جاتے تو ٹھیک تھا۔دو ماہ بعد دلائل بے معنی لگتے ہیں۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......آرٹیکل 58(2) بی کے تحت اگر حکومت کا چلنا ممکن نہیں تھا تو صدر 28 اگست 1988ء کو الیکشن کرا دیتے۔

عزیز منشی......آرٹیکل 48(5) کے تحت اسمبلی توڑتے وقت ہی نئے انتخاب کی تاریخ دینے کی ضرورت نہیں۔

جسٹس محمد حلیم......ہم آئین کو کسی صورت میں بالائے طاق نہیں رکھ سکتے۔

جسٹس افضل ظلہ......آیئے دیکھیں، 90 دن کے اندر الیکشن منعقد کرنے کی شرط کیوں رکھی گئی۔اس وقت کے وزیر عدل کی تقریر میں ہے کہ ہم صدر کو اسمبلی توڑنے کا اختیار دیتے ہوئے اسے پابند کر رہے ہیں کہ 90 دن کے اندر الیکشن کرا دیگا اگر یہ پابندی عائد نہ کرے تو صدر کے پاس جب جملہ اختیارات ہونگے تو صدارتی طرز حکومت بن جائے گا۔پارلیمانی نظام حکومت کو بچانے کے لیے ہی آئین میں آرٹیکل 48(5) رکھی گئی ہے۔آپ ڈکشنری اور گرائمر سمجھ سکتے ہیں۔Where or When (جب اور جہاں) کو (Entermix) انٹرمکس (ملایا) جا سکتا ہے۔ان دونوں الفاظ کو آئین میں ملا کر پڑھا جائے تو کیا آئین کی روح کو پورا کرنے کے لیے صدر کا اسمبلیاں توڑتے وقت ہی نئے الیکشن کی تاریخ دینا ضروری نہیں۔آئندہ جب کوئی صدر اسمبلی توڑے تو اس کے لیے لازمی ہو جائے کہ وہ اسمبلی توڑتے وقت ہی 90 دن کے اندر عام انتخابات کی تاریخ مقرر کر دے۔اب 90 دن گزر چکے ہیں۔قوم کو اینٹی کلاک وائز نہیں چلایا جا سکتا۔(گردش ایام کو پیچھے کی طرف نہیں دوڑایا جا سکتا)۔

Scanned with CamScanner

ہم یہ کہتے ہیں کہ آئندہ اگر کوئی صدر اسمبلی توڑ دے اور 90 دن کے اندر انتخابات نہ کرائے تو قومی اسمبلی کیوں نہ از خود بحال ہو جائے کیونکہ اگر یہ تحریر نہیں ہوگی تو صدر اسمبلی توڑ کر دو سال بعد بھی الیکشن کرانے کی پوزیشن میں ہوگا اگر آئندہ صدر 90 دن میں الیکشن نہیں کرائے گا تو توڑی گئی اسمبلی کا تصور کیا ہوگا۔ اسے کیوں نہ بحال کر دیا جائے۔

جسٹس افضل ظلہ...... 20 جولائی کے بعد صدر الیکشن ڈیٹ 20 اکتوبر رکھ سکتا تھا۔ میرا کہنا ہے کہ اسمبلی توڑے جانے کے نوٹیفکیشن کے اندر ہی الیکشن کی تاریخ درج ہو۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... ہائیکورٹ نے 29 مئی کے صدارتی حکم کو برا کہا ہے اور باتوں کے علاوہ برا اس لیے کہا ہے کہ اس میں نئے الیکشن کی تاریخ نہیں دی گئی، نگراں حکومت تشکیل نہیں دی گئی جو اس وقت ضروری تھی۔

عزیزاے منشی...... صدر نے اپنی تقریر میں کہا تھا۔

جسٹس حلیم...... آپ صدر کی 20 جولائی کی تقریر پوری نہ پڑھیں صرف الیکشن میں تاخیر کے دلائل دیں۔

عزیزاے منشی...... صدر کے مطابق اگست میں الیکشن ممکن نہیں کیونکہ اس میں عاشورہ محرم ہوگا۔ اس کے بعد اگست ستمبر ہمارے ملک میں بارش سیلاب کا موسم ہوگا۔

جسٹس افضل ظلہ...... پہلی وجہ عاشورہ محرم، دوسری وجہ موسم، تیسری وجہ حجاج کرام اور چوتھی وجہ حلقہ بندیاں۔

جسٹس عبدالقادر...... اس طرح تو صدر کو خوشگوار موسم میں اسمبلیاں توڑنی چاہیے تھیں۔

عزیزاے منشی...... آرٹیکل 51(3) میں نئی مردم شماری کے مطابق حلقہ بندیاں ضروری ہیں۔

جسٹس افضل ظلہ...... یہ دلیل بڑی اہم ہے جس کا ہم جائزہ لیں گے۔ ویسے 20 جولائی 1988ء سے پہلے حلقہ بندیوں کا آرڈیننس جاری کر دینا چاہیے تھا۔ 20 جولائی کو جب حلقہ بندیوں کا آرڈیننس جاری کیا گیا تو 530 دن گزر چکے تھے۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ ملک میں آئینی بحران پیدا ہو سکتا ہے اور معمولی اقدامات کے ساتھ ہم ان باتوں سے بچ سکتے ہیں۔

عزیزاے منشی...... آپ جس اسمبلی کے توڑے جانے کے حکم کو زیر بحث لا رہے ہیں یہ وہی قومی اسمبلی ہے جس نے آئین کے آرٹیکل 51(3) کے تحت حلقہ بندیاں نہیں کرائیں۔

عزیزاے منشی...... یہی بات سمجھ لیں سر

جسٹس نسیم حسن شاہ...... 1944ء میں امریکہ کے صدر روزویلٹ نے چوتھی بار الیکشن کرائے تھے ایمرجنسی میں الیکشن ہو سکتے ہیں۔ جب اسمبلی توڑی تو صدر 27 اگست تک الیکشن کرا سکتے تھے۔

عزیزاے منشی...... امریکہ دوسری جنگ عظیم سے متاثر نہیں ہوا تھا۔

جسٹس افضل ظلہ...... جنگ کے دوران ایران میں کیا الیکشن نہیں ہوتے رہے۔

عزیزاے منشی...... ایران کے انتخابی قواعد کا آپ بہتر جانتے ہیں۔ میں کیا تذکرہ کروں۔ وہاں قطعی مختلف نظام ہے۔

جسٹس افضل ظلہ...... 90 دن گزر چکے ہیں۔ مرحوم صدر نے بعض وجوہات کی بنا پر الیکشن تاریخ مقرر نہیں کی۔ بادی النظر وجہ یہ ہے کہ سابقہ حکومت نے انتخابی حلقہ بندیاں نہیں کرائیں۔ سیاست دان ایسا گروپ ہے جن کے اپنے مفادات ہوتے ہیں۔ عدلیہ کا مفاد ہے کہ آئین کی پابندی کی جائے۔ اسمبلیاں ٹوٹنے پر سیاستدان اپنے مفاد میں عدالت میں نہیں آئے۔ صدر کے ماہر قانون نے مشورہ دیا کہ 90 دن میں الیکشن

Scanned with CamScanner

کی تاریخ دی جا سکتی ہے۔ 90 دن کے اندر انتخابات کرانے کے پابند ہوں گے کیونکہ آرٹیکل 224(2) میں لازم ہے مسٹر منشی آپ کے خیال میں کون سی تشریح ٹھیک ہے۔ دیانت دارانہ تشریح ہونی چاہئے۔

عزیز اے منشی...... یہ بالکل درست بات ہے۔

جسٹس افضل ظلہ...... سب کو علم ہونا چاہئے کہ آئین کی صحیح تشریح یہ ہے۔

عزیز اے منشی...... اس پر میں خاموش رہتا ہوں جو جناب کہیں۔

جسٹس افضل ظلہ...... اگر دوبارہ پاکستان کا صدر اسمبلیاں توڑے تو ہماری یہ تشریح موجود ہو کہ اس سے 90 دن سے ایک منٹ زیادہ بھی الیکشن کرانے کے لیے حاصل نہیں ہونگے۔ اس وقت آرٹیکل 254 کے بارے میں عوامی ابہام ہے۔ مستقبل میں قوم کو اس ابہام سے نکالنا ہمارا فرض ہے۔

عزیز اے منشی...... اگر قومی اسمبلی ذمہ داری اٹھائے تو ایسا ہو سکتا ہے۔

جسٹس قادر...... صدر عام انتخابات کرا دے اور توڑی گئی اسمبلی کے ارکان کا محاسبہ کرے۔

جسٹس افضل ظلہ...... محاسبہ کورٹ کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... ایسی صورت میں عدالت سے رابطہ کیا جائے۔ عدالت ایگزیکٹو کو ایکشن لینے کو کہے۔

جسٹس افضل ظلہ...... اگر براہ راست نہیں تو بالواسطہ فریق بننا چاہئے۔ میں حیران ہوں کہ اسمبلیاں توڑے جانے پر لوگوں نے عدالت سے رجوع کیوں نہیں کیا شاید خوف اتنا تھا کہ ہر شخص ڈر رہا تھا یہ بات دوسرا فریق کہتا ہے۔

عزیز اے منشی...... یہ ان کے اپنے دلائل ہیں۔

جسٹس حلیم...... آپ آرٹیکل 2۔ 2 کے متعلق کیا کہتے ہیں۔

عزیز اے منشی...... قومی اسمبلی ٹوٹے تو چار ماہ میں......

جسٹس حلیم...... راجہ اکرم ایڈووکیٹ صاحب کا اس بارے میں کیا کہنا ہے۔ آپ مخالف فریق کے وکیل ہیں۔

راجہ اکرم...... کس بارے میں جناب!

جسٹس افضل ظلہ...... کیا آرٹیکل 224(2) میں ہے کہ عام انتخابات اسمبلی ٹوٹنے کے 90 دن کے اندر منعقد ہونے چاہئیں۔

راجہ اکرم...... یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے جو اس کے برعکس چلتا ہے آئین کا قاتل ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... راجہ صاحب! آپ جذباتی نہ ہوں یہ کورٹ ہے۔

جسٹس افضل ظلہ...... کیا آپ کہتے ہیں کہ آرٹیکل 58(2) بی اور 48(5) کے تحت صدر کو الیکشن 90 دن میں کرانا چاہیے؟۔

جسٹس قادر...... اگر صدر اس وقت الیکشن کی تاریخ دیتے تو نگران حکومت کا بھی اسی دن اعلان کر دینا چاہئے تھا۔

راجہ اکرم...... ہمارے آئین کے مطابق نگران حکومت میں وزیر اعظم کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ صدر ایک دن بھی وزیر اعظم کے مشورے کے بغیر اختیارات استعمال نہیں کر سکتا۔ مرحوم صدر کے لیے آئینی طور پر لازم تھا کہ جونہی اسمبلی برطرف کی گئی تھی اس کے ساتھ ہی انتخابات کی تاریخ اور کابینہ کی تشکیل کا اعلان کرتے جس میں وزیر اعظم بھی ہوتا۔ صدر نے صرف چند وفاقی وزراء کا تقرر کیا۔ وہ بھی 9 دن بعد جبکہ وزیر اعظم کا تقرر کیا ہی نہیں گیا جو صریحاً غیر آئینی ہے۔ اس کے علاوہ صدر نے کچھ محکمے اپنے پاس رکھے جو آئین کی خلاف ورزی ہے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس نسیم حسن شاہ......اسمبلی توڑنا اور الیکشن کی تاریخ مقرر کرنا دونوں صدارتی صوابدید ہے۔ اس کے لیے صدر کو وزیر اعظم کے مشورے کی ضرورت نہیں۔

راجا اکرم......صدر اسمبلی توڑنے کے ساتھ ہی نگراں وزیر اعظم اور حکومت مقرر کرے۔ یہی پارلیمانی نظام ہے۔

جسٹس حلیم......آپ کے ہاں پارلیمانی سسٹم کیسا ہے میں جانتا ہوں۔

جسٹس افضل ظلہ......آرٹیکل 254 کے متعلق راجا اکرم کی رائے کیا ہے۔

راجا اکرم......کسی شخص کو چاہے صدر ہی کیوں نہ ہو اسے آئینی ذمہ داری تبدیل کرنے کا استحقاق نہیں ماسوائے ایمرجنسی کے۔

جسٹس افضل ظلہ......صدر جنگ کے دنوں میں ہنگامی حالت نافذ کرسکتا ہے آپ کے خیال میں آئینی ذمہ داری پوری نہ کرنے کو جائز ناجائز قرار دینے کے لیے کوئی فورم ہونا چاہیے۔

راجا اکرم......یہ فورم عدلیہ ہونی چاہیے۔

جسٹس افضل ظلہ......اگر کوئی عدالت سے رجوع نہ کرے تو قومی اسمبلی خود بخود بحال نہیں ہوسکتی۔ کوئی تو عدالت میں آئے۔

راجا اکرم......جب آئین کی کسی شق کی خلاف ورزی ہو۔

جسٹس افضل ظلہ......پہلے اسمبلیاں توڑنے کا معاملہ عدالت میں پیش نہیں کیا گیا اور دیکھنا یہ ہے کہ کیا قومی اسمبلی کے ارکان کو خود فیصلہ کرنا ہے کہ 90 دن میں چونکہ عام انتخابات نہیں ہوئے ہم بحال ہو گئے ہیں۔

جسٹس افضل ظلہ......وہ کون سا فورم ہے جس نے آرٹیکل 254 اور الیکشن کے انعقاد میں تاخیر کا فیصلہ کرنا ہے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن......کیا عدالت کی طرف سے بحالی کا حکم صادر ہوئے بغیر اسمبلی بحال ہوسکتی ہے۔

راجا اکرم......اگر بغیر جواز کے الیکشن نہ ہوں تو اسمبلی بحال ہو جائے گی۔

جسٹس محمد حلیم......اس کے متعلق آئینی شق کا حوالہ دیجیے۔

راجا اکرم......آئین کی مخصوص شق کوئی نہیں۔

علی احمد فضیل......1973ء کے اصل آئین کے آرٹیکل 48 میں ایک سو دن کا ذکر تھا۔

جسٹس افضل ظلہ......آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ جب صدر اسمبلی توڑتا ہے اسی وقت الیکشن کی تاریخ کا اعلان ہو جانا چاہیے یہی آئین کی روح ہے۔

جسٹس حلیم......آپ اسمبلی کی بحالی کے بارے میں کیا کہیں گے۔

جسٹس افضل ظلہ......فضیل صاحب! کیا آپ کا خیال ہے کہ قومی اسمبلی خود بخود 90 دن بعد بحال ہو جائے گی۔

جسٹس حلیم......آپ ضرور بتائیں! ہم مستقبل کے لیے گائیڈ لائن لیا کریں گے۔

فضیل......عدالت کو اسمبلیوں کی بحالی کا اختیار حاصل نہیں۔

جسٹس افضل ظلہ......حکومت یا متعلقہ پارٹی کے ریفرنس کے بغیر عدالت خود بخود اسمبلیاں بحال نہیں کرسکتی۔

فضیل......میں اس سے متفق ہوں۔

جسٹس افضل ظلہ......ہم قومی اسمبلی کا سیشن بلائے جانے پر توہین عدالت کا نوٹس جاری نہیں کر رہے۔ (اس موقع پر سابق قومی اسمبلی کے سپیکر

Scanned with CamScanner

چوہدری حامد ناصر چٹھہ کے وکیل مسٹر شوکت کھڑے ہو گئے)

جسٹس افضل ظلہ......کیا سپیکر حامد ناصر چٹھہ عدالت میں موجود ہیں۔

شوکت......جناب انکل چائے کے وقفے کے بعد آئے تھے آج نہیں آئے۔ ویسے پانچ منٹ کے نوٹس پر آ سکتے ہیں۔

جسٹس نیم حسن شاہ...... چائے کے وقفے کے بعد سپیکر حاضر ہو۔

جسٹس افضل ظلہ......ہم سپیکر صاحب سے سوال پوچھیں گے۔ وضاحت طلب نہیں کرینگے۔

جسٹس افضل ظلہ......ان کی عدم موجودگی کا معقول جواز ہے۔ ویسے شوکت صاحب بتائیں کیا الیکشن 90 دن کے اندر ہونے چاہئے تھے۔

شوکت......جی ہاں۔

جسٹس افضل ظلہ...... 254 آرٹیکل کے تحت تاخیر درگزر ہو سکتی ہے۔

شوکت......ایمرجنسی یا جنگ ہو تب۔

جسٹس قادر......یہ درگزر (کنڈونیشن) کی نہیں تحفظ انڈ ومنٹی کی بات ہے۔

جسٹس حلیم......اگر ایسے حالات کی وجہ سے صدر نے انتخابات نہیں کرائے ہوں تو جو اس کے اختیار سے باہر ہوں۔

جسٹس افضل ظلہ......آرٹیکل 254 کنڈونیشن (درگزر) نہیں انڈومنٹی (تحفظ) ہے۔ اس لیے اسمبلی خود بخود بحال نہیں ہو سکتی۔ اسمبلی ٹوٹنے کے بعد کسی نے آگے آنے کی جرات نہیں کی۔

شوکت......صرف حاجی سیف اللہ وہ جرات مند انسان ہیں جنہوں نے بروقت عدالت کا رخ کیا۔

جسٹس محمد حلیم......وہ تو سنا تھا اسی شام ہسپتال داخل ہو گئے۔

جسٹس افضل ظلہ......آپ یہاں پر کسی نام نہاد حوصلہ مند شخص کا نام نہ لیں کیونکہ انہوں نے یہ معاملہ عدالت میں نہیں اٹھایا۔

شوکت......میری رائے میں عدالت آئین کی آخری کسٹوڈین (محافظ) ہے۔

شوکت......جناب لوگوں نے اسمبلیاں ٹوٹنے کے خلاف اخبارات میں بیانات دیئے۔

عبدالحکیم......عدالت کی ذمہ داری ہے کہ وہ آئین کے تابع رہے۔

جسٹس حلیم......(حیران ہو کر) عدالت عظمیٰ آئین کے تابع رہے؟

جسٹس افضل ظلہ......ہم تو ٹیلی گرام اور اخبار کی رپورٹ پر کیس لے چکے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا کر سکتے ہیں۔

افضل حیدر......آرٹیکل 254 اسی صورت میں لاگو ہو سکتا ہے جب عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کرنے کے لیے وقت مقرر ہوا اور اس دوران الگ نہ ہو سکے تو تاخیر درگزر ہو سکتی ہے۔

جسٹس افضل ظلہ......اگر صدر 90 دن کے الیکشن کرانے کا اعلان کر بھی دیتے اور 89 ویں روز قدرتی آفت آ جاتی جنگ شروع ہو جاتی۔ ایمرجنسی لگتی یا کوئی خدائی رکاوٹ پیدا ہو جاتی تو پھر کون سی شق کے تحت درگزر کیا جانا چاہئے۔

افضل حیدر......اس کے لیے صدر عدالت سے ہدایت طلب کرے۔

جسٹس قزلباش......پھر تو مزید تین ماہ ضائع ہو جائینگے۔

جسٹس افضل ظلہ......خدا کی طرف سے کوئی رکاوٹ الیکشن ہونے کے ایک دن قبل بھی آ جائے تو الیکشن نہیں ہونگے۔ ایسی صورت میں

Scanned with CamScanner

آرٹیکل 254 سامنے آئے گا۔

جسٹس حلیم......اٹارنی جنرل 90دن میں الیکشن نہ ہونے کے بارے میں دلائل دیں۔

عزیز منشی......58(2)بی کے تحت اسمبلیاں توڑنے کا مواد ریکارڈ پر ہے۔صدر کے اس اقدام کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔اس موقع پر اٹارنی جنرل نے سپریم کورٹ آف انڈیا کے فیصلوں کے حوالے دیئے۔

جسٹس حلیم......ہمارا قانون بھارتی قانون سے مختلف ہے۔

جسٹس افضل ظلہ......آپ بے شک بھارتی فیصلہ نہ پڑھیں۔

عزیز منشی......مجھے پڑھنے دیں فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔

جسٹس نسیم حسن......منشی صاحب!اگر آپ بھارتی فیصلہ سنا کر خود مطمئن ہونا چاہیں تو سنا دیں مگر ہمارے کیس سے اس کا تعلق نہیں۔

جسٹس افضل ظلہ......منشی صاحب دونوں ممالک کے دساتیر کی قرارداد ہائے مقاصد میں بڑا فرق ہے۔پاکستان کا خمیر بھارت کے خمیر سے مختلف ہے۔

عزیز منشی......اس میں بھی شبہ نہیں۔

جسٹس افضل ظلہ......فرض کیجئے درخواست گزار لاہور ہائیکورٹ نہ جاتے قومی اسمبلی کے سپیکر جو یہاں موجود تھے وہ دیانت داری سے مشورہ لیتے تو انہیں یہ مشورہ ملتا کہ اسمبلی توڑنے کا غلط فیصلہ ہوا ہے۔آپ کے کہنے کے مطابق عدالت میں سیاسی سوال نہ اٹھائے جاسکتے ہوتے تو پاکستان آئینی بحران کا شکار ہو جاتا۔کیا سپیکر قومی اسمبلی سیشن بلاسکتا ہے یا نہیں۔یہی پوچھنے اٹارنی جنرل صاحب آپ ہمارے پاس پہنچے ہیں۔

عزیز منشی......ہائیکورٹ نے فیصلہ دیدیا ہے۔

جسٹس افضل ظلہ......اگر سپیکر اسلام آباد یا کسی خفیہ مقام پر قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد کر لیتے تو آپ کے پاس عدالت عظمیٰ کے حکم کے بغیر یہ اجلاس رکوانے کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......تمیز الدین کیس میں فیصلہ نہیں کیا گیا کہ دستور ساز اسمبلی صحیح ٹوٹی یا غلط۔حکومت کی طرف سے ریفرنس آنے پر طے کیا گیا کہ اسمبلی کے ارکان غیر نمائندہ ہو گئے تھے۔

عزیز اے منشی......یہ سیاسی سوال ہے اسے سیاست سے الگ نہیں رکھا جاسکتا۔

جسٹس افضل ظلہ......سیاسی نوعیت کا سوال سپیکر طے کرے یا صدر طے کرے۔سپیکر صاحب آپ نے پریس میں کہا کہ اسمبلی سیشن قانونی طور پر بلایا جارہا ہے۔

سپیکر......ہاں جناب!میں نے قانونی ماہرین کے مشورے سے ایسا کیا تھا۔

جسٹس افضل ظلہ......آپ نے قومی اسمبلی کا سیشن کیوں بلوایا۔

حامد ناصر چٹھہ......عدالت عالیہ کا جو مختصر حکم آیا تھا اس کے مطابق میرے قانونی مشیروں نے اجلاس بلانے کا مشورہ دیا۔

جسٹس حلیم......آپ کو کیا علم نہیں تھا کہ قومی اسمبلی توڑی جاچکی ہے۔

حامد ناصر چٹھہ......عدالت عالیہ نے کہا ہے کہ 29 مئی کا صدارتی حکم جس سے اسمبلیاں ٹوٹیں غیر قانونی ہے جس پر میرے مشیروں نے کہا کہ اسمبلیاں خود بخود بحال ہو گئی ہیں۔

Scanned with CamScanner

جسٹس نسیم حسن شاہ......سارا فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔اس میں لکھا گیا ہے کہ صدر کے پاس اتھارٹی نہیں تھی مگر دوسرے عوامل کی وجہ سے یہ معقول بات نہیں تھی کہ قومی اسمبلی کا سیشن بلایا جاتا ہے۔ایک مبسوط (کمپوزٹ) آرڈر ہے۔

حامد ناصر چٹھہ......میں سیاستدان ہوں، قانونی ماہر نہیں۔اس لیے سیاستدان کی طرح سوچ اور بول سکتا ہوں۔اگر صدارتی حکم غیر قانونی ہے تو میں اس کا یہ مطلب لوں گا کہ کوئی عدالت اس کا نوٹس لے کر 28 مئی کی حالت بحال کرے۔

جسٹس محمد حلیم......آپ ہائیکورٹ کا فیصلہ نظر انداز نہیں کر سکتے۔

حامد ناصر چٹھہ......میں ہائیکورٹ سمیت کسی عدالت کا آرڈر نظر انداز نہیں کروں گا۔میرے اوپر دباؤ تھا کہ جمعے کو سیشن بلاؤں زیادہ سے زیادہ ہفتے کی صبح قومی اسمبلی کا سیشن طلب کروں۔میں نے مزاحمت کی کہ عدالت اس بارے میں ہمیں بتائے اس وقت تک ہم انتظار کریں اس لیے اتوار کو سیشن بلایا تھا۔

جسٹس افضل ظلہ......اٹارنی جنرل صاحب سیاسی سوال عدالت کے سامنے نہیں آ سکتا۔یہ اشارہ گزشتہ روز آپ نے دیا تھا آج سپیکر نے بتایا کہ ارکان اسمبلی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا لے کر اجلاس بلانے کا سوچ رہے تھے۔اگر معاملہ کورٹ میں نہ ہوتا تو آپ خود کورٹ میں آ کر کہتے کہ وہ سیشن نہیں بلا سکتے۔

شوکت......جناب والا! کیا سپیکر صاحب کی ضرورت ہے اگر نہیں تو کیا وہ چلے جائیں۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......ہمیں ان کی ضرورت نہیں لیکن اگر وہ خود عدالت عظمیٰ کی کارروائی سننا چاہیں تو ہمیں اعتراض نہیں۔

حامد ناصر چٹھہ......میں کارروائی سننے کے لیے بیٹھنے کو ترجیح دوں گا۔

عزیز اے منشی سیاسی سوال پر بھارتی سپریم کورٹ کے فیصلے کا حوالہ دینے لگے تو چیف جسٹس محمد حلیم نے کہا کہ یہ بات ہمارے آئین میں کہاں ہے۔

عزیز منشی...... 58(2) بی کی ساری زبان وہی ہے جو انڈین آئین میں ہے، اٹارنی جنرل نے بھارتی آئین سے پڑھنا شروع کیا۔

جسٹس افضل ظلہ......آپ نے بھارتی عدالت کے فیصلے کا ذکر شروع کیا۔سپریم کورٹ آف پاکستان نے حال میں فیصلہ دیا ہے کہ پاکستان نظریاتی مملکت ہے۔قرارداد مقاصد میں اسلام، انصاف مذہبی رواداری اور جمہوریت کا ذکر ہے۔پاکستان کو قومی یکجہتی کے مسئلہ کا سامنا ہے۔ بھارت کو ایسا مسئلہ درپیش نہیں۔پاکستان اور بھارت دونوں کے انداز فکر میں فرق ہے۔ہم بھارتی عدالت کے فیصلے کا حوالہ ضرور سن لیتے ہیں مگر فیصلہ خود کرتے ہیں بھارتی عدالت کے فیصلے کا ایک پیراگراف ہم نہ سننا چاہیں تو مسٹر اٹارنی جنرل آپ پریشان ہو جاتے ہیں۔مگر سپریم کورٹ آف پاکستان کے پورے کے پورے فیصلے خاموش کر دیتے ہیں۔عدالت عظمیٰ کے سب سے بڑے بنچ نے اتنا عمدہ فیصلہ چند روز پیشتر کیا جس کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی مگر آپ نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔بھارتی عدالتیں پاکستانی فیصلے کا نوٹس تک نہیں لیتیں۔آپ کی آرزو یہی ہے کہ بھارتی عدالت کے فیصلے کا حوالہ دیں تو یہ آرزو ضرور پوری کریں مگر پاکستانی عدالت کے فیصلے کا حوالہ دیں۔تمیز الدین کیس، ضیاء الرحمن کیس، ڈوسو کیس، عاصمہ جیلانی کیس میں ہم نے سیاسی فیصلے کئے۔آپ اس کے حوالے کیوں نہیں دیتے۔

عزیز اے منشی......کیا میں انڈین کیس کے فیصلے کا حوالہ مکمل کر لوں۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......آپ چاہیں مکمل کر لیں مگر ہمارا مشورہ ہے کہ اسے اب چھوڑ ہی دیں۔

جسٹس افضل ظلہ......ہم آپ کی مشکلات کو سمجھتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

عزیز اے منشی...... آپ انڈین کورٹ کے فیصلے کے پیراگراف 41،42،51، 52 پڑھ لیں۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... اتنی ہی اہمیت کے فیصلے ہماری عدالت عظمیٰ بھی کر چکی ہے۔

جسٹس افضل ظلہ...... (مسکراتے ہوئے) منشی صاحب بھارتی فیصلے کے کتنے صفحات رہ گئے ہیں۔

عزیز اے منشی...... ہمارے آئین کے آرٹیکل 52 میں کہا گیا ہے کہ مقننہ توڑی جا سکتی ہے۔ وزیراعظم کسی وقت وجہ بیان کئے بغیر اسمبلی توڑ سکتا ہے۔

جسٹس افضل ظلہ...... یہ بتائیں کہ وزیراعظم کو کوئی وجہ بیان کئے بغیر اسمبلی توڑنے کا اور صدر کو وجہ بیان کرنے کے بعد اسمبلی توڑنے کا حق کیوں دیا گیا۔

اقبال احمد خان...... یہاں سیاسی لیڈروں کی کانفرنس تھی۔ قومی اتفاق رائے کے بارے میں سیاسی لیڈروں سے مشورہ کرنا تھا۔

جسٹس افضل ظلہ...... کیا یہ صدر کا ذہن تھا کہ اسمبلی توڑ کر الیکشن کروا دیئے جائیں۔

جسٹس نسیم حسن...... اومائی گاڈ (او خدایا)

جسٹس افضل ظلہ...... کیا ہمارا کوئی فیصلہ نہیں۔

عزیز منشی...... مائی لارڈ! آپ نوٹ کر لیں مذکورہ فیصلہ کا پیراگراف 6،8،9،10،11 اے آئی آر 1965ء کیرالہ صفحہ 229 اے آئی آر 1968 پنجاب صفحہ 441 اے آئی آر 1974ء اڑیسہ صفحہ 52 یہ تمام اسمبلی توڑے جانے کو عدالت میں چیلنج نہ کئے جانے کے بارے میں ہے۔

عزیز منشی...... امید تھی کہ قومی اسمبلی ضرور کچھ کرے گی۔

جسٹس حلیم...... قومی اسمبلی کیسے کرتی یہ صوبائی حکومت کی ذمہ داری تھی۔

عزیز اے منشی...... صوبائی حکومت کو آرٹیکل 148/149 کے تحت ہدایت دے سکتے تھے۔

جسٹس حلیم...... ہدایت دی گئی ہوگی۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... لیکن سارے نہیں۔

عزیز اے منشی...... میں اس پر تبصرہ نہیں کروں گا۔

عزیز منشی...... وزیراعظم نے اپنے حلف میں عوام کے جان و مال کی حفاظت اسلام کی سربلندی اور نظریہ پاکستان کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا تھا۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... امن و امان وزیراعظم کا نہیں صوبائی حکومت کا معاملہ تھا۔

جسٹس حلیم...... مقننہ کیا قانون بنا سکتی تھی۔

عزیز اے منشی...... وہ انسانوں کی جان و مال کی حفاظت کے لیے ہر چیز کر سکتی ہے۔

جسٹس حلیم...... یہ درست جواب نہیں۔

عزیز اے منشی...... آرٹیکل 148 اور 149 میں یہ بات واضح ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

اسمبلیاں بحال نہیں ہوں گی، سپریم کورٹ نے ہائیکورٹ کا فیصلہ برقرار رکھا

سپریم کورٹ آف پاکستان نے اسمبلیاں توڑنے کے صدارتی حکم میں ہائیکورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ عدالت عظمیٰ نے اسمبلی اور کالعدم وفاقی کابینہ بحال کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنے فیصلے میں لکھا کہ 16 نومبر 1988ء کو قومی اسمبلی اور 19 نومبر 1988ء کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا ہے اس کے مطابق غیر جانبدارانہ، آزادانہ اور منصفانہ عام انتخابات کرا کر پاکستان کے عوام کو اپنے نمائندے خود چننے کا موقع فراہم کیا جائے۔ سپریم کورٹ کے فل بنچ نے اپنے متفقہ فیصلے میں کہا کہ ان کے مذکورہ حکم کا اطلاق صوبائی گورنروں کی طرف سے توڑی جانے والی صوبائی اسمبلیوں اور صوبائی وزارتوں پر بھی ہوگا۔ سپریم کورٹ نے اپنا یہ فیصلہ بدھ کی شام سوا چار بجے سنایا۔ چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر جسٹس محمد حلیم نے کہا کہ اس فیصلے سے سول اپیل نمبر 314، 315، 316، 317، 292 اور 393 دی گئی ہیں۔ سپریم کورٹ نے دو اکتوبر سے 15 اکتوبر تک مذکورہ اپیلوں کی مسلسل سماعت کی عدالت عظمیٰ کے مختصر فیصلے میں کہا گیا کہ "دلائل جن کو بعد ازاں ریکارڈ پر لایا جائے گا ہم لاہور ہائیکورٹ کی اختیار کردہ نکتہ نگاہ کو برقرار رکھتے ہیں کہ 29 مئی 1988ء کے صدارتی حکم میں قومی اسمبلی توڑنے اور وفاقی کابینہ برطرف کرنے کے جو اسباب دیئے گئے ہیں ان کا آئین کے آرٹیکل 58(2) بی کے تقاضوں سے کوئی واسطہ نہیں جس کے تحت صدر کو اپنی صوابدید کے مطابق قومی اسمبلی توڑنے کا اختیار ہے۔ اس کے نتیجے میں قومی اسمبلی اور وفاقی کابینہ اپنی آئینی میعاد کے باقی ماندہ حصے کے لیے بحال ہو جاتی ہے لیکن ہم اس حقیقت کو بھی ذہن سے خارج نہیں کر سکتے کہ پوری قوم انتخابات کی تیاریوں میں لگ چکی ہے اس لیے ہم ایسی کوئی چیز تجویز نہیں کر رہے جس سے ابہام بدترین ہو جائے۔ اس مرحلے پر انتخابات کے اہم عمل میں مداخلت کر دی جائے تو اس سے خلفشار اور شکوک وشبہات بڑھ جائیں گے۔ آئین اور قانون کے مطابق قومی اہمیت کے امور کا فیصلہ کرتے وقت عدالتیں پاکستان کے مفاد کو ہمیشہ مقدم سمجھتی ہیں۔ انفرادی حقوق اور نجی مفادات پر قومی مفادات کو ترجیح دینا بے حد ضروری ہے۔ مجوزہ انتخابات قریب پہنچ چکے ہیں اور پاکستان کے عوام کو جماعتی بنیادوں پر قومی اسمبلی کے لیے اپنے نمائندے کی اجازت دینا ضروری ہے کیونکہ آئین میں عوام کے اس حق کی گارنٹی دی گئی ہے۔ رٹ کا دائرہ اختیار صوابدید پر منحصر ہے اور اگر عدالت اس سے اجتناب کرے گی اس کی تکلیف کا ازالہ اس لیے نہیں کرے گی کیونکہ اس سے نقصان زیادہ ہو رہا ہوگا۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ انفرادی مفاد اجتماعی مفاد کے تابع ہوتا ہے۔ اس لیے ہم کالعدم قومی اسمبلی اور توڑی گئی وفاقی کابینہ کو بحال کرنے کی شکل میں وہ ریلیف نہیں دے رہے۔ تاہم اس امر پر زور دے رہے ہیں کہ 16 اور 19 نومبر 1988ء کو عام انتخابات کرانے کا جو اعلان کیا گیا ہے وہ لازمی طور پر متذکرہ تاریخوں کو ہوں گے اور اس طرح پاکستانی عوام کو موقع دستیاب ہو جائے گا کہ وہ غیر جانبدار، منصفانہ اور آزادانہ انتخابات کے ذریعے اپنے نمائندے خود چنیں۔ اس طرح یہ اپیلیں نمٹا دی گئی ہیں۔ نتیجے کے طور پر یکم اکتوبر 1988ء کا ہمارا عبوری حکم اس فیصلے کا حصہ ہوگا۔ فریقین اپنے اخراجات خود برداشت کریں گے۔ یہی فیصلہ صوبوں کے گورنروں کی طرف سے صوبائی وزارتیں اور صوبائی اسمبلیاں توڑنے کے احکامات پر لاگو ہوگا۔ سپریم کورٹ آف پاکستان جس نے یہ متفقہ فیصلہ دیا ہے چیف جسٹس مسٹر جسٹس محمد حلیم کے علاوہ مسٹر جسٹس اسلم ریاض حسین، مسٹر جسٹس افضل ظلہ، مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ، مسٹر جسٹس قادر شیخ، مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن، مسٹر جسٹس جاوید اقبال، مسٹر جسٹس غلام مجدد، مسٹر جسٹس سعد سعود جان، مسٹر جسٹس ایس عثمان علی شاہ، مسٹر جسٹس علی حسین، مسٹر جسٹس نعیم الدین پر مشتمل تھا۔ عدالت عظمیٰ نے جن سول اپیلوں پر فیصلہ سنایا۔ ان میں سول اپیل نمبر 314 محمد سیف اللہ خان وغیرہ کے خلاف دائر کی تھی۔ اس طرح حکومت پنجاب کی طرف سے پنجاب اسمبلی کے سپیکر وغیرہ کے خلاف دائر اپیل نمبر 315، راجہ محمد افسر کی طرف سے صدر پاکستان وغیرہ کے خلاف دائر

Scanned with CamScanner

کردہ اپیل نمبر 316 حاجی محمد سیف اللہ خان کی طرف سے فیڈریشن آف پاکستان وغیرہ کے خلاف دائر کردہ سول اپیل نمبر 317 سردارزادہ ظفر عباس سید وغیرہ کی طرف سے صوبہ پنجاب کے خلاف دائر کردہ سول پٹیشن نمبر 392 لیفٹیننٹ کرنل (ر) محمد یامین کی طرف سے صوبہ پنجاب وغیرہ کے خلاف دائر کردہ سول پٹیشن نمبر 393 نمٹانے کا اعلان کیا ہے۔ 27 ستمبر 1988ء کے لاہور ہائیکورٹ کے آرڈر اور فیصلے کے خلاف رٹ درخواستیں جن کے نمبر/ 883824، 884773 /، 884774 /، 884775 /، 884800 /، 884540 /، 884825، 884855 /، 884979 /، 4900 88 /، 5015 88 اور 88 ہے۔ سول اپیلوں/ 314/ 315 88 میں اپیل کنندگان کی طرف سے مسٹر عزیز اے منشی اٹارنی جنرل، ملک قیوم، ڈپٹی اٹارنی جنرل خلیل رمدے، اٹارنی جنرل پنجاب کے اے غنی، اے ایس سی تنویر احمد خان، ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل پنجاب نواز عباسی، اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب مقبول احمد، اے ایس سی چوہدری فضل حسین، ایڈووکیٹ آن ریکارڈ راؤ ایم یوسف خان پنجاب حکومت اٹارنی پیش ہوئے۔ علاوہ ازیں مذکورہ اپیلوں کے سلسلے میں سینئر وکلاء مسٹر علی احمد فضیل، راجہ اکرم، منظور الٰہی، افضل حیدر، منظور الٰہی، عبدالحکیم خان عدالت میں کیس کی پیروی کرتے رہے۔ 9:37 پر چیف جسٹس کی معیت میں فل بنچ کے ارکان کمرۂ عدالت میں آئے۔

جسٹس محمد حلیم...... عزیز منشی صاحب! آج ہم نے دونوں فریقوں کو سن کر فیصلے تک پہنچنا ہے۔ جلد دلائل مکمل کر لیں۔

عزیز اے منشی...... مائی لارڈ! پاکستانی آئین کے آرٹیکل 2(A)، قرارداد مقاصد، دیباچہ اور آرٹیکل 31 میں قومی اسمبلی بنانے کے مقاصد پیش کر رہا ہوں۔ اسی کے ساتھ ریفرنڈم کا آرڈر نمبر 11 پیش ہے۔

جسٹس اسلم ریاض...... آپ کس مقصد کے لیے ریفر کر رہے ہیں۔

عزیز منشی...... اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ قومی اسمبلی کا انتخاب ریفرنڈم آرڈر کی روشنی میں ہوا۔

جسٹس نسیم حسن...... ریفرنڈم میں پوچھے گئے سوال کے بعد اگر یہ کہا جاتا جماعتی الیکشن ہونے چاہئیں یا غیر جماعتی تو بہتر ہوتا۔

جسٹس اسلم ریاض...... ریفرنڈم آرڈر اسمبلی کے انتخاب کے لیے کیسا تھا؟

جسٹس حلیم...... عوام کی خواہشات معلوم ہوتیں ہم حقیقت پر یقین رکھتے ہیں۔ مفروضوں پر بات نہیں کر سکتے۔ اسمبلی کا سٹرکچر رول سب سامنے ہے۔ ججوں کی تنخواہوں میں اضافہ ہوا۔ آئین میں اس کے لیے ترمیم نہیں کی گئی۔ جب یہ اہم ترمیم نہیں ہوئی اسی لیے تو ملک کی جمہوریت آگے نہیں بڑھی، ملک میں اقتصادی اصلاحات نہیں ہوئیں جس کی وجہ سے سیاسی حالات کمزور رہے۔ چیف جسٹس آف سپریم کورٹ آپ جج صاحبان کو کھانے پینے کو کتنی رقم دیتے ہیں جنہیں فراہم کرنا ہوتا ہے۔ میں بطور انسان ان حقائق سے صرف نظر کر سکتا ہوں۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... صدر کا 29 مئی کا حکم مطلوبہ شرائط پر پورا نہیں اترتا۔ یہ غیر قانونی تھا۔ 20 جولائی کو جب انہوں نے الیکشن کی تاریخ دے دی یہ آرڈر قانونی ہو گیا۔ نگران حکومت بنا دی گئی۔ اس کا مذکورہ حکم ٹھیک ہو گیا۔ اب الیکشن ہوں گے۔ ارکان اسمبلی کا یہ کام ہرگز نہیں کہ وہ لازمی مسلسل پانچ سال تک ایوان میں بیٹھے رہیں گے اور نئے انتخابات سے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔

جسٹس حلیم...... 1985ء کے الیکشن کے نتیجے میں اقتدار کسے منتقل کیا گیا۔

عزیز اے منشی...... قومی اسمبلی کو۔

جسٹس حلیم...... غیر جماعتی ایوان تھا وہاں کس پارٹی کو اقتدار دیا گیا۔

عزیز اے منشی...... عوام کے منتخب نمائندوں کو۔

Scanned with CamScanner

جسٹس نسیم حسن...... 1955ء میں ججوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اسمبلی ٹوٹنے سے اس کے ارکان کا یہ استحقاق ختم نہیں ہوتا کہ وہ دوبارہ خود کو عوام کے سامنے چناؤ کے لیے پیش کریں۔ وہ دوبارہ چنے جانے پر وزیر یا وہ طاقت سے اسمبلی میں آسکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ جن الزامات کی بنا پر نہیں نکالا گیا تھا وہ غلط ہیں۔ 29 مئی کے صدارتی حکم کے بعد وزیراعظم صاحب نے کہا کہ وہ عدالت میں نہیں عوامی عدالت میں پیش ہوں گے۔

جسٹس افضل ظلہ...... 30 سال میں جمہوریت نہ ہونے سے ملک کو بڑا نقصان پہنچا۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ تین سال کے بجائے ہر تین ماہ بعد اسمبلیاں ٹوٹنے لگیں گی۔ سابق وزیراعظم جونیجو کی یہی سوچ نقصان دہ نہیں، احتیاط کرنی چاہئے۔ عدالت کا رخ کرنا چاہئے تھا تاکہ عدالت کہتی اسمبلیوں کا یہ برخاست کیا جانا غلط ہے یا صحیح اس وقت ہم گھڑی کی سوئیوں کو الٹا چلا سکتے تھے۔ ریفرنڈم آرڈر کا جہاں تک تعلق ہے اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں ریفرنڈم ہوا۔ وہ الگ بات ہے یہ کہا گیا کہ صدر نے اب تک جو کیا اسے کنفرم کرتے ہیں اور مزید میعاد کیلئے رہیں گے۔

عزیز اے منشی......قومی اسمبلی نے 16 اکتوبر 1985ء کو قرارداد پاس کی۔ اسمبلی اسلامائزیشن کے عمل کو آگے بڑھائے گی۔ وزیراعظم تقرر کرے گی جو آئین کو اسلامی بنانے کے لیے ترامیم تجویز کرے۔ علاوہ ازیں 22 دسمبر 1985ء کو سینٹ نے آئین میں بل منظور کر کے قومی اسمبلی میں بھجوا دیا مگر تین سال سے یہ بل اسمبلی نے بالائے طاق رکھا ہوا ہے۔ یہ تو رول اسمبلی کا اسلامی نظام کے بارے میں تھا۔

جسٹس افضل ظلہ...... یہ جائز پوائنٹ ہے اس کا ہم مخالف فریق سے ضرور..................

عزیز اے منشی......اسلامی نظریاتی کونسل نے مارچ 1986ء میں رپورٹیں پیش کیں مگر ان کی سفارشات کے مطابق قانون سازی نہیں کی۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......کونسل کی وہ کون سی اہم سفارشات تھیں جن پر قابو نہیں پایا گیا۔

جسٹس محمد حلیم......غیر جماعتی ایوان سے آپ کس قسم کی قانون سازی کی توقع رکھ سکتے ہیں۔

جسٹس افضل ظلہ......نواں ترمیمی بل اسمبلی میں 3 سال تک پڑا رہنا بڑی اہم دلیل ہے مگر 1977ء سے 1984ء تک کے عرصے کی اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹیں مارشل لاء دور میں صدر کو بھیجی جاتی رہیں۔ میں مرحوم صدر کا دفاع کروں گا۔ وہ شریف دیانتدار انسان تھا مگر حالات نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ کونسل کی سفارشات پر کچھ نہ کرے مگر صدر تمام اختیارات کے باوجود عمل نہ کر سکا۔ اسمبلی کیسے کر سکتی ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... یہ معاملہ تو اس زمانے کا ہے جب آپ ارکان اسمبلی منتخب نہیں ہوئے تھے۔ ارکان اسمبلی ایوان کے اندر باہر یہ جواب دیتے رہے ہیں کہ جب صدر تمام اختیارات کے باوجود اسلامی نظام پورا نافذ نہ کر سکا ہم کیسے کر سکتے ہیں۔

جسٹس حلیم......کیا رکاوٹیں تھیں صدر کی راہ میں۔

جسٹس افضل ظلہ......بادی النظر میں قومی اسمبلی اسلامائزیشن نہ کرنے پر نہیں توڑی جا سکتی۔

جسٹس نسیم حسن...... پاکستان اسلامی نظریے پر عملدرآمد کی لیبارٹری کے طور پر بنا تھا۔ 41 سال میں جو کچھ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کیا گیا آپ کے سامنے ہے۔ اب جبکہ اسلامی نظام کے نفاذ کی ذمہ داری اس ملک نے پوری نہیں کی تو کیا پاکستان کو توڑ دیا جائے۔ یہ ہائیکورٹ والے کہتے ہیں۔

عزیز اے منشی......نواں ترمیمی بل تین سال سے زیر غور ہے۔

جسٹس حلیم...... آپ کے ملک میں کتنی فقہ ہیں کیا سب اس پر رضامند تھے۔

عزیز اے منشی......نویں ترمیمی بل میں کسی فقہ کے متنازعہ امور شامل نہیں تھے صرف یہ ہے کہ قرآن وسنت کے اصول مقدم ترین ہوں گے۔

جسٹس حلیم......آپ غیر جماعتی اسمبلی سے اور کیا توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ نواں بل تین سال تک معرض التوا میں رکھے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس افضل ظلہ..... جونیجو نویں بل پر اتفاق رائے کرنے کے لیے کمیٹیاں بناتے رہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق لیڈر آف دی ہاؤس صدر سے زیادہ اسلامائزیشن چاہتے تھے۔

عزیز اے منشی..... اگر یہ درست ہے تو وزیراعظم اسلامائزیشن کیوں نہ کر سکے۔

جسٹس حلیم..... صوبوں کو کیا کوئی ہدایت دی گئی جن پر عمل نہیں ہوا۔

جسٹس افضل ظلہ..... مارشل لاء دور میں سندھ میں گڑبڑ نہیں ہوتی رہی۔ البتہ سابقہ حکومت کے دور میں گڑبڑ عروج پر پہنچ گئی۔ یہ بتائیں کہ گڑبڑ کا گراف مارشل لاء دور / پارلیمانی دور یا موجودہ دور میں سب سے اونچا ہے۔ پنجاب میں ایک سال پہلے بحران پیدا نہیں ہوا کہ آپ سندھ کا ہی تذکرہ کررہے ہیں۔ منتخب ارکان نے جو کچھ کیا تھا یا کرتے رہے ہیں میں ان کی حمایت نہیں کررہا۔

جسٹس حلیم..... ہم پاکستان کو حقیقی جمہوری ملک بنائیں گے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ..... نگران حکومت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

عزیز اے منشی..... آرٹیکل 48(5) نگران کابینہ کے بارے میں ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ..... صوابدید سے یہ مراد نہیں کہ صدر نگران کابینہ بنائے یا نہ بنائے۔ صوابدید یہ ہے کہ اس کابینہ میں جسے مناسب سمجھے اسے شامل کرے۔ کابینہ کے اوپر ایک وزیراعظم بھی ہونا چاہئے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن..... آپ واضح کریں کہ نگران حکومت بنانے کا صدر کو حق ہے جس میں وزیراعظم ہو؟۔

عزیز اے منشی..... آرٹیکل 48(1) دیکھیں اس میں لکھا ہے کہ صدر اختیارات استعمال کرتے وقت نگران کابینہ یا وزیراعظم کے مشورے پر کام کرے گا۔

جسٹس شفیع الرحمٰن..... کوئی مثال ہے کہ پارلیمانی نظام میں کابینہ ہو وزیراعظم نہ ہو۔

عزیز اے منشی..... آرٹیکل 91(1) میں واضح ہے کہ صدر نگران کابینہ کے مشورے کا پابند ہوگا۔ صدر جسے چاہے وزیراعظم مقرر کرے یا نہ کرے۔

جسٹس افضل ظلہ..... شاید نگران وزیراعظم اس لیے نہیں بنا رہے کہ عام انتخابات تک کے 30، 40 دنوں میں صدر کسی مشکل کا شکار نہ ہو۔ ویسے صدر چاہیں پوری قوم سے ایک فرد چن لیں جو غیر جانبدار، باصلاحیت ہو اور خود الیکشن نہ لڑنا چاہتا ہوں آپ بتائیں کیا نگران وزیراعظم کا مشورہ صدر کے لیے وزیراعظم کے مشورے کی طرح اہم ہوگا۔

جسٹس اسلم ریاض..... مسٹر منشی..... آپ نے پہلے کہا کہ وزیراعظم ہونا ضروری نہیں جبکہ صوبوں میں نگران وزرائے اعلیٰ بنائے گئے ہیں۔

عزیز اے منشی..... یہ صدر کی صوابدید ہے۔

جسٹس افضل ظلہ..... آپ آنے والے 40 دن امن وسکون سے گزارنا چاہتے ہیں۔

جسٹس افضل ظلہ..... آپ نے مشکل صورتحال میں بڑا اچھا کام کیا ہے۔ ہم آپ کی کارکردگی کو سراہتے ہیں۔

فضیل..... کیا حاجی سیف اللہ سابقہ وزیراعظم کی طرف سے بیان دے سکتے ہیں۔

عدالت..... آپ جو کہنا چاہیں کہہ سکتے ہیں۔

فضیل..... اسمبلیاں توڑنے کے حکم کی بنیاد درست نہیں۔ 29 مئی کو صدر نے اپنے حکم اس کے ساتھ ہی اخباری کانفرنس اگلے روز قوم سے

Scanned with CamScanner

خطاب اور 20 جولائی کو سینٹ سے خطاب میں جو دلائل دیئے وہ بے وزن ہیں۔

جسٹس افضل ظلہ...... کیا اسمبلیاں توڑنے کا حکم اور اخباری کانفرنس سے خطاب ایک ہی دن ہوا تھا۔

فضیل...... اخباری کانفرنس میں ہی اسمبلیاں توڑنے کا حکم جاری ہوا تھا۔ اس کے بعد اگلے روز صدر نے نشری تقریر کی۔

جسٹس حلیم...... آپ صدر کے الزامات کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

فضیل...... 1976ء کے ولی خان کیس کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔

جسٹس حلیم...... وہ غیر متعلقہ ہیں۔

فضیل...... یہ صدر کے ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔

جسٹس حلیم...... آپ یہاں صدارتی ذہن دیکھنے نہیں آئے۔

جسٹس افضل ظلہ...... آپ اٹارنی جنرل رہے ہیں۔ صدر آپ سے بھی مشورہ کرتے رہے ہوں گے۔

فضیل...... میں نے کبھی صدر کو مشورہ نہیں دیا۔

جسٹس افضل ظلہ...... آپ آگ بگولہ کیوں ہونے لگے ہیں۔ غصے میں نہ آئیں۔ ایک وکیل اٹارنی جنرل کے طور پر جواب دے کہ اسمبلیاں توڑنے کے جو دلائل صدر نے دیئے وہ 28 مئی کو موجود نہیں تھے۔ صدر نے 28 مئی کو نارمل طریقے سے آرڈر کیوں پاس نہیں کیا۔

فضیل...... سمری یا فائل ہمارے سامنے نہیں ہے۔

جسٹس افضل ظلہ...... اسمبلیاں توڑنے کا نوٹیفکیشن جاری ہونے سے پہلے صدر کا آرڈر ہونا چاہئے تھا۔ 28 مئی کو صدر کا آرڈر ہوتا۔ 29 مئی کو نوٹیفکیشن جاری ہوتا۔ ایسا نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ ایسی کوئی چیز ہے جو نوٹیفکیشن میں نہیں ہے۔

جسٹس حلیم...... آرٹیکل 199 میں کہاں لکھا ہے کہ اسمبلیاں بحال کر دی جائیں۔

فضیل...... میں اسمبلیوں کی بحالی کی استدعا نہیں کر رہا۔ استدعا 199(1) اے (11) کے تحت ہے کہ کسی شخص نے غیر قانونی کام کیا ہو تو اسے قانون کے مطابق بنا دیا جائے۔

جسٹس اسلم ریاض حسین...... اگلی اسمبلی بحال کر دی جائے تو کیا لیڈر آف دی ہاؤس صدر کو مشورہ دے گا۔

فضیل...... وہ مشورہ دے گا کیونکہ میں نے لیڈر آف دی ہاؤس سے بات کر لی ہے۔

جسٹس قادر...... اور آپ جونیجو صاحب کی طرف سے پیش نہیں ہو رہے۔

فضیل...... حل صرف یہ ہے کہ اسمبلی اور کابینہ بحال کر دی جائے اس سے مالی بحران بجٹ کا بھی حل ہو جائے گا۔ لیڈر آف دی ہاؤس تمام پارٹیوں کا اجلاس بلا کر الیکشن تاریخ طے کرے گا۔

جسٹس افضل ظلہ...... بجٹ کی بحالی کے لیے کورٹ موجود ہے۔ حکومت کے پاس مزید چار ماہ کے اخراجات کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔

جسٹس اسلم ریاض...... قوم 16 نومبر کو الیکشن چاہتی ہے۔ آپ کی تجویز ہے کہ جونیجو سیاستدانوں کو بلا کر تاریخ مقرر کریں گے۔

فضیل...... اس وقت تین چوتھائی پنجاب سیلاب میں ڈوبا ہے۔ کیا وہاں الیکشن ہو سکتے ہیں؟

جسٹس افضل ظلہ...... ہم انتخابات کی تاریخ میں بالکل توسیع نہیں کرنے دیں گے۔ 16 اور 19 نومبر کو الیکشن انشاء اللہ ہوں گے۔ حکومت نے تاریخ دے دی ہے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس اسلم ریاض......ہم 16اور 19نومبر سے نہ پہلے اور نہ ہی بعد عام انتخابات کا انعقاد چاہتے ہیں۔

جسٹس عبدالقادر......فضیل صاحب! آپ جونیجو کی طرف سے پیش نہیں ہورہے ہم آپ کو نہیں سنیں گے۔ اقبال احمد خان جو جونیجو پارٹی کا سیکرٹری جنرل ہے وہ یقین دہانی کرائے کہ جونیجو صاحب 16نومبر کو ہی الیکشن کرادیں گے تو بھی اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک جونیجو صاحب بنفس نفیس خود نہ کریں البتہ ہم کسی آئینی شق سے ادھر ادھر نہیں ہونگے۔ 16نومبر اور 19نومبر کے انتخابات ملتوی نہیں ہونگے کیونکہ قوم کا الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتے۔

(چائے کے وقفے کے بعد مسٹر فضیل نے بھارتی عدالت کے کسی کیس کا حوالہ دینا شروع کیا)

جسٹس افضل ظلہ......ستم ظریفی یہ ہے کہ بھارتی جج آئیڈیا ہمارا لیتے ہیں جب اسے اپنے کسی فیصلے میں کرلیتے ہیں تو ہمارے وکیل بھارت کے حوالے سے ہمیں سنانے لگتے ہیں۔ (اس دوران مسٹر فضیل نے متعدد عدالتوں کے فیصلے آئینی مشینری کا بریک ڈاؤن نہ ہونے کے بارے میں دیئے) انہوں نے پی ایل ڈی 1977ء آف نصرت بھٹو کیس کے صفحہ 657 سے 694اور 698 سے 701 کا حوالہ دیا)۔

نسیم حسن شاہ......(مسٹر فضیل کے لمبے چوڑے دلائل سننے کے بعد) جناب اگر آپ اب تک دیئے گئے دلائل نہ دیتے تو آپ کے حق میں بہتر ہوتا اور آپ محفوظ وکٹ پر کھیل رہے ہوتے۔

(فضیل اے آئی آر 1977ء سپریم کورٹ صفحہ 1400 کا آخری فقرہ پڑھنے لگے۔)

جسٹس حلیم......انڈین کورٹ کا جو فقرہ آپ پڑھ رہے ہیں یہی بات تو میں نے ابھی ابھی کی ہے۔

فضیل......آپ آنے والی نسلوں کے لیے قانون بنا رہے ہیں۔

جسٹس افضل ظلہ...... 90دن میں الیکشن نہیں ہوسکے ہم کیا گھڑی کی سوئیاں پیچھے کی طرف پھیر سکتے ہیں ہمیں اب آگے ہی بڑھنا ہوگا۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......یہاں تو نظریہ ضرورت بھی رہا۔

جسٹس افضل ظلہ......ہم لفظ ضرورت نہیں انصاف استعمال کریں گے سپریم کورٹ ضرورت کے بجائے انصاف کے لیے آرڈر پاس کرتی ہے۔ اگر سپریم کورٹ کو اسمبلیاں توڑے جانے کے موقع پر اپروچ کیا جاتا تو ہم انصاف کے ساتھ آرڈر دے سکتے تھے۔ اب بھی ہماری کوشش ہوگی کہ آئین کی راہ میں رکاوٹ نہ آئے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......ہائیکورٹ کے حکم میں کیا قباحت ہے۔ کیوں اسمبلیاں بحال کرانا چاہتے ہیں۔

راجا اکرم......جب کوئی فعل غیر قانونی قرار دیا جائے تو قانونی صورتیں واضح ہوجانی چاہئیں۔ 1965ء میں کراچی ہائیکورٹ نے اسمبلی بحال کی۔

جسٹس افضل ظلہ......ہمیں آئین کی تشریح کرنا ہے۔ موجودہ حالات میں آپ کیا مشورہ دیں گے۔ کیا ہم سب کچھ جلتا دیکھ کر خود بانسری بجاتے رہیں۔

راجا اکرم......قانون شکنی ہوئی ہے۔

جسٹس افضل ظلہ......عدالت نے اسمبلی بحال نہیں کی تو متوازی حکومتیں بننے والی تھیں۔

راجا اکرم......کب؟

جسٹس افضل ظلہ......گزشتہ اتوار کو دو متوازی حکومتیں بن جاتیں۔

Scanned with CamScanner

راجا اکرم...... 58(2)بی کے تحت اگر کوئی طالع آزما جمہوری عمارت تباہ کر دے تو آپ کچھ نہیں کہیں گے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... مرحوم صدر طالع آزما نہیں تھے وہ منتخب صدر تھے۔

راجا اکرم...... سکندر مرزا کو غاصب صدر قرار نہیں دیا گیا۔

جسٹس اسلم ریاض حسین...... یہ الفاظ کہنا سیاستدانوں کا کام ہے ہمارا نہیں۔

جسٹس قادر...... یہ بات ہے تو پھر کوئی بھی فرشتہ نہیں۔

جسٹس اسلم ریاض حسین...... طالع آزما کبھی الیکشن کے ذریعے نہیں آتے۔ سیاستدان خود انہیں آنے کی اجازت دیتے ہیں۔

راجا اکرم...... آرٹیکل 48 کے تحت صدر نگران وزیر اعظم بنانے کے پابند تھے۔ انہوں نے کابینہ اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کا چارج خود رکھ کر آئین کی خلاف ورزی کی۔

جسٹس افضل ظلہ...... جب اسمبلی ٹوٹی ہوئی ہو تو نگران کابینہ صرف نگران ہوگی۔

راجا اکرم...... صدر وزیر اعظم کے مشورے سے کریں گے۔ یہ شق ہر حالت میں لاگو رہے گی۔

جسٹس افضل ظلہ...... پنجاب کے سوا کسی اور صوبے میں اسمبلی و کابینہ ٹوٹنے کے خلاف رٹ دائر نہیں کی گئی۔

کریم ملک...... سابق وزیر اعلیٰ سرحد نے اخباری بیان میں کہا ہے کہ وہ چیلنج کرنے والے ہیں۔

جسٹس افضل ظلہ...... فیڈریشن میں پنجاب کا ایک یونٹ ہے باقی تین یونٹ تین صوبوں کے ہیں۔

کریم ملک...... ایک صوبے کے لوگ حقوق مانگ لیں کیونکہ وہ اپنے حقوق جانتے ہیں۔

جسٹس افضل ظلہ...... ہائیکورٹ نے آپ کی خواہش کے مطابق فیصلہ دے دیا۔

عزیز اے منشی...... جب نئی اسمبلی آئے گی وہ آرٹیکل 58(2)بی کے تحت اسمبلی توڑنے کی صدارتی صوابدید واپس لے سکتی ہے۔

جسٹس افضل ظلہ...... آئین کے تحفظ کے لیے ہم کہتے ہیں کہ 29 مئی کا آرڈر غیر آئینی ہے مگر ہم ساتھ ہی پاکستان کے لیے کام کر رہے ہیں۔

عزیز اے منشی...... میرا اختیار آپ جانتے ہیں۔

جسٹس نسیم حسن...... ہم آپ کے موکلان کی بات کر رہے ہیں۔

جسٹس اسلم ریاض...... عزیز اے منشی آپ نے بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

جھلکیاں..........اتوار کو حکم امتناعی جاری نہ ہوتا تو متوازی حکومتیں بن جاتیں، چیف جسٹس

☆......سپریم کورٹ آف پاکستان کے 12 ججوں پر مشتمل فل بنچ نے اتفاق رائے سے بدھ کی شام سوا چار بجے اسمبلیوں کو توڑنے کے 29 مئی کے صدارتی اقدام کو غیر قانونی و غیر آئینی قرار دیتے ہوئے لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھا۔

☆......فریقین کے وکلاء نے بدھ کو ایک بجے دن اپنے دلائل مکمل کیے جس کے بعد عدالت نے تین بجے سہ پہر فیصلہ سنانے کا اعلان کیا۔

☆......فیصلہ سننے کے لیے سپریم کورٹ ہال کھچا کھچ بھر گیا۔ سابق ارکان قومی اسمبلی اور مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل اقبال احمد خان سمیت کارکنوں کی بڑی تعداد فیصلہ سننے کی منتظر تھی۔

☆......سپریم کورٹ ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ وکلاء کی منشی اور دیگر سٹاف کھڑکی کے راستے آتے جاتے رہے اور کھڑکی کے راستے سے ہی قانون کی کتابیں وکلاء کو فراہم کی گئیں۔

☆......چائے کے وقفے تک مسلم لیگی کارکنوں اور رہنماؤں نے یہ تاثر لیا کہ اسمبلی بحال ہو گئی ہے جس پر وہ انتہائی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ ایک سینئر وکیل نے انہیں سمجھایا کہ ججوں کے ریمارکس سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس بات کا کسی صورت اندازہ نہیں ہو سکتا کہ فیصلہ کیا ہوگا۔

☆......عدالت کا وقت ختم ہونے اور فیصلے کے درمیانی وقفے میں قومی اسمبلی کے سابق ارکان اور وکلاء نے سپریم کورٹ کی چھوٹی سی کینٹین میں دال روٹی کھا کر گزارا کیا جبکہ سابق قومی اسمبلی کے کچھ ارکان نے سپریم کورٹ ہال میں بیٹھ کر سموسے کھا کر پیٹ بھرا۔ اس موقع پر ایک اہلکار نے کہا کہ سپریم کورٹ ہال میں بیٹھ کر سموسے کھانے سے توہین عدالت ہو سکتی ہے۔

☆......سپریم کورٹ میں جو سابق ارکان اسمبلی کارروائی سننے کے لیے آئے ان میں ارباب جہانگیر، نثار محمد خان، اقبال احمد خان، گوہر ایوب، راجہ افسر، غلام الدین مروت، اسلم کھچیلا سردار زادہ، محمد علی شاہ، لیلیٰ وتی، چمن داس، یعقوب خان جدون، بلخ شیر مزاری، مس نور جہاں پانیزئی، بیگم عشرت اشرف، ریحانہ مشہدی، بشیر رندھاوا اور پیر صابر شاہ کے علاوہ مسلم لیگ کے مقامی رہنماؤں میں ٹھیکیدار عبدالرحمان، پروفیسر اکبر ہاشمی، ثناء اللہ قادری، سردار نسیم راجہ، مجید عباسی اور علی افضل خان جدون شامل تھے۔

☆......سماعت کے دوران 12 بج کر 10 منٹ پر اٹارنی جنرل آف پاکستان مسٹر عزیز اے منشی کے لیے باہر سے ایک چٹ آئی جس پر وہ عدالت سے اجازت لے کر باہر چلے گئے 12 بج کر 25 منٹ پر وہ دوبارہ واپس آئے تو ہال میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں

☆......علی احمد فضیل نے ایک موقع پر دلائل دیتے ہوئے کہا کہ وفاقی اخراجات جاریہ چار ماہ کے لیے ہیں۔ اس کے بعد انتخابی اخراجات سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور دیگر اخراجات کا سنگین مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔

مسٹر جسٹس نسیم حسن......نظریہ ضرورت کے تحت مسئلہ ہو سکتا ہے۔

علی احمد فضیل......مائی لارڈ ہم نے نظریہ ضرورت کا حال دیکھ لیا ہے۔

جسٹس افضل ظلہ......نظریہ ضرورت کے بجائے نظریہ انصاف کے الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔

☆......حاجی سیف اللہ کے وکیل راجہ محمد اکرم اسمبلیوں کی بحالی کے بارے میں دلائل دے رہے تھے کہ مسٹر جسٹس افضل ظلہ نے کہا کہ آپ ایک پاکستانی کی حیثیت سے خود بتائیں کہ کیا وہ چاہتے ہیں کہ بحران پیدا ہو۔

چیف جسٹس......اگر اتوار کو حکم امتناعی جاری نہ ہوتا تو متوازی حکومتیں بن جاتیں۔

جسٹس اسلم ریاض......ہم سیاستدانوں کے لیے نہیں آئین کی بالادستی کے لیے کام کر رہے ہیں ورنہ سیاستدانوں نے تو "پلیز کم" کا خط لکھ کر ہم جرنیلوں کو بلا لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

1988ء سپریم کورٹ کا جماعتی انتخاب کے حق میں فیصلہ

سپریم کورٹ آف پاکستان نے پاکستان پیپلز پارٹی کی شریک چیئرپرسن محترمہ بے نظیر بھٹو کی آئینی درخواست قبول کرتے ہوئے ملک میں جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات کے انعقاد اور ہر سیاسی جماعت یا سیاسی جماعتوں کے گروپ کو ایک انتخابی نشان دینے کا فیصلہ دیا ہے۔ یہ فیصلہ عدالت عظمیٰ نے اتوار کو تیسرے پہر تین بج کر پانچ منٹ پر سنایا۔ سپریم کورٹ کا فل بنچ جس نے یہ فیصلہ دیا عدالت عظمیٰ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس محمد حلیم، مسٹر جسٹس اسلم ریاض، مسٹر جسٹس افضل، جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ، مسٹر جسٹس عبدالقادر شیخ، مسٹر جسٹس شفیع الرحمان، مسٹر جسٹس جاوید اقبال، مسٹر جسٹس غلام مجدد مرزا، مسٹر جسٹس سعد سعود جان، مسٹر جسٹس ایس عثمان شاہ، مسٹر جسٹس علی حسین قزلباش اور مسٹر جسٹس نعیم الدین پر مشتمل تھا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی طرف سے مسٹر یحییٰ بختیار، مسٹر فخرالدین جی ابراہیم، عبدالحفیظ لاکھو، چوہدری اعتزاز احسن، سید افتخار گیلانی اور محمد افضل صدیقی ایڈووکیٹ پیش ہوئے جبکہ حکومت کی طرف سے اٹارنی جنرل عزیز اے منشی، ملک محمد قیوم، ڈپٹی اٹارنی جنرل اور چاروں صوبوں کے ایڈووکیٹ جنرل مسٹر خلیل رمدے (پنجاب) میاں اجمل (ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل سرحد) اور الیکشن کمیشن کے مسٹر مقبول احمد پیش ہوئے۔ عدالت کی معاونت ملک کے ممتاز ماہرین قانون مسٹر ایس ایم ظفر اور علی احمد فضیل (سابق اٹارنی جنرل) نے کی۔ بیگم نصرت بھٹو سابقہ اسمبلیوں کے ارکان اور پیپلز پارٹی کے عہدیداروں کی بڑی تعداد بھی سماعت کے دوران موجود تھی۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے یہ مختصر فیصلہ بے نظیر بھٹو کی آئینی درخواست نمبر 2 آر ایف 1988ء پر اتوار 2 اکتوبر کی شام سنایا۔ مختصر فیصلے کا متن حسب ذیل ہے۔ آئین کے آرٹیکل نمبر 184(3) کے تحت یہ درخواست قبول کی جاتی ہے جس کی وجوہات بعد میں ریکارڈ پر لائی جائیں گی۔ عدالت یہ اعلان کرتی ہے کہ (1) 16 نومبر 1988ء کو ہونے والے انتخابات میں قومی وصوبائی اسمبلیوں کی ہر نشست پر ہر سیاسی جماعت حصہ لینے کی اہل ہے۔ (2) عوامی نمائندگی کے ایکٹ مجریہ 1976ء کی دفعہ نمبر 21 جیسا کہ اس میں 1985ء کے آرڈیننس نمبر II اور نمبر III کے ذریعے ترامیم کی گئی تھیں۔ وہ آئین کے آرٹیکل 17(2) میں دیئے گئے بنیادی حق کی خلاف ورزی ہے کیونکہ یہ دفعہ الیکشن کے عمل میں سیاسی جماعتوں کی شراکت اور موجودگی کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ علاوہ ازیں یہ دفعہ سیاسی جماعتوں کے لیے انتخابی نشان مخصوص کرنے کے خلاف ہے۔ اس لیے اس ترمیم کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں سیاسی عوامی نمائندگی رولز (کنڈکٹ کو الیکشن) رولز 1977ء کے رول نمبر 9(2) شقوں کے تحت کام کرنے کا حق حاصل ہوگا جس کے تحت الیکشن کمیشن اس امر کا اختیار رکھتا ہے کہ وہ کسی ایک سیاسی جماعت یا سیاسی جماعتوں کے گروپ کو مخصوص انتخابی نشانات میں سے کوئی نشان الاٹ کریں جو الیکشن کمیشن امیدوار کرنے میں متفق ہو۔ فیصلے میں کہا گیا ہے کہ اخراجات فریقین خود برداشت کریں گے۔ وفاقی حکومت عدالت عظمیٰ کی عدالت کے بلائے جانے والے وکلاء مسٹر علی احمد فضیل اور ایس ایم ظفر کو پانچ پانچ ہزار بطور فیس ادا کرے گی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی اپیل کی پیروی کرتے ہوئے مسٹر یحییٰ بختیار نے کہا کہ آئین کے آرٹیکل 7(2) کے تحت سیاسی جماعتوں کے جن حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس کے تحت عوامی نمائندگی کے ایکٹ مجریہ 1976ء کی 1985ء میں ترمیم شدہ شق 21(1) بی کو کالعدم قرار دیا جائے جس کے مطابق قرعہ اندازی کے ذریعے امیدواروں کو انتخابی نشان دیئے جائیں گے۔ حکومت کو ہدایت کی جائے کہ وہ 16 نومبر 1988ء کے عام انتخاب جماعتی بنیادوں پر کرائے سیاسی جماعت کو اس امر کا مجاز بنایا جائے کہ وہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور صوبائی اسمبلیوں کی ہر نشست پر اپنے امیدوار، اپنے منشور، پارٹی ٹکٹ، پارٹی پرچم اور پارٹی نشان کے تحت الیکشن لڑ سکے۔ اپیل کے حق میں دلائل کا آغاز کرتے ہوئے یحییٰ بختیار نے کہا کہ موجودہ درخواست عدالت عظمیٰ کے جون 1988ء کے فیصلے کے تسلسل میں ہے۔ نئی سیاسی پارٹی بنانا انتخابات میں پارٹی کا حصہ لینا بنیادی حق

Scanned with CamScanner

ہے۔آپ درخواست کا جلد فیصلہ کردیں تاکہ الیکشن شیڈول ڈسٹرب نہ ہو۔

نسیم حسن شاہ: پھر آپ جلد بتادیں کہ آپ کی شکایت کیا ہے؟

یحییٰ بختیار: جناب والا نے فیصلہ دیا ہے کہ یہ الیکشن لڑنا ہر سیاسی پارٹی کا بنیادی حق ہے مگر ملک میں غیر جماعتی انتخابات کا اعلان ہوا ہے اس کے لیے عوامی نمائندگی کے ایکٹ کی شق 21 میں 1985ء میں ترمیم کی گئی تھی وہ واپس لی جائے۔دوسری استدعا یہ ہے کہ میری پارٹی کا نشان تلوار پی این اے کا نشان مل چکی کہ محترمہ فاطمہ جناح کا نشان لالٹین انتخابی نشانات کی فہرست سے خارج کردیا گیا ہے۔انہیں شامل کرنا چاہئے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ: انتخابی نشان آپ کے خیال میں کیوں ضروری ہے کیونکہ یحییٰ بختیار اگر کوئٹہ سے الیکشن لڑ رہے ہوں۔زیر پٹیشن سے الیکشن لڑ رہے ہوں تو ان پڑھ لوگ بھی جان لیں گے کہ یہ پیپلز پارٹی کے امیدوار ہیں اور ان کا یہ نشان ہے۔

یحییٰ بختیار۔۔۔۔جناب لوگ پارٹی پروگرام پالیسی منشور انتخابی نشان کو ووٹ دیتے ہیں۔1970ء میں پیپلز پارٹی کے منشور روٹی کپڑا اور مکان کے نعرے اور تلوار کے نشان کی وجہ سے ووٹ ملے اب اس کا نعرہ ہے حفاظت۔

چیف جسٹس حلیم۔۔۔۔آج تو لوگ جانوں کی حفاظت چاہتے ہیں۔حیدرآباد کراچی میں کیا المناک واقعات ہو رہے ہیں۔

یحییٰ بختیار۔۔۔۔جناب الیکشن موجودہ قانون کے تحت ہونگے جس میں ترمیم کی استدعا کی گئی۔

جسٹس اسلم ریاض حسین۔۔۔۔بنیادی حقوق بحال ہیں۔پارٹی بنائیں،الیکشن لڑیں اس کے لیے آپ آئین کا آرٹیکل نمبر 84 اور 85 پڑھ لیں۔

جسٹس نسیم حسن۔۔۔۔آرٹیکل نمبر 72 بنیادی حقوق سے متعلق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو سرکاری ملازم نہیں سیاسی جماعت بنا سکتا ہے۔اس میں شامل ہوسکتا ہے،ریٹرننگ افسر کو ہر امیدوار کو نشان الاٹ کرنا ہوگا۔آپ بتائیں کہ آرٹیکل 21 کس طرح آرٹیکل 72 کے منافی ہے۔

یحییٰ بختیار۔۔۔۔پارٹی کو ایک نشان نہ ملنے سے عوام کنفیوژ ہونگے۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔۔آئین کا آرٹیکل رولز کو کنٹرول کرتا ہے۔آرٹیکل سیاسی جماعت کی الیکشن میں شمولیت کو تسلیم کرتا ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ۔۔۔۔یحییٰ بختیار نے لوگوں کے ان پڑھ ہونے کا سہارا لیا ہے اور یہ بات ہے تو ان پڑھ لوگ سیاسی جماعتوں کے طبع شدہ منشور کیسے پڑھیں گے۔

یحییٰ بختیار۔۔۔۔اگر پیپلز پارٹی کو تلوار نشان ملے تو ان پڑھ کو بھی پتہ چل جائے گا۔

جسٹس نسیم حسن شاہ۔۔۔۔رانا شوکت محمود باغبان پورہ لاہور سے اقبال بھٹی،شمن آباد لاہور سے پیپلز پارٹی کے امیدوار ہونگے۔ایک انتخابی نشان قلم دوات اور دوسرے کا انتخابی نشان گدھا ہی کیوں نہ ہو۔سب کو علم ہوگا کہ یہ دونوں کس پارٹی کے امیدوار ہیں۔(اس پر کمرۂ عدالت میں موجود قانون دان کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔)

یحییٰ بختیار۔۔۔۔آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ الیکشن انتخابی نشانوں کی فہرست میں آج بھی ہاتھی گدھے ہونگے۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔۔آپ مخصوص نشان کی بات کر رہے ہیں۔کہاں لکھا ہے کہ الیکشن لڑنے والے کو اس کی پسند کا نشان دیا جائے۔ویسے الیکشن کمشنر ریٹرننگ افسر کو نشان دینے کی ہدایت کرسکتا ہے۔

عدالت عظمیٰ میں دلائل دینے کا سلسلہ کافی دیر جاری رہا جس دوران دوسرے فاضل جج صاحبان وضاحتیں طلب کرتے رہے۔بعدازاں وفاق پاکستان کے نمائندے اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے دلائل کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ

عزیز منشی۔۔۔۔نشان کا انتخاب بنیادی حق نہیں بنیادی طور پر ہر پاکستانی فرد کو یہ حق دیا گیا ہے کہ پارٹی بنائیں یا اس کا ممبر بنائیں۔آئین کی تسکین

Scanned with CamScanner

اور اغراض و مقاصد کو آرٹیکل نمبر 62،63 آرٹیکل نمبر 51 اور آرٹیکل 222 کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو آئین کی صورتحال واضح ہو جاتی ہے۔ سابقہ فیصلے میں سیاسی جماعتوں کی الیکشن میں شمولیت بالکل مختلف انداز میں تھی۔ آرٹیکل نمبر 51 یہ کہتا ہے کہ قومی اسمبلی براہ راست آزادانہ قانون کے مطابق حق رائے دہی سے بنے گی۔

جسٹس حلیم...... آپ ہر فرد پر زور دے رہے ہیں کہ پارٹی نشان کی طرف آئیں۔

عزیز اے منشی...... آئین کا زور فرد پر ہے پارٹی پر نہیں۔ آئین میں فرد کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کس جماعت میں چاہے شامل ہو اب جو درخواست زیر غور ہے اس کے مطابق اگر عوامی نمائندگی کے ایکٹ مجریہ 1976ء میں 1985ء کی ترمیم شدہ شق 21(بی) خارج کر دی جائے تو فرد کا حق بھی خارج ہو جائے گا۔ میری استدعا ہے کہ آرٹیکل نمبر 17 کو آئین کے آرٹیکل 21(بی) اور الیکشن رول کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ...... آرٹیکل نمبر 21 کے ساتھ رول نمبر 9(بی) کے ساتھ شرطیہ جملہ (پروویژن) شامل کر دیا جائے کہ اگر ایک سے زیادہ امیدوار ہوں ریٹرننگ افسر قرعہ اندازی کے ذریعے نشان دیں۔ الیکشن کمشنر چاہے تو کسی پارٹی کو مخصوص نشان الاٹ کرے۔

جسٹس حلیم...... بادی النظر میں 1985ء میں عوامی نمائندگی کے ایکٹ مجریہ 1976ء آرٹیکل نمبر 21 میں جو ترمیم کی گئی وہ آئین کے مطابق نہیں۔

فخر الدین جی ابراہیم...... الیکشن کمشنر اگر رول نمبر 9 کے اختیارات استعمال کرتا ہے تو ریٹرننگ افسر کو مشکلات پیش آئیں گی۔

عزیز اے منشی...... ہم انہیں ہم آہنگ کر لیں گے۔

جسٹس حلیم...... آپ کیسے ہم آہنگ کریں گے۔

عزیز اے منشی...... سیاسی جماعت اگر نشان اپنی استدعا پر مانگتی ہے تو الاٹ ہو سکتا ہے۔

جسٹس حلیم...... دو پارٹیاں ایک ہی سمبل مانگ لیں تو کیا ہونا چاہیے؟

عزیز اے منشی...... اس کی وضاحت آپ کو فیصلے میں کرنا ہو گی کچھ طریقہ کار موجود ہے۔

جسٹس حلیم...... حکومت کی تبدیلیاں کیسے ہونگی ہمارے خیال میں حکومت الیکشن کے ذریعے بدلنی چاہیے۔ الیکشن لڑنے کے لیے پارٹیاں ہونی چاہئیں۔ آپ آئین کا آرٹیکل نمبر 91 پڑھیں۔

جسٹس شفیع الرحمن...... آپ کہتے ہیں کہ آرٹیکل نمبر 222 ہے، رول نمبر 9 ہے۔ کیا رول نمبر 9 آرٹیکل نمبر 21 پر بھاری ہے یا صورتحال اس کے برعکس ہے۔

عزیز اے منشی...... ایسی صورتحال میں آرٹیکل 222 پاور فل ہے۔

جسٹس حلیم (دوران بحث)...... کیا سیاسی جماعتوں کے بغیر کسی ملک میں جمہوریت ہے۔

عزیز اے منشی...... (مسکراتے ہوئے) روس بھی خود کو جمہوریہ کہلاتا ہے۔

جج...... وہاں تو صرف ایک پارٹی ہے۔

عزیز اے منشی...... 1946ء میں الیکشن بغیر نشان کے ہوئے اس طرح پاکستان بغیر انتخابی نشان کے بنا۔

جسٹس حلیم...... (مسکراتے ہوئے) پھر تو یہ بہت اچھی بات ہے۔

فاضل جج...... آپ تین آرٹیکل میں ہم آہنگ کرنے کا کہتے ہیں مگر دو جمع دو کبھی پانچ نہیں ہو سکتے۔

عزیز منشی...... ہمارا مطلب الیکشن میں پارٹیوں کی عملی شمولیت ہے۔ پارٹیاں الیکشن میں اپنے امیدواروں کی مہم چلا سکیں گی۔ ان پر پابندی نہیں۔

Scanned with CamScanner

فاضل جج......رول نمبر 9 کو ہمارے ساتھی جج کی پروویژو اور آرٹیکل نمبر 21 کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

عزیز اے منشی......ٹھیک ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ......پھر تو آپ بڑے لیڈر آدمی ہیں۔

سیاسی جماعت کو سمبل الاٹ کرنے کے حق میں ڈاکٹر فاروق حسن نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے ہر شہری کا یہ آئینی حق ہے کہ وہ اپنی مرضی کی سیاسی جماعت کو منتخب کرے۔ انہوں نے کہا کہ بے نظیر بھٹو کیس میں عدالت عظمیٰ نے یہ حکم صادر کیا تھا کہ سیاسی جماعتیں جمہوریت کے لیے ضروری ہیں اور اس اعتبار سے اس پٹیشن میں سیاسی جماعتوں کا حق صحیح طور پر بنتا ہے کہ وہ الیکشن میں حصہ بھی لیں اور بطور ایک سیاسی جماعت ایک سمبل بھی لینے کی مستحق ہوں۔ انہوں نے اس نقطے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ آئین میں سیاسی جماعت کی طرح یہ حق ہر شہری کو دیا گیا ہے کہ وہ اپنی منشا کے مطابق اپنی پسند کا اظہار کر سکے۔ آئین کی دفعہ 17(2) 62,63 اور 218(3) میں یہ واضح درج ہے کہ ووٹر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے ووٹ کا حق استعمال کرے اور یہ حق وہ اس وقت تک استعمال نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ بنیادی طور پر اس چوائس کا حق رکھتا ہو انہوں نے مزید کہا کہ آئین پاکستان کی ان دفعات جن میں بنیادی حقوق درج ہیں یہ نہیں لکھا کہ موازنہ امریکہ کے آئین سے کرتے ہوئے کہا کہ وہاں پر بھی ماسوائے آرٹیکل نمبر 1 کی شق نمبر 2 کے علاوہ کوئی ایسی دفعہ نہیں جس میں شہری کو اپنی مرضی کی سیاسی جماعت کا حق حاصل نہ ہو لیکن 100 سال میں وہاں کی سپریم کورٹ نے متواتر یہ فیصلے دیئے ہیں کہ یہ ہر شہری کا بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی مرضی کی جماعت کو منتخب کرے۔ بین الاقوامی قانون کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر فاروق نے کہا کہ اس میں بھی انٹرنیشنل کووننٹ (1986ء) کی دفعہ نمبر 1 میں یہ واضح لکھا ہے کہ ہر جمہوری ملک میں ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے سیاسی جماعت کو منتخب کرے۔ ممتاز قانون دان ایس ایم ظفر نے عدالت کی معاونت کرتے ہوئے اپنے دلائل کی مستند دفعات کا ذکر کیا اور کہا کہ پاکستان کا آئین تکونی شکل میں منتخب کیا گیا ہے اس تکون میں ووٹ بنیادی لکیر ہے جبکہ سیاسی جماعتیں اور امیدوار تکون کی دوسری دو لکیریں ہیں اگر کسی ایک لکیر کو ہٹا دیا جائے تو تکون مکمل نہیں رہے گی اور آئین کی ہیئت متاثر ہوگی اور اس تکونی نظام کی تینوں لکیروں کے حقوق کا خیال رکھنا ہوگا لہٰذا جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرواتے ہوئے سیاسی جماعتوں کو انتخابی نشان الاٹ کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سیاسی جماعتوں اور اس کے امیدواروں کا پرنسپل اور ایجنٹ کا تعلق تسلیم کیا جا چکا ہے اگر امیدوار کے حق کو تسلیم کر کے انتخابی نشان الاٹ کیا جائے تو سیاسی جماعت کو انتخابی نشان الاٹ کرنے کے حق سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ انتخابات کے تمام مراحل کو انتخابات کا نام دیا جاتا ہے چونکہ سپریم کورٹ نے بنیادی حقوق کے تحت سیاسی جماعتوں کو انتخابات میں حصہ لینے کا حق دیا ہے تو یہ حق انتخابات کے ہر مرحلے کے لیے بھی ہے جس میں انتخابی نشان کا الاٹ کیا جانا اہم حصہ ہے جس کی اہمیت پاکستان میں اور بھی زیادہ ہے جہاں اکثریت ناخواندہ ہے اور انتخابی مہم سے مانوس نہیں ہے ساری جماعتوں کو حق حاصل ہے کہ انہیں انتخابی نشان الاٹ کیا جائے جو قانون اس حق سے متصادم ہو اسے اس سے کالعدم کیا جا سکتا ہے۔

عدالت عظمیٰ کے معاون وکیل اور سابق اٹارنی جنرل مسٹر علی احمد فضیل نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ آئین کے آرٹیکل 1989ء کے تحت عام انتخابات پارٹی بنیاد پر ہونے چاہئیں انتخابی نشان کا جہاں تک تعلق ہے آرٹیکل 81(بی) اور آرٹیکل (72) کے ساتھ پڑھا جائے تو صورتحال واضح ہو جائے گی۔ انہوں نے پی ایل ڈی 1967ء کے صفحہ نمبر 239 پر درج پاکستان تمباکو کمپنی اور کراچی میونسپل کارپوریشن کیس کا حوالہ دیا ہے اور آخر میں کہا ہے کہ آرٹیکل 21(بی) میں رول نمبر 9 کے ساتھ پڑھا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

نواز شریف کی 17 اپریل 1993ء کی تاریخی تقریر

وزیر اعظم جناب محمد نواز شریف نے آج شام ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا اس کا متن حسب ذیل ہے:۔

میرے عزیز ہم وطنو! السلام علیکم!

آج ایک مرتبہ پھر ملکی اور قومی صورتحال کے بارے میں آپ کو اعتماد میں لینے کی غرض سے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ گزشتہ ایک ماہ سے بعض عناصر نے مخصوص مفادات کے تحت بے یقینی کی جو فضا پیدا کی ہے اس کے زہر یلے اثرات ظاہر ہونے لگے ہیں۔ آپ کی حکومت کی اڑھائی سالہ محنت اور پالیسیوں کے نتیجے میں پاکستان ترقی کی راہ پر چل نکلا ہے۔ مگر سیاسی سازشوں کی وجہ سے سارے کئے دھرے پر پانی پھرتا نظر آ رہا ہے۔ سٹاک مارکیٹ میں کاروبار منجمد ہو کر رہ گیا ہے تاجر حضرات پریشان ہیں۔ سرمایہ کاری کرنے والے سوچ بچار میں مبتلا ہو گئے ہیں اور عوام بے چین اور مضطرب ہیں کہ نہ جانے اگلے چند روز میں کیا ہونے والا ہے؟ افسوس کی بات یہ ہے کہ ملک کو بے یقینی کی اس کیفیت میں ڈالنے کی سازشیں کرنے والوں نے ایسی جگہ کو اپنی آماجگاہ کے طور پر استعمال کیا جو پاکستان کی سالمیت وفاقیت اور استحکام کی علامت ہے۔ افسوس کہ وہ مقام جس تقدس کا مستحق ہے، ان لوگوں نے اس کا ذرا بھی خیال نہیں رکھا اور اس جگہ کو ملک میں عدم استحکام پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا، جو آئینی طور پر پاکستان کے استحکام کی نشانی ہے۔

عزیز ہم وطنو!

آپ جانتے ہیں کہ آپ کی منتخب حکومت نے تمام سیاسی تعصبات سے بالاتر ہو کر ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے انقلابی رفتار سے ہر شعبے میں کاموں کی ابتداء کی۔ میں ایک عظیم مقصد اور نصب العین لے کر سیاست کے میدان میں اترا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اور مصمم ارادہ رکھتا ہوں کہ اپنے وطن پاکستان کو ترقی و خوشحالی سے ہمکنار کر کے اسلامی دنیا کے لیے ایک مثال بنا دوں اور ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے وسائل اور ٹیکنالوجی سے مالا مال ایک ایسی مسلم طاقت کو وجود میں لائیں جس کی طرف کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہو۔

میرے عزیز ہم وطنو!

جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں پاکستان اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے مشعل راہ بھی بنے اور ان کا سہارا بھی۔ یہی علامہ اقبال کا خواب تھا یہی قائداعظم کی تمنا تھی مگر قائداعظم کی جدائی کے بعد اس عظیم منزل کو فراموش کر دیا گیا۔ کوئی مینار بنیادوں کے بغیر بلند نہیں ہوتا۔ پاکستان کی بنیاد پاکستان کے عوام ہیں، وہ مضبوط نہیں تو پاکستان بھی سربلند نہیں۔ یہی سوچ کر میں نے تعمیر و ترقی کے انقلابی پروگرام شروع کیے تاکہ اپنے وطن کو مضبوط اور سربلند کر سکوں۔ سب سے پہلے میں نے قومی یکجہتی پر توجہ دی۔ پانی کا وہ مسئلہ جو ستر سال سے حل نہیں ہو سکا تھا چاروں صوبوں کی رضامندی کے ساتھ اسے حل کر لیا۔ محاصل کی تقسیم کا دیرینہ تنازعہ ختم کر دیا گیا۔ مشترکہ مفادات کونسل کو روبہ عمل کر کے صوبوں کے مابین مسائل کو محبت اور بھائی چارے کے ساتھ حل کرنے کی روایت قائم کی۔ بڑے کام کرنے کے لیے بھائیوں کے درمیان جس اتفاق کی ضرورت ہوتی ہے ملک کی تاریخ میں پہلی بار اسے ہم نے پیدا کیا اور اس کے بعد اس بنیادی کام پر توجہ دی۔ جس کی طرف سیاسی تنازعات کی بناء پر کسی نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ 1965ء کے بعد پاکستان میں صنعت و معیشت کے لحاظ سے ترقی کا پہیہ گویا رکا ہوا تھا، جب آپ نے مجھے وزیر اعظم منتخب کیا تو اس وقت بیرونی امداد بند ہو چکی تھی۔ ملک کے اپنے وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ زرمبادلہ چند ہفتوں کی ضروریات کے لیے بھی ناکافی تھا مگر میں نے اللہ کا نام لے کر تعمیر و ترقی کے منصوبے شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ زراعت کی ترقی کے لیے کھیت

Scanned with CamScanner

سے منڈی تک، سڑکوں کی تعمیر کا سلسلہ وسیع کر دیا گیا، چھوٹے کسانوں کو زرعی قرضوں کی فراہمی میں اضافہ کیا گیا۔ سندھ میں ہاریوں کو پہلی مرتبہ ٹریکٹر اور ٹیوب ویل دیئے گئے۔ صنعت کے شعبے میں بے جا قوانین اور ضابطوں کا خاتمہ کر کے صنعتکاری کو آسان بنایا گیا۔ محصولات اور قرضوں کے نظام میں تبدیلیاں کی گئیں اور اس کے بعد ملکی اور بیرونی سرمائے سے ملک بھر میں صنعتوں کا جال بچھانا شروع کر دیا گیا، کسی طرف بھی نکل جایئے، آپ کو ہر طرف کسی نہ کسی کارخانے کی دیواریں بلند ہوتی نظر آئیں گی۔ دریاؤں اور سمندروں میں، میدانوں اور پہاڑوں میں، صحراؤں اور وادیوں میں، جس طرف بھی نگاہ ڈالیں آپ کو پتہ چلے گا کہ ایک مدت سے سویا ہوا ملک کتنی برق رفتاری سے جاگا ہے اور کتنی جانفشانی سے اپنی تعمیر و ترقی کے عمل میں مصروف ہے، آپ کو محسوس ہوگا کہ تیسری دنیا کا یہ پسماندہ ملک اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے لیے کس جذبے اور لگن کے ساتھ اپنے آپ کو تیار کر رہا ہے۔

اگر آپ بیرونی امداد کی بندش کو پیش نظر رکھیں۔ ملک کے مالی وسائل کی قلت کا اندازہ لگائیں اور پیشہ ور سیاست کاروں کی طرف سے پیدا کی جانے والی رکاوٹوں سے واقف ہوں تو پھر آپ کو اس پر یقیناً تعجب ہوتا ہوگا کہ اتنے زیادہ اور بڑے کام ہو کیسے رہے ہیں اور صرف اڑھائی سال کے قلیل عرصے میں یہ تبدیلیاں رونما کیسے ہوگئی ہیں۔

پاکستان جس کے ہوائی اڈوں پر اترتے ہی وطن کی محبت سے سرشار لوگوں کو توہین آمیز سلوک کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ان کی جیبیں کاٹ لی جاتی تھیں آج گرین چینل کے ذریعے پروقار انداز میں اپنی سرزمین وطن پر قدم رکھتے ہیں۔ دیہات اور شہروں میں جہاں سفر پر نکلنے والے انسانوں کے ساتھ بھیڑ بکریوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ اب وہاں بسوں، ویگنوں اور پیلی کیب کی فراوانی ہے، خاص طور پر شہروں میں پیلی کیب نے کلچر ہی بدل کے رکھ دیا ہے۔ اب آپ کو ایم اے اور بی اے نوجوان مقررہ نرخ پر عزت و احترام کے ساتھ منزل پر پہنچاتا ہے اور اپنے باوقار ذریعہ آمدنی پر فخر کرتا ہے۔ خدانخواستہ ان ہاتھوں کو مزید کچھ عرصہ روزگار نہ ملتا تو ان میں سے شاید کتنے کلاشنکوف پکڑ لیتے یا نشے کے تاریک غاروں میں جا گرتے۔ ٹرانسپورٹ کی اس سکیم نے لاکھوں نوجوانوں کو نہ صرف ذمہ دار اور پرامن شہری بنا دیا بلکہ گھروں کے لیے روزگار بھی فراہم کیا۔ میں نے اپنی پہلی تقریر میں عرض کیا تھا کہ روزگار صرف نوکری کا نام نہیں اور اب میں نے اس کا عملی ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ ملازمتوں کے بغیر روزگار کس طرح مہیا کیا جا سکتا ہے؟ تین لاکھ روپے تک کے آسان قرضوں کی سکیم شروع کر کے ہر اس شخص کو کام کا موقع دے دیا ہے جو عزت کے ساتھ روزی کمانے کا خواہش مند ہو۔

برصغیر میں سب سے پہلے موٹروے کی تعمیر کا اعزاز آپ کے ملک کو حاصل ہو رہا ہے۔ موٹروے نے اپنی تعمیر کے لیے ہزاروں افراد کو روزگار فراہم کیا اور اپنی تکمیل کے بعد بھی لاکھوں افراد کو روزگار کے وسیلے فراہم کرے گا اور پاکستان کی معیشت کے بازو وسطی ایشیا تک پھیل جائیں گے، اس کے علاوہ پورے ملک میں سڑکوں کا جال بچھایا جا رہا ہے۔ گوادر میں نئی بندرگاہ کی تعمیر کا کام زور شور سے جاری ہے، وہ ملک جو پینتالیس برسوں سے صرف ایک بندرگاہ پر چل رہا تھا اب وہاں دو بندرگاہیں ہو جائیں گی۔ یہ میں نے صرف چند مثالیں دی ہیں آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنے ملک کو وسائل سے مالا مال اور عوام کو عظیم قرار دیا تھا، کمی صرف یہ تھی کہ کسی نے پاکستان کے عظیم فرزندوں کو ان کی اہلیت اور قوت سے کام لینے کا موقع ہی نہیں دیا انہیں اپنے جلسوں اور نعروں کا ایندھن بنا کر بے یار و مددگار اور مایوس چھوڑ دیا گیا مگر ہم نے آپ کو دکھا دیا ہے کہ آپ کے ملک میں ترقی کرنے کی صلاحیتیں موجود ہیں؟۔

میرے عزیز ہموطنو!

ملک کے اندر اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے اور تعمیر و ترقی کے بے شمار منصوبے شروع کرنے کے علاوہ ہم نے خارجی طور پر بھی شاندار

Scanned with CamScanner

کامیابیاں حاصل کیں۔ افغانستان میں خانہ جنگی ختم کرنے کے لیے پاکستان نے معاہدہ اسلام آباد کی میزبانی کا جو شرف حاصل کیا اس پر ساری اسلامی دنیا ہمیں خراج تحسین پیش کر رہی ہے۔ کشمیر اور بابری مسجد کے سوالوں پر ہم نے جو مضبوط مؤقف اختیار کیا، اس کی جھلک آپ بھارتی ردعمل میں دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارا پرامن ایٹمی پروگرام توسیع پذیر ہے اور انشاءاللہ دنیا کی کوئی طاقت ہمارے ارادے کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ جس طرح سے بیرونی سرمایہ کار پاکستان کا رخ کرنے لگے ہیں اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہماری پالیسی نے اس فضا کو، جو اشتعال انگیزی کی حد تک پاکستان کے خلاف تھی، اب کتنا سازگار کر لیا ہے۔

میرے عزیز ہموطنو!

یہ تو ملک میں مجموعی طور پر ہونے والے کاموں کی طرف چند اشارے تھے، مگر یہ ساری ترقی اس وقت تک بیکار ہے، جب تک ایک عام شہری کو امن اور تحفظ کی زندگی نصیب نہ ہو اور خاص طور پر ہماری دیہاتی آبادی جس ظلم و جبر کا شکار ہے اس کی موجودگی میں ہمیں اپنے آپ کو اسلامی ملک کہلانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ میرے دل کی گہرائیوں میں سب سے زیادہ جو چیز کھٹکتی ہے وہ ہمارے دیہاتی غریبوں کی بے بسی، بے چارگی اور بے عزتی ہے یہ میں کسی سیاسی مقصد کے تحت نہیں کہہ رہا یہ میرے دل کی آواز ہے، میری آرزو ہے اور انشاءاللہ میں اسے پورا کر کے رہوں گا کہ جہاں ظلم ہو وہاں انصاف ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر پہنچ جائے اور میں نے یہ تجربہ کر کے دیکھا ہے، میں جس گاؤں میں بھی کسی غریب کی آبرو لٹنے پر اچانک پہنچا ہوں وہاں میرے سامنے ہی مجرموں کے چہرے بے نقاب ہو گئے اور پھر میں نے انصاف میں تاخیر نہیں ہونے دی۔ یہاں تک کہ بااثر لوگوں کو بھی معاف نہیں کیا حالانکہ ان کا تعلق میری اپنی پارٹی کے ساتھ تھا۔ میں کسی ایسے طریقے کی تلاش میں ہوں کہ پورے ملک میں اس طرح کا نظام نافذ کر دیا جائے کہ جس وقت اور جہاں کسی مظلوم کے ساتھ ظلم ہو، اس وقت اور اس جگہ عدالت بیٹھ جائے اور ظالم کو بلا تاخیر اس کے جرم کی سزا دی جائے۔ یہی اسلام ہے اور جب تک انصاف اس طرح عام نہیں ہو گا ہم اپنے معاشرے کو اسلامی قرار نہیں دے سکتے۔

میرے عزیز ہموطنو!

میں نے جو کچھ بیان کیا ہے کیا اس میں آپ کو ایسی کوئی برائی نظر آئی ہے؟ جس کی وجہ سے حکومت کا ہاتھ روکنے کی ضرورت پڑے میں تو یہ سب کچھ اپنے وطن کے غریب عوام کی ترقی و خوشحالی، قومی یکجہتی اور ملک کی سلامتی کے لیے کر رہا ہوں اور یہ سارے کام ایک اچھی بھلی منتخب مقبول اور مستحکم حکومت کر رہی ہے۔ میں نے تو اپنا نصب العین ہی خدمت کو بنا رکھا ہے۔ وزیراعظم پاکستان کی حیثیت سے ہر شہری میری نگاہ میں ایک جیسے حقوق رکھتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کہنے کی جرأت رکھتا ہوں کہ میں نے پہلے ہی روز وعدہ کیا تھا کہ آپ نے مجھے ووٹ دیئے ہوں یا نہ دیئے ہوں وزیراعظم بننے کے بعد آپ سب کی خدمت میرا فرض ہو گا۔ آج میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ قرضے ہوں، کارخانوں کی منظوریاں یا نجکاری کا عمل، ٹیلی کیب ہوں یا ہاریوں کو دی جانے والی زمینیں، میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ کون کس پارٹی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، غریبوں کو پارٹیوں میں وہ تقسیم کرتے ہیں جنہیں اپنی سیاست عزیز ہوتی ہے غریب سے ہمدردی نہیں ہوتی اور میری ہمدردیاں ہر غریب کے ساتھ ہیں، خواہ وہ کسی بھی پارٹی سے تعلق رکھتا ہوں۔ پاکستان کی تاریخ میں شاید ہی کوئی برسراقتدار شخص اس طرح کا ریکارڈ پیش کر سکے۔ میں نے کسی کے ساتھ ذاتی مخاصمت بھی نہیں رکھی جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میں نے اپنی سب سے بڑی سیاسی حریف کے لیے بھی فراخدلی کے ساتھ وہ سہولتیں فراہم کیں جن کی مثال شاید ترقی یافتہ دنیا میں بھی نہ مل سکے۔

میرے عزیز ہموطنو!

میں تو آپ کی اور وطن کی خدمت میں دن رات ایک کر رہا تھا۔ مجھے اسمبلی میں فیصلہ کن اکثریت حاصل تھی اور کل بھی الحمدللہ میری

Scanned with CamScanner

حکومت مستحکم تھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج بھی ہے اور اس استحکام کا فائدہ کس کو پہنچ رہا ہے، آپ کو اور آپ کے پاکستان کو پھر یہ کیوں ہوا کہ گندی سیاست کرنے والے چند پرانے مفاد پرستوں نے پاکستان کے سب سے محترم مقام کو استعمال کر کے بلاوجہ عدم استحکام کا ایک تاثر پیدا کرنا شروع کر دیا۔ ان میں ایسے افراد بھی شامل ہیں جو دشمن کے ٹینکوں پر بیٹھ کر پاکستان میں داخل ہونے کی باتیں کرتے تھے۔ اور حیرت کی بات ہے کہ اس جگہ کا نام لے کر روزانہ پاکستان کی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کے دعوے کئے جانے لگے اور وہاں کی خاموشی ان دعوؤں کی تائید بنتی رہی اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہاں قائد ایوان کا انتخاب لڑایا جا رہا ہے اور اس کے لیے تائید اور حمایت حاصل کی جا رہی ہے۔ اسمبلی کے اندر اپنی لابی بنانے کی یہ کھلم کھلا سرگرمی، محض قائد ایوان کے خلاف نہیں بلکہ پارلیمانی نظام کو تلپٹ کر دینے والی سرگرمی ہے، جو آئین کے کسی محافظ کو زیب نہیں دیتی۔ یہ بڑا تکلیف دہ امر ہے اب یہ کوشش بہت واضح ہو گئی ہے کہ اسمبلی کے اندر اپنی پسند کا ایک نیا ڈمی قائد ایوان لایا جائے اور اسمبلی کو ریموٹ کنٹرول سے چلایا جائے۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ میں قومی بحران کو تحلیل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں لیکن اسے مزید گہرا کرنے والے ہر اقدام کا رشتہ اس مقام سے مربوط نظر آتا ہے جہاں دستور کی پاسداری ہونی چاہیے تھی۔

میں پوچھتا ہوں اس طرح کس قومی مفاد کی تکمیل ہوگی؟ حکمران پارلیمانی پارٹی کے ٹکڑے ہوئے تو اسمبلی میں برابر کے دھڑے پیدا ہو جائیں گے۔ کوئی بھی دھڑا آزادی اور اطمینان سے حکومت چلانے کے قابل نہیں ہوگا۔ اسمبلی بلیک میلنگ اور ہارس ٹریڈنگ کا مرکز بن جائے گی جس کا آغاز ہو بھی چکا ہے کس لیے؟ میں پوچھتا ہوں کس لیے؟ میرا جرم کیا تھا۔ کیا میرا جرم یہ تھا کہ میں نے اپنے تیرہ خاص ایم این اے گنوا کر پورے سندھ کو امن کا گہوارہ بنا دیا۔ اس سلسلے میں افواج پاکستان نے شاندار کارکردگی دکھائی۔

کیا میرا جرم یہ تھا کہ میں نے فرقہ واریت کی حوصلہ شکنی کی۔ کیا میرا جرم یہ تھا کہ میں نے بیروزگاری کو عملاً ختم کرنا شروع کر دیا؟ کیا میرا جرم یہ تھا کہ میں نے پورے ملک میں سڑکوں اور صنعتوں کے جال بچھا کر غریبوں پر روزگار اور خوشحالی کے دروازے کھولنے کی کوشش کی؟ کیا میرا جرم یہ تھا کہ میں نے بے گھروں کو رہائشی سہولتیں فراہم کیں۔ کیا میرا جرم یہ تھا کہ میں نے ان ہاتھوں کو جو بیروزگاری سے تنگ آ کر کلاشنکوف اٹھانے والے تھے انہیں پیداواری کاموں میں لگا دیا۔ کیا میرا جرم یہ تھا کہ میں نے بے زمین ہاریوں کو غلامی کی زندگی سے نجات دلا کر انہیں زمینوں کا مالک بنا دیا اور باعزت اور باوقار انسانی زندگی گزارنے کا موقع فراہم کیا۔

کیا میرا جرم یہ تھا کہ میں اسلام آباد کے سارے حکومتی ٹھاٹھ باٹھ چھوڑ کر ہر اس غریب بہن کا بھائی بن کر اس کی جھگی تک پہنچ گیا جس کے ساتھ ظلم کیا گیا ہو۔ کیا میرا جرم یہ تھا کہ میں نے سیلاب کے ساتھ ساتھ سفر کر کے مصیبت زدہ بھائیوں، بہنوں اور بیٹیوں کا ساتھ دیا اور پہلی مرتبہ انہیں یہ احساس دلایا کہ وہ اپنے وطن میں بے یار و مددگار نہیں بلکہ ان کا وزیر اعظم ننگے پاؤں ان کے ساتھ ساتھ ہے اور ان کے کچے گھروں کی بیٹھ جانے والی دیواریں دوبارہ اٹھانے کے لیے اپنے ہاتھوں سے مٹی لگانے میں بھی عار محسوس نہیں کرتا۔

کیا میرا جرم یہ تھا کہ میں نے انسانوں کو سائیکل رکشاؤں میں حیوانوں کی طرح استعمال ہونے سے روکا اور انہیں آٹو رکشا اور ییلو کیب دے کر واپس انسانی زندگی میں آنے کی سہولت دی۔ کیا میرا جرم یہ تھا کہ پانی کا ستر سالہ پرانا مسئلہ حل کر کے، میں نے صوبوں کے تنازعات ہمیشہ کے لیے ختم کر دیئے اور زرعی منصوبہ بندی کے راستے کھول دیئے۔ اگر یہ میرے جرم ہیں تو میں اس طرح کے جرم بار بار بلکہ ہزار بار کروں گا اور ان جرائم کی سزا میں میرا خون بھی مانگا گیا تو میں یہ خون دیتا رہوں گا مگر جو کام میں نے اپنے ذمے لے لیا ہے اس سے باز نہیں آؤں گا۔

میرے عزیز ہموطنو!

میں تو سیاست کو عوام، وطن اور اسلام کی خدمت کا ایک ذریعہ سمجھتا ہوں اور میں نے اپنے اسلاف اور بزرگوں سے حاصل شدہ تعلیم

Scanned with CamScanner

کی روشنی میں سیاست کے انہی اصولوں کو اپنایا ہے۔ مگر افسوس کہ جس قسم کی سیاست کے ساتھ مجھے واسطہ پڑا اس میں نجاست کم اور گندگی زیادہ ہے۔ آج میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میرا واسطہ کس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے۔ میں نے اپنے گھر سے بزرگوں کا ادب کرنا سیکھا ہے اور اسلام آباد پہنچ کر بھی میں نے اس روایت کو برقرار رکھا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں کسی کا ماتحت یا محتاج ہوں یا کسی سے خائف ہوں مجھے دھمکیاں دی گئیں کہ میں اپنے خاندان کا کاروبار بچانے کے اصولوں سے دستبردار ہو کر سمجھوتہ کر لوں۔ آپ دیکھیں گے یہ سمجھوتہ نہ کرنے کی پاداش میں میری کردار کشی کا بھی اہتمام ہوگا۔ میرے کرم فرماؤں کو کسی بھی فرد کی کردار کشی کے لیے عیب جوئی کا ہنر خوب آتا ہے میں نے حتی الامکان اپنے معاملات اور اپنی مرضی کو قومی مفاد کے تابع رکھا ہے۔ انشاء اللہ میرے عمل کا آئندہ ریکارڈ بھی اس بات کی گواہی دے گا میں اس ملک کا منتخب وزیر اعظم ہوں مجھے قومی اسمبلی میں بھاری اکثریت کی تائید حاصل ہے۔ اگر کسی کو شک وشبہ ہے تو وہ ایوان کے اندر اور ایوان کے باہر جہاں چاہے مجھے آزما کر دیکھ لے۔ چند ہفتوں سے تو یہ کوشش بڑے زور شور کے ساتھ کی بھی گئی ہے ایسی گندی ہارس ٹریڈنگ ہوئی ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔

وفاق پاکستان کی عظمتوں کا وہ مرکز جو پورے ملک کے لیے قابل احترام ہونا چاہیے تھا وہاں پر سازشوں کے جال بنے گئے کہ کسی طرح آپ کے منتخب وزیر اعظم کو گرا دیا جائے۔ گورنر صاحب تو وفاقی علامت کے اس مرکز میں قیام پذیر ہو کر وفاقی حکومت کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ جس سیاسی لاوارث کو کہیں پناہ نہیں ملتی تھی وفاق پاکستان کی، اس علامت کے اندر اس کی پذیرائی ہونے لگتی جہاں سے پاکستان کے استحکام یکجہتی اور سلامتی کے لیے اقدامات وقوع پذیر ہونا ناگزیر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

سپریم کورٹ میں اپریل 1993ء کے صدارتی اقدامات کے خلاف آئینی درخواستوں کی سماعت

چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر جسٹس ڈاکٹر سید نسیم حسن شاہ نے کہا کہ قومی اسمبلی توڑنے کے خلاف آئینی درخواستوں کا فیصلہ فنی، تکنیکی اور ضوابط کاری کی موشگافیوں کی بنیاد پر نہیں۔ اس اہم کیس کا فیصلہ میرٹ پر کیا جائے گا۔ یہ ریمارکس انہوں نے 18 اپریل 1993ء کے صدارتی اقدام کے خلاف سابق وزیر اعظم نواز شریف، سابق وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین ان کے چار رفقاء اور ملک رئیس احمد کی آئینی درخواستوں کی مشترکہ سماعت کے دوران دیئے۔ ان درخواستوں کی سماعت سپریم کورٹ کے گیارہ فاضل جج صاحبان چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ کی سربراہی میں کر رہے تھے۔ فل کورٹ مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری، مسٹر جسٹس سعد سعود جان، مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری، مسٹر اجمل میاں، مسٹر جسٹس محمد افضل لون، مسٹر جسٹس سجاد علی شاہ، مسٹر جسٹس محمد رفیق تارڑ، مسٹر جسٹس سلیم اختر، مسٹر جسٹس سعید الزماں صدیقی اور مسٹر جسٹس فضل الٰہی خان پر مشتمل ہے۔ درخواست گزاروں کی طرف سے ملک کے معروف قانون دان خالد انور، خالد اسحاق، شیخ محمد اکرم، راجہ اکرم، آفتاب فرخ، ثاقب نثار، چوہدری فاروق، اشتر اوصاف علی، محمد بلال ایڈووکیٹ اور دوسرے قانون دان پیش ہوئے جبکہ وفاق کی طرف سے اٹارنی جنرل عزیز اے منشی، ایس ایم ظفر، چوہدری فضل حسین، پنجاب کے ایڈووکیٹ جنرل ملک مقبول الٰہی، اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل ممتاز مرزا، چوہدری اعجاز پیش ہوئے۔ چیف جسٹس نے اٹارنی جنرل عزیز اے منشی سے مخاطب ہو کر کہا کہ 40 سال قبل مولوی تمیز الدین کیس میں فاضل جسٹس منیر نے جو فیصلہ کیا تھا وہ آج عوام کے ذہنوں پر نقش ہے اور قوم نے آج تک انہیں معاف نہیں کیا۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور میں پہلی بار شہریوں کو بنیادی حقوق کے طور پر سیاسی انصاف دیا گیا ہے۔ سیاسی انصاف کے تحت ہر قسم کی سیاسی سرگرمی آتی ہے۔ سیاسی انصاف ہر ایک کا آئینی حق ہے۔ خالد انور نے بھارتی سپریم کورٹ کے دو فیصلوں کا حوالہ دیا۔ ایک فیصلہ بمبئی میونسپلٹی کے خلاف جھگی نشینوں کے کیس میں ہوا۔ میونسپلٹی نے سڑکوں کے کناروں، پارکوں اور دوسرے علاقوں سے جھگی والوں کو ہٹانا شروع کیا تو بھارتی سپریم کورٹ نے براہ راست آئینی پٹیشن سماعت کے لیے منظور کی۔ کورٹ نے پوچھا کہ آپ کا کون سا بنیادی حق مجروح ہوا ہے تو جھگی نشینوں کے وکیل نے کہا کہ بھارتی آئین کے آرٹیکل 21 میں بنیادی حقوق کا تحفظ شامل ہے۔ جینے کا حق الگ بات ہے۔ سرکاری مقام پر جھگی بنانے کا حق اور بات ہے۔ انڈین سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ جینے کے حق میں زندہ رہنے کے لیے پیسے کمانے کا حق شامل ہے۔ سپریم کورٹ میں دوسرا مقدمہ آیا جس میں کہا گیا کہ پہاڑی علاقوں میں سڑکیں نہیں ہیں۔ جب تک حکومت سڑکیں نہیں بناتی۔ درخواست گزار پہاڑوں پر لٹکے رہیں گے۔ سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ یہ ان کا بنیادی حق ہے، جینے کا حق ہے۔ حکومت کی آئینی ذمہ داری ہے سڑکیں بنائے۔ سپریم کورٹ نے میونسپلٹی کو حکم دیا تھا کہ جھگی والوں کو ہٹانے سے پہلے ان کو متبادل رہائش فراہم کرے۔ خالد انور نے کہا کہ وہ تو بھارت کا سیکولر آئین ہے جہاں اتنے بنیادی حقوق ہیں۔ پاکستان اسلامی جمہوریہ ہے۔ ہماری سپریم کورٹ کو بھارت سے زیادہ بنیادی حقوق کی صراحت کرنی چاہیے جس پر چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر سید نسیم حسن شاہ نے کہا کہ ہم اس کی مزید وضاحت چاہتے ہیں کہ ''سیاسی انصاف'' کی اصطلاح میں کیا کچھ شامل کیا جا سکتا ہے۔ سیاسی تھیوری کی کتابیں موجود ہیں۔ ہم سیاسی انصاف کا مطلب بتائیں گے۔ قانونی انصاف تو سبھی سمجھتے ہیں۔ اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے کہا کہ سپریم کورٹ 84(3) آرٹیکل کے تحت آئینی پٹیشن کی سماعت نہیں کر سکتی۔ چیف جسٹس نے خالد انور سے پوچھا کہ اٹارنی جنرل نے کہا ہے کہ پہلے یہ معاملہ طے کر لیا جائے کہ آیا یہ آئینی پٹیشن فاضل عدالت سن سکتی ہے۔ کیا ہم پہلے ایسا طے کر لیں یا آپ کو

Scanned with CamScanner

اعتراض ہے۔ خالد انور نے کہا کہ ان کی رائے میں آئینی پٹیشن سننے کے ساتھ ساتھ اس عدالت کے اختیار کے بارے میں بات ہوتی رہے گی۔ چیف جسٹس نے کہا کہ ہم آئینی پٹیشن سننے کے اختیار پر اٹارنی جنرل کا اعتراض پہلے سن لیتے ہیں۔ اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے پٹیشن کے پیراگراف ۲، ۱۰ اور ۲۷ کا حوالہ دیا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ پٹیشن پڑھنے کی زحمت نہ کریں۔ آپ اپنے دلائل دیں مگر اٹارنی جنرل نے تمام پیراگراف پڑھنے شروع کر دیئے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ پوزیشن سبھی کو معلوم ہے کہ منتخب قومی اسمبلی کو توڑا گیا ہے حالانکہ آئین کے آرٹیکل ۵۲ میں دی گئی میعاد اس اسمبلی نے پوری نہیں کی تھی۔ آپ صرف ۸۴ (۳) آرٹیکل پر بات کریں کہ ایسے اقدام کے خلاف سپریم کورٹ کیوں درخواست نہیں سن سکتی جبکہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کا تفصیلی ذکر درخواست میں نہیں کیا گیا۔ آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۷ میں ایسوسی ایشن کی تشکیل کی آزادی کا ذکر ہے۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ آپ ۱۸۴ (۳) اور آرٹیکل نمبر ۱۷ کو ملا کر پڑھیں، ساتھ پٹیشن کا پیراگراف ۱۴ پڑھیں۔ اٹارنی جنرل نے یہ پیراگراف پڑھا جس میں کہا گیا تھا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۱۹ اپریل کو بلایا جا چکا تھا۔ ایک روز قبل صدر نے اسمبلی توڑ کر عوام کے فیصلے کو ختم کر دیا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ کو کیا احساس ہے کہ بنیادی حقوق کا صرف ایک باب میں ذکر نہیں ہو سکتا۔ آرٹیکل ۱۲ اے میں بھی بنیادی حقوق کا ذکر ہے۔

آرٹیکل ۵۲ میں درج ہے کہ قومی اسمبلی پانچ سال کے لیے ہوگی بشرطیکہ پہلے نہ توڑی جائے اس طرح آئین کے مختلف حصوں میں بنیادی حقوق کا تفصیلی ذکر ہے۔ بنیادی حقوق اتنے وسیع ہیں ان کو صرف ایک آرٹیکل تک محدود نہیں رکھا گیا۔ آپ یہ بتائیں کہ آرٹیکل (۱۷) کی خلاف ورزی پر بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور کسی وجہ سے نہیں ہوئی۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ سیاسی جماعت بنانے کا مطلب پارٹی الیکشن لڑنا، حکومت بنانا شامل ہے۔ اگر الیکشن لڑ کر کوئی اقتدار میں آ جائے آپ اسے حکومت سے نکال دیں کیا یہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ سیاسی پارٹی کی تشکیل کا اختیار ہے۔ اسے آرٹیکل نمبر ۱۷ کی سپورٹ حاصل ہے لیکن سیاسی پارٹی کا بنیادی حق حکومت بنانا نہیں۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ آرٹیکل نمبر ۱۷ کی وضاحت آپ ماتحت قانون کے ساتھ نہ کریں۔ آپ رولز کے حوالے نہ دیں۔ پہلے ہمیں بتائیں کہ سیاسی پارٹی سیاسی عمل کیا ہے۔ اسے کیوں ختم کیا گیا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ آرٹیکل نمبر ۱۷ (۱) ایسوسی ایشن بنانے کے حق کے متعلق ہے۔ کلاز (۲) میں کہا گیا ہے کہ سرکاری ملازم نہ پارٹی بنا سکتا ہے نہ ممبر بنا سکتا ہے۔ سیاسی جماعت کا ممبر بن سکتا ہے۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ اگر سیاسی جماعت کا لیڈر اکثریت حاصل کر لے کیا اسے حکومت کرنے کا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ حکومت کو اس وقت تک چلائے جب تک آئین اس کی اجازت دیتا ہے۔ کیا آپ ایسے شخص کو حکومت سے نکال سکتے ہیں۔ اگر نکال دیں تو کیا اس کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہوتی ہم نے اس نکتے کا پہلے فیصلہ کیا ہوا ہے لیکن آپ دوبارہ بحث لمبی شروع کرنے کے موڈ میں ہیں۔ آپ کو ہر چیز کہنے کا حق ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ پچھلی سماعت میں کہا گیا کہ اگر سیاسی جماعت بنتی ہے تو اس کا آئینی حق ہے کہ وہ عوام سے ووٹ حاصل کرے عوام کی اکثریت اگر اسے ووٹ دے دے تو وہ حکومت بنائے اگر آپ جسٹس شفیع الرحمٰن صاحب کے کہنے کے مطابق سپریم کورٹ کے ماضی کے تمام فیصلوں کو چیلنج کرنا چاہتے ہیں تو یہ آپ کے لیے بڑا مشکل ہوگا۔ جب معاملہ طے ہو چکا ہے تو کیوں اسے دوبارہ چھیڑتے ہیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ۹۲ (اے) میں حکومت جاری رکھنے کا کہا گیا ہے۔ حکومت کرتے رہنا بنیادی حق نہیں البتہ یہ صرف آئینی حق ہے۔

عزیز اے منشی نے کہا کہ آرٹیکل ۵۱ کے تحت حکومت قائم کی جاتی ہے۔ ۹۱ (۲) (اے) کے تحت سیاسی جماعت کو ہی حکومت کا حق نہیں دیا گیا۔ اس میں کوئی فرد بھی حکومت کر سکتا ہے جسے قومی اسمبلی کے اکثریتی ارکان کی حمایت حاصل ہے۔ آرٹیکل ۵۰ (اے) میں کہا گیا ہے کہ صدر اسمبلی کو توڑ دے گا اگر وزیر اعظم اسے توڑنے کی خواہش ظاہر کرے گا، وزیر اعظم کے مشورے کے ۴۸ گھنٹے کے اندر قومی اسمبلی خود بخود

Scanned with CamScanner

ٹوٹ جائے گی۔ ۵۸ ٹو (بی) میں صدر کا اسمبلی توڑنے کا صوابدیدی اختیار ہے۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ آپ بنیادی حقوق سے دور جا رہے ہیں۔ آپ بتائیں کہ کیا اکثریتی حکومت کو جب چاہیں اٹھا کر پھینک سکتے ہیں کیا ایسا ہونے سے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ آپ بار بار ایک ہی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ الیکشن میں حصہ لینا سیاسی جماعت کا حق ہے یا نہیں اٹارنی جنرل نے کہا کہ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ الیکشن جیتنے والی جماعت کو حکومت کرنے کا کیا حق نہیں ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ حق ہے۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ آج ایک عام شخص پوچھ رہا ہے کہ اکثریت رکھنے والی حکومت کو توڑنا کیسے جائز ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ ہر فرد یا افراد سیاسی جماعت بنا سکتے ہیں۔ وہ پروگرام کی تشہیر کر سکتے ہیں۔ آرٹیکل نمبر ۱۷ میں یہ الیکشن لڑنے کا حق نہیں دیا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر پارٹی الیکشن نہیں لڑسکتی اور حکومت نہیں بنا سکتی اور اسے انتخابی نشان کے تحت انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں تو سیاسی جماعت بامقصد طریقے سے کام نہیں کر سکتی جب سابقہ حکومت نے ایک انتخابی نشان کے تحت انتخابات لڑا عوام نے ان کو اکثریت دے دی لیکن ان کو آرگنائزڈ سیاسی حکومت نہیں کرنے دی گئی کیا اس سے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ جسٹس افضل لون نے کہا کہ ایک سیاسی جماعت کو عوام کا مینڈیٹ ملتا ہے کیا اسے حکومت کرنے کا حق نہیں ہے۔ عزیز اے منشی نے کہا کہ بنیادی حقوق کے باب میں بعض چیزوں کو مختلف انداز میں لیا جانا چاہئے۔ آرٹیکل ۱۷ (بی) آپ کے سامنے ہے۔ بے نظیر بھٹو کیس میں آبزرویشن سیاسی جماعت کے کام کرنے کے متعلق تھی۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی جماعت کی تشخیص مشکل ہے۔ انتخابی نشان کے بغیر سیاسی جماعت کام نہیں کر سکتی۔ چیف جسٹس نے کہا کہ رجسٹریشن اور الیکشن نشان کی رکاوٹیں اب نہیں ہیں۔

جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ سیاسی جماعت کو اکثریت حاصل ہے تو اسے حکومت کرنے کا آئینی حق ملے۔ آپ اسے کیوں تسلیم نہیں کر رہے، دوسری طرف جا رہے ہیں، ساری قوم عدالت عظمیٰ کو دیکھ رہی ہے کہ ۲۱ دن آئینی بحث ہوئی دو سو صفحات کا فیصلہ ہوا اس کے اندر کیا ہے۔ آپ ٹو دی پوائنٹ بات کریں۔ عزیز اے منشی نے کہا کہ آرٹیکل نمبر ۱۷ کے تحت سیاسی جماعت کو حکومت کرنے کا اختیار نہیں، جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ سیاسی جماعت اگر سو فیصد ووٹ حاصل کرے، تب بھی سیاسی جماعت آپ کے خیال میں حکومت نہیں کر سکتی، اگر پوری قوم سیاسی جماعت کے ساتھ ہو اسے بھی حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ آئین ایک لاجیکل دستاویز ہے، ۱۷، ۵۸، ۹۱ تمام آئین کے آرٹیکل ہیں۔ ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھنا پڑے گا۔ آپ صرف نمبر ۱۷ پر ہی تکیہ کر رہے ہیں، آرٹیکل نمبر ۱۷ کو اپنا کر آپ باقی سارے آئین کو طلاق نہیں دے سکتے، نہ ایسا ہم ہونے دیں گے۔ چیف جسٹس نسیم حسن شاہ نے پی ایل ڈی ۱۹۸۹ء کا حوالہ دیا، سیاسی جماعت کی تشکیل الیکشن لڑنا اور اقتدار حاصل کرنا آرٹیکل ۲۱ میں ہے، جس جماعت نے اقتدار حاصل کیا الیکشن جیت کر حکومت بنائی اس کو اپنی میعاد پوری نہیں کرنے دی گئی، اگر فیڈریشن کو آئین کے مطابق درست نہ چلایا گیا تو بڑی مشکل ہو جائے گی، اس لیے آرٹیکل ۱۸۴ (۳) کے تحت بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کا معاملہ اٹھایا گیا۔ آپ آرٹیکل نمبر ۱۷ کا بار بار ذکر کرتے ہیں۔ آپ بتائیں سیاسی پارٹی کیوں بنائی جاتی ہے۔ کیا وہ حکومت حاصل کرنے کے لیے نہیں بنائی جاتی۔ عزیز اے منشی نے آرٹیکل نمبر ۵ ۷، اور آرٹیکل ۲۱ کا حوالہ دیا اور کہا کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ سیاسی جماعت کی تشکیل اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ یہی بات پہلے تسلیم کر لیتے، عزیز اے منشی نے کہا کہ مجھے اس سے اتفاق ہے۔ آرٹیکل ۵۸ میں قومی اسمبلی توڑے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۵۸ آرٹیکل کو آرٹیکل نمبر ۱۷ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وزیر اعظم کو معزول کر دینا بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ مسٹر جسٹس اجمل میاں نے کہا کہ آرٹیکل نمبر ۱۷ اور ۵۸ (۲) (بی) کا ذکر کیا ہے۔ معاملہ بنیادی حق تلف ہونے کا ہے۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ ذاتی طور پر میرا یقین ہے کہ سیاسی عمل اس وقت شروع ہوتا ہے جب سیاسی جماعت لوگ بناتے ہیں۔ اکثریت حاصل کر کے حکومت بناتے ہیں یہ سارا سیاسی عمل ہے۔ آپ اور حکومت کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم آئین پر عمل

Scanned with CamScanner

کر رہے ہیں۔ اکثریتی حکومت کو آئینی شقوں کی خلاف ورزی کر کے پھر اسے ختم کر دیتے ہیں۔ آپ اس کی وضاحت کریں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ سیاسی جماعتوں کی تشکیل سیاسی جماعتوں کے ناموں کے تحت ہوتی ہے جو آرٹیکل نمبر ۱۷ کے تابع ہے۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ ریگولیٹری پراسیس مجاز اتھارٹی کر سکتی ہے، سادہ سوال یہ ہے کہ بنیادی حق صرف سیاسی جماعت کی تشکیل ہی ہے کیا ایسی سیاسی جماعت کا اکثریت کے ساتھ حکومت کرنا بنیادی حق نہیں ہے تو اٹارنی جنرل نے کہا کہ ۹۲ (اے) میں حاصل ہے لیکن آرٹیکل نمبر ۱۷ میں حکومت بنانا یا قومی اسمبلی کے کسی رکن کا پانچ سال تک ممبر رہنے کے حق کی ضمانت نہیں دی گئی۔ آرٹیکل ۱۷ کو آرٹیکل ۵۸، ۹۲ کے ساتھ ملا کر پڑھیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ بے نظیر بھٹو کے کیسوں میں آپ نے رجسٹریشن نہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ دیا تھا کہ سیاسی جماعتوں کے ایکٹ اور آئین میں حکومت بنانے کا بنیادی حق نہیں ہے۔ فرض کریں میں سیاسی جماعت ہوں یا میرا کوئی نام نہیں، جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ سیاست ایک عمل ہے۔ اس کے آغاز اور اختتام ہی سے سیاسی جماعت کی تشکیل کا آغاز اور نصب العین حکومت حاصل کر کے اپنے نظریات پالیسیوں پر عملدرآمد کرنا ہوتا ہے۔ اقتدار کا حصول اس کا حتمی مطمع نظر ہوتا ہے۔ یہ ایسا معاملہ ہے جسے آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر نہیں جانتے تو یہ بات آپ کو جان لینا چاہئے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کیس میں اسی قسم کا سوال اٹھا تھا، سیاسی جماعتوں کے ایکٹ کی سیکشن ۶ میں کہا گیا تھا کہ الیکشن کمیشن بعض وجوہ کی بناء پر سیاسی جماعت کا لعدم قرار دے سکتا ہے۔ اس ضمن میں کہا گیا تھا کہ اقتدار کے چیک اینڈ بیلنس ہونے چاہئیں۔ الیکشن کمیشن سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن کرے، اگر کوئی پارٹی آئین کے آرٹیکل ۲۷ کی خلاف ورزی کرے تو الیکشن کمیشن اسے توڑ دے مگر آپ اس کیس میں اس آرٹیکل اور سیکشن نمبر ۶ کا حوالہ نہیں دے سکتے۔ یہ قطعاً غیر متعلقہ ہے۔ بے نظیر کیس فیصلے کے صفحات ۴۸۷ اور ۵۱۹ پر اٹارنی جنرل نے اختلاف کیا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ نہیں، چیف جسٹس نے کہا کہ سیاسی عمل کا آغاز کیا ہوتا ہے اور اس کا آخری درجہ کیا ہوتا ہے۔ آپ سادہ سوال کا جواب دیں کہ کیا سیاسی جماعت کو اکثریت رکھنے کے باوجود حکومت کرنے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ ہم بادی النظر میں سمجھتے ہیں کہ سیاسی عمل جاری نہیں رہنے دیا گیا۔ سیاسی جماعت کو اکثریت کے باوجود حکومت کرنے سے روک کر بنیادی حق مجروح ہوا ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں، عزیز اے منشی نے کہا کہ سیاسی عمل آئین کے مختلف آرٹیکلز پر محیط ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ سیاسی جماعت بنانے اور اس کا منطقی مقصد حکومت سازی ہے۔

چیف جسٹس.......... ہم یہی تو آپ کو کہہ رہے تھے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ سیکشن نمبر ۲۱ کے تحت بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے متعلق ہمارے سابقہ فیصلے کو آپ کیسے لیتے ہیں۔ بنیادی حقوق تمام امور پر محیط ہیں چاہے حلقہ بندی کا ہو سیاسی جماعتوں کے انتخابی نشانات کا ہو، آپ نے بے نظیر بھٹو کیس میں ہمارے فیصلے کو تسلیم کیا ہے تو پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آرٹیکل نمبر ۱۷ کے تحت بنیادی حقوق سلب نہیں ہوتے۔ چائے کے وقفے کے بعد گیارہ بج کر چالیس منٹ پر دوبارہ سماعت شروع ہوئی تو چیف جسٹس نے کہا کہ اٹارنی جنرل صاحب اب آپ اپنے دلائل کا خلاصہ بیان کریں تا کہ ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اٹارنی جنرل نے ۱۹۹۱ء میں سپریم کورٹ آف انڈیا کے ایک فیصلے کا حوالہ دیا۔

اٹارنی جنرل نے حاجی سیف اللہ کیس کا حوالہ بھی دیا۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے پوچھا کہ درخواست گزار کون تھے تو اٹارنی جنرل نے کہا کہ سید کبیر احمد تھے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ جس کیس کا ذکر کر رہے ہیں اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس میں بنیادی حقوق کا سوال نہیں اٹھایا گیا لیکن نواز شریف کی آئینی پٹیشن میں بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کا معاملہ پوری قوت کے ساتھ اٹھایا گیا ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ۵۸ (۲) (بی) کو آرٹیکل ۱۷ سے مشروط نہیں کیا جا سکتا۔ ۵۸ (۲) (بی) الگ آرٹیکل ہے۔ اس کے تحت اقدام کو آرٹیکل نمبر ۱۷ سے چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ آرٹیکل ۵۸ (۲) (بی) آئین کا حصہ ہے جس میں صدر کو صوابدیدی اختیار ہے کہ اسمبلی توڑ سکتا ہے۔ چیف جسٹس نے کہا

Scanned with CamScanner

کہ آرٹیکل ۱۹۹ کے تحت بھی آئینی درخواست ہمارے پاس ہے۔ ۱۸۴ (۳) کے تحت بھی ہے۔ آپ صرف آرٹیکل نمبر ۱۷ پر بات کریں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ آرٹیکل ۲ (اے) کو دوسری دفعات کے ساتھ ملا کر پڑھیں چیف جسٹس نے کہا کہ آرٹیکل ۲ اے میں آرٹیکل نمبر ۱۷ کی وضاحت کی گئی ہے کہ سیاسی جماعت بن سکتی ہے۔ وہ کام کر سکتی ہے آرٹیکل (۲) (اے) کو بے شک بنیادی حقوق میں نہ سمجھا جائے لیکن باقی آرٹیکل کے تحت الیکشن لڑ کر حکومت بنانا اس حکومت کو توڑ دینا کیا بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ میں نے تمام سوال آپ کے سامنے رکھ دیے ہیں۔ آپ کو ان کا جواب دینا ہوگا۔ اس کے بعد چیف جسٹس نے حکومت کی طرف سے پیش ہونے والے ایس ایم ظفر ایڈووکیٹ کو یہ کہہ کر بلایا کہ اب میں انسانی حقوق کمیشن کے سربراہ کو دلائل دینے کی دعوت دیتا ہوں۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ بنیادی حقوق پر عملدرآمد اور عوامی اہمیت کے سوال انتہائی اہم ہیں۔ اس کیس میں عوامی اہمیت کا معاملہ ہے۔ بنیادی حقوق کے آرٹیکلز باب نمبر ۱، پارٹ نمبر ۲ ہیں جن کا یہاں ذکر آتا ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بنیادی حقوق کا جو ذکر آپ نے کیا ہے کیا ان پر عملدرآمد بھی ہونا ضروری ہے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ غیر متاثرہ شخص کے عدالتوں میں آنے سے عدالتوں کا کام بڑھا ہے لیکن آپ فاضل جج صاحبان نے بڑی محنت سے عدالتوں کا کام بڑی حد تک نمٹا دیا ہے۔ سپریم کورٹ ۱۸۴ (۳) کے تحت اگر کسی فرد کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کا معاملہ منسلک ہے تو یہ عوامی اہمیت کا کیس تو ہے مگر بنیادی حقوق کا کیس نہیں ہے۔ میں مدعا علیہ نمبر ۳ کی طرف سے عرض کر رہا ہوں کہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کا معاملہ ہائیکورٹ میں طے ہونا ضروری ہے جو کچھ بنیادی حقوق کے متعلق چیلنج کیا گیا ہے تو یہ بنیادی حقوق کے نفاذ کا سوال نہیں ہے۔ یہ آرٹیکل ۱۹۹ کے متعلق ہے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ فرض کریں کہ صدر کا آرڈر جائز ہے کیا پھر بھی بنیادی حقوق کی خلاف ورزی تصور کر کے اسے چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ اگر صدارتی فرمان جائز ہے تو پھر نہ بنیادی نہ کسی اور حق کی خلاف ورزی تصور کی جائے گی۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ جب سیاسی جماعت بنانا بنیادی حق ہے۔ اس کا حکومت سنبھالنا بنیادی حق ہے تو ایسی حکومت کو ختم کر دینا کیا بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ ۱۹۸۵ء کے الیکشن غیر جماعتی بنیاد پر ہوئے ایس ایم ظفر نے کہا کہ وہ الیکشن نہیں ہونے چاہئیں تھے مگر وہ ہوئے اس وقت اسمبلی بحال اس لیے نہ کی گئی کہ وہ غیر جماعتی الیکشن کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی۔ جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ کیا پارلیمنٹ کے باہر کسی کو آئین میں ترمیم کا اختیار دیا جا سکتا ہے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ بالکل نہیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آرٹیکل نمبر ۵۸ (۲) بی کیا ہے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ یہ بہت برا قانون ہے۔ سیاسی عدم استحکام کی ہماری بری تاریخ ہے، اسمبلی نے ایسی ترامیم کیں جو نہیں کرنی چاہئے تھیں مگر یہ ترامیم موجود ہیں۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ صدارتی حکم صحیح ہے تو بنیادی حقوق کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر چیلنج نہیں کیا جاتا تو بنیادی حقوق کے نفاذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ کیا عدالت اس کا نوٹس نہیں لیتی۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ پہلے عدالت یہ طے کرے کہ صدارتی اقدام درست ہے یا غلط۔ اگر غلط ہے تو پھر بنیادی حق کی خلاف ورزی کا معاملہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ کو اظہار رائے کی، تقریر کی ایسوسی ایشن بنانے کی آزادی ہے، جلسہ عام کا انتظام ہو رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جلسہ نہیں ہو سکتا کیونکہ گڑبڑ کا خدشہ ہے کوئی چیلنج کر دیتا ہے کہ انتظامیہ نے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کی ہے۔ ایسی صورت میں کیا درخواست گزار کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا جائے گا کہ پہلے ہائیکورٹ میں جا کر آرڈر کو غیر قانونی ثابت کراؤ پھر بنیادی حقوق مجروح ہونے کا معاملہ لے کر ہمارے پاس آنا۔ کیا آرٹیکل ۱۸۴ (۳) کے تحت یہ آرڈر چیلنج کیا جا سکتا ہے، میرا سوال ہے کہ بنیادی حقوق کیا ہیں؟ پورے ملک کی منتخب کردہ اسمبلی کو توڑ دیا جائے۔ اسمبلی میں واضح اکثریت رکھنے والے وزیراعظم کو برطرف کر دیا جاتا ہے کیا یہ بنیادی حق کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ ہم نے ابتدائی اعتراض کو میرٹ کے ساتھ پہلے ہی نتھی کر دیا ہے۔ ہم نے دونوں کو باہم مربوط کر کے فیصلہ کرنے کا کہا ہے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ کسی حکم کو چیلنج کرنے کے لیے ثابت کرنا ہوگا کہ صدارتی حکم غلط

Scanned with CamScanner

ہے۔ پھر بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کی بات ہوگی۔ چیف جسٹس نے کہا کہ صدارتی فرمان کو غیر قانونی قرار دے کر چیلنج کیا گیا ہے۔ اس کے تحت بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کی کلاز کے تحت اسے چیلنج کیا گیا ہے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ قومی اسمبلی کی میعاد پانچ سال مقرر ہے بشرطیکہ پہلے نہ توڑی جائے۔ پانچ سال اسمبلی کا رہنا بنیادی حق نہیں ہے۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ کیا کسی رکن قومی اسمبلی کو پانچ سال تک ممبر نہ رہنے دینا بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ بدقسمتی سے آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے تحت صدر اسمبلی توڑ سکتا ہے۔ وزیراعظم اسے توڑنے کا مشورہ دے سکتا ہے۔ ہم سب کی خواہش ہے ملک میں سیاسی استحکام ہو، اسمبلیاں پانچ سال چلتی رہیں۔ یہ سیاسی آرزو ہم سب کی ہے مگر اسمبلی کے ارکان ان کو برج ڈاؤن کرتے ہیں۔ پھر عدالت میں آتے ہیں اگر کہیں بھی کسی سیاسی جماعت کو سیاسی عمل میں حصہ لینے سے روکا جائے تو وہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی قرار پاتی ہے۔ جیسا کہ سپریم کورٹ بے نظیر بھٹو کیس اور انتخابی نشانات کے کیس میں قرار دے چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسمبلی کو پانچ سال سے پہلے توڑنے سے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ یہ سیاسی خواہش ہوتی ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ اسمبلی توڑنے کے تین طریقے ہیں۔ تیسرا طریقہ ہے کہ وفاقی حکومت آئین کے تقاضوں کے مطابق نہیں چل سکتی۔ سوال یہ ہے کہ اسمبلی کے ارکان کی میعاد کو کم کر دیا جائے تو اسے چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آرٹیکل ۱۹۹ کے تحت یا بنیادی حقوق کے آرٹیکل کے تحت ڈیکلریشن دیا جائے۔ بادی النظر میں اگر سیاسی جماعت کے الیکشن لڑنے حکومت بنانے یا ختم کرنے کا معاملہ ہو تو یہ بنیادی حق کی خلاف ورزی قرار پاتا ہے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ قومی اسمبلی کی میعاد حتمی مقرر نہیں ہے۔ قومی اسمبلی کی زندگی کسی رکن کا بنیادی حق نہیں ہے نہ یہ کسی سیاسی جماعت کا بنیادی حق ہے۔ قومی اسمبلی کی زندگی آئینی اور سیاسی معاملہ ہے کوئی آدمی اصرار نہیں کرسکتا کہ قومی اسمبلی پانچ سال ہی رہے۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ پانچ سال رہنا رکن اسمبلی کا حق ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ آپ مجھے تب نکال سکتے ہیں اگر آپ کے پاس آئینی جواز موجود ہو۔ چیف جسٹس نے کہا کہ کیا کسی شخص کو زندگی کا حق نہیں ہے کیا کسی شخص کو حق دے دیا جائے کہ وہ سو سال کی عمر والے کی زندگی ختم کر دے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے لیکن قومی اسمبلی کی عمر مقرر نہیں ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ میعاد پانچ سال مقرر ہے۔ بشرطیکہ اسے پہلے نہ توڑا جائے۔ مسٹر جسٹس اجمل میاں نے کہا کہ قومی اسمبلی کی زندگی مقرر ہے۔ وزیراعظم کو جب تک اکثریت حاصل رہے، اسے وزیراعظم کے طور پر برقرار رہنے کا حق ہے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ قومی اسمبلی کی زندگی اس کے ارکان کا بنیادی حق نہیں ہے۔ البتہ یہ سیاسی حق ہوسکتا ہے۔ سیاسی استحکام کا سوال ہوسکتا ہے اگر قومی اسمبلی ختم ہوجائے تو دوبارہ الیکشن کا عمل موجود ہے۔ فاضل جسٹس نے کہا کہ ہمارے فیصلوں میں کہا گیا ہے کہ عوام کے مینڈیٹ پر عملدرآمد بنیادی حق ہے۔ عوام نے کسی کو حکومت کا مینڈیٹ دیا ہے تو برسراقتدار رہنا اس حکومت کا بنیادی حق ہے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ یہ درست ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ پھر آپ سیدھے سادے طریقے سے یہی بات کیوں نہیں کرتے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ کیس لڑنے کا میرا اپنا طریقہ ہے۔ قومی اسمبلی توڑنے کے آئین میں تین طریقے ہیں۔ اس موقع پر جسٹس نسیم حسن شاہ نے کہا کہ آپ معذرت خواہانہ انداز میں بات بے شک نہ کریں۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ ملکی صورتحال پر میں معذرت خواہ ہوں۔ صدارتی اقدام کو آرٹیکل ۱۹۹ کے تحت چیلنج کیا جاسکتا ہے مگر ۱۸۴ (۳) کے تحت چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ قومی اسمبلی توڑی گئی ہے۔ یہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ جسٹس سجاد علی شاہ نے کہا کہ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سیاسی جماعتوں کو کام کرنے سے نہیں روکا گیا۔ ایس ایم ظفر نے مولانا مودودی اور دوسرے کیسوں کا حوالہ دیا اور کہا کہ وہاں سیاسی جماعتوں کو کام کرنے سے روکا گیا۔ سپریم کورٹ میں انتخابی نشانات اور محترمہ بے نظیر بھٹو کیس آئے۔ اس میں فاضل جج صاحبان نے سیاسی جماعتوں کے مطابق پولیٹیکل تھیوری دی اور کہا کہ سیاسی جماعت کیا ہے۔ اس کے کیا مقاصد ہیں۔ اسے قائم رہنا چاہئے اگر کسی اقدام سے سیاسی جماعت کا وجود ختم کیا جائے تو بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ جسٹس

Scanned with CamScanner

سعد سعود جان نے استفسار کیا کہ بے نظیر بھٹو کیس کے حوالے سے آپ کیا بتانا چاہتے ہیں۔ایس ایم ظفر نے کہا کہ اقتدار میں رہنے کی طمع و حرص نے اس ملک کو تباہ کیا۔جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ بات اس کی نہیں ہو رہی، سیاسی جماعتوں کے کام کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ایس ایم ظفر نے کہا کہ سیاسی جماعت کو اختیار ہے کہ وہ اقتدار میں آئے مگر اسے اپوزیشن میں بھی رہنا چاہئے۔چیف جسٹس نے کہا کہ اگر سیاسی جماعت کا مقصد اقتدار میں آنا نہیں تو پھر تو وہ سالویشن پارٹی ہوگی۔جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ آپ یہ بتائیں کہ اگر قومی اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کو کہہ دیا جائے کہ آپ کو اکثریت کے باوجود اقتدار نہیں دیا جائے گا تو کیا یہ درست ہے اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو کیا اس پارٹی یا حکومت کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔چیف جسٹس نے کہا کہ الیکشن ہونے کے بعد ایک رکن وزیر اعظم بننے والا ہوتا ہے۔صدر کہہ دے کہ اس کے آنے سے ملک تباہ ہو جائے گا۔کیا اس کے بعد پھر دوبارہ الیکشن کروا دیا جائے۔ایس ایم ظفر نے کہا کہ ایسی اتھارٹی کا آرڈر آرٹیکل نمبر ۱۹۹ کے تحت چیلنج کیا جاسکے گا۔ ۱۸۴(۳) کے تحت اسے چیلنج نہیں کیا جاسکے گا۔مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ آئین میں بنیادی حقوق کے ذکر کے بعد ان کے تحفظ اور فروغ کا بندوبست ہے۔ایس ایم ظفر نے کہا کہ وزیر اعظم کون بنتا ہے، کون ممبر اسمبلی ہوتا ہے یا کسے معزول کیا جاتا ہے۔اس سے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔جسٹس قدیر چوہدری نے کہا کہ کیا سیاسی انصاف ضروری نہیں ہوتا۔ایس ایم ظفر نے کہا کہ سیاسی جماعتوں کے کچھ بنیادی حقوق کچھ سیاسی حقوق ہوتے ہیں۔صدارتی اقدام سے بنیادی حقوق نہیں، سیاسی حقوق متاثر ہوتے ہوں گے۔اس کیس میں حکومت، اسمبلی کا قائم رہنا بنیادی حق نہیں سیاسی حق بنتا ہے۔چیف جسٹس نے کہا کہ مسٹر ظفر نے کہا ہے کہ سیاسی پارٹی بنانا، الیکشن لڑنا، اسمبلی کا رکن بن جانا، قانونی حق تو بنتا ہے۔بنیادی حق نہیں ہے۔اسے صرف ۱۹۹ کے تحت چیلنج کیا جاسکتا ہے جس کے بعد درخواست گزار کے وکیل خالد انور نے اپنے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ مدعا علیہ کے وکیل نے کہا ہے کہ یہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے۔میرا دعویٰ ہے کہ سیاسی انصاف بھی بنیادی حق ہوتا ہے۔میں اسے مختصراً ثابت کر دیتا ہوں۔قرارداد مقاصد کے دوسرے صفحے پر درج ہے۔سوشل اکنامک پولیٹیکل انصاف کی گارنٹی دی جائے گی۔قرارداد مقاصد کے آئین کا حصہ بنائے جانے کے بعد یہ بنیادی حق بن گیا ہے۔اس کے بعد آرٹیکل نمبر ۱۷ کا اسکوپ معلوم ہو جانا چاہئے۔بے نظیر بھٹو کیس میں کہا گیا ہے کہ بنیادی حقوق آئین کے تمام حصوں میں ہیں۔ان کا احترام ہونا چاہئے۔آرٹیکل ۱۷ میں ہر شہری کو سیاسی جماعت بنانے اور اس کا ممبر بنانے کا حق حاصل ہوگا۔اس میں ذکر سیاسی پارٹی کا ہے۔سیاسی لفظ کس وجہ سے استعمال کیا گیا ہے۔انہوں نے کہا کہ پاکستان میں سیاسی انصاف کو گزند پہنچائی گئی ہے۔میرے مؤکل کا پوائنٹ یہ ہے کہ آئین کا زور سیاسی انصاف پر ہے۔انہوں نے جسٹس صفدر حسین مرزا کے فیصلوں کی کتاب کی جلد اول کے ۴۲۸ اور ۴۲۹ صفحات کا حوالہ دیا جس میں کہا گیا کہ سیاسی انصاف کی بڑی اہمیت ہے۔سیاسی جماعتیں قرارداد مقاصد کے تحت بنیادی حقوق کے زمرے میں آتی ہیں۔خالد انور نے کہا کہ سیاسی جماعت کے کسی عمل کو اس وقت تک سیاسی عمل کہا جاسکتا ہے۔جب تک وہ اقتدار میں نہ آئے، جب وہ اقتدار میں آجائے۔وہ حکومت کرتی ہے۔سیاسی جماعت کا سارا زور سیاسی طاقت کے استعمال پر ہوتا ہے۔اس کے لیے وہ پاکستانی عوام کی طاقت استعمال کرتے ہیں اگر وہ سیاسی طاقت نہ چاہتے ہوں تو وہ یونیورسٹی یا کسی دوسرے ادارے میں خدمات سرانجام دیں۔خالد انور نے کہا کہ سیاسی جماعت کے ارکان مقننہ، انتظامیہ کے ممبر بننے کے خواہاں ہوتے ہیں، صدارتی اقدام سے نہ صرف حکومت کے ارکان اسمبلی بلکہ اپوزیشن کے ارکان اسمبلی بھی متاثر ہوتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ آئین کی روح ہے کہ سیاسی طاقت کو استعمال کیا جانا چاہئے۔آئین میں سیاسی اقتدار کی تقسیم ہے۔اس کے باوجود سیاسی طاقت کو بنیادی حق میرے مخالف وکیل تسلیم نہیں کرتے۔خالد انور نے بے نظیر بھٹو کیس کی سمری پڑھ کر سنائی۔خالد انور نے اے آئی آر ۱۹۸۶ء والیوم ۳ کے صفحہ ۱۸۰، ۷، ۸۴ کے حوالے بھی دیئے۔دوران سماعت ایس ایم ظفر نے کہا کہ صدر کا اقدام زیر غور ہے۔ہم اس وقت آرٹیکل ۱۹۹ کے تحت اس کا جائزہ لے رہے

Scanned with CamScanner

ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے کو کہیں اور چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اس پٹیشن کو ہائی کورٹ کے پاس بھیجا جائے۔
جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ اس وقت لاہور ہائیکورٹ بلوچستان ہائیکورٹ اور پشاور ہائیکورٹ نے اپنے ہاں داخل رٹ پٹیشنوں پر کارروائی مؤخر کر دی ہے کیونکہ ایسا ہی معاملہ سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ وقت کی کمی کے باعث درخواست کو ہائی کورٹ منتقل کرنے اور اس پر سپریم کورٹ میں ہونے والی کارروائی کے معاملات ساتھ ساتھ چلائیں گے۔ اٹارنی جنرل نے ایک موقع پر اٹھ کر کہا کہ دنیا میں ایک سو ستائیس اسمبلیوں کے ایسے حوالے پیش کر سکتے ہیں جن کو بحال نہیں کیا گیا تو نواز شریف کے وکیل خالد انور نے کہا کہ میں پھر ان اسمبلیوں کے حوالے دوں گا جن کو بحال کیا گیا ہے۔ اس کے بعد سماعت اگلے روز ملتوی کر دی گئی۔

چیف جسٹس نے کہا کہ جسٹس منیر جیسا قابل فاضل جج پاکستان اور برصغیر میں شاید ہی پیدا ہوا لیکن انہوں نے مولوی تمیز الدین کیس میں جو فیصلہ دیا اس پر قوم نے انہیں آج تک معاف نہیں کیا۔ اٹارنی جنرل واضح طور پر سمجھ لیں کہ ہم فیصلہ فنی و ضابطے کے اعتراضات کی بنا پر نہیں کریں گے۔ اس تاریخی کیس کا فیصلہ میرٹ کی بنیاد پر ہوگا۔ ہم نے ابتدائی سماعت اور میرٹس کے معاملات کو اکٹھے کر لیا ہے جن پر فریقین کل دلائل دیں گے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ سیاسی انصاف قرارداد مقاصد کا حصہ ہے۔ اس ضمن میں مسٹر جسٹس ظفر حسین مرزا کا پہلے سے فیصلہ موجود ہے کہ اگر کوئی سیاسی جماعت الیکشن لڑ کر حکومت بنائے پھر حکومت اور اسمبلی توڑ دی جائے تو ایسا کرنا سیاسی انصاف سے انکار کے مترادف ہے۔ فاضل وکلاء سے میرا کہنا ہے کہ آپ سیاسیات اور جمہوری دساتیر کا مطالعہ کر کے سیاسی انصاف کے لفظ پر مزید روشنی ڈالیں۔ کیس اتنا اہم ہے کہ لاہور ہائیکورٹ کے علاوہ، بلوچستان ہائیکورٹ میں رٹ پٹیشن دائر ہیں۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے ابھی بتایا ہے کہ سرحد ہائیکورٹ میں بھی رٹ تیار ہے۔ صورتحال اس قدر آگے جا چکی ہے۔ اٹارنی جنرل کل بتائیں گے کہ ۱۸ اپریل کو صدارتی اقدام کے وقت کیا پاکستان میں حالات اس قدر خراب ہو گئے تھے کہ آئین کی شقوں کے مطابق وفاق چلنے سے قاصر ہو گیا تھا۔ درخواست گزار کی طرف سے خالد انور ایڈووکیٹ نے کہا کہ سیاسی انصاف فراہم کرنا بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ اس کے برعکس حکومت کی جانب سے ایس ایم ظفر نے کہا کہ قومی اسمبلی کے ارکان کی میعاد پوری کرنے کی خواہش کو سیاسی تو کہا جا سکتا ہے مگر یہ بنیادی حق کے زمرے میں نہیں آتا۔ کیس کی سماعت سوا ایک بجے دن فاضل چیف جسٹس نے اتوار کی صبح ساڑھے نو بجے تک کے لیے ملتوی کر دی۔ کمرۂ عدالت سیاستدانوں اور قانون دانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا

گیارہ روز کے وقفے کے بعد نواز شریف کی آئینی پٹیشنوں کی سماعت فل کورٹ نے شروع کی تو اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی نے اعتراض کیا کہ سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار ہائیکورٹ کے دائرۂ اختیار سے اس کیس میں کم ہے۔ ہائیکورٹ تو اسمبلی توڑنے کے اقدام کو کسی نہ کسی بنیاد پر کالعدم اور غیر قانونی قرار دے سکتی ہے لیکن سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار صرف اس وقت شروع ہوتا ہے جب بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کا ارتکاب ہو۔ اٹارنی جنرل نے آئین کے آرٹیکل ۱۷ پر ساری بحث کو محیط کیا۔ انہوں نے کہا کہ آئین کے آرٹیکل میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ یا سالمیت، امن عامہ یا اخلاق کے مفاد میں قانون کے ذریعے عائد کردہ معقول پابندیوں کے تابع ہر شہری کو انجمنیں یا یونینیں بنانے کا حق ہوگا۔ ہر شہری کو پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ یا سالمیت کے مفاد میں قانون کے ذریعے عائد کردہ معقول پابندیوں کے تابع کوئی سیاسی جماعت بنانے یا اس کا رکن بننے کا حق ہوگا اور مذکورہ قانون میں قرار دیا جائے گا کہ جبکہ وفاقی حکومت یہ اعلان کردے کہ کوئی سیاسی جماعت ایسے طریقے پر بنائی گئی ہے یا عمل کر رہی ہے جو پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ یا سالمیت کے لیے مضر ہے تو وفاقی حکومت مذکورہ اعلان سے پندرہ دن کے اندر معاملہ عدالت عظمیٰ کے حوالے کر دے گی جس کا مذکورہ حوالے پر فیصلہ قطعی ہوگا۔ عزیز اے منشی نے کہا کہ قومی اسمبلی کو آرٹیکل نمبر ۱۷ کے تحت نہیں آرٹیکل ۵۸ (۲) (بی) کے تحت توڑا گیا ہے۔ اس لیے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ اس موقع پر چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر سید نسیم

Scanned with CamScanner

حسن شاہ اور مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ جہاں تک آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۷ کا تعلق ہے۔ سیاسی جماعت بنانے کے بنیادی حق کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ یہ ہے کہ سیاسی جماعت بنتی ہے۔ دوسرا حصہ یہ ہے کہ سیاسی جماعت الیکشن لڑتی ہے اور تیسرا یہ کہ اگر سیاسی جماعت الیکشن میں کامیاب ہوجائے تو حکومت بناتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۷ کی ہم واضح مفصل اور جامع وضاحت دیں گے۔ اٹارنی جنرل اس کا صرف مختصر ذکر کرتے رہے۔ اس لیے فاضل ججوں کا کہنا تھا کہ آرٹیکل نمبر ۱۷ میں نہ صرف سیاسی جماعت بنانے کا حق آتا ہے بلکہ اس کے نتائج اثرات بھی اس میں شامل ہیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کیس میں عدالت پہلے ہی آرٹیکل نمبر ۱۷ کی صراحت کر چکی ہے۔ فاضل عدالت نے حکومت کے وکیل ایس ایم ظفر سے پوچھا کہ آئین کے آرٹیکل ۵۸ (۲) (بی) کو خود چیلنج کرنا چاہیں گے۔ ایس ایم ظفر نے کہا کہ جہاں تک آرٹیکل نمبر ۱۷ کا تعلق ہے یہ سیاسی حق ہے۔ سیاسی حق دو مراحل تک حاصل ہوسکتا ہے۔ پہلا مرحلہ سیاسی جماعت کی تشکیل کا اور دوسرا مرحلہ الیکشن لڑنے کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب الیکشن ہوجاتا ہے تو سیاسی پارٹی کو کوئی بنیادی حق نہیں رہتا مگر فاضل جج صاحبان نے کہا کہ آرٹیکل نمبر ۱۷ کے تحت تیسرا مرحلہ بھی ہے۔ بنیادی حق حکومت بنانے اور اس کے مقررہ میعاد تک جاری رکھنے کا بھی ہے۔ جسٹس قدیر چوہدری نے ایس ایم ظفر سے استفسار کیا کہ کیا سیاسی انصاف بنیادی حق نہیں ہے۔ نواز شریف کے وکیل خالد انور نے عدالت کے پوچھنے پر بتایا کہ قرارداد مقاصد آئین کے آرٹیکل ۲ (اے) کے تحت آئین کا حصہ ہے۔ آرٹیکل ۲ (اے) میں لکھا ہے کہ ضمیمہ میں نقل کردہ قرارداد مقاصد میں بیان کردہ اصول اور احکام کو بذریعہ ہذا دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے اور وہ من وعن مؤثر ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرارداد میں واضح لکھا ہے کہ سیاسی انصاف بنیادی حق ہے جب آئین میں یہ بات کہہ دی گئی ہے تو فریق مخالف کے وکیل ایس ایم ظفر کی دلیل باطل ہوگئی ہے اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں اس موقع پر مسٹر جسٹس سعد سعود جان نے سوال اٹھایا کہ سیاسی انصاف سے کیا مطلب ہے۔ یہ کس حد تک جاتا ہے اس کے اندر کیا مقاصد ہیں۔ خالد انور نے کہا کہ ''سیاسی انصاف'' کی اصطلاح نہ امریکہ اور نہ بھارت کے آئین میں ہے یہ صرف پاکستان کے دستور میں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قومی اسمبلی کی تحلیل۔ صدر کے آئینی اختیار سے تجاوز تھا؟

9 مئی 1993ء

سابق وزیر اعظم نواز شریف کے وکیل خالد انور نے کہا کہ صدر پاکستان نے اپنے آئینی اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے قومی اسمبلی کو تحلیل کیا ہے جو بد نیتی پر مبنی ہے۔ عدالت عظمیٰ صدر کے اسمبلی توڑنے کے اختیار آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کی تشریح ممکن ترین محدود معنوں میں کرے کیونکہ اس اختیار نے جمہوریت کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ سینئر ایڈووکیٹ خالد انور سپریم کورٹ میں قومی اسمبلی توڑنے کے صدارتی اقدام کے خلاف سابق وزیر اعظم نواز شریف کی آئینی پٹیشن کی سماعت کے دوران اپنے دلائل دے رہے تھے۔ سپریم کورٹ کے ۱۱ ججوں پر مشتمل فل کورٹ نے دوسرے دن بھی سماعت جاری رکھی۔ ابھی ان کے دلائل جاری تھے کہ عدالت کا وقت ختم ہونے پر سماعت اگلے روز صبح تک کے لیے ملتوی کر دی گئی پیر کو خالد انور ایڈووکیٹ اپنے دلائل مکمل کر لیں گے۔ اس کے بعد دیگر درخواست گزاروں کے وکلاء اپنے دلائل دیں گے۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ عدالت عظمیٰ اپنے پہلے فیصلوں میں قرار دے چکی ہے کہ قومی اسمبلی توڑنے کا اختیار آرٹیکل ۵۸ (۲) بی عدالتی نظر ثانی سے مشروط ہے۔ اس سے آگے آپ کوئی دلائل دینا چاہیں تو دیں۔ مسٹر خالد انور نے آرٹیکل ۵۸ (۱) کے حوالے سے کہا کہ اس شق کے تحت صدر وزیر اعظم کے مشورہ سے اسمبلی توڑ سکتے ہیں۔ وزیر اعظم صدر کو اسمبلی توڑنے کا مشورہ دیں تو صدر اس پر فوراً اسمبلی توڑنے کے پابند ہیں اگر صدر کسی وجہ سے اڑتالیس گھنٹے تک اسمبلی نہ توڑیں تو ۴۸ گھنٹے گزرنے کے بعد اسمبلی خود بخود ٹوٹ جاتی ہے۔ اسمبلی توڑنے کا مشورہ دینا وزیر اعظم کا اختیار ہے۔ کابینہ کا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسمبلی توڑنے کا مشورہ دینے کے بعد قائد ایوان عوام سے رجوع کرنا چاہیں تو یہ ان کی صوابدید ہے جبکہ آرٹیکل ۴۸ (۲) کی تصریحات کو ملحوظ رکھے بغیر اگر صدر سمجھتے ہیں کہ فیڈریشن آئین کے تقاضوں کے مطابق نہیں چل رہی تو وہ اسمبلی توڑ سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صدر کو اسمبلی توڑنے کا حق حاصل ہے لیکن کابینہ کو ڈس مس کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ صدر نے اسمبلی توڑنے کے فرمان میں حکومت ڈس مس کرنے کا بھی حکم جاری کیا جس کا آئین میں ان کو اختیار حاصل نہیں۔ اس طرح صدر نے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ صدر سے بہتر تو آرمی کے ایک جنرل سابق صدر ضیاء الحق کا اسمبلی توڑنے کا فرمان تھا.........

جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اپنے فرمان میں اسمبلیاں توڑنے کے فرمان کے ساتھ حکومت ڈس مس نہیں کی جبکہ یہ کہا کہ اسمبلی کے تحلیل ہونے کے نتیجہ میں کابینہ بھی از خود تحلیل ہو گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آرمی کے ایک جنرل کو آئین و قانون کے بارے میں زیادہ علم تھا۔ اس کے برعکس کئی دہائیوں کے تجربہ کار بیورو کریٹ نے کابینہ کو اپنے صدارتی حکم میں خود ڈس مس کیا۔ فاضل جج نے رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ آئین کے تحت نگران حکومت کے عہدے بھی پُر کرنے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے عہدوں کو ختم کیا جائے۔ خالد انور ایڈووکیٹ نے کہا کہ آئین کے تحت اگر قائد ایوان ارکان کا اعتماد کھو بیٹھے تو بھی صدر کو اسمبلی توڑنے کا اختیار نہیں ہے۔ صدر کسی دوسرے رکن اسمبلی کو جس کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ وہ اکثریت حاصل کر سکتا ہے کہتا ہے کہ وہ حکومت بنائے یا پھر اکثریت کا اعتماد کھو دینے والے قائد ایوان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر قائد ایوان اکثریت کا اعتماد کھو بیٹھے تھے تو صدر کو کس طرح احساس ہوا کہ اور کوئی رکن اکثریت حاصل نہیں کر سکتا۔ عدالت کے استفسار پر خالد انور نے بتایا کہ ارکان اسمبلی اپنے استعفے اپنے ہاتھ سے لکھ کر سپیکر اسمبلی کو دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تیسری صورت یہ ہے کہ فیڈریشن آئین کے مطابق نہ چل رہی ہو لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورتحال کے بارے

Scanned with CamScanner

میں فیصلہ کون کرے۔ حاجی سیف اللہ کیس میں اٹارنی جنرل نے تسلیم کیا تھا کہ قومی اسمبلی توڑنے کے لیے مقررہ حدود وقیود پر عمل ہونا چاہئے خالد انور نے کہا کہ اسمبلی جب توڑی گئی اس وقت یہ آئین کے مطابق چل رہی تھی۔ مسئلہ پولیٹیکل نہیں تھا بلکہ سٹرکچرل تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس بات کا تعین کرنا کہ فیڈریشن آئین کے مطابق چل رہی ہے یا نہیں انتہائی پیچیدہ معاملہ ہے۔ تاہم یہ طے ہو جانے کے بعد بھی کہ فیڈریشن آئین کے مطابق نہیں چل رہی۔ اسمبلی تحلیل نہیں کی جا سکتی کیونکہ آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کی دوسری شرط ہے عوام سے رجوع کرنے کی۔ ایسی صورت میں تمام تر سیاسی فائدہ حزب اختلاف کو پہنچتا ہے کیونکہ سیاسی تنازعے آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے زمرے میں نہیں آتے نیز اس طرح سے اسمبلی کا تحلیل کیا جانا صدر کے پارٹی پالیٹکس میں شریک ہونے کا اشارہ دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ صدر نے دو مرتبہ قومی اسمبلی سے خطاب کیا۔ صدر نے ۲۲ دسمبر ۱۹۹۲ء کو پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں نواز شریف حکومت کی پالیسیوں کی حمایت کی تھی۔ اس کے بعد کیا ہو گیا۔ عدالت کو دیکھنا ہے۔ ۱۷ اپریل ۱۹۹۳ء کو وزیراعظم نے قوم سے خطاب کیا۔ تقریر کے سارے حصے ۲۲ دسمبر ۱۹۹۲ء سے پہلے کے تھے۔ خالد انور نے وزیراعظم کی ۱۷ اپریل کی تقریر کے بارے میں صدر غلام اسحق خان کے صدارتی اقدام کے حصے پڑھنا شروع کئے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ پاکستان میں صدر کا پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب صدر کا تیار کردہ نہیں حکومت کا تیار کردہ ہوتا ہے۔ خالد انور نے کہا کہ صدر غلام اسحق خان نے جو خطاب کیا وہ صدر کا تیار کردہ تھا۔ اس تقریر میں صرف حکومت نے اپنی پالیسیوں کے نکات بتائے تھے۔ صدر نے اپنے خطاب میں اپوزیشن کے اعتراضات کا خود جواب دیا تھا۔ خالد انور نے کہا کہ وزیراعظم نے صدر سے مارچ اپریل میں ملاقاتیں کیں۔ آخری ملاقات ۱۴ اپریل ۱۹۹۳ء کو تھی جس میں صدر نے وزیراعظم کو صورتحال بہتر بنانے کے لیے ٹھوس اقدامات کرنے کو کہا۔ وزیراعظم کے ٹھوس اقدامات کا انتظار کئے بغیر ۱۸ اپریل کو صدر نے اچانک اسمبلی توڑ دی۔ وزیراعظم نے ۱۷ اپریل کو اپنے خطاب میں صدر مملکت کے خلاف ہونے والے اعتراضات کا ذکر کیا اور عوام کو اعتماد میں لیا۔ وزیراعظم نے حکومت کی ناکامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی اور فوری اقدامات کرنے کو کہا۔ وزیراعظم کی تقریر پاکستان میں بے یقینی اور آئین کو پہنچنے والے متوقع نقصان کے خاتمے کے لیے تھی۔ وزیراعظم کی تقریر کو غداری کے زمرے میں کچھ لوگ لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ صدر اسحق پر تنقید کو آئین توڑنے کے زمرے میں لایا جانا کہاں کا انصاف ہے۔ خالد انور نے کہا کہ تقریر میں وزیراعظم نے ملک کو درپیش قومی بین الاقوامی مسائل کا ذکر کیا ایک فاضل جج نے کہا کہ ۱۷ اپریل کے بعد وزیراعظم کا کیا کنڈکٹ تھا۔ خالد انور نے کہا کہ کنڈکٹ کیا ہوتا ۱۸ اپریل کو تو ان کو ڈسمس کر دیا گیا۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ اس پر بحث کی اجازت نہیں دیں گے۔ ساری دنیا کو پتہ ہے۔ ۱۴ اپریل کی وزیراعظم سے ملاقات کے بعد صدر مملکت کی طرف سے ایک اخباری بیان جاری ہوا۔ خالد انور نے بیان پڑھتے ہوئے کہا کہ صدر نے کہا کہ وزیراعظم سے قومی، بین الاقوامی مسائل پر تبادلہ خیال ہوا۔ صدر نے ان مسائل کا حل ٹھوس بنیادوں پر کرنے کو کہا اور وزیراعظم سے کہا کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے مسائل حل کرنے کے لیے مثبت اقدامات کریں۔ میرا سوال ہے کہ یہ مثبت حل کس کی خواہش کے مطابق ہو۔ یہ مثبت حل عوام کے نمائندوں کی خواہشات کا آئینہ دار ہو اسی لیے قومی اسمبلی کا اجلاس وزیراعظم نے طلب کرایا۔ اس لیے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانا بدنیتی پر مبنی نہیں ہے۔ وزیراعظم کو مسائل کا حل عوام کے منتخب نمائندوں کے مشورے سے ہی تیار کرنا تھا جس کا تقاضا صدارتی پریس ریلیز میں تھا۔ جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ قومی اسمبلی میں ۱۹ اپریل کو ریکوزیشن کی گئی۔ اس ریکوزیشن کی نقل دی جائے۔ خالد انور نے کہا کہ سپیکر نے دے رکھی ہے۔ ۱۸ اپریل کو اسمبلی سیشن بلایا گیا۔ ریڈیو ٹی وی کی خبروں میں نشر ہوتا رہا کہ ۱۹ اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا گیا ہے۔ صدر کو خطرہ تھا کہ اس اسمبلی سیشن میں صدر کے مواخذے کی تحریک پیش کر دی جائے گی۔ اس خدشے نے صدر کو اسمبلی کی رخصتی پر مجبور کر دیا۔ خالد انور نے کہا کہ یہ بات ناقابل یقین ہے کہ صدر یہ کہے کہ ان کو علم نہیں تھا کہ ۱۹ اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کیا گیا ہے

کیونکہ ۱۸ اپریل کی شام ۵ بجے کے بعد رات دس بجے تک ریڈیو ٹی وی کی تمام خبروں میں نشر ہوتا رہا کہ ۱۹ اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا گیا ہے۔ صدر غلام اسحٰق خان اسلام آباد میں شاید واحد فرد تھے جن کو ۱۹ اپریل کی شام ۵ بجے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کا علم نہیں تھا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ حکومت کی طرف سے کہا گیا کہ صدر کو ۱۹ اپریل کا اجلاس بلائے جانے کا پتہ نہیں تھا۔ جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ قومی اسمبلی کا اجلاس اگلے روز بلایا گیا ہو تو صدر کو معلوم ہی نہ ہو۔ خالد انور نے کہا کہ قومی اسمبلی کے قواعد میں اجلاس بلانے کا طریقہ کار بیان کیا گیا ہے کہ ریڈیو، ٹی وی، پریس کے ذریعے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ایک جج نے کہا کہ کیا ریڈیو ٹی وی پر یہ اعلان ہوا تھا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس طلب ہوا تھا۔ خالد انور نے کہا کہ پانچ چھ سات آٹھ نو بجے کی ریڈیو ٹی وی کی خبروں میں اعلان ہوتا رہا۔ ایک جج نے کہا کہ صدارتی مواخذہ کیسے ہو سکتا ہے کیا ایک دن میں ممکن ہے۔ کیا صدر کو صفائی کا موقع ملتا ہے۔ خالد انور نے کہا کہ ایک دن میں مواخذہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے لیے تحریک پیش ہوتی ہے۔ اس کا نوٹس جاری ہوتا ہے۔ صدر کو صفائی کا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ یہ عمل کئی دنوں پر محیط ہوتا ہے۔ خالد انور نے کہا کہ مواخذے کی قرارداد ملنے کے بعد دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس طلب کرنا ہوتا ہے۔ صدارتی برتری کی تھیوری کے مطابق صدر وزیر اعظم کو طلب کر کے داخلی و خارجی مسائل اس کے علم میں لا سکتا ہے اور ان کو حل کرنے کا کہہ سکتا ہے۔ پاکستان میں صورتحال واضح ہے کہ صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے تحت خود کو حاکمیت اعلیٰ کا حامل سمجھنے لگا ہے۔ پاکستان میں صدر نہ وزیر اعظم سپریم ہے۔ صرف پاکستان کا دستور سپریم ہے۔ صدر وزیر اعظم اپنے دائرۂ اختیار میں کام کرتے ہیں لیکن دستور میں ان کے اختیارات کا تعین کر دیا گیا ہے۔ آئین میں یہ نہیں کہا گیا کہ کون سپریم ہے، کون سپریم نہیں ہے۔ صرف قومی اسمبلی کو برتر کہا گیا ہے جس کے سامنے صدر اور وزیر اعظم دونوں جوابدہ ہیں۔ ایک جج نے کہا کہ آئین میں یہ نہیں کہ صدر اور وزیر اعظم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ یہ مثالی صورتحال ہوتی کہ صدر اور وزیر اعظم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلیں۔ خالد انور نے کہا کہ بالکل درست لیکن اگر ایک کے ہاتھ میں چاقو ہو تو پھر...... اس موقع پر خالد انور نے آرٹیکل ۹۱ کا حوالہ دیا اور کہا کہ صدر کے پاس امور حکومت کے زیادہ اختیار نہیں اس لیے غلط کاموں کا زیادہ ذمہ دار صدر نہیں ہوتا۔ انگلینڈ کے قانون میں بادشاہ عدلیہ، مقننہ، انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ اسی لیے وہاں ہز میجسٹی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہاں کابینہ وزیر اعظم بادشاہ کو مشورہ دیتے ہیں۔ پاکستان میں اس لیے الٹ سمجھا جاتا ہے۔ صدر تصور کرنے لگے ہیں کہ وہ وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کو ہدایات دیں گے کہ ایسا کرو ایسا نہ کرو حالانکہ مشورہ دینا وزیر اعظم کا آئینی حق ہے۔ خالد انور نے آرٹیکل ۹۱ کی سب کلاز پڑھ کر سنائیں۔ خالد انور نے کہا کہ آئین میں اجتماعی ذمہ داری کا ذکر ہے۔ صدارتی فرمان میں کہا گیا ہے کہ بعض وزراء کو فیصلوں میں شریک نہیں کیا جاتا تھا جبکہ آئین میں ہے کہ وزیر اعظم اور کابینہ کے فیصلے اجتماعی ہوتے ہیں کوئی ذمہ داری سے دامن نہیں چھڑا سکتا۔ آئین کے آرٹیکل ۹۱ (۵) میں کہا گیا ہے کہ وزیر اعظم اس وقت تک وزیر اعظم رہے گا جب تک صدر چاہے گا۔ صدر اس وقت تک وزیر اعظم کو نہیں ہٹا سکتا۔ جب تک وہ یہ یقین نہ کر لے کہ وزیر اعظم کو ایوان میں اکثریت حاصل نہیں ہے۔ ایسی صورت میں بھی وہ وزیر اعظم کو قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کا کہے گا۔ خالد انور نے کہا کہ صدر وزیر اعظم کو اعتماد کا ووٹ لینے کا کہہ سکتے تھے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ اگر صدر غلام اسحٰق خان سمجھتے کہ استعفوں کی وجہ سے وزیر اعظم منتخب نمائندوں کا اعتماد کھو بیٹھے تھے تو وہ ۵۸ (۲) بی کے تحت اسمبلی توڑنے کی بجائے آرٹیکل ۹۱ (۵) کے تحت ایوان سے اعتماد کا از سر نو ووٹ لینے کا کہہ سکتے تھے۔ خالد انور نے کہا کہ کابینہ کے ارکان کا انتخاب وزیر اعظم کا حق ہے۔ صدر کا اختیار نہیں ہے کس کو وزیر لے کس کو نہ لے یہ وزیر اعظم کا اختیار ہے صدر نہیں کہہ سکتا کہ فلاں وزیر اس کی مرضی سے کابینہ میں لیا جائے۔ آرٹیکل ۹۵ (۴) میں کہا گیا ہے کہ اگر عدم اعتماد کی تحریک پیش ہو اور اکثریت اسے منظور کر لے تو وزیر اعظم کام کرنا چھوڑ دے گا مگر وزیر اعظم کو پھر بھی ڈسمس صدر نہیں کر سکے گا کیونکہ اس نے

Scanned with CamScanner

ساری عمر سیاست کرنا ہے۔ اس لیے صدر کے پاس وزیر اعظم کو ہارڈ وفائر کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ مگر صدر نے تو اسمبلی توڑنے کے اختیار کے ساتھ ہی وزیر اعظم ان کی حکومت اور کابینہ کو بھی ڈسمس کر دیا ہے۔ خالد انور نے کہا کہ صدر اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں وزیر اعظم اور کابینہ کے مشوروں کا پابند ہوگا۔ میں اس کلاز پر زور اس لیے دے رہا ہوں کہ وزیر اعظم نے بہت سے اہم فیصلے کرنے ہوتے ہیں جس کے اس کے پاس آئینی اختیارات ہیں۔ اگر وزیر اعظم آئین کے خلاف فیصلہ کرے تو آرٹیکل ۴۸ (۱) کے تحت صدر یہ فیصلہ وزیر اعظم اور کابینہ کو دوبارہ غور کے لیے بھجوا سکتا ہے۔ ۲۷ مہینوں میں صدر غلام اسحٰق خاں نے ایسا ایک فیصلہ بھی دوبارہ غور کے لیے وزیر اعظم اور کابینہ کو نہیں بھجوایا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۷ ماہ تک نواز شریف حکومت آئین کے مطابق فیصلے کرتی رہی۔ خالد انور نے کہا کہ آرٹیکل ۷۵ میں کہا گیا ہے کہ اگر صدر قومی اسمبلی کی کارکردگی سے ناخوش ہو اس کے کسی بل پر خوش نہ ہو تو صدر یہ بل ۳۰ دن کے اندر دوبارہ غور کے لیے بھجوا سکتا ہے لیکن مالی بل کو وہ واپس نہیں بھجوا سکتا۔ صدر جو بل مجلس شوریٰ کو دوبارہ غور کے لیے بھجوائے تو مجلس شوریٰ اکثریت کے ساتھ جو فیصلہ کرے گی وہ بل حتمی قرار پائے گا اور صدر اس بل کی حتمی منظوری فوراً دے گا۔ اس طرح ہمارے آئین میں صدارتی اختیارات واضح کر دیے گئے ہیں۔ خالد انور نے کہا کہ سینٹ میں وفاق کے چاروں صوبوں کی یکساں نشستیں ہیں۔ صدر اگر قومی اسمبلی کے کسی بل سے اتفاق نہ رکھتا ہو تو وہ دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں اس بل پر بحث کرا سکتا ہے اگر وہ بیکاری پالیسی سے ناخوش ہے۔ قومی اسمبلی کی قانون سازی کی پالیسی اس کے مطلب کی نہیں تو وہ دونوں ایوانوں کی رائے لے سکتا ہے۔ دونوں ایوانوں کا فیصلہ صدر کے لیے ماننا لازمی ہوتا ہے۔

خالد انور نے حاجی سیف اللہ کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کا ذکر کیا انہوں نے کہا کہ انڈین آئین کا آرٹیکل ۳۵۶ پاکستان کے آرٹیکل ۵۸ (۲) بی جیسا ہے جس میں اسمبلی توڑنے کے صدارتی اختیار کی وضاحت کی گئی ہے۔ امریکی آئین کی تاریخ اور وہاں کی عدالتوں کے حوالے دیتے ہوئے خالد انور نے کہا کہ جوڈیشل پاور قانون سازی کے اختیارات پر حاوی نہیں نہ ہی قانون سازی کا اختیار عدالتی اختیار پر حاوی ہے۔ انہوں نے کہا کہ واٹر گیٹ سکینڈل میں صدر نکسن نے محسوس کیا کہ انتظامی اختیار استعمال کر کے وہ ٹیپس نہیں دے سکتے تھے لیکن عدلیہ نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ یہی روح انڈیا اور پاکستان کے آئین کی ہے۔ ہمارا آئین سیاسی اختیار کی بات کرتا ہے۔ اس بارے میں وہ مثالیں پڑھ کر عدالت کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ، بھارت اور دوسرے ممالک کے دساتیر میں لکھا ہے کہ صدر / بادشاہ اسمبلی کو توڑ سکتا ہے۔ اگر حکومت آئین کے تحت حکومت کرنے کے قابل نہ رہی ہو۔ خالد انور نے کہا کہ برطانیہ میں ملکہ، وزیر اعظم کے مشورہ کے بغیر دارالعوام نہیں توڑ سکتی نہ ماضی قریب میں بھی اس نے توڑا ہے ملکہ نے خود کسی ایوان کو وقت سے پہلے نہیں توڑا۔ درخواست گزار کے وکیل نے برطانوی آئین کی متعلقہ شقوں کے حوالے دیے اور کہا کہ ملکہ، وزیر اعظم کے مشورے کے بغیر پارلیمنٹ نہیں توڑ سکتی نہ وزراء کی چھٹی کرا سکتی ہے۔ وزیر اعظم کی برطرفی تو دور کی بات ہے۔ ملکہ صرف وزراء، کابینہ کو آئین کے مطابق کام کرنے کی یاد دہانی کرا سکتی ہے اگر وزراء نہ کریں تو ملکہ پھر وزراء کو چھٹی کرانے کا اختیار رکھتی ہے۔ خالد انور نے کہا کہ پاکستان میں جب اسمبلی توڑی گئی نہ ترقی رکی تھی نہ کارکردگی کم ہوئی تھی نہ آئینی میکانزم کا بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ پیشتر اسمبلی کا اپنا منشور ہے۔ اس کی اپنی نمائندہ حیثیت ہے۔ اسے آئین کی شقوں کے باہر رہ کر نہیں پرکھا جا سکتا۔ پاکستان میں نہ لا اینڈ آرڈر بریک ڈاؤن ہوا تھا نہ رشوت خوری، دھاندلی، بدعنوانی کا بازار گرم تھا۔ انہوں نے خواجہ طارق رحیم کیس کے حوالے تحریری طور پر پیش کیے جس کے صفحہ ۵۹۸ پر صدر اسحٰق کا یہ حکم حکومت توڑنے کا فرمان درج ہے۔ انہوں نے بتایا کہ صدارتی فرمان کے پہلے حصہ میں کہا گیا کہ قومی اسمبلی کی اکثریت ختم ہو گئی ہے کیونکہ سکینڈل بنے ہیں، دھاندلی، بدعنوانی، اقربا پروری ہوئی ہے۔ حکومت قانون سازی کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ اس وقت ہارس ٹریڈنگ کا ذکر ہوا۔ خالد انور نے کہا کہ ہارس ٹریڈنگ سیاسی عمل کے لیے موت ہے۔ عوام

Scanned with CamScanner

نمائندوں کو مسائل کے حل کے لیے چنتے ہیں لیکن ۱۹۹۳ء کے آرڈر میں ہارس ٹریڈنگ کا ذکر تک نہیں لیکن پنجاب اسمبلی میں ۹۰ فیصد سے زیادہ ارکان کی حمایت کو چند دنوں میں مخالفت میں ہارس ٹریڈنگ کے ذریعے بدل دیا گیا۔ وفاق میں اب نہ ہارس ہیں نہ ٹریڈنگ۔ سندھ میں نہ حکومت پی پی پی کی نمائندہ ہے نہ ایم کیو ایم کی نمائندہ ہے۔

سندھ حکومت کس کی نمائندگی کرتی ہے، کیا وہاں ہارس ٹریڈنگ ہوئی ہے؟ پاکستان کی سیاسی زندگی کو ہارس ٹریڈنگ تباہ کر دے گی۔ خالد انور نے ۵۸ (۲) بی کی اس سلسلے میں مزید وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ سابقہ آرڈر میں کہا گیا کہ پاکستان میں عوام کی منتخب حکومت کو کام نہیں کرنے دیا گیا جیسا کہ ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۱، ۱۶۵ میں درج ہے نہ قومی مالیاتی کمیشن کا اجلاس بلایا گیا۔ صوبوں اور وفاق کے درمیان مشترکہ مفادات کی کونسل کے اجلاس نے کوئی فیصلے کئے، محاذ آرائی بڑھ گئی لیکن نئے آرڈر میں ایسے الزامات نہیں لگائے گئے۔ اب کہا گیا کہ قومی مالیاتی کمیشن، مشترکہ مفادات کونسل کے اجلاسوں میں فیصلے ہوتے ہیں۔ موجودہ صدارتی فرمان اور سابقہ صدارتی فرمان ایک دوسرے سے بڑا مختلف ہے جس پینٹر نے سابقہ فرمان پینٹ کیا تھا۔ اس نے غالباً نیا صدارتی فرمان پینٹ نہیں کیا اگر اسی نے کیا ہے تو اسے نئے آرڈر کے لیے الزامات نہیں ملے حالانکہ وہ کہتے ہیں کہ ۲۵ سو صفحات کی فائل ہے۔ جسٹس سعد سعود جان کے ضمنی سوال کے بارے میں خالد انور نے کہا کہ وہ ضروری سوالوں کا جواب دیں گے۔ صدارتی فرمان کے اگلے روز اخبارات میں نگران وزیر اعظم کی پریس ٹاک شائع ہوئی۔

چیف جسٹس نے کہا کہ بعض اوقات اخبار نویس کافی جذباتی ہو جاتے ہیں۔ خالد انور نے کہا کہ سابقہ فرمان میں پہلے کہا گیا تھا کہ فیڈریشن کے چار میں سے تین یونٹوں کے طلب کئے جانے کے باوجود مشترکہ مفادات کونسل کا اجلاس طلب نہیں کیا گیا۔ موجودہ فرمان میں ایسا کوئی اقدام تک نہیں ہے۔ خالد انور نے جسٹس سلام کا فیصلہ پڑھنا شروع کیا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ کیا آپ نے پڑھا ہے کہ جسٹس سلام نے اپنے فیصلے میں لکھا تھا کہ صدر کی طرف سے اسمبلی توڑنے کا اختیار اس کے خالق کی موت (یعنی جنرل ضیاء الحق) کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا۔ خالد انور نے کہا کہ دل میرا کہتا ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے لیکن دماغ کہتا ہے نہیں کیونکہ اس کے بعد اب پھر صدر نے اسمبلی توڑ ڈالی ہے۔ خالد انور نے اے آئی آر ۱۹۹۱ء کے صفحہ ۱۳۱ اور اے آئی آر ۱۹۹۰ء کے صفحہ ۱۶۲ کا اقتباس پڑھا جس میں مدھیہ پردیش اسمبلی کو بحال کیا گیا تھا۔ میرے پاس دو کیس ہیں جن میں اسمبلیاں اور حکومت بحال کی گئی تھی۔ یہ بات میں..........کل کے دعوے کے جواب میں کہہ رہا ہوں۔ چیف جسٹس نے خالد انور سے کہا کہ آپ نے اس بارے میں متعلقہ شقوں کو اپنے تحریری جواب میں شامل کر رکھا ہے۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ صفحہ ۸۷ کو آپ کتاب کے ساتھ چیک کریں کہ آیا یہ درست ہے یا کہ نہیں۔ خالد انور نے کہا کہ درست ہے مگر مکمل نہیں دیا گیا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ مدھیہ پردیش کیس ہمارے حالات کے مطابق ہے۔ خالد انور نے کہا کہ اس کیس میں کہا گیا کہ اگر صدر کو گورنر لکھے کہ ریاست کی حکومت آئین کے مطابق نہیں چلائی جا سکتی تو اسے توڑ دیا جائے اور وہاں چھ ماہ میں دوبارہ الیکشن کرائے جائیں۔ یہ تحریر ملنے پر صدر اس صوبے کی اسمبلی توڑ سکتا ہے۔ خالد انور نے فیصلے کا متعلقہ حصہ پڑھا جس میں مدھیہ پردیش اسمبلی عدالت نے بحال کر دی تھی۔ انہوں نے آرٹیکل ۲۳۴ کی طرف فاضل جج صاحبان کی توجہ مبذول کرائی جس میں صوبائی اسمبلی توڑنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ نواز شریف کے وکیل نے انڈین آئین کے آرٹیکل ۳۵۶ (۱) کو پڑھ کر سنایا جو ایمرجنسی پاورز کے بارے میں ہے اور اس میں ہنگامی حالت میں عدالتوں کا رول وضع کیا گیا ہے۔ آرٹیکل ۳۵۵ میں انڈین وفاقی حکومت کی ڈیوٹی قرار دی گئی ہے کہ وہ داخلی انتشار کو ختم کرنے کی ذمہ دار ہے اور یقین کرے کہ وہاں آئین کے مطابق کام ہو رہا ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے تحت صدارتی اقدام کو غلط ثابت کرنے کے لیے کیا انڈین عدالتوں کا اتنا زیادہ حوالہ غیر ضروری نہیں ہے۔ خالد انور نے کہا کہ وہ صرف اپنے دلائل دے رہے ہیں اور مختصر ذکر کر رہے ہیں کیونکہ یہ بنیادی بات ہے کہ ایک

Scanned with CamScanner

جیسی آ ئینی آرٹیکل ۳۵٦ کے تحت قومی اسمبلی (لوک سبھا) کبھی نہیں توڑی گئی وفاقی حکومت صوبائی اسمبلی توڑ کر صوبائی حکومت کے اختیارات چھ ماہ کے لیے خود سنبھال لیتی ہے۔ وفاقی اسمبلی قائم رہتی ہے۔ خالد انور نے کہا کہ سپریم کورٹ نے انڈین آئین میں صدر گورنر کو حاصل تمام تر اختیارات کے باوجود راجستھان اسمبلی توڑے جانے کو غیر قانونی غیر آئینی قرار دیا اس طرح کی بہت سی مثالیں وہ اور بھی دے سکتے ہیں جہاں سپریم کورٹ نے توڑی گئی حکومت اور اسمبلی کو اپنے اختیارات کے ساتھ بحال کر دیا جو اسے آئین کے تحت حاصل ہیں۔ خالد انور نے کہا کہ سوال پاکستان میں صوبائی خود مختاری کا بھی نہیں ہے۔ بھارت میں بھی صوبائی خود مختاری ہے۔ انڈین سپریم کورٹ نے راجستھان کیس میں کہا کہ اسمبلی کو اختیارات کا غلط استعمال کر کے توڑا ہے۔ ہارس ٹریڈنگ کو انہوں نے جمہوریت کے لیے قاتل قرار دیا ہے۔ چیف جسٹس کے استفسار پر خالد انور نے کہا کہ میں چائے کے وقفے تک اپنے دلائل مکمل کر لوں گا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ ہم دلائل مختصر کرنے کا نہیں کہہ رہے، اس کے بعد یحییٰ بختیار کو کہوں گا کہ اپنے دلائل دیں کیونکہ وہ سینئر وکیل ہیں اس کے بعد تین چار آئینی درخواستیں ہیں ان کے وکلاء کو ہم قانونی دلائل نہیں واقعاتی دلائل دینے کو کہیں گے۔ امید ہے کہ کل تک درخواست گزاروں کے دلائل ختم ہو جائیں گے یا پرسوں صبح تک ختم ہو جائیں گے۔ اٹارنی جنرل پرسوں دلائل کا جواب دینے کے لیے تیار رہیں۔

خالد انور نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ صدر کا آئین کے بارے میں فہم نہایت ہی کمزور ہے۔ صدر کا اسمبلی توڑنے کا حکم غیر آئینی ہے کیونکہ آئین کے آرٹیکل (۵۸) کے تحت جو صوابدیدی اختیارات جن وجوہات کی بناء پر دیئے گئے ہیں ان کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ صدر کا یہ بدنیتی پر مبنی اقدام ہے جس کے ذریعے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایک لمحہ کو مان بھی لیا جائے کہ صدر نے جن اسباب کے تحت اسمبلی توڑنے کا فیصلہ کیا ہے وہ اسباب درست تھے تو پھر آئینی طور پر صدر کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اسمبلی توڑنے کے ساتھ ساتھ حکومت کو بھی برطرف کرے۔ انہوں نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ صدر نے اسمبلی توڑنے کے بعد انتخابات کے ذریعہ عوام کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے کہ وہ صحیح تھے یا سابق وزیر اعظم صحیح تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ الیکشن میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ وزیر اعظم درست تھے یا صدر درست تھے بلکہ انتخابات میں یہ فیصلہ ہوگا کہ بے نظیر آئے یا نواز شریف آئے۔ اس لیے حکومت کی جانب سے یہ بحث بالکل غلط اور غیر متعلقہ ہے اس موقع پر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نسیم حسن شاہ نے خالد انور ایڈووکیٹ کی جانب سے صدر کے بارے میں چند ریمارکس کارروائی سے حذف کروا دیئے۔

چیف جسٹس مسٹر جسٹس نسیم حسن شاہ نے کہا کہ ہم سب کو صدر غلام اسحاق خان کا احترام کرنا چاہیے۔ اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے کارروائی کے دوران درخواست دہندہ کے وکیل خالد انور کی جانب سے صدر کے خلاف قابل اعتراض ریمارکس کی طرف مبذول کرائی۔ مسٹر جسٹس نسیم حسن شاہ نے کہا کہ صدر کو ہدف تنقید بنانے کی بجائے ہمیں مقدمہ کے قانونی پہلوؤں پر توجہ دینی چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

نواز شریف کا قومی اسمبلی توڑنے کے اقدام کو چیلنج

عدالت عظمیٰ میں سابق وزیر اعظم کی آئینی پٹیشن پر بحث........... 10 مئی 1993ء

سپریم کورٹ نے سوال کیا کہ ملک کی دو اعلیٰ ترین شخصیات کے درمیان تنازع ہو جائے اور وہ ایک دوسرے کو برداشت نہ کریں تو آئین کے مطابق ریاست کا نظام کیسے چلایا جا سکتا ہے۔ صدر اور وزیر اعظم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کام نہ کر سکیں تو کیا حکومتی مشینری ناکام نہیں ہو جاتی؟ فاضل عدالت عظمیٰ نے یہ ریمارکس سابق وزیر اعظم نواز شریف کی آئینی پٹیشن کی سماعت کے دوران دیئے جس میں انہوں نے صدر پاکستان کی طرف سے قومی اسمبلی اور حکومت توڑے جانے کے اقدام کو چیلنج کیا ہے۔ سپریم کورٹ میں سابق وزیر اعظم نواز شریف کے وکیل خالد انور نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ صدر اور وزیر اعظم کے درمیان ذاتی حوالے سے خواہ کتنی بھی نفرت ہو آئین کے مطابق دونوں اپنے اپنے دائرے میں کام جاری رکھ سکتے ہیں۔ امریکہ، فرانس کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جہاں صدر ایک پارٹی اور پارلیمنٹ یا کانگریس دوسری جماعت کی ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ صدر اور وزیر اعظم کے درمیان ذاتی اختلافات ہوں بھی تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ملک غیر آئینی طور پر چل رہا ہے۔ خالد انور نے کہا کہ قومی اسمبلی کو صدر غلام اسحاق خان اور اپوزیشن لیڈر محترمہ بے نظیر بھٹو کی ملی بھگت سے توڑا گیا ہے جو غیر قانونی اور غیر آئینی ہے۔ سپریم کورٹ میں ۱۸ اپریل ۱۹۹۳ء کے صدارتی فرمان، سابق وزیر اعظم نواز شریف کے ۱۷ اپریل کو قوم سے خطاب، حکومت اور قومی اسمبلی توڑے جانے کے بعد صدارتی تقریر اور اس میں اٹھائے گئے نکات پر تفصیلی دلائل دیئے گئے۔ سینئر ایڈووکیٹ خالد انور نے بحث کے دوران ارکان اسمبلی کے استعفوں کی قانونی حیثیت، مشترکہ مفادات کونسل، قومی مالیاتی کمیشن، قومی اقتصادی کونسل، نجکاری پالیسی، وفاق اور صوبوں کے تعلقات کے متعلق صدارتی اعتراضات کا جواب دیا جبکہ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے پوچھا کہ دستور پاکستان کے تحت صدر کو کیا صرف جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین کی تقرری کا اختیار حاصل ہے یا وہ آرمی نیوی اور ایئر فورس کے سربراہ مقرر کرنے کا بھی صوابدیدی اختیار رکھتے ہیں۔ خالد انور نے کہا کہ صدارتی فرمان میں اپوزیشن کے اجتماعی اور بعض حکومتی ارکان قومی اسمبلی کے استعفے اس وقت مؤثر ہوتے ہیں جب وہ سپیکر کو پہنچتے ہیں۔ استعفیٰ ایسی صورت میں مؤثر نہیں ہوتا کہ وہ سپیکر کو مخاطب کر کے لکھ دیا جائے اور اپنی جیب میں رکھ لیا جائے یا ایوان صدر میں جمع کرا دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ سپیکر آف پاکستان نے بتایا ہے کہ آج تک ۸۸ میں سے ان کو ایک استعفیٰ بھی نہیں ملا، سوال پیدا ہوتا ہے کہ صدر نے یہ استعفے اپنے پاس کیوں رکھے؟ ایک صاحب نے تو ۳ نومبر ۱۹۹۰ء کو استعفیٰ دیا تھا۔ دوسرے پیپلز پارٹی کے فیصل صالح حیات نے استعفیٰ میں لکھا ہے کہ وہ نگران حکومت کی زیادتیوں، دھاندلیوں کے خلاف احتجاج کے طور پر استعفیٰ دے رہے ہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ استعفے پہلے سے جمع کئے گئے تھے تا کہ صدر صاحب کو جب موقع ملے ان کا استعمال کر لیں۔ مسٹر جسٹس افضل لون نے کہا کہ ۳۷ استعفوں پر تاریخ تک نہیں ہے۔ خالد انور نے کہا کہ فاٹا کے دس ارکان قومی اسمبلی کے استعفوں پر ۱۳ اپریل کی تاریخ ہے یوں لگتا ہے ان ارکان کو بلوا کر استعفے لیے گئے ہیں۔ یہ تمام اصل استعفے نہیں ہیں۔ اصل استعفے وہ ہوتے ہیں جو سپیکر کو جا کر دیئے جائیں کیونکہ آئین قانون کے مطابق اپنے ہاتھ سے سپیکر کو اگر کوئی رکن استعفیٰ نہ پہنچائے تو وہ مستعفی تصور نہیں ہوگا۔ خالد انور نے کہا کہ ۱۸ اپریل کی شام محترمہ بے نظیر بھٹو نے صدر سے ملاقات کی اور پی پی کے ارکان کے استعفے ان کے حوالے کر دیئے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صدر نے اسمبلی توڑنے کا آرڈر لیڈر آف دی اپوزیشن کی ملی بھگت سے دیا جو اصولاً غلط ہے صدر کو غیر جانبدار ہونا چاہئے خالد انور نے کہا کہ وزیر اعظم کی تقریر کو صدر نے آئین سے بغاوت قرار دیا ہے۔ اس تقریر میں نواز شریف نے یہ شکایت کی تھی کہ ایوان صدر کو ان کے خلاف سازش کے لیے استعمال کیا گیا ان کے لیے کیا ایسا کہنا غداری ہے؟

Scanned with CamScanner

انہوں نے کہا کہ آئین کے تحت ہر پاکستانی کو جب اظہار رائے کی مکمل آزادی ہے وزیر اعظم کو یہ آزادی کیوں نہیں تھی جہاں تک انہوں نے سازش کا ذکر کیا، اس کا ثبوت سامنے آ چکا ہے کہ اگلے روز قومی اسمبلی توڑ دی گئی۔ پریس رپورٹس موجود ہیں کہ اپوزیشن کے ارکان نے صدر سے ملنے کے بعد بیان دیئے تھے کہ نواز شریف حکومت ختم ہونے والی ہے۔ صدر قومی اسمبلی توڑ دیں گے۔ صدر کی طرف سے ان بیانات کی دو ماہ میں ایک بار بھی تردید نہیں کی گئی۔ وزیر اعظم نے تقریر کے آخر میں تین باتیں کہیں، میں استعفیٰ نہیں دوں گا۔ میں اسمبلی نہیں توڑوں گا۔ ڈکٹیشن نہیں لوں گا، کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کہنا آئین سے بغاوت ہے۔ وزیر اعظم کی تقریر آئینی تھی یہ ان کا آئینی حق ہے اسے بغاوت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ صدر نے ۱۷ اپریل کی وزیر اعظم کی تقریر کو بنیاد بنا کر جو فرمان جاری کیا وہ غیر آئینی ہے۔ مسٹر جسٹس افضل لون نے سوال کیا کہ اگر نواز، اسحٰق تعلقات اتنے خراب تھے تو حکومت کیسے چلتی؟ خالد انور نے کہا کہ یہ آئینی عدالت ہے یہ سیاسی عدالت نہیں ہے۔ فاضل ججوں نے یہ سیاسی فیصلہ نہیں کرنا کہ اسحٰق اور نواز میں کون صحیح تھا کون غلط؟ سیاست کا اس عدالت سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ تنازع دو شخصیات اسحٰق اور نواز کا نہیں صدر اور وزیر اعظم کا تھا۔ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ اگر وزیر اعظم اور صدر کے ذاتی اختلافات ہوں تو کیونکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملک غیر آئینی طور پر چل رہا ہے۔ خالد انور نے کہا کہ صدر نے حکومت اور اسمبلی توڑنے کی وجہ مشترکہ مفادات کونسل کی کارکردگی پر عدم اطمینان بھی بتائی ہے۔ پہلے تو یہ بات ہی غلط ہے اگر ان کے مفروضے کو مان لیا جائے تو پھر وفاقی حکومت کے علاوہ صوبائی حکومتیں بھی ٹوٹنی چاہئے تھیں کیونکہ اس کونسل کے نصف ارکان وفاق کے نصف ارکان صوبوں کے ہوتے ہیں۔ ذمہ داری دونوں پر یکساں پڑنی چاہئے۔ خالد انور نے کہا کہ سرکاری یونٹ نجی شعبے کو فروخت کرنے میں عدم شفاف عمل کا ذکر ہوا اگر نجکاری کا عمل شفاف نہ ہوتا تو نجکاری کے عمل کے خلاف ۲۹ رٹ پٹیشنوں میں سے کسی ایک سرمایہ دار کی رٹ درخواست کو عدالت عالیہ منظور کر لیتی۔ تمام رٹ درخواستیں خارج ہوئی ہیں۔ جہاں تک صدر نے نواز شریف حکومت پر کرپشن کا الزام لگا کر برطرف کرنے کا ذکر کیا ہے۔ خالد انور نے کہا کہ حاجی سیف اللہ کیس میں سپریم کورٹ کا فیصلہ ہے کہ کرپشن کا الزام لگا کر صدر حکومت نہیں توڑ سکتے۔ صدر نے یہ بھی کہا کہ وزیر اعظم نے اپنے وزیروں کو صدر سے نہ ملنے کی رائے دی۔ خالد انور نے کہا کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ ہے کہ ایک خاکروب کو بھی میونسپلٹی بغیر نوٹس وارننگ شوکاز دیئے نہیں نکال سکتی تو پھر صدر بارہ کروڑ عوام کے ۲۱۷ نمائندوں کو کس طرح بغیر وارننگ شوکاز نوٹس دیئے نکال سکتے ہیں۔ خالد انور منگل کو بھی اپنے دلائل جاری رکھیں گے جن کے بعد چوہدری شجاعت حسین کی آئینی پٹیشن زیر غور آئے گی۔ نواز شریف، چوہدری شجاعت اور ملک رئیس احمد کی آئینی درخواستوں کی سماعت چیف جسٹس مسٹر جسٹس نسیم حسن شاہ کے علاوہ سپریم کورٹ کے باقی تمام جج صاحبان مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن، مسٹر جسٹس سعد سعود جان، مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری، مسٹر جسٹس اجمل میاں، مسٹر جسٹس محمد سعید الزماں صدیقی، مسٹر جسٹس فضل الٰہی خان کر رہے ہیں۔ درخواست گزار کی طرف سے سینئر وکلاء خالد انور، یحییٰ بختیار، خالد اسحٰق، محمد اکرم شیخ، راجہ اکرم، آفتاب فرخ، ثاقب نثار، چوہدری فاروق، ذکی الدین پال مسٹر اشتر پیش ہو رہے ہیں۔ سرکار کی طرف سے اٹارنی جنرل عزیز اے منشی ایڈووکیٹ جنرل پنجاب مقبول الٰہی ملک، چوہدری فضل حسین ایڈووکیٹ آن ریکارڈ پیش ہوئے.............

مسٹر خالد انور نے صدارتی فرمان میں قومی اسمبلی اور نواز شریف حکومت توڑے جانے کی وجوہات کا جواب دیتے ہوئے بھارتی آئین کے آرٹیکل ۳۵۶ کے تحت اسمبلی کی بحالی کے فیصلے کے اقتباسات سنائے، مسٹر جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ آپ نے کہا ہے کہ ۱۸۸ ارکان قومی اسمبلی نے اپنے استعفے پیش کر دیئے تھے اگر واقعی وہ قومی اسمبلی کے ممبر نہیں رہے تھے تو اسمبلی توڑ دی گئی۔ خالد انور نے کہا کہ یہ استعفے سپیکر کو آئین و قانون کے مطابق نہیں دیئے گئے تھے۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ دوسرے فریق کا کہنا ہے کہ یہ استعفے سپیکر کو اس لیے نہیں دیئے گئے کیونکہ وہ ان کو دینا نہیں چاہتے تھے۔ خالد انور نے فضل القادر چوہدری کیس اور رول نمبر ۲۵ کا حوالہ دے کر کہا کہ کوئی رکن اپنے ہاتھ سے لکھ کر قومی اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ

Scanned with CamScanner

دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ استعفیٰ ذاتی طور پر سپیکر کو جا کر دے۔ رول نمبر ۲۵ (بی) میں کہا گیا ہے کہ اگر سپیکر کسی دوسرے طریقے سے استعفیٰ وصول کرتا ہے تو اس کے بعد وہ خود یا قومی اسمبلی سیکرٹریٹ یا دوسرے ادارے کے ذریعے انکوائری کرے گا۔ اگر استعفیٰ درست ثابت ہو تو اس ممبر کو مستعفی سمجھا جائے گا۔ جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ استعفیٰ کا منظور ہونا ضروری ہے، خالد انور نے کہا کہ اگر صدر کو استعفے دیئے گئے تو صدر کا کام تھا کہ وہ یہ استعفے اسی وقت سپیکر کو بھجواتے۔ سپیکر پھر فاضل ارکان سے انکوائری خود کراتے کہ واقعی انہوں نے رضا کارانہ طور پر استعفے دیئے ہیں۔ میرا نکتہ یہ ہے کہ کیا صدر مملکت کا عہدہ استعفے وصول کرنے کے لیے بنا ہے۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ صدارتی فرمان میں کہا گیا ہے کہ صدر کو استعفے ملے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستعفی ہونے والے ارکان کا سپیکر پر اعتماد نہیں تھا۔ خالد انور نے اپنے تحریری بیان کے صفحہ ۱۴ کے حوالے سے کہا کہ یہاں کہا گیا کہ ۱۸۸ ارکان قومی اسمبلی نے ان کو استعفے بھجوائے تھے۔ پیراگراف ۳ (بی) میں کہا گیا ہے کہ صدر کو انہوں نے استعفے سپیکر کے نام لکھے تھے مگر یہ استعفے سربراہ مملکت کو بھجوائے گئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو سپیکر اور وفاقی حکومت پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ میرا کہنا یہ ہے کہ یہ استعفے دراصل استعفے نہیں تھے۔ یہ احتجاج ریکارڈ کرانے کے لیے صدر کو بھجوائے گئے، میں پوچھتا ہوں کہ آئین کے کس آرٹیکل کے تحت ایم این اے صدر مملکت کو استعفیٰ بھجوا کر اپنا احتجاج ریکارڈ کرا سکتا ہے یہاں کوئی آرٹیکل آئین میں نہیں ہے۔ ہمارے آئین کے مطابق صدر کوئی خاص انتظامی ذمہ داری نہیں نبھاتا۔ اگر استعفے صدر کو بھجوائے گئے صدر اسے وصول کر کے رکھ لیتا ہے اور ان کو بندوق کی گولی کی طرح سنبھال کر ۱۸ اپریل کو فائر کر دیتا ہے۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ عوام کے منتخب نمائندوں کے لیے یہ غیر اخلاقی بات ہے کہ وہ استعفیٰ سپیکر کے نام لکھ کر صدر کو بھجوائے یہ غیر آئینی و غیر قانونی فعل ہے۔ میرے خیال میں یہ ارکان قومی اسمبلی مستعفی نہیں ہونا چاہتے تھے۔ صرف انہوں نے دکھاوے کے لیے استعفے دیئے ایسا کرنے کا اختیار ان کو عوام نے نہیں دیا تھا۔ خالد انور نے کہا کہ سندھ اسمبلی میں استعفے ۹ ماہ پہلے دیئے گئے تھے مگر ان کو قبول نہیں کیا گیا عدالت میں کیس گیا صدر کو ان ارکان کی اب بھی آشیرباد حاصل ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ استعفے جو خطوط کی شکل میں دیئے گئے کا کیا اثر ہے جو سپیکر کے نام ایڈریس کر کے صدر کو دیئے گئے کیا اس سے صدر یہ یقین کر سکتا ہے حکومتی مشینری ساکت ہو گئی ہے۔ فیڈریشن آئین کے تحت نہیں چل رہی، خالد انور نے کہا کہ صدر کو چاہیے تھا کہ یہ استعفے سپیکر کو بھجواتے وہ اس کی انکوائری کر کے ان کو حقیقی یا غیر حقیقی قرار دیتے۔ صدر نے یہ استعفے اپنے پاس کیوں سنبھالے رکھے، چیف جسٹس نے کہا کہ یہ جواب تو اٹارنی جنرل دیں گے۔ مسٹر جسٹس افضل لون نے کہا کہ والیوم نمبر ۲ کے صفحہ ۲۱ میں کہا گیا ہے۔ ۸۸ میں سے ۷۳ استعفوں پر تاریخ درج نہیں ہے پتہ نہیں یہ چھ ماہ قبل دیئے گئے یا نو ماہ قبل، کم از کم ۷۳ استعفوں پر تاریخ نہیں ہے۔ اٹارنی جنرل صاحب کو اس کا جواب دینا پڑے گا۔ خالد انور نے کہا کہ ہم نے استعفوں کی اصلیت کھول کر رکھ دی ہے۔ بعض استعفے تو بڑے دلچسپ ہیں۔ سیریل نمبر ۳۵ پر فیصل صالح حیات کا استعفیٰ ہے جو انہوں نے نگراں حکومت کے ایکشن کے خلاف احتجاج کے طور پر دیا ہے، سیریل نمبر ۷۶ سے سیریل ۸۳ تک جو استعفے ہیں۔ وہ تمام ۱۳ اپریل ۱۹۹۳ء کو دیئے گئے ہیں۔ یہ فاٹا کے ارکان ہیں فاٹا پر صدر مملکت براہ راست اثر رکھتے ہیں۔ فاٹا کے تمام ارکان کے ۱۳ اپریل ۱۹۹۳ء کے استعفے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ۱۸۸ ارکان قومی اسمبلی جن کے مستعفی ہونے کا ذکر ہے۔ مختلف سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ حیران کن بات ہے کہ ان تمام ۱۸۸ ارکان کے ذہن میں صرف یہ ایک بات کیوں آئی کہ وہ تمام صدر کو جا کر استعفے دیں۔ ۱۸ اپریل کی شام محترمہ بے نظیر بھٹو نے شام چھ سے سات بجے تک صدر مملکت سے ملاقات کی۔ انہوں نے اپنا استعفیٰ لکھا اور پی پی پی کے ارکان قومی اسمبلی کے استعفے دیئے۔ متعدد استعفے ایک ہی ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے اور متعدد پر تو تاریخ تک نہیں ہے۔ خالد انور نے کہا کہ آرٹیکل ۵۸ کے تحت قومی اسمبلی دو وجوہات کی بنا پر توڑی جا سکتی ہے۔ انہوں نے ازراہ مذاق کہا کہ یوں لگتا ہے کہ آئین میں تیسری ذیلی شق شامل کی گئی ہے کہ صدر مملکت لیڈر آف دی اپوزیشن کی ملی بھگت سے قومی اسمبلی توڑ سکتا ہے۔ اس

Scanned with CamScanner

طرح صدر ملک کے اندر سیاسی محاذ آرائی میں فریق بن گئے ہیں۔ مسٹر خالد انور نے کہا کہ بیشتر اخبارات نے اسمبلی توڑنے، حکومت ختم کرنے کے کم وبیش یکساں اسباب شائع کئے ہیں۔ تحریری جواب میں ان کے تراشے شامل ہیں، چیف جسٹس نے کہا کہ آپ اپنے طریقے سے دلائل نہ دیں۔ کیا آپ کے لیے مناسب نہیں کہ اسمبلی توڑنے کے ایک ایک سبب کا جواب دے، خالد انور نے کہا کہ میں نے ایسا ہی کر کے استعفوں کا معاملہ اٹھایا ہے۔ والیوم نمبر ۱۲ے کے صفحہ ۵۱ سے ۶۸ تک درج کیا گیا ہے کہ ۲ مارچ کا فیصلہ کیا ہے۔ اسی لیے پہلے ۱۹۹۳ء میں قومی اخبارات نے تفصیلی انداز میں یہ خبریں شائع کرنا شروع کر دیں کہ قومی اسمبلی توڑی جا رہی ہے جو آٹھویں ترمیم اور صدارتی امیدوار کے تنازعے پر توڑی جائے گی۔ خالد انور نے کہا کہ صدر غلام اسحٰق خان کے ذہن میں یہ بات کبھی نہ آئی کہ وہ قوم کو ان متنازعہ غیر یقینی حالات سے آگاہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ صدر اسحٰق ۸ویں ترمیم اور اپنی امیدواری کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ ۱۰ مارچ ۱۹۹۳ء کے قومی اخبارات میں شائع ہوا کہ صدر اسحٰق خان نے اسمبلی توڑنے کے امکان کو مسترد کر دیا ہے۔ چیف جسٹس نے تراشوں کی فائلوں کے صفحات بے ترتیب ہونے کی بنا پر یہ معاملہ چائے کے وقفے کے بعد تک موخر کرا دیا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ صدر نے اپوزیشن کے وسیع پیمانے پر استعفے دینے، سرکاری پارٹی اور بعض وزراء کے استعفے دیئے جانے کو اسمبلی، حکومت توڑے جانے کی ایک وجہ بتائی ہے۔ خالد انور نے کہا کہ وہ اس کا جواب کچھ لمحات بعد دیں گے۔ ابھی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ۱۷ اپریل کی تقریر کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس سے پاکستان کی اتحاد و یگانگت پر کاری ضرب لگی تھی۔ صدر پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے میرے خیال میں اس کے دو قانونی پہلو ہیں ان کی وضاحت کے لیے انہوں نے نواز شریف کی ۱۷ اپریل کی تقریر کے چند اقتباس پڑھے۔ خالد انور نے کہا کہ ۱۴ اپریل کو صدر وزیر اعظم کی ملاقات ہوئی اس بارے میں صدر مملکت نے ایک پریس ریلیز اسی شام جاری کرائی جس کا متعلقہ حصہ یہ ہے کہ صدر نے وزیر اعظم سے کہا کہ وہ قومی بین الاقوامی مسائل کا حل عوام کے منتخب نمائندوں کے اطمینان کے مطابق تلاش کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وزیر اعظم عوام کے منتخب نمائندوں کے اطمینان کے مطابق حل تلاش کر لیں تو کچھ نہیں ہوگا۔ میرا سوال یہ ہے کہ قومی و بین الاقوامی مسائل کا عوامی نمائندوں کے اطمینان کے مطابق حل کیا تین دن میں تلاش کر لینا ممکن ہے۔ صدر تین دن میں حکومت سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ۳۰ ماہ کی اپنی پالیسیاں تبدیل کر کے لائے اور ان پالیسیوں سے تمام نقائص دور کرے جو عوامی نمائندوں کے اطمینان کے مطابق ہوں، میں پوچھتا ہوں کہ جب وزیر اعظم نے چار روز بعد ہی قوم کے منتخب نمائندوں (قومی اسمبلی) کا اجلاس ۱۹ اپریل کو طلب کر لیا تو پھر صدر نے قومی اسمبلی راتوں رات کیوں توڑ دی اس طرح انہوں نے عوامی نمائندوں کو مل بیٹھنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ خالد انور نے کہا کہ آرٹیکل ۵۴(۱) میں کہا گیا ہے کہ صدر مجلس شوریٰ کے دونوں ایوانوں یا کسی ایک ایوان کا اجلاس طلب کر سکتا ہے۔ ان کو ملتوی کر سکتا ہے جبکہ سپیکر قومی اسمبلی ارکان کی ریکوزیشن پر اجلاس طلب کرے تو پھر ایسے اجلاس کو صرف اور صرف سپیکر ہی غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر سکتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ قومی اسمبلی کے ارکان عوام کے منتخب نمائندے ہیں۔ انہوں نے آئین کے مطابق جو اجلاس ریکوزیشن کیا اسے نہ ہونے دینا۔ صدارتی اختیارات کا قطعاً غلط استعمال ہے۔ خالد انور نے کہا کہ صدر کا یہ کہنا غلط ہے کہ وزیر اعظم ان کو مطمئن کریں۔ آئین میں ایسا کوئی حق صدر کو نہیں دیا گیا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ معاملہ اس کے الٹ ہے۔ وہ یہ ہے کہ صدر وزیر اعظم کے مشورے پر عملدرآمد کا پابند ہے۔ وزیر اعظم صدر کے مشورے پر عملدرآمد کا پابند نہیں ہے۔ خالد انور نے کہا کہ جی ہاں یہی میں کہنا چاہتا ہوں۔ صدر نے اسمبلی، حکومت توڑنے کی ایک وجہ وزیر اعظم کی ۱۷ اپریل کی تقریر بیان کی ہے۔ خالد انور نے اس تقریر کا ایک پیراگراف پڑھا، چیف جسٹس نے کہا کہ صدارتی خطاب میں وزیر اعظم کی تقریر کا بار بار حوالہ دیا گیا اگر ایک اعلیٰ شخصیت کے بارے میں ریمارکس دیئے گئے تو ان حالات میں کیا ہوتا ہے۔ کیا کیا جا سکتا تھا۔ خالد انور نے کہا کہ یہ اہم نکتہ ہے۔ پہلے یہ دیکھنا ہے کہ وزیر اعظم نے دراصل کیا کہا ہے۔ صدر نے ۱۷ اپریل کی

Scanned with CamScanner

وزیراعظم کی تقریر کو آئین توڑنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ آرٹیکل نمبر ۶ میں آئین توڑنے کی سزا موت قرار دی گئی ہے۔ صدر نے اپنی تقریر میں وزیراعظم کی تقریر کو غیر آئینی قرار دیا ہے۔ آرٹیکل نمبر ۶ میں کہا گیا ہے کہ طاقت کے زور سے دھمکی سے یا کسی اور ذریعے سے آئین توڑا جائے تو ایسا کرنے والا غدار ہے اس کی سزا موت ہے۔ خالد انور نے کہا کہ صدر نے کہا کہ سٹاک مارکیٹ منجمد ہے۔ عوام بے چین ہیں۔ سارے کئے دھرے پر پانی پھرتا جا رہا ہے۔ ملک کو بے یقینی کی فضا میں مبتلا کرنے والوں نے اس مقام کو سازش کی آماجگاہ قرار دیا جو آئینی طور پر استحکام کی نشانی ہے۔ خالد انور نے کہا کہ یہ آمرانہ طرز حکومت ہے کہ ایوان صدر کو منتخب حکومت کے خلاف سازش کے لیے استعمال کیا جائے یہ نہیں کہا گیا کہ صدر یہ سازش کر رہا ہے یہ کہا گیا کہ صدر کے بعض مشیر ایسا کر رہے ہیں۔ خالد انور نے کہا کہ تقریر کے صفحہ نمبر ۵ کی آخری دو سطروں میں کہا گیا ہے جب ایسی حکومت غیر مستحکم کرنے کی سازش کی جائے جو یہ کہے کہ ''میں نے اپنا نصب العین خدمت کو بنا رکھا ہے'' اس سے کس بات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ خالد انور نے کہا کہ وزیراعظم نے کہا کہ صدارتی لابی بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان حقائق کو سامنے رکھ کر آئین کے آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کا جائزہ لیا جائے تو ہم جانتے ہیں کہ پنجاب اسمبلی میں کیا ہوا سندھ اسمبلی میں کیا ہو رہا ہے۔ سندھ اسمبلی میں نہ دیہی اور نہ ہی شہری علاقے کے عوام کی نمائندگی ہے۔ وہاں صرف ایک شخص کی حکومت چل رہی ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ ریمارکس دینے میں احتیاط برتیں۔ خالد انور نے کہا کہ صدر مارچ میں دوبارہ کہہ چکے ہیں کہ اسمبلی نہیں توڑی جائے گی۔ ۱۴ اپریل کو صدر نے معاملات عوامی نمائندوں کے مطابق طے کرنے کا مشورہ دیا لیکن ۱۷ اپریل کو وزیراعظم کی تقریر حکومت اور قومی اسمبلی توڑنے کی اصل وجہ بنی۔ خالد انور نے نواز شریف کی تقریر کا یہ حوالہ دیا جس میں کہا گیا کہ ''میرے عزیز ہم وطنو! میں سیاست کو عوام، وطن اور اسلام کی خدمت کا ایک ذریعہ سمجھتا ہوں اور میں نے اپنے اسلاف اور بزرگوں سے حاصل شدہ تعلیم کی روشنی میں سیاست کے ان ہی اصولوں کو اپنایا ہے مگر افسوس کہ جس قسم کی سیاست کے ساتھ مجھے واسطہ پڑا اس میں نجاست کم اور گندگی بہت زیادہ ہے۔ آج میں آپ کو بتا دوں کہ میرا واسطہ کس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں کا ادب کرنا سیکھا ہے اور اسلام آباد پہنچ کر بھی میں نے اس روایت کو برقرار رکھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کسی کا ماتحت یا محتاج ہوں یا کسی سے خائف ہوں مجھے دھمکیاں دی گئیں کہ میں اپنے خاندان کا کاروبار بچانے کے لیے اصولوں سے دستبردار ہو کر سمجھوتہ کر لوں آپ دیکھیں گے یہ سمجھوتہ نہ کرنے کی پاداش میں میری کردار کشی کا بھی اہتمام ہوگا۔ میرے کرم فرماؤں کو کسی بھی فرد کی کردار کشی کے لیے عیب جوئی کا ہنر خوب آتا ہے۔ میں نے حتی الامکان اپنے معاملات اور اپنی مرضی کو قومی مفاد کے تابع رکھا ہے۔ انشاء اللہ میرے عمل کا آئندہ ریکارڈ بھی اس بات کی گواہی دے گا۔ میں اللہ کے فضل سے اس ملک کا منتخب وزیراعظم ہوں۔ مجھے قومی اسمبلی میں بھاری اکثریت کی تائید حاصل ہے اگر کسی کو شک و شبہ ہے تو وہ ایوان کے اندر اور ایوان کے باہر جہاں چاہے مجھے آزما کر دیکھ لے پچھلے چند ہفتوں سے تو یہ کوشش بڑے زور و شور کے ساتھ بھی کی گئی ہے، ایسی گندی ہارس ٹریڈنگ ہوئی ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ وفاق پاکستان کا عظمتوں کا وہ مرکز جو پورے ملک کے لیے قابل احترام ہونا چاہئے تھا۔ وہاں پر سازشوں کے جال بنے گئے کہ کس طرح آپ کے منتخب وزیراعظم کو گرا دیا جائے اور گورنر تو وفاق کی علامت کے اس مرکز میں قیام پذیر ہو کر وفاقی حکومت کے خلاف سازش کر رہا ہے جس سیاسی لاوارث کو کہیں پناہ نہیں ملتی تھی وفاق پاکستان کی اس علامت کے دفتر میں اس کی پذیرائی ہونے لگی ہے جہاں سے پاکستان کے استحکام، یکجہتی اور سلامتی کے لیے مجھے مشورے ملنے چاہئے تھے وہاں مجھے کہا گیا کہ پاکستان کو دہشت گرد قرار دینے والے سردار آصف احمد علی کو تکلیف نہ دو جس پر میں ڈٹ گیا اور صاف کہہ دیا کہ اس شخص نے دشمن سے زیادہ میرے وطن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے اور اس کی گرفتاری کا حکم میں نے جاری کیا ہے۔ میرا دل سلگتے ہوئے رازوں کی آنچ پر پک رہا ہے لیکن ملکی و قومی وقار اور مفادات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ میں انہیں افشا کروں''۔ خالد انور نے کہا کہ نواز شریف نے کہا کہ میں اسمبلی نہیں توڑوں گا نہ

Scanned with CamScanner

استعفیٰ دوں گا نہ ڈکٹیشن لوں گا۔ کیا ایسا کہنا غیر آئینی ہے؟ کیا ایسا کہنا غیر قانونی تھا؟ انہوں نے کہا کہ انہوں نے سازشوں کا انکشاف کیا اور سازشوں کا مقابلہ کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ وزیر اعظم کی تقریر سیاسی تھی، وہ قوم سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی تقاریر جذباتی ہوتی ہیں۔ وہ آئین وقانون کی وضاحت کو سامنے رکھ کر نہیں کی جاتیں۔ عوام کے مزاج کے مطابق کی جاتی ہیں۔ وزیر اعظم نے ہموطنوں کو حقائق سے آگاہ کیا اور آئینی ذمہ داریوں کو نبھانے کے عزم سے آگاہ کیا اور کہا کہ میں کسی سے ڈکٹیشن نہیں لوں گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس تقریر سے آئین ٹوٹ گیا۔ ٹوٹ سکتا تھا یا ٹوٹ سکتا ہے جبکہ صدر غلام اسحٰق خان نے اپنے خطاب میں واضح الفاظ میں کہا کہ وزیر اعظم کی تقریر آئین کو توڑنے کے مترادف تھی۔ خالد انور نے کہا کہ وزیر اعظم پاکستان قوم سے خطاب کرے اور اس کو صدر مملکت آئین توڑنے کے مترادف قرار دیں، ایک جج نے کہا کہ اس تقریر میں کیا وزیر اعظم نے کہا ہے کہ ملک آئین کی شقوں کے مطابق نہیں چلایا جا سکتا۔ خالد انور نے کہا کہ وزیر اعظم کی تقریر میں کہیں بھی نہ تو براہ راست نہ بالواسطہ طور پر ایسا کہا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تقریر سے قبل نواز شریف وزیر اعظم تھے۔ تقریر کے بعد نواز شریف سیاستدان رہ گیا۔ ایک جج نے کہا کہ اس تقریر سے کیا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ صدر اور وزیر اعظم اکٹھے کام نہیں کر سکتے کیا اس طرح کلاز ۵۸(۲) لاگو نہیں ہوتی۔ خالد انور نے جواب دیا آئین میں ہے کہ اگر پاکستان میں ایسا صدر جو وزیر اعظم سے نفرت ہی کیوں نہ کرتا ہو، دونوں آئینی حدود میں رہ کر کام کر سکتے ہیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ صدر اور وزیر اعظم ایک دوسرے کو نہ چاہتے ہوں تو بھی فیڈریشن آئین کے مطابق چل سکتی ہے۔ امریکہ میں صدر ایک پارٹی کا ہوتا رہا کانگریس دوسری پارٹی کی ہوتی رہی مگر صدر نے کبھی کانگریس نہیں توڑی امریکہ میں بجٹ صدر تیار کرتا ہے۔ کانگریس اس کی منظوری دیتی ہے۔ ہمارے ہاں بجٹ پاس نہ ہو سکے تو قومی اسمبلی توڑی جا سکتی ہے۔ امریکہ میں بجٹ پاس نہ بھی ہو سکے تب بھی صدر کانگریس نہیں توڑ سکتا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ کا مطلب ہے "پرامن بقائے باہمی"۔ جسٹس افضل لون نے استفسار کیا کہ کیا اگر الیکشن کے بعد نواز شریف دوبارہ وزیر اعظم ہو جائیں تو پھر کیا ہوگا۔ خالد انور نے کہا کہ ایسی صورت میں صدر کو اخلاقی طور پر فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ استعفیٰ دے کر چلے جائیں۔

چائے کے وقفے کے بعد خالد انور نے کہا کہ امریکہ کے صدر کو پاکستان کے صدر سے زیادہ اختیار ہیں مگر وہ اسمبلی نہیں توڑتا۔ پاکستان میں غلام اسحٰق خان نواز شریف کے مابین اختلاف تھا یہ صدارت اور وزارت عظمیٰ کے مابین اختلاف بنا دیا گیا۔ آئین میں درج ہے کہ دونوں عہدیدار کیسے کام کریں گے۔ وہ اپنے اختیارات، ذمہ داریوں کے مطابق کام کریں گے اگر ذاتی اختلاف کی بنا پر صدر، وزیر اعظم کام نہ کر سکتے ہوں تو آئین میں درج کیا گیا ہوتا جس پر چیف جسٹس نے کہا کہ ہم نے تو خیر سگالی کے جذبے کے تحت کہا ہے کہ صدر، وزیر اعظم کے مابین اچھے تعلقات ہوں۔ خالد انور نے کہا کہ سیاسی اپوزیشن کو آئینی اپوزیشن کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ برطانیہ میں اپوزیشن کو اپوزیشن آف ہر میجسٹی کہا جاتا ہے۔ ہم نواز شریف کا ذکر نہیں کر رہے۔ ۲۱۷ ارکان قومی اسمبلی کا ذکر کر رہے ہیں۔ جسٹس اجمل میاں نے کہا کہ اگر عدلیہ کے سینئر عہدیدار مقرر کرنے کے موضوع پر صدر اور وزیر اعظم کے مابین اختلاف رائے ہو تو پھر کیا ہوگا۔ خالد انور نے کہا کہ پاکستان کے آئین میں اس سلسلے میں امریکی دستور جیسی شق ہے۔ پاکستان کا صدر اس سلسلہ میں بااختیار نہیں ہے۔ وزیر اعظم اور کابینہ جو فیصلہ کرتی ہے آرٹیکل ۲۴۸ کے تحت صدر اس پر عملدرآمد کا پابند ہے۔ جسٹس افضل لون نے کہا کہ صدر کو پارلیمنٹ اور چاروں صوبائی اسمبلیوں کے ارکان منتخب کرتے ہیں۔ جسٹس افضل لون نے کہا کہ عموماً ملک میں اکثریتی جماعت کا صدر ہوتا ہے لیکن کئی بار پاکستان میں ایسا نہیں ہوا اور ایسا صدر ہوا جس پر مختلف سیاسی جماعتوں نے آپس میں سمجھوتہ کیا۔ انہوں نے صدر سے موجودہ نگران حکومت کے عہدیداروں کی ملاقاتوں کی خبروں کے تراشے پڑھے۔ انہوں نے کہا کہ چھ وزراء مستعفی ہوئے پہلے انور سیف اللہ نے استعفیٰ دیا اس کے بعد پانچ وزیروں نے استعفے دیئے۔ ۱۴ اپریل کو غلام مصطفیٰ جتوئی نے صدر کو اسمبلی

Scanned with CamScanner

توڑنے کا مشورہ دیا۔ اپوزیشن نے صدر سے اسمبلی توڑنے کا مطالبہ کر دیا۔ جسٹس سلیم اختر نے کہا کہ اخبارات کی صرف سرخیاں نہ پڑھیں پوری خبر پڑھیں۔ خالد انور نے کہا کہ ۱۷ اپریل کو ''دی نیوز'' لاہور میں چھپا کہ فلاں فلاں نے صدر سے ملاقات کی جس کے بارے میں ملاقاتیوں نے کہا کہ ۱۰۰ سے زیادہ ارکان اسمبلی نے صدر کو استعفے پہنچا دیئے ہیں۔

چیف جسٹس نے کہا کہ تراشے پڑھ کر آپ کیا بتانا چاہتے ہیں۔ خالد انور نے کہا کہ صرف یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ صدر غلام اسحٰق خان نے نواز شریف حکومت کے مخالفین کو اپنے اردگرد جمع کر رکھا تھا۔ وہ تمام صدر کے پاس استعفوں کے جمع کئے جانے کی باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے استعفے سپیکر کو تو نہیں دیئے۔ جسٹس اجمل میاں کے سوال پر خالد انور نے کہا کہ صدر سے وزیر اعظم کا اختلاف آٹھویں ترمیم اور صدارتی امیدوار کے مسئلے پر تھا۔ مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں ساری آٹھویں ترمیم کو ختم کرنے کا نہیں کہا گیا تھا۔ صرف آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے خاتمے کی تجویز زیر غور آئی تھی، اس کے باوجود کئی راستے کھلے تھے جس کے بعد کوشش شروع ہوگئی کہ وزیر اعظم کے حامیوں کو توڑ کر صدارتی لابی میں شامل کر لیا جائے اور جس طرح پنجاب اسمبلی میں ۹۰ فیصد اکثریت کو اقلیت میں ہارس ٹریڈنگ کے ذریعے بدل دیا گیا اسی طرح وہ قومی اسمبلی میں نواز شریف کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کے لیے ہارس ٹریڈنگ کرنے لگے۔ کراچی کے ڈیلی نیوز نے ۱۸ اپریل کو شائع کیا کہ گورنر سندھ محمود ہارون، سندھ کے قومی اسمبلی کے ارکان سے صدر غلام اسحٰق خان کے کہنے پر استعفے لے رہے ہیں۔ اس لیے کسی وقت بھی قومی اسمبلی توڑ دی جائے گی۔ تین اپریل کو موجودہ نگران وزیر اعظم میر بلخ شیر مزاری نے کہا کہ ۸۸ ارکان اسمبلی استعفے دے رہے ہیں اور پی پی پی والے اسی لمحے استعفے دے دیں گے۔ جب غلام اسحٰق خان ان سے کہیں گے۔ اسی خبر میں کہا گیا کہ مسٹر مزاری متوقع تین نگران وزرائے اعظم میں سے ایک ہیں۔ ایک خبر میں کہا گیا کہ پیر پگاڑا صدر کو استعفے بھجوائیں گے۔ انہوں نے میر بلخ شیر مزاری کو وزیر اعظم کے لیے امیدوار قرار دیا اور کہا کہ صدر غلام اسحٰق خان صدر ہی رہیں گے۔ ۱۶ فروری کو دی نیوز لاہور نے پی پی پی اور صدر کی ملاقات کے متعلق لکھا کہ فیصل صالح حیات نے صدر سے ملاقات کی۔ تفصیلات بے نظیر بھٹو کو بتانے لندن جا رہے ہیں۔ پی پی پی کے مزید لیڈر صدر سے ملیں گے۔ نئے اتحاد بنیں گے۔ خالد انور نے کہا کہ ۷ مارچ کو ایک اخبار نے لکھا کہ پی پی پی نے لانگ مارچ اس لیے ختم کیا کہ صدر غلام اسحٰق خان قومی اسمبلی توڑ دیں گے۔ ۲۵ مارچ کو سینیٹر طارق چوہدری نے کہا کہ اگر وزیر اعظم کو برطرف نہ کیا گیا تو قومی اسمبلی توڑ دی جائے گی۔ اس پر خالد انور نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ''ویل ڈن! سینیٹر'' ''شاباش سینیٹر'' تمام لوگ ہنس پڑے۔ خالد انور نے چھ وزراء کے استعفوں کی خبریں پڑھیں اور بتایا کہ یہ خبر شائع ہوئیں کہ حامد ناصر چٹھہ نے آئی جے آئی کے ارکان قومی اسمبلی سے ایوان کے اندر تبدیلی لانے کے لیے رابطے شروع کر دیئے ہیں۔ انور سیف اللہ اور اسد جونیجو کے ہمراہ حامد ناصر چٹھہ نواز شریف کے دورۂ جرمنی کے دوران آئی جے آئی کے وزراء کو ساتھ ملانے کے لیے سرگرم رہے۔ ایک خبر چھپی کہ جتوئی نے دوبارہ نگران وزیر اعظم نہ بننے کا کہا ہے۔ دوسری خبر میں کہا گیا کہ مسٹر چٹھہ نے کہہ دیا ہے کہ سو استعفے بھی آجائیں تو اسمبلی توڑ دی جائے گی۔ جسٹس سلیم اختر نے کہا کہ ۲۹ ماہ کے عرصے میں نواز شریف حکومت نے ہارس ٹریڈنگ کے خاتمے کے آرڈیننس کو منظور کرایا کیا وجہ تھی۔ خالد انور نے کہا کہ قانون ہو یا نہ ہو ہارس ٹریڈنگ آئین اور جمہوریت کی روح کے منافی ہے۔ آئین قانون اور اسلامی تعلیمات کے مطابق عوام کے منتخب نمائندے عوام سے بے وفائی نہیں کر سکتے۔ جسٹس سلیم اختر نے کہا کہ کیا یہ آرڈیننس اس لیے منظور نہ کیا گیا کیونکہ ایسا کرنا حکمران جماعت کے مفاد میں نہ تھا۔ خالد انور نے خواجہ طارق رحیم کیس کے فیصلے کے حوالے دیئے جس میں کہا گیا کہ آرٹیکل ۱۵۳ کے تحت مشترکہ مفادات کونسل کو پی پی پی دور میں کام نہیں کرنے دیا گیا۔ قومی اقتصادی کونسل کے اختیارات کو بالائے طاق رکھا گیا۔ دوسری وجوہات کا بھی انہوں نے ذکر کیا لیکن موجودہ حکومت کے دور میں ۱۹۹۱ء میں مشترکہ مفادات کی کونسل کے تین اجلاس ہوئے کونسل نے دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کا دیرینہ تنازعہ

Scanned with CamScanner

تک طے کرادیا۔ قومی فنانس کمیشن ۱۹۷۵ء سے اپنا ایوارڈ نہ دے سکا تھا اس میں وہ پانچ سال شامل ہیں جس میں غلام اسحٰق خان وزیر خزانہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ اپریل ۱۹۹۱ء میں اس کمیشن نے صوبوں کے مابین محاصل کی تقسیم کا تاریخی فیصلہ دیا۔ بین الصوبائی رابطے کی وزارت اور کونسل تک قائم کی گئی۔ انہوں نے کہا کہ قومی اقتصادی کونسل کی ایگزیکٹو کمیٹی (ایکنیک) کے سال میں چار چار اجلاس ہوتے رہے۔ جن میں صوبائی وزرائے اعلیٰ، وزرائے خزانہ شامل ہوتے رہے میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ حکومت کے دور میں قومی مالیاتی کمیشن اور مشترکہ مفادات کونسل کے حوالے سے مرکز اور صوبوں کے مابین تنازعات نہیں تھے جبکہ خواجہ طارق رحیم کیس کے موقع پر ایسے تنازعات کا حوالہ دیا گیا تھا۔ اب صدر نے صوبوں کی طرف سے ان چار خطوط کا حوالہ دے دیا ہے جو بعض صوبائی وزرائے اعلیٰ نے مارچ ۱۹۹۳ء میں لکھے تھے۔ اس وقت جبکہ صدر اور وزیر اعظم کے مابین تنازعہ شروع تھا۔ خالد انور نے کہا کہ صدر نے کہا ہے کہ مشترکہ مفادات کونسل نے مناسب کام نہیں کیا۔ کونسل کے آدھے ارکان چاروں صوبوں کے تھے۔ اگر صدر کی بات مان لی جائے تو پھر صوبائی اسمبلیاں کیوں نہیں توڑی گئیں.......... انہوں نے وفاقی فہرست میں درج اختیارات صوبائی اختیارات اور مرکز وصوبوں کے مشترکہ اختیارات کی فہرستوں کو پڑھا۔ انہوں نے بتایا کہ وفاقی فہرست کے حصہ اول میں ۵۱ محکمے ادارے اور معاملات شامل ہیں۔ آئین کے تحت اس کا منافع سرحد کو ملنا چاہئے۔ نواز شریف حکومت پاکستان کی پہلی حکومت ہے جس نے اربوں روپے کا تربیلا بجلی کا منافع سرحد کو دیا حالانکہ بجلی کی پیداوار وفاق کا حق ہے۔ خالد انور نے آرٹیکل ۱۵۴(۲) کا حوالہ دیا اور مشترکہ مفادات کونسل کے اختیارات اور قواعد وضوابط بیان کئے اور کہا کہ ان پر نواز شریف حکومت نے مکمل طور پر عملدرآمد کیا۔ کوئی صوبہ اگر کونسل کے کسی فیصلے پر متفق نہیں تھا تو وہ یہ معاملہ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں اٹھا سکتا تھا مگر کسی ایک صوبے کی طرف سے ایک بھی معاملہ مشترکہ اجلاس کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ آرٹیکل ۹۷ کے تحت فیڈریشن کو بجلی سمیت متعدد امور کے بارے میں مکمل اختیارات ہیں۔ خالد انور نے کہا کہ نجکاری کے بارے میں صدارتی فرمان میں اعتراض کیا گیا کہ ۱۹۹۱ء اور ۱۹۹۲ء میں نواز شریف حکومت نے نج کاری کے بارے میں متعدد قوانین کو پارلیمنٹ سے منظور کرایا مگر اس وقت کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا۔ خالد انور نے کہا کہ قومی اقتصادی کونسل کے بارے میں بھی اعتراض لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس بارے میں انہوں نے آرٹیکل ۱۵۳ کے تقاضے پورے ہونے کی مثالیں دیں اور کہا کہ اگر وفاقی حکومت کی اقتصادی پالیسی بری طرح ناکام ہو چکی ہوتی تو پاکستان میں اقتصادی ترقی نہ ہوتی جو بھی لوگ دیکھ رہے تھے۔ اقتصادی ترقی ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ معاشی اور دوسری پالیسیوں پر صرف اسمبلیاں بحث کر کے اس میں ترامیم کر سکتی ہیں۔ قانون سازی کا اختیار وفاقی حکومت کا ہوتا ہے۔ صدارتی فرمان کے نکات آئین وقانون کے قطعاً منافی ہیں۔ صدر نے ملک بھر میں امن وامان کے خاتمے، خوف وہراس پھیل جانے کو اسمبلی توڑنے کا جواز بنایا ہے۔ یہ سراسر غلط ہے۔ امن وامان معمول کے مطابق تھا۔ جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ آپ کے خیال میں قومی اسمبلی عجلت میں توڑی گئی تو خالد انور نے کہا کہ چونکہ قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا گیا تھا اس لیے صدر نے سمجھا ان کے پاس اسمبلی توڑنے کے لیے چند گھنٹے ہیں۔ اس لیے جلدی میں وجوہات لکھیں اور اسمبلی توڑ دی۔ انہوں نے بیگم نزہت نواز کا ذکر کیا کہ ان کے خاوند جنرل آصف نواز کو زہر دیا گیا، میں کہتا ہوں کہ آج تک اس بارے میں کوئی ایف آئی آر تک درج نہیں کرائی گئی۔ امن وامان ملک میں کتنا تباہ ہو چکا تھا۔ اس کا علم آپ کو بھی ہے۔ عوام بھی جانتے ہیں۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ ہم آئین کی تمام متنازعہ باتوں کو دور کرنے کا جائزہ بھی لے رہے ہیں۔ یہ بتائیں کہ صدر کو چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کو مقرر کرنے کا صرف اختیار ہے یا سارے سروسز چیفس کو مقرر کرنے کا صوابدیدی اختیار ہے۔ خالد انور نے کہا کہ اس بارے میں وہ کل تفصیلات پیش کریں گے۔ ابھی اس کی وہ تیاری کر کے نہیں آئے۔ خالد انور نے کہا کہ فوج میں ترقیاں وزارت دفاع طے شدہ طریقہ کار کے تحت کرتی ہے۔ یہ ایگزیکٹو اختیارات کے تحت ہوتا ہے میری دلیل یہ ہے کہ چیف آف آرمی سٹاف کی تقرری قومی اسمبلی

Scanned with CamScanner

اور حکومت توڑنے کی بنیاد نہیں بن سکتی اگر میونسپلٹی کا خاکروب ڈسمس کیا جاتا ہے تو اس کا جواز دینا ضروری ہے۔ پاکستانی عوام کے سارے منتخب نمائندے صدر کے ایک لفظ سے گھر بھجوا دیئے گئے۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے مسکراتے ہوئے کہا "ان کے کہنے کے مطابق ۱۰۰ ارکان تو مستعفی ہو چکے تھے۔" خالد انور نے کہا کہ آئین قانون حتیٰ کہ اسلام کے مطابق غلام اسحٰق خان کو ان ۲۱۷ منتخب ارکان قومی اسمبلی کو برطرف کرنے سے قبل وارننگ دینا چاہئے تھی۔ چیف جسٹس نے اس موقع پر کہا "اگر وہ اس حالت میں ہوں تو پھر وہ کیا کرتے۔ ایک جج نے کہا کہ کیا وارننگ کے طور پر پریس میں شائع ہونے والی خبریں کافی نہیں تھیں۔ خالد انور نے کہا کہ ایک بار بھی صدر مملکت نے وارننگ اور نوٹس نہیں دیا۔ جسٹس اجمل میاں نے کہا کہ آپ کے مطابق صدر کے پاس اسمبلی اور حکومت توڑنے کی آئینی، قانونی نہیں کچھ اور وجوہات تھیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ اٹارنی جنرل نے صدر کو مشورہ دیا ہوگا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ میں فرائض منصبی سرانجام دیتا ہوں۔ خالد انور نے کہا کہ دو تین سال سے وہ عزیزاے منشی صاحب کے متعلق اچھی طرح جانتے ہیں وہ ملک کے مفاد میں متعلقہ اتھارٹی کو صحیح مشورہ دے دیتے ہیں۔ کوئی مانے نہ مانے۔ اس کے ساتھ ہی عدالت عظمٰی نے سماعت اگلے روز تک کے لیے ملتوی کر دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

11 مئی 1993ء

چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ ہم اپنے فیصلے سے پاکستان کے عوام اور اپنے ضمیر کو مطمئن کریں گے۔ یہ ریمارکس انہوں نے منگل کے روز سپریم کورٹ میں قومی اسمبلی اور حکومت توڑے جانے کے صدارتی اقدام کے خلاف سابق وزیر اعظم نواز شریف کی آئینی پٹیشن کی سماعت کے دوران دیئے۔ سپریم کورٹ کے گیارہ ججوں پر مشتمل فل کورٹ نے چوتھے دن بھی سماعت جاری رکھی۔ درخواست گزار کے وکیل خالد انور نے اپنے دلائل مکمل کر لیے جس کے بعد ان کے دوسرے وکیل یحییٰ بختیار نے تقریباً سوا گھنٹے تک دلائل دیئے۔ ابھی چوہدری شجاعت حسین کی آئینی پٹیشن میں ان کے وکیل ڈاکٹر فاروق حسن کے دلائل جاری تھے کہ سماعت بدھ کی صبح تک ملتوی کر دی گئی۔ خالد انور نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ وزیر اعظم نواز شریف کی تقریر کے دو اہم نکات ہیں۔ وزیر اعظم نواز شریف نے اپنی حکومت کی کامیابیوں اور اقتصادی پالیسیوں کا ذکر کیا۔ وزیر اعظم نے کہا تھا کہ اگر غریبوں کی خدمت کرنا ظالموں کو ظلم کی سزا دینا، یتیموں، بیواؤں، محتاجوں کی مدد کرنا ستر سالہ پرانا دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کا تنازعہ طے کرانا، مرکز اور صوبوں کے درمیان بجلی تیل گیس کا منافع رائلٹی کی تقسیم کا سمجھوتہ کرانا، کراچی سمیت سندھ میں امن و امان بحال کرانا ملک کی ترقی و خوشحالی کے لیے اقتصادی پالیسیاں بنا کر ان پر برق رفتاری سے عملدرآمد شروع کرنا میرا جرم ہے تو میں یہ جرم بار بار کروں گا۔ خالد انور نے کہا کہ نواز شریف نے ۱۷ اپریل کو تقریر میں کہا کہ ایوان صدر میں سازشیں ہو رہی ہیں۔ دس پندرہ وزرائے اعظم وزیروں کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ قومی اسمبلی کے ہر تیسرے رکن کو وزیر اعظم بنانے کی پیشکش کی جا رہی ہے۔ خالد انور نے کہا کہ میرے خیال میں یہ ایسی ہی صورتحال تھی جیسے شکاری شکار کے لیے نکلتا ہے۔ خالد انور کے مطابق وزیر اعظم نے کہا کہ یہ سازشیں میرے خلاف ہیں۔ مجھے کہا جا رہا ہے کہ وزارت عظمٰی سے استعفٰی دے دوں اور میری جگہ کسی دوسرے کو وزیر اعظم بنا دیا جائے لیکن میرا فیصلہ ہے کہ نہ میں استعفٰی دوں گا نہ اسمبلی توڑوں گا نہ ڈکٹیشن لوں گا۔ خالد انور نے فاضل عدالت سے استفسار کیا کہ کیا اسے آئین سے بغاوت قرار دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ صدر نے اپنی تقریر میں وزیر اعظم کے خطاب کو آئین سے بغاوت قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعظم کی تقریر کو آئین توڑنے کے مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ پالیسیاں حکمران پارٹی بناتی ہے۔ اسے کوئی ڈکٹیٹ نہیں کرا سکتا۔ ایسا کرنا صرف عوام کے منتخب

Scanned with CamScanner

نمائندوں پر مشتمل پارلیمنٹ کا حق ہے۔ صدر کو عوام نے منتخب نہیں کیا ان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ وزیر اعظم کی پالیسیوں پر تنقید کریں اور یہ قرار دیں کہ ان کی فلاں پالیسی آئینی ہے۔ فلاں غیر آئینی۔ جہاں تک وزیر اعظم کا یہ کہنا کہ میں کسی سے ڈکٹیشن نہیں لوں گا یہ ان کا آئینی حق تھا۔

آئین کے تحت صدر کو وزیر اعظم کو ڈکٹیٹ کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ خالد انور نے اپنے دلائل کی حمایت میں سپریم کورٹ کے ۱۹۶۵ء کے ایک فیصلے کا حوالہ دیا جو حسین شہید سہروردی مرحوم کی ایک تقریر کے متعلق تھا۔ اس تقریر میں آئین پر شدید تنقید کی گئی تھی۔ یہ تقریر شائع کرنے پر مشرقی پاکستان کے ایک اخبار کے خلاف غداری کا مقدمہ بنا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ تقریر کرنے والا جس طرح قصوروار تھا اسی طرح تقریر چھاپنے والا بھی قصوروار ہے۔ خالد انور نے کہا کہ مشرقی پاکستان ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ نے بھی یہ کیس مسترد کر دیا اور کہا کہ سہروردی کا حق تھا کہ وہ آئین پر جس طرح چاہیں تنقید کریں، سپریم کورٹ کا فیصلہ ہے کہ آئین پر تنقید کرنا غداری نہیں ہے۔ غداری کا کیس تب بنتا ہے اگر کوئی آئین یا حکومت کو توڑنے کی کوشش کرے۔ خالد انور نے کہا کہ پوری تقریر میں نواز شریف نے کہاں پر آئین توڑا یا توڑنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہاں کہا کہ صدر کا تختہ الٹا جائے۔ اس پر اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے فوراً اٹھ کر کہا کہ نواز شریف نے تو کہا ہے کہ ہم صدر غلام اسحٰق خاں کو پھانسی لگائیں گے جس پر فاضل چیف جسٹس نے کہا کہ نواز شریف نے وزیر اعظم ہوتے ہوئے یہ بات کہی تھی یا وزارت عظمیٰ سے ہٹائے جانے کے بعد؟ تو اٹارنی جنرل نے جواب دیا نہیں جناب اسمبلی توڑے جانے کے بعد کہا تھا، فاضل جج نے کہا کہ سیاستدان تو ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں آپ بیٹھ جائیں۔ خالد انور نے کہا کہ نواز شریف نے تو اپنی تقریر میں صدر کا نام تک نہیں لیا۔ ان کو صرف یہ شکایت تھی کہ ایوان صدر میں کچھ لوگ ان کے اور قوم کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ فاضل وکیل نے کہا کہ آزادی تحریر و تقریر ہر شہری کا بنیادی حق ہے یہی حق وزیر اعظم کا بھی تھا۔ انہوں نے دلائل جاری رکھتے ہوئے کہا کہ صدر غلام اسحٰق خان نے ۶ اگست ۱۹۹۰ء کو جب پی پی پی کی حکومت کو توڑا اس وقت بھی انہوں نے ایک تقریر کی۔ اس تقریر میں انہوں نے ہارس ٹریڈنگ کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہارس ٹریڈنگ صرف آئین کے خلاف ہی نہیں اسلام کے خلاف بھی ہے۔ اب پنجاب اسمبلی میں انہوں نے کیا کیا ہے۔ خالد انور نے کہا کہ صدر نے اس وقت تو کہا تھا کہ جن ارکان اسمبلی نے قسم کھائی تھی وہ اپنا اپنا ضمیر بیچ کر ہارس ٹریڈنگ کر رہے ہیں۔ ایسا کرنا نہ صرف قانونی نقطہ نگاہ سے غلط ہے بلکہ گناہ بھی ہے۔ خالد انور نے پوچھا کہ کیا صدر آج اپنی ۶ اگست ۱۹۹۰ء والی تقریر بھول گئے ہیں؟ کیا اب انہوں نے اپنے اصول بدل لیے ہیں۔

درخواست گزار کے وکیل نے کہا کہ صدر نے دو تقریریں اور کی ہیں۔ ایک دسمبر ۱۹۹۱ء کو کی گئی، دوسری ۲۲ دسمبر ۱۹۹۲ء میں کی گئی۔ صدر غلام اسحٰق خان کی دونوں تقریریں قوم نے ریڈیو، ٹی وی پر سنی ہیں۔ صدر غلام اسحٰق خان کو کیا یاد نہیں رہا کہ دونوں تقریروں میں انہوں نے نواز شریف حکومت کی تمام اقتصادی پالیسیوں، زرمبادلہ کی اصلاحات، نج کاری کی پالیسی کی بے حد تعریف کی تھی۔ انہوں نے وفاق اور صوبوں کے اداروں مشترکہ مفادات کونسل، قومی اقتصادی کونسل، قومی مالیاتی کمیشن کا ذکر کر کے نواز حکومت کو سراہا تھا اور کہا تھا کہ پہلی حکومتیں ان تینوں اداروں کی پروا نہیں کرتی تھیں۔ نواز شریف کی حکومت پہلی حکومت ہے جس نے ان اداروں کی اہمیت کو سمجھا ہے۔ ان کے اجلاس آئین و قانون کے مطابق بلائے جاتے ہیں۔ ان اداروں کو وفاق اور صوبوں کے مفاد کے مطابق پالیسیاں بنانے کا موقع دیا گیا ہے۔ خالد انور نے کہا کہ دوسری طرف ۱۸ اپریل کو صدر صاحب فرماتے ہیں کہ وفاق نے آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ان تینوں اداروں کو کام کرنے کا بالکل موقع نہیں دیا۔ فاضل وکیل نے کہا کہ عدالت کے فاضل جج خود فیصلہ کر لیں کہ صدر غلام اسحٰق خان کی ۲۲ دسمبر ۱۹۹۲ء کی تقریر ٹھیک تھی یا ۱۸ اپریل ۱۹۹۳ء کی تقریر درست ہے کیونکہ دونوں تقریریں تو صحیح نہیں ہو سکتیں۔ صدر بھی خود ہی فیصلہ کر لیں۔ ان کی کس تقریر کو درست سمجھا جائے۔ دسمبر ۱۹۹۲ء میں صدر نے پیلی ٹیکسیوں کی سکیم کی بے حد تعریف کی اور ۱۸ اپریل کو اس کو ہدف تنقید بنایا۔ تعلیم یافتہ طبقے کی یہ کہہ کر تضحیک کی کہ وزیر اعظم نے تعلیم یافتہ

Scanned with CamScanner

نوجوانوں کو ٹیکسی ڈرائیور بنادیا۔ بے روزگار تعلیم یافتہ نوجوانوں کو باعزت کاروبار کا موقع دینا غلط کام ہے۔ یہ بتانا چاہوں کہ جب نواز شریف کراچی گئے تو ایئرپورٹ سے مزار قائد تک استقبال کرنے والے لاکھوں افراد میں ہزاروں پیلی ٹیکسی والے نوجوان شامل تھے۔ وزیر اعظم کی اس سکیم سے یہ پیلی ٹیکسی لینے والے ہزاروں تعلیم یافتہ نوجوان خوش ہیں لیکن صدر ناراض ہیں۔ خالد انور نے کہا کہ صدر نے صدارتی فرمان میں یہ دلیل بھی دی کہ پاکستان کی معیشت تباہ و برباد ہوگئی تھی۔ اس کے جواب میں وہ صرف اتنا کہیں گے کہ عالمی بینک کی ۲۳ مارچ ۱۹۹۳ء کی رپورٹ اٹھا کر دیکھ لیں جس میں نواز شریف حکومت کی اقتصادی حکمت عملی کو بے حد سراہا گیا یہاں تک کہ عالمی بینک کی رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ پاکستان کی معیشت توقعات سے بڑھ کر بہتر ہوئی ہے۔ آگے بڑھی ہے صدر دسمبر میں اقتصادی پالیسیوں کی تعریف کر چکے تھے۔ عالمی بینک نے ۲۵ روز قبل کی اس لیے صدر کی اس دلیل میں قطعاً وزن نہیں ہے۔

خالد انور نے کہا کہ وزیر اعظم نواز شریف کے خلاف بدترین ہارس ٹریڈنگ کی گئی۔ نواز شریف نے اپنی تقریر میں جدا ہونے والے ارکان قومی اسمبلی کو واپس آنے کی دعوت دی۔ اس طرح ان کی تقریر کا زیادہ زور اتحاد، یکجہتی، ہم آہنگی اور خیر سگالی کے جذبے پر تھا۔ ان کی تقریر میں کہیں بھی ملک وقوم سے غداری اور آئین توڑنے کا تاثر نہیں ہے۔ جسٹس اجمل میاں نے کہا کہ وزیر اعظم نے آٹھویں ترمیم اس وقت تک ختم نہ کرنے پر آمادگی ظاہر کردی تھی۔ جب تک غلام اسحٰق خان صدر ہیں۔ نواز شریف نے غلام اسحٰق خان کو آئندہ میعاد کے لیے صدارتی امیدوار تک بنانا منظور کرلیا تھا۔ پھر ان کو تقریر کی کیا ضرورت تھی تو خالد انور نے کہا کہ غلام اسحٰق خان کو صدر بنانے نہ بنانے پر اختلاف ہوا۔ نواز شریف نے ان کو صدارتی امیدوار بنانے پر اتفاق کیا مگر اس کے باوجود اسمبلی توڑنے کی باتیں ہوتی رہیں۔ نواز شریف نے قوم کو اصل صورتحال سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آئی جے آئی اور پی پی پی قومی اسمبلی میں ایک دوسرے کے خلاف تھیں۔ پی پی پی آٹھویں ترمیم کی مخالف تھی۔ نواز شریف نے صدر کا ساتھ دیتے ہوئے آٹھویں ترمیم کو نہ توڑنے کی حمایت کی۔ خالد انور نے کہا کہ پی پی پی اسحٰق خان کے خلاف تھی۔ نواز شریف نے اسحٰق خان کو دوبارہ صدارتی امیدوار بنانے تک کا فیصلہ کیا لیکن بعض لوگ صدر اسحٰق خان کے کان بھرتے رہے۔ خالد انور نے اپریل ۱۹۹۳ء کے کراچی کے ایک جریدے کے آرٹیکل کا حوالہ دیا جس میں لکھا تھا کیا صدر اسحٰق نواز شریف کو گرا دیں گے؟۔ اس کے علاوہ ۱۸ اپریل ۱۹۹۳ء سے کئی ہفتے قبل ہی قومی اخبارات قیاس آرائی کرنے لگے تھے کہ صدر غلام اسحٰق خان نواز شریف حکومت اور قومی اسمبلی کو توڑ دیں گے۔ آئینی پٹیشن کے صفحہ ۲۲ پیراگراف نمبر ۱۰ کا حوالہ دیتے ہوئے خالد انور نے بتایا کہ ۱۸ اپریل کو سپیکر نے ۱۹ اپریل کو قومی اسمبلی کا ریکوزیشن اجلاس بلوایا تو صدر کے کان بھرنے والوں نے کہا کہ اگر آپ نے مواخذے سے بچنا ہے تو تین گھنٹے کے اندر قومی اسمبلی توڑ دو۔ پی پی پی کی لیڈر محترمہ بے نظیر بھٹو نے ایوان صدر جا کر صدر کی جھولی میں پی پی پی کے استعفے ڈال دیئے۔ اس پر بابا جی سے خوش ہوگیا۔ بے نظیر نے جب پوچھا کہ کیا قومی اسمبلی توڑی جارہی ہے تو شریف الدین پیرزادہ نے محترمہ سے کہا کہ صدر صاحب ابھی قومی اسمبلی توڑ دیں گے۔ خالد انور نے ۶ اگست ۱۹۹۰ء کو قومی اسمبلی توڑے جانے کا بھی ذکر کیا اور فیصلے کے اقتباسات پڑھے اس وقت بھی ہارس ٹریڈنگ کی کوشش کی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ وفاداریاں بدلنے والے ارکان اسمبلی کو یہ ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ وہ اس حلف کی خلاف ورزی کر رہے ہیں جو انہوں نے خدا کی قسم اٹھا کر لیا تھا۔ پاکستان میں وہ شخصیت جو سب سے بڑے عہدے پر فائز ہے جس نے خود حلف اٹھا رکھا ہے۔ اس نے ۱۸۸ استعفے مذکورہ حلف تڑوا کر اکٹھے کیے حالانکہ ہر رکن اسمبلی نے اپنے حلقے کے عوام سے بھی وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ دیانتداری سے کام کرے گا۔ ضمیر فروشی نہیں کرے گا۔ ذاتی مفاد کو ترجیح نہیں دے گا۔ انہوں نے کہا کہ نگران حکومت کے وزیر خزانہ فاروق لغاری نے کہا کہ نواز حکومت کی ساری خارجہ پالیسی اور اقتصادی پالیسی کو نگران حکومت اپنائے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ حکومت توڑنے اور اسمبلی توڑنے کی وجہ نواز شریف کی خارجہ و اقتصادی پالیسیاں نہیں تھیں۔ اس کی وجہ یہی

Scanned with CamScanner

ذاتی عناد تھا۔ چیف جسٹس نے اٹارنی جنرل سے کہا کہ کیا وہ خالد انور کی تائید کرتے ہیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ یہ اعداد و شمار اور تکنیکی نوعیت کا معاملہ ہے۔ وہ پہلے اس کی تصدیق کر کے آئیں گے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ درست ہے۔ ہم آپ کو سنیں گے۔ خالد انور نے کہا کہ اب اسمبلی توڑنے کی وجہ فرضی کرپشن رہ جاتی ہے۔ اس کا جواب اس لیے وہ نہیں دے رہے کہ حاجی سیف اللہ کیس میں سپریم کورٹ پہلے فیصلہ دے چکی ہے کہ کرپشن کی بنیاد پر قومی اسمبلی نہیں توڑی جا سکتی۔ مسٹر جسٹس سجاد علی نے کہا کہ کیا آئین کے تحت وزیر اعظم کو قوم سے خطاب کا حق حاصل ہے۔ خالد انور نے کہا کہ آئین وزیر اعظم کو قوم سے خطاب سے نہیں روکتا۔ مسٹر جسٹس اجمل میاں نے کہا کہ کیا یہ سیاسی تقریر تھی۔ خالد انور نے کہا کہ میرے موکل نے کہا ہے کہ وہ اب بھی صدر مملکت کے عہدے کا احترام کرتے ہیں وہ اس عہدے سے محاذ آرائی نہیں کرنا چاہتے۔ وہ آئین کے فریم ورک کے اندر رہ کر کام کرتے رہیں گے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ وزیر اعظم نواز شریف نے ایک تقریر میں کہا کہ صدر غلام اسحق خان کو ہم پھانسی دیں گے۔ جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ یہ تقریر نواز شریف نے بطور وزیر اعظم کی ہے یا بطور سیاستدان تو اٹارنی جنرل نے کہا کہ بطور سیاست دان کی ہے۔ جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ اس وقت کی ہے جب صدر نے انہیں اور قومی اسمبلی کو برطرف کر دیا ہے۔ خالد انور نے کہا کہ حکومت توڑی جا سکتی ہے۔ جب صوبوں اور مرکز میں نفرت اس قدر بڑھ جائے کہ آئین کی شقوں پر عملدر آمد ناممکن ہو گیا ہو۔ کوئی فرد ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں سفر نہ کر سکتا ہو، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو۔ چیف جسٹس نے کہا کہ فرانس میں صدر تمام تر اختیارات رکھنے کے باوجود قومی اسمبلی کو فرانسیسی وزیر اعظم، سپیکر و چیئرمین سینٹ کے مشورے کے بغیر نہیں توڑ سکتا۔ چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ جو فرانسیسی زبان اور فرانسیسی دستور کے معروف ماہر ہیں، نے کہا کہ فرانس میں صدر کے اختیارات بہت زیادہ ہیں مگر وہاں پھر بھی اسمبلی نہیں توڑی جاتی۔ مسٹر خالد انور نے کہا کہ صدر غلام اسحق خان نے ۱۸ اپریل نصف شب کو وزیر اعظم کو برطرف کیا ان کی کابینہ کی چھٹی کرا دی، قومی اسمبلی کو توڑا، صدارتی تقریر اتحاد کی علامت کے شایان شان نہیں تھی، صدر کی تقریر صرف اور صرف نواز شریف کے ساتھ ذاتی دشمنی کی آئینہ دار تھی۔ ملک بھر کے عوام یہ سمجھ رہے تھے کہ صدر نواز شریف کے سامنے بیٹھ کر لڑ رہے ہیں۔ خالد انور نے ۴۰ سال قبل کے واقعہ کا ذکر کیا جس نے پاکستانی قوم کے ماتھے پر داغ لگا رکھا ہے۔ ۴۰ سال میں کسی نے اس واقعہ کو فراموش نہیں کیا۔ اس وقت ایک فاضل جج نے جو کردار ادا کیا۔ اسے کوئی بھلا نہیں سکتا۔ قوم کو غلط راہ پر اس فیصلے نے گامزن کر دیا۔ قوم منزل سے بھٹک گئی۔ اس فیصلے کے سالہا سال بعد پاکستانی قومی مصائب و آلام کا شکار رہی۔ مارشل لاء لگے، سیاسی بحران پیدا ہوئے، ملک کو نقصان پہنچا۔ خالد انور نے کہا: وہ قوم مصائب کا شکار نہیں ہوتی جس کے منتخب کردہ عوامی نمائندوں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ میری استدعا ہے کہ قوم کو سکون و طمانیت دیں۔ آپ ایسا عظیم فیصلہ دیں جس کی قوم توقع کر رہی ہے۔ میں ذاتی حیثیت سے نہیں، موکل کے ایما پر نہیں، پاکستانی وکلاء کی طرف سے نہیں، ماہرین قانون و ججوں کی طرف سے نہیں، میں پاکستان کے عوام کی طرف سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ تاریخی فیصلہ دے کر پاکستان کو آئینی حکمرانی کی شاہراہ پر گامزن کر دیں۔ ایسا فیصلہ جس سے آئین بنانے والے خوش ہوں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ امید ہے کہ ہم اپنے فیصلے سے عوام اور اپنے ضمیر کو مطمئن کریں گے۔ نواز شریف کے دوسرے وکیل یحییٰ بختیار نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے بار بار صدر سے ملاقات کر کے کہا کہ حکومت اور اسمبلی توڑنے کا کوئی آئینی جواز نہیں ہے۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ ضیاء الحق کے دور میں بیورو کریسی نے الیکشن ملتوی کرائے۔ صدر ضیاء الحق نے یہ اختیار رکھا کہ وہ چیف الیکشن کمشنر مقرر کرے گا۔ انہوں نے آئین کے آرٹیکل ۲۴۳ کے حوالے دیے۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ آٹھویں ترمیم کا اختیار صدر کو دیا گیا۔ جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ یہ متعلقہ معاملہ نہیں ہے۔ جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ میری ذاتی رائے میں صدر نے کہا ہے کہ نواز شریف سے تنازعہ آرمی چیف کی تقرری پر شروع ہوا۔ جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ اسمبلی توڑنے کے فرمان میں آرمی چیف کی تقرری کا ذکر نہیں۔ یحییٰ بختیار اپنے دلائل میں صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات کا حوالہ دیا اور کہا کہ ۱۹۷۷ء میں صدر بے اختیار تھا۔

Scanned with CamScanner

تمام اختیارات وزیراعظم کے پاس تھے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا آج ہم پارلیمانی طرز حکومت چلا رہے ہیں یا صدارتی، اگر پارلیمانی طرز حکومت ہے تو وزیراعظم کو مکمل اختیارات حاصل ہونے چاہئیں جس طرح بھارت میں ہیں۔ یحییٰ بختیار نے جواہر لعل نہرو کی بھارتی قانون ساز اسمبلی کے سامنے تقریر کا حوالہ دیا جس میں کہا گیا کہ بالواسطہ منتخب ہونے والوں کو زیادہ اختیارات نہیں دیئے جاسکتے۔ بدقسمتی کی بات ہے کہ ہماری پارلیمنٹ نے اپنے اختیارات کا کماحقہ استعمال نہیں کیا۔ ان کا احترام نہیں کیا گیا۔ اس میں ان کا بھی قصور ہے۔ وہ بیوروکریسی کے پاس جا کر کہتے ہیں۔ میرے بیٹے کو یہ بنا دو وہ بنا دو قرضے دے دو۔ انہوں نے ہارس ٹریڈنگ پر تنقید کی اور کہا کہ وزیراعظم کو بااختیار ہونا چاہئے۔ اسے اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہونا چاہئے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ آٹھویں ترمیم کے سوال پر وسیع دلائل دے سکتے ہیں۔ اس ترمیم کے بارے میں اپیلیں زیر سماعت ہیں۔ ہم نے آپ کا نکتہ لے لیا ہے کہ چونکہ پارلیمانی طرز حکومت ہے۔ اس لیے وزیراعظم کو زیادہ بااختیار ہونا چاہئے۔ صدر کو صرف آئینی سربراہ ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اس کیس کا فیصلہ آئین کی آٹھویں ترمیم میں الجھے بغیر کیا جاسکتا ہے۔ آپ کا پوائنٹ ہم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ پارلیمانی طرز حکومت میں آٹھویں ترمیم کے باوجود وزیراعظم کے پاس زیادہ اختیارات ہونے چاہئیں اور صدر کے اختیارات کم سے کم رہنے چاہئیں۔ دلائل جاری رکھتے ہوئے یحییٰ بختیار نے کہا کہ آٹھویں ترمیم صدارتی حکم نمبر ۱۴ مجریہ ۱۹۸۵ء کے تحت کی گئی، بے نظیر بھٹو کیس میں اس پر تفصیلی غور ہوا۔ غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں بننے والی قومی اسمبلی کے کام شروع کرنے کے بعد سیاسی جماعتیں بنیں۔ وزیراعظم محمد خان جونیجو نے آٹھویں ترمیم ان کے دور میں اس لیے پاس کی گئی کہ صدر ضیاء الحق نے کہا تھا کہ اگر یہ ترمیم منظور نہ کی گئی تو مارشل لاء نہیں اٹھایا جائے گا۔ اس طرح آٹھویں ترمیم دباؤ ڈال کر منظور کرائی گئی۔ اس ترمیم کے مضحکہ خیز پہلو بھی ہیں۔ عجلت میں آٹھویں ترمیم کا مسودہ تیار کیا گیا۔ آئین کے آرٹیکل ۴۸ کے تحت صدر وزیراعظم کے مشورے سے وزراء مقرر کرے گا۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تمام کام وفاقی حکومت کے تحت ہوئے ہیں۔ آرمی چیف کو صدر مقرر کرتا ہے، وزیراعظم کی برطرف شدہ اسمبلی کو بحال کرسکتا ہے۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ اسمبلی اس وقت توڑی جاسکتی ہے جب وفاقی حکومت آئین کی شقوں کے مطابق نہ چلائی جاسکتی ہو۔ ۵۸ (۲) بی آئین پر عملدرآمد کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اس کے تحت فرد کو صوابدیدی اختیار دیا گیا ہے۔ اسمبلی توڑنے کے لیے حکومت ختم کرنے کے لیے اسے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں حالانکہ یہ فرد بالواسطہ طور پر منتخب کیا گیا ہوتا ہے۔ بالواسطہ منتخب کردہ شخص کس طرح عوام کے براہ راست منتخب نمائندوں کو برطرف کرسکتا ہے۔ میری استدعا ہے۔ پارلیمانی طرز حکومت کو مکمل جمہوری ہونا چاہئے۔ ۵ برسوں میں تین وزرائے اعظم برطرف، تین قومی اسمبلیاں توڑی گئی ہیں۔ جب کسی وزیراعظم یا اسمبلی پر تلوار لٹک رہی ہو وہ کیسے کام کرسکتے ہیں۔ اب فاضل ججوں سے عوام توقع رکھتے ہیں کہ وہ اقدام کرینگے اور آرٹیکل کی وضاحت اس طرح کرینگے کہ اس سے جمہوریت کو فروغ ملے گا۔ آئین کی حکمرانی ہو۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ صدر غلام اسحٰق خان نے کہا ہے کہ ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۴، ۱۵ سمیت کسی آرٹیکل کے تحت وفاقی حکومت نہیں چل رہی تھی۔ کیا ریلوے، پی آئی اے میں ہڑتال تھی۔ گھیراؤ جلاؤ ہو رہا تھا؟ ملک بھر میں ہڑتالیں تھیں۔ کام نہیں ہو رہے تھے، انہوں نے قرارداد مقاصد کا حوالہ دیا اور کہا کہ مقننہ انتظامیہ عدلیہ پوری طرح کام کر رہی تھیں۔ انتظامی امور صدر کے نام پر چیف ایگزیکٹو وزیراعظم کر رہا تھا۔ سپیکر، چیئرمین سینٹ، چیف جسٹس کام کر رہے تھے۔ ان میں سے کس کس نے شکایت کی تھی کہ وہ قانون و آئین کے مطابق کام نہیں کر رہا ہے۔ وزیراعظم تک نے بھی یہ نہیں کہا کہ میں اپنی ایڈمنسٹریشن نہیں چلا سکتا۔ عدالتیں پوری طرح کام کر رہی تھیں۔ مسافر طیارے اڑ رہے تھے، گاڑیاں چل رہی تھیں، ملکی انتظام و انصرام معمول کے مطابق آئین و قانون کے تحت چل رہا تھا۔

یحییٰ بختیار نے کہا کہ صدر جب وزرائے خارجہ کانفرنس میں گئے وہاں انہوں نے کہا کہ صوبائی حکومتیں ٹھیک کام کر رہی تھیں۔ اس لیے ان کو نہیں توڑا گیا۔ اس پر صدر سے ایک شخص نے کہا کہ جب صوبے اور اسمبلیاں ٹھیک کام کر رہے تھے تو کیا صرف اسلام آباد میں ہی آئین کی

شقوں کے مطابق کام بند ہوگیا تھا۔ یہ اسمبلی توڑ دی گئی، عوام کے منتخب وزیر اعظم کو اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ صدر مملکت اب ۹۰ دن کے لیے پاکستان کا مکمل بااختیار حکمران بن چکا ہے، وزراء اس کی مرضی کے مقرر کیے جا رہے ہیں، صدر قوم کی نمائندگی نہیں کر رہے۔ ان کو قوم نے براہ راست نہیں منتخب کیا۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ نگران وزیر اعظم بلخ شیر مزاری بڑے نفیس لوگ ہیں۔ فاروق لغاری سمیت وزیر اعظم اور ان کے وزراء نے دوٹوک الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ وہ نواز شریف حکومت کی تمام پالیسیوں پر عمل جاری رکھیں گے۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ ایک شخص کی مطلق العنان حکومت کیا ہمارے سیاسی جمہوری کلچر کے مطابق ہے کیا ہم نے پاکستان اس لیے بنایا تھا کہ ایک دن بنوں سے عمدہ آدمی آئے گا اور وہ پاکستان کا مطلق العنان حکمران بن بیٹھے گا، آئین کسی ایک فرد کو ملک پر حکومت کرنے کا اختیار نہیں دیتا۔ انہوں نے آئین کے آرٹیکل ۲ (اے) کا ذکر شروع کیا تو ایک جج کے استفسار پر یحییٰ بختیار نے عاصمہ جیلانی کیس کا حوالہ دیا اور پی ایل ڈی سے متعلقہ اقتباس پڑھ کر سنایا۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ چیف جسٹس حمود الرحمن نے کہا کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ہے اور اسے عوام کے نمائندے استعمال کرتے ہیں۔ مارچ ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کی اس میں یہی درج ہے جو آرٹیکل ۲ (اے) کے تحت آئین کا حصہ بن چکی ہے۔

یحییٰ بختیار نے کہا کہ حاکمیت اعلیٰ کے خدائی اختیارات عوام کے نمائندوں کے ذریعے بھی استعمال ہوسکتے ہیں۔ ایسا کرنا لازمی ہے۔ فرد واحد حاکمیت اعلیٰ استعمال نہیں کرسکتا جو ایسا کرے گا۔ وہ غیر آئینی فعل کا مرتکب قرار پائے گا۔ حتیٰ کہ حضرت محمدؐ نے بھی وحی کے مطابق حیات مبارکہ گزاری۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ اسلامی نظام اور مغربی طرز حکومت میں فرق ہے۔ ہمارے نظام میں پارلیمنٹ سپریم نہیں ہے۔ برطانیہ میں پارلیمنٹ سپریم ہے۔ بڑے بڑے آمر بھی خود کو حاکمیت اعلیٰ کے امین کہتے تھے۔ وہ خود کو قانون کے تابع قرار دیتے تھے۔ اس کے لیے قاضی مقرر ہوتے تھے۔ اسلامی نظام میں قانون سپریم ہے۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے کہا کہ صدر نے اپنے فرمان میں کہا ہے کہ صورت حال ایسی ہوگئی ہے کہ وفاقی حکومت آئین کی شقوں کے مطابق نہیں چل سکتی، آپ اس کے خلاف دلائل دیں۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ میں سنجیدہ دلائل دینا چاہتا ہوں۔ اس کی اجازت دی جائے۔ ہمارا آئین وفاقی ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آرٹیکل ۲۳۸ کے تحت آئین میں ترمیم کا حق پارلیمنٹ کو ہے۔ مگر پارلیمان کو بنیادی ڈھانچہ تبدیل کرنے کا حق نہیں، ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت پارلیمنٹ پارلیمانی نظام کو دوسرے نظام میں بدل سکتی ہے۔ ہمارے فل بنچ کا فیصلہ ہے کہ آئین کی کسی ایک شق کو دوسرے شعبوں سے الگ کرکے نہیں پڑھا جاسکتا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے اختیارات صحیح استعمال نہیں کیے گئے کیا یہی آپ کہنا چاہتے ہیں؟ اس نکتے پر خالد انور تفصیلی دلائل دے چکے ہیں۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ یہ کہا جاتا ہے کہ آٹھویں ترمیم پارلیمنٹ نے اکثریت کے ساتھ منظور کی تھی۔

میرا کہنا یہ ہے کہ پاکستان کے قانون میں پارلیمنٹ سپریم نہیں ہے۔ یہاں ڈیوائین لاء سپریم ہے۔ انہوں نے کہا کہ آئین کے آرٹیکل ۲۳۹ (ڈی) میں کہا گیا ہے کہ دستور میں کسی ترمیم کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا لیکن میں کہتا ہوں کہ چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اگر خدائی قانون پر عمل درآمد نہیں ہوسکتا تو اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کہنا چھوڑ دیا جائے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آرٹیکل ۵۸ (۱) میں وزیر اعظم کو عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل اسمبلی توڑنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس کی آپ کیسے وضاحت کریں گے۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ وزیر اعظم جب اسمبلی توڑنے کا مشورہ دیتا ہے تو وہ عوام کا منتخب وزیر اعظم ہوتا ہے۔ اس لیے وہ حاکمیت اعلیٰ کے اختیار عوام کے نمائندے کی حیثیت سے استعمال کرتا ہے۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ آئین کے تحت ہمارا نظام ایک دن کے لیے بھی ایک فرد کی حکمرانی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔ آرٹیکل نمبر ۲ (اے) میں بھی لکھا ہے کہ اقتدار اعلیٰ عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے ہی استعمال ہوسکے گا۔ اس موقع پر ڈاکٹر یوسف گورایہ کی ''اسلام آئین اور صوابدید'' نامی کتاب ججوں میں تقسیم کی اور کہا کہ کتاب میں ثابت کیا گیا

Scanned with CamScanner

ہے کہ جنرل ضیاء نے اسمبلی غیر قانونی طور پر توڑی۔ کتاب میں لکھا ہے کہ فاسق فاجر اسمبلی نہیں توڑ سکتا۔ جسٹس نسیم حسن شاہ نے کہا" اس کا مطلب ہے کہ اسمبلی توڑنے والے کو باعمل مسلمان ہونا چاہئے۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ مجلس شوریٰ کے مشورے کے بغیر کوئی شخص کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ۱۹۴۸ء میں اپنے خطاب میں قائداعظم نے کہا تھا کہ حکومت میں عوام کی آواز اٹھانے والے لوگ ہونے چاہئیں، چیف جسٹس نے استفسار کیا کہ نگران وزیراعظم صدر کے مشورے کا پابند ہے کیا اس عبوری دور میں ایک فرد کی حکومت ہے۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ بالکل آج ایک فرد کی حکومت ہے۔ وزیراعظم کو صدر نے نامزد کیا ہے۔ وزراء کو انہوں نے ہی نامزد کیا ہے، اس لیے پاکستان میں آج صرف ایک فرد (صدر) کی حکومت ہے۔ یہ ملوکیت کے زمرے میں آتی ہے۔ آئین میں ہی نہیں اسلام میں بھی ملوکیت حرام ہے۔ یحییٰ بختیار نے سری لنکا کے بودھ مسٹر منتری کی کتاب کا حوالہ دیا جو اسلامی قوانین کے متعلق ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ قبرص میں وہ فاضل مصنف مسٹر منتری سے خود مل چکے ہیں۔ وہ واقعی عظیم ماہر ہیں۔ یحییٰ بختیار نے اس کتاب کے حوالے پڑھے اور ثابت کر دیا کہ اسلامی ریاست میں کبھی کلی اختیارات فرد واحد کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ پارلیمانی نظام کے تحت صدر کو اختیار نہیں کہ وہ وزیراعظم پر اے بی سی الزامات لگاتا پھرے۔ وزیراعظم صرف پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ کے دلائل اس معاملے کا فیصلہ لکھتے وقت ہمارے بڑے کام آئیں گے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ نواز شریف پٹیشن کے فیصلے کی روشنی میں سابق وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین وغیرہ کی درخواستوں پر فیصلہ دیا جائے گا۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ چار روز سے آئینی پٹیشن پر دلائل دیئے گئے ہیں، میں آئینی نکات کے حوالے سے فاضل ججوں اٹارنی جنرل اور وفاق کی طرف سے اٹھائے گئے نکات کا جواب دوں گا۔ آرٹیکل نمبر ۱۷ میں بنیادی حقوق کا معاملہ زیر بحث آیا بنیادی حقوق کا قانون محدود نہیں ہے۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ آرٹیکل ۵۴ (۳) کے مطابق آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کا صدارتی اختیار غیر موثر ہو جاتا ہے اور اسے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اختیارات کے استعمال کی کنجی آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کو پوری طرح اس کے کیمیاوی تجزیے کے تابع کیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ووٹروں کی رائے لی جائے۔ انہوں نے کہا کہ حاجی سیف اللہ اور طارق رحیم کیسوں میں قومی اسمبلی توڑنے کی حدود متعین کر دی گئی ہیں۔ بھارت میں صوبائی اسمبلیاں بحال نہ کرنے کے جو فیصلے بتائے جاتے ہیں۔ وہ ماتحت عدالتوں کے ہیں۔ دوسرے یہ کہ صوبائی اسمبلیاں وفاقی قانون سازی نہیں کر سکتیں۔ فاروق حسن نے کھر اور مودودی کیس کے حوالے دیئے اور کہا کہ صدارتی حکم بدنیتی پر مبنی ہے۔ وہ سربراہ مملکت پر کوئی داغ لگانے کی بات نہیں کر رہے۔ مودودی کیس میں جسٹس کارنیلیس نے لکھا ہے کہ آرڈر کو فیئر ہونا چاہئے۔ قانون کے فیصلے کو منصفانہ ہونا چاہئے یہ قوم کے مقدر کا سوال ہے۔ صدر مملکت کو کم از کم دیانت داری سے تو فرمان جاری کرنا چاہئے۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ آئین کا آرٹیکل نمبر ۱۷ ڈائنا مک (متحرک) ہے۔ اس کا کوئی خاتمہ نہیں ہے۔ اسے موجودہ صورت حال کے مطابق اس کی تشریح کرنی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ پاکستانی قوم کو دنیا کی باغیرت باعزت اور فخر کرنے والی اقوام کے ہم پلہ بنانے کے لیے بنیادی حقوق کے متعلق مختلف فیصلوں کے حوالے دے رہے ہیں۔ اگر فاضل جج یہ کہہ دیں کہ اسمبلی توڑنے کا آرڈر درست تو کیا ہوگا۔ اس کے حوالے سے کہوں گا کہ حاجی سیف اللہ کیس میں یہ فیصلہ دیا گیا کہ صدارتی فرمان غلط تھا مگر فرق نہیں پڑتا، جمہوری عمل جاری ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ اگر وہ یہ فیصلہ دیتے کہ صدارتی فرمان غیر قانونی ہے تو؟، فاروق حسن نے کہا کہ یہ ضروری نہیں کہ الیکشن ہی واحد حل ہیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آئین کے تحت صدر وزیراعظم ہی کے مشورے کا پابند ہے۔ وزیراعظم کو صدر مشورہ نہیں دے سکتا۔ اس حوالے سے آپ وضاحت کریں، ڈاکٹر فاروق حسن نے برطانیہ کے آئینی قانون اخلاق پر محیط فیصلوں کا حوالہ دیا اور کہا کہ سوال یہ اٹھایا گیا ہے۔ صدر سے موجودہ حالات میں کس قسم کے رویئے کی توقع کی گئی تھی کیا صدر کا اقدام درست تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

12 مئی 1993ء

چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے سماعت کے دوران کہا کہ آئین کا آرٹیکل ۵۸ (۲) بی صدر کو قومی اسمبلی توڑنے کا بے لگام اختیار نہیں دیتا اور صدر مملکت کے لیے لازم ہے کہ وہ معروضی حقائق اور حالات کے مطابق ہی یہ اختیار استعمال کریں اور اس کا انہیں قومی اسمبلی توڑنے سے پہلے جواز فراہم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ صدر کا کوئی بھی اقدام عدالتی نظر ثانی سے بالاتر نہیں ہے۔ اٹارنی جنرل آف پاکستان عزیز اے منشی نے کہا کہ وزیر اعظم کے مقابلے میں صدر مملکت کو پوری قوم کا مینڈیٹ حاصل ہوتا ہے۔ صدر مملکت کا انتخاب پوری قوم کے منتخب نمائندے کرتے ہیں۔ وزیر اعظم صرف ایک حلقے سے منتخب ہوتا ہے اور اسے صرف قومی اسمبلی اپنا لیڈر چنتی ہے جبکہ صدر کا حلقہ انتخاب قومی اسمبلی کے علاوہ سینٹ اور چاروں صوبائی اسمبلیاں ہوتی ہیں۔ اسی حوالے سے انہیں ریاست کا نمائندہ قرار دیا جاتا ہے۔ اٹارنی جنرل نے حکومت کی جانب سے بدھ کو اپنے دلائل شروع کیے۔ اس سے قبل اے این پی کے سربراہ اجمل خٹک کی پٹیشن میں ان کے وکیل ڈاکٹر فاروق حسن اپنے دلائل مکمل کر چکے تھے۔ سپریم کورٹ کے گیارہ ججوں پر مشتمل فل کورٹ نے دلائل سننے کے بعد سماعت ہفتہ کی صبح تک کے لیے ملتوی کر دی۔ اس سے قبل چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن نے سینئر ایڈووکیٹ خالد انور سے کہا کہ اپنے مؤکل (نواز شریف) کو مشورہ دیں کہ وہ عدالت میں زیر سماعت معاملے کے بارے میں تقریر نہ کریں۔ جناب چیف جسٹس نے کہا کہ آپ کے مؤکل صبح عدالت میں تھے۔ عدالت ان کی موجودگی میں اس معاملے میں ہدایت جاری کرنا چاہتی تھی ہمیں معلوم ہے کہ وہ سیاسی لیڈر ہیں اور ملک میں تقریریں کر کے عوام کو اپنا نقطہ نظر بتا رہے ہیں مگر انہیں مفروضوں پر مبنی باتوں سے گریز کرنا چاہیے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ وہ اپنی تقاریر میں ایسے معاملات پر بات نہ کریں جو عدالت میں زیر بحث ہیں۔ اس طرح کی تقریروں سے عدالت ڈسٹرب ہوتی ہے۔ سابق وزیر اعظم کے وکیل خالد انور نے کہا کہ عدالت کے ریمارکس سے پہلے ہی انہوں نے اپنے مؤکل کو ایسی تقریروں سے احتراز کرنے کا مشورہ دیا ہے اور قبل ازیں باقاعدہ انہیں پیغام بھی بھجوایا تھا کہ وہ سیاسی گرما گرمی میں عدالت میں زیر بحث معاملے پر گفتگو نہ کریں۔ مستقبل میں ایسی شکایت نہیں ہوگی۔ اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے اپنے دلائل شروع کیے تو جسٹس شفیع الرحمٰن نے ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ حکومت کی جانب سے اٹارنی جنرل سماعت کے دوران اٹھنے والے ان چار نکات پر روشنی ڈالیں۔ (۱) صدارتی فرمان میں ڈسمس کے الفاظ تھے اور آئین توڑنے کا الزام تھا۔ اس پر روشنی ڈالیں (۲) استعفیٰ دینے والے ارکان اسمبلی نے صدر کو اس لیے استعفے دیے کہ انہیں سپیکر پر اعتماد نہیں تھا۔ اعتماد کے بارے میں استعفوں میں ذکر نہیں ہے۔ کسی دستاویز سے بد اعتمادی ثابت نہیں کی گئی۔ (۳) صدر اور وزیر اعظم میں تنازعہ چیف آف دی آرمی سٹاف کی تقرری سے شروع ہوا۔ گویا شخصیت متنازعہ نہ تھی۔ اصل تنازعہ اختیار کا تھا۔ اس ضمن میں آئینی پوزیشن کیا ہے کہ اختیارات کس کے پاس ہیں۔ (۴) بنیادی حقوق پر عملدرآمد کے ضمن میں مسٹر جسٹس افضل لون نے آئندہ بحث کی آؤٹ لائن کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ اٹارنی جنرل سیاسی انصاف کی اصطلاح کے متعلق حکومتی نقطہ نگاہ بتائیں جس کا آرٹیکل ۲ (اے) میں ذکر ہے۔

ہم یہ جاننا چاہتے ہیں، آرٹیکل ۲ (اے) اور آرٹیکل نمبر ۱۷ کو ملا کر پڑھا جائے تو سیاسی حق بنیادی حقوق میں آتا ہے۔ یہ واضح کریں جہاں تک سیاسی جماعت کا تعلق ہے کہ سیاسی فیصلے کرنا پارٹی کا حق ہے۔ جب کوئی پارٹی الیکشن جیت لیتی ہے تو اس کا سیاسی حق بنتا ہے کہ وہ سیاسی فیصلوں میں حصہ لے سکے۔ اگر ایسی پارٹی کو پارلیمنٹ کے اندر سیاسی فیصلے کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ چاہے ایسا آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے تحت ہی کیوں نہ کیا جائے تو کیا یہ سیاسی انصاف کی خلاف ورزی کے زمرے میں نہیں آتا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ قرارداد مقاصد مقدس

Scanned with CamScanner

دستاویز ہے۔ ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد تیار کی گئی۔ اس وقت سیاسی انصاف کا حوالہ برصغیر کے متاثرین کے حوالے سے پڑھا جائے اس کی ایک یا دو اپیل کنندگان کے حوالے سے تشریح نہ کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ قرارداد مقاصد کی جڑیں ایک سو سال پرانی ہیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ نے اس معاملے کی جو تشریح کی ہے۔ شاید اس کا آپ کے اپنے مؤکل یعنی وفاقی حکومت کو فائدہ نہ پہنچ سکے۔ خالد انور نے کہا کہ میں عزیز اے منشی کو سلیوٹ کرتا ہوں جنہوں نے اٹارنی جنرل ہوتے ہوئے قرارداد مقاصد کے متعلق ایسے عمدہ ریمارکس دیئے جو ہمیں بھی فائدہ پہنچائیں گے۔ اے این پی کے صدر اجمل خٹک کے وکیل ڈاکٹر فاروق حسن شاہ نے اپنے گزشتہ روز شروع کئے گئے دلائل آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ گزشتہ روز نگران وزیر اعظم نے انتخابات کرانے کی جو یقین دہانی کرائی وہ غیر ضروری ہے کیونکہ یقین دہانی کا زیر بحث پٹیشن سے کوئی تعلق نہیں۔ نوے دن کے اندر انتخابات کرانا حکومت کی آئینی ذمہ داری ہے جسے ہر صورت میں پورا کرنا ہوتا ہے۔ اس قسم کی یقین دہانی بے معنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت سپیکر نے اسمبلی کو ریکوزیشن کیا تھا۔ اس کے بعد صدر کا اسمبلی توڑنے کا اختیار قائم نہیں رہتا جو سپیکر اسمبلی کا اجلاس طلب کرتا ہے۔ وہی اسے ملتوی کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ آرٹیکل ۵۸ (۲) بی میں دو معاملات سامنے آئے ہیں۔ صورتحال ایسی ہو جائے کہ آئین کے مطابق وفاق کا چلنا مشکل ہو جائے۔ دوسرے صدر کو یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ کیا ایسے حالات میں صرف نئے انتخابات کے ذریعے ہی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ چیف جسٹس نے استفسار کیا کہ آئین میں یہ اختیار کہ ریکوزیشن اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کرنا صرف سپیکر کو حاصل ہے۔ اس شق کا اطلاق کیا صدر پر ہوتا ہے کہ وہ اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی نہیں کر سکتے جبکہ اجلاس ریکوزیشن ہو۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنا چھوٹا اختیار ہے جبکہ اجلاس طلب کرنا بڑا اختیار ہے جب اس شق کے تحت صدر کو اسمبلی طلب کرنے کا اختیار نہیں تو ملتوی کرنے کا اختیار کیسے ہو سکتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ اجلاس کو ریکوزیشن کرنے کا اختیار صرف پاکستان میں ہے اور اس کی وجہ ہے ورنہ بھارت اور دیگر ملکوں میں یہ اختیار نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ جسٹس افضل لون نے گزشتہ روز ریمارکس میں کہا تھا کہ صدر مملکت اکثریتی پارٹی کا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ عام حالات میں تو ایسا ہی ہوتا ہے مگر پاکستان کی پارلیمانی تاریخ کا موازنہ برطانیہ کی پارلیمان سے نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اسمبلی کے بارے میں سخت الفاظ استعمال نہیں کرنا چاہتے جس پر چیف جسٹس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری اسمبلی میں کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ اجلاس ریکوزیشن کرنے کا جو اختیار پاکستان میں ہے۔ اس کی ایک فلاسفی ہے۔ بعض اوقات حکمران جماعت بھی اچھی خاصی تعداد میں ارکان کو کسی ایشو پر بات کرنے کا موقع نہیں دیتی۔ ایسی صورت میں ارکان اپنے دستخطوں سے اجلاس طلب کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آٹھویں ترمیم نے آرٹیکل ۴۱ کو مزید تقویت دی ہے۔ آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کو مجموعی طور پر پڑھنا چاہئے اس کی پہلی شق میں وزیر اعظم کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ایڈوائس کر کے اسمبلی توڑ سکتے ہیں۔ دوسری میں صدر کو اختیار ہے کہ حالات دیکھتے ہوئے اسمبلی توڑ سکتے ہیں۔ چیف جسٹس نے ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ آرٹیکل ۵۸ (۲) بی میں کلی طور پر صدر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اسمبلی توڑ سکتے ہیں۔ اگر آپ کا یہ موقف تسلیم کر لیا جائے کہ اس اختیار کو آئین کے دیگر آرٹیکلز کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو شاید آپ کا استدلال درست ہو مگر ایسا نہیں ہے۔ (چیف جسٹس نے اجلاس ملتوی کرنے کا آکسفورڈ ڈکشنری سے ترجمہ کیا)۔

چیف جسٹس نے کہا کہ آپ کے لیے زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ آپ بحث کریں کہ صدر نے جو اختیار استعمال کیا ہے وہ اسمبلی کا اجلاس روکنے کے لیے کیا ہے جو آئینی طور پر درست نہیں اور کیا ریکوزیشن کیا گیا اجلاس روکنا آئینی و اخلاقی حوالے سے درست ہے۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ ریکوزیشن کئے گئے اجلاس میں وزیر اعظم نے اعتماد کا ووٹ لینا تھا مگر اسمبلی توڑ کر انہیں روک دیا گیا۔ اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا

جاسکتا کہ ریکوزیشن اجلاس میں صدر کے خلاف مواخذہ کی تحریک پیش ہوتی۔ کیا اسمبلی کو ایسی تحریک پر بحث کرنے سے روکا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا آئینی اختیار کی آڑ میں ذاتی مفاد حاصل کرنے کا اختیار دیا جاسکتا ہے۔ چیف جسٹس نے ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ اگر صرف سپیکر کو ہی ریکوزیشن کیے گئے اجلاس کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کرنے کا اختیار ہے تو صدر کو جن کا عہدہ سیاسی بھی ہے۔ یہ اختیار حاصل نہیں؟، ڈاکٹر فاروق حسن نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ صدر ریاست کا عہدیدار ہے جس طرح ایک کمشنر اپنے علاقے میں عہدہ رکھتا ہے۔ صدر کو جو کردار دیا گیا ہے۔ وہ سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ آئینی کردار ہے۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ آپ نے ذاتی مفادات کی بات کی ہے جو بادی النظر میں درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اسمبلی توڑنے کے بعد صدر اختیارات اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ نگران حکومت تشکیل دی جاتی ہے جو نوے دن میں انتخابات کراتی ہے۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ صدر کا اقدام بدنیتی پر مبنی ہے، جس پر مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ آپ فیصلہ صادر کر رہے ہیں۔ بدنیتی کے بارے میں دلائل نہیں دے رہے۔ انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ پہلے قرار دے چکی ہے کہ اسمبلی توڑنے کا صدر کا اختیار بہت محدود ہے جسے بڑی دیانتداری سے استعمال کرنا پڑتا ہے۔

ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ صدر کے اختیار کے بارے میں یہ دیکھنا پڑے گا کہ ایسے حالات موجود تھے کہ اسمبلی توڑی گئی۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ سپریم کورٹ ایسے حالات کے بارے میں بھی تشریح کر چکی ہے۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ صدر نے اپنے فرمان میں کہا ہے کہ حکومتی مشینری ناکام ہو چکی تھی اور آئین کے تحت حکومت کا چلانا ناممکن تھا۔ انہوں نے کہا کہ آئین میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ نوے دن میں انتخابات کرانے ضروری ہیں۔ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ واقعی نئے انتخابات کی ضرورت تھی اور کیا اسمبلی عوام کی توقعات پر پورا اترنے میں ناکام ہو گئی تھی۔ چیف جسٹس نے اس استدلال کی تعریف کی اور کہا کہ یہ نیا نکتہ ہے کہ حکومتی مشینری کی ناکامی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اسمبلی ناکام ہو گئی تھی اور نئے انتخاب ضروری تھے۔ اس موقع پر مسٹر جسٹس سجاد علی شاہ نے کہا کہ یہ مؤقف تسلیم کرلیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ حکومت اسمبلی سے طاقت حاصل کرتی ہے اگر حکومت ناکام ہوتی ہے تو اس سے یہ مطلب لیا جائے گا کہ اسمبلی ناکام ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ اسمبلی اور حکومت کو الگ الگ لیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۸۸ء میں جب اسمبلی توڑی گئی تو اس کی چار وجوہات بیان کی گئی تھیں۔ قومی اسمبلی مقاصد حاصل کرنے میں ناکام ہوئی، امن وامان کی خراب صورتحال، پاکستان کی سالمیت کو خطرہ اور اخلاقی گراوٹ، تو سپریم کورٹ نے چاروں وجوہات کو مسترد کر دیا تھا۔

مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ سپریم کورٹ نے پہلی وجہ کا مختلف انداز میں فیصلہ دیا تھا۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ اسمبلی توڑنے کا تجربہ زیادہ ہوا تو ۱۹۹۰ء میں پانچ وجوہات پر اسمبلی توڑی گئی۔ ۱۔ ہارس ٹریڈنگ، ۲۔ فیڈرل پرنسپل، ۳۔ کرپشن، ۴۔ اندرونی حالات، ۵۔ آئینی شقوں کا نظر انداز کیا جانا۔ انہوں نے کہا کہ ہارس ٹریڈنگ شدید چارج تھا کیونکہ ہارس ٹریڈنگ جمہوریت کی بنیاد کو تباہ کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ 1993ء میں اسمبلی توڑنے کی وجوہات زیادہ بیان کی گئی ہیں۔ انہوں نے چند وجوہات کا ذکر کیا تو مسٹر جسٹس سلیم اختر نے کہا کہ نمبر ے کی وجہ بھی پڑھیں۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ وہ حکومت کی انتقامی کارروائیوں اور ریاستی تشدد سے متعلق ہے۔ چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ اسمبلی توڑنے کی نمبرون وجہ ارکان اسمبلی کے استعفوں سے متعلق ہے۔ استعفوں کے ضمن میں سپیکر پر اعتماد نہ ہونے کا استدلال تسلیم کرلیا جائے تو استعفے اسمبلی توڑنے کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ آئین میں استعفیٰ دینے کا مخصوص طریقہ درج ہے۔ آئینی تقاضے پورے نہیں کیے گئے۔ چیف جسٹس نے ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ اگر استعفے اتنی تعداد میں موصول ہو گئے تھے کہ حکومت غیر نمائندہ ہو کر رہ گئی تھی تو حکومت کو اعتماد کا ووٹ لینے کی ہدایت کی جاسکتی تھی۔ آپ کا مؤقف ٹھوس ہے کہ اسمبلی توڑنے کی بجائے دوسری ریمیڈی

Scanned with CamScanner

پر بھی غور ہو سکتا تھا۔ فاروق حسن نے کہا کہ ۱۷ اور ۱۱۸ پریل کو صورت حال سنجیدہ ہو گئی تھی تو صدر آرٹیکل ۵۶ (۱) کے تحت دونوں ایوانوں کو پیغام دے سکتے تھے اگر ملک کے دو ''ہیوی ویٹس'' کے درمیان تنازعہ تھا تو صدر خود اجلاس بلا سکتے تھے اور پارلیمنٹ کو بتا سکتے تھے کہ وزیراعظم نے کہاں کہاں کیا کیا غلطی کی۔ انہوں نے کیوں آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کا سہارا لیا۔ کیوں دوسرے راستے اختیار نہیں کئے۔ صدر نے اسمبلی توڑنے کی وجوہات بیان کی ہیں مگر قومی اسمبلی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا اس سوال کا کوئی جواب سامنے نہیں آیا۔ انہوں نے کہا کہ بھارتی آئین کے آرٹیکل ۸۶ اور ۸۷ میں صدر کو حکومتی پالیسی پر مبنی تقریر اور خود اجلاس بلا کر خطاب کرنے کا الگ الگ اختیار ہے۔ ہمارے ہاں دونوں شقوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ فاروق حسن نے کہا کہ صدر کسی وقت بھی اسمبلی کا اجلاس بلا کر خطاب میں اندرونی و بیرونی خطرات کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ بیرونی خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے آرٹیکل ۲۳۳ موجود ہے۔

چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ صدر کس طرح قومی اسمبلی سے خطاب کے دوران وزیراعظم کی غلطیوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ پارٹی سسٹم کے نظام کے تحت اسمبلیوں میں ارکان پہلے ہی پارٹی پوزیشن سنبھالے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان سے صدر کیا توقع کر سکتے ہیں۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ تین مرحلے ہو سکتے ہیں۔ پہلے وزیراعظم کو مشورہ دیا جاتا ہے پھر اسمبلی کا اجلاس بلا کر صدر صورتحال سے آگاہ کر سکتے ہیں۔ پہلے وزیراعظم کو مشورہ دیا جاتا ہے۔ پھر اسمبلی کا اجلاس سے رجوع کیا جائے۔ ہمارے ہاں پہلا اور آخری طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اسمبلی بلا کر صورت حال سے آگاہ کرنے کا طریقہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جناب چیف جسٹس نے استفسار کیا کہ اسمبلی توڑ کر رائے دہندگان سے رجوع کرنے سے کیا مسئلہ حل ہو جاتا ہے، کی وضاحت کریں۔ فاروق حسن نے کہا کہ ضروری نہیں کہ نئے انتخاب سے مسئلہ حل ہو۔ ۱۹۹۰ء میں اسمبلی توڑ دی گئی۔ سپریم کورٹ نے اسمبلی توڑنے کی وجوہات کی توثیق کر دی تھی۔ اس کے بعد حالات درست نہیں ہوئے۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ ایوان کے اندر علاج زیادہ بہتر ہوتا بجائے اس کے کہ لوگوں سے رجوع کیا جائے۔ فاروق حسن نے کہا کہ صدر کے پاس آئین میں دیئے گئے مخصوص اختیارات ہوتے ہیں۔ یہ امریکہ کا آئین نہیں، ہمارے ہاں اصل طاقت اسمبلی کے پاس ہوتی ہے۔ ۱۴ اپریل کی پریس ریلیز جو صدر نے جاری کی۔ آئینی طور پر درست نہیں، صدر نے آئین کے آرٹیکل ۵۶ کو بائی پاس کیا۔ ۱۴ اپریل کی پریس ریلیز کے بعد ہی معاملہ ختم ہو گیا تھا۔ فاروق حسن نے اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے انسانی حقوق کی فلاسفی بیان کی اور پہلے بل آف رائٹس کے حوالے دیئے اور انسانی حقوق پر روشنی ڈالی۔ مسٹر جسٹس سعد سعود جان کے سوال پر فاضل وکیل نے کہا کہ آرٹیکل ۱۷ میں ایسوی ایشن کا حق دیا گیا ہے اور سرکاری ملازم کے سوا تمام کو سیاسی جماعت کا رکن بننے، اس کے پروگرام کا پراپیگنڈہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی جماعت کے کردار کے بارے میں متعدد آرٹیکل موجود ہیں۔ آئین میں جملہ بنیادی حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ فاروق حسن نے کہا کہ سیاسی انصاف کو آئینی اخلاق قرار دیا گیا ہے۔ فاروق حسن نے کتابوں کے حوالے سے ''آئینی اخلاق'' کی تشریح کی اور کہا کہ عام زندگی کے بہت سے ایسے پہلو ہیں جن کے متعلق قانون نہیں ہوتے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ ارکان اسمبلی کو اظہار وجوہ کا نوٹس دیئے بغیر گھر بھیج دیا گیا ہے۔ یہ اقدام سیاسی انصاف کے مطابق نہیں ہے۔ سیاسی انصاف کا تحفظ آرٹیکل ۲۷ (اے) میں بیان کیا گیا ہے۔

چیف جسٹس نے کہا کہ آپ نے پہلے کہا ہے کہ آپ کے پاس وہ فیصلہ ہے جس میں صدر اور وزیراعظم کے مابین اختلاف ہوا اور فیصلہ وزیراعظم کے حق میں ہوا۔ وہ عدالت کی رہنمائی کے لیے بتائیں، فاروق حسن نے ایڈورڈ ہشتم اور اس کے وزیراعظم کے مابین تنازعے کا حوالہ دیا۔ ایڈورڈ ہشتم ایک مطلقہ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ وزیراعظم نے کہا کہ آئین کے تحت بادشاہ مطلقہ سے شادی نہیں کر سکتا۔ اس پر چیف جسٹس نے کہا کہ کیا آپ ایڈورڈ ہشتم کے رومانی پہلو میں بھی جانا چاہتے ہیں۔ بعد میں ایڈورڈ ہشتم نے اپنی مطلقہ محبوبہ سے شادی کر لی اور

Scanned with CamScanner

برطانوی تاج وتخت کو ٹھکرا دیا۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ مقدمے کو میرٹ پر دیکھا جائے۔ سپریم کورٹ ملک کی اعلیٰ ترین عدالت ہے۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ کیا سپریم کورٹ کو بنیادی حقوق نافذ کرنے کے صوابدیدی اختیارات حاصل ہیں کیونکہ آپ اپنے دلائل بنیادی حقوق کے حوالے سے دے رہے ہیں، فاروق حسن نے کہا کہ عدالت عظمیٰ کو بنیادی حقوق نافذ کرانے کا آئینی اختیار حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج ۹۰ دن میں الیکشن کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ اس پر میں کیا کرسکتا ہوں۔ ۱۹۷۷ء میں بھی ۹۰ دن میں الیکشن کرانے کی یقین دہانی تو کرائی گئی تھی لیکن الیکشن ۱۹۸۵ء میں جا کر کہیں ہوسکے، فاضل وکیل نے کہا کہ دسمبر ۱۹۹۲ء تک ''گو بابا گو'' کے نعرے لگانے والے آج ''بابا'' کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ یہاں تو سیاستدان اس طریقے سے اصول بدل دیتے ہیں، فاروق حسن نے کہا کہ ایک برطانوی وزیراعظم اور بادشاہ کے جھگڑے کا حوالہ دیا اور کہا کہ صدر مملکت کا حکم غیر آئینی غیر قانونی ہے حاجی سیف اللہ کے کیس کے چند پیراگراف کے حوالے سے منتخب نمائندوں کی چھٹی نہیں کرائی جاسکتی اور صدر اس طرح مختار کل نہیں بن سکتا، میری استدعا ہے کہ سیف اللہ کیس کے فیصلے میں عدالت عظمیٰ نے جو کچھ کیا وہ اب نہیں ہونا چاہئے۔ (اس وقت اسمبلی توڑنے کا صدارتی حکم تو غیر قانونی قرار دیا گیا تھا لیکن جونیجو حکومت یہ کہہ کر بحال نہ کی گئی کہ الیکشن کا عمل تقریباً مکمل ہو چکا ہے) چیف جسٹس نے کہا کہ حاجی سیف اللہ کیس کے بارے میں عدالت عظمیٰ کے فیصلے کا آپ انصاف کے ساتھ حوالہ نہیں دے رہے، آپ تو زیادہ حوالے برطانوی آئین وقانون کے دے رہے ہیں۔ پاکستان کے آئین وقانون کے کم حوالے دے رہے ہیں۔

فاروق حسن نے کہا کہ سرحد کی سب سے بڑی سیاسی جماعت اے این پی اور دوسری بڑی سیاسی جماعت برطرف کی گئی حکومت کا ساتھ تو دے رہے ہیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ فاروق حسن صاحب آپ کا بے حد شکریہ آپ نے کافی حوالے دیئے ہیں۔

وفاق کی طرف سے اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے آئینی پٹیشن کی مخالفت کرتے ہوئے دلائل کا آغاز کیا۔ انہوں نے کہا کہ صدر مملکت کے متعلق جو ریمارکس دیئے گئے ہیں۔ ان کا جواب نہیں دوں گا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ شکریہ، اٹارنی جنرل نے کہا، پاکستان میں صدر کو قومی اسمبلی، سینٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان نے چنا ہوا ہے۔ غلام اسحٰق خان پاکستان میں اجنبی نہیں ہیں۔ غلام اسحٰق خان وہ شخصیت ہیں جن پر عوام کے منتخب کردہ نمائندوں نے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ ان کو منتخب کیا ہے۔ اس طرح صدر دنیا بھر کے سامنے پاکستان کی نمائندگی کرتا ہے۔ صدر کے نام پر ہی ایگزیکٹو اتھارٹی استعمال ہوتی ہے۔ ایک فریق اس کے نام پر اختیار استعمال کرتا ہے۔ سفیر اس کو اسناد سفارت پیش کرتے ہیں۔ صدر مملکت کسی سیاستدان کے بیان کی تردید نہیں کرتے کیونکہ ان کے عہدے کا روایتی تقاضا یہی ہے۔ وہ خود کو سیاستدانوں کے بیانات سے الگ تھلگ رکھتے ہیں، چیف جسٹس نے کہا کہ دوسرے فریق نے بھی صدر مملکت کے اس مرتبے رتبے سے انکار نہیں کیا، دوسرے فریق نے صدارتی اقدام کو چیلنج کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اختیارات کا غلط استعمال ہے، اس لیے صدارتی اقدام کو ختم کر دیا جائے۔ آپ حکومت اور اسمبلی توڑنے کا اختیار صدر نے صحیح استعمال کیا ہے یا غلط کیا ہے۔ اس پر دلائل دیں، یہ بتائیں کہ کیا صدر نے منتخب حکومت توڑ کر قومی اسمبلی کو ختم کر کے اپنے اختیارات سے تجاوز نہیں کیا، اٹارنی جنرل نے کہا کہ صدر کے مطابق آرٹیکل ۵۸ (۲) بی اور دوسری شقوں کے مطابق نہیں چل سکتی تھی، انہوں نے پورا ذہن استعمال کر کے حقائق وواقعات کا جائزہ لے کر دستیاب مواد، ریکارڈ اور اطلاعات کا معائنہ کرنے کے بعد صدارتی فرمان جاری کیا ہے۔

عزیز اے منشی نے کہا کہ عدالت ان اختیارات کے استعمال کا متبادل نہیں ہوسکتی۔ صدر نے اپنے آرڈر کی وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ ان وجوہات کا براہ راست تعلق آئین کی شقوں کے ساتھ ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وفاق آئین کی شقوں کے مطابق نہیں چل سکتا تھا۔ آئینی پٹیشن کے دلائل کا جو جواب عدالت عظمیٰ میں پیش کیا گیا اس میں بتایا گیا کہ صدارتی فرمان آئین کے مطابق ہے۔ انہوں نے

Scanned with CamScanner

کہا کہ صدارتی فرمان جاری ہونے کے وقت آئین فیل ہو چکا تھا اور سنگین نوعیت کا بحران پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وفاق کی حکومت کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا۔ آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے تحت وفاق کی حکومت چلنا بند ہو گئی تھی۔ عزیز اے منشی نے کہا کہ اگر صدر حکومت توڑنے اور اسمبلی ختم کرنے کا حکم ۱۸ اپریل ۱۹۹۳ کو جاری نہ کرتے تو وہ آئین کے تحت صدارتی ذمہ داری اور فرض پورا کرنے میں ناکام سمجھے جاتے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ صدارتی اقدام پر ہی تو اعتراض کیا گیا ہے کہ ایسے حالات پیدا نہیں ہوئے تھے، آرٹیکل ۵۴ (۳) کا جواب دیں۔ جب ارکان قومی اسمبلی نے مذکورہ حالات پر غور کرنے کے لیے ۱۹ اپریل کو اجلاس بلا لیا تھا۔ اس وقت یہ آرڈر کیوں پاس کیا گیا؟ اٹارنی جنرل نے کہا کہ آرٹیکل ۵۴ (۳) (ا) کے بارے میں میں الگ دلائل دوں گا، صدارتی فرمان میں دیئے گئے نکات کی وضاحت بھی پیش کروں گا اور صدارتی فرمان کے بعد کے فیصلے پر پہنچنے کے اسباب بھی بیان کروں گا۔ میں خالد انور کے ہر اعتراض کا جواب دوں گا۔ یہ بھی بتاؤں گا کہ صدر کے پاس حکومت توڑنے اور اسمبلی ختم کرنے کے سوا کوئی متبادل چیز نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

15 مئی 1993ء

اٹارنی جنرل آف پاکستان عزیز اے منشی نے کہا ہے کہ ملک کو درپیش سنگین اندرونی و بیرونی خطرات کے بارے میں وہ عدالت کو بند کمرے میں آگاہ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ سابق وزیر اعظم نواز شریف نے ان خطرات سے نمٹنے کے لیے اقدامات کرنے کا پہلے تو ۱۴ اپریل کو صدر کو یقین دلایا اور کہا کہ وہ صدر سے ہمیشہ کی طرح قیمتی مشورے اور ہدایات لیتے رہیں گے مگر ۱۷ اپریل کو ایسی تقریر کی جس میں ریاست کے نمائندے اور وفاق کی علامت پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ انہیں سازشی، بلیک میلر، ہارس ٹریڈر اور عدم استحکام کا مرتکب گردانا۔ انہوں نے ٹیلی ویژن پر صدر کا مواخذہ کرنے کی کوشش کی۔ جب ملک کی اعلیٰ ترین شخصیت پر اس طرح دشنام طرازی کی جائے تو وفاق کا نظام آئین کی شقوں کے مطابق چلانا ممکن نہیں رہتا۔ بالخصوص ان حالات میں جب ارکان اسمبلی سپیکر پر عدم اعتماد کا اظہار کر کے استعفے دے دیں۔ اٹارنی جنرل سپریم کورٹ آف پاکستان میں قومی اسمبلی توڑے جانے کے صدارتی اقدام کے خلاف سابق وزیر اعظم نواز شریف کی رٹ پٹیشن میں اٹھائے گئے نکات پر ہفتہ کے دن دلائل دے رہے تھے۔ ابھی ان کے دلائل جاری تھے کہ عدالت کا وقت ختم ہونے پر سماعت اتوار کی صبح تک کے لیے ملتوی کر دی گئی۔ سپریم کورٹ کے ۱۱ ججوں پر مشتمل فل بنچ چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ، مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن، مسٹر جسٹس سعد سعود جان، مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری، مسٹر جسٹس اجمل میاں، مسٹر جسٹس محمد افضل لون، مسٹر جسٹس سجاد علی شاہ، مسٹر جسٹس محمد رفیق تارڑ، مسٹر جسٹس سلیم اختر، مسٹر جسٹس سعید الزماں صدیقی اور مسٹر جسٹس فضل الٰہی خان پر مشتمل ہے۔ حکومت کی جانب سے اٹارنی جنرل عزیز اے منشی، ڈپٹی اٹارنی جنرل چوہدری اعجاز احمد، ممتاز علی مرزا، فقیر محمد کھوکھر، اٹارنی جنرل پنجاب مقبول الٰہی ملک، بیرسٹر ظہور الحق سینئر ایڈووکیٹ پیش ہو رہے ہیں جبکہ چوہدری فضل حسین ایڈووکیٹ آن ریکارڈ ہیں۔ نگران وزیر اعظم کی جانب سے ایس ایم ظفر، سید زاہد حسین اور مخدوم علی ایڈووکیٹ پیش ہو رہے ہیں۔ درخواست گزاروں کی جانب سے سینئر ایڈووکیٹ خالد انور، اکرم شیخ، ذکی الدین پال، میاں ثاقب نثار، آفتاب فرخ اور اشتر اوصاف علی عدالت میں موجود تھے۔

عزیز اے منشی نے سب سے پہلے صدارتی فرمان پڑھا اور کہا کہ ۱۷ اپریل کی وزیر اعظم کی تقریر کے بعد فیڈریشن آئینی شقوں کے

Scanned with CamScanner

مطابق نہیں چل سکتی تھی۔ اپوزیشن کے ارکان کے وسیع پیمانے پر استعفوں اور حکومتی جماعت کے بعض ارکان کے مستعفی ہونے کی وجہ سے خراب حالات پیدا ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ داخلی اور بین الاقوامی حالات دگرگوں تھے۔ ۱۷ اپریل کو وزیر اعظم نے صدر مملکت کے خلاف غلط الزامات عائد کر کے اپنی حکومت کی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ وزیر اعظم کی تقریر سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ وہ احتجاج پر اتر آئے ہیں۔ عزیز اے منشی نے کہا کہ مشترکہ مفادات کی کونسل آئین کے آرٹیکل ۱۵۳ اور ۱۵۴ کے مطابق آئینی فرائض سرانجام نہیں دے رہی تھی۔ آرٹیکل ۱۵۶ کے تحت قومی اقتصادی کونسل نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ حکومت کے عہدیدار اہلکار وزیر اعظم کے کنٹرول میں تھے۔ آئین کی شقوں کی خلاف ورزی کی جاتی رہی، قومی خزانے کو اونا جاتا رہا، ۲۴۰ آرٹیکل اور ۲۴۲ آرٹیکل کا خیال نہ رکھا گیا۔ اس طرح حکومت کا سربراہ ملک کی سالمیت و یکجہتی کے لیے نقصان دہ بنتا جا رہا تھا۔ اٹارنی جنرل صدارتی فرمان پڑھ چکے تو چیف جسٹس آف پاکستان نے کہا کہ صدارتی فرمان میں حکومت توڑنے اور اسمبلی ختم کرنے کی جو وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ آئین کے آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے لیے عدالت عظمیٰ نے بنیادی حدود متعین کی ہیں۔ جسٹس شفیع الرحمٰن، جسٹس تارڑ، جسٹس سلیم اختر کے فیصلے میں کہا گیا ہے کہ صدر مناسب اور کافی ٹھوس شواہد اور حقائق پر مبنی کافی مواد اکٹھا کر لے تب وہ اسمبلی توڑ سکتا ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ اپوزیشن کے ارکان کے علاوہ سرکاری ارکان کے استعفوں سے جو صورتحال پیدا ہوئی۔ اس سے قومی اسمبلی توڑنا ضروری ہو گیا تھا کیونکہ یہ ایوان عوام کے منتخب نمائندوں کا اعتماد کھو بیٹھا تھا۔ انہوں نے اپنے تحریری جواب کا صفحہ نمبر ۳ پڑھا۔ استعفوں کی وجہ سے وزیر اعظم نواز شریف اور ان کی حکومت بھی اعتماد کھو بیٹھی تھی۔ چیف جسٹس نے کہا کہ ارکان قومی اسمبلی نے آرٹیکل ۶۴ (۱) کے تحت استعفے نہیں دیئے تھے۔ اس آرٹیکل میں تو کہا گیا ہے کہ استعفیٰ سپیکر کو ذاتی طور پر جا کر دیا جائے گا۔ اگر سپیکر کو کسی اور ذریعے سے کسی رکن کا استعفیٰ ملے گا تو وہ خود فاضل ممبر سے اس کے مستعفی ہونے کی تصدیق کرے گا۔ میرا سوال ہے کہ اگر کسی ممبر نے سپیکر کو استعفیٰ دیا ہے اور کیا سپیکر نے استعفیٰ لینے سے انکار کیا۔ چیف جسٹس نے آئین کے آرٹیکل ۶۴ (۱) اور ۶۷ پڑھے اور اس کے بعد مذکورہ سوال کیا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ارکان قومی اسمبلی نے اپنے استعفے رضا کارانہ طور پر صدر مملکت کو خود جا کر پیش کئے۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ ایک استعفیٰ تو صدر کو لکھا گیا ہے۔ یہ غیر اخلاقی بات ہے کہ ایک خط یا استعفیٰ لکھا تو کسی کے نام جائے اور وصول کوئی دوسرا کرے۔ سپیکر کے نام لکھے ہوئے استعفے وصول کر کے صدر نے خود کو سیاسی معاملات میں ملوث کیا ہے۔ درحقیقت وہ ایک قدم نیچے اتر کر سیاست میں ملوث ہو گئے ہیں جو ان کا کام نہیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ صدر مملکت سے اگر کوئی ایم این اے ملاقات کے لیے آئے ان کے ہاتھ میں کوئی خط دے تو صدر کا وہ خط وصول کرنا غیر اخلاقی نہیں ہے۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ ایم این اے سے صدر کوئی بات کر سکتا ہے۔ زمین پر بیٹھ کر جنت کی بات کر سکتا ہے لیکن وہ صدر کو استعفیٰ پیش نہیں کر سکتا اور نہ ہی صدر یہ استعفیٰ وصول کرنے کا مجاز ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں ایسا نہیں ہوتا۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ یہ استعفیٰ کا خط تھا یا احتجاج کا خط تھا۔ استعفیٰ تو صرف سپیکر کو دیا جانا چاہئے۔ صدر کو وصول ہی نہیں کرنا چاہئے۔ جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ اگر استعفیٰ ہی نہیں ہوا تو پھر اسمبلی کی نشست کیسے خالی ہو گئی یہ آئینی عدالت ہے، کیا دنیا بھر میں ایسا آئین ہے، آپ کو مکمل آزادی ہے کہ ہمیں بتائیں جس میں کہا گیا ہو کہ استعفیٰ احتجاجی انسٹرومنٹ ہے، استعفیٰ کا مطلب کیا آسامی خالی کرنا ہے۔ ہمیں آئین میں ابہام دور کرنا ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ مجھے مزید پڑھ لینے دیں، جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ ہم آپ کا تحریری بیان پورا سنیں گے۔ میرا بنیادی سوال ہے کہ کیا استعفیٰ جیسی اہم دستاویز کسی غیر کو رائے بنانے کے لیے دی جا سکتی ہے۔ جسٹس افضل لون نے کہا کہ کیا استعفیٰ آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سپیکر کی بجائے کسی اور کو دیا جا سکتا ہے۔

اٹارنی جنرل نے کہا کہ ایم این اے نے خود استعفیٰ صدر کو پیش کیا ہے، عدالت عظمیٰ متعلقہ ایم این اے سے پوچھے۔ جسٹس افضل

Scanned with CamScanner

لون نے کہا کہ استعفیٰ دینے والے ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ یہ فریقین کا کام ہے کہ وہ وضاحت کریں۔

جسٹس شفیع الرحمن نے کہا آپ ہمارے سوال کا جواب دینے کی کوشش کیوں نہیں کرتے، کیا آئین کے تحت صدر مملکت ایم این اے کا استعفیٰ وصول کرنے کے مجاز ہیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ صدر مملکت کرٹسی کی بنا پر ایم این اے سے کوئی خط وصول کر سکتے ہیں۔ اٹارنی جنرل بتائیں کہ کیا صدر ایسے خطوط کی بنیاد پر یہ رائے بنا سکتے ہیں کہ آئین کے مطابق حکومت نہیں چل سکتی اگر ۲۱۷ میں سے ایک سو ارکان بھی اپنے خط صدر کو دے دیں تو وہ کس طرح یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وفاق کی حکومت آئین کے مطابق نہیں چل سکتی۔ ایسا سمجھا جاتا رہا تو پھر کیا ہوتا رہے گا۔ اگر نوجوان آکر باپ سے کہے کہ مجھے کار لے کر دو ورنہ میں خودکشی کر لوں گا۔ باپ اس ڈر سے کہ اس کا بیٹا خودکشی نہ کر لے وہ کسی دوسرے کی ملکیتی کار چھین کر اپنے بیٹے کو دے دے، کیا ایسا ہی نہیں ہوا۔ جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ کسی استعفیٰ میں یہ نہیں لکھا کہ یہ استعفیٰ نہیں، خط تھا۔ شفیع الرحمن نے کہا کہ ایک کے سوا کتنے استعفوں میں کہا گیا ہے کہ ارکان قومی اسمبلی کا سپیکر پر اعتماد ختم ہو گیا تھا۔ اٹارنی جنرل نے جولیس سالک کا استعفیٰ پڑھا جس میں کہا گیا کہ اقلیتوں کے خلاف زیادتیوں کی بنا پر وہ مستعفی ہو رہے ہیں۔ شفیع الرحمن نے کہا کہ اس میں کہاں کہا گیا کہ سپیکر پر اس کا اعتماد اٹھ گیا ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ وہ پانچ استعفے پیش کرتے ہیں۔ تنویر الحسن گیلانی نے اپنے استعفے میں کہا کہ کرپٹ حکومت کی وجہ سے میں استعفیٰ دے رہا ہوں۔ عبدالقیوم جتوئی نے ملکی حالات اور حکومتی رویے کی بنا پر استعفیٰ دیا ہے، اس موقع پر تین فاضل ججوں نے کہا کہ آپ فاضل جج جسٹس شفیع الرحمن کے سوال کا جواب دیں کہ کتنے ارکان قومی اسمبلی نے سپیکر پر عدم اعتماد کو بنیاد بنا کر استعفیٰ لکھا ہے۔ اٹارنی جنرل نے غلام مصطفیٰ جتوئی کا استعفیٰ پڑھا جس میں کہا گیا کہ میں حلقہ ۱۵۸ کا نمائندہ ہوں۔ نواز شریف حکومت نے کسی شعبے میں کامیابی حاصل نہیں کی۔ امن وامان تباہ کیا۔ سیاسی انتقام لیا۔ آئین کی خلاف ورزی کی اس لیے میں قومی اسمبلی سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ مسٹر جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ ان تمام استعفوں میں سپیکر قومی اسمبلی پر کہیں عدم اعتماد کا اظہار نہیں کیا گیا جس پر اٹارنی جنرل نے کہا کہ سپیکر قومی اسمبلی کا حصہ ہے۔ جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ استعفے صدر کو دینے کے پس پردہ کیا عزائم تھے جس سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ ارکان قومی اسمبلی کو سپیکر پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ ۸۸ استعفوں میں کتنے استعفوں میں سپیکر پر عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ اٹارنی جنرل ایک ایسا استعفیٰ بھی پیش نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ کیا یہ درست نہیں جسے یہ استعفے کہہ رہے ہیں وہ تو کچھ اور ہی خط تھے جن کا کوئی خاص مقصد ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر خالد انور نے کہا کہ جناب حقیقت یہی ہے کہ مقصد کچھ اور ہی تھا کسی رکن کو استعفیٰ واقعی دینا ہوتا تو وہ سپیکر کے پاس جا کر خود حوالے کرتا۔ میر ہزار خان بجارانی وزیر ہونے کی وجہ سے صدر کو استعفیٰ دینے کا آئینی حق رکھتے تھے۔ اس استعفیٰ میں انہوں نے کہا کہ بہاریوں کو نواز شریف واپس لانے گئے ہیں۔ وزیر اعظم کی دوسری پالیسیوں سے مجھے اختلاف ہے۔ اس لیے میں کابینہ سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ اٹارنی جنرل نے سردار آصف احمد علی کا استعفیٰ پڑھنا شروع کیا تو فاضل جج اجمل میاں نے کہا کہ بجارانی کا جو طویل استعفیٰ پڑھا گیا۔ وہ کابینہ سے استعفیٰ تھا۔ وزیر یا وزراء کے استعفوں سے کس طرح قومی اسمبلی توڑی جا سکتی ہے۔ ویسے بجارانی نے بھی سپیکر پر عدم اعتماد کا اظہار نہیں کیا۔ اٹارنی جنرل نے عدالت میں ۸۸ ارکان قومی اسمبلی کے ناموں کی فہرست پیش کی جنہوں نے صدر کو استعفے دیے تھے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ تمام ارکان قومی اسمبلی کے استعفے، استعفے نہیں تھے۔ یہ صرف صدر کو رائے قائم کرنے میں مدد دینے کے لیے لکھے گئے تھے۔ محترمہ استعفے اسپیکر کو پیش کرتیں۔ تب ان کی مختصر تحریر کو بھی استعفیٰ سمجھا جا سکتا تھا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ صدر مملکت نے بھی یہ استعفے سپیکر کو نہیں بھجوائے بلکہ استعفوں کے ان خطوط سے صدر خود ہی مطمئن ہو گئے کہ یہ ارکان قومی اسمبلی ان خطوط سے حکومت، اسمبلی سپیکر اور پاکستان پر اعتماد کھو بیٹھے ہیں۔ مسٹر جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ کیا قومی اسمبلی میں اقلیتی جماعت اپوزیشن جماعت صدر کو اس طرح کے استعفیٰ کے خطوط لکھ کر صدر سے اسمبلی تڑواتی رہے گی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ آئندہ اپوزیشن پارٹی اس طرح

استعفوں کے خط لکھ کر قومی اسمبلی تڑوائے گی۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ پارلیمانی سسٹم میں اگر آپ اپوزیشن کی حوصلہ افزائی اسی طرح کریں گے تو پھر تو بلیک میلنگ شروع ہو جائے گی اور کوئی قومی اسمبلی کام نہیں کر سکے گی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ صدر نے اخلاقی طور پر استعفے وصول کئے ہیں مگر وہ آئین کے مطابق مؤثر نہیں ہوئے یہ ارکان سے پوچھیں کہ انہوں نے صدر کو استعفے کیوں دیئے۔ میرے خیال میں تو انہوں نے احتجاج کے طور پر دیئے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ صدر کو اگر ذمہ دار شخص آ کر کاغذ دے دیتا ہے کہ فلاں شخص سے وہ خوش نہیں وہ علیحدگی اختیار کرلے گا۔ میرا سوال ہے کہ اگر ایسا خط رکن قومی اسمبلی صدر کو دیتا ہے تو اس سے صدر کا آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے تحت اسمبلی توڑنے کا اختیار کیسے بن سکتا ہے۔ جسٹس افضل لون نے کہا کہ آپ بتائیں کہ استعفے آئین کی کس شق کے تحت صدر کو دیئے گئے اٹارنی جنرل نے کہا کہ یہ قومی اسمبلی کے ارکان کا اپنا قدم تھا۔ ان کو کوئی نہیں روک سکتا۔ افضل لون نے کہا کہ قومی اسمبلی کے ارکان کے اس اقدام کی آئینی حیثیت کیا ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ استعفوں کے خطوط کو احتجاج سے تصور کرلیں۔ افضل لون نے کہا کہ فرض کریں استعفیٰ دینے والے ارکان اگر استعفیٰ آئین کے مطابق سپیکر کو لکھنے کی بجائے ۸۸ کے ۱۸۸ کٹھے مارچ کرتے ہوئے صدر کے پاس چلے جائیں ان کو لکھ کر دیں کہ ہم استعفیٰ دے رہے ہیں۔ کیا اس سے اسمبلی توڑ دی جائے گی۔ یہ بھی بتائیں کہ صدر کو استعفیٰ کے خط لکھنے کی بجائے یہ ۱۸۸ ارکان ۱۹ اپریل کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں کھڑے ہو کر احتجاج کرتے مگر صدر نے ریکوزیشن کیا گیا اجلاس ہی نہیں ہونے دیا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ارکان قومی اسمبلی نے موجودہ راہ کیوں اختیار کی۔ اس کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ میرے خیال میں وہ احتجاج کر رہے تھے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ کا کہنا ہے کہ ارکان قومی اسمبلی اپنی نشستیں خالی کرانا نہیں چاہتے تھے وہ تو صرف احتجاج کرنا چاہتے تھے۔ وہ تو صدر کو بامقصد طریقے سے باور کرانا چاہتے تھے کہ ۱۹ اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس ہونے سے پہلے اسمبلی کو توڑ دینا چاہیے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ جب ۱۹ اپریل کو اجلاس بلایا گیا تھا۔ انہوں نے ۱۸ اپریل کو استعفے دیئے تھے۔ وہ پوری طرح مطمئن تھے کہ ان کی نشستیں خالی نہیں ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود کیا اس میں اتنا وزن تھا کہ اس بات پر اتنا انتہائی قدم اٹھایا جاتا۔ انہوں نے کہا کہ ۱۴۱ استعفے پی ڈی اے کے تھے۔ باقی جماعتوں کے ۴۸ تھے۔ ان میں حکومتی جماعت کے ارکان تھے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ ارکان نے استعفے نہیں دیئے بلکہ احتجاج ریکارڈ کرایا۔ مستعفی ہونے والے وزراء نے استعفوں میں کہا کہ کابینہ کی بجائے کچن کیبنٹ فیصلے کرتی تھی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ اب مجھے یہ کہنے میں ہچکچاہٹ نہیں کہ ۱۸۸ ارکان مستعفی نہیں ہوئے تھے بلکہ احتجاج کر رہے تھے۔ ۱۰۱ ارکان ایوان کے برقرار رکھنے کے حق میں نہیں تھے کیونکہ ۱۳ نشستیں پہلے ہی خالی تھیں۔ جب ۸۸ ارکان قومی اسمبلی استعفیٰ دینے کو تیار ہو جائیں تو صدر مملکت کیوں یہ تاثر نہ لیں کہ ایوان نہیں چل سکتا۔ جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ کیا ایسا کر کے حکومت کو بلیک میل نہیں کیا گیا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ جب ۱۸۸ ارکان قومی اسمبلی کو استعفوں کے باوجود علم تھا کہ وہ موثر نہیں ہوں گے ان کو پتہ تھا کہ وہ ایوان کی کارروائی میں حصہ لے سکیں گے کیونکہ ان کے استعفوں سے ان کی نشستیں خالی نہیں ہوں گی۔ اس لیے یہ تو محض بلیک میلنگ تھی۔ یہ صورتحال ہمیں ڈسٹرب کر رہی ہے کہ اپوزیشن پارٹی جب چاہے گی اس طرح کی بلیک میلنگ شروع کر دے گی۔ ایسی بلیک میلنگ سے آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے تحت کیسے اسمبلی توڑی جا سکتی ہے۔ ایک فاضل جج نے کہا کہ روئیداد خان تو وفاقی مشیر تھے۔ رکن قومی اسمبلی نہیں تھے۔ ان کے استعفیٰ کی کیا اہمیت تھی۔ چیف جسٹس نے کہا کہ کیا صدر عوام کے نمائندوں کے استعفے وصول کرنے کے مجاز ہیں۔ ہم مان لیتے ہیں۔ وہ عوام کے نمائندوں کے خط وصول کر سکتے ہیں۔ ڈیڑھ گھنٹے میں آپ نے بحث کے دوران ہمیں عقل مند سے عقل مند تر نہیں بنایا۔ ایسے استعفیٰ کو کیا وزن دیا جا سکتا ہے جس کے نتیجے میں اس رکن قومی اسمبلی کی نشست خالی بھی قرار نہیں دی جا سکتی کیا اس احتجاج سے ملک میں ہر طرح کا کاروبار بند ہو کر رہ گیا تھا۔ پاکستان بھر میں اداروں نے کام بند کر دیا تھا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ۱۸۸ احتجاجی خطوط صدر کو لکھے گئے ایم کیو ایم کے بارہ ارکان پہلے ہی استعفیٰ دے چکے

Scanned with CamScanner

تھے۔اس طرح ۲۱۷ میں سے ایک سو کے استعفے آچکے تھے یا انہوں نے استعفیٰ کی شکل میں احتجاج کیا تھا۔اس کے نتیجے میں وفاق آئین کی شقوں کے مطابق کیسے چل سکتا تھا۔ارکان اسمبلی کیوں صدر کے پاس گئے ان کو صدر نے نہیں بلایا تھا۔صدر کے پاس یہ ۱۸۸ ارکان قومی اسمبلی خود گئے ہیں۔اٹارنی جنرل نے کہا کہ ۱۸۸ ارکان قومی اسمبلی کا سپیکر پر اعتماد ختم ہو گیا تھا۔مسٹر سعد سعود جان نے کہا کہ آپ مان چکے ہیں کہ ارکان اسمبلی کا مطلب استعفیٰ دینا نہیں تھا۔صرف احتجاج کرنا تھا۔اس لیے اب سپیکر پر اعتماد کے ختم ہونے نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اٹارنی جنرل نے کہا کہ آپ میری بات سنیں یا نہ سنیں مانیں نہ مانیں لیکن میری دلیل ضرور پڑھیں جو صفحہ (۵۰۴) (جلد دوئم) پر ہے۔سلمان تاثیر کے خط کے مطابق جنوری ۱۹۹۲ء میں سپیکر کو تین استعفے دیے گئے۔ایک جج نے کہا کہ سلمان تاثیر تو پارلیمنٹ کے ممبر ہی نہیں تھے۔اس میں سردار فاروق لغاری کا استعفیٰ بھی شامل ہے۔سپیکر نے چیف الیکشن کمشنر کو یہ استعفے بھجوا دیے۔چیف جسٹس نے کہا کہ کیا سپیکر کا پوسٹ آفس کا کردار ہے کہ وہ ممبر کا استعفیٰ لے کر چیف الیکشن کمشنر کو بھی دے اٹارنی جنرل نے کہا کہ سپیکر سوچ بچار کرنے کے بعد استعفیٰ مسترد بھی کر سکتا ہے۔سولہ ماہ سے مذکورہ تینوں ریفرنس زیر غور ہیں۔مسٹر جسٹس افضل لون نے کہا کہ آئین میں کہا گیا ہے کہ اگر سپیکر استعفیٰ ملنے کے بعد چیف الیکشن کمشنر کو نہ بھجوائے تو متعلقہ ممبر دوبارہ سپیکر سے رجوع کر سکتا ہے۔تین ارکان کے اٹھارہ ماہ تک صبر کیے رکھنے کے عوامل کیا تھے۔اٹارنی جنرل نے کہا کہ اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ سپیکر ارکان کا اعتماد کھو بیٹھے تھے۔چیف جسٹس نے کہا کہ اگر سپیکر جانبدار ہوتا تو ارکان اپنے استعفے قانون اور آئین سے بالاتر ہو کر دیتے جبکہ سپیکر غیر جانبدار اور منصفانہ کردار ادا کرتے رہے مگر آپ نے نہیں بتایا۔آپ مختصر الفاظ میں کیا کہنا چاہتے ہیں حالانکہ ڈیڑھ سال سے آپ کو سن رہے ہیں۔اٹارنی جنرل نے کہا کہ جناب ڈیڑھ گھنٹے سے، چیف جسٹس نے کہا کہ ہمیں تو ایسا ہی لگ رہا ہے جیسے ڈیڑھ سال سے، آپ کو سن رہے ہوں۔آپ نے اس دوران متعلقہ دلائل نہیں دیے نہ ہی دوسرے فریق کے اٹھائے گئے اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے۔چائے کے وقفے کے بعد دلائل جاری رکھتے ہوئے اٹارنی جنرل نے کہا کہ سلمان تاثیر کی طرف سے دائر کیے گئے ریفرنس کا تا حال فیصلہ نہیں کیا گیا۔عزیز اے منشی نے کہا کہ استعفے ذمہ دار ارکان اسمبلی نے دیے تھے۔ان میں سابق وزیر اعظم غلام مصطفی جتوئی بھی شامل ہیں۔صدر اگر سپیکر کو استعفے بھجواتے تو سپیکر ان کی نشستیں خالی قرار دینے کے ذمہ دار تھے۔تین چار دن بعد صدر نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حکومت آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے تحت نہیں چلائی جا سکتی۔انہوں نے کہا کہ اگر صدر ذہنی طور پر یقین کر لیں کہ اسمبلی نہیں چل سکتی تو وہ اسے توڑ سکتے ہیں۔چیف جسٹس نے کہا کہ صبح آپ نے اس بات پر زور دیا کہ در حقیقت اسمبلی اور حکومت کے خلاف احتجاج تھے مگر اب آپ کچھ اور بات کہنے لگے ہیں کہ اگر صدر بھجواتا تو سپیکر استعفیٰ منظور کرنے کا پابند ہوتا۔اٹارنی جنرل نے کہا کہ جنوری ۱۹۹۲ء میں سپیکر کے سامنے تین ریفرنس بھجوائے گئے تھے۔ان کا فیصلہ نہیں ہوا انہوں نے اپنے تحریری جواب کے صفحہ ۵۰۴ کو پڑھا۔چیف جسٹس نے پوچھا کہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے یہ اسمبلی توڑنے کے حکم سے کہاں مطابقت رکھتا ہے۔عزیز اے منشی نے کہا کہ سپیکر کو بہت سی خصوصی مراعات دی گئیں جس سے سپیکر کا رجحان حکومت کی طرف تھا۔ارکان نے استعفیٰ اس لیے دیا کہ ان کو سپیکر پر اعتماد نہیں رہا۔۱۸۸ ارکان کو اگر سپیکر پر اعتماد نہ رہے تو ایوان کے اندر جذبات مجروح ہوتے ہیں۔سپیکر کو دیہات میں بجلی پہنچانے کے لیے خصوصی کوٹہ دیا گیا۔ایک فاضل جج نے کہا کہ اسمبلی توڑنے سے اس کا کیا تعلق ہے۔اٹارنی جنرل نے کہا کہ حکومت سپیکر کو خوش رکھنا چاہتی تھی۔چیف جسٹس نے کہا کہ کیا جام معشوق علی نے اس وقت استعفیٰ دیا۔جب اس کے کوٹے کے دیہات سپیکر کو دے دیے گئے تھے تو اٹارنی جنرل نے کہا کہ نہیں، انہوں نے بعد میں استعفیٰ دیا۔چیف جسٹس نے کہا کہ ہمارا مشورہ ہے کہ آپ جاندار دلائل دیں تاکہ آپ کیس کی پیروی کر سکیں۔جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ صدر یہ الزامات بھی اسمبلی توڑنے کے آرڈر میں شامل کر سکتے تھے۔اٹارنی جنرل نے کہا کہ صدارتی آرڈر اور کتنا طویل ہو سکتا تھا۔ایک فاضل جج نے کہا کہ کیا ایوان میں کسی رکن نے چیلنج کیا تھا کہ اس کے کوٹے کے دیہات سپیکر کو کیوں

Scanned with CamScanner

دیئے گئے ہیں۔ جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے اگر سپیکر پر ارکان اسمبلی کا اعتماد فرض کریں ختم ہو گیا تھا تو پھر آئین میں دیا گیا طریقہ کار اختیار کیوں نہ کیا گیا۔ اس کے لیے آئین سے ماورائی اقدام کیوں کیا گیا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ اگر آئینی و قانونی راستے بند ہو چکے ہوتے۔ آئین کے مطابق کوئی راہ باقی نہ رہتی تو پھر انتہائی اقدام کیا جاتا۔ آئینی طریقہ اختیار کئے بغیر سرقلم کر دینا تو بے فائدہ ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ صدارتی آرڈر کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ وزیراعظم نے صدر سے مارچ اپریل میں ملاقاتیں کیں۔ ۱۴ اپریل کو صدر نے وزیراعظم سے کہا کہ وہ ملکی، غیر ملکی حالات بہتر بنانے کے لیے ضروری اقدامات کریں مگر ۱۷ اپریل کو وزیراعظم نے صدر کے خلاف شرانگیز الزامات لگائے۔ اس تقریر کا لب لباب یہ تھا کہ حکومت آئین کے تقاضوں کے مطابق نہیں چل سکتی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ وزیراعظم نے اپنی حکومت کی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی حالانکہ وہ صدر سے ملاقات کے دوران اپنی حکومت کی کمزوریاں دور کرنے پر آمادہ ہوئے تھے۔ وزیراعظم کی تقریر ایجی ٹیشن اور آئین توڑنے کے مترادف تھی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ملک کے اندر سنگین مسائل تھے۔ بین الاقوامی مسائل بھی گمبھیر ہو چکے تھے۔ صدر اور وزیراعظم اس بات پر متفق تھے کہ سنگین داخلی و خارجی مسائل موجود ہیں۔ مارچ اور اپریل کے مہینوں میں سنگین صورتحال ہو گئی تھی۔ چیف جسٹس نے کہا کہ ''کیا اب صورتحال بہتر ہو گئی ہے۔'' اٹارنی جنرل نے کہا کہ پاکستان کی صورتحال ایسی ہو گئی تھی کہ داخلی و خارجی مسائل کے حل کے لیے غیر معمولی قدم اٹھانا ضروری تھا۔ انہوں نے ۱۴ اپریل کی صدر وزیراعظم ملاقات کے بارے میں صدارتی پریس ریلیز کا ذکر کیا جس میں کہا گیا کہ صدر نے وزیراعظم سے کہا کہ داخلی و خارجی مسائل کو عوامی نمائندوں کے اطمینان کے مطابق حل کرنے کے لیے فوراً مثبت اقدامات کئے جائیں مگر درخواست گزار نے یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے صدر سے ملاقات کے بعد کیا اقدامات کئے حالانکہ کچھ اقدامات گھنٹوں میں کچھ منٹوں میں کچھ دنوں میں وزیراعظم کر سکتے تھے۔ وزیراعظم نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ عزیز اے منشی نے کہا کہ صدارتی بیان مختصر تھا مگر وہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتے تھے، وزیراعظم نواز شریف نے ملک کی سیاسی صورتحال بہتر بنانے کے لیے مثبت اقدامات کا یقین دلایا تھا۔ نواز شریف نے غلام اسحٰق خان کو صدارتی امیدوار بنانے اور آٹھویں ترمیم کو نہ بدلنے کا اعلان کیا تھا۔ ۱۴ فروری کو نواز شریف نے کہا تھا کہ وہ صدر سے مشورے کرتے رہتے ہیں۔ صدر نے فروری ۱۹۹۳ء میں بھی کہا تھا کہ پارلیمنٹ آٹھویں ترمیم کے بارے میں جو فیصلہ چاہے کرے لیکن آج بتائیں کہ وزیراعظم نے صدر کے مشورے پر کیا کام کیا۔ کیا وزیراعظم نے اپنی تقریر میں صدر پر نکتہ چینی کی؟ وزیراعظم کی طرف سے الٰہی بخش سومرو اور جنرل مجید ملک نے صدر کو بتایا کہ حکومت ۸ویں ترمیم کو نہیں چھیڑے گی۔ کابینہ نے غلام اسحٰق خان کو صدارتی امیدوار بنایا ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ''الٰہی بخش سومرو یہاں بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھ لیں'' جس پر چیف جسٹس نے کہا کہ ''جنرل مجید ملک بھی تو یہاں بیٹھے ہیں'' عزیز اے منشی نے کہا کہ اگر صدر اور وزیراعظم ایک دوسرے سے نالاں ہوں تو حکومت اور مملکت کے امور نہیں چل سکتے اگر دونوں ایک دوسرے پر شک کرتے ہوں تو ملک نہیں چل سکتا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ نے دو وزراء کی طرف سے صدر کو پہنچائے جانے والے خط کا ذکر کیا ہے، کیا وہ کابینہ کے اجلاس کے نکات تھے۔ تو اٹارنی جنرل نے کہا کہ ایسا ہی تھا۔ ایک جج نے پوچھا کیا۔ ایسا ہونا غیر معمولی بات تھی۔ عزیز اے منشی نے کہا کہ نہیں غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ معاملہ جب ۱۴ اپریل کے بعد ہی طے نہ ہو سکا تھا تو پھر آئین کے مطابق صدر اقدام کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وزیراعظم اور صدر نے ملک کی سیاسی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔ انہوں نے کہا کہ وزیراعظم نے صدر سے ملاقاتیں جاری رکھنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ وہ دوبارہ صدر سے ملنے کی بجائے ریڈیو ٹی وی پر قوم سے خطاب کرنے لگے۔ جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ صدارتی بیان صدر اور وزیراعظم کے مشورے سے جاری کیا گیا یا صدر نے خود جاری کیا ہمیں بتائیں کہ وہ وزراء جو اجلاس کی کارروائی پر مشتمل دستاویز اخباری بیان لے کر گئے تھے۔ وہ درست ہے یا آپ کو اس کی صداقت پر اعتراض ہے۔ یہ بھی بتائیں کہ دستاویز

میں جو یہ لکھا ہے کہ صدر اور وزیر اعظم کی دو گھنٹے کی ملاقات میں کس کس معاملے پر تفصیلی گفتگو ہوئی، اس موقع پر فاضل چیف جسٹس نے کہا کہ صدر وزیر اعظم کی ملاقات ہوئی جس کے بعد وزیر اعظم کی طرف سے سیکرٹریٹ نے ملاقات میں زیر غور معاملات کے بارے میں پریس ریلیز تیار کی۔ یہ پریس ریلیز صدر کی منظوری کے لیے دو وزراء لے کر گئے۔ آپ بتائیں کہ صدر نے اس دستاویز کے نکات پر اعتراض کیا تھا۔ صدر، وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات کے متعلق طویل پریس ریلیز جاری نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آپ بتائیں کہ وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی طرف سے صدر وزیر اعظم کی دو گھنٹے کی ملاقات کے بارے میں جن نکات پر مبنی بیان تیار کیا گیا وہ درست ہے جس میں کہا گیا کہ صدر نے کہا کہ وزراء آپ سے خوش نہیں کیونکہ فیصلے آپ کی کچن کیبنٹ کرتی ہے جس پر وزیر اعظم نے کہا کہ ہم اپنے ناراض دوستوں کو واپس لائیں گے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ وہ اس کو چیک کر کے جواب دیں گے۔ مسٹر جسٹس اجمل میاں نے پوچھا وہ کون سے قومی و بین الاقوامی مسائل تھے جن پر ۱۴ اپریل کو صدر اور وزیر اعظم نے صلاح مشورہ کیا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ اس سوال کا جواب میں فاضل عدالت کو بند کمرے میں خفیہ طور پر دے سکتا ہوں۔ عزیز اے منشی نے کہا کہ ۱۷ اپریل کو وزیر اعظم نے قومی اسمبلی میں جانے کی بجائے قوم کے سامنے کیس پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔

چیف جسٹس.........وزیر اعظم نے ایسا کیوں کیا؟

اٹارنی جنرل.........میں وزیر اعظم کا ذہن نہیں پڑھ سکتا۔

چیف جسٹس.........میرے خیال میں آپ بتا تو سکتے ہیں۔

اٹارنی جنرل نے کہا کہ نواز شریف نے ۱۷ اپریل کی تقریر میں کہا کہ میں نہ استعفیٰ دوں گا نہ اسمبلی توڑوں گا نہ ڈکٹیشن لوں گا۔ مجھے خدا کے فضل سے ایوان میں اکثریت حاصل ہے۔ عزیز اے منشی نے ایک اخبار پڑھنے کی کوشش کی جس میں کہا گیا تھا کہ وزیر اعظم نے اپنا کیس پیش کیا اور مخالف لابی پر سخت نکتہ چینی کی۔ مسٹر جسٹس افضل لون نے کہا کہ اٹارنی جنرل آپ نواز شریف کی تقریر پڑھیں کیونکہ سبھی کو پتہ ہے کہ اس تقریر کے اگلے دن تباہی آ گئی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ریموٹ کنٹرول اسمبلی اور ڈمی وزیر اعظم لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ نواز شریف نے جن حالات کا ذکر کیا جن خطرناک لوگوں کی سازش کا ذکر کیا۔ کیا صدر مملکت ان لوگوں کو جانتے تھے۔ اس موقع پر فاضل جج نے کہا کہ آپ وزیر اعظم کی تقریر کا متن پڑھیں تبصرہ نہ پڑھیں۔ نواز شریف کے سینئر ایڈووکیٹ محمد اکرم شیخ نے کہا کہ تقریر اردو میں تھی جو ہماری پٹیشن کے ساتھ موجود ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ وہ چند روز میں تقریر کا انگریزی ترجمہ پیش کر دیں گے۔ ایک جج نے کہا کہ تقریر اردو میں ہوئی، انگریزی ترجمے کی اگر ضرورت ہے تو گجراتی زبان میں بھی ترجمہ کرائیں۔ حکومت کی طرف سے اعجاز محمد اٹھے۔ چیف جسٹس نے پوچھا کہ اعجاز صاحب! آپ بتائیں جہاں وزیر اعظم نے حضور کی شان میں گستاخی کی ہو۔ اعجاز محمد خان نے کہا کہ وزیر اعظم کی تقریر میں سارے الزامات صدر پر لگائے گئے۔ نواز شریف نے کہا کہ دشمن کے ٹینکوں پر پاکستان میں داخل ہونے کے دعوے کرنے والوں سمیت کئی لوگوں نے ایوان صدر میں سرگرمیاں شروع کر دی ہیں۔ اسمبلی کے اندر ڈمی قائد ایوان لانے اور اسمبلی کو ریموٹ کنٹرول سے چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

عزیز اے منشی نے کہا کہ وزیر اعظم کی تقریر صرف سیاست دانوں کے گروپ کے خلاف نہیں تھی۔ یہ صدر کے خلاف تھی۔ یہ ٹی وی پر صدر کا مواخذہ تھا۔ یہ صدر کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ فیڈریشن کو توڑنے کی تقریر تھی۔ یہ ہارس ٹریڈنگ تھی۔ یہ تقریر سننے پڑھنے کے بعد عوام نے کیا تاثر لیا۔ جسٹس افضل لون نے کہا کہ پہلا پوائنٹ یہ ہے کہ آپ تسلیم کرتے ہیں یا انکار کرتے ہیں کہ وزیر اعظم قوم سے خطاب نہیں کر سکتا اور ان کو نہیں بتا سکتا کہ ملک کے اندر باہر کیا ہو رہا ہے، کیا وزیر اعظم ملک کے داخلی امور کے بارے میں قوم کو اعتماد میں نہیں لے سکتا۔

Scanned with CamScanner

عزیز اے منشی نے کہا کہ صدر کی بے عزتی کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ کسی قانون کے تحت یہ حق نہیں ہے۔ ہر شخص کو آزادی تقریر کا حق ہے۔ یہ بنیادی حق ہے۔ بنیادی حق پابندی کے ساتھ ہے۔ اس حق کے تحت کسی کو بے عزت نہیں کیا جا سکتا۔ وزیر اعظم نے پاکستان کو بدنام کیا ہے۔ وزیر اعظم نے صدر کو بلیک میلر، ہارس ٹریڈر قرار دیا ہے جس سے غیر ملکی سرمایہ کار کیا اثر لیں گے کیونکہ تقریر صرف پاکستانیوں نے ہی نہیں سنی۔

افضل لون...... میرا کہنا یہ ہے کہ تقریر میں جو کچھ کہا گیا درست تھا یا نہیں درخواست گزار کی تقریر میں اگر زبان مناسب استعمال نہیں کی گئی تب بھی کیا آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے تحت اسمبلی توڑی جا سکتی ہے۔

عزیز اے منشی...... ۱۴ اپریل کو وزیر اعظم نے جو کچھ کہا ۱۷ اپریل کو وزیر اعظم نے جو کچھ کہا اس میں فرق ہے۔ نواز شریف کہتے رہے کہ وہ صدر سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں کرتے رہیں گے۔ وزیر اعظم کو کوئی اعتراض تھا تو وہ قومی اسمبلی میں جاتے ریڈیو، ٹی وی پر تقریر نہ کرتے، پارلیمنٹ کے بند کمرے میں لوگوں کو اعتماد میں لیتے لیکن صدر کو بلیک میلر، ہارس ٹریڈر بالواسطہ قرار دیا۔ سپیکر قومی اسمبلی گوہر ایوب بھی قومی اسمبلی میں ایسے الفاظ صدر کے بارے میں حذف قرار دے دیتے۔ جسٹس افضل لون نے کہا کہ فرض کریں کہ صدر وزیر اعظم کے مابین اختلافات میں تعطل پیدا ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دونوں کے مابین اختلاف ہو تو اس کا اعلان آئین میں کیا ہے۔

چیف جسٹس...... فرض کریں کہ وزیر اعظم نے بلا جواز نامناسب تقریر کی تھی کیا اس سے قومی اسمبلی توڑنے کا جواز پیدا ہوتا ہے۔

اٹارنی جنرل...... وزیر اعظم نے خود قوم کے سامنے جانا پسند کیا اگر وہ قوم کے سامنے نہ جاتے اسمبلی کے سامنے جاتے تو اسمبلی نہ توڑی جاتی۔ وزیر اعظم صدر کو ہارس ٹریڈر، بلیک میلر کہے تو پھر فیڈریشن کی حکومت کیسے چل سکتی تھی۔ وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں ثابت کر دیا ہے کہ فیڈریشن کی حکومت نہیں چل سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

16 مئی 1993ء

سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس مسٹر نسیم حسن شاہ نے ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ سپریم کورٹ آئینی درخواست کا فیصلہ رواں ہفتے کے دوران کرنا چاہتی ہے تاکہ الیکشن کمیشن کو معلوم ہو سکے کہ اس نے انتخابی پروگرام مرتب کرنا ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ فاضل چیف جسٹس نے یہ بھی ریمارکس دیئے کہ سابق وزیر اعظم نواز شریف کے وکیل خالد انور اپنے موکل (نواز شریف) سے معلوم کریں کہ وہ کیا آئین کے مقرر کردہ دائرۂ کار میں رہتے ہوئے صدر کے ساتھ خوشگوار تعلقات کار قائم رکھ سکیں گے۔ سپریم کورٹ میں اتوار کے دن بھی اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی نے اپنے دلائل جاری رکھے جو سوموار کو بھی جاری رہیں گے۔ تاہم عدالت نے ۱۷ اپریل کی وزیر اعظم کی تقریر کے حوالے سے دلائل مرتب کرنے کے لیے نصف گھنٹہ پہلے ہی چائے کا وقفہ کر دیا اور اٹارنی جنرل کو ہدایت کی کہ وہ تقریر کا انگریزی اور اس کے مخصوص حصوں پر مبنی اپنے دلائل تیار کریں۔ سپریم کورٹ کے گیارہ ججوں پر مشتمل فل کورٹ آئینی پٹیشن کی سماعت کر رہا ہے۔ چیف جسٹس نے جب سابق وزیر اعظم نواز شریف کے وکیل سے کہا کہ وہ اپنے موکل سے پوچھیں کہ وہ صدر سے خوشگوار تعلقات کار قائم کر سکیں گے۔ خالد انور ایڈووکیٹ نے کہا کہ وہ پیر تک ایسا بیان حاصل کر لیں گے۔ تاہم انہوں نے کہا کہ ٹیلی ویژن پر میاں نواز شریف کی روزانہ کردار کشی کی جا رہی ہے جبکہ نواز شریف نے صدر کے خلاف بیان دینا بند کر دیے ہیں۔ زیادہ بہتر ہوگا کہ حکومت بھی تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرے۔ اتوار کی صبح سماعت شروع ہوئی تو اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی نے اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے کہا کہ بعض اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے یہ

Scanned with CamScanner

تاثر ملا ہے کہ شاید وہ عدالت میں بے ادبی سے پیش آئے تاہم وہ عدالت کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ عدالت کا احترام کرتے ہیں۔ فاضل چیف جسٹس نے کہا کہ عدالت نے گزشتہ روز جو سوالات کئے تھے وہ عدالت کے ذہن میں ابھر رہے تھے ان کی وضاحت ضروری ہے۔ شاید ان ہی سوالات نے اٹارنی جنرل کو بھی ڈسٹرب کیا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ سابق وزیر اعظم کی ۱۷ اپریل کی تقریر نے ایک تعطل پیدا کر دیا تھا جس کی وجہ سے صدر نے اپنے آرٹیکل ۵۸ (۲) بی کے اختیارات استعمال کئے کیونکہ اس تعطل کو ختم کرنے کے لیے کوئی اور چارہ نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ آئین کی دفعہ ۴۸ الف کے تحت وزیر اعظم صدر کو یہ مشورہ دے سکتا ہے کہ وہ اسمبلی توڑ دیں جبکہ آئین کے آرٹیکل ۹۱ کے تحت وزیر اعظم جو کابینہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس بات کا پابند ہے کہ وہ صدر کو ملکی صورت حال کے بارے میں تمام معلومات فراہم کرے۔ اسی طرح انہوں نے کئی دوسری آئینی شقوں کے حوالے دیئے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ بعض امور پر صدر اور وزیر اعظم میں باہمی صلاح مشورے ضروری ہیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ آئین صرف ایڈوائس دینے تک محدود نہیں بلکہ صدر اور وزیر اعظم آپس میں اہم امور پر صلاح مشورے بھی کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ صلاح مشورے سرکاری فائلوں میں کئے جائیں بلکہ زبانی بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ صدر اور وزیر اعظم کے درمیان ذاتی طور پر رابطہ برقرار رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایسی صورتحال کے بارے میں نہیں سوچ سکتے۔ جب صدر اور وزیر اعظم کے درمیان رابطے ختم ہو جائیں اور صلاح و مشورے بند ہو جائیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت صدر، وزیر اعظم اور پارلیمنٹ پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایسی صورتحال میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ملک کے دو اہم عہدوں پر فائز دو شخصیات آپس میں صلاح مشورے ختم کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ سابق وزیر اعظم کی تقریر کو اس تناظر میں دیکھا جائے کہ ان کی تقریر کے بعد صدر اور وزیر اعظم کے درمیان رابطہ مکمل طور پر ختم ہو گیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ان کے نکتہ نظر میں ۱۷ اپریل کی تقریر کے بعد ایسی صورتحال پیدا ہو گئی تھی جس کے تحت حکومت کو آئین کے مطابق چلانا مشکل ہو گیا تھا۔ فاضل چیف جسٹس نسیم حسن شاہ نے کہا کہ آئین کے آرٹیکل ۵۸ (۲) بی جس کے تحت صدر نے اسمبلی کو برخاست کیا ہے۔ اس میں دو شرائط واضح طور پر دی گئی ہیں۔ اول یہ کہ ایسی صورتحال پیدا ہو گئی ہو کہ آئین کے مطابق وفاق کا نظام چلانا ناممکن ہو گیا ہو اور دوسری یہ کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہوں جن میں نئے الیکشن کروانا ناگزیر ہو گئے ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی آئینی تاریخ میں دوسری شرط پر بہت بحث و تمحیص ہو چکی ہے اور اکثر فاضل ججوں کے مطابق یہ ایک خود مختار شرط ہے، انہوں نے کہا کہ الیکشن صرف اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ حالات اس کے متقاضی ہوں۔ فاضل جج کے مطابق ویسے بھی جتنے الیکشن آج تک عمل میں آئے ہیں ان سے حالات میں بہتری پیدا نہیں ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۷۰ کے الیکشن کے بعد ملک دو ٹکڑے ہو گیا جبکہ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں مبینہ دھاندلی ہوئی جس کے نتیجے میں ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۸۸ء میں جب جونیجو کی اسمبلی کو برخاست کیا گیا تو اگرچہ سپریم کورٹ نے صدر کے اس فیصلے کو غلط قرار دے دیا لیکن اسمبلی اس لیے بحال نہ کی کہ ایک تو اسمبلی غیر جماعتی بنیادوں پر منتخب ہو کر آئی تھی اور دوم یہ کہ عدالت کا خیال تھا کہ پارٹی سسٹم پر الیکشن منعقد ہو سکیں۔ اسی طرح انہوں نے کہا کہ بے نظیر بھٹو کی اسمبلی کو بھی اپنی میعاد پورا کرنے کا موقع فراہم نہ کیا گیا اور نواز شریف کی اسمبلی بھی اپنی مدت پوری نہ کر سکی۔ فاضل چیف جسٹس نے کہا کہ اب ہمیں اس بات کا بغور جائزہ لینا پڑے گا کہ آیا اسمبلی توڑے جانے کے بعد انتخابات کا انعقاد ضروری ہے یا نہیں، خاص طور پر ان حالات میں جو نئی حکومت آئی ہے وہ یہ کہے کہ ہم جانے والی حکومت کی پالیسیوں پر بھی عملدرآمد جاری رکھیں گے۔ صرف ہماری پالیسیاں شفاف ہوں گی۔ اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے کہا کہ جب اسمبلی توڑی گئی تو اس وقت ملک میں حالات کیسے تھے۔ انہوں نے نواز شریف کی ۱۷ اپریل کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ حکومت سے نکلنے کے بعد بھی انہوں نے صدر کے خلاف جنگ جاری رکھنے کا عزم ظاہر کیا ہے اور صدر کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نواز شریف نے ۱۷ اپریل کی تقریر میں صدر کو اقتدار کا بھوکا شخص قرار دیا اور کہا کہ

Scanned with CamScanner

اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک صدر کو اقتدار سے باہر نہیں نکال دیتے۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ تقریر بھی اس تعطل کی صحیح ترجمانی نہیں کرتی جو پیدا ہو چکا تھا تو پھر وہ کیا کہہ سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سابق وزیر اعظم نے یہاں تک کہا کہ صدر ایک برا شخص ہے وہ صحیح فیصلے نہیں کر سکتے اور عوام سے بھی اپیل کی کہ وہ صدر کو رسوا کریں۔ اس موقع پر جسٹس سعد سعود جان نے کہا کہ بے نظیر بھٹو نے صدر کے خلاف اس سے زیادہ سخت بیان دیئے تھے۔ جسٹس شفیع الرحمن نے اٹارنی جنرل سے پوچھا کہ نواز شریف کیا اب بھی اقتدار میں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ اب اقتدار میں نہیں ہیں۔ لہٰذا اس قسم کے بیانات کا نوٹس لینا غیر ضروری ہے۔ سپریم کورٹ فیصلہ کرتے ہوئے صرف ۱۸ اپریل تک کے معاملات کو پیش نظر رکھے گی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ وہ اس دلیل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سابق وزیر اعظم کے صدر کے بارے میں جو خیالات تھے۔ ان میں تبدیلی نہیں آئی یہ فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہے کہ بعد کے بیانات متعلقہ ہیں یا نہیں آیا صدر اور وزیر اعظم اب بھی ساتھ چل سکتے ہیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ صدر کے لیے کیا مناسب نہیں تھا کہ وہ تعطل ختم کرنے کے لیے آرٹیکل ۹۱ (۵) کا سہارا لیتے جس کے تحت وہ وزیر اعظم کو اعتماد کا ووٹ لینے کے لیے کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ۲۱۷ ممبروں کی اسمبلی میں سے ۸۸ نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ ۱۲، ایم کیو ایم کے ارکان پہلے ہی علیحدہ ہو گئے تھے۔ ایک نشست محمد خان جونیجو کے انتقال سے خالی تھی۔ اس طرح کل ۱۱۲ ممبر رہ جاتے تھے صدر وزیر اعظم سے اعتماد کا ووٹ لینے کے لیے کہہ سکتے تھے جنہیں ۱۰۹ ووٹوں کی ضرورت تھی اگر صدر نے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی کہ وزیر اعظم اسمبلی کے ممبران کا اعتماد کھو چکے ہیں تو ملک کو انتخاب کے عذاب میں مبتلا کرنے کی بجائے وہ وزیر اعظم کو دوبارہ اعتماد کے ووٹ کے لیے کہتے۔ انہوں نے کہا کہ انتخابات بعض اوقات بڑے نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ بار بار صدر کے اقدام کو ایک انتہائی قدم اس لیے قرار دے رہے ہیں کہ ان کے ذہن میں بار بار سوال ابھرتا ہے کہ انتخابات کے بعد اس سے بھی بری حکومت آ گئی تو پھر کیا ہوگا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ یہ تو محض مفروضہ ہے جس پر وہ بعد میں بحث کریں گے۔ یہاں اس وقت یہ سوال زیر بحث ہے کہ صدر ایک مرتبہ رائے قائم کرے کہ حکومت آئین کے مطابق نہیں چل رہی تو پھر ان کے صوابدیدی اختیارات شروع ہو جاتے ہیں اور وہ انہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ یہاں ایسی صورت پیدا ہو چکی تھی جہاں سابقہ وزیر اعظم تقریباً یہ کہہ چکے تھے کہ انہیں صدر کی صورت پسند نہیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ عوام نواز شریف کو دوبارہ منتخب کر لیں تو پھر کیا صورت ہوگی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ عوام کا فیصلہ حتمی ہوگا۔ ایسی صورت میں فیصلہ صدر کو کرنا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ عوام کی حاکمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور ہر ایک کو عوام کی مرضی کے سامنے سر جھکانا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے بہتر طریقہ کیا ہو سکتا ہے کہ انتخاب کے ذریعے عوام سے پوچھا جائے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ جسٹس محمد افضل لون نے کہا کہ صدر اور وزیر اعظم کے علاوہ تیسری پارٹی عوام ہیں ہمیں دیکھنا ہے کہ عوام کو بار بار انتخاب کی مصیبت میں مبتلا کرنا آ گئی ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ انتخابات مصیبت نہیں عوام کا حق ہے اور جمہوریت کا بنیادی تصور بھی ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آج تک انتخابات نے مسئلہ حل نہیں کیا عوام کو بار بار موقع دیا گیا کہ وہ اپنی پہلی غلطیوں کا ازالہ کر لیں اس کے باوجود دو اسمبلیوں کو گھر جانا پڑا۔ انتخابات کے لیے آئین میں پانچ سال کی مدت مقرر ہے کیا اس آئینی شق کا کوئی تقدس نہیں ہے۔ جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ صدر کے مطابق نواز شریف نے آئین کو پامال کیا اس کے بعد صدر کے لیے ضروری نہیں ہو جاتا کہ وہ ہر صورت میں ایسے شخص کو اقتدار سے ہر قیمت پر باہر رکھیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ہمیں نواز شریف کی ۱۷ اپریل کی تقریر کا جائزہ لینا چاہیے جنہوں نے تین دن کے اندر صدر کے بارے میں اپنی سوچ تبدیل کر لی۔ جسٹس افضل لون نے کہا کہ ۱۷ اپریل کے بعد جو بھی تقاریر نواز شریف نے کیں وہ سیاسی تقاریر ہیں۔ سیاستدان عام طور پر مبالغے سے کام لیتے ہیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ عام قانون بھی نواز شریف کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ صدر کے خلاف ایسی زبان استعمال کریں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں صدر کو سازشی، بلیک میلر اور ہارس ٹریڈر قرار دیا۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے

Scanned with CamScanner

کہا کہ وزیراعظم نے ہارس ٹریڈنگ کا ذکر کیا ہے صدر کو ہارس ٹریڈر نہیں کہا، اٹارنی جنرل نے کہا کہ عوام میں عام تاثر ہے کہ یہ الفاظ صدر کے لیے تھے جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ عوام کا تاثر اپنی جگہ ہمیں دیکھنا ہے کہ انہوں نے کیا الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ایک موقع پر جب اٹارنی جنرل نے ۱۷ اپریل کی تقریر کو انگریزی اخبارات سے پڑھنے کی کوشش کی تو چیف جسٹس نے اسے پڑھنے سے منع کر دیا اور کہا کہ انہیں کیا علم ترجمہ کرنے والا شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار ہو۔ انہوں نے کہا کہ اگر حقائق اس کے برعکس ہوں تو پھر تمام دلائل بے سود ہوں گے۔ جسٹس شفیع الرحمن نے اٹارنی جنرل سے کہا کہ آپ نے بعض بیانات کے حوالے دیئے ہیں۔ ان دنوں تو ایسی خبریں بھی آ رہی تھیں کہ صدر ممبران کو استعفے دینے پر آمادہ کر رہے ہیں۔ چیف جسٹس نے ڈپٹی اٹارنی جنرل اعجاز احمد خان سے کہا کہ ان کو وزیراعظم کی تقریر کا پورا انگریزی ترجمہ درکار نہیں ہے۔ آپ صرف متعلقہ پیراگراف کا انگریزی ترجمہ دینا چاہیں دے دیں۔ اعجاز احمد نے کہا کہ صدارتی فرمان چونکہ انگریزی میں ہے اس لیے وزیراعظم کی تقریر کا انگریزی ترجمہ ہم دینا چاہتے ہیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ وزیراعظم کی ساری تقریر پوری قوم نے سن رکھی ہے۔ اب آپ دوبارہ ہم سب کو وزیراعظم کی انگریزی تقریر سنانا چاہتے ہیں جبکہ ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ ہم خود کو صدر کے ذہن کا متبادل نہیں سمجھتے۔ وزیراعظم کی تقریر کے صرف متعلقہ حصے انگریزی میں بتائیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ ہم اپنا فیصلہ جتنی جلدی ممکن ہو سنانا چاہتے ہیں ہم غیر ضروری تاخیر کو پسند نہیں کرتے، ہم وزیراعظم کی تقریر کا اس لیے انگریزی ترجمہ سارا نہیں سنیں گے۔ آپ سنانا چاہتے ہیں تو آپ ہمیں عدالت کے وقت کے بعد ہمارے چیمبر میں آ کر سنا دیں۔ ہم نے وزیراعظم کی تقریر اردو میں سنی ہم تھوڑی بہت تو اردو سمجھتے ہیں۔ ہم مقدمے کی سماعت دونوں فریقوں کو جلد از جلد سن کر مکمل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ چیف الیکشن کمشنر صاحب بھی الیکشن شیڈول کا اعلان کرنے کے لیے منتظر ہیں۔ پوری قوم کو سپریم کورٹ کے فیصلے کا انتظار ہے۔ ہم بلا تاخیر فیصلہ سنا دیں گے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ نواز شریف کی تقریر کے اردو ترجمے میں چار نکات اجاگر ہوتے ہیں۔ صدر ریموٹ کنٹرول اسمبلی اور ڈمی وزیراعظم چاہتے ہیں وہ دفتر جسے آئین کا محافظ ہونا چاہئے۔ اس دفتر کو ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے، دوسرا نکتہ یہ ہے وہ جگہ جسے پاکستان کی یکجہتی کی علامت ہونا چاہئے۔ اس کو وہ لوگ ادارے تباہ کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ہم نے بزرگوں کا احترام کرنا سیکھا ہے۔

بدقسمتی سے میری اس اچھی عادت کو میری کمزوری سمجھا گیا اگرچہ میں منتخب وزیراعظم ہوں یہ لوگ مجھے سودے بازی پر مجبور کر رہے ہیں۔ ملک نے اپنی تاریخ کی بدترین ہارس ٹریڈنگ دیکھی ہے یہ ہارس ٹریڈنگ مجھے حکومت سے نکال پھینکنے کے لیے تیار کی جا رہی ہے۔ مجھے اس محترم جگہ کے دفتر میں کہا گیا کہ میں سردار آصف احمد علی کے خلاف کارروائی نہ کروں لیکن میں نے کہا کہ میں نے سردار آصف علی کی گرفتاری کا خود حکم دیا ہے۔ انہوں نے میرے بھائی شہباز شریف کو بھی وزارت عظمیٰ کی رشوت پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اس ملک کے عوام کے سامنے اپنا کیس فیصلے کے لیے پیش کیا ہے۔ ایک صوبے کے گورنر بھی عوامی مینڈیٹ رکھنے والی آئینی حکومت کے خلاف سازشوں میں شریک ہو گئے ہیں۔ وہ ایوان صدر کی لابیوں میں بیٹھ گئے ہیں۔ سیاسی یتیموں اور ایوان صدر میں ان کے سرپرستوں کی طرف سے پیدا کی گئی بے یقینی نے ساری معیشت کو ایسے شکنجے میں لے لیا ہے جس سے ملکی معیشت کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ نواز شریف کی تقریر کو آپ بار بار پڑھ رہے ہیں۔ ہم پہلے ہی سن چکے ہیں۔ اتنی لمبی تقریر ہم بار بار کیوں سنتے رہیں لوگ بھی اسے پورا سن چکے ہیں۔

جسٹس اجمل میاں...... آپ انگریزی ترجمے کے ساتھ تقریر کا اصل اردو حصہ بھی پڑھیں تاکہ اصل الفاظ معلوم ہو جائیں۔

چیف جسٹس...... اعجاز صاحب اردو تقریر آپ پڑھ دیں شاید یہ اٹارنی جنرل اردو پڑھ نہیں سکتے ایوان صدر میں ان کے ......

عزیز اے منشی...... پھر یہ کیوں ہوا کہ گندی سیاست کرنے والوں نے مقدس مقام کو استعمال کیا ان میں ایسے افراد شامل ہیں جو دشمن کے ٹینکوں

Scanned with CamScanner

میں بیٹھ کر پاکستان میں داخل ہونے کی باتیں کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آئین کے محافظ پر براہ راست حملہ ہے۔

چیف جسٹس...... یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ ''اگر صدر مملکت سیاست سے بالاتر رہے۔ وہ پاور کا سرچشمہ ہے۔ تمام سفیر اس کے سامنے جا کر اسناد سفارت پیش کریں اگر یہی شخص سیاسی میدان میں آ جائے تو متاثرہ فریق اس کے بارے میں ردعمل کر سکتا ہے۔ یہ ردعمل اخلاق کے دائرے میں ضرور رہنا چاہئے۔ وزیراعظم اگر سمجھے کہ اس کی پوزیشن کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ کیا اس کو تصویر کا دوسرا رخ دکھانے کا استحقاق نہیں ہے۔

اٹارنی جنرل...... قومی اسمبلی میں اگر تقریر ہوتی تو وہاں یہ سب کچھ کہا جا سکتا تھا جبکہ صدر نے ایک لفظ تک نہیں کہا۔ ریڈیو، ٹی وی پر ایسے الفاظ کہنے مناسب نہیں ہیں۔ وزیراعظم، وزیراعظم تھا اسے یہ الفاظ کہنے کا حق تھا۔ وہ قومی اسمبلی کے اندر یہ سب کچھ کہہ سکتے تھے مگر وزیراعظم براہ راست عوام کے پاس قومی میڈیا کے ذریعے چلے گئے جو سب سے زیادہ قابل اعتراض ہے۔

چیف جسٹس...... کیا یہ قابل اعتراض ہے یا آئین توڑنے کے مترادف ہے۔

اٹارنی جنرل...... یہ آئین توڑنے کی کوشش ہے۔

مسٹر جسٹس اجمل میاں...... آپ نے کہا کہ صدر اور وزیراعظم کا ۱۴ اپریل کو معاہدہ، سمجھوتہ ہو گیا کہ وزیراعظم غلطیوں ناکامیوں کا موازنہ کریں گے۔ اس کے باوجود ۱۴ سے ۱۷ اپریل تک ایوان صدر سے آنے والوں کی طرف سے اعلان ہوتا رہا کہ صدر نے وزیراعظم کو معاف نہیں کیا۔ نواز شریف کے دن گنے جا چکے ہیں۔ قومی اسمبلی صدر توڑ کر ہی رہیں گے۔ ۱۴ اپریل کے مبینہ معاہدے کے باوجود ایک فریق کی طرف سے موجودہ بیانات آتے رہے۔

اٹارنی جنرل...... صدر مملکت نے تو ان میں سے ایک بھی لفظ نہیں کہا ۱۵ اپریل کو صدر کو رپورٹ دی گئی کہ ہر چیز ٹھیک ٹھاک ہے۔ ۱۶ اور ۱۷ اپریل کو کیا ہوا۔

چیف جسٹس...... کون سے جنٹلمین نے دو دنوں میں اہم کردار کیا۔

اٹارنی جنرل...... ۱۵ سے ۱۷ اپریل تک وزیراعظم صدر کو دن رات مل سکتے تھے۔ صدر نے کبھی وزیراعظم سے ملاقات سے انکار نہیں کیا۔ وزیراعظم صدر سے مل کر دو دنوں میں مطمئن کر سکتے تھے۔ وزیراعظم جس شخصیت سے رہنمائی چاہتے تھے۔ وزیراعظم اچانک ان کے خلاف ہو گئے۔ کوئی عقلمند شخص ایسا نہیں کر سکتا۔ وزیراعظم عقل و شعور کے مالک ہیں۔ ۱۴ اپریل کو معاہدے کے بعد وزیراعظم نے ۱۷ اپریل کو کیوں تقریر کی در حقیقت صدر نے ۲۲ اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کے نوٹس پر دستخط کر دیئے تھے۔ ۱۵ سے ۱۷ اپریل تک کے ۴۸ گھنٹے بے حد حساس نازک اور اہم تھے۔ سربراہ مملکت ملک کو درپیش مسائل پر غور و خوض میں مصروف رہا جن کی طرف اس نے وزیراعظم کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ غلام اسحٰق خان بڑے سیدھے سادے آدمی ہیں۔ وہ نظم و ضبط سے کام کرتے ہیں۔ وہ پاکستان کی فلاح و بہبود کے لیے زیادہ سے زیادہ اطلاعات حاصل کرتے ہیں تاکہ وہ آئین کے محافظ اور پاکستان کے صدر کے فرائض بطریق احسن سرانجام دیں۔ نواز شریف کی پوری حکومت کے دوران وہ مشورے رہنمائی دیتے رہے۔ ایسا شخص جس نے گمبھیر مسائل کی طرف توجہ مبذول کرائی کیا وہ اڑتالیس گھنٹوں میں سازشوں میں مصروف رہے۔ صدر نے وزیراعظم کی ملاقات میں بے حد عزت کی صدر وزیراعظم کو اپنی اطلاعات سے آگاہ کرتے رہے۔

جسٹس سجاد علی...... کس تاریخ کو صدر نے ۲۲ اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کے کاغذ پر دستخط کیے تھے۔

اٹارنی جنرل...... یہ تاریخ مجھے معلوم نہیں ہے۔ البتہ ۲۲ اپریل کو اجلاس طلب کرنے کے فرمان پر انہوں نے دستخط کر دیئے تھے۔ وہ ۲۲ اپریل کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتے تھے جبکہ ۱۸ اپریل کی شام پانچ بجے قومی اسمبلی کا اجلاس ریکوزیشن کیا گیا۔ صدر کو

ریکوزیشن کا قطعاً علم نہیں تھا۔

جسٹس سعد سعود جان......ریڈیو، ٹی وی پر پانچ بجے سے خبریں آنا شروع ہو گئیں کہ ۱۹ اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس ریکوزیشن کر لیا گیا ہے۔

اٹارنی جنرل......ریڈیو، ٹی وی نہیں سنتے نہ کسی نے اس کی اطلاع دی۔

جسٹس اجمل میاں......آپ کے مطابق ۱۷ اپریل کی تقریر صدارتی فرمان کی اہم ترین بنیاد ہے۔ دوسرے اسباب تحریری بیان میں ہیں۔

اٹارنی جنرل...... ۱۴ اپریل کو صدر اور وزیر اعظم کے مابین جو صلاح مشورہ ہوا اس کا انکشاف قوم کے مفاد میں نہیں ہے۔ پاکستان کے مفاد کے ہم سب نگہبان ہیں۔ کل میں آپ فاضل ججوں کو بند کمرے میں یہ باتیں بتانے کی ہدایت لوں گا کیونکہ قومی مفاد سب سے زیادہ عزیز ہے۔ وزیر اعظم کی تقریر میں کہا گیا کہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ میں قومی بحران کو تحلیل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں لیکن اسے مزید گہرا کرنے والے ہر اقدام کا رشتہ اسی مقام سے مربوط نظر آتا ہے جہاں دستور کی پاسداری ہونی چاہیے تھی۔ یوں لگتا ہے کہ وہ قومی وزیر اعظم اور ریموٹ کنٹرول اسمبلی چاہتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس طرح کس قومی مفاد کی تکمیل ہوگی۔ حکمران جماعت کے ٹکڑے ہوئے تو قومی اسمبلی میں دھڑے ہو جائیں گے اور کوئی گروپ اطمینان سے حکومت نہیں کر سکے گا۔ اس سے وہاں ہارس ٹریڈنگ کی راہیں کھل جائیں گی" مگر افسوس جس قسم کی سیاست سے مجھے واسطہ پڑا اس میں نجاست کم گندگی زیادہ ہے۔ آج یہ بھی بتا دوں میرا واسطہ کس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے...... میں نے اپنے گھر سے بزرگوں کا ادب کرنا سیکھا ہے (سوال ہے کہ وہ کس بزرگ کا حوالہ دے رہے ہیں)

جسٹس شفیع الرحمن......نواز شریف نے حقیقت بیانی سے کام لیا ہے۔ پاکستان کا ہر بچہ بزرگوں کا ادب کرنا سیکھتا ہے بچپن میں ہم سب کو بزرگوں کا ادب کرنا سکھایا جاتا ہے۔

اٹارنی جنرل......وزیر اعظم نے جو کچھ اپنی تقریر میں کہا ہے اس سے مراد صدر مملکت ہے۔

چیف جسٹس......نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ بزرگوں کا ادب کرنا انہوں نے لاہور میں سیکھا۔

اٹارنی جنرل......اسلام آباد میں بھی میں بزرگوں کا احترام کرتا رہا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کسی کا ماتحت یا محتاج ہوں یا کسی سے خائف ہوں مجھے دھمکیاں دی گئیں کہ خاندانی کاروبار بچانے کے لیے اصولوں سے دستبردار ہو کر سمجھوتہ کر لوں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ سمجھوتہ نہ کرنے کی پاداش میں میری کردار کشی کا اہتمام بھی ہوگا۔

میرے کرم فرماؤں کو کسی فرد کی کردار کشی کے لیے عیب جوئی کا ہنر خوب آتا ہے۔

چیف جسٹس......سیاسی یتیم وہی ہیں جن کے نام اخبارات میں آئے اس سے مراد گورنر نہیں۔

اٹارنی جنرل......اس سے مراد گورنر ہے۔

چیف جسٹس......آپ غلط ہیں۔

جسٹس شفیع الرحمن......یہ نیوز آئٹم ہے کہ گورنر سندھ ایوان صدر میں ہیں، سیاسی یتیموں سے مراد دوسرے ہیں۔

اٹارنی جنرل......نواز شریف نے کہا کہ جہاں سے استحکام پاکستان کے لیے اتحاد و یکجہتی کے لیے مجھے مشورے ملنے چاہئے تھے، میں کہتا ہوں کہ یہ اشارہ ایوان صدر کی طرف ہے۔ ایوان صدر میں بیٹھنے والے صدر مملکت کی طرف ہے۔ وہاں مجھے کہا گیا کہ پاکستان کو دہشت گرد قرار دینے والے آصف علی کو تکلیف نہ دو جس پر میں ڈٹ گیا اور کہا کہ اس شخص نے میرے وطن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اس کی گرفتاری کا میں نے حکم دیا ہے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس شفیع الرحمٰن......ملک کو نقصان پہنچانے والا شخص تو سردار آصف علی ہوگا۔ نواز شریف کا یہی مقصد تھا، ان کی مراد صدر نہیں تھا۔

اٹارنی جنرل......صدر مملکت کا سربراہ ہے۔ وہ آرٹیکل ۱۴ کے تحت ہر پاکستانی باشندے کی عزت و آبرو کا نگہبان ہے۔ وزیر اعظم کیسے کہہ سکتا ہے کہ صدر صاحب اپنے سابقہ وزیر کی گرفتاری کا حکم میں نے دیا ہے۔ نواز شریف کا اشارہ صدر کی طرف ہے۔ اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ تقریر صدر کے خلاف نہیں تھی۔

چیف جسٹس......فرض کرلیں اگر تقریر کا بوجھ صدر پر ہے۔ نواز شریف نے کہا کہ صدر میرے مخالفین کا ساتھ دے کر میری برطرفی کا خواہاں ہے کیا وزیر اعظم کی طرف سے ٹی وی ریڈیو پر عائد کیے گئے یہ تمام الزامات آئین توڑنے کے زمرے میں آسکتے ہیں۔

اٹارنی جنرل......نواز شریف کی تقریر پر اگلے دن ایک اخبار نے لکھا کہ دونوں شخصیات کے درمیان اعلان جنگ ہوگیا۔

چیف جسٹس......اخلاق کی کمی تو آپ کہہ سکتے ہیں۔ قانونی میدان میں ان ریمارکس کے حوالے سے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے آئینی مشینری کا بریک ڈاؤن ہوگیا ہے۔ یہ ریفرنس اتنی سنگین نوعیت کا نہیں تھا کہ جس سے ملک کی آئینی مشینری ٹوٹ جاتی اس سے صدر تنہا نہیں ہوئے تھے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس سے صدر یہ نتیجہ اخذ کرسکتے تھے کہ وفاق کی حکومت آئین کے مطابق نہیں چل سکتی۔ اگر آپ وزیر اعظم کو باہر نکالنا چاہتے تھے۔ پوری اسمبلی کو باہر نکالنا چاہتے تھے۔ ہم نے رولنگ دے رکھی ہے کہ صدر کا تعین با مقصد ہونا چاہئے۔ دوسرے فریق نے کہا کہ وزیر اعظم تو یہاں تک کہتے رہے کہ آپ صدارتی امیدوار ہیں۔ آپ بزرگ ہیں۔ ہم آٹھویں ترمیم کو نہیں بدلیں گے۔ ۱۴ اپریل کی ملاقات کے اگلے روز ہی صدر سے مل کر آنے والے یہ کہتے رہے کہ حالات جوں کے توں ہیں۔ صدر نے نواز شریف کو معاف نہیں کیا۔ نواز شریف نے تو ہر طرف سے مایوس ہو کر تقریر کی۔

اٹارنی جنرل......اس تقریر کی وجہ سے تعطل پیدا ہوگیا۔ ایڈوائس اور مشورے کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ نواز شریف کی تقریر کا قانونی ہی نہیں عملی لحاظ سے بھی تجزیہ کرنا ہوگا۔ آئین کو مختلف پہلوؤں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ آرٹیکل ۴۶ دوسرے دساتیر سے مختلف ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ وزیر اعظم کا فرض ہوگا کہ وہ کابینہ کے تمام فیصلے صدر کو بتائے جو فیڈریشن کے انتظام و انصرام اور معاملات کے متعلق ہوں۔ صدر خود بھی ایسے معاملے کے بارے میں پوچھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ وزیر اعظم صدر کو قانون سازی کی تجویز سے بھی آگاہ کرے گا۔

جسٹس سجاد علی......عدالت اس بحث میں نہیں جاتی کہ تعطل کا ذمہ دار کون ہے۔

اٹارنی جنرل......حالات ''پوائنٹ آف نو ریٹرن'' پر پہنچ گئے تھے۔ اگر نواز شریف تقریر میں مذکورہ الفاظ استعمال نہ کرتے تو صورتحال خراب نہ ہوتی اس طرح کے تعطل کی صورت میں آرٹیکل ۵۸ (۲) بی میں حل دیا گیا ہے جو قومی اسمبلی توڑنے کا ہے۔ دوسری طرف وزیر اعظم پارلیمنٹ میں جا کر صدر کا مواخذہ کرا سکتا تھا۔ میرے خیال میں وزیر اعظم کی تقریر آئین و قانون کی حدود پھلانگ گئی تھی۔ اس سے پاکستان کے مفاد کو نقصان پہنچا ہے۔

جسٹس سجاد علی...... آرٹیکل ۹۹ میں کہا گیا ہے کہ فیڈریشن کے تمام اقدام صدر کے نام پر ہوں گے۔ کیا ساری سمریاں صدر کو دستخط کے لیے پیش کی جاسکتی ہیں۔

اٹارنی جنرل......وزارتوں اور وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں شروع ہونے والی ہر سمری صدارتی مہر اور دستخط کے ساتھ مکمل ہوتی ہے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن......آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہر سمری صدر مملکت کو بھیجنا لازمی ہوتی ہے اور ہر سمری پر بالآخر صدر کے دستخط اور مہر لگتی ہیں۔ رولز آف بزنس یہ ہے کہ کچھ کام جوائنٹ سیکرٹری کچھ وزراء اور کچھ کام وزیر اعظم کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

جسٹس سجاد علی...... آرٹیکل ۴۸ (۱) ۹۹،۹۰ کو ملا کر پڑھ لیں تو آپ کا ابہام ختم ہو جائے گا۔ وزیر اعظم کا فرض صرف یہ ہے کہ وہ صرف صدر کو فیصلوں کی اطلاع دے گا۔ وہ صدر سے رہنمائی حاصل کرنے کا پابند نہیں ہے۔ جب وزیر اعظم نے کابینہ کے صرف فیصلوں کی اطلاع دینا ہوتی ہے تو پھر آئینی تعطل ملک میں کیسے پیدا ہو گیا تھا۔ یہ آپ واضح نہیں کر سکے۔ صدر تجربہ کار بزرگ شخصیت ہیں۔ اس ناطے سے وزیر اعظم ان سے کچھ بھی مشورہ کر سکتے ہیں۔

چیف جسٹس...... انتظامی شعبے میں بیشتر کام ۴۸ (۱) کے تحت صدر وزیر اعظم کے مشورے سے کرے گا۔ بعض کام صدر وزیر اعظم کے مشورے کے ساتھ کرنے کا پابند ہے۔ وہ تنہا نہیں کر سکتا۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ صدر بزرگ اور تجربہ کار ہیں اور اس حیثیت میں ان کی ایڈوائس مفید ہے۔ جب ہم قانونی پہلو پر آتے ہیں۔ جب آپ کہتے ہیں کہ آئینی تعطل پیدا ہو گیا تھا۔ آئینی مشینری نہیں چل سکتی تھی ہم تو ایسے آئینی تعطل بحران کی کوئی وجہ بنیاد محسوس نہیں کرتے۔

اٹارنی جنرل...... بعض امور میں صدر وزیر اعظم کے مشورے کا پابند ہے۔ بعض میں نہیں ہے۔ گورنر صدر خود مقرر نہیں کر سکتا۔ وہ وزیر اعظم کے مشورے سے اسے مقرر کرتا ہے۔

چیف جسٹس...... قومی اسمبلی توڑے جانے کے بعد ایک دوسرے سے بول چال نہ رکھنے والے دوست بن چکے ہیں۔ ایک دوسرے سے نہ بولنے والے چند گھنٹوں میں ایک دوسرے سے گلے ملنے لگ جاتے ہیں۔ اصغر خان جن لوگوں کو کوہالہ کے پل پر پھانسی دینے کے نعرے لگاتے تھے۔ آج اسی پی پی پی کے ساتھ گلے ملے ہوئے ہیں۔

اٹارنی جنرل...... اصغر خان عجیب قسم کے آدمی ہیں۔ وہ کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں مگر وہ ان کا احترام کرتے ہیں۔

چیف جسٹس...... میں نے ان کا نام اس لیے لیا کہ آپ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ صدر وزیر اعظم ایک دوسرے سے بول چال نہیں کر رہے تھے۔ اس لیے آئینی مشینری بریک ڈاؤن ہونے والی تھی۔ میں کہتا ہوں کہ

جسٹس اجمل میاں...... خالد انور نے تقریر کا وہ حصہ پڑھا جس میں نواز شریف نے کہا کہ تمام الزامات کے باوجود وہ صدر غلام اسحٰق خان کا احترام کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ کام کرنے میں ہرج نہیں سمجھتے۔

چیف جسٹس...... مجھے امید ہے کہ صدر مملکت اتنے عظیم ہوں گے کہ وہ غلطی کرنے والے نوجوان کو معاف کر دیں گے۔

اٹارنی جنرل...... اگر آپ نہ روکتے تو نواز شریف صدر کے خلاف بیانات کا سلسلہ جاری رکھتے۔

چیف جسٹس...... نواز شریف تو صرف یہ کہتے رہے ''صدر صاحب گھر جائیں، صدر صاحب گھر جائیں۔''

اٹارنی جنرل...... نواز شریف کی تقریر کے آئینی پہلو ہیں۔ یہ سیدھا سادہ بیان نہیں تھا۔ جونیجو نے اپیل نہیں کی، اس نے خود کہا کہ میں عوام کی عدالت سے فیصلہ لے کر دوبارہ منتخب ہو کر آؤں گا۔ بے نظیر بھٹو دس بارہ دن تک مشتعل ہونے کے بعد خاموش ہو گئیں مگر نواز شریف نے برطرفی کے بعد کہا کہ وہ صدر کو پھانسی لگا دیں گے۔

چیف جسٹس...... آپ اپنے موکل سے پوچھ کر بتائیں کہ کیا وہ صدر مملکت کے ساتھ اچھے تعلقات رکھ کر کام کرنے کو تیار ہیں؟ کیا نواز شریف آئین کے دائرے کے اندر رہ کر صدر مملکت کے ساتھ تعاون کریں گے تاکہ ملکی حکومت آئینی طور پر چلتی رہے۔

خالد انور...... میں نواز شریف سے بات کر کے اس کا جواب پیش کروں گا۔ ہر روز ریڈیو ٹیلی ویژن پر میاں نواز شریف کی کردار کشی کی جا رہی ہے۔ میاں نواز شریف نے صدر صاحب کے خلاف کہنا بالکل بند کر دیا ہے کیونکہ سپریم کورٹ نے کیس کے دوران ایسا کرنے کو کہا تھا۔ میری

Scanned with CamScanner

درخواست یہ ہے کہ حکومت بھی اس پر عمل کرے اور تحمل و بردباری دکھائے جب تک مقدمہ چل رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

17 مئی 1993ء

اٹارنی جنرل آف پاکستان عزیز اے منشی نے کہا کہ نجکاری کا سارا عمل غیر آئینی تھا صوبوں کے حقوق کو نظر انداز کیا گیا۔ پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کو غیر ملکی سرمایہ کاروں کے ہاتھ فروخت کرنے کے قانون کا ڈرافٹ واشنگٹن میں تیار کر کے نہ صرف وزارت قانون بلکہ آئین کو بھی بائی پاس کیا گیا اس ادارے کو غیر ملکی ہاتھ میں دینے کی شرائط ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ دہرانے کے مترادف ہیں جسے اس خطے سے نکالنے میں دو سو سال لگ گئے تھے یہ سمجھوتہ ملک کی سالمیت اور پاکستان کے مفاد کے خلاف تھا صدر نے اسمبلی توڑ کر پاکستان کو بچایا ہے۔ اٹارنی جنرل نے پیر کو بھی اپنے دلائل جاری رکھے۔ فاضل عدالت نے ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ آئین کی شقوں کی خلاف ورزی یا ان پر عمل نہ کرنے سے قومی اسمبلی توڑنے کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔ فاضل چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے ریمارکس دیتے ہوئے ایک موقع پر کہا کہ انتخابات کوئی امرت دھارا نہیں ہے جس سے تمام قومی مسائل حل کر لیے جائیں ہمیں مسائل کا حل آئین کی دیگر شقوں میں تلاش کرنا چاہئے۔ سپریم کورٹ نے قومی اسمبلی توڑنے کے صدارتی اقدام کے خلاف پیر کے روز بھی سابق وزیر اعظم نواز شریف کی آئینی درخواست کی سماعت جاری رکھی۔ فل کورٹ چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ، مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن، مسٹر جسٹس سعد سعود جان، مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری، مسٹر جسٹس اجمل میاں، مسٹر جسٹس محمد افضل لون، مسٹر جسٹس سجاد علی شاہ، مسٹر جسٹس محمد رفیق تارڑ، مسٹر جسٹس سلیم اختر، مسٹر جسٹس سعید الزمان صدیقی اور مسٹر جسٹس فضل الٰہی خان پر مشتمل ہے حکومت کی طرف سے عزیز اے منشی اٹارنی جنرل، چوہدری اعجاز احمد، ممتاز علی مرزا، فقیر محمد کھوکھر، ڈپٹی اٹارنی جنرل، ملک مقبول الٰہی ملک ایڈووکیٹ جنرل اور بیرسٹر ظہور الحق سینئر ایڈووکیٹ پیش ہوئے ہیں جبکہ چوہدری فضل حسین ایڈووکیٹ آن ریکارڈ ہیں۔ نگران وزیر اعظم کی طرف سے ایس ایم ظفر پیش ہوئے ہیں جبکہ درخواست گزار سابق وزیر اعظم نواز شریف کی طرف سے سینئر ایڈووکیٹ خالد انور، سینئر ایڈووکیٹ شیخ اکرم، سینئر ایڈووکیٹ ذکی الدین پال، میاں ثاقب نثار، آفتاب فرخ اور اشتر اوصاف علی پیش ہو رہے ہیں۔ اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے اپنے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ نجکاری کا عمل مشترکہ مفادات کونسل جو آئینی تقاضا تھا کو بائی پاس کرتے ہوئے جاری رکھا گیا، مسٹر جسٹس سجاد علی شاہ نے استفسار کیا کہ نجکاری کمیشن قانون کے مطابق قائم کیا گیا تھا؟ جس پر اٹارنی جنرل نے کہا کہ نجکاری کمیشن ایک انتظامی حکم کے تحت قائم کیا گیا تھا اس ضمن میں کوئی قانون نہیں بنایا گیا۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے استفسار کیا کہ آئین کے آرٹیکل 154 کی شق 4 اور 5 کے مطابق مشترکہ مفادات کونسل کے فیصلے سے متاثرہ پارٹی پارلیمنٹ سے رجوع کر سکتی تھی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ پارلیمنٹ سے صوبے اس وقت رجوع کرتے جب مشترکہ مفادات کی کونسل کوئی فیصلہ کرتی موجودہ معاملات میں مشترکہ مفادات کی کونسل کے ایجنڈے پر نجکاری کا معاملہ کبھی زیر بحث ہی نہیں آیا۔ کوئی فیصلہ کرنا تو بعد کی بات ہے۔ وزیر اعظم مشترکہ مفادات کونسل کے چیئرمین ہوتے ہیں صنعتی یونٹ کارپوریشن اور وفاق کی ملکیت پراپرٹی مشترکہ مفادات کونسل کی اجازت کے بغیر ہی فروخت کر دی گئی، واپڈا، ریلوے، پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن وفاق کے ایسے ادارے ہیں جو صوبوں کی رضامندی کے بغیر فروخت نہیں کیے جا سکتے، تین صوبوں نے صدر اور وزیر اعظم کے نام اپنے خطوط میں شدید احتجاج کیا کہ یہ آئین کی خلاف ورزی ہے اور صوبوں کی حق تلفی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ یونٹ فروخت کر دیے گئے اور کچھ فروخت کے عمل سے گزر

Scanned with CamScanner

رہے ہیں۔ پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کو فروخت کرنے کے لیے قانون عجلت میں بنایا گیا وزارت قانون کو بائی پاس کر کے غیر ملکی خریداروں کی ایما، پر قانونی ڈرافٹ واشنگٹن میں تیار کیا گیا یہ انتہائی غیر معمولی اقدام تھا عدالت کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ مجوزہ قانون کی باقاعدہ کابینہ نے منظوری بھی دے دی تھی۔

مجوزہ ڈرافٹ میں انتہائی قابل اعتراض شقیں شامل ہیں جو قومی مفاد اور حساس دفاعی نقطہ نگاہ کے برعکس تھیں متعلقہ حلقوں کے شدید احتجاج کے بعد دفاع کے علاقے اور حکومتی وزارتوں کو اس کے دائرہ کار سے نکالا گیا، اس کے باوجود فروخت کی شرائط مضحکہ خیز اور قابل تشویش تھیں جس سے پاکستان کی سالمیت کو بھی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ فروخت میں اس طرح کی رعایتیں دی گئی تھیں کہ ایک مرتبہ پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ دہرائی جا سکتی تھی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ مجوزہ ڈرافٹ کی کاپیاں عدالت کو دیئے گئے ریکارڈ میں شامل کر دی گئی ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ غیر ملکی خریداروں نے صرف 26 فیصد حصص خریدنے تھے مگر اسے بورڈ آف ڈائریکٹرز تشکیل دینے کا اختیار دے دیا گیا تھا گویا وہ 26 فیصد حصص خرید کر پورے یونٹ کے سیاہ و سفید کے مالک بن جاتے۔ عدالت کی کارروائی شروع ہوئی تو فاضل چیف جسٹس نے سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف کے وکیل خالد انور سے استفسار کیا کہ عدالت نے گزشتہ روز جو سوال کیا تھا وہ اپنے مؤکل کا کیا جواب لائے ہیں۔ خالد انور نے کہا کہ سابق وزیر اعظم نواز شریف نے اپنے مؤقف کا اعادہ کیا ہے کہ وہ بحیثیت وزیر اعظم ہر صورت میں آئین کے دائرہ میں کام کریں گے وہ آئین کے مطابق آئینی و قانونی ذمہ داریاں پوری کریں گے۔ عزیز اے منشی نے نواز شریف کے حوالے سے ایک اخبار میں شائع ہونے والی خبر کا حوالہ دیا جس میں کہا گیا ہے کہ صدر کے تمام اقدامات غیر آئینی ہیں، جن سے قومی یکجہتی مجروح ہو رہی ہے۔ ڈپٹی اٹارنی جنرل نے کلر سیداں کے قریب ایک اجتماع میں سابق وزیر اعظم کی تقریر پڑھ کر سنائی عزیز اے منشی نے اس اخبار کی ایک نقل چیف جسٹس کو پیش کی اور کہا کہ میرے مؤکل نے کہا ہے کہ عدالت عظمیٰ کی توجہ اس بیان کی طرف مبذول کرائی جائے۔

چیف جسٹس...... مسٹر خالد انور کیا آپ کچھ کہنا چاہیں گے۔

خالد انور...... مائی لارڈ چیف جسٹس نے کہا کہ نواز شریف کو عوامی جلسوں میں جا کر یہ نہیں کہنا چاہئے کہ عوام کا فیصلہ ہوگا کیونکہ اصل فیصلہ تو عدالت نے کرنا ہے چیف جسٹس کا یہ پیغام میں نے نواز شریف تک پہنچا دیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے اس کے بارے میں کوئی بیان نہیں دیا۔ اب جو شکایات کی جا رہی ہیں اس کی نوعیت مختلف ہے اب شکایت یہ ہے کہ نواز شریف کو صدر اور نگران حکومت پر تنقید نہیں کرنی چاہئے اس کے بارے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ نگران حکومت کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ بھی کوئی ایسی بات نہ کہیں جو اس کیس سے تعلق رکھتی ہے اور خاص طور پر میاں زاہد سرفراز جو روزانہ ایک ایک گھنٹے کی سرکاری ٹیلی ویژن، ریڈیو پر تقریر کرتے ہیں جس میں نواز شریف کی کردار کشی کرتے ہیں اور وہی مسئلے جو عدالت کے سامنے زیر غور ہیں۔ مثال کے طور پر بجکاری پر تنقید کرتے ہیں یہ بھی غلط ہے اور اگر وہ چاہتے ہیں کہ نواز شریف کسی پر تنقید نہ کریں تو ان کو بھی خاموش رہنا چاہئے۔

چیف جسٹس...... اصل مسئلہ عدالت کے سامنے ہے وہ 18 اپریل کے واقعات تک محدود ہے اس کے بعد جو اخبارات میں نکل رہا ہے اس کی بناء پر فیصلہ نہیں ہوگا لیکن صدارتی فرمان کی آئینی حقیقت کا فیصلہ میرٹ پر دیا جائے گا۔

چیف جسٹس...... ایک دوسرے کے خلاف تنقید کئے جانے سے فضا خراب ہوتی ہے۔

خالد انور...... دونوں فریقین کو تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرنے کو کہا جائے۔

چیف جسٹس...... عدالت کا فرض نہیں ہے کہ وہ فریقین کے مابین کشیدگی ختم کرائے بلکہ ہمارا کام تو قانون کے مطابق فیصلہ دینا ہے ہمیں اس سے

Scanned with CamScanner

دلچسپی نہیں کہ 18 اپریل کے بعد کیا ہوا ہے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... رولز آف بزنس میں رول 15 (اے۔2) اس کی وضاحت کرتا ہے۔

نواز شریف کہہ چکے ہیں کہ صدر اسحاق پنجاب اسمبلی میں ہارس ٹریڈنگ کے ذمہ دار ہیں گذشتہ جمعہ کو انہوں نے کہا کہ صدر اسحاق نے پاکستان کے خلاف بدترین سازش کی ہے کراچی سے خیبر تک کے لوگوں نے صدر اسحاق کو نکالنے کا فیصلہ کرلیا ہے نواز شریف کی یہ تقریر گیارہ صفحات پر مشتمل ہے اس کے بعد ڈپٹی اٹارنی جنرل اعجاز احمد نے یہ گیارہ صفحات پڑھنا شروع کر دیئے۔

جسٹس سلیم اختر...... یہ تقریر کب کی ہے۔

اٹارنی جنرل...... یہ 8 مئی کی ہے 8 مئی کو صدر اسحاق خان نے کیا کہا تھا۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... کیا زاہد سرفراز نے نواز شریف کو بدنام اور رسوا کرنے کی باقاعدہ مہم شروع نہیں کی۔

اٹارنی جنرل...... نہیں ایسا نہیں ہے۔

جسٹس سجاد علی...... ہمارا کہنا ہے کہ نواز شریف کا بیان میاں زاہد سرفراز کے ذریعے شروع کی گئی کردار کشی مہم کا جواب ہے۔

اٹارنی جنرل...... آپ کے سامنے میاں زاہد سرفراز کی تقاریر نہیں بلکہ نواز شریف کی آئینی درخواست ہے نواز شریف نے 16 مئی کو تقریر کی ہے جس میں صدر کے خلاف بات کی گئی ہے۔ 17 اپریل کو جب نواز شریف وزیراعظم تھے اس وقت کے بعد سے اب تک وہ میاں نواز شریف ہیں 17 اپریل کے بعد آج تک نواز شریف کے دل میں صدر غلام اسحاق خان کے خلاف سخت نفرت ہے یہاں تک کہ اتوار کی تقریر میں اجتماع میں بالواسطہ صدر غلام اسحاق کو پھانسی دینے کا تین بار کہا اس طرح دو شخصیات کے مابین اس قدر اختلافات ہیں تو فیڈریشن کی حکومت آئینی شقوں کے مطابق نہیں چل سکتی۔ 18 اپریل کو جو تعطل پیدا ہوا اس کی مثال ہماری تاریخ میں موجود نہیں جب نواز شریف نے وزارت عظمٰی چھوڑی تو انہوں نے غلام اسحاق خان کے خلاف سخت بیان دیا وہی بیان وہ اب تک دے رہے ہیں نواز شریف 14 اپریل کے بعد صدر سے ملے نہ ٹیلی فون کیا بلکہ 17 اپریل کو وہ قوم کے سامنے چلے گئے، ریڈیو، ٹی وی پر صدر کے خلاف اپنا کیس عوام کے سامنے پیش کر دیا نواز شریف پاکستان کے عوام کے سامنے گئے آئین کہتا ہے کہ نواز شریف کو قومی اسمبلی جانا چاہئے تھا۔

جسٹس اجمل میاں...... نواز شریف نے قوم سے خطاب کیا تھا جس میں انہوں نے ہارس ٹریڈنگ کا ذکر کیا۔

اٹارنی جنرل...... نواز شریف نے صدر پر ہارس ٹریڈنگ فیڈریشن توڑنے اور بلیک میلنگ کے الزامات لگائے۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... 17 اپریل کو نواز شریف نے تقریر کی اس سے پہلے 22 اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کی سمری بھیجی گئی تھی۔

اٹارنی جنرل...... صدر نے 22 اپریل کو اجلاس بلانے کی سمری پر دستخط کر دیئے تھے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... آئین میں کہاں درج ہے کہ ان حالات میں وزیراعظم عوام کے سامنے نہیں جا سکتے وہ قومی اسمبلی میں ہی جا سکتے ہیں۔

اٹارنی جنرل...... وزیراعظم ٹی وی پر تقریر کرنے میں آزاد تھے لیکن وہ عوام کے سامنے صدر کے خلاف اپنی شکایات ان الفاظ میں پیش نہیں کر سکتے تھے۔

جسٹس سعد سعود جان...... نواز شریف عوام کے سامنے جا سکتے ہیں ان کا یہ حق ہے۔

اٹارنی جنرل...... وزیراعظم یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ صدر ہارس ٹریڈر، بلیک میلر ہے۔

جسٹس سعد سعود جان...... کیا صدر کا ذاتی کردار قومی اسمبلی میں زیر غور لایا جا سکتا ہے۔

Scanned with CamScanner

اٹارنی جنرل...... صدر کے خلاف شکایات اس انداز میں کی جائیں جس سے پارلیمانی آداب مجروح نہ ہوں سپیکر قومی اسمبلی میں غیر پارلیمانی الفاظ ہمیشہ حذف کراتے ہیں کیا صدر پاکستان کے کسی دوسرے شہری سے کم باوقار ہیں نواز شریف نے صدر کو ''ولن، مجرم'' قرار دیا ہے۔

جسٹس سلیم اختر...... 14 اپریل کا اخباری بیان تنازعے کا باعث بنا۔

چیف جسٹس...... جنرل مجید ملک اور الٰہی بخش سومرو نے صدر وزیر اعظم ملاقات کے بارے میں جو پریس ریلیز تیار کی اسے صدر نے جاری نہیں ہونے دیا اور اپنی پریس ریلیز جاری کر دی کیا یہ بات جھگڑے کی وجہ نہیں بنی۔ وزراء جو پریس ریلیز لے کر گئے اس میں ملاقات کے دوران زیر غور آنے والے تمام معاملات کا ذکر تھا۔

اس پر اٹارنی جنرل نے 14 اپریل کی صدارتی پریس ریلیز پڑھی۔

جسٹس عبدالقدیر...... کیا صدارتی پریس ریلیز وزیر اعظم کی رضامندی سے شائع ہوئی۔

اٹارنی جنرل...... صدارتی پریس ریلیز کے اجراء کا وزیر اعظم کو علم تھا۔

چیف جسٹس...... وزیر اعظم کو صرف یہ علم تھا کہ صدر نے پریس ریلیز جاری کی ہے۔

اٹارنی جنرل...... وزیر اعظم صدر کی تعریف کرتے رہے ہیں۔

جسٹس افضل لون...... 15 اپریل کو اخبارات نے لکھا کہ سیاسی بحران سنگین ہو گیا صدارتی بیان کا لہجہ بڑا سخت ہے۔

چیف جسٹس...... آپ نواز شریف کی طرف سے تیار کی گئی پریس ریلیز پڑھیں جو شائع نہیں ہوا۔

اٹارنی جنرل...... صدر اور وزیر اعظم کی پریس ریلیز میں یہ مشترکہ بات ہے کہ صدر اور وزیر اعظم ملکی مسائل طے کرنے پر رضامند ہوئے 17 اپریل کی تقریر میں وزیر اعظم نے کہا کہ سردار آصف احمد علی کو تکلیف نہ دینے کا مجھے کہا گیا ہے 14 اپریل کو میں نے صدر کو بتا دیا تھا کہ سردار آصف نے پاکستان پر دہشت گردی کا الزام لگا کر ملک کو نقصان پہنچایا ہے میں نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا ہے۔

چیف جسٹس...... سردار آصف کم اہمیت کے وزیر تھے وہ وزیر مملکت تھے ان سے طاقتور وزیر انور سیف اللہ بھی تھے جنہوں نے استعفیٰ دیا ہے صدر نے صرف آصف کا ذکر کیوں کیا۔

اٹارنی جنرل...... صدر نے وزیر اعظم سے کہا تھا کہ پاکستان کی تاریخ میں کبھی اتنے وزیر اکٹھے مستعفی نہیں ہوئے۔ صدر نے اس سلسلے میں سردار آصف کا نام لیا تھا اس سے زیادہ نہیں کہا تھا۔

جسٹس شفیع الرحمن...... اپنی فائل کے صفحہ 614 پر جائیں اس میں صدر کے سوال اور وزیر اعظم کے 14 اپریل کے جوابات آپ نے درج کئے ہیں۔

اٹارنی جنرل...... ''دی نیوز'' کے شمارے کے حوالے سے صدر نے وزیر اعظم سے کہا کہ آپ نزہت نواز کے الزامات کا جائزہ لینے کے لیے جوڈیشل کمیشن قائم کریں۔

جسٹس شفیع الرحمن...... وزیر اعظم کا کیا جواب تھا وہ بھی پڑھیں۔

چیف جسٹس...... یہ جواب صفحہ 617 پر ہے۔

اٹارنی جنرل...... 12 اپریل کو صدر کا نوٹ ملا وزیر اعظم نے سپریم کورٹ کے تین ججوں پر مشتمل کمیشن پہلے ہی قائم کر دیا تھا کمیشن سے کہا گیا تھا کہ اگر جنرل آصف نواز کی غیر فطری موت تھی تو کون لوگ اس کے ذمہ دار تھے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس شفیع الرحمن......نزہت نواز نے جن دو افراد پر شک ظاہر کیا تھا وہ کون تھے؟

اٹارنی جنرل......ایک وفاقی وزیر دوسرا ڈائریکٹر آئی بی تھا۔

چیف جسٹس......چوہدری نثار علی۔

جسٹس شفیع الرحمن......آپ آئینی طریقے سے خود پڑھیں آپ اپنے صفحہ 311 اور صفحہ 324 پر آئیں جس میں صدر نے وزیر اعظم سے کہا کہ وزراء فاٹا ایریا میں کام نہ کریں جب کہ آئین فاٹا میں وزراء کو کام کرنے کی اجازت دیتا ہے صدر نے وزراء کو فاٹا ایریا میں سیاسی کام کرنے سے کیوں روکا یہ سارا کچھ دستاویزات میں ہے جو 383 اور 407 صفحات پر ہیں مجھے 141 صفحہ کے متعلق بتائیں کہ کابینہ نے 21 بلوں کو منظور نہیں کیا مگر ان کو پارلیمنٹ میں پیش کر دیا گیا یہ بل کابینہ میں پیش ہی نہیں کیے گئے کیا صدر کی مداخلت آئینی تھی۔

اٹارنی جنرل......نزہت نواز نے 18 اپریل کو راولپنڈی میں پریس کانفرنس کی۔

شفیع الرحمن......موت کے کتنے عرصے بعد یہ پریس کانفرنس کی۔

اٹارنی جنرل......موت کے تین مہینے بعد یہ الزامات لگے۔

جسٹس سجاد علی شاہ......کمیشن کی رپورٹ آ گئی ہے۔

اٹارنی جنرل......جی ہاں یہ رپورٹ پیش کی جا چکی ہے۔

چیف جسٹس......یہ آصف نواز کی موت کی تحقیقات کرنے والے کمیشن کی رپورٹ ہمیں دی جا سکتی ہے۔

اٹارنی جنرل......جی ہاں ہم پیش کر دیں گے نزہت نواز نے کہا تھا کہ ان کے شوہر سیاست میں مداخلت نہیں کرتے تھے باخبر ذرائع نے ان کو بتایا تھا کہ چوہدری نثار علی خان وزیر پٹرولیم نے لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کی طرح جنرل آصف نواز کو ہٹانے کی دھمکی دی جس پر آصف نواز نے کہا کہ وہ سپاہی ہے ریٹائرڈ ہو کر وہ اپنے گاؤں چلے جائیں گے بریگیڈیئر امتیاز نے کہا کہ اگر صدر غلام اسحاق خان جنرل آصف نواز کے پیچھے نہ ہوں تو میں ان کی یونیفارم اتروا دیتا۔ آصف نواز نے کہا کہ میری یونیفارم اتروانے والا ابھی پیدا نہیں ہوا۔ بیگم نزہت نواز کی پریس کانفرنس کے بعد صدارتی سیکرٹریٹ نے وزیر اعظم سیکرٹریٹ کو کمیشن کی تقرری کے لیے خط لکھا۔

جسٹس شفیع الرحمن......وزیر نثار علی اور ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو بریگیڈیئر امتیاز کے خلاف کیا کارروائی ہوئی؟

اٹارنی جنرل......صدارتی خط میں شخصیات کا حوالہ دیا گیا تھا صدر مسلح افواج کا سپریم کمانڈر ہے کیا ان کے لیے نزہت نواز کے اعتراضات سے وزیر اعظم سیکرٹریٹ کو آگاہ کرنا مناسب تھا۔

جسٹس شفیع الرحمن......میرا سوال صرف یہ ہے کہ کیا وزیر اعظم کو وزیر کے خلاف ایکشن لینے کا کہا گیا تھا ہمارے آئین میں کابینہ کی اجتماعی ذمہ داری ہوتی ہے کیا کسی وزیر کے خلاف وزیر اعظم کو کارروائی کرنے کا آئین کے تحت کہا جا سکتا ہے۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی......جس خط کا ذکر آپ کر رہے ہیں کس تاریخ کو لکھا گیا تھا اور کیوں لکھا گیا؟

اٹارنی جنرل......آرٹیکل 46 کے تحت صدر وزیر اعظم کی توجہ کسی افسر کے رویے کی طرف مبذول کرا سکتا ہے صدر نے فوج کے اتحاد و یکجہتی برقرار رکھنے کے لیے خط لکھا تھا۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... 14 اپریل کو وزیر اعظم نے صدر سے ملاقات کی اور 15 اپریل کو صدر نے خط لکھ دیا جبکہ آپ کا کہنا ہے کہ 14 اپریل کی ملاقات میں دونوں میں بے حد اختلافات تھے۔

Scanned with CamScanner

اٹارنی جنرل...... جوڈیشل کمیشن کی تشکیل پر دونوں کو اتفاق تھا یہی اخبارات میں بھی آیا۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... اگر ہم اخبارات پر تکیہ کریں تو قانونی آئینی پیمانہ ہیں کی کیا ضرورت ہے، صدر و وزیر اعظم کی رائے میں اختلاف ہو سکتا ہے صدر سینئر بیوروکریٹ ہیں وزیر اعظم ایک سیاستدان ہیں اگر آپ کا موکل دوسرے کے اختیارات میں مداخلت کر رہا ہے آئین میں اس کی کیا پوزیشن ہے رولز آف بزنس میں تو درج ہے کہ وزیر اعلیٰ کی تقرری وزیر اعظم صدر کے مشورے کے ساتھ کرے گا، یہ بالکل غلط ہے۔ اس سوال کا ہم نے جواب دیا ہے کہ چیف آف آرمی سٹاف کی تقرری صرف صدر کو کرنا ہوتی ہے اس لیے آپ دوسری باتوں میں دیکھیں۔

چیف جسٹس...... یہ ضروری نہیں کہ صدر اور وزیر اعظم ایک پارٹی سے ہوں صدر قوم کے مفاد میں وزیر اعظم کو نصیحت مشورہ دے سکتا ہے کس آئین میں یہ بات درج ہے کہ صدر کے ایسے مشورے، نصیحت کو وزیر اعظم نہ مانے تو صدر وزیر اعظم کو اسمبلی سمیت برطرف کر سکتا ہے اگر دونوں الگ الگ نظریے اور پارٹی سے ہوں دونوں کے عہدے کی میعاد مختلف ہو صدر و وزیر اعظم میں اختلاف ہوں تو ان کی وجہ سے کب تک ملک میں الیکشن کے بعد الیکشن کرائے جائیں آپ دونوں کی نفرت کا جتنا چاہے ذکر کریں لیکن آئین میں کہاں لکھا ہے کہ صدر، وزیر اعظم کے مابین نفرت ہو، اختلاف ہو تو یہ ملک آئین کی شقوں کے تحت نہیں چل سکتا۔

اٹارنی جنرل...... آپ نے مجھ سے براہ راست سوال کیا ہے کہ آرٹیکل 58(2)بی کے تحت حالات ایسے تھے کہ فیڈریشن آئین کے مطابق نہیں چل سکتی تھی ہر ایک کو آئینی حدود میں رہنا ہے۔

چیف جسٹس...... سیف اللہ کیس میں میں نے اصل فیصلہ لکھا تھا کہ صدر صرف بامقصد معیار کی بناء پر رائے قائم کر سکتا ہے کہ آئین کے مطابق فیڈریشن نہیں چل سکتی صدر کے صوابدیدی اختیار کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آئینی مشینری فیل ہو گئی ہے اور نئے انتخابات ناگزیر ہو گئے ہیں کیا صدر و وزیر اعظم کے اختلافات کے نتیجے میں عام انتخابات کرا سکتے ہیں کیا جنرل الیکشن ان کے اختلافات سے پیدا شدہ صورتحال سے نبرد آزما ہونے کے لیے امرت دھارا ہیں۔

چیف جسٹس اور جسٹس شفیع الرحمٰن نے کہا کہ اگر آرٹیکل 58(2)بی کو غور سے پڑھا جائے اس میں جو صدر کو اختیار دیا گیا ہے وہ تب تک استعمال نہیں کیا جا سکتا جب تک دو شرائط پوری نہ ہو جائیں پہلی تو یہ ہے کہ حکومت آئین کے مطابق نہیں چل سکتی اور دوسری جو اتنی ہی اہم ہے کہ جو آئینی دقت یا مشکل ہے اس کی نوعیت ایسی ہونی چاہئے کہ الیکشن اس کو حل کر دیں۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... یہ نکتہ ہے جو خالد انور اور فاروق حسن نے پہلی بار سپریم کورٹ کے سامنے پیش کیا ہے کیونکہ جہاں تک حاجی سیف اللہ کا کیس ہے اس میں اس نکتے کا ذکر نہیں ہے اور اصل چیز جس پر عدالت نے فیصلہ دینا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مثال کے طور پر سمجھ لیا جائے کہ پہلی شرط تو پوری ہو گئی یعنی یہ ثابت ہو گیا کہ حکومت آئین کے تحت نہیں چلائی جا رہی لیکن دوسری شرط پوری ہوتی ہے یا نہیں اور اس کا فیصلہ ہم اس بناء پر دیں گے کہ ہم یہ نہیں سمجھیں گے کہ الیکشن امرت دھارا ہے یا مسئلے کا حل ہے کیونکہ کئی ایسے مسئلے بھی ہوتے ہیں جن میں الیکشن کرانے سے اور مشکلات پیش آتی ہیں پہلے چیف جسٹس نے کہا تھا کہ اس ملک میں پہلے بھی کئی مرتبہ الیکشن ہو چکے ہیں 1970ء میں جو الیکشن ہوئے تھے ان کا نتیجہ یہ تھا کہ ملک کے دو حصے ہو گئے 1977ء میں بھی الیکشن ہوئے تھے دھاندلی کا الزام لگا اور مارشل لاء لگ گیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہر آئینی مسئلے یا تنازعے کا حل الیکشن نہیں ہے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... کیا 18اپریل کو پاکستان کے آئینی ڈھانچے میں مکمل بریک ڈاؤن ہوا تھا ڈاکٹر فاروق حسن اور خالد انور نے دلیل دی ہے کہ اگر آئینی بریک ڈاؤن ہو بھی جائے تب بھی پہلے رائے دہندگان سے اپیل کی جائے۔ کیا پاکستان میں 18اپریل کو آئینی بریک ڈاؤن ہو گیا تھا یہ ثابت

Scanned with CamScanner

کریں کہ انتخابات کرانے کے حالات پیدا ہوئے ہیں۔ اٹارنی جنرل جتنی جلد ممکن ہو دلائل مکمل کریں۔

اٹارنی جنرل...... ایک سابق رکن قومی اسمبلی بے سالک عدالت میں بیان دینا چاہتے ہیں۔

جسٹس شفیع الرحمن...... ہم بے سالک کو بالکل نہیں سنیں گے پھر تو ہمیں ہر ایک کو سننا پڑے گا ہم یہ لمبا سلسلہ شروع نہیں ہونے دیں گے۔

چیف جسٹس...... بے سالک اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ جائیں اٹارنی جنرل آپ چاہیں تو بے سالک کا حلفیہ بیان لے کر جوابی دلائل میں منتھی کر دیں۔

اٹارنی جنرل...... مشترکہ مفادات کونسل کو آئین کے مطابق نواز شریف حکومت نے کام نہیں کرنے دیا نجکاری کا عمل معیاری نہیں تھا۔

جسٹس شفیع الرحمن...... مشترکہ مفادات کونسل کی کارکردگی سے غیر مطمئن ہونے والی اتھارٹی نے اس بارے میں مجلس شوریٰ پارلیمنٹ میں ریفرنس دیا تھا؟

اٹارنی جنرل...... مجھے علم نہیں اس سوال کا جواب میں پوچھ کر بتا دوں گا۔

چیف جسٹس...... آپ نے بہت بڑی تعداد میں سوالوں کا جواب دینے کا وعدہ کیا ہے آپ اچھی طرح یاد رکھیں۔

اٹارنی جنرل...... مسلم کمرشل بینک منشا گروپ کو جس طرح بیچا گیا اس کا سب کو علم ہے 8 سیمنٹ فیکٹریاں منشا گروپ کو فروخت کی گئیں یہ اختیارات کا قطعاً غلط استعمال ہے نجکاری کے عمل میں رولز کو ملحوظ نہیں رکھا گیا کارخانوں کو غیر آئینی غیر قانونی طریقے سے بیچا گیا۔ واپڈا، ریلوے، پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کارپوریشن، پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن کو صوبوں سے مشورہ کئے بغیر فروخت کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کارپوریشن کے 26 فیصد حصص غیر ملکیوں کو فروخت کرنے کی پیشکش کی گئی جبکہ 74 فیصد حصص حکومت پاکستان کے تھے۔ غیر ملکی سرمایہ کاروں کو بورڈ آف ڈائریکٹرز کا رکن بھی بنانے کی پیشکش کی گئی نومبر، دسمبر 1992ء میں پاکستان کے بارے میں قانون کو واشنگٹن میں وکلاء نے تیار کیا یہ قانون واشنگٹن سے پاکستان میں نافذ کرنے کے لیے لایا گیا یہ قانون بنانے کے لیے نواز شریف نے غیر ملکی قانون دانوں کی خدمات حاصل کی تھیں۔ پاکستان میں غیر ملکیوں کو 25 سال تک اجارہ داری دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کارپوریشن کے غیر ملکی خریدار کو پیشکش کی گئی کہ وہ کارپوریشن کے کسی ملازم کو نکال سکتا ہے وہ کارپوریشن کے ملازمین کو پنشن نہیں دے گا۔ کارپوریشن کا غیر ملکی خریدار کوئی بھی ضروری زمین حاصل کر سکتا ہے نواز شریف نے ملکی دفاع کے اہم حصے مواصلات کو فروخت کرنے کی کوشش کی ہے اس کا قانون واشنگٹن میں تیار کرایا۔

چیف جسٹس...... کیا یہ مسودہ قانون پاکستان کی پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد نافذ ہونا تھا یا نواز شریف خود ہی اس کو نافذ کر دیتا، آپ نے طویل باتیں کی ہیں۔

جسٹس شفیع الرحمن...... یہ تو مسودہ قانون تھا کابینہ کی منظوری کے بعد یہ صدر کو بھیجا جاتا جو آرڈیننس کی شکل میں نافذ ہوتا صدر کو اعتراض تھا تو وہ اسے واپس بھیج دیتے یا اسے پارلیمنٹ منظور کرتی۔

اٹارنی جنرل...... نواز شریف پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کارپوریشن کو کسی نئی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر رہے تھے جس نے دو سو سال تک برصغیر پر حکومت کی حالانکہ کارپوریشن 3000 کروڑ روپے کما رہی ہے۔ کارپوریشن کو نجی شعبے کے حوالے کرنے کے لیے 31 مارچ 1993ء تک بیرون ملک سے پیشکشیں طلب کی گئیں یہ فیصلہ نواز شریف کابینہ نے کیا، پاکستان ریلوے، واپڈا، پی این ایس سی، بندرگاہیں بیچنے کا فیصلہ کر کے فیڈریشن کو توڑنے کی کوشش کی گئی مشترکہ مفادات کونسل کے اختیارات سلب کرنے کی کوشش کی گئی کونسل کو آئینی رول ادا کرنے نہیں دیا گیا سابقہ حکومت نے مشترکہ مفادات کونسل کے تین اجلاس منعقد کئے مگر وہاں صوبوں کے اختیارات کو غصب کیا جاتا رہا قومی مالیاتی کمیشن کے ایوارڈ پر عملدرآمد نہ ہونے سے صوبے سراپا احتجاج بن گئے۔ قومی اقتصادی کونسل کی ایگزیکٹو کمیٹی سے منظوری کے بغیر متعدد ادارے بیچے جانے لگے

Scanned with CamScanner

صوبوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھا گیا۔

جسٹس رفیق تارڑ...... یہ ساری باتیں کیا صدر کے علم میں تھیں اور اس کا اظہار انہوں نے وزیر اعظم سے کیا تھا۔

اٹارنی جنرل...... صدر آزادی سے وزیر اعظم کو بتاتے رہے۔

چیف جسٹس...... صدر مملکت نے 22 دسمبر 1992ء کو پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں وزیر اعظم نواز شریف کے ان اقتصادی اقدامات کی تعریف کی تھی اب کس طرح اعتراض کئے جا رہے ہیں۔

جسٹس اجمل میاں...... 22 دسمبر 1992ء کے خطاب میں تو صدر نے مشترکہ مفادات کونسل قومی مالیاتی کمیشن وغیرہ کی کارکردگی کی بھی تعریف کی تھی۔

جسٹس افضل لون...... نجکاری کے عمل پر آپ نے اعتراضات کئے ہیں لیکن 29 رٹ درخواستیں نجکاری کے عمل کے متعلق سرمایہ داروں نے ہائیکورٹ میں دائر کیں ان میں سے ایک بھی ہائیکورٹ نے قبول نہیں کی۔

اٹارنی جنرل...... صوبائی خودمختاری کو مجروح کیا جاتا رہا سندھ حکومت کو سی ڈی ڈبلیو پی میں نہیں بلایا جاتا رہا۔

جسٹس سعد سعود جان...... سی ڈی ڈبلیو پی کیا ہے۔

اٹارنی جنرل...... سی ڈی ڈبلیو پی کے بارے میں سوچ کر بتاتا ہوں۔

ایک صحافی (اٹارنی جنرل سے) سنٹرل ڈویلپمنٹ ورکنگ پارٹی جو وزارت خزانہ کے ماتحت ہے۔

اٹارنی جنرل...... سنٹرل ڈویلپمنٹ ورکنگ پارٹی مراد ہے۔ واپڈا کے معاملے میں 12 جنوری 1991ء میں مشترکہ مفادات کونسل کے اجلاس پر غور نہ کیا گیا 20 دسمبر 1992ء کو واپڈا کی نجکاری کے بارے میں قرارداد منظور کی گئی جنوری 1993ء میں پلاننگ کمیشن نے بھی واپڈا کی نجکاری کے متعلق فیصلہ کر دیا صوبائی وزیر اعلیٰ میر افضل نے وفاقی وزیر صوبائی رابطہ کو خط لکھا جس میں صوبے کو اہم فیصلوں میں شامل نہ کرنے پر تشویش ظاہر کی گئی۔ 14 اپریل 1993ء کو سندھ کے پورٹ قاسم ایریا میں ڈائیوو کو انڈسٹریل کمپلیکس بنانے کے لیے سہولیات دی گئیں جبکہ سرحد صنعتی طور پر پسماندہ ہے۔ سرحد میں 160 صنعتی یونٹ اس لیے بند ہیں کہ وہ پنجاب و سندھ کے صنعتی یونٹوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے نوری آباد کراچی جیسی مراعات سرحد میں پہلے دی گئی تھیں۔ اب بھی دی جائیں صوبوں کو آئینی اداروں میں حصہ نہیں مل رہا۔ قومی اداروں کو نجی شعبے میں دینے سے قبل صوبوں کو اعتماد میں نہیں لیا جا رہا۔ بلوچستان کے وزیر اعلیٰ نے بھی خط لکھا کہ 93-1992ء میں ایوارڈ کے مطابق 5273 ملین روپے بلوچستان کو ملنے تھے۔ مگر وفاقی حکومت نے 6.5 بلین روپے ڈویلپمنٹ سرچارج دینے کا کہا جو سات ارب روپے ہونے چاہئیں تھے 950 ملین روپے وفاق نے صوبہ بلوچستان کو کم ادا کئے۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... واپڈا، ٹیلی کمیونی کیشن ریلوے کو نجی شعبے کے حوالے کر دیا گیا ہے یہ صرف پروگرام بن رہا تھا۔

اٹارنی جنرل...... واپڈا اور پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کارپوریشن فروخت نہیں کئے گئے یہ فروخت کرنے کے عمل سے گزارے جا رہے تھے، ریلوے کی کچھ زمین نیلام کی گئی تھی۔ سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز اور ڈائیوو کارپوریشن کے لیے رقوم دی گئیں یہ آئٹم 9 اور 11 ہیں۔

جسٹس عبدالقدیر...... آپ آئٹم نمبر 10 بھی پڑھیں اس میں بھی خرچے والی بات ہے۔

اٹارنی جنرل...... یہ سپریم کورٹ کی اسلام آباد منتقلی اور لوڈنگ پر اخراجات کے متعلق ہیں۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... کیا یہ معاملات صدر کے سامنے اسمبلی توڑنے کے لیے تھے۔ اس میں سپریم کورٹ آف پاکستان کی راولپنڈی سے اسلام آباد منتقلی تھی۔

Scanned with CamScanner

اٹارنی جنرل۔۔۔۔لسٹ میں یوں ہی یہ معاملہ لکھ دیا ہے میرے خیال میں یہ معاملہ نہیں تھا۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔۔صدر نے سپریم کورٹ اسلام آباد منتقل کرانے کی بھی انکوائری کرائی ہے کیا یہ جائز ہے۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔اگر وزیراعظم کے تمام ترقیاتی پروجیکٹوں پر عمل ہوجاتا تو ملک دیوالیہ ہوجاتا۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔۔آپ پانچ سال تو انتظار کرتے وہ مفاد عامہ کے پروجیکٹ بنا رہے تھے پہلے ٹیلی فون کنکشن کے لیے دس سال انتظار کرنا پڑتا تھا اب ایسا نہیں عوام کو سہولت دینے کے لیے اخراجات کرنا کیا غیر قانونی، غیر آئینی ہے۔ ٹیلی فون والے اربوں روپے کماتے رہے اب یہ لوگوں کو سہولت دینے کے لیے خرچ کئے جانے لگے ملک کا پاپولر لیڈر اگر یہ اربوں روپے عوام کو ٹیلی فون مواصلات کی عمدہ سہولت مہیا کرنے کے لیے خرچ کرنے لگے تو اس کے اقدام پر یا صدر اس وجہ سے اسمبلی توڑ سکتا ہے۔ آپ بتائیں، ثابت کریں۔ صوبائی وزرائے اعلیٰ جو صدر اور وزیراعظم کو خط لکھتے رہے کیا ان کو اس کا علم نہیں تھا۔

چیف جسٹس۔۔۔۔آپ متعلقہ دلائل نہیں دے رہے کیا پاکستان میں پارلیمانی طرز حکومت نہیں کیا وزیراعظم چیف ایگزیکٹو نہیں، اس حیثیت سے وہ خود پالیسیاں نہیں بنا سکتا، اگر یہ پالیسیاں صدر کو پسند نہ ہوں تو کیا صدر اسمبلی توڑ سکتا ہے، کیا صدر کا ہر مشورہ وزیراعظم کو ماننا پڑے گا، یا وزیراعظم کا مشورہ صدر کو ماننا ہوگا۔ میرا کہنا یہ ہے کہ عام طور پر اس طرح کے معاملات جن کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ قومی اسمبلی توڑنے کا جواز نہیں بن سکتے۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔مشترکہ مفادات کونسل کو اگر کام نہ کرنے دیا جائے تو آئین فیل ہوجاتا ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔۔آئین کا فیل ہونا لفظ نہیں ہے بریک ڈاؤن لفظ ہے۔ آپ بتائیں آئینی ذمہ داری پوری نہ ہو تو متاثرہ فریق آئینی علاج کرا سکتا ہے۔ آئینی طریقہ موجود ہے آپ نے آئینی طریقہ کیوں اختیار نہیں کیا۔

جسٹس افضل لون۔۔۔۔خواجہ طارق رحیم کیس میں کہا گیا ہے کہ آئین کی کسی شق پر عملدرآمد نہ ہونے سے آرٹیکل 58(2)بی کے تحت اسمبلی نہیں توڑی جاسکتی۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔مائی لارڈ ایسا ہی ہے!

جسٹس افضل لون۔۔۔۔آپ وفاقی حکومت پر الزام لگا رہے ہیں کہ وہ آئین پر عملدرآمد میں ناکام رہی لیکن عموماً ہوتا ہے کہ آئین کی ایک آدھ شق پر عملدرآمد کسی وجہ سے اگر نہ ہو پائے یا حکومت ایسا کرنے میں ناکام رہے تو آئین میں دیئے گئے طریقے سے اس کا علاج کردیا جاتا ہے اسمبلی نہیں توڑی جاسکتی۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔۔اگر رولز آف بزنس پر آئین کے آرٹیکل 99 وغیرہ کے تحت عمل نہ ہو تو اس سے اسمبلی توڑ دی جائے اگر مشترکہ مفادات کونسل وغیرہ کے رولز پر عملدرآمد نہیں ہوا تو آئین میں اس کا طریقہ موجود ہے۔ مشترکہ پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا جاسکتا ہے۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔اگر مشترکہ مفادات کونسل وغیرہ کے رولز کی مسلسل خلاف ورزی ہو تو اسمبلی توڑی جاسکتی ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔۔عملدرآمد نہ ہونے کو بریک ڈاؤن قرار نہیں دیا جاسکتا رولز آف بزنس کی خلاف ورزی اگر ہوتی ہے تو وہ قومی اسمبلی توڑنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کو آپ اسمبلی توڑنے کا جواز نہیں بنا سکتے۔ ویسے جس معاملے میں فیصلہ ہی نہ کیا گیا اس متوقع فیصلے کو کیسے ہدف تنقید بنایا جاسکتا ہے۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں یہ معاملہ اس وقت اٹھایا جاسکتا ہے اگر کونسل میں وفاق اور صوبے کے مابین اختلاف ہو۔ میرا

Scanned with CamScanner

کہنا ہے کہ کونسل کو پہلے پالیسی بنانی چاہیے تھی 154 آرٹیکل کے تحت واپڈا کے بارے میں پالیسی نہیں بنائی گئی۔
جسٹس سعد سعود جان......مشترکہ مفادات کونسل میں رابطے کے فقدان سے آپ یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ فیڈریشن کی حکومت آئین کے تحت نہیں چل سکتی۔
جسٹس سجاد علی شاہ......کونسل نے اگر پالیسی نہیں بنائی فیصلہ کر لیا تو پھر اسے پارلیمنٹ میں چیلنج کیا جاسکتا ہے۔
اٹارنی جنرل......نہ پالیسی بنائی نہ فیصلہ کیا گیا صوبے کو بھلا دیا گیا کونسل کو کوئی فیصلہ نہیں کرنے دیا گیا۔ کونسل کا چیئرمین وزیراعظم ہے۔
جسٹس سجاد علی......دوسرے فریق کا کہنا ہے کہ متعلقہ آئٹم کو کونسل کے سامنے لے جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔
چیف جسٹس......آپ سوال کو بائی پاس کر رہے ہیں سوال یہ ہے کہ کیا نجکاری کے عمل کو مشترکہ مفادات کونسل کے ایجنڈے میں شامل کرنا ضروری تھا اس کیس میں کونسل متعلقہ اتھارٹی نہیں اس کا جواب دیں۔
اٹارنی جنرل......بجلی کنٹریکٹ لسٹ (وفاق و صوبوں کی مشترکہ فہرست) میں شامل ہے۔
چیف جسٹس......واپڈا پرائیویٹائز نہیں کیا گیا آپ اندازے لگا کر بات کر رہے ہیں کیا واپڈا، ریلوے بجلی کو پرائیویٹائز کیا گیا اس کا جواب نفی میں ہے اس لیے آپ یہ دلائل دینے کے مجاز نہیں ہیں اگر ریلوے میں خسارہ ہے اس سے ملحقہ کچھ زمین ہے اسے فروخت کرنے کو ریلوے کی پرائیویٹائز کیسے آپ کہہ سکتے ہیں۔
اٹارنی جنرل......میں پرائیویٹائز کیے جانے والی اشیاء کی فہرست حاصل کروں گا۔
جسٹس اجمل میاں......وفاقی حکومت نے نجکاری کی لسٹ دے رکھی ہے۔
اٹارنی جنرل......قومی اسمبلی توڑنے کا عمل ایک رات میں مکمل نہیں ہوا، مرحلہ وار اس کی تیاری ہوتی رہی اس لیے وہ وجوہات کے دلائل بھی مرحلہ وار بیان کر کے اصل بنیاد بتائیں گے۔ نجکاری کے عمل میں دو یونٹ 90 فیصد پر باقی 50 سے 80 فیصد قیمت پر فروخت کیے گئے 22 روئی پلانٹوں کے لیے پیشکشیں 90 فیصد سے کم تھیں۔ 26 اکتوبر 1991 کو اسی لیے فیصلہ کیا گیا اگر 90 فیصد سے کم پیشکش کرنے والے 90 فیصد تک قیمت دے دیں تو یہ روئی پلانٹ ان کو دے دیے جائیں۔ یہ فیصلہ مشترکہ مفادات کونسل کی منظوری کے بغیر کیا گیا۔
جسٹس سعید الزمان صدیقی......آپ کا یہ اعتراض درست نہیں ہے درحقیقت آپ کہہ رہے ہیں کہ نجکاری کی پالیسی ہی نہیں بنائی گئی۔
جسٹس سعد سعود جان......اسمبلی توڑنے کی بجائے اس مسئلے کے حل کے لیے صدر کو کہنا چاہیے تھا کہ پہلے مشترکہ مفادات کونسل میں جائیں۔
اٹارنی جنرل......صدر نے خط لکھا تھا کہ مشترکہ مفادات کونسل کے بغیر فیصلے نہ کیے جائیں۔
چیف جسٹس......وہ خط کہاں ہے۔
اٹارنی جنرل......اس خط سے پہلے میں دو تین خط پڑھنا چاہوں گا۔ نجکاری کمیشن کابینہ کی منظوری سے بنا تھا یہ کسی قانون کے تحت نہیں بنا تھا نہ پارلیمنٹ نے اس کو قانونی تحفظ دیا تھا۔ اس کمیشن کی کارروائی کو عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے۔
چیف جسٹس......کیا کسی آئینی اتھارٹی نے دسمبر 1992 تک اس کمیشن کی تشکیل کی قانونی حیثیت کا جائزہ تک نہیں لیا تھا اس کمیشن کے آئینی اور غیر آئینی ہونے کے بارے میں رولنگ دی جانی چاہیے۔ وفاقی حکومت کی اس ناکامی کی ذمہ داری کا فیصلہ کرنا چاہیے۔
جسٹس شفیع الرحمٰن......آپ نے بڑا زبردست بیان دے دیا ہے کہ نجکاری کمیشن کو آئینی اور قانونی کور حاصل نہیں تھا لیکن ہمارے پاس فائل میں دستاویز ہے جس میں کمیشن کی تقرری اس کے دائرہ اختیار تک کا ذکر ہے آپ قانونی پہلوؤں پر بیان دینے سے پہلے معلومات لے کر آیا کریں اس دستاویز میں یونٹوں کی فروخت وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔

Scanned with CamScanner

اٹارنی جنرل..... دستاویز میں ہے کہ بعض صنعتی یونٹ سابقہ مالکان کو دے دیئے جائیں گے اگر وہ نہ خریدیں تو دوسروں کو ان کے حصص دے دیئے جائیں۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... یہ صنعتی یونٹ فیڈرل لسٹ کے پارٹ نمبر اا میں آتے ہیں۔صدارتی آرڈر بھی موجود ہے جہاں تک فروخت شدہ املاک کا تعلق ہے وہ الگ قانون کے تحت آتی ہے جو نہیں فروخت ہوئی اس کے بارے میں لا ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وفاق کا جواب

حکومت وکابینہ کی برطرفی اور قومی اسمبلی توڑے جانے کے 18 اپریل کے صدارتی فرمان کے خلاف سابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے آئین کے آرٹیکل 184(3) کے تحت سپریم کورٹ آف پاکستان میں جو آئینی درخواست نمبر 8 آف 1993ء دائر کی ہے اس کا وفاق پاکستان کی طرف سے تحریری جواب عدالت عظمیٰ میں داخل کرادیا گیا جس میں مذکورہ آئینی درخواست کو مسترد کرنے کی استدعا کرتے ہوئے دعویٰ کیا گیا ہے کہ فاضل عدالت آئین کے آرٹیکل 184(3) کے تحت مذکورہ آئینی درخواست کی سماعت کی مجاز ہی نہیں کیونکہ اس آرٹیکل کے تحت وہ شرائط درج ہیں جن کو پورا کئے بغیر سپریم کورٹ میں براہ راست پٹیشن دائر نہیں کی جاسکتی۔ بنیادی شرط آئین کے حصہ دوم کے باب اوّل کے تحت دیئے گئے بنیادی حقوق کے نفاذ کی ہے۔ جواب میں کہا گیا ہے کہ صدارتی فرمان کے ذریعے آئین کے آرٹیکل نمبر 17، نمبر 20 سمیت کسی ایسی شق کی خلاف ورزی نہیں ہوتی جس میں بنیادی حقوق دیئے گئے ہیں۔ مزید برآں سپریم کورٹ میں جان بوجھ کر یہ درخواست پیش کی گئی ہے تاکہ ہائیکورٹ کا دائرہ اختیار ختم ہوسکے۔ وفاق کی طرف سے کہا گیا ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کیس پر دیا گیا فیصلہ جو پی ایل ڈی 1988ء کے صفحہ 614 پر طبع ہے اس کا اطلاق اس پٹیشن کے حقائق وحالات وواقعات پر نہیں ہوتا۔ مزید برآں آئین کے آرٹیکل 248 کی شقوں کی روشنی میں مدعاعلیہ نمبر 1 کے خلاف یہ پٹیشن کی ہی نہیں جاسکتی۔ فیڈریشن کے جواب میں کہا گیا ہے کہ صدر مملکت نے آئین کے آرٹیکل 58(2)بی اور دوسری آئینی شقوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جو صدارتی فرمان 18 اپریل کو جاری کیا ہے اس کے خلاف موجودہ آئینی پٹیشن بے معنی، بلا جواز ہونے کے علاوہ بدنیتی پر مبنی ہے۔ صدر نے حکم صوابدیدی آئینی اختیارات کے تحت جاری کیا ہے آئین کے آرٹیکل 48(2) کے تحت اسے کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ جواب میں کہا گیا کہ صدر نے یہ یقین کرلینے کے بعد کہ وفاق کی حکومت آئین کی شقوں کے مطابق نہیں چلائی جاسکتی۔ آرٹیکل 58(2)بی کے تحت فرمان جاری کرکے وزیراعظم، ان کی کابینہ کو برطرف اور قومی اسمبلی کو توڑا ہے۔ صدر اپنے سامنے موجود حقائق دستاویزات ریکارڈ اور اطلاعات کا پوری ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ وفاق کی حکومت آئین کی شقوں کے مطابق چلائی نہیں جارہی اور نہ آگے چلائی جاسکتی ہے۔ یہ فیصلہ کیا کہ ووٹروں کی آراء معلوم کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ صدر نے پاکستان کو افراتفری، انتشار سے بچانے کے لیے قوم کے وسیع تر مفاد میں آرڈر پاس کیا۔ ثبوت کے طور پر جواب میں چار دستاویزات، ریکارڈ، اطلاعات مہیا کرنے کے جواب میں کہا گیا ہے کہ صدارتی فرمان میں درج وجوہات اور اسی رات ریڈیو ٹی وی پر قوم سے خطاب میں دیئے گئے اسباب درست ہیں ان کا علم درخواست گزار اور عام لوگوں کو بھی تھا۔ جواب میں کہا گیا کہ صدارتی فرمان کے فوراً بعد نگران حکومت قائم کردی گئی جو کام کررہی ہے اس لیے آئینی پٹیشن میں کی جانے والی استدعا کو قبول نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی نگران حکومت کو ہٹایا جاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ صدارتی حکم کو عدالت عظمیٰ میں چیلنج بھی نہیں کیا جاسکتا۔ فیڈریشن کے جواب میں کہا گیا ہے کہ صدر نے 14 جولائی کو قومی اسمبلی کے الیکشن کرانے کا نوٹیفکیشن اسی روز جاری کردیا تھا الیکشن کے لیے ضروری تیاریاں الیکشن کمیشن نے شروع کردی تھیں۔ فیڈریشن کی طرف سے آئینی

Scanned with CamScanner

درخواست کے ہر پیراگراف کا جواب بھی دیا گیا ہے البتہ پیراگراف نمبر 1 کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ وفاق کی طرف سے دوسرے پیراگراف کے جواب میں کہا گیا ہے۔ ایٹمی تحقیقی پروگرام کا آئینی درخواست میں تذکرہ قومی مفاد میں نہیں ہے جہاں تک تیسرے پیرے کا تعلق ہے صدر نے 22 دسمبر 1992ء کو پارلیمنٹ کے مشترکہ سیشن کے خطاب میں حکومت کی پالیسیوں کی حمایت اس لیے کی تاکہ ملک کے اندر اور باہر قوم کو سلامتی استحکام کا تاثر ملے پیرا 4(1) میں جو دلائل دیئے گئے ہیں وہ گمراہ کن ہیں کیونکہ پٹیشنر کی حکومت کی کارکردگی کا فیصلہ تو تاریخ کرے گی لیکن یہ حقیقت ہے کہ پٹیشنر کی حکومت کے دوران افراط زر میں بے حساب اضافہ ہوا اور پاکستان تاریخ کی مشکل ترین اقتصادی صورتحال سے دوچار ہو گیا اخراجات آمدن کے وسائل سے کہیں بڑھ گئے سیاسی کشیدگی اور محاذ آرائی شدت اختیار کر گئی لسانی و دیگر تعصبات کو فروغ حاصل ہوا جس کی وجہ سے ملک اور عوام بے پناہ مشکلات میں گھر گئے اور اس صورتحال کو ختم کرنے کے لیے نہ تو پٹیشنر اور نہ ہی ان کی حکومت نے کوئی نوٹس لیا افغانستان میں سمجھوتہ اس پٹیشن کے حوالے سے متعلقہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ کارنامہ اس حکومت کا تھا۔ تنے ہائی وے کے منصوبے میں مبینہ پیش رفت افسانوی ہے یہ منصوبہ غلط منصوبہ بندی اور غلط سوچ کا نتیجہ ہے ہائی وے کے منصوبے پر آگے جا کر اس تحریری بیان میں مفصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ پٹیشنر نے متعدد غیر ملکی سرکاری دورے کئے ان دوروں کے نتیجہ میں کتنی غیر ملکی سرمایہ کاری پاکستان آئی اس کا ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ پیرا 4(11) میں لگائے گئے الزامات درست نہیں ہیں پٹیشنر نے سندھ کی کچے کی سرکاری اراضی اگر بے زمین ہاریوں میں تقسیم کی تو ان کا یہ فعل سرکاری حیثیت میں کیا گیا اس فعل کو وفاقی حکومت کے کسی فعل کے زمرے میں نہیں لایا جا سکتا یہ فعل سیاسی مفاد کی خاطر کیا گیا سندھ میں ڈاکوؤں کی سرکوبی کی کوششیں مسلح افواج کی مرہون منت ہیں پٹیشنر اس کا کریڈٹ کلیم نہیں کر سکتا اس طرح کراچی میں امن و امان حکومت سندھ کی مسلح افواج کی مدد سے کی جانے والی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ پیرا 5 میں لگائے گئے الزامات سے انکار ہے یہ کہنا درست نہیں کہ صدر مملکت پٹیشنر کے ترقی کے نام نہاد دعوؤں سے کسی طرح متاثر ہوئے پٹیشنر کے دعوؤں کے مطابق اگر صنعتی ترقی ہوئی تو صدر مملکت تو اسے دیکھ کر خوش ہوتے آئین کے آرٹیکل 48(1) اور آرٹیکل 46 کے بارے میں صدر مملکت اور پٹیشنر کے درمیان کسی اختلاف رائے کے ضمن میں جو بات کی گئی ہے اس سے انکار ہے آرٹیکل 48(4) کے تحت کسی بھی مشورے کے نفس مضمون کے بارے میں عدالت پوچھنے کی مجاز نہیں ہے یہ الزام بھی درست نہیں ہے کہ صدر نے آئین خلاف ورزی کے سلسلہ میں کسی معاملہ پر مداخلت کی یہ کہنا درست نہیں ہے کہ صدر نے وفاق حکومت کی اتھارٹی اور ساکھ کو کم کرنے کی کوشش کی تاکہ صدر کی مرضی چل سکے۔ یہ ایک بے بنیاد الزام ہے اور بعد میں شامل کیا گیا کیونکہ اس سے قبل پٹیشنر کی طرف سے ایسا الزام کبھی نہیں لگایا گیا تھا صدر کو پٹیشنر کی کسی پارٹی میں 8ویں ترمیم کے بارے میں غور و خوض سے متعلق کوئی علم نہیں لہٰذا یہ دلیل کہ 8ویں ترمیم اور پارٹی کے اجلاس میں کئے گئے اظہار خیال نے صدر کو ناخوش کیا درست نہیں اس بات سے بھی انکار ہے کہ صدر نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ خود انہیں ہٹایا جا رہا ہے کیونکہ پٹیشنر کی پارٹی کا یہ فعل ان کا اپنا رضا کارانہ فیصلہ تھا صدر نے اس ضمن میں ان سے کبھی کوئی درخواست نہیں کی تھی لہٰذا پٹیشنر نے 8ویں ترمیم کے سلسلہ میں صدر کے بارے میں از خود غیر ضروری نتائج اخذ کئے ہیں اس کے برعکس صدر نے 8ویں ترمیم کے مسئلہ پر کھلا بیان دیا کہ آئین میں دیئے گئے طریقہ کار سے ترمیم کی جا سکتی ہے۔ اس سے بھی انکار ہے کہ صدر نے حکومت مخالف عناصر جو مبینہ طور پر حکومت کے خلاف سازش کر رہے تھے کی حمایت کی ایسے عناصر کی موجودگی تک کا صدر کو علم نہیں لہٰذا یہ الزام درست نہیں ہے۔ لہٰذا صدر کے خلاف لگائے گئے الزامات غیر ضروری ہیں صدر کا ان افواہوں سے کوئی تعلق نہیں جن کا ذکر پٹیشنر نے کیا ہے یہ افواہیں پٹیشنر کی حکومت کے خاتمہ کے بارے میں ان کے مخالف عناصر اڑا رہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

پیرا 6 میں لگائے گئے الزامات سے انکار ہے صدر کا اظہارات میں کی جانے والی قیاس آرائیوں سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ملک کا پریس آزاد ہے لہٰذا ماہنامہ ہیرالڈ مورخہ 4 اپریل کا حوالہ غیر متعلقہ ہے پیرا 7 میں لگائے گئے الزامات بے بنیاد اور غلط ہیں یہ کہنا درست نہیں کہ صدر، وزیراعظم کے مخالفین سے رابطہ کرتے تھے جو بیانات مختلف احباب کے شائع ہوئے تھے صدر ان کے ذمہ دار نہیں نہ ہی یہ صدر کی ذمہ داری یا روایت ہے کہ پریس کی تردید پریذیڈنسی سے جاری ہو صدر کو یہ مکمل اختیار حاصل ہے کہ وہ ہر شخص اور منتخب نمائندوں سے ملیں ان کی شوریٰ سے ملاقات ایک معمول کا فریضہ ہے جس کا غلط مطلب نہیں نکالا جانا چاہیے، یہ بھی درست نہیں کہ صدر نے کابینہ کے کسی رکن کو وزیراعظم کے خلاف کام کرنے کو کہا۔ صدر کی وزیراعظم کے بھائی شہباز شریف کی مبینہ گفتگو کا جان بوجھ کر غلط مطلب نکالا جس سے انکار ہے۔ پیرا 9 میں لگائے گئے الزامات سے انکار ہے وزیراعظم کی 17 اپریل کی تقریر کا کوئی جواز نہ تھا۔ پیرا 11 میں لگائے گئے الزامات سے انکار ہے 18 اپریل کو اسمبلی کا اجلاس ریکوزیشن کیے جانے کا قطعی علم نہ تھا نہ ہی اس اجلاس کے ریکوزیشن کیے جانے کا مقصد کا کسی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ پیرا 11 میں لگائے گئے الزامات سے انکار ہے 18 اپریل کا صدارتی حکم صدر نے حقائق دستاویزات ریکارڈ اور اطلاعات پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد جاری کیا کہ وہ صورتحال پیدا ہو گئی ہے جس میں فیڈریشن کو آئین کے مطابق چلانا ناممکن ہو گیا ہے۔ پیرا 12 میں لگائے گئے الزامات سے انکار ہے کیونکہ آئین کے آرٹیکل 248 کے متقاضیات کے پیش نظر صدر کو کسی آئینی جھگڑے میں ملوث نہیں کیا جا سکتا نہ ہی فاضل عدالت صدر کو پروانہ جاری کر سکتی ہے۔ وفاق کی طرف سے آئینی پٹیشن کے اسباب کا بھی جواب داخل کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ صدر نے آئین کے آرٹیکل 58 (2) بی کے تحت حکم صادر کرنے سے قبل تمام تقاضے پورے کر لیے تھے جواب میں کہا گیا ہے کہ آئینی پٹیشن میں درخواست گزار نے قومی اسمبلی کے اندر اکثریت کا حامل ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے وہ نہ تو متعلقہ ہے نہ صدارتی فرمان کو چیلنج کرنے کے لیے وہ بنیاد بن سکتا ہے سپریم کورٹ نے صدر کی طرف سے دو اسمبلیاں توڑنے کے احکامات پر حاجی سیف اللہ اور خواجہ طارق رحیم کے مقدمات میں جو فیصلے دیئے ہیں ان کی مزید وضاحت و تصریح کی ضرورت نہیں ہے یہ بات غلط ہے کہ صدارتی فرمان ان دو فیصلوں میں مقرر کیے گئے معیار اور تقاضوں پر پورا نہیں اترتا۔

وجوہ (3) کے ضمن میں اس بات سے انکار کیا جاتا ہے کہ حکم قانون یا حقائق کے منافی ہے جیسا کہ الزام لگایا گیا ہے۔

پیرا 3(1) میں لگائے گئے الزامات گمراہ کن ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صدر نے قومی اسمبلی کے 88 ارکان سے استعفے وصول کیے جو یہاں منسلک ہیں اس کے علاوہ 12 نشستیں سابقہ استعفوں کی وجہ سے خالی تھیں جبکہ ایک رکن کے انتقال کی وجہ سے نشست خالی تھی جس سے 217 کے ایوان میں 101 نشستیں خالی ہو گئیں۔

ضمیمہ اے۔ 1 متعدد وزراء سمیت ارکان قومی اسمبلی کے اتنی تعداد میں استعفوں کی حقیقت۔ یہ بات واضح طور پر ظاہر کرتی ہے کہ ارکان اسمبلی وزیراعظم کی حیثیت سے درخواست گزار کی زیر قیادت وفاقی حکومت پر اپنا اعتبار کھو چکے تھے اور قومی اسمبلی اپنا مینڈیٹ کھو چکی تھی۔ یہ حقیقت آئین کے آرٹیکل 58(2) بی کے تحت اختیارات کے استعمال کے ضمن میں صدر کی طرف سے رائے تشکیل دینے سے متعلق ہے۔ اس حقیقت کو درخواست میں غلط طور پر بیان کیا گیا ہے۔

ضمیمہ اے۔ 1 اور اے / 1 31 (2) آئین کے آرٹیکل 64(1) کی شقوں کو غلط طور پر بیان کیا گیا ہے۔ استعفوں سے متعلق حقائق کو مذکورہ سطور میں بیان کیا گیا ہے جو اس سے متعلقہ اور صدر کے لیے کافی تھیں کہ وہ یہ رائے قائم کرتے کہ قومی اسمبلی عوام کا مینڈیٹ اور اعتماد کھو چکی تھی اور یہ کہ حکومت آئین کی شقوں کے مطابق نہیں چلائی جا رہی تھی اور نہ چلایا جا سکتا ہے۔

Scanned with CamScanner

پیرا 3(3) کے مندرجات گمراہ کن اور غلط ہیں۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قومی اسمبلی کے ارکان پر منحصر ہے کہ وہ درخواست گزار کی حکومت، قومی اسمبلی اور سپیکر کے خلاف احتجاج یا عدم اعتماد ایوان کے اندر ظاہر کریں یا اس کے باہر، اس معاملے میں انہوں نے اپنے استعفوں میں قومی اسمبلی کے سپیکر (ضمیمہ۔ اے-1) کو مخاطب کیا۔ لیکن قومی اسمبلی، سپیکر اور وفاقی حکومت کے خلاف احتجاج اور عدم اعتماد مزید واضح طور پر رجسٹرڈ کرانے کے لیے ان استعفوں کو صدر مملکت کے پاس بھیجا۔ مزید وجہ یہ ہے کہ ماضی میں وزیر اعظم، کسی وزیر، رکن اسمبلی جو کہ حکومت کا حامی ہو یا خود حکومت میں ہو کے خلاف کسی بھی تحریک پر سپیکر نے عمل نہیں کیا۔ جیسا کہ یہ بات واضح ہے کہ متعلقہ ارکان نے سپیکر پر بھی عدم اعتماد کا اظہار کیا جن کے بارے میں عمومی تاثر ہے کہ وہ سابق وزیر اعظم کا ساتھ دیتے اور آزادانہ طور پر کام نہیں کر رہے۔

ضمیمہ این۔ سپیکر کو اپنے حلقہ میں مختص کیے جانے والے فنڈز کو ترجیحی اور خصوصی حیثیت دی گئی۔ (ضمیمہ این 1، این۔ 2، این۔ 3) جیسا کہ سپیکر کا رویہ قابل اعتراض تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ متعلقہ ارکان قومی اسمبلی نے اپنے استعفے صدر کو بھیجے تا کہ ان کا احتجاج اور اظہار عدم اعتماد مناسب طور پر سمجھا جائے۔ مذکورہ بالا حالات، پس منظر اور حقائق ہی اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ ارکان قومی اسمبلی نے صدر کو اپنے استعفے بھیجے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مذکورہ ارکان، قومی اسمبلی وفاقی حکومت اور سپیکر پر اعتماد کھو بیٹھے تھے اور مینڈیٹ کی نفی ہو گئی تھی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سپیکر کو صرف خالی ہونے والی نشست اور اس کے بعد ضمنی انتخابات کے لیے استعفے دیے گئے ان کو اوپر بیان کیا گیا ہے اور صدر اس تناظر میں اپنی رائے قائم کر سکتا ہے باقی تنازعات چھوڑ دیے گئے۔

پیرا 4 میں جن وجوہات کو بیان کیا گیا وہ گمراہ کن ہیں صدر اور مدعا علیہ 18 اپریل 1993ء کو بلائے گئے قومی اسمبلی کے اجلاس کی ریکوزیشن سے آگاہ نہیں تھے اور نہ ہی انہیں ریکوزیشن کے مقاصد کا علم تھا۔ کسی تعصب کے بغیر بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی ایسی ریکوزیشن تھی تو وہ مدعی کی 17 اپریل 1993ء کو الیکٹرانک میڈیا پر کی گئی غیر ذمہ دارانہ تقریر کے بعد دی گئی تھی اور اس کے در پردہ مقاصد کچھ اور تھے۔ مزید یہ کہ سپیکر کی نئی دہلی سے قبل از وقت اور عجلت میں واپسی اور 18 اپریل کو اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے میں عجلت ظاہر کرتی ہے کہ وہ مدعی کے ساتھ تھے۔ پیرا 4 میں بیان کردہ دیگر وجوہات بھی گمراہ کن اور غلط سمجھی گئی ہیں۔ 18 اپریل کو قومی اسمبلی کے اجلاس کی مبینہ ریکوزیشن کی وجوہات کا صرف سپیکر کو ہی علم تھا۔ یہ بات صحیح نہیں کہ ریکوزیشن دینے کے لیے مناسب طریق کار اختیار کیا گیا بلکہ یہ بدنیتی پر مبنی تھا۔ صدر کی طرف سے آرٹیکل 58(2)بی کے تحت اختیارات کے غلط استعمال کے الزام سے بھی انکار کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ صدر سے ملنے والے مختلف افراد کی طرف سے دیئے گئے بیانات ان کے اپنے خیالات تھے جس کے لیے صدر کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا اور یہ عمل تنازعات کا باعث نہیں ہو سکتا۔ مورخہ 23 دسمبر 1992ء کو صدر کی تقریر اور 14 اپریل 1993ء کی پریس ریلیز اس بات کا خود ثبوت ہے۔ اس بات سے بھی انکار کیا جاتا ہے کہ 18 اپریل 1993ء کی پریس ریلیز محض دکھاوا اور بے بنیاد تھی جیسا کہ الزام لگایا ہے۔ یہ انکار کیا جاتا ہے کہ 18 اپریل 1993ء کی صبح تک کسی بھی وقت سابق وزیر اعظم کی پالیسیوں کے لیے عوامی ردعمل یا منظوری کے لیے کوئی جوش و خروش تھا۔ وزیر اعظم کی تقریر میں صدر پر لگایا گیا الزام کہ صدر وزیر اعظم کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں یا صدر کے متعلق بیان کردہ دیگر الزامات بے بنیاد، شر انگیز اور بدنیتی پر مبنی ہیں۔ باقی الزامات بالکل غیر متعلق ہیں۔ اس لیے ان کی واضح طور پر تردید کی جاتی ہے۔ اس بات سے بھی انکار کیا جاتا ہے کہ اسمبلی کی تحلیل کے آرڈر میں دیئے گئے عوامل آرٹیکل 58(2)بی کے مقاصد سے متعلق نہیں جیسا کہ مدعی نے الزام لگایا ہے۔ ذیلی پیرا (3) میں بیان کی گئی دیگر وجوہات بھی گمراہ کن، غلط اور بے بنیاد ہیں اور ان کی بھی تردید کی جاتی ہے حقائق یہ ہیں کہ صدر نے اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے آئینی اور مروجہ دستور کے مطابق وزیر اعظم کو تجاویز دیں۔ وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کو اسمبلی کے ساتھ آئین اور قانون کے تحت تمام اختیارات اور مراعات حاصل تھیں

Scanned with CamScanner

لیکن ایک عرصے کے بعد عمومی طور پر بعض وزرا، حکومتی پارٹی کے ارکان سمیت ارکان قومی اسمبلی، خود صدر مملکت اور حتیٰ کہ عام لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ وزیر اعظم اہم پالیسی معاملات میں من مانے یکطرفہ اور عجیب انداز سے کام کر رہے ہیں اور وفاقی حکومت کے چلانے اور آئینی اداروں کو چلانے میں آئینی شرائط کی مکمل خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ متعدد کیسوں میں حکومت کا کام متعلقہ وزراء کے مشورے اور تجاویز کے بغیر چلایا جاتا تھا۔ یہ بات بھی سامنے آئی کہ درخواست دہندہ نے اپنے آپ کو چند افراد کے ہاتھوں میں ڈال دیا جنہوں نے خود ان کی طرف سے من مانی سے اور دکھاوے کے لیے کام کیا۔ اس سے حکمران پارٹی کے ارکان قومی اسمبلی میں بالخصوص اور دیگر ارکان میں بالعموم شدید بے چینی مایوسی اور احساس محرومی پیدا ہو گیا اور کچھ وفاقی وزراء نے اس طریقہ کار پر اعتراضات کئے۔ اپنی آئینی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے صدر یہ معاملات وزیر اعظم کے نوٹس میں لائے اور ان کے قریبی رفقاء کی من مانیوں کے خلاف (صدر کے) نوٹس میں لائی گئی تنقید کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد وزیر اعظم پر کیبنٹ سسٹم کی اہمیت واضح کی۔ وزیر اعظم نے مارچ اور اپریل 1993ء کے مہینوں کے دوران صدر کے ساتھ متعدد ملاقاتیں کیں اور کمزوریوں اور بے قاعدگیوں کو تسلیم کرتے ہوئے انسدادی اقدامات کرنے پر اتفاق کیا۔ اس قسم کی آخری ملاقات 14 اپریل 1993ء کو ہوئی جس کے آخر میں سابق وزیر اعظم نے تصحیح کی فوری ضرورت کو تسلیم کیا اور درستی کے لیے اقدامات شروع کرنے کے بعد صدر سے رجوع کرنے کا وعدہ کیا۔ (الف اے 2) صدر یہ تاثر قائم کئے ہوئے تھے کہ وزیر اعظم ایوان کو منظم کرنے میں مصروف ہیں جبکہ اس کے بجائے 17 اپریل 1993ء کو رات سوا آٹھ بجے وزیر اعظم نے الیکٹرانک میڈیا پر ایک ایسی تقریر کی جسے عمومی طور پر زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے "بے مثال" قرار دیا۔ رائے عامہ کی معروف شخصیات نے بھی سابق وزیر اعظم کی تقریر کی مذمت کی اس طرح بظاہر اچھی حکومت کے مفاد میں ان کی اپنی درخواست پر صدر سے ہونے والی مذکورہ بالا ملاقاتوں میں انہوں نے صدر سے خود جو رہنمائی طلب کی تھی، اس رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کے بجائے سابق وزیر اعظم نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وفاقی حکومت آئین کے مطابق نہیں چلائی جا سکتی، انتہائی غیر معمولی راستہ اختیار کیا۔ یہ درحقیقت صدر کی موجودگی میں ان کے جنوری 1993ء کے رویے کا اعادہ تھا جب سابق وزیر اعظم نے کہا تھا کہ "میں تسلیم نہیں کروں گا اور تعاون نہیں کروں گا۔" یہ وہ موقع تھا جب چیف آف آرمی سٹاف کی تقرری کے لیے صدر اور سابق وزیر اعظم کے درمیان ملاقات ہوئی تھی۔ دراصل صدر پر الزام تراشی کے ذریعے انہوں نے محض عوام کو محاذ آرائی پر اکسایا اور اس میں شدت پیدا کی جس میں انہوں نے اپنی کابینہ کے ارکان اور آئی جے آئی کے عوامی نمائندوں کو ملوث کر رکھا تھا۔ پیرا کے باقی مندرجات چھوڑے جاتے ہیں۔ پیرا 4(بی) میں جو دعوے کئے گئے ہیں وہ گمراہ کن ہیں۔ (اس بات کو مسترد کیا جاتا ہے کہ صدر توقع رکھتے تھے کہ انسدادی اقدامات تلاش کئے جائیں اور تین دن میں ان کے پاس جائیں گے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ تین دن کے عرصے کے متعلق در پردہ الزام نامناسب اور غیر ضروری ہے۔ صدر سے 14 اپریل 1993ء کی ملاقات کے بعد درخواست دہندہ نے 17 اپریل 1993ء کو میڈیا پر تقریر کی جس سے ان کے مکمل طور پر منفی ردعمل کا اظہار ہوا اور اس سے مزید تعطل پیدا ہوا جبکہ درخواست دہندہ نے درحقیقت اس بات کی تصدیق کی کہ وفاقی حکومت آئین کی شرائط کے مطابق نہیں چلائی جا سکتی۔ رولز آف بزنس کا حوالہ غیر متعلقہ ہے پیرا کے دیگر دعوے اور مندرجات چھوڑے جاتے ہیں۔ پیرا 5(1) کے جواب میں بیان کیا جاتا ہے کہ جہاں تک صوبوں اور ان کے مفادات کا تعلق ہے تو آرڈر میں گراؤنڈ (سی) آئین کی خلاف ورزی سے تعلق رکھتی ہے آرٹیکلز 153، 154 اور 156 آرٹیکل 161 کے ساتھ پڑھے جائیں تو متعلقہ حقائق اس طریقے کی وضاحت کرتے ہیں جس کے ذریعے صوبوں کے حقوق کی خلاف ورزی کی گئی۔ پیرا 5(1)(1) میں بیان کئے گئے دعوؤں کو مسترد کیا جاتا ہے آن ریکارڈ مواد جو کہ شامل کیا گیا ہے اس کے برعکس اظہار کرتا ہے مذکورہ پیرا سے متعلق اس بات کو مسترد کیا جاتا ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کو اس کا جائز حصہ دیا گیا جیسا کہ پیرا میں بیان کیا گیا

Scanned with CamScanner

ہے۔ صحیح صورتحال جی (1) اور جی (1) میں دی جاتی ہے۔ (الف) جی 1) اور جی (1)(1)، 5(1)(1) پیرا 5(1)(iii) میں کیے گئے دعوے گمراہ کن ہیں۔ حکومت بلوچستان کو 1991-92 اور 1992-93 کا عمل حصہ ادا نہیں کیا گیا ہے جس کے متعلق متعلقہ صوبائی حکومت نے شکایت کی ہے۔ جی (2) مدعا علیہ اس سلسلے میں تفصیلات بیان کرتا ہے۔ 5(1)(iii) کے مندرجات گمراہ کن اور غیر حقیقی ہیں۔ یہ بعض پروگرام سابقہ حکومتوں کے شروع کردہ پروگرام ہیں۔ مثال کے طور پر مسٹر جونیجو کا 5 نکاتی پروگرام، مسز بھٹو کا پیپلز ورکس پروگرام جن سے جو چیز متعلقہ ہے وہ یہ ہے کہ یا تو فنڈز جاری نہیں کیے گئے یا پھر مذکورہ پروگراموں کے لیے ان کا مناسب استعمال نہیں کیا گیا۔ بعض حالات میں درخواست دہندہ نے بعض حلقوں کے لیے مخصوص کیے گئے فنڈ ان حلقوں کے بجائے اپنے مخصوص پسندیدہ ارکان اسمبلی جیسے کہ ... کو دیے۔ 5(1)(1) پیرا 5(1)(1) کے مندرجات گمراہ کن ہیں 5(1)(iv) پیرا 5(1)(iv) میں کیے گئے دعوے گمراہ کن اور غلط ہیں۔ درخواست دہندہ نے تسلیم کیا ہے کہ یہ سی سی آئی، این ای سی اور اس کی ایگزیکٹو کمیٹی کے آئینی کردار کو بائی پاس کیے جانے کی یہ مخصوص مثالیں ہیں۔ صنعتوں اور پاور یونٹس کی پرائیویٹائزیشن سے متعلق مشترکہ مفادات کونسل کو اپنی آئینی ذمہ داریاں پوری کرنے کی اجازت دینے سے متعلق وضاحت مکمل طور پر ناقابل قبول ہے۔ یہ وہ معاملہ نہیں ہے جہاں متعلقہ وزراء کو سی سی آئی اور این ای سی اور اس کی ایگزیکٹو کمیٹی جیسے آئینی اداروں کو بائی پاس کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اس طریقے سے متعصبانہ طور پر صوبوں کے حقوق مجروح کیے گئے ہیں آئینی میکنزم کی خلاف ورزی کی گئی ہے اور پارلیمنٹ کے کردار کی نفی کی گئی ہے۔ پیرا 5(اے)(1) میں کیے گئے دعوے غلط اور گمراہ کن ہیں۔ اس بات کی تردید کی جاتی ہے کہ نجکاری کی پالیسی پر مؤثر طور پر عملدرآمد کیا جا رہا تھا جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ درخواست گزار اور ان کی حکومت نے آئینی تشکیل سے قطع نظر یکطرفہ طور پر نجکاری کی پالیسیاں بنائیں اور آرٹیکل 154 کے مطابق نجکاری کی پالیسی بناتے وقت مشترکہ مفادات کی کونسل سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ نجکاری کے پورے عمل میں ہر موقع پر متعدد غیر قانونی حرکات اور بے قاعدگیاں کی گئیں۔ مثال کے طور پر (اے) حوالہ جاتی قیمتیں تیزی کے ساتھ تبدیل کی گئیں (بی) یونٹوں کی نقد ادائیگی کے تعین کے لیے کوئی مربوط طریقہ کار اختیار نہیں کیا گیا (سی) بولی دینے کا نظام موجود نہیں تھا اور یونٹوں کو درخواست گزار نے اپنے "پسندیدہ" افراد کے حوالے کر دیا اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ بولی دینے والوں کا بھی خیال نہیں رکھا گیا (ڈی) فروخت کیے گئے یونٹ کی رقم کی ادائیگی کے لیے کسی وقت اور طریقہ کار کا تعین نہیں کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں قومی خزانے کی رقم کی ادائیگی کے لیے کسی وقت اور طریقہ کار کا تعین نہیں کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں قومی خزانے کی قیمت پر مرکزی اثاثے ضائع ہوئے۔ (ای) فروخت یا ٹرانسفر کیے گئے یونٹوں کی پیداوار کی قیمتوں کے تعین کا کوئی طریقہ کار نہیں رکھا گیا اور قیمتوں کے تعین کے سلسلے میں صارفین کو یونٹ خریدنے والے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا (الف) در حقیقت یونٹ خریدنے والوں نے تیز ترین عمل کے تحت قیمتیں ادا کیں جن کی منافع دینے والے یونٹوں کو بھی بغیر سوچے سمجھے فروخت کر کے قومی خزانے کو نقصان پہنچایا گیا۔ سیمنٹ کے سات کارخانے ایک ہی گروپ کو بیچ دیے گئے۔ درخواست گزار نے مسلم کمرشل بینک کو جس طرح اپنے پسندیدہ گروپ (منشا گروپ) کو بیچا اس بات کو سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر عدالت کو یہ جاننے کی ضرورت پیش آئی کہ سابق حکومت نے کس طرح اقربا پروری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا تو اس سلسلے میں متعلقہ دستاویزات وقت پر پیش کر دی جائیں گی۔ درخواست گزار نے سیمنٹ کے آٹھ کارخانے اپنے پسندیدہ منشا گروپ کو فروخت کر کے ملک کی سیمنٹ کی پیداوار پر صرف ایک گروپ کی اجارہ داری قائم کر دی۔ یہ صورتحال اختیارات کا واضح طور پر غلط استعمال ہے اور اس کا ملک بھر میں سکینڈل بنا۔ جن دوسرے یونٹوں کی فروخت قابل اعتراض طور پر کی گئی اگر معزز عدالت نے کہا تو ان کی تفصیلات پیش کر دی جائیں گی۔

نجکاری......اے۔ اس بات کی تردید کی جاتی ہے کہ درخواست گزار کی پالیسیوں کا عوام نے زبردست خیر مقدم کیا جیسا کہ دعویٰ کیا

Scanned with CamScanner

گیا ہے نجکاری اور دوسرے معاملات کے بارے میں حقائق معزز عدالت کے سامنے پیش کر دیئے گئے ہیں۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نجکاری اور وفاقی حکومت کے زیر انتظام پراپرٹی بشمول کارپوریشنز کے بارے میں درخواست گزار کی پالیسیاں مربوط نہیں تھیں۔ درخواست گزار اور ان کی حکومت نے آئین کی شقوں 153، 154، 156، 161 کو ساتھ ملا کر پڑھنے کی صورت میں آئین کی خلاف ورزی کی ہے اس سلسلے میں معزز عدالت کے سامنے متعلقہ ریکارڈ پیش کیا جا رہا ہے (مسلک اے۔ 4، 5، 7 اور 3) مثال کے طور پر درخواست گزار اور ان کی حکومت نے غیر آئینی طور پر کارپوریشنیں، بینک اور صنعتیں فروخت کرنے کے ساتھ ساتھ قومی اداروں، یونٹوں کو حتیٰ کہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کے ہاتھ فروخت کرنے کا فیصلہ کیا ان قومی اہمیت کے اداروں میں واپڈا، ریلویز، پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کارپوریشن، پی این ایس سی کی پورٹ سہولیات شامل ہیں۔ اس سلسلے میں صوبوں یا عوامی نمائندوں کے ساتھ بھی مشورہ نہیں کیا گیا حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی اعتماد میں نہیں لیا گیا جن کے مفادات متاثر ہو سکتے تھے۔ اس بات سے وفاق کی یکجہتی اور ڈھانچے کو خطرے میں ڈال دیا گیا۔

انہوں نے کہا کہ جہاں تک پاکستان ٹیلی مواصلاتی کارپوریشن کا تعلق ہے درخواست گزار اور ان کی حکومت نے غیر ملکی ٹھیکیداروں کو نوازنے کی انتہا کر دی اور وزارت قانون و انصاف کو اندھیرے میں رکھ کر بیرون ملک ایسی قانون سازی کو سامنے لایا گیا جس کے مطابق پی ٹی سی کو صرف غیر ملکی سرمایہ کار ہی خرید سکتے تھے۔ اس ضمن میں قواعد وضوابط کا انبار لگا یا گیا اس میں بظاہر بہت کم حصص غیر ملکی خریداروں کے ظاہر کئے گئے لیکن قواعد کے تحت ووٹ کے حقدار صرف 16 فیصد غیر ملکی حصص یافتگان ہی قرار پائے جبکہ حکومت جس کے پاس 74 فیصد حصص ظاہر کئے گئے تھے اسے ووٹ کے حق سے محروم کر دیا گیا۔ پاکستان میں شدید احتجاج ہوا قانونی طور پر اعتراضات کئے گئے جس کے جواب میں ان غیر ملکی ٹھیکیدار کمپنیوں درخواست گزار اور ان کی حکومت کے وکلاء نے اشک شوئی کی کوشش کی اس کے باوجود حتمی مسودہ تیار کیا گیا۔ اس میں سراسر بورڈ آف ڈائریکٹرز صرف غیر ملکی خریدار تھے اور غیر ملکی خریداروں کو 25 سالہ اجارہ داری کی پیشکش کی گئی۔ ٹیکسوں کی چھوٹ مکمل طور پر غیر ملکی خریداروں اور سرمایہ کاروں کے لیے تھی۔ اس ضمن میں ملکی سرمایہ کاروں کے لیے رعایت کی گنجائش تجویز نہ کی گئی۔ اس طرح کھلا امتیاز برتا گیا۔ پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کی عملداری حکومت پاکستان کے ساتھ ظاہر کرتے ہوئے اصل اثاثوں کا مالک غیر ملکی خریداروں اور اجارہ داروں کو تجویز کر دیا گیا۔ کارپوریشن کے مجوزہ خریدار اپنے ملازمین کو پنشن سے بھی محروم رکھنے کے مجاز قرار دیئے گئے۔ غیر ملکی خریداروں کو کارپوریشن کا مالک بنا کر انہیں کلی اختیارات تفویض کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ اس طرح وہ ملک کے کسی بھی حصے میں زمین اور اثاثے واملاک خرید سکتے تھے۔ اس ضمن میں ایک قانون تجویز کیا گیا جس کے ذریعے دوسرے لفظوں میں یہ غیر ملکی خریدار وسرمایہ کار حکومت کے اندر ایک دوسری حکومت بنا دیئے گئے۔ انہیں پاکستانی ملازمین کا ان داتا بنا دیا گیا۔ (2) انہیں پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کے ادارے ٹی اینڈ ٹی کی مصنوعات اور ساز وسامان کی خریداری کا پابند بھی نہ بنایا گیا حالانکہ حکومت پاکستان کی سرپرستی میں یہ ادارے ٹیلی فون اور دوسرے متعلقہ ساز وسامان کر رہے تھے اس طرح پوری ٹیلی کمیونی کیشن اس کے تمام ترپرائیویٹ سیکورٹی کے راز سب کچھ ان غیر ملکی خریداروں کے حوالے کرنے کی تجویز تھی...... حتیٰ کے ٹیلی کمیونی کیشن کے وہ نیٹ ورک جو حساس نوعیت کے سلامتی ووفاقی امور سے متعلق ہے وہ ان بیرونی خریداروں کے حوالے کرنے کی تجویز دی گئی۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کی یاد تازہ کر دی گئی جس سے چھٹکارا حاصل کرنے میں برصغیر کے عوام نے 200 سال تک بے پناہ قربانیاں دیں۔ بعض دفعات میں نرمی ظاہر کرنے کی بھی کوشش کی گئی جو دراصل ملکی سطح پر شدید احتجاج اور محکمہ قانون کے اعتراضات کا منہ بند کرنے کے لیے تھے۔ محکمہ قانون کہتا ہی رہا کہ آئین میں دیئے گئے مساویانہ برتاؤ کی قانونی خلاف ورزیاں کی جا رہی ہیں لیکن ان کی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے ملک کی سلامتی کے راز بھی غیر ملکی سرمایہ کاروں کے حوالے کر دیئے گئے جبکہ کارپوریشن کی 3 ہزار کروڑ روپے کی سالانہ آمدن بھی ان خریداروں کو سونپ

Scanned with CamScanner

دی گئی۔ ملک بھر میں اس کے خلاف نومبر 1992ء سے احتجاج کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن آئین کے آرٹیکل 158، 159 اور 160 کے خلاف صوبوں کی منظوری کی ضرورت ہی محسوس نہ کی گئی۔ ان آرٹیکلز میں مشترکہ مفادات کونسل کی منظوری لازم ہے۔ درخواست گزار اور ان کی حکومت نے کمپنی اجارہ داریوں کی حدود کے قانون اور دوسرے رائج قوانین کو پس پشت ڈال کر پی ٹی سی کی فروخت کے بارے میں مکمل راز داری قائم رکھنے پر اصرار کیا اور نہ ہی اس ضمن میں آزادانہ سروے ٹیموں کے ذریعے اس کے اثاثوں اور یونٹوں کے بارے میں معلوماتی سروے ہی کرانے کی ضرورت محسوس کی گئی جبکہ درخواست گزار اور ان کی حکومت نے اس امر پر اصرار کرتے ہوئے وزارت مواصلات پر زور دیا کہ پی ٹی سی کو 31 مارچ 1993ء تک فروخت کر دیا جائے اور اس ضمن میں غیر ملکی سرمایہ کاروں کے لیے جو مندرجہ بالا قواعد وضوابط اور ترغیبات رکھی گئی ہیں ان کے حوالے سے بین الاقوامی بولی لگائی جائے اس طرح قومی خود مختاری سالمیت اور مفادات کی قربانی دے دی گئی۔ یہ منصوبے اور خواہشات تھیں درخواست گزار اور ان کی حکومت نے اس ضمن میں کابینہ کے اجلاس میں اصولی طور پر ارادہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ اس طریق پر قومی کارپوریشن کو اغیار کے ہاتھوں فروخت کر دیں گے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ سب کچھ پاکستان کے قومی مفادات کے قطعی طور پر منافی ہے اور کوئی بھی محب وطن پاکستانی اپنے ملک کے ساتھ اس قسم کی خطرناک کارروائی کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا کہ وہ وفاق کے اہم مواصلاتی رابطے کو ہی فروخت کر دے اس کی بولی ملک کے اندر اور بیرون ملک لگا دی جائے اور یہ بولی دیار غیر سے آنے والے سرمایہ کار لگائیں گے۔ اس ضمن میں ان مجوزہ قوانین کی نقول ہمراہ منسلک ہیں جو کابینہ نے اصول منظور کیے۔ یہ نقول اس فاضل عدالت عظمیٰ کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں جو درخواست گزار اور اس کے منصوبوں اور خواہشات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اٹارنی جنرل نے مزید موقف اختیار کیا کہ اس طریق کار کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ درخواست گزار اور ان کی حکومت نے واپڈا، ریلوے، پی این ایس سی اور بندرگاہیں بھی دیار غیر کے ان سرمایہ کاروں کے ہاتھ فروخت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح انہوں نے پاکستان کے اہم ترین شعبوں میں غیر ملکی مداخلت کی کھلی اجازت دے دی۔ انہوں نے ملکی اداروں اور یونٹوں کو خطرات سے دوچار کر دیا اور وفاق کے تمام راز افشا کر دیے۔ اس طرح اس نے پاکستان کے عوام کو بھی غیر ملکی سرمایہ کاروں کے حوالے کر دیا۔ اس نجکاری کا یہ طریق کار پاکستان کی خود مختاری، یکجہتی اور سلامتی کے لیے خطرہ ہے۔ یہ تیں درخواست گزار اور ان کی حکومت کی تجاویز، خیالات اور کارروائیاں اور پھر ملک کے عوام کو حکومت چلانے کے اس انداز سے قطعی بے خبر رکھا گیا۔ انہیں مکمل اندھیرے میں رکھا گیا کہ کیا تجاویز اور خیالات حکومت کے پاس ہیں۔ اس قسم کی رازداری برتنے کا وفاق پاکستان کی حکومت کو قطعی اختیار حاصل نہیں ہے۔ آئین اس کی اجازت نہیں دیتا کہ خود مختاری کے مفادات اور اثاثوں کو یوں اغیار کے پاس فروخت کر دیا جائے۔ اس سے ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ آئی جے آئی کی حکومت کو عوام کی طرف سے اس امر کا مینڈیٹ مل گیا ہے کہ وہ نفع میں چلنے والے اداروں، بینکوں، واپڈا، پی آئی اے، ریلوے اور بندرگاہوں تک کو نجی شعبے کی تحویل میں دے سکتی تھی۔ آئی جے آئی نے انتخابات سے قبل اس قسم کے انتخابی منشور کا قطعی اعلان نہیں کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ درخواست گزار کے دعوے کے پیرا 5 ب۔ 1 میں گمراہ کن، من گھڑت اور غلط طریق پر آرٹیکل 70 اور 97 اور یہ آرٹیکل 54 اور 173 کو غلط طور پر استعمال کیا حالانکہ وفاق کی ایگزیکٹو اتھارٹی کو اس صورت میں روبہ عمل لایا جا سکتا ہے جب آرٹیکل 160 اور 161 کے تحت عمل کیا جائے۔ اور آرٹیکلز کی تکمیل کر دی جائے۔ آئین میں اداروں، تنصیبات، کارپوریشنوں اور وفاقی اداروں کی فروخت کے لیے حدود متعین ہیں اور اس مقصد کے لیے مشترکہ مفادات کی کونسل سے رہنمائی کی ضرورت ہوگی۔ مشترکہ مفادات کونسل کو بتائے بغیر کارپوریشن اور اس کے ذیلی اداروں واملاک کی فروخت یا منتقلی کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ درخواست گزار کی حکومت مشترکہ مفادات کونسل کو کام کرنے کا موقع دینے میں ناکام رہی اور اس نے جان بوجھ کر مشترکہ مفادات

کونسل کو آئینی تقاضوں کے استحکام کا موقع نہیں دیا۔اس طرح درخواست گزار اور اس کی حکومت نے ایگزیکٹو اتھارٹی کو غیر آئینی طور پر استعمال کیا اور اس ضمن میں اس پیرا کے باقی مندرجات بھی غیر متعلق ہیں۔اس پیرا میں کیا جانے والا یہ دعویٰ گمراہ کن ہے۔مقررہ آئینی تقاضوں سے اجتناب ممکن ہی نہیں ہے اور یہ بھی الزام ہے کہ سی سی آئی کا اجلاس نہیں بلایا گیا اور نجکاری اور کارپوریشنوں وغیرہ کی فروخت کے لیے اس سے رجوع نہیں کیا گیا۔انہوں نے مزید کہا کہ اس پیرے میں جو مزید دعوے کئے گئے ہیں وہ غلط ہیں اور اس ضمن میں وزرائے اعلیٰ کے دفاتر میں موجود ریفرنس ان کی تردید کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ اس سے اگلے پیراگراف میں درخواست گزار نے جو باتیں ملک کے حساس ایٹمی پروگرام کے ضمن میں کی ہیں اس کا ریفرنس قومی مفاد میں نہیں ہے۔

صوبوں کے ساتھ تعلقات :اس ضمن میں مندرجات کی تردید کی جاتی ہے اور یہ غیر متعلقہ بھی ہیں البتہ مشترکہ مفادات کونسل کے تین اجلاس بلائے جانے سے انکار نہیں کیا جاتا۔لیکن جہاں تک کارپوریشنوں اور اداروں کی نجکاری اور فروخت کا معاملہ ہے اس ضمن میں مشترکہ مفادات کونسل سے کبھی رجوع نہیں کیا گیا اور اس ضمن میں مشترکہ مفادات کونسل کو حاصل آئینی اختیارات کا درخواست گزار اور ان کی حکومت نے کوئی خیال نہیں رکھا اور اس ضمن میں آئین کے آرٹیکل 153، 154، 160اور 161 کو ملحوظ نہیں رکھا اور وفاقی حکومت کا وطیرہ صوبوں کے حقوق سے انحراف کا باعث بنا۔سی سی آئی کا حالیہ اجلاس آرٹیکل 154 کے مطابق نہیں تھا۔انہوں نے کہا کہ صوبوں نے اس ضمن میں احتجاج کیا ہے۔انہوں نے کہا کہ پیرا ڈی 3 میں غیر متعلقہ دعویٰ کیا گیا ہے جو گمراہ کن اور غلط ہے جہاں تک سی سی آئی اور این آئی سی کا تعلق ہے اس کی انتظامی کمیٹی پہلے ہی اس امر کا جواب دے چکی ہے جس کا دعویٰ درخواست گزار نے پیرا ڈی 4 میں کیا ہے۔اس کا پہلے جواب دیا جا چکا ہے۔لیکن درخواست گزار نے اپنے دعوے میں اسے دہرایا ہے۔بہرحال مقررہ آئینی تقاضوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے جہاں تک پیراگراف ای 1 میں پیش کئے جانے والے دعوے کا تعلق ہے صرف اجلاس بلالینا صوبوں کو درپیش مسائل کا حل نہیں ہے۔دعوے میں قومی مالیاتی کمیشن اور اس کی ایگزیکٹو کمیٹی کے بارے میں دعویٰ گمراہ کن ہے فیصلے قومی مالیاتی کمیشن کو بتائے بغیر کئے گئے۔جہاں تک مشترکہ مفادات کونسل اقتصادی رابطہ کمیٹی اور قومی اقتصادی کونسل کے اجلاسوں کے دعووں کا تعلق ہے یہ سب کچھ محض دکھاوا تھا درخواست گزار اور ان کے رفقاء نے تمام اہم فیصلے آئینی تقاضوں کو نظر انداز کر کے کئے۔وفاقی حکومت کی زیر تحویل کارپوریشنوں کی نجکاری میں رولز آف بزنس کو بالائے طاق رکھا گیا اور یہ معاملات درخواست گزار کی طرف سے کبھی بھی سی سی آئی اور این ای سی کے سامنے پیش نہ کئے گئے۔صوبوں کے بارے میں درخواست دہندہ اور اس کی حکومت کا رویہ یہ تھا کہ پالیسیاں بنانے میں صوبائی حکومتوں کا کوئی عمل دخل نہیں تھا جو آئین کے تحت ان کا حق تھا۔صدر کے اختیارات کے بارے میں درخواست گزار نے جو موقف اختیار کیا وہ آئین کی رو سے گمراہ کن ہے۔صدر نے 18 اپریل 1993ء کا حکم حقائق، دستاویزات، ریکارڈز اور حاصل ہونے والی اطلاعات کی بنیاد پر پاس کیا۔اٹارنی جنرل نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ منصوبہ بندی اور مالیاتی تجارتی سماجی اور اقتصادی پالیسیوں میں این سی سی اور اس کی ایگزیکٹو کمیٹی کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا۔صوبوں کے آئینی اختیارات حقوق اور فرائض کو وفاقی حکومت کی طرف سے غصب کیا گیا اور صوبائی حکومتوں کے معاملات میں وفاقی حکومت کی جانب سے مداخلت کی گئی۔انہوں نے کہا کہ 18 اپریل 1993ء کا حکم پاس کرنے سے قبل انتظامیہ کی بدعنوانی کرپشن اور دیگر الزامات سے متعلق حقائق، ریکارڈ، دستاویزات اور معلومات صدر کے پیش نظر تھیں جن کو بنیاد بنا کر متذکرہ آرڈر پاس کیا گیا۔درخواست گزار نے اپنے موقف کے حق میں جو بنیاد بنائی ہے وہ اس کے لیے ایسا جواب نہیں دے سکے جس سے اس بنیاد کو تسلیم کرلیا جائے۔اٹارنی جنرل نے کہا کہ درخواست دہندہ نے کابینہ اور حکومت کے امور کے سلسلے میں آئین اور رولز آف بزنس کی خلاف ورزی کی ہے۔قانون سازی اور پالیسی سے متعلق دیگر اہم امور میں کابینہ کو اعتماد میں نہیں لیا

Scanned with CamScanner

گیا۔ آرڈیننس اور قانون کے کئی مسودات کو منظوری کے لیے کابینہ کے سامنے پیش نہ کیا گیا۔ کابینہ کے ایک سینئر وزیر حامد ناصر چٹھہ نے کھلے عام ایک بیان میں یہ شکایات بھی کی تھیں۔ حامد ناصر چٹھہ نے مزید شکایت کی تھی کہ اگرچہ کابینہ میں 48 وزراء شامل ہیں لیکن فیصلے صرف پانچ افراد پر مشتمل کچن کابینہ کرتی ہے جس میں درخواست گزار بھی شامل ہے اور دیگر وزراء کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اٹارنی جنرل نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ درخواست گزار نے وفاقی وزراء کو ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ صدر سے ملاقات نہ کریں جس کا مقصد صدر کو وفاق کے معاملات اور حکومت کی جانب سے آئین کے آرٹیکل 46 اور دوسری دفعات کی خلاف ورزی سے بے خبر رکھنا تھا۔ پیراگراف 6 میں جو دعوے اور اعتراضات کیے گئے ہیں وہ غلط ہیں۔ بیگم نزہت آصف نواز نے پریس کانفرنس میں جو بیان دیا تھا وہ بالکل واضح ہے اور درخواست میں ان کے رویہ سے متعلق اعتراضات کا کوئی جواز نہیں۔ تحقیقاتی کمیشن صدر کے کہنے پر مقرر کیا گیا تھا یہ بھی غلط بیان کیا گیا ہے کہ ایوان صدر سے بھیجا گیا خط دس بجے رات وصول کیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سابق وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی طرف سے یہ خط شام پانچ بج کر پچاس منٹ پر وصول کیا گیا تھا یہ خط فوری طور پر مارک کر کے خصوصی پیغام رساں کے ذریعے بھیجا گیا تھا۔ اس ضمن میں کسی قسم کے تعصب کا الزام غلط ہے۔ پیراگراف 7 میں اٹھائے گئے اعتراضات غلط ہیں جن کو مسترد کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ جن پر ملک میں سیاسی بحران اور اقتصادی انحطاط پیدا کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ درخواست گزار اور ان کے رفقائے کار ہیں یہ بات دیکھی جاسکتی ہے کہ سابق وفاقی حکومت نے ملک کو اندرونی اور بین الاقوامی طور پر نقصان وہ خسارہ سے دوچار کیا جس نے ملک کو معاشی طور پر تباہی کے راستے پر گامزن کر دیا۔ اس کمزور ترین صورتحال میں جب کہ ملک کا دفاع بری طرح متاثر ہو رہا تھا حکومت کی خارجہ پالیسی مطلوبہ نتائج پر پوری نہیں اتر رہی تھی اور اس نے ملک کو قریبی اور روایتی قابل اعتماد دوستوں کی حمایت سے محروم کر دیا تھا جن کا نام یہاں نہیں لیا جاسکتا۔ حکومت مختلف فورموں پر قومی مقاصد کے لیے حمایت و تائید حاصل کرنے میں کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ پیراگراف 8 میں اٹھائے گئے اعتراضات مسترد کیے جاتے ہیں۔ 18 اپریل 1993ء کو قومی اسمبلی توڑنے کا حکم آئین کے مطابق تھا۔ پیراگراف 9 کے مندرجات غلط ہیں۔ پیراگراف 10 میں جو الزامات عائد کیے گئے ہیں وہ غلط ہیں اور بعض غیر متعلقہ ہیں اور صدر کے خلاف درخواست گزار کی الزام تراشی قابل اعتراض ہے۔ ان حالات میں قومی اسمبلی صدارتی اقدام میں ذکر کیے گئے اسباب اور مختلف دیگر وجوہ کی بناء پر عوام اور اپنے مینڈیٹ کا اعتماد کھو چکی تھی۔ اس صورت حال میں ایسی اسمبلی بجائے خود جمہوریت کی نفی کرتی ہے۔ صدر کا 18 اپریل 1993ء کا حکم انہی معروضی حالات پر مبنی ہے جو حاجی سیف اللہ اور خواجہ احمد طارق رحیم کے مقدمات میں بیان کیے گئے ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ اس سلسلے میں نیچرل جسٹس کی خلاف ورزی کی گئی ہے جہاں تک وزیر اعظم کو اکثریت کی حمایت حاصل ہونے کے دعوے کا تعلق ہے وہ بھی غلط ہے۔ پیپلز پارٹی اور قومی اسمبلی کے دیگر ارکان کے استعفے اتنے کافی تھے کہ صدر کو آرٹیکل 58 کی شق (2) بی کے تحت قومی اسمبلی توڑنے پر غور کرنا پڑا۔ پیراگراف 11 میں درخواست گزار نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی حمایت حاصل کرنے کے لیے صدر پر جو الزامات لگائے ہیں وہ غلط اور بے بنیاد ہیں۔ آصف علی زرداری کے بارے میں بھی درخواست دہندہ کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اٹارنی جنرل نے کہا کہ درخواست دہندہ نے خود فروری 1993ء میں آصف علی زرداری کو لندن جانے کی غرض سے پاسپورٹ، این او سی اور دوسری سہولتیں فراہم کرنے میں غیر معمولی سرگرمی دکھائی۔

درحقیقت درخواست گزار نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی ان حالات میں صدر کے خلاف درخواست گزار کی الزام تراشی انہیں زیب نہیں دیتی۔ پیراگراف 11 میں جو الزامات اٹھائے گئے ہیں وہ بھی اسی طرح غلط ہیں۔ پیراگراف 12 میں کیے گئے دعوے بلا جواز ہیں۔ صدر کی تقریر میں صدارتی حکم کی مکمل وضاحت کر دی گئی تھی اس لیے صدر کے ساتھ کسی انتقامی

Scanned with CamScanner

کارروائی کو منسوب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پیراگراف 13 جواب میں کہا جاتا ہے کہ 14 جولائی کو قومی اسمبلی کے انتخابات منعقد کرانے کا اعلان ہو چکا ہے اور ہائی کورٹ کے دائرہ اختیار سے تجاوز کرنا قرین انصاف نہیں۔ پیراگراف 13 میں اٹھائے گئے اعتراضات غلط ہیں کیونکہ بنیادی حقوق کی کسی طرح بھی خلاف ورزی نہیں کی گئی۔

سیکرٹری کیبنٹ ڈویژن حکومت پاکستان ہمایوں فیض رسول نے سپریم کورٹ میں حلفیہ بیان دیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ میں نے یہ بیان حلفی تحریری بیان کی حمایت میں داخل کیا ہے اور جس کے مندرجات کی میں تصدیق کرتا ہوں۔ بیان حلفی میں کہا گیا ہے کہ وفاقی حکومت کے تحریری بیان میں جو حقائق بیان کئے گئے ہیں جس پر میں نے بھی دستخط کئے ہیں وہ میرے علم کے مطابق بالکل درست ہیں اور سرکاری ریکارڈ کے عین مطابق ہیں۔ تحریری بیان میں کوئی چیز غلط بیان نہیں کی گئی اور نہ ہی اس میں پیش کردہ مواد میں ردو بدل کیا گیا ہے۔ بریگیڈیر احمد جہانزیب ڈائریکٹر جنرل لاء پریذیڈنٹ سیکرٹریٹ اسلام آباد نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ میں حلفیہ اقرار کرتے ہوئے بیان دیتا ہوں کہ میں پریذیڈنٹ سیکرٹریٹ میں ڈائریکٹر جنرل لاء کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں اور کیس کے حقائق سے متعلق واقف ہوں اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں انہوں نے کہا کہ میں نے مذکورہ بالا کیس میں وفاقی حکومت جو مدعا علیہ نمبر 2 کا تحریری بیان پڑھا ہے یہ بیان حلفی تحریری بیان کی حمایت میں داخل کیا ہے تحریری بیان میں درج حقائق، ریکارڈ اور دستاویزات 18 اپریل 93ء کے صدارتی حکم سے قبل صدر کے پاس موجود تھیں مذکورہ بالا بیان میرے علم کے مطابق درست ہے تحریری بیان میں کوئی چیز غلط نہیں ہے اور اس میں پیش کردہ مواد میں کوئی ردو بدل نہیں کیا گیا۔ چوہدری فضل حسین ایڈووکیٹ آن ریکارڈ 15 سی فین روڈ لاہور نے اپنے بیان حلفی میں کہا ہے کہ میں حلفیہ اقرار کرتے ہوئے بیان دیتا ہوں کہ تحریری بیان میں کئے گئے دعوے ریکارڈ اور دستاویزات کے مطابق درست ہیں اس میں کوئی چیز غلط بیان نہیں کی گئی اور نہ ہی اس میں پیش کردہ مواد میں کوئی ردو بدل کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

18 مئی 1993ء

سپریم کورٹ آف پاکستان قومی اسمبلی توڑنے کے صدارتی اقدام کے خلاف سابق وزیراعظم نواز شریف کی آئینی پٹیشن میں چاروں صوبوں کو فریق بنانے کے بارے میں بدھ کو فیصلہ کرے گی۔ صوبائی حکومتوں نے موقف اختیار کیا کہ مشترکہ مفادات کونسل اور قومی اقتصادی کونسل کو نظر انداز کر کے صوبوں کے حقوق دینے سے انحراف کیا گیا۔ لہٰذا انہیں بھی قومی اسمبلی توڑنے کے اقدام کے خلاف آئینی درخواست میں فریق بنایا جائے۔ پنجاب اور سندھ کی طرف سے ان کے ایڈووکیٹ جنرلز نے اس ضمن میں باقاعدہ درخواستیں دائر کردی ہیں جبکہ بلوچستان اور سرحد کے ایڈووکیٹ جنرل فریق بنانے کی درخواستیں لے کر سپریم کورٹ پہنچے تھے۔ چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ عدالت بدھ کو اس ضمن میں فیصلہ کرے گی کہ صوبوں کو فریق بنایا جائے یا نہیں۔ منگل کو اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی نے اپنے دلائل جاری رکھے اور مشترکہ مفادات کونسل، قومی اقتصادی کونسل، کرپشن، لوٹ کھسوٹ، سی بی آر اور انٹیلی جنس کے افسروں کی سرپرستی میں سمگلنگ اور غیر قانونی تقرریوں اور ترقیوں کے بارے میں دلائل دیئے ابھی ان کے دلائل جاری تھے کہ عدالت کا وقت ختم ہونے پر سماعت بدھ کی صبح تک کے لیے ملتوی کردی گئی۔ چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ اٹارنی جنرل نے اسمبلی توڑنے کی وجوہات اور تمام متعلقہ مواد دے کر اپنی ڈیوٹی مکمل

Scanned with CamScanner

کرلی ہے۔ بدھ کو وہ قانونی نکات پر اپنے دلائل مکمل کریں۔ اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے کہا کہ صدر کی بار بار تنبیہ کے باوجود وفاقی حکومت آئین کی شقوں سے انحراف کرتی رہی صوبوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھا گیا جس کے بعد صدر اور وزیر اعظم کے درمیان رابطوں کے پل ٹوٹ گئے اور ریاستی امور آئین کے مطابق چلانا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ صدر نے اپنے آئینی اختیارات استعمال کرتے ہوئے قومی اسمبلی کو توڑ دیا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ آئین کے آرٹیکل 156 کے تحت مشترکہ مفادات کونسل اور اقتصادی کونسل قائم کر کے صوبوں کو نمائندگی دی گئی ہے۔ مشترکہ مفادات کونسل آرٹیکل 156 کے تحت فنانشل کمرشل سوشل اور اقتصادی پالیسیاں مرتب کرتے ہوئے کونسل کو نظر انداز کیا گیا۔ اہم شعبوں جن میں واپڈا، شاہراہوں کی تعمیر اور ہائیڈرو الیکٹرک منصوبے شامل ہیں میں صوبوں کے حقوق کا خیال نہیں رکھا گیا۔ وفاقی حکومت نے دانستہ آئین سے انحراف کیا۔ عدالت نے سوال پوچھا کہ اس خلاف ورزی پر صوبوں نے آئین کے مطابق کیوں پارلیمنٹ سے رجوع نہیں کیا حالانکہ آرٹیکل 154 (5) کے تحت صوبے پارلیمنٹ سے رجوع کر سکتے تھے۔ اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے کہا کہ مشترکہ مفادات کونسل نے صنعتی یونٹوں اور وفاقی حکومتوں کی پراپرٹی فروخت کرنے کے بارے میں کوئی فیصلہ ہی نہیں کیا تھا۔ وفاقی حکومت نے مشترکہ مفادات کونسل کو نظر انداز کر کے نجکاری کمیشن قائم کیا اور یونٹ فروخت کر دیئے یہ معاملات کونسل کے ایجنڈے پر نہیں لائے گئے۔ انہوں نے عدالت میں ایک فہرست پیش کی جن میں فروخت کیے گئے اور فروخت کے عمل سے گزرنے والے یونٹوں کی تفصیل تھی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ یونٹس اور کارپوریشنوں کی فروخت کے لیے موجودہ قوانین میں سہولت پیدا کرنے کے لیے ترامیم کی گئی ہیں۔ مگر آئین کے مطابق نجکاری کی پالیسی مشترکہ مفادات کونسل میں طے نہیں کی گئی۔ لہٰذا نجکاری کا سارا عمل غیر آئینی ہے۔ صوبائی خود مختاری کے بارے میں اٹارنی جنرل نے کہا کہ سندھ بلوچستان اور سرحد کے وزراء اعلیٰ نے صدر اور وزیر اعظم کو چٹھیاں لکھ کر شکایت کی کہ صوبوں کے حقوق پامال کیے گئے ہیں۔ فاضل عدالت نے رائے ظاہر کی کہ قومی اقتصادی کونسل مشاورتی باڈی ہے جس پر اٹارنی جنرل نے کہا کہ آئین کے تحت اس کونسل کو ایڈوائس کا حق دیا گیا ہے جسے نظر انداز کیا گیا صوبوں کو ان کے حقوق سے محروم کر کے آئین سے انحراف کیا گیا۔ عدالت نے استفسار کیا کہ عہدے پر موجود وزیر اعظم کے خلاف ریفرنس کیوں دائر نہیں ہو سکتا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ریفرنس دائر کرنے کی ایڈوائس وزیر اعظم نے دی۔ وہ اپنے خلاف ریفرنس کی ایڈوائس کر سکتے تھے تاہم انہوں نے کہا کہ ریفرنس کا قانون بذات خود ایڈوائس کی پیداوار ہے اس لیے ارکان اسمبلی بمعہ کابینہ عہدے پر موجود وزیر اعظم کے خلاف ریفرنس دائر کر سکتے ہیں۔ چیف جسٹس نے استفسار کیا پھر صدر نے وزیر اعظم کے خلاف ریفرنس کیوں دائر نہیں کیے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ تمام میٹریل عدالت کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے کمبائنڈ اپوزیشن کی چارج شیٹ 24 جنوری 1993 کو صدر کو ملی تھی۔ چونکہ ریفرنس کا معاملہ سپیکر اور لاہور ہائیکورٹ میں چلا گیا ہے لہٰذا صدر نے اس پر کوئی کارروائی نہیں کی تاہم یہ تمام معلومات اور میٹریل عدالت کو پیش کر دیا ہے۔

ایڈووکیٹ جنرل سندھ..... سپریم کورٹ کے رول نمبر 6 کے تحت سندھ کا معاملہ پیش کرنا چاہوں گا جس کی باقاعدہ درخواست پیش ہے نصرت بھٹو کیس اور دوسرے اہم مقدمات میں صوبوں کو سنا گیا ہے۔

چیف جسٹس..... آپ کے لیے بہتر ہے کہ چیمبر میں پٹیشن جا کر پیش کریں یہاں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔

ایڈووکیٹ جنرل فضل حسین..... پٹیشن آفس میں فائل کر دی گئی ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن..... کب فائل کی گئی ہے۔

فضل حسین..... آج صبح فائل کی ہے اس کی فوٹو کاپی آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

جسٹس شفیع الرحمن..... پٹیشن آپ کی دفتر میں آج فائل ہوئی ہے اس پر مناسب وقت پر قاعدے کے مطابق ہم غور کریں گے۔ اس لیے آپ بیٹھ

Scanned with CamScanner

جائیں۔
چیف جسٹس...... نجی شعبے میں دی گئی صنعتوں کی فہرست کہاں ہے۔
اٹارنی جنرل...... میں نے ری جائنڈر (تتمہ درخواست) پیش کر دی ہے۔
جسٹس اجمل میاں...... آپ نے اس میں کون سے کیسوں پر زور دیا ہے بتائیں۔
جسٹس سعد سعود جان...... اس بارے میں ایوان میں بحث ہو چکی ہے رٹ درخواست بھی پیش ہو چکی ہے جن کا فیصلہ ہو چکا ہے۔
اٹارنی جنرل...... ایک صنعتی یونٹ سب سے بڑی پیشکش کرنے والے کی بجائے چوتھے نمبر کی پیشکش کرنے والے کو دیا گیا جس پر رٹ درخواست پیش ہوئی۔
چیف جسٹس...... کیا آپ عدالت عظمیٰ میں درخواست گزار کی وکالت کرنا چاہتے ہیں۔
اٹارنی جنرل...... مسلم کمرشل بینک دوسرے نمبر والے کو سیمنٹ فیکٹری تیسرے نمبر والے بولی دہندہ کو دی گئی ان کے علاوہ 28 رٹ درخواستیں دائر کی گئیں پتہ نہیں ان کا ہائیکورٹ میں کیا بنا۔
چیف جسٹس...... ہم اس بحث میں کیوں الجھیں جبکہ سیف اللہ کیس میں پہلے ہی فیصلہ دیا جا چکا ہے کہ مبینہ دھاندلی اور بدعنوانی کی بناء پر قومی اسمبلی نہیں توڑی جا سکتی تو پھر ہم نجکاری جیسے غیر ضروری غیر متعلقہ معاملات میں کیوں وقت ضائع کرتے رہیں۔
اٹارنی جنرل...... مشترکہ مفادات کونسل کو نج کاری پالیسی بنانے میں اعتماد میں نہیں لیا گیا۔
چیف جسٹس...... مشترکہ مفادات کونسل نے نجکاری کی پالیسی وضع کرنا تھی اس کا علم آپ کو 28 دسمبر 1992ء کو ہوا۔ 31 دسمبر کو اس کا نوٹس لیا گیا اس کے بعد ساڑھے تین ماہ سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد اس چیز کی بناء پر قومی اسمبلی نہیں توڑی جا سکتی ساڑھے تین ماہ قبل جس قانونی سقم کا پتہ چل گیا تھا اس کی بناء پر آپ کسی شخص کو مذموم کیسے قرار دے سکتے ہیں۔
اٹارنی جنرل...... پالیسی کے تحت مشترکہ مفادات کونسل کی منظوری سے پراجیکٹوں پر عمل ہونا چاہئے میں یہاں سٹاپ کرتا ہوں۔
جسٹس شفیع الرحمن...... آپ خود سٹاپ نہ کریں پالیسی معاملات میں جتنی چاہے تقریر کر لیں۔
اٹارنی جنرل...... صوبائی وزرائے اعلیٰ کونسل کے ممبر ہیں اہم پالیسی فیصلے جو گیس، تیل، بجلی وغیرہ کے متعلق ہوں ان کے مستقبل کا فیصلہ مشترکہ مفادات کونسل کے ذریعے ہونا چاہئے۔ قومی اقتصادی کونسل بھی آرٹیکل 156 کے تحت وفاق اور صوبائی حکومتوں کی منظوری سے فیصلے کرتی ہے۔ نجکاری کمیشن وفاقی حکومت نے مشترکہ مفادات کونسل کو بائی پاس کر کے بنایا تھا۔ اس کے لیے صدر نے وزیر اعظم کو 31 دسمبر 1992ء کو خط لکھا تھا مگر اس پر کوئی ایکشن نہیں ہوا۔
جسٹس شفیع الرحمن...... اس کا مطلب ہے کہ صدر نے مشترکہ مفادات کونسل اور نجکاری کمیشن کے حوالے سے جو خط وزیر اعظم کو لکھا وہ تا حال وزیر اعظم سیکرٹریٹ کے زیر غور ہے۔ نجکاری کمیشن کے قیام سے آئین کی خلاف ورزی کہاں ہوتی ہے اس نوٹس کی بناء پر صدر آرٹیکل 58(2) بی کے تحت قومی اسمبلی نہیں توڑ سکتے۔
چیف جسٹس...... کیا وزیر اعظم نے صدر کو جواب دے دیا تھا کہ وہ صدر کی طرف سے آئینی خلاف ورزی کا نوٹس دلانے کے باوجود پروا نہیں کریں گے اور آئین کی خلاف ورزی جاری رکھیں گے۔
اٹارنی جنرل...... حکومت کو نجکاری کا عمل شروع کرنے سے قبل آئینی تقاضے پورے کرنے چاہیے تھے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس اجمل میاں...... 28 دسمبر 1992ء تک کسی کو نجکاری کمیشن کی غیر قانونی تشکیل کا خیال نہیں آیا۔

اٹارنی جنرل.....آرٹیکل 153، 154، 161 میں کہا گیا ہے کہ صدر کو آئین کی پابندی کا مشورہ نہیں دینا چاہئے۔

جسٹس سعد سعود جان.......آپ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حکومت آئین کے مطابق نہیں چلتی رہی۔ آپ یہ ثابت کریں کہ حکومت آئین کے تحت نہیں چل سکتی۔

جسٹس شفیع الرحمٰن.......رولز آف بزنس جو آپ کے ہیں وہ آئین کے منافی ہیں اس میں آئین کی تردید کی گئی ہے۔

اٹارنی جنرل......رولز آف بزنس اس وقت نافذ ہوئے جب نگران وزیر اعلیٰ مقرر ہوا تھا۔

جسٹس شفیع الرحمٰن.........یہ رولز آف بزنس 1992ء میں نافذ تھے کیا نافذ شدہ رولز پر اس لیے عمل نہ کیا جائے کہ یہ کئی سال قبل جاری ہوئے تھے۔

چیف جسٹس......رولز آف بزنس میں بڑی فاش غلطی ہے مگر یہ رولز فریم کرنے والے اپنے عہدوں کے مزے اڑا رہے ہیں کیبنٹ سیکرٹری لاء سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ سیکرٹری موجود ہیں ان کے خلاف تادیبی کارروائی کیوں نہیں کی گئی۔ آپ نے ان تمام لوگوں کو ان کے عہدوں سے برطرف کیوں نہیں کیا۔ ان تمام کو برطرف کر دینا ہوگا۔ 28 دسمبر 1992ء سے قبل نجکاری کمیشن کے متعلق جو خلاف ورزی ہوئی اس کے باوجود آئین کے مطابق چلتی رہی ہے۔

اٹارنی جنرل......صدر سرکاری املاک فروخت نہیں کر رہے تھے وفاقی حکومت فروخت کر رہی تھی۔ میرا کہنا ہے کہ اسمبلی توڑنے کا حکم آئین کی شقوں کے مطابق ہے۔

چیف جسٹس......ہم آپ سے اختلاف کرتے ہیں ایک غلطی کو درست کرنے کا نوٹس آئین کی خلاف ورزی کے زمرے میں نہیں آتا اس لیے 58(2)بی کے تقاضے پورے نہیں ہوتے اگر غلطی رد کر دی جاتی ہے تو وہ آئین کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔

سعد سعود جان.....کیا آپ نے وفاقی کابینہ کے کسی ممبر سے اس بارے میں بات نہیں کی۔

اٹارنی جنرل......میں کابینہ کے اجلاس میں ایک بار اس وقت گیا جب مجھے بلایا گیا۔

جسٹس افضل لون......کیا کسی لاء افسر یا لاء سیکرٹری نے نجکاری کمیشن کے اجلاس میں شرکت نہیں کی۔

اٹارنی جنرل......میں نے کابینہ کمیٹی کے دو اجلاسوں میں شرکت کر کے 153/ 154 کی خلاف ورزی کا اشارہ کیا تھا۔

جسٹس سجاد علی شاہ.......کیا یہ ضروری نہیں کہ ہر اجلاس میں لاء سیکرٹری شریک ہو اور کارروائی وزارت عدل و قانون کو دے۔

اٹارنی جنرل......نجکاری پالیسی تیار کرنے کے آرٹیکل 153، 154 کے تحت مشترکہ مفادات کونسل کا اجلاس بلانا چاہئے تھا اکتوبر 1992ء میں صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ نے اعتراض کیا تھا جب صدر کو اس صورتحال کا علم ہوا تو آئین کے محافظ کی حیثیت میں صدر نے اس سقم کی طرف توجہ دلائی۔ 91(2) آرٹیکل کے تحت کابینہ اجتماعی طور پر قومی اسمبلی کو جوابدہ ہے قومی اسمبلی عدم اعتماد کی تحریک پاس کر کے کابینہ کو ہٹا سکتی ہے۔

جسٹس سعد سعود جان.....کیا نج کاری پالیسی کا معاملہ قومی اسمبلی میں اٹھایا گیا تھا۔

اٹارنی جنرل.......وفاقی حکومت نے صوبوں سے مشورے کرنے کی پالیسی کو بدل دیا تھا واپڈا پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کارپوریشن ریلوے وغیرہ کے متعلق صوبوں سے مشورہ نہیں لیا۔

جسٹس اجمل میاں......صدر نے 22 دسمبر کی تقریر میں نجکاری کی تعریف کی تھی۔

Scanned with CamScanner

اٹارنی جنرل......صدر مشترکہ سیشن میں جو خطاب کرتا ہے اس کی تقریر کا بیشتر حصہ وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی طرف سے بھجوایا ہوتا ہے۔ وزیر اعظم جو بھجواتا ہے صدر اسے اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے مگر اس کے باوجود صدر اپنے ضمیر کے مطابق جو چاہے کہہ سکتا ہے جہاں تک 22 دسمبر 1992ء کی صدارتی تقریر کا تعلق ہے اس میں حکومت کی پالیسیوں کا ذکر بھی ہوتا ہے، وہ حکومت کی پالیسیوں کا دفاع کرتا ہے صدر وزیر اعظم کے خیالات کا احترام کرتا ہے۔

جسٹس اجمل میاں......جن دو صوبوں کو مشترکہ مفادات کونسل کے ذریعے نجکاری پالیسی کے معاملے پر نہ بلائے جانے پر اعتراض تھا کیا انہوں نے کونسل کا اجلاس طلب کرنے کا کہا تھا اور کیا ان کی درخواست مسترد کر دی گئی تھی۔

اٹارنی جنرل......دو وزرائے اعلیٰ نے وزیر اعظم کی توجہ کونسل کو بائی پاس کئے جانے کی طرف مبذول کرائی تھی۔

چیف جسٹس......سوال یہ ہے کہ کیا دو صوبوں نے رسمی یا غیر رسمی تحریری درخواست کونسل کا اجلاس بلانے کے لیے کی تھی جس میں چیئرمین سے کہا گیا ہو کہ وہ اجلاس بلائیں۔

اٹارنی جنرل......میں دیکھتا ہوں۔

جسٹس سعد سعود جان......کونسل کا اجلاس بلانے کی درخواست کوئی نہیں کی گئی۔

اٹارنی جنرل......کونسل کا باقاعدہ اجلاس بلانے کی باقاعدہ درخواست کا مجھے علم نہیں۔

جسٹس سلیم اختر......کیا صوبے پھر مجلس شوریٰ کا اجلاس نہیں بلا سکتے تھے۔

اٹارنی جنرل......وزیر اعظم کونسل کا چیئرمین ہوتا ہے کونسل میں جب کسی معاملے کا فیصلہ نہ ہو سکے تو پھر مجلس شوریٰ کا اجلاس بلا کر وہاں فیصلہ کرا لیا جاتا ہے۔

جسٹس عبدالقدیر......آپ سوال کا جواب دیں۔

چیف جسٹس......آپ ٹو دی پوائنٹ جواب نہیں دے رہے کل بھی آپ نے ایک گھنٹہ لے لیا آج بھی آپ بامقصد دلائل نہیں دے رہے، بحث کو بے مقصد لمبا کر رہے ہیں کل آپ نے پالیسی بیان کرتے ہوئے کافی وقت لیا لیکن ایسا کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

اٹارنی جنرل......واپڈا کو نجی شعبے کے حوالے کرنے کے لیے کیبنٹ کمیٹی بنائی گئی اس نے کام شروع کر دیا۔

جسٹس سعد سعود جان......کابینہ کمیٹی کو رپورٹ پیش کرنا ہوتی ہے۔

جسٹس قدیر چوہدری......لیکن واپڈا نجی شعبے کے حوالے تو نہیں کیا گیا۔

اٹارنی جنرل......نومبر 1992ء میں مشیروں نے واپڈا کی نجکاری کے لیے کام شروع کر دیا پہلے مرحلے میں جام شورو، کوٹ ادو، شاہدرہ گیس، فیصل آباد تھرمل، ملتان گیس کو نجی شعبے کے حوالے کرنے کی سفارش کی گئی۔

جسٹس اجمل میاں......کیا سندھ کے وزیر اعلیٰ یا کسی دوسرے کے اعتراض کے باوجود مذکورہ تھرمل سٹیشن نجی شعبے کے حوالے کر دیئے گئے تھے۔

اٹارنی جنرل......ایسا نہیں ہوا۔

جسٹس اجمل میاں......درخواست گزار خود کہتا ہے کہ وہ تھرمل یونٹ نجی شعبے میں دے رہے تھے۔

جسٹس سعید الزماں صدیقی......واپڈا کے تھرمل یونٹ فروخت کرنے کی تجویز وزارت بجلی و پانی کو دی گئی مگر اس کی منظوری نہیں دی گئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ واپڈا کے یونٹ نجی شعبے میں دینے کا حتمی فیصلہ نہیں کیا گیا۔

Scanned with CamScanner

اٹارنی جنرل...... واپڈا کو نجی شعبے کے حوالے کرنے کا فیصلہ آئین کی خلاف ورزی ہے۔

چیف جسٹس...... آپ متعلقہ دلائل دیں غیر متعلقہ دلائل نہ دیں متعلقہ حصوں تک محدود رکھیں۔

اٹارنی جنرل...... ریلوے کا معاملہ میں نے پہلے نہیں پڑھا مائی لارڈ۔

جسٹس سعید الزماں...... آپ اس سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں ہم نے پڑھ لیا ہے۔

جسٹس قدیر چوہدری...... جب ریلوے کی نج کاری کے فیصلے پر عملدرآمد نہیں ہوا ریلوے کو فروخت ہی نہیں کیا گیا۔

اٹارنی جنرل...... ریلوے کی ملکیتی زمین نیلام کی گئی ہے 154/153 آرٹیکل کے تحت ریلوے کی املاک فروخت نہیں ہو سکتی، (چیف جسٹس نسیم حسن شاہ اور جسٹس شفیع الرحمٰن کسی نکتے پر مشورے کرتے رہے۔)

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... کونسل مشاورتی ادارہ ہے اس کے فیصلے لازمی نہیں ہوتے کونسل صرف حکومت کو مشورے دیتی ہے آئین کی کہاں خلاف ورزی ہوئی ہے جیسا کہ آپ دلائل میں دعویٰ کر رہے ہیں۔

اٹارنی جنرل...... حکومت نے کونسل کے مشوروں کو نظر انداز کیا ہے مشترکہ مفادات کونسل کے متعلق سابق وزیر اعظم نواز شریف نے وزیر اعلیٰ پنجاب کی حیثیت میں وفاقی حکومت کے خلاف مقدمہ درج کرایا تھا اس لیے وہ سب کچھ جانتے تھے اب میں کرپشن کے بارے میں دلائل دوں گا۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... بدعنوانی دھاندلی کرپشن کی بناء پر قومی اسمبلی نہیں توڑی جا سکتی اس لیے آپ کرپشن کے پوائنٹ پر دلائل دینے کی زحمت نہ کریں۔

اٹارنی جنرل...... میرے دلائل ایک دوسرے سے منسلک ہیں نواز شریف دور میں دھاندلی، بدعنوانی اور کرپشن تمام حدود پھلانگ چکی تھی سرکاری جائیداد کو بھی نہیں چھوڑا گیا مخالف سیاستدانوں اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو دہشت گردی کا شکار کیا گیا ان پر ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑے گئے۔

جسٹس سعد سعود جان...... آپ جو کچھ کہے جا رہے ہیں کہاں لکھ کر دیا ہے۔

اٹارنی جنرل...... کچھ باتیں جلد دوم میں ہیں مگر اس کی جلد بندی مناسب نہیں ہو سکی۔ جسٹس سعد سعود جان (مسکراتے ہوئے) مقدمہ کا فیصلہ ہونے کے بعد اس کی مناسب جلد بندی کرا کر دے دینا۔

اٹارنی جنرل ڈائیوو کے متعلق وہ رپورٹ پڑھتے رہے جو پشاور اسلام آباد کے اخبارات میں شائع ہوئی تھی جس کے مطابق ڈائیوو کو کچھ رقم کی ادائیگی کی نشاندہی کی گئی تھی۔

چیف جسٹس...... ان اخباری رپورٹوں کی بنیاد پر آپ کا کوئی نتیجہ بھی نکلا ہے اس سے آپ کو معاونت نہیں ملے گی جب آپ اخبارات میں چھپی باتوں پر انحصار کر رہے ہیں ان سے مدد لے رہے ہیں اس سے آپ کو فائدہ نہیں پہنچے گا کیونکہ حکومت بھی کئی بار کہتی ہے کہ یہ رپورٹیں غلط اور بے مقصد ہیں صبح سے آپ کسی بات کو آگے نہیں بڑھا سکے آپ کو صبح سے سن رہے ہیں بلکہ آپ نے صبح سے ہمیں ڈسٹرب (پریشان) کر رکھا ہے عدالت کی طرف سے پوچھے جانے والے کسی بھی ایک سوال کا جواب دینے میں آپ ناکام رہے ہیں حالانکہ یہ بڑے اہم سوالات تھے آپ کے پاس ٹھوس شواہد اور ثبوت نہیں ہیں نہ آپ کوئی پوائنٹ بنا رہے ہیں (ایس ایم ظفر کھڑے ہو گئے۔)

چیف جسٹس...... ہم نے جلد فیصلہ کرنا ہے اٹارنی جنرل نے تو آج کسی سوال کا جواب نہیں دیا کل شاید یہ دلائل ایسے ہی دیں آپ بتائیں کہ آپ کتنا وقت لیں گے کیا آپ کے دلائل بھی اٹارنی جنرل کی قسم کے ہوں گے۔

ایس ایم ظفر...... نہیں مائی لارڈ! انہوں نے صدارتی فرمان کے اسباب پر اعتراضات کا جو دفاع کیا ہے میں تو اپنے موکل (نگران وزیر اعظم) کی

Scanned with CamScanner

طرف سے موقف پیش کروں گا اور ایک دن میں ہی سب کچھ مکمل کرلوں گا۔

اٹارنی جنرل...... نجکاری کمیشن نے متعدد یونٹ نجی شعبے کے حوالے کئے، مزید فروخت کر رہا تھا۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... 91-1990ء میں مشترکہ مفادات کونسل کے اجلاس ہوئے تھے کیا 1992ء میں کونسل کا اجلاس ہوا تھا۔

اٹارنی جنرل...... میرے پاس 1991ء کے کاغذات ہیں میں پوچھ کر بتاؤں گا۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... واپڈا، ریلوے، پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن کارپوریشن کی نجکاری کا کس اجلاس میں ذکر آیا تھا۔

جسٹس شفیع الرحمن...... جو یونٹ نجی شعبہ کے حوالے کئے گئے کیا وہ بھٹو دور میں سابقہ مالکان سے حاصل کئے گئے تھے۔

اٹارنی جنرل...... 78 یونٹوں میں سے بعض سابقہ مالکان کے تھے۔

جسٹس شفیع الرحمن...... اس لسٹ میں وہ یونٹ بھی ہیں جو ملکی ملکیت میں نہیں لیے گئے تھے وہ حکومت کی ملکیت تھے۔ پرانا قانون 1978ء کا ہے اس میں قومیائے گئے یونٹ سابقہ مالکوں کے حوالے کرنے کو کہا گیا تھا۔ 92-1991ء میں ایک قانون منظور کیا گیا جس کے تحت یہ یونٹ واپس کرنے کا طریقہ کار وضع کیا گیا جس میں قومیائے گئے یونٹوں کے علاوہ سرکاری یونٹ فروخت کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس طرح نجکاری کے عمل میں غیر قانونی کام نہیں ہوا۔

اٹارنی جنرل...... دسمبر 1992ء کے بعد کچھ یونٹ سی سی آئی کی منظوری کے بغیر فروخت کرنے کی کارروائی شروع کی گئی۔

جسٹس شفیع الرحمن...... کیا سرکاری و قومیائے گئے یونٹ دو متعلقہ قوانین کے تحت نجی شعبے کے حوالے نہیں کئے گئے تھے۔

اٹارنی جنرل...... یہ مائی لارڈ نجکاری کمیشن نے نجی شعبے کو دیے ہیں۔

جسٹس شفیع الرحمن...... والیوم نمبر 4 میں آپ نے سرکاری یونٹ نجی شعبے کے حوالے کرنے میں کرپشن کی مثالیں اخباری رپورٹ کی بناء پر پیش کی ہیں۔ اخباری اطلاعات کو چھوڑ دیں کیا اٹارنی جنرل صاحب آپ کے پاس کرپشن کے ٹھوس ثبوت ہیں۔ سرکاری دستاویزات ہیں؟ کیونکہ اخبارات میں تو کبھی غلط بات بھی چھپ جاتی ہے۔

اٹارنی جنرل...... اخباری اطلاعات کی تردید نہیں کی گئی۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... حکومت بہت کم تردید کے چکر میں پڑتی ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن...... اگر آپ حکومت کی کرپشن، دھاندلی کا ذکر کر رہے ہیں تو سرکاری کارخانے نجی شعبے کے حوالے کرنے کے زمرے میں آپ دھاندلی اور کرپشن کا ثبوت دیں۔

چیف جسٹس...... آپ اپنے ہر دعوے الزام کے ساتھ سرکاری دستاویزات پیش کریں۔

اٹارنی جنرل...... والیوم 2 صفحہ 408 پر صدر کے ریمارکس میں صدر نے اپنے خط کا انکشاف کرنے کا اختیار دیا ہے کہ سینٹرل بورڈ آف ریونیو (سی بی آر) کے سینئر افسروں کے تحت سمگلنگ کی جا رہی ہے افغان باشندوں نے اربوں روپے کی سمگلنگ ٹرانزٹ ٹریڈ کی شکل میں کی ہے۔ افغان کارگو کے لیے لیٹرز آف کریڈٹ کھولے گئے۔ سینٹرل بورڈ آف ریونیو کا فرض تھا کہ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ اور گھپلوں اور سمگلنگ کو روکے۔ ممبر کسٹمز سی بی آر مسٹر معین احسن نے سنگین بے قاعدگیاں کیں۔ اس نے ایس ایم مصطفیٰ کو افغان ٹرانزٹ ٹریڈ سینٹر میں پرنسپل اپریزر مقرر کیا۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... یہ خط کس نے لکھا تھا۔

اٹارنی جنرل...... یہ صدر نے وزیراعظم اور وزیر خزانہ کو لکھا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آرٹیکل 58(2) بی کے تحت قومی اسمبلی توڑنا ضروری

Scanned with CamScanner

ہو گیا ہے۔

جسٹس اجمل میاں...... کیا وزیر، وزارت کے اہلکار یا سی بی آر کے اہلکار کی کرپشن کے نتیجے میں قومی اسمبلی توڑی جا سکتی ہے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... جب سینئر وزیر یہ انکشاف کرتا ہے کہ 225 کروڑ روپے کے ٹیکس چوری کیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر محبوب الحق وزیر خزانہ تھے انہوں نے اپنے محکمے کے بارے میں کہا کہ میرے ماتحت محکموں میں اربوں روپے کے ٹیکس چوری ہو جاتے ہیں تو کیا پھر وہ حکومت بھی آئین کی شقوں کے مطابق نہیں چل رہی جہاں تک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کا تعلق ہے اس کے ایل سی افغانستان میں کھولے جاتے ہیں۔ پاکستان میں ایل سی نہیں کھلتے پاکستان میں تو اس کی آپریٹنگ ہوتی ہے۔ آپ راولپنڈی جائیں وہاں افغانستان کے لیے منگوایا گیا مال مل رہا ہے۔ پشاور کوئٹہ میں ایسا ہو رہا ہے آج پشاور سیکرٹریٹ میں سمگل شدہ روسی ایئر کنڈیشنر استعمال کیے جا رہے ہیں۔ سمگلنگ پورے ملک میں ہو رہی ہے جس پر توجہ نہ دی گئی نہ دی جا رہی ہے نہ شاید دی جائے گی۔ اس بناء پر آپ آئین کے آرٹیکل 58(2) بی کا ذکر کرنے لگے ہیں۔

اٹارنی جنرل...... صدر نے بتایا تھا کہ سمگلنگ ہو رہی ہے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... 1947ء کے بعد سے اب تک جتنی حکومتیں توڑی گئیں جانشین حکومت نے پیشرو حکومت کو کرپٹ قرار دیا۔ کرپشن کمیشن تک بنائے گئے اور اس طرح آئندہ ہر حکومت کو کرپٹ قرار دے کر توڑا جاتا رہے گا۔

چیف جسٹس...... کیا صدر قومی اسمبلی توڑنے کے مقصد کے لیے مواد بنا کر بھجواتے رہے اگر قومی معیشت کو نقصان سے بچانے کے لیے صدر ایسے خط لکھتے تو اس کو سراہا جاتا لیکن جب صدر کا مطمع نظر یہ ہو کہ حکومت اور اسمبلی کو توڑنا ہے اس کے لیے وہ غیر متعلقہ معاملات بھی اپنی مشق میں شامل کر لیں اس لیے آپ 58(2) بی کے استعمال سے متعلق معاملات پر توجہ دیں باقی معاملات کو نہ اٹھائیں۔

اٹارنی جنرل...... میں پریس کی اطلاعات کا اب ذکر نہیں کروں گا۔

جسٹس سعد سعود جان...... کرپشن تو ہر دور میں ہوتی ہے، کیا یہ پالیسی بنائی گئی تھی کہ کرپشن کا بہانہ بنا کر حکومت کی چھٹی کرنا ہے آپ یہ بتائیں کہ کیا سابقہ حکومت نے کرپشن کی پالیسی بنائی تھی کہ اس کو بنایا جاتا۔

چیف جسٹس...... کمبائنڈ اپوزیشن پارٹیز کی چارج شیٹ نواز شریف حکومت کی دو سالہ کارکردگی کے بارے میں ہے۔ گزشتہ پانچ مہینوں کے بارے میں اس میں کچھ نہیں۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... اس کی حیثیت محض الزام سے زیادہ نہیں ایک سیاسی پارٹی دوسری پارٹی کے خلاف الزام لگاتی رہتی ہے آپ اس پر اتنا انحصار کیوں کر رہے ہیں کیا الزام کو میٹریل تصور کیا جا سکتا ہے۔ کوئی شخص کسی کے خلاف الزام لگائے تو صرف الزام کی بناء پر اس شخص کے خلاف ایکشن نہیں کیا جا سکتا۔ ایکشن کے لیے ثبوت ضروری ہیں۔

اٹارنی جنرل...... یہ الزامات اخبارات میں نمایاں طور پر شائع ہوئے تھے۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... اخبارات میں شائع ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ مصدقہ ہو گئے وہ الزامات ثابت ہو گئے۔

جسٹس سلیم اختر...... کیا کوئی ریفرنس اس سلسلے میں فائل کیا گیا صدر کی طرف سے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... آپ نے پہلے حکومت کو الٹا دیا پھر ریفرنس پیش کر رہے ہیں۔

اٹارنی جنرل...... صدر نے وزیر اعظم کو مشورہ دیا تھا کہ ایسا ہو رہا ہے وزیر اعظم قانون سے بالاتر نہیں ہے۔ صدر ریفرنس کر سکتے تھے۔

چیف جسٹس...... صدر وزیر اعظم کے مشورے کے بغیر ریفرنس دائر کر سکتے تھے کیونکہ الزامات وزیر اعظم کے خلاف تھے۔ مگر صدر نے ایسا نہیں کیا

Scanned with CamScanner

لیکن کسی کے خلاف الزام لگا کر جنٹلمین کو گھر بھجوا دینا کہاں کا انصاف ہے۔ صدر مخالف پارٹیوں کے کہنے پر ایکشن کیسے لے سکتے تھے۔ مخالف پارٹیوں کے الزامات تھے تو اس کی بناء پر قومی اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک پیش کی جاسکتی تھی۔ ایسا نہیں کیا گیا۔ ڈرائنگ روم میں بلا کر کچھ لکھ لیا جائے تو اس پر انحصار کریں میرے خیال میں ایوان صدر میں ردی کی ٹوکری نہیں ٹوکرا ہونا چاہئے۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی......آپ محض الزام پر کسی معمولی سرکاری ملازم کو برطرف نہیں کر سکتے اور یہاں صدر نے محض الزام پر منتخب حکومت کو برطرف کر دیا ہے۔

اٹارنی جنرل......صدر مملکت ریفرنس مینوفیکچر نہیں ہے اس نے صرف مواد وصول کیا اور وہ مواد عدالت میں پیش کر دیا ہے۔ ریفرنس اصل معاملہ نہیں ہے موجودہ قانون میں کہا گیا ہے کہ مقننہ مل کر فیصلے کرے۔

جسٹس اجمل میاں......ڈسپلن رولز کے مطابق اگر سرکاری ملازم کرپٹ ہو تو اس کے خلاف کارروائی ہوسکتی ہے مگر منتخب حکومت پر ان رولز کا اطلاق نہیں ہوتا۔ منتخب حکومت آرٹیکل 17 کے تحت چلتی ہے۔

جسٹس قدیر چوہدری......کیا صرف الزام کی بناء پر آپ برطرف کر سکتے تھے۔

اٹارنی جنرل......ہائیکورٹ میں سپیکر کے کیس کے جواب میں جو الزامات کی جرأت دیدی گئی تھی۔

جسٹس سجاد علی شاہ......سیف علی کیس کے وقت نگران وزیر اعظم نہیں تھا طارق رحیم کیس میں تھا ان دونوں کیسوں میں کرپشن کے بارے میں تفصیلی بات ہو چکی ہے اس بناء پر حکومت نہیں توڑی جاسکتی تھی۔

جسٹس شفیع الرحمن......کسی کیس میں کرپشن کو آرٹیکل 58(2)بی کے استعمال کا سبب قرار نہیں دیا گیا ہاں اگر دوسرے اسباب ہوں تو کرپشن کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ آپ نے اپنے دلائل کو ایک والیوم میں شامل کیا ہے لیکن وہ سارا اخبارات کے تراشوں پر مشتمل ہے اس میں ثبوت کوئی نہیں۔ اپوزیشن پارٹیاں تو حکمران جماعت پر الزام لگاتی رہتی ہیں۔ کیا ان الزامات اور ان کی اشاعت پر حکومت توڑ دی جاتی ہے ہماری پریکٹس اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ اخباری بیانات اور تراشوں کو حکومت توڑنے کا جواز تسلیم کریں۔

اٹارنی جنرل......ایک سینئر جرنلسٹ سے والیوم۔ ii کے صفحہ 194 پر طویل شکایت نامہ ہے جو 194 سے 226 صفحہ تک جاتا ہے اس میں آرٹیکل 242 کی خلاف ورزی ثابت کی گئی ہے میں صرف صفحہ 196 پڑھوں گا۔ اس میں چار سرکاری افسروں کی ترقی کا ذکر ہے سٹاف کالج نیشنل ڈیفنس کالج کا کورس نہ کرنے والے افسروں کو غیر قانونی ترقی دی گئی۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی......کیا یہ شکایت میں درج نکات آئین کی خلاف ورزی ہیں کیونکہ قانون کی خلاف ورزی کو اپیل میں درست کیا جاسکتا ہے اسے آئین توڑنا نہیں کہہ سکتے۔

اٹارنی جنرل......وزیر اعظم نے کیپٹن علی جاوید کو وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں قانون کے مطابق نہیں رکھا اس کے لیے فیڈرل پبلک سروس کمیشن رولز موجود ہیں۔ مسلم کمرشل بینک رائے ونڈ روڈ کی تعمیر میں گھپلے ہوئے۔

جسٹس اجمل میاں......مسلم کمرشل بینک میں کیا گھپلا ہوا۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی......آپ تو پہلے مسلم کمرشل بینک کیس میں حکومت کے موقف کی حمایت کرتے رہے ہیں۔

اٹارنی جنرل......سب سے زیادہ بولی دینے والے نے رٹ کی تھی مگر عدالت عالیہ لاہور نے اسے مسترد کر دیا اور کہا کہ بینک کوئی اوور ڈرافٹ نہیں دے سکتا۔

Scanned with CamScanner

جسٹس اجمل میاں...... کیا مسلم کمرشل بینک میرٹ پر دیا گیا۔

اٹارنی جنرل...... مسلم کمرشل بینک میرٹ پر نہیں دیا گیا تھا اس کے خلاف رٹ کی گئی تھی۔

چیف جسٹس...... جب آپ مسلم کمرشل بینک کیس میں گئے آپ نے کیا موقف اپنایا۔

اٹارنی جنرل...... میں نے مسلم کمرشل بینک میں حکومت کے موقف کی حمایت کی تھی اس کے بعد کیس واپس لے لیا گیا۔

چیف جسٹس...... مسلم کمرشل بینک کے کیس کے قانونی پہلوؤں کی آپ نے حمایت کی تھی۔

اٹارنی جنرل...... جی ہاں مائی لارڈ!

چیف جسٹس...... عدالت میں رٹ درخواستوں کا میرٹ پر فیصلہ نہیں ہوا۔ یہی آپ کہہ رہے ہیں نا۔ فیصلے سے پہلے فریقین مصالحت مفاہمت کرتے رہے۔ الزامات درست ثابت ہوئے نہ غلط ثابت ہوئے جب ایسا کوئی فیصلہ نہیں ہوا کیا عدالت عظمیٰ پہلے ان رٹ درخواست کا فیصلہ کرنا شروع کرے۔

خالد انور...... اٹارنی جنرل کا یہ کہنا غلط ہے کہ صنعتی یونٹوں کی نجکاری کے خلاف 28 رٹ درخواست کا فیصلہ میرٹ پر نہیں ہوا میں خود کئی کیسوں میں پیش ہوا ہوں ہائیکورٹوں نے ان رٹ درخواستوں کا میرٹ پر فیصلہ کیا تھا جو ریکارڈ پر موجود ہے۔

اٹارنی جنرل...... آپ درست کہتے ہیں لیکن مسلم کمرشل بینک کیس میں فریقین کی مفاہمت ہو گئی تھی اس لیے فیصلہ میرٹ پر نہیں ہوا۔

جسٹس اجمل میاں...... مسلم کمرشل بینک کو کیا سب سے زیادہ بولی سے کم قیمت پر دیا گیا۔

جسٹس سعد سعود جان...... کیا متاثرہ فریق مطمئن ہو گیا تھا۔

اکرم شیخ ایڈووکیٹ...... مسلم کمرشل بینک کا کیس وزارت خزانہ کی فائل پر مفاہمت ہونے کی بناء پر واپس لیا گیا میں درخواست گزار عبدالقادر کی طرف سے پیش ہوا میرا موکل مفاہمت و سمجھوتے سے مطمئن تھا یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے۔

چیف جسٹس...... آپ پیراگراف "الف" پر دلائل دیں۔

اٹارنی جنرل...... وفاقی کابینہ کو اہم فیصلوں کے لیے اعتماد میں نہیں لیا جاتا تھا۔ داخلی اور غیر ملکی قرضوں کا بوجھ ملک پر لادا جاتا رہا۔ چند وزراء مل کر فیصلے کرلیا کرتے تھے آرڈیننسوں کے ڈرافٹ تک کابینہ کے سامنے منظوری کے لیے پیش نہیں ہوئے حامد ناصر چٹھہ نے اخباری بیان دیا ہے کہ پانچ رکنی کچن کابینہ ہے۔

جسٹس سعد سعود جان...... یہ تو معمول کی روایت ہے کہ

جسٹس شفیع الرحمن...... یہ پارلیمانی پریکٹس ہے کہ کابینہ کے چند وزراء اکٹھے بیٹھ کر اہم معاملات کا فیصلہ کر لیتے ہیں اس میں غیر قانونی بات نہیں ہے۔

چیف جسٹس...... موجودہ کابینہ کا کیا سائز ہے۔

اٹارنی جنرل...... ہر روز یہ بدلتی ہے۔

چیف جسٹس...... آج کتنے وزراء ہیں۔

اٹارنی جنرل...... 60 سے زیادہ وزیر ہیں۔

چیف جسٹس...... کیا کوئی فوری فیصلہ کرنا ہو تو کیا ساٹھ سے زیادہ وزراء کو آپ آج اکٹھا بھی کر سکتے ہیں۔

جسٹس سلیم اختر...... کابینہ کی کمیٹی ہوتی ہے وہ پہلے کوئی فیصلہ کرتی ہے پھر مکمل کابینہ میں یہ معاملہ رکھ دیا جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔۔۔آپ نے لکھا ہے کہ 178 آرڈیننس کابینہ میں پیش ہوئے ان میں سے پچاس آرڈیننس کابینہ نے منظور کیے جبکہ 28 آرڈیننس کابینہ نے منظور نہیں کیے۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔۔یہ ٹائپنگ کی غلطی ہے میرا مطلب یہ ہے کہ 178 آرڈیننس جاری ہوئے پچاس کابینہ کو پیش کیے گئے 28 پیش نہیں کیے گئے۔ اس کے علاوہ وزیراعظم نے وزراء کو ہدایات جاری کیں کہ وہ صدر سے ملنے نہ جائیں۔ یہ بات درخواست گزار نے بھی تسلیم کی ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔۔۔درخواست گزار نے کہاں تسلیم کیا ہے درخواست اٹھا کر دیکھیں۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔۔وزیراعظم کیا کہہ سکتا ہے کہ وہ صدر سے نہ ملیں۔

جسٹس سعد سعود جان۔۔۔۔۔اخلاقی طور پر ایسا درست نہیں ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔۔۔یہ کہا گیا کہ کابینہ ایک ہی بیان دے صدر کو ایک موقف بتایا جائے۔

پارلیمانی پریکٹس۔۔۔۔۔کیبنٹ سسٹم کا مطالعہ کریں اگر وزیراعظم چاہتا ہو کہ کوئی وزیر صدر کو غلط اطلاع نہ دے وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ صدر کو فلاں وزیر جا کر صحیح رپورٹ دے آپ کتابوں کے حوالے سے اس کا جواب دیں ہمیں ہمارے سوالوں کے لیے کتاب سے حوالے دیں۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔۔صدر وزیراعظم مملکت کے ستون ہیں اگر وزیراعظم کہے کہ کوئی وزیر صدر سے نہ ملے تو کیا تعطل پیدا نہیں ہوا۔

اجمل میاں۔۔۔۔۔چوہدری نثار علی پر الزام ہے کہ انھوں نے وزراء سے کہا کہ وہ صدر سے نہ ملیں۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔۔چوہدری نثار علی خان کی ہدایت کو وزیراعظم کی ہدایت سمجھنا چاہیے اس سے تعطل پیدا ہو گیا اس سے اتحاد کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے صدر اور وزیراعظم کے مابین ٹائی ٹوٹ گیا۔

چیف جسٹس۔۔۔۔۔چوہدری نثار علی نے جو وزراء کو مشورہ دیا وہ پارلیمانی پریکٹس ہے آپ اسے وزیراعظم کا مشورہ بھی قرار دے دیں اس کے باوجود وزیراعظم سوچ سکتا ہے کہ کوئی وزیر جو میرے ساتھ زیادہ مخلص نہیں وہ صدر کو جا کر غلط باتیں نہ بتائے۔

آپ پارلیمانی پریکٹس کا مطالعہ کریں اس ہدایت کے بعد محدود طور پر چند وزراء صدر سے ملتے رہے ہیں۔ وزیراعظم خود ان کو بھجواتے رہے ہیں۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔۔وزراء اور ارکان اسمبلی تھرڈ شیڈول کے تحت ہوتے ہیں وزیراعظم جو صدر سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں وزیراعظم اگر ہدایت جاری کرے گا اس کے وزیر صدر سے نہ ملیں اس کا کیا مطلب لیا جائے گا۔

سعید الزمان صدیقی۔۔۔۔۔آرٹیکل 46 کے تحت صدر کو کابینہ کے فیصلے کی اطلاع دینے کی ذمہ داری وزیراعظم پر ہے وزراء پر نہیں ہے اس لیے وہ وزراء کو صدر سے نہ ملنے کا کہہ سکتا ہے۔ اگر ہر وزیر کو صدر سے ملنے کی اجازت دی جائے تو اس طرح کے حالات پھر پیدا ہوتے رہیں گے جس طرح کے حالات کا آج قوم کو سامنا ہے۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔۔وزیراعظم کی ذمہ داری ہے کہ وہ صدر کو ہر وزارت کے بارے میں اطلاع دے۔

سعد سعود جان۔۔۔۔۔وزیراعظم بہترین شخص ہوگا جو صدر کو بتائیں۔

اٹارنی جنرل۔۔۔۔۔وزیراعظم 50 دنوں میں 30 دن دارالحکومت میں رہے اگر کوئی اطلاع صدر کو دینا ہے تو 48 وزارتوں کی رپورٹ صدر کو دینا وزیراعظم کے لیے ممکن نہیں ہے۔ امور خارجہ میں روزانہ تبدیلی آتی رہتی ہے وزیراعظم ملک سے باہر ہو تو کیا صدر وزیر خارجہ کو نہیں بلا سکتا۔

جسٹس سعد سعود جان۔۔۔۔۔کیا صدر نے بھی شکایت کی ہے کہ فلاں وزیر کو بلوایا فلاں اطلاع مانگی جو اسے فراہم نہیں کی گئی۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔۔۔آپ زبانی بات نہ کریں خود کتابیں پڑھیں یا کسی کو کتاب پڑھنے کا کہیں۔

Scanned with CamScanner

چیف جسٹس...... آپ مخدوم علی خان کی اس سلسلے میں مدد حاصل کر لیں۔
اٹارنی جنرل...... وزراء پر مشتمل کابینہ امور حکومت چلاتی ہے کیا اسے صدر سے ملنے سے روکا جا سکتا ہے۔
جسٹس افضل لون...... آرٹیکل 48 میں کہا گیا ہے کہ صدر وزیر اعظم کے مشورے سے کام کرے گا وزیر اعظم اکائی ہے اکائی کا حق نہیں کہ وہ صدر کے کام کرے۔
اٹارنی جنرل...... آرٹیکل 48 میں کابینہ کے فرائض کا ذکر ہے۔
جسٹس افضل لون...... آپ کی پریشانی یہ ہے کہ وزراء کو صدر سے نہ ملنے کا کہا گیا ہے میں نے 48 آرٹیکل کے حوالے سے کہا ہے۔
جسٹس شفیع الرحمن...... آپ کتابوں سے بتائیں کہ وزیر کا صدر سے ملنا ضروری ہے کورٹ ججوں پر مشتمل ہوتی ہے جب لفظ کورٹ کا نام لیا جاتا ہے تو اس کا مطلب
چیف جسٹس...... یہ الزام آئین کے تحت قابل غور نہیں ہے۔ دوسرے فریق نے اس الزام کی تردید کی ہے کہ وزیر اعظم نے وزراء کو صدر سے نہ ملنے کی ہدایت کی تھی آپ حامد ناصر چٹھہ کا حوالہ دے رہے ہیں کوئی بیان حلفی نہیں ہے۔ چوہدری نثار علی کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ وزیر صدر سے نہ ملیں صرف حامد ناصر چٹھہ کے بیان کو ثبوت نہیں سمجھا جا سکتا۔
اٹارنی جنرل...... حامد ناصر چٹھہ پارلیمانی لیڈر ہیں ہمیشہ الیکشن جیتتے رہے ہیں۔
چیف جسٹس...... وہ سرور چیمہ سے ہار چکے ہیں جو وزیر مملکت برائے دفاع تھے پی پی دور میں۔
جسٹس شفیع الرحمن...... یہ اہم معاملہ ہے آپ کے پاس بہت سی کتابیں ہیں کامن سینس سے زیادہ بات نہ کریں لٹریچر پڑھیں۔
جسٹس سجاد علی شاہ...... آرٹیکل 46 میں کہا گیا ہے کہ صدر وزیر اعظم کی کابینہ کے مشورے پر کام کرے گا۔ وزیر اعظم خود بھی مشورہ دے سکتا ہے کابینہ بھی مشورہ دے سکتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔
اٹارنی جنرل...... وزیر اعظم اور کابینہ آرٹیکل 48 کے تحت مشورہ دے سکتے ہیں۔ وزیر اور وزیر مملکت بھی صدر کو مشورہ دے سکتے ہیں۔
چیف جسٹس...... حامد ناصر چٹھہ کو نثار علی سے ہدایت ملی کہ وہ صدر سے نہ ملیں کیا اس ہدایت کے باوجود حامد ناصر چٹھہ صدر سے نہیں ملتے رہے۔
اٹارنی جنرل...... 48(4) کے تحت صدر کو وزیر اعظم، وزیر، وزیر مملکت جو ایڈوائس دے اسے کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔
چیف جسٹس...... وزیر اعظم کسی وزیر کو اختیار دے سکتا ہے کہ وہ جا کر صدر کو یہ بتائے وہ وزیر خزانہ کو اتھارٹی دے سکتا ہے کہ وہ صدر کو جا کر یہ مشورہ دے اس کو کوئی بھی چیلنج نہیں کر سکتا 48(4) کا مطلب یہ ہے کہ صرف حامد ناصر چٹھہ نے صدر اور وزیر اعظم کے مابین موجودہ خلیج پیدا کی ہے صرف وہ وزیر کہتا ہے کہ وزیر اعظم کے خصوصی معاون چوہدری نثار علی خان نے اسے صدر سے نہ ملنے کا مشورہ دیا ہے۔ اٹارنی جنرل صاحب آپ صرف یہی کہنا چاہتے ہیں کہ حامد ناصر چٹھہ کو نثار علی نے صدر سے نہ ملنے کا کہا ہے ہم نے آپ کا پوائنٹ سمجھ لیا ہے۔ آگے چلیں۔
اٹارنی جنرل...... پارلیمنٹ نے جو 28 آرڈیننس پاس نہیں کئے وہ بار بار جاری کئے گئے صدر چاہتے ہیں کہ یہ آرڈیننس ایوان منظور کرے۔
جسٹس سعید الزمان صدیقی...... آج تک کل کتنے آرڈیننس ایکٹ کی شکل میں پارلیمنٹ نے پاس کئے ہیں کیا سابقہ حکومت نے 28 آرڈیننس پارلیمنٹ کے سامنے پیش بھی نہیں کئے۔
اٹارنی جنرل...... آئین کے تحت آرڈیننس کے اجراء کے بعد پارلیمنٹ کے کسی بھی ایوان کا اجلاس شروع ہوتے ہی اسے وہاں پیش کر دیا جاتا ہے یہ آرڈیننس پارلیمنٹ میں پیش کئے جاتے رہے ہیں بعض آرڈیننسوں کو چار چار بار صدر کو جاری کرنا پڑا اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ قومی

Scanned with CamScanner

اسمبلی نے قانون سازی کا کام بالکل نہیں کیا۔

جسٹس سعد سعود جان ...... 22دسمبر 1992ء کو پارلیمنٹ کے مشترکہ سیشن میں صدر نے قومی اسمبلی وسینٹ کے قانون سازی کے عمل کی تعریف کی ہے وہ قانون سازی کے کام سے خوش تھے آپ الٹا کہہ رہے ہیں۔

اٹارنی جنرل...... صدر کی تقریر وزیر اعظم سیکرٹریٹ کے مشورے کے مطابق تیار ہوتی ہے۔

جسٹس سعد سعود جان...... لیکن آپ نے خود کہا ہے کہ صدر اپنے جذبات اپنا نقطہ نظر اور اپنی آزادانہ رائے کا اظہار بھی مشترکہ سیشن میں کر سکتا ہے تو پھر انہوں نے اپنی تقریر میں قانون سازی نہ ہونے پر نکتہ چینی کیوں نہیں کی۔

چیف جسٹس...... آرڈیننس کئی بار جاری کرنا پڑے کیا کبھی کوئی آرڈیننس واپس بھیجا گیا کہ اسے ایکٹ کی شکل میں نافذ کیا جانا چاہئے۔ کتنے آرڈیننس واپس کئے گئے ان میں کل آپ اپنے لوگوں کو تیار کر کے آئیں کل گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ آپ ہمارے سوالوں کا جواب دیں۔ تاکہ ہم نتیجے پر پہنچیں آپ کا مواد دیکھیں آپ نے اپنا فرض پورا کر لیا ہے۔ آپ قانونی پہلو پر کل بتائیں گے صدر کیا آرمی چیف کی خود تقرری کا حق رکھتا ہے۔ کیا قومی اسمبلی توڑنے کا صوابدیدی اختیار ہے یا مشروط ہے۔ کیا آئینی مشینری کا مکمل بریک ڈاؤن ہو گیا ہے ہم مشکور ہوں گے کہ کل آپ ہمارے ان چھ سات سوالوں کا جواب دیں۔

اٹارنی جنرل...... میں ان سوالوں کا تحریری جواب تیار کر رہا ہوں۔

چیف جسٹس...... ہمیں کوئی شک نہیں کہ آپ تیار نہیں کریں گے۔

ہم ان سوالوں کا جواب سننے کے لیے مضطرب ہیں۔ ایڈووکیٹ جنرل صاحبان نے اپنی استدعا دی ہے ہم کل اس بارے میں فیصلہ کریں گے کہ آپ کو پارٹی بنایا جائے یا نہ بنایا جائے۔ آپ کو سنا جائے یا آپ کو سنے بغیر فیصلہ دے دیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

19 مئی

سپریم کورٹ کے فل بنچ نے نواز شریف کیس میں صوبوں کی طرف سے فریق بننے کی درخواست مسترد کر دی صوبوں کی درخواستیں مسترد کرنے سے قبل فاضل عدالت نے سندھ، پنجاب اور سرحد کے ایڈووکیٹ جنرلز کو باری باری کیس پیش کرنے کو کہا تینوں کو سرسری طور پر سننے کے بعد فاضل عدالت نے بلوچستان کے ایڈووکیٹ جنرل کو اپنا کیس پیش کرنے کو کہا تو بلوچستان کے ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ میرا کوئی کیس نہیں، نہ ہی میں دلائل دینا چاہتا ہوں اسی کے ساتھ چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ صوبائی حکومتوں کو وفاق کے اس کیس میں فریق نہیں بنایا جا سکتا اور کیس کی باقاعدہ سماعت شروع کرا دی۔ فاضل ایڈووکیٹ جنرلز کو مختصراً سننے کے بعد چیف جسٹس نے کہا کہ چونکہ ہماری روایت بھی ہے کہ اہم کیسوں میں اٹارنی جنرل کے ساتھ ایڈووکیٹ جنرل ہوتے ہیں اس لیے کیس کی سماعت مکمل ہونے کے بعد ایڈووکیٹ جنرل اگر کسی آئینی نکتے میں تشنگی محسوس کریں تو وہ اسے دور کرنے میں معاونت کر سکتے ہیں۔ عدالت عظمیٰ نے بدھ کے روز درخواست گزار نواز شریف کے وکیل سینیٹر یحییٰ بختیار کے دلائل سنے، انہوں نے عدالت عظمیٰ کی کارروائی بند کمرے میں کیے جانے کے فیصلے کی مخالفت کی اور کہا کہ قومی اسمبلی توڑنے کا آئینی معاملہ سپریم کورٹ نے طے کرنا ہے کوئی خفیہ ایجنٹ نہیں پکڑا گیا جس سے باز پرس بند کمرے میں کرنا ضروری ہو،

Scanned with CamScanner

انہوں نے کہا کہ اٹارنی جنرل نگران حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے کیس کو بے مقصد طول دے رہے ہیں۔ چیف جسٹس نے کہا کہ کہیں بتایا گیا ہے کہ بیرون ملک پاکستانی سفارتخانوں سے بڑا حساس مواد بھجوایا گیا مگر سابق وزیر اعظم کی طرف سے اس پر غور نہیں ہوا۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ وزیر اعظم صدر کے سامنے نہیں پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہے صدر غلام اسحاق خان نے 22 دسمبر 1992ء کو نواز شریف حکومت کی ساری پالیسیوں کی تعریف کی مگر 18 اپریل کی رات زبردست مخالفت کی۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ اٹارنی جنرل کا یہ کہنا درست نہیں کہ صدر مملکت پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی طرف بھجوائی گئی تقریر پڑھ دیتے ہیں۔ 22 دسمبر 1992ء کی تقریر صدر نے خود تیار کرا کر پڑھی اگر اس کے باوجود اٹارنی جنرل اپنے موقف پر اصرار کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ صدر جو کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں ہوتا جو ان کے دل میں ہوتا ہے وہ بات وہ کہتے نہیں ہیں۔

یحییٰ بختیار نے کہا کہ 22 دسمبر 1992ء کی تقریر صدر نے اپنے ضمیر اور دل کی آواز کے مطابق کی تھی۔ یحییٰ بختیار کے بعد قائم مقام اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے دلائل جاری رکھے انہوں نے کہا کہ ریلوے کی فالتو زمین 518 ملین روپے میں نیلام کی گئی یہ ریلوے کو نجی شعبے کے سپرد کرنے کے مترادف ہے جسٹس اجمل میاں نے کہا کہ فالتو زمین کی نیلامی ریلوے کی پرائیویٹائزیشن قرار نہیں دی جا سکتی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ سابقہ حکومت نے 42 ملین ڈالر سے وی وی آئی پی طیارہ خریدا چیف جسٹس نے پوچھا کہ یہ طیارہ کہاں ہے کیا سابق وزیر اعظم نواز شریف یہ وی وی آئی پی طیارہ اپنے ساتھ گھر لے گئے ہیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ یہ نگران وزیر اعظم کے پاس ہے جو اسے پی آئی اے کے حوالے کر رہے ہیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ وزیر اعظم نے 20 ملین سے 40 ملین روپے تک کی گرانٹ مختلف علاقوں کی ترقی کے لیے دی جس پر مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ وفاقی بجٹ کے باہر کے اخراجات ضمنی بجٹ کی شکل میں پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں وہی ان کو منظور کرتی ہے عدالت عظمیٰ اس بارے میں کیا کر سکتی ہے اٹارنی جنرل نے آئین کے آرٹیکل 184 کا حوالہ دے کر کہا کہ ڈھائی سال میں نواز شریف حکومت منظور شدہ وفاقی بجٹ سے زیادہ خرچ کرتی رہی مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے کہا کہ ایسا ڈھائی سال سے نہیں گزشتہ چالیس سال سے ہو رہا ہے۔ ہر حکومت منظور شدہ بجٹ سے زیادہ اخراجات کر دیتی ہے جس کی آئین کے تحت ضمنی بجٹ کی شکل میں قومی اسمبلی میں منظوری لے لی جاتی ہے اس لیے نواز شریف حکومت نے یہ بھی کوئی غیر آئینی کام نہیں کیا۔ نزہت نواز کی پریس کانفرنس بھی سماعت کے دوران زیر غور آئی چیف جسٹس نے کہا کہ ہم دل و جان سے صدر مملکت کا احترام کرتے ہیں اٹارنی جنرل وزیر اعظم کو متنازعہ بنا رہے ہیں آپ ابھی تک یہ ثابت نہیں کر سکے کہ فلاں اقدام سے سابق وزیر اعظم نے وفاق کو آئین کی شقوں کے مطابق چلنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ جسٹس نسیم حسن شاہ نے کہا کہ صوبوں کو فریق نہیں بنایا جا سکتا کیس کی سماعت مکمل ہونے کے بعد ایڈووکیٹ جنرلز کسی آئینی نکتے میں تشنگی محسوس کریں تو اسے دور کرنے میں معاونت نہیں کر سکتے ہیں۔ یحییٰ بختیار نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ صدر نے 22 دسمبر 92ء کی تقریر خود تیار کرا کر پڑھی جس میں انہوں نے حکومت کی پالیسیوں کی تعریف کی، اسمبلی توڑ کر آئین کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

اٹارنی جنرل...... صدر نے فوج کو مطمئن کرنے کے لیے کمیشن بنانے کی رائے دی تھی۔

جسٹس اجمل میاں...... انکوائری کمیشن کو سابق حکومت نے قائم کیا تھا حکومت کی کوتاہی کہاں ثابت ہوتی ہے چاہے یہ کمیشن صدر کی توجہ دلانے پر ہی کیوں نہ بنایا گیا ہو۔

اٹارنی جنرل...... اس کے اختیارات کا دائرہ سابق حکومت نے طے کیا تھا۔ آرمی چیف کی پوزیشن حساس ہوتی ہے درحقیقت وہ تمام وفاقی فورسز کا سربراہ ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس اجمل میاں ۔۔۔۔ وفاقی حکومت نے تحقیقاتی کمیشن قائم کرنے میں کہاں تک دیانتداری کا مظاہرہ کیا۔

چیف جسٹس ۔۔۔۔ راجہ نواز نے پریس کانفرنس کس تاریخ کو کی تھی۔

اٹارنی جنرل ۔۔۔۔ 12 اپریل 1993ء کو پریس کانفرنس ہوئی۔

چیف جسٹس ۔۔۔۔ کمیشن وزیر اعظم نے کب قائم کیا تھا۔

اکرم شیخ ایڈووکیٹ ۔۔۔۔ اسی روز قائم کر دیا تھا۔

چیف جسٹس ۔۔۔۔ اصل سوال کیا تھا کہ کس نے میلہ لوٹ لیا یا کون جیت لے گیا صدر نے جو کچھ کیا سو فیصد درست تھا کیا وزیر اعظم نے جو کچھ کیا وہ غلط تھا اور انہوں نے کمیشن قائم کر کے وفاق کی حکومت کو آئین کے مطابق چلنے کے ناقابل بنا دیا تھا۔ آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرا رہے ہیں کہ صدر مملکت کا ہم دل و جان سے احترام کرتے ہیں آپ وزیر اعظم کے کردار کو متنازعہ بنا رہے ہیں۔ بتائیے کہاں اس شخص نے وفاق کو آئین کے مطابق چلنے کے ناقابل بنا دیا۔ راجہ نواز کی پریس کانفرنس سے 58(2) بی کے استعمال کا جواز کہاں بنتا ہے۔

اٹارنی جنرل ۔۔۔۔ آرمی چیف کی بیوہ کی شکایت پر کچھ نہ ہو تو 58(2) بی لاگو ہوتا ہے۔

چیف جسٹس ۔۔۔۔ جہاں تک اقتصادی صورتحال کا تعلق ہے اس کے بارے میں عالمی بنک کی مارچ 1993ء کے آخر میں جاری شدہ رپورٹ پیش کی گئی۔

اٹارنی جنرل ۔۔۔۔ عالمی بنک ہمارے حالات سے واقف نہیں ہے ان کو علم نہیں کہ یہاں بیکاری کیسے ہو رہی ہے اربوں روپے کے پروجیکٹ کیسے بن رہے ہیں۔ ہم سرکاری املاک فروخت کر کے اپنا سرمایہ کھا رہے ہیں عالمی بنک کو اس کا بالکل علم نہیں ہمارے داخلی حالات کا علم عالمی بنک کو نہیں نگران حکومت کو داخلی صورتحال کا علم ہے آج دفاعی لحاظ سے پاکستان دنیا میں اکیلا رہ گیا ہے۔ بعض اہم معاملات پر مسلمان ممالک تک نے بھی ہمیں ووٹ نہیں دیا دفاعی ساز و سامان ہمیں فروخت کرنے سے انکار کیا گیا ہے ہم اپنے وسائل ضائع کرتے رہے۔

چیف جسٹس ۔۔۔۔ اقتصادی فلسفے مختلف ہوتے ہیں آپ اس کی تفصیل میں نہ جائیے۔

جسٹس اجمل میاں ۔۔۔۔ دوسرے فریق نے گزشتہ برسوں کے مقابلے میں درآمدات برآمدات اسٹاک مارکیٹ اور سرمایہ کاری کے ذخائر روزگار کے مواقع کے اعداد و شمار دیئے ہیں آپ ثابت کریں کہ ان کے اعداد و شمار غلط ہیں تاکہ ثابت ہو کہ ان کا دعویٰ غلط ہو۔

اٹارنی جنرل ۔۔۔۔ میں معلومات حاصل کروں گا اور بتاؤں گا کہ آج ہم سابقہ حکومت کی پالیسیوں کی وجہ سے دنیا میں الگ تھلگ ہو کر رہ گئے۔

اٹارنی جنرل ۔۔۔۔ میں قانونی پہلوؤں کی طرف آتا ہوں پہلا سوال یہ ہے کہ آرٹیکل 58(2) بی کے لیے طے شدہ حدود و قیود عدالت عظمیٰ نے حاجی سیف اللہ کیس، خواجہ احمد طارق رحیم کیس میں متعین کی ہیں۔ سندھ ہائیکورٹ نے طارق ملک کیس اور لاہور ہائیکورٹ نے خواجہ شریف کیس میں اصول طے کئے ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ صدر یا متعلقہ رائے قائم کرے اور حقائق موجود جو اس کے سامنے ہوں ان پر ذہن استعمال کر کے اس نتیجے پر پہنچے کہ فیڈریشن کی حکومت آئین کی شقوں کے مطابق نہیں چل سکتی اور عام انتخابات کا انعقاد ضروری ہو گیا ہے دوسری حد یہ مقرر ہے کہ حقائق اور اسباب جن کی بناء پر صدر یہ رائے قائم کرے وہ آئین کی شقوں کے مطابق ہوں تیسرا اصول یہ ہے کہ آئینی مشینری کا مکمل بریک ڈاؤن ہو چکا ہو جس سے حکومت آئینی شقوں کے مطابق نہ چل سکتی ہو۔ یہ بھی ہے کہ جونہی صدر یا متعلقہ رائے قائم کرے تو وہ فیصلہ کرنے کا مجاز بن جاتا ہے کہ قومی اسمبلی کو توڑا جائے یا نہ توڑا جائے۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ صدر کا صوابدیدی اختیار ہے کہ وہ اسمبلی توڑے یا نہ توڑے وہ جسٹس ایبل نہیں ہے (اس پر عدالت چار دو جوڑی ہوئی نہیں تھی) اس لیے صدر عدالت عظمیٰ کی تجاویز کا موضوع نہیں بن سکتا۔ عدالت عظمیٰ صدر

کی رائے کا متبادل دینے کی مجاز نہیں۔

چیف جسٹس...... 58(2)بی کے تحت متعدد کیسوں کو ہم نمٹا سکتے ہیں ارکان کی طرف سے قومی اسمبلی کی ریکوزیشن کا معاملہ ہم نے طے کیا ہے اگر عدالت عظمیٰ کا اختیار نہ ہوتا تو کیسے سنتے اور 58(2)بی کا معاملہ ہمارے پاس نہ آتا۔ ہم تھوڑا بہت جانتے ہیں ہم نے حدود و قیود مقرر کی ہیں سابقہ معاملات میں جن پوائنٹس کا فیصلہ ہم نے نہیں کیا اسے آپ بیٹے کو بیان کریں تو بہتر ہوگا۔

اٹارنی جنرل......صدر کے اختیارات کے متعدد پہلو ہیں سپریم کورٹ نے مختلف فیصلوں میں صدر کے اختیار پر حدود و قیود عائد کی ہیں میں ان فیصلوں کے کئی کئی صفحات پڑھنا نہیں چاہتا اس لیے ان کے حوالے دے رہا ہوں۔ 54(3)اور 58(2)بی کے تحت صدر کے اختیارات صوابدیدی ہیں بشرطیکہ کچھ مواد موجود ہو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقننہ کے انتظامیہ کے کیا اختیارات ہیں امور حکومت چلانے کی ذمہ داری کس کی ہے اس طریقے سے میں جواب دوں گا اس کے بعد صدارتی اختیار، سیاسی انصاف کے متعلق سوالوں کا جواب دوں گا۔

اٹارنی جنرل......ریلوے کے آئٹم کو مشترکہ مفادات کونسل کے ایجنڈے میں شامل نہیں کیا گیا۔ پرائیویٹائزیشن نے صنعتی یونٹ فروخت کئے ان سے اتنی رقم حاصل ہوئی۔

جسٹس سعد سعود جان......کیا یہ حکومت کے ادارے تھے۔

یحییٰ بختیار......حکومت کے ادارے تھے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن......ان میں قومیائے گئے ادارے بھی شامل ہیں سارے حکومت کے نہیں تھے۔

اٹارنی جنرل...... 15 جولائی 1992ء کو کابینہ نے فیصلہ کیا کہ ریلوے کی فالتو زمین نیلام کردی جائے گی۔ زمین کی کم سے کم قیمت کا تعین ریلوے بورڈ آف ریونیو اور دوسرے متعلقہ اداروں کے نمائندوں پر مشتمل کمیٹی کرے گی تا کہ یہ زمین مارکیٹ قیمت سے کم پر نیلام نہ ہو سکے ریلوے زمین کی فروخت پر ٹیکس نہیں ہوگا اندازہ لگایا گیا کہ رواں مالی سال میں ریلوے زمین سے دو ارب روپے کی آمدنی ہوگی۔ سابقہ حکومت نے 518.3 ملین روپے کی فاضل زمین فروخت کی۔

ایک جج......اسے ریلوے کی پرائیویٹائزیشن تو نہیں کہا جاسکتا۔

اٹارنی جنرل......یہ ریلوے کی پرائیویٹائزیشن ہی ہے۔

جسٹس اجمل میاں......یہ ریلوے کی پرائیویٹائزیشن نہیں ہے پاک لینڈ فروخت کرنا نج کاری نہیں ہے۔

اٹارنی جنرل......میں اسے مزید چیک کرلوں گا مگر 94-1993ء میں مزید ایک ارب روپے کی ریلوے اراضی فروخت ہونا تھی۔

جسٹس شفیع الرحمٰن......آرٹیکل 184 پڑھیں۔

اٹارنی جنرل......سالانہ بجٹ کے اخراجات کے علاوہ کوئی خرچے ہوں تو وفاقی حکومت وفاق کنسالیڈیٹڈ فنڈ سے کرسکتی ہے اور وہ اسے ضمنی بجٹ کی شکل میں قومی اسمبلی سے منظور کراسکتی ہے میرا کہنا ہے کہ اڑھائی سال میں بجٹ سے زیادہ خرچ ہوتا رہا۔

جسٹس شفیع الرحمٰن......نہیں آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ ایسا چالیس برسوں سے ہو رہا ہے چالیس سالوں سے ہر قومی اسمبلی میں ضمنی بجٹ پیش ہوتے رہے ہیں پاس ہوتے رہے ہیں۔

چیف جسٹس......اگر کسی خرچے کی وفاقی بجٹ میں منظوری نہ ہو تو آرٹیکل 184 کے تحت ضمنی بجٹ قومی اسمبلی میں پیش کردیا جاتا ہے اگر قومی اسمبلی اس کی منظوری دے دے تو اس پر اعتراض آپ کیسے کرسکتے ہیں ماضی میں منظوری ملتی رہی ہے اگر قومی اسمبلی سے منظوری لے کر 20 ملین کسی

Scanned with CamScanner

آرگنائزیشن کو وزیر اعظم نے دیئے ہیں تو عدالت عظمیٰ کیا کر سکتی ہے۔

چیف جسٹس...... آپ نے کہا ہے کہ 42 ملین ڈالر وی وی آئی پی جہاز پر خرچ کیے گئے جس کی یہ غریب قوم متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

اٹارنی جنرل...... گرانٹس پر کئی گنا زیادہ رقم خرچ کی گئی خسارے کی سرمایہ کاری پر صدر نے وزیر اعظم کو انتباہ کرتے 17 نومبر 1992ء کو خط لکھا جس میں کہا گیا کہ مالی پھیلاؤ اور افراط زر بڑے مسائل ہیں ان پر توجہ دی جائے۔

چیف جسٹس...... گرانٹس کا پوائنٹ آپ کا پورا ہو گیا ہے آگے چلیں۔

اٹارنی جنرل...... بیگم آصف نواز نے اپنے شوہر کی موت کے بارے میں سنگین الزامات لگائے ہیں جس کا ذکر وفاق کے تحریری جوابی بیان میں تفصیل سے ہے۔ صدارتی فرمان کے پیراگراف ''جی'' میں بیگم نزہت نواز کے الزامات کا ذکر ہے میرا تبصرہ صرف یہ ہے کہ کیا تحقیقاتی کمیشن کی تشکیل قانونی تھی۔ آرمی چیف کی بیوہ کے بیان کو سپریم کمانڈر غلام اسحاق خان نے قوم کے مفاد میں اٹھایا۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... آئینی لحاظ سے کون کمیشن مقرر کرتا ہے۔

اٹارنی جنرل...... وزیر اعظم کمیشن مقرر کرتا ہے۔

چیف جسٹس...... نزہت نواز کے الزامات کو آرٹیکل 58(2)بی کے تحت قومی اسمبلی توڑنے کے فرمان میں کیوں شامل نہیں کیا گیا۔ شاید صدر نے فوج والوں کو مطمئن کرنے کے لیے کیا ہوگا ہماری تشویش یہ ہے کہ 58(2)بی اس بیان کی وجہ سے کیسے لگ سکتی ہے۔

چیف جسٹس...... ہم کچھ معاملات پر ساڑھے بارہ بجے کے بعد بند کمرے میں سماعت کریں گے۔

یحییٰ بختیار...... یہ مقدمہ قومی اسمبلی توڑنے کا ہے جو آئین کی خلاف ورزی ہے کوئی خفیہ ایجنٹ گرفتار نہیں کیا گیا کہ اس سے تفتیش ہو رہی ہے۔ کوشش یہ ہو رہی ہے کہ عدالت کی کارروائی کو طول دیا جائے۔ جمہوری ملک میں کیس کی کارروائی کھلی عدالت میں ہونی چاہیے۔

چیف جسٹس...... ہمیں بتایا گیا ہے کہ بیرون ملک ہمارے مشنوں سے بڑا حساس مواد ملا ہے لیکن سابق وزیر اعظم نے ان مشنوں کی طرف سے بھیجے گئے مواد پر غور نہیں کیا تو جہ نہیں دی اس لیے بند کمرے میں یہ معاملات ہم سننا چاہتے ہیں اور دیکھیں گے کہ واقعی یہ حساس نوعیت کا ہے اور اس کا کتنا اثر لینا چاہیے ہم آپ کے مفادات کو ملحوظ رکھیں گے۔

یحییٰ بختیار...... وزیر اعظم پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہے صدر پوچھنے والے کون ہوتے ہیں۔

چیف جسٹس...... 14 اپریل کے پریس ریلیز میں کہا گیا تھا کہ قومی اور بین الاقوامی معاملات اور مسائل کو حل کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا اور کہا گیا کہ وزیر اعظم اس کا حل کر کے صدر کے پاس واپس جائیں گے۔

یحییٰ بختیار...... صدر اور وزیر اعظم کو داخلی خارجی مسائل کے متعلق طویل آرڈر دیا گیا ہے جبکہ تمام معاملات بیان ہو چکے ہیں۔ آج کے اخبارات میں الزام لگا ہے کہ صدر نے وزرائے اعلیٰ کو کیس میں فریق بننے کی ہدایت کی ہے۔

چیف جسٹس...... صوبوں کی درخواستیں ہمارے سامنے آئیں گی اگر وہ غیر متعلق ہوئیں تو ہم ان کو غیر متعلق قرار دیں گے جہاں تک بند کمرے کا تعلق ہے ہم نے ضروری سمجھا تو باتیں بند کمرے میں سنیں گے وہاں وکیل آسکیں گے اور کوئی نہیں ہوگا یہ ساڑھے بارہ بجے شروع ہوگا بند کمرے میں دفتر خارجہ کے اعلیٰ حکام خالد انور، یحییٰ بختیار، اٹارنی جنرل اور ایس ایم ظفر ہوں گے۔

چیف جسٹس...... صوبائی حکومت کے کون ایڈووکیٹ جنرل پہلے بتانا چاہیں گے کہ صدر کے 18 اپریل کے آرڈر میں صوبے کا تعلق کیسے بنتا ہے۔ یہ صرف مختصر کیس بیان کریں اس میں صوبوں کے حقوق دیئے گئے یا نہیں دیئے گئے کا ذکر نہ کریں کیونکہ یہ معاملہ پہلے نہیں اٹھایا گیا۔

Scanned with CamScanner

ایڈووکیٹ جنرل پنجاب مقبول الٰہی...... میں فاضل عدالت کے سامنے مواد پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر قومی اسمبلی بحال کی گئی تو وفاق اور پنجاب کے تعلقات درست نہیں رہیں گے۔

جسٹس شفیع الرحمن......کیا یہ قانون کی حدود میں نہیں ہیں آپ بتائیں کہ اگر قومی اسمبلی بحال کر دیں تو کس کے ساتھ وفاق چل سکتا ہے یہ بھی بتائیں کہ بنیادی حقوق کے باب میں عدالت عظمیٰ کو فیصلے کا صوابدیدی اختیار ہے۔ مقبول الٰہی ملک آپ کے دلائل متعلقہ نہیں اگر آپ کے پاس مواد ہے اور وفاق کے پاس وہ مواد نہیں تھا تو آپ یہ مواد وفاق کو دیں ہمارے پاس کیوں آئے ہیں۔

مقبول الٰہی......صوبائی حکومتوں کو بھی آئین کے تحت چلانا ضروری ہے کیا صوبائی حکومت کو ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلانا ہوتا ہے شاید اسی لیے نواز شریف کے ہٹتے ہی راتوں رات صوبائی اسمبلی کی واضح اکثریت نے اپنی قیادت بدل دی کیونکہ ان کو پہلے لیڈر پر اعتماد نہیں تھا۔ پہلے صوبائی خودمختاری نہیں تھی۔ انہوں نے کہا کہ وفاق کے صوبائی یونٹ وفاق کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی......اگر آپ نہیں چل سکتے تھے تو آپ ڈوب جاتے۔

چیف جسٹس......مقبول الٰہی ملک ہم نے آپ کو سن لیا ہے آپ بیٹھ جائیں۔

ایڈووکیٹ جنرل سندھ......فیصلے کرنے والے اداروں میں ہمیں کبھی نہیں بلایا گیا نہ مشورہ کیا گیا۔ میرے وزیر اعلیٰ نے 21 مارچ 1991ء کو صدر کو خط لکھا۔

چیف جسٹس......کیا مشترکہ مفادات کونسل کے چیئرمین وزیر اعظم کو کونسل کا اجلاس بلانے کے لیے وزیر اعلیٰ نے خط لکھا تھا وہ پیش کریں۔

ایڈووکیٹ جنرل سندھ...... مجھے اس کے لیے ہدایات حاصل کرنا ہوں گی۔

چیف جسٹس......آپ بیٹھ جائیں آپ کا کوئی کیس نہیں ہے۔

سرحد ایڈووکیٹ جنرل سردار خان......ہمارے وزیر اعلیٰ میر افضل خان نے 8 اگست 1991ء اور 13 مئی 1992ء کو صدر کو دو خط لکھے تھے اس میں شکایت کی گئی کہ بعض معاملات میں سرحد کی حکومت سے مشورہ نہیں کیا جا رہا۔

چیف جسٹس......ان خطوط کا اٹارنی جنرل نے تفصیلی ذکر کر دیا ہے مشترکہ مفادات کونسل کا اجلاس بلانے کے لیے سرحد کے وزیر اعلیٰ نے وزیر اعظم کو کوئی خصوصی خط لکھا تھا جس میں کہا گیا ہو کہ آپ آمرانہ کام کر رہے ہیں کونسل کا اجلاس بلایا جائے۔

ایڈووکیٹ جنرل سرحد......وزیر اعلیٰ نے وزیر خزانہ کو بھی خط لکھے تھے۔

اجمل میاں......آپ کے خطوط ریکارڈ پر ہیں۔

ایڈووکیٹ جنرل......ایک خط ریکارڈ پر ہے دوسرا نہیں ہے۔

چیف جسٹس......آپ کا معاملہ سن لیا ہے آپ بیٹھ جائیں۔

بلوچستان ایڈووکیٹ جنرل......مائی لارڈ میں نے درخواست دی ہے نہ میں کوئی دلائل دینا چاہتا ہوں۔

چیف جسٹس......آئندہ بھی آپ درخواست تو نہیں دیں گے۔

ایڈووکیٹ جنرل......نہیں جناب۔

چیف جسٹس......یحییٰ بختیار آپ کیا دلائل دے رہے ہیں۔

یحییٰ بختیار......قومی اسمبلی صدر نے توڑی ہے صوبائی حکومتوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں جب اسمبلی توڑی گئی امن و امان بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔

Scanned with CamScanner

معیشت ٹھیک ٹھاک چل رہی تھی اس لیے 58(2)بی کے تحت اسمبلی توڑنا آئین کی خلاف ورزی ہے بنیادی حقوق کے تحت سپریم کورٹ آئینی پٹیشن سننے کا پورا اختیار رکھتی ہے۔

چیف جسٹس ...... صوبائی حکومتوں کو وفاق کے اس کیس میں فریق نہیں بنایا جا سکتا لیکن اگر ایڈووکیٹ جنرل وفاق کی طرف سے دلائل مکمل ہونے کے بعد کچھ اضافہ کرنے کی پوزیشن میں ہوں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

یحییٰ بختیار...... دوروز قبل نجکاری کے عمل، آرڈیننسوں کے اجراء کے سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ 22 دسمبر 1992ء کو تو صدر ان تمام اقدامات کی تعریف کرتے ہیں مجلس شوریٰ کے مشترکہ سیشن میں صدر نے واضح کیا کہ پارلیمنٹ کی کارکردگی بڑی بہتر ہے۔ قانون سازی کا کام اچھا ہوا ہے۔ انہوں نے نواز شریف حکومت کی پالیسیوں کی اپنی تقریر میں بے حد تعریف کی نجکاری کمیشن اور دوسری اقتصادی اصلاحات کو سراہا۔ صدر نے حکومت کی ترجیحات کو درست قرار دیا اور ان پر تیز رفتاری سے عملدرآمد پر زور دیا صدر نے نجکاری کے بارے میں بعض حلقوں کے خدشات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ نجکاری کا عمل عمدگی سے ہو رہا ہے۔ صدر نے اجارہ داریوں کے کنٹرول کے بارے میں کہا کہ اس کا قانون بھی بن رہا ہے یہ صحت مندانہ رجحان ہے۔ قومی آمدنی کی شرح بڑھ رہی ہے۔ پیلی کیب کی سکیم بڑی اچھی ہے۔ سٹاک مارکیٹ بے حد مستحکم ہے انفراسٹرکچر ترقی کے لیے بن رہا ہے خود روزگاری اور پبلک ٹرانسپورٹ سکیم سے روزگار کے مواقع وسیع ہوتے ہیں۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ یہ صرف تین ماہ پہلے کی بات ہے کہ صدر نواز شریف حکومت کی ہر بات کی تعریف کر رہے تھے۔

جسٹس سعد سعود جان...... اٹارنی جنرل کا کہنا ہے کہ صدارتی تقریر کا بیشتر حصہ وزیر اعظم سیکرٹریٹ کا لکھا ہوا ہے۔

یحییٰ بختیار...... اگر صدر مملکت نے وزیر اعظم کی لکھی تقریر پڑھی ہے تو میں کہوں گا کہ صدر جو کچھ کہتے ہیں وہ دل کی بات نہیں ہوتی جو ان کے دل کی بات ہوتی ہے وہ کہتے نہیں ہیں۔

چیف جسٹس...... اگر صدر کی اس سے پہلے کی تقاریر وزیر اعظم سیکرٹریٹ کی تیار کی ہوئی تھیں تو ہم پھر اٹارنی جنرل کی بات نہیں مانیں گے یہ دیکھنا پڑے گا کہ پارلیمنٹ کے سابق مشترکہ اجلاسوں میں صدر نے جو خطاب کیا تھا وہ وزیر اعظم سیکرٹریٹ سے تیار ہو کر آیا تھا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ میں واضح کرتا ہوں کہ صدر مملکت پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کے لیے خود تقریر تیار کرتے ہیں۔ وزیر اعظم سیکرٹریٹ سے پالیسی بیان منگواتے ضرور ہیں مگر تقریر صدر وہ کرتے ہیں جو وہ ان کے اپنے ضمیر و دل کے مطابق ہو اس لیے 22 دسمبر 1992ء کو صدر کا خطاب صدر کا اپنا تیار کرایا ہوا تھا۔

چیف جسٹس...... یحییٰ بختیار صاحب ذرا آہستہ آہستہ چلیں۔

یحییٰ بختیار...... صدر مملکت کا احترام ہوتا اگر وہ پارٹی پالیٹکس سے بالاتر رہتے وہ کسی سیاسی پارٹی سے تعلق نہ رکھتے صدر مستعفی ہوئے بغیر کسی سیاسی جماعت کی لائن نہیں لے سکتے وہ مسلم لیگ کے صدر نہیں وہ پاکستان کے صدر ہیں۔ وزیر اعظم ''نیشنل وے'' کی علامت ہیں صدر بڑے محترم ہیں مگر ان کو کابینہ اور وزیر اعظم کے مشورے کے ساتھ کام کرنا ہوتا ہے۔

چیف جسٹس...... آپ چونکہ اسلام آباد سے باہر جا رہے ہیں اس لیے آپ کی باتیں ہم نے سنی ہیں اب ہم اٹارنی جنرل سے کہتے ہیں کہ وہ اپنے دلائل کم سے کم وقت میں مکمل کر لیں تاکہ ہم اس اہم معاملے کا جلد سے جلد فیصلہ کر لیں۔

یحییٰ بختیار...... اٹارنی جنرل نے دعویٰ کیا ہے کہ صدر کو قومی اسمبلی سینٹ چاروں اسمبلیوں نے چنا ہے اس لیے وہ قوم کے نمائندے ہیں۔

چیف جسٹس...... آپ نے بھی ان کو ووٹ دیا تھا۔

Scanned with CamScanner

یحییٰ بختیار..... میں نے ان کو ووٹ نہیں دیا تھا حالانکہ محترمہ بے نظیر بھٹو کا فیصلہ تھا میرا ووٹ نہیں تھا۔

جسٹس سعد سعود جان..... آپ نے صدارتی میعاد کے بارے میں متعدد تقاریر کی ہیں۔

چیف جسٹس..... کیا صدر 58(2) بی کے اختیارات استعمال نہیں کر سکتے۔

یحییٰ بختیار..... نہیں بالکل نہیں۔ آرٹیکل 41 پر انحصار کیا گیا ہے جس میں صدارتی انتخاب کا طریقہ کار واضح کیا گیا ہے۔ صدر کو اس کی میعاد مکمل ہونے کے بغیر چنا جاتا ہے سب کلاز (7) کے تحت ان کو مخصوص میعاد کے لیے چنا جاتا ہے۔ اسحاق خان 1988ء میں ایک سال تین ماہ 10 دن کے لیے صدر چنے گئے ان کے بعد ان کا ایوان صدر میں قیام غیر آئینی ہے۔ آرٹیکل 49 کے تحت بھی ایسا ہی ہے۔ انڈین آرٹیکل 52 کے مطابق صدر کا عہدہ خالی ہوگا تو دوسرا صدر پانچ سال کے لیے چنا جائے گا لیکن پاکستان کے آئین میں یہ شق جان بوجھ کر نہیں رکھی گئی تاکہ نیا صدر باقی ماندہ میعاد کے لیے چنا جا سکے۔ غلام اسحاق خان آئینی صدر ہی نہیں تھے اس لیے وہ اسمبلی توڑ ہی نہیں سکتے۔

چیف جسٹس..... یحییٰ بختیار! آپ نے اچھی باتیں کی ہیں۔ اٹارنی جنرل صاحب آپ بولیں۔

یحییٰ بختیار..... یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زبان میری۔

چیف جسٹس..... یحییٰ بختیار ہم نے آپ کے پوائنٹ کا اثر لیا ہے اس کا ہم جائزہ لیں گے۔

یحییٰ بختیار..... اب سوال صرف یہ ہے کہ صدر مملکت نے آئین کے آرٹیکل 58(2) بی کو پرائیویٹائز کر لیا ہے۔

سپریم کورٹ نے بدھ کو اٹارنی جنرل عزیز اے منشی کی درخواست پر قومی اسمبلی توڑنے کے صدارتی اقدام کے خلاف سابق وزیر اعظم نواز شریف کی آئینی درخواست کی سماعت ایک گھنٹہ تک بند کمرے میں کی۔ کمرہ عدالت میں عام سماعت دن کے بارہ بجے تک ہوئی۔ اس کے بعد گیارہ ججوں پر مشتمل فل کورٹ نے بند کمرے میں اٹارنی جنرل عزیز اے منشی کے دلائل سنے۔ بند کمرے میں گیارہ ججوں کے علاوہ اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نگران وزیر اعظم میر بلخ شیر مزاری کے وکیل ایس ایم ظفر سابق وزیر اعظم نواز شریف کے وکیل خالد انور، خالد اسحاق ایڈووکیٹ اور یحییٰ بختیار بھی تھے۔ ان کے علاوہ وزیر خارجہ شریف الدین پیرزادہ، سیکرٹری خارجہ کو خاص طور پر بلایا گیا تھا۔ امور خارجہ کے سابق وزیر مملکت صدیق کانجو بار روم میں موجود رہے تاکہ ضرورت پڑنے پر انہیں بھی بند کمرے میں بلا کر کوئی بات پوچھی جا سکے تاہم انہیں نہیں بلایا گیا۔ بند کمرے میں یہ سماعت تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہی۔ بعد ازاں سابق وزیر اعظم نواز شریف کے وکلاء خالد انور اور خالد اسحاق باہر آئے تو اخبار نویسوں نے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی مگر انہوں نے سوالوں کا کوئی جواب دینے سے انکار کیا اور کہا کہ بند کمرے کی سماعت کا مرحلہ گزر گیا۔ اب معمول کے دلائل کی سماعت آگے بڑھے گی۔ ایک سوال پر انہوں نے کہا کہ بند کمرے میں ہی جوابی دلائل دیے گئے تھے یہ معاملہ اب تمام سماعت کے دوران نہیں اٹھایا جائے گا۔ ایک سوال پر خالد اسحاق نے کہا کہ وکلاء خود جرح کرنے کے ماہر ہوتے ہیں آج انہیں صحافیوں کی جرح کا سامنا ہے جس کے وہ عادی نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ کوئی بات کریں گے تو اخبار نویس دو جمع دو کر کے بائیس بنا دیں گے۔ بند کمرے میں سماعت کے بعد دونوں طرف کے وکلاء باہر نکلے تو اخبار نویس ان کے چہروں سے تاثرات کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے رہے۔ وزیر خارجہ شریف الدین پیرزادہ نے ایک سوال پر صرف اتنا کہا کہ ''سب ٹھیک ہے'' جس کے بعد وہ مسکراتے ہوئے سیکرٹری خارجہ شہریار ایم خان کے ساتھ کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔ سیکرٹری خارجہ کے ہاتھ میں دو فائلیں تھیں۔ قبل ازیں جب چیف جسٹس نے کہا کہ کچھ ایسے معاملات ہیں جو بند کمرہ میں سنے جائیں گے تو درخواست گزار کے وکیل یحییٰ بختیار نے کہا کہ وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے بھی اسی نوعیت کے متعدد مقدمات پیش ہوئے ہیں لیکن ان کی بند کمرہ میں سماعت نہیں ہوئی اور ویسے بھی جہاں جمہوریت ہوتی ہے وہاں بند کمروں میں مقدمات کی سماعت

Scanned with CamScanner

نہیں ہوتی۔ انہوں نے سوال کیا کہ کون سا سیکرٹ ایجنٹ پکڑا گیا ہے کہ اس کی سرگرمیاں سپریم کورٹ کے بند کمرہ میں بتائی جائیں گی۔ ویسے بھی پاکستان میں کون سی چیز خفیہ ہے جو بند کمرہ میں سماعت کی جا رہی ہے جبکہ چیف جسٹس جناب جسٹس نسیم حسن شاہ نے کہا کہ صدر کو کچھ حساس معاملات پر فارن مشن سے کچھ کاغذات موصول ہوئے تھے اور صدر نے وہ وزیر اعظم کے سامنے رکھے تھے لیکن ان پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی اور اس امر نے صدر کو اپنا خیال بنانے میں بہت مدد دی تھی اور اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہ وجہ اسمبلی توڑنے کا جواز رکھتی ہے یا نہیں اور یہ چیز فیصلہ کو کس حد تک متاثر کرتی ہے یہ الگ بات ہے کہ اس لیے ہمیں یہ سب کچھ سننا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ سماعت کے دوران یحییٰ بختیار صاحب ہماری مدد کے لیے آپ بھی موجود رہیں جس پر یحییٰ بختیار نے کہا کہ میری موجودگی کا سوال نہیں ہے بات اصول کی ہے کیونکہ صدر کو ایسے معاملات میں دخل اندازی کا حق نہیں یہ معاملات پارلیمنٹ کے تحت آتے ہیں اور اسے ہی ان پر غور کرنا چاہیے۔

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

22 مئی

اٹارنی جنرل آف پاکستان مسٹر عزیز اے منشی نے کہا کہ پارلیمانی جمہوریت میں عوام (رائے دہندگان) سپر ماسٹر اور حاکمیت اعلیٰ کے مالک ہوتے ہیں آئین کی روح کے مطابق ہمیشہ عوام سے ہی رجوع کیا جاتا ہے۔ صدر پاکستان نے اسمبلیاں توڑ کر 90 دن کے اندر انتخابات کرانے کا اعلان کیا ہے عوام سے رجوع کرنے کے اس اعلان کو کسی صورت میں بدنیتی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی نے ہفتہ کے دن بھی اپنے دلائل جاری رکھے جبکہ چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے رائے ظاہر کی کہ اٹارنی جنرل اتوار کو اپنے دلائل مکمل کر لیں انہوں نے آئینی نکات پر روشنی ڈالی ہے اب وہ عدالت کی طرف سے اٹھائے گئے سوالوں کا جواب دیں۔ اٹارنی جنرل نے اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے کہا کہ صدر کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ آئینی اختیار استعمال کرتے ہوئے اسمبلی توڑ دیں کیونکہ صورتحال اس نہج پر پہنچ گئی تھی کہ آئین کے مطابق ریاستی امور چلانا ناممکن ہو گیا تھا 17 اپریل کی تقریر کے بعد صدر اور وزیر اعظم کے پاس متعدد راستے تھے جنہیں اختیار کرنے کی بجائے وزیر اعظم نے صدر کے خلاف محاذ کھول دیا ان حالات میں عوام سے بھی رجوع کیا جا سکتا ہے عوام کی رائے حتمی اور عوامی رائے کا احترام سب پر لازم ہے اٹارنی جنرل نے صدر اور وزیر اعظم کے تنازعہ پر ریفرنڈم کی تجویز کو غیر آئینی قرار دیتے ہوئے مسترد کیا۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعظم کو اعتماد کا ووٹ لینے کے لیے بھی نہیں کہا جا سکتا تھا اگر وزیر اعظم اعتماد کا ووٹ حاصل بھی کر لیتے تو تناؤ کی شدت میں اور اضافہ ہو جاتا۔

اٹارنی جنرل۔۔۔ میں نے آرٹیکل 58 (2) بی کے تحت اسمبلی توڑنے کی وجوہات کے دلائل دیئے ہیں جس کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وفاقی حکومت آئین کے مطابق نہیں چل سکتی۔ حاجی سیف اللہ اور خواجہ احمد طارق رحیم کیسوں میں دیئے گئے فیصلے کے حوالے دیتے ہوئے میں بتانا چاہتا ہوں کہ خواجہ طارق کیس 1992 ، پی ایل ڈی سپریم کورٹ صفحہ 645،646 پر اسباب لکھے گئے ہیں جن کے مطابق صدر صوابدیدی اختیار کے تحت اسمبلی توڑ سکتا ہے اب صدر نے فرمان اس لیے جاری کیا ہے کہ انہوں نے یہ حتمی رائے قائم کر لی تھی کہ فیڈریشن کی حکومت آئین کے مطابق نہیں چل سکتی۔

چیف جسٹس۔۔۔ دوسرے فریق نے کہا کہ کس مواد اور کن واقعات کی بنا پر صدر نے یہ رائے قائم کی کہ فیڈریشن کی حکومت آئین کے مطابق نہیں چل سکتی یہ پوائنٹ سابق کیسوں میں نہیں اٹھایا گیا اس لیے دوسرے فریق کے اعتراض کا جواب ملنا چاہیے۔

اٹارنی جنرل...... لاہور ہائیکورٹ نے لکھا ہے کہ فیڈریشن اور صوبوں میں تنازعات طے کرنے کا آئین میں طریقہ کار موجود ہے اگر یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو تنازعات سے فیڈریشن اور صوبوں میں محاذ آرائی بڑھ سکتی ہے وفاق کے چار میں سے تین یونٹوں نے مشترکہ مفادات کونسل کے متعلق اعتراض کیا ہے اس لیے یہ صدارتی فرمان کا جواز ہے مشترکہ مفادات کونسل کو زیر استعمال نہ لانا بنیادی وجہ ہے اس کی چیف جسٹس نے اس وقت توثیق کی تھی۔ آرٹیکل 156 کے تحت قومی اقتصادی کونسل کی ایگزیکٹو کمیٹی پروجیکٹوں کی منظوری کا اختیار رکھتی ہے وہ صحیح طور پر کام نہیں کر رہی تھی۔ سب آرٹیکل سی۔ 3 میں صوبائی خودمختاری کا حوالہ ہے۔ سرکاری خزانے کا غیر قانونی استعمال ہوا عدالت عظمیٰ نے لکھا ہے کہ صدر صرف اس صورت میں اسمبلی توڑ سکتے ہیں جب آئینی مشینری مکمل طور پر ٹوٹ گئی ہو اور قومی ڈھانچے میں شکست و ریخت ہو گئی ہو، آئینی نظام مکمل بریک ڈاؤن ہو گیا ہو تعطل یا بحران پیدا ہو گیا ہو جس کی وجہ سے آئین پر عملدرآمد ہونا بند ہو گیا ہو۔ درخواست گزار نے آرٹیکل 233 کے حوالے سے کہا کہ ایمرجنسی لگ سکتی تھی اسمبلی نہیں توڑی جا سکتی تھی جہاں تک میرا تعلق ہے میرا کہنا ہے کہ صدر نے اسمبلی توڑنے سے قبل متبادل اقدامات کا جائزہ لیا ان میں ایک متبادل پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کی طلبی تھی یا اجلاس وزیر اعظم کے مشورے سے طلب ہو سکتا ہے۔

جسٹس سعد سعود جان...... کیا صدر نے وزیر اعظم کو مشترکہ سیشن بلانے کے لیے خط لکھا تھا۔

اٹارنی جنرل...... نہیں مائی لارڈ! صدر صرف وزیر اعظم کو مشترکہ سیشن بلانے کا پیغام بھیج سکتے تھے وہ از خود مشترکہ پارلیمنٹ کا اجلاس بلانے کے مجاز نہیں تھے۔ فریق مخالف نے جن آئینی متبادل باتوں کا ذکر کیا ہے اس میں نواز شریف حکومت کے خلاف قومی اسمبلی میں عدم اعتماد پاس کرانا شامل ہے۔

چیف جسٹس...... صدر نے وزیر اعظم کو قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کا کیوں نہیں کہا انہیں اسمبلی توڑنے کی بجائے وزیر اعظم کو 91(5) کے تحت اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کا کہنا چاہئے تھا صدر اگر اس نتیجے پر پہنچے کہ وزیر اعظم ایوان کا اعتماد نہیں رکھتا تو وہ وزیر اعظم کو اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کا کہہ سکتے تھے۔

اٹارنی جنرل...... گزشتہ ہفتے آپ نے کہا تھا کہ وزیر اعظم نے اسمبلی سے خطاب کرنے کی بجائے 17 اپریل کو قوم سے خطاب کر دیا اور اس طرح انہوں نے وفاق کو آئین کے مطابق نہیں چلایا۔ تقریر میں وزیر اعظم نے آئینی رویہ اختیار نہیں کیا میرے خیال میں آرٹیکل 91(5) کے تحت صدر وزیر اعظم کو قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کا کہہ دیتے تو بحران حل ہو سکتا تھا۔

اٹارنی جنرل...... 17 اپریل کو وزیر اعظم نے قوم سے خطاب کیا۔ 17 اپریل کی تقریر سے صورتحال پوری طرح بدل گئی حالانکہ 17 اپریل کو ہی صدر نے 22 اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کی وزیر اعظم کی سمری پر دستخط کر دیئے تھے۔ صدر اپنے طور پر قومی اسمبلی سے خطاب نہیں کر سکتے تھے۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... آئین کے آرٹیکل 56 میں کہا گیا ہے کہ صدر قومی اسمبلی یا سینٹ سے کسی بھی وقت خطاب کر سکتے تھے کیا انہوں نے ایسا کیا؟

اٹارنی جنرل...... نہیں، انہوں نے خطاب نہیں کیا۔

اٹارنی جنرل...... ماضی میں ایک بھی مثال نہیں کہ ایک بار بھی صدر نے اسمبلی یا سینٹ کا اجلاس بلایا ہو اور اس سے خطاب کیا ہو۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... صدر کو آئین کے تحت یہ اختیار حاصل ہے مگر انہوں نے یہ حق جان بوجھ کر استعمال نہیں کیا۔

اٹارنی جنرل...... آرٹیکل 48(1) میں کہا گیا ہے کہ جو کام صدر کی صوابدید میں نہیں وہ کرنے کے لیے صدر کو وزیر اعظم سے مشورہ کرنا ہوگا۔

Scanned with CamScanner

آرٹیکل 56 کے تحت صدر کو اختیار ہو تو وہ ہر ماہ اجلاس بلا کر اس سے خطاب کرنے لگیں صدر مقرر نہیں ہیں۔
جسٹس سعید الزمان صدیقی......آپ 56(2) کو آرٹیکل 48(1) کے ساتھ ملا کر پڑھیں پتہ چل جائے گا۔
اٹارنی جنرل......صدر خود صرف وہ اختیار استعمال کر سکتے ہیں جس میں صوابدید ہو صدر ہمیشہ وزیر اعظم کے مشورے سے قومی اسمبلی و سینٹ کا اجلاس بلاتے ہیں۔ 17 اپریل کی وزیر اعظم کی تقریر کے بعد صدر کس طرح اجلاس بلا کر اس سے خطاب کرتے صدر مملکت کو صرف قومی اسمبلی یا سینٹ سے خطاب کا اختیار ہے کیا اس خطاب میں صدر وزیر اعظم اور ارکان اسمبلی سے سوالات کا جواب نہیں دے سکتے تھے اسمبلی میں ان کی پارٹی نہیں ہے۔
جسٹس افضل لون...... چیف جسٹس کی یہ آبزرویشن درست ہے کہ ملک کے اندر جو بھی حالات تھے ان میں صدر کو زیادہ سے زیادہ آرٹیکل 91(5) کے تحت وزیر اعظم کو اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کا کہنا چاہئے تھا صدر نے خود ارکان اسمبلی اور عوام کی نگاہ میں مس کنڈکٹ کیا ہے تو وزیر اعظم کو چونکہ ایوان میں اکثریت حاصل تھی اس لیے صدر نے ایسا نہیں کیا۔
جسٹس سعد سعود جان......آرٹیکل 58(2) بی کے تحت صدر کو اختیار ہے کہ وہ اسمبلی توڑے اگر 91(5) کے تحت وزیر اعظم اعتماد کا ووٹ بھی لے لیتے تو کیا صدر پھر بھی اسمبلی توڑ دیتے۔
جسٹس افضل لون...... 91(5) کے تحت اگر وزیر اعظم قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لے لیتے تو کیا صدر بھی اسمبلی توڑ دیتے؟
اٹارنی جنرل......حکومت کو اس اسمبلی میں چاہے اکثریت ہو مگر یہ اکثریت صدر کو آرٹیکل 58(2) بی کے تحت اسمبلی توڑنے سے روک نہیں سکتی فرض کریں کہ وزیر اعظم اسمبلی میں اکثریت رکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حکومت آئین کے مطابق چل رہی ہے آرٹیکل 56(1) کے تحت صدر ایوان سے خطاب کر سکتا ہے لیکن کیا اسمبلی سے صدر کے خطاب کے بعد وہ بحران ختم ہو جاتا جو 17 اپریل کی وزیر اعظم کی تقریر سے پیدا ہو گیا تھا خطاب کے دوران صدر ایوان میں بحث و تمحیص میں پھنس جاتے ان کی طرف سے کون جواب دیتا۔
چیف جسٹس......سابقہ کیسوں میں دلائل دیئے گئے کہ حکومت برطرف کر کے قومی اسمبلی کے ارکان کو سزا دی گئی، کسی حکومت کی غلطیوں کی سزا قومی اسمبلی کے ارکان کو کیوں دی گئی اس کا جواب دیا گیا کہ حکومت قومی اسمبلی کے ارکان کی اکثریت ہوتی ہے موجودہ کیس میں آپ کہہ رہے ہیں کہ قومی اسمبلی تسلی بخش طریقے سے کام کر رہی تھی اجلاس معمول کے مطابق ہو رہے تھے نکتہ یہ ہے کہ وزیر اعظم نے 17 اپریل کو تقریر کی جس کے بارے میں آپ کہہ رہے ہیں کہ اس کی وجہ سے صدر اور وزیر اعظم میں بول چال بند ہو گئی۔ پنجاب کی مثال ہے کہ وزیر اعلیٰ چونکہ اسمبلی تڑوانا نہیں چاہتے تھے اس لیے وہاں راتوں رات وفاداریاں بدل گئیں۔
جسٹس سعد سعود جان......اس کا مطلب ہے کہ صرف 17 اپریل کی تقریر حکومت کی برطرفی اور اسمبلی توڑنے کی وجہ نہیں۔
اٹارنی جنرل......صدر نے 17 اپریل کو اسمبلی توڑنے کا ارادہ نہیں بنایا تھا۔ 17 اپریل کو تو انہوں نے 22 اپریل کو اسمبلی کا اجلاس بلانے کی سمری پر دستخط کر دیئے تھے۔
جسٹس سعد سعود جان......کیا صرف 17 اپریل کی تقریر کے بعد ہی صدر نے 58(2) بی کے تحت اسمبلی توڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔
اٹارنی جنرل...... بڑی وجہ یہ تھی مگر پہلے بھی صدر پر کافی بوجھ تھا 17 اپریل کو جب وزیر اعظم نے تقریر کی تو صدر نے یہ نتیجہ نکالا کہ وزیر اعظم ان سے جو وعدے کر کے گئے تھے وہ پورے نہیں ہوں گے۔ 17 اپریل کی تقریر کے بعد 18 اپریل کی رات 9 بجے تک صدر وزیر اعظم کے مابین مکمل بریک ڈاؤن ہو گیا صدر کو سازشی قرار دیا گیا ان حالات میں صدر صورتحال جوں کی توں نہیں رکھ سکتے تھے ان کے پاس ایک ہی چارہ تھا

Scanned with CamScanner

کہ حکومت برطرف کر کے اسمبلی توڑ دیتے اور دوبارہ الیکشن کرا دیتے۔ اعتماد کا ووٹ وزیراعظم اسمبلی سے لیتے تو صدر اور وزیراعظم کے مابین اعتماد بحال نہ ہوتا وزیراعظم ٹینشن میں آ چکے تھے۔

چیف جسٹس......ایک مجرم کو پکڑنے کے لیے کیا سارے ایوان کو پکڑ لینا چاہیے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن......دو الیکشن ہوئے ہیں ایک وزیراعظم کے خلاف ہوا ہے دوسرا اسمبلی کے خلاف 91(5) کے تحت وزیراعظم کے خلاف الیکشن ہونا چاہیے تھا 91 کے تحت وزیراعظم اس وقت تک وزیراعظم رہے گا جب تک صدر کی خوشنودی حاصل ہو گی لیکن صدر اس آرٹیکل کے تحت اختیار استعمال نہیں کرے گا بشرطیکہ اسے یقین ہو کہ وزیراعظم کو اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کی حمایت حاصل نہیں ہے ایسی صورت میں وہ اسمبلی کا اجلاس بلوائے گا اور وزیراعظم کو اعتماد کا ووٹ لینے کا کہے گا آپ بتائیں کہ صدر کے خلاف 91(5) کے تحت ایکشن کیوں نہیں لیا گیا۔ صدر 58(2) بی کے تحت وزیراعظم کو ڈسمس نہیں کر سکتے صدر صرف اسمبلی توڑ سکتے ہیں۔ وزیراعظم مشورہ دیں تو صدر اسمبلی توڑ سکتے ہیں دوسرے یہ کہ وزیراعظم کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ پاس ہو گیا ہو اور کوئی دوسرا رکن اسمبلی وزیراعظم نہ بن سکتا ہو یہ دونوں نکات یہاں متعلقہ نہیں، تیسرا نکتہ یہ ہے کہ وفاق کی حکومت آئین کے مطابق نہ چل سکتی ہو۔ 91(5) کے تحت کارروائی نہیں ہوئی آرڈر میں کہا گیا ہے کہ وزیراعظم اور ان کی حکومت برطرف کر دی گئی ہے انہوں نے کہا کہ مجھے تشویش ہے کہ اگر صدر آئین کے مطابق کام نہ کر رہا ہو تو وزیراعظم کیا کرے۔ وزیراعظم اگر فائل صدر کو بھجوائے صدر کہے کہ یہ تمہارے اختیار میں نہیں ہے تم ایسا کرو ایسا نہ کرو ایسی صورتحال میں آئین کے تحت وزیراعظم کو کیا کرنا چاہیے۔ کیا ایکشن صرف اسمبلی کے خلاف ہے یا وزیراعظم کے خلاف بھی ہے۔ وزیراعظم کی بات صدر نہ مانے تو وزیراعظم کہاں جائے قومی اسمبلی میں جائے یا عوام کے پاس جائے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ صدر نے وزیراعظم کو قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کو کیوں نہیں کہا، دوسرا سوال ہے کہ کیا ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ صدر 58(2) بی کے تحت اسمبلی توڑ سکتے تھے یعنی کیا آئینی مشینری مکمل طور پر بریک ڈاؤن ہو گئی تھی۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورتحال نہیں تھی کہ صدر پارلیمنٹ کا اجلاس بلا کر اس سے خطاب کرتے، ان کا جواب آپ نے دینا ہے۔

چیف جسٹس......ہم آپ کو عجلت کا تو نہیں کہتے لیکن ہم آپ کے ممنون ہوں گے کہ کل (اتوار) تک آپ اپنے تمام دلائل مکمل کر لیں۔

اٹارنی جنرل......بالکل مائی لارڈ! صدر اسمبلی توڑ سکتے ہیں اگر ان کے پاس کوئی دوسرا متبادل نہ ہو چونکہ دوسرے تمام متبادل اقدامات صدر اپنی صوابدید کے مطابق استعمال نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے اپنی صوابدیدی اختیار استعمال کیا۔ آرٹیکل 91(5) کے تحت وزیراعظم کو صدر نے قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کا اس لیے نہیں کہا کہ اسمبلی توڑنے کے دوسرے اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

جسٹس اجمل میاں......جب صدر نے جونیجو حکومت اور اسمبلی توڑی اس وقت اسمبلی توڑنے کو غیر قانونی قرار دیا گیا اس کے بعد الیکشن ہوئے جونیجو کی مسلم لیگ اقتدار میں نہ آئی جب بے نظیر کی اسمبلی توڑی گئی تو اس کے بعد الیکشن ہوئے تو بے نظیر بھٹو کی پارٹی اقتدار میں نہیں آئی ایسا کیوں ہوا ہے۔

اٹارنی جنرل......دونوں کیسوں سے ثابت ہوتا ہے کہ متعلقہ پارٹیاں عوام کا اعتماد کھو بیٹھی تھیں جمہوری نظام میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں میرے خیال میں صورتحال کا حل 91(5) نہیں تھا جس کے تحت صدر وزیراعظم کو اعتماد کا ووٹ لینے کا کہتے صورتحال کا حل آرٹیکل 58(2) بی تھا جس کے تحت اسمبلی توڑی گئی یہ ٹھیک بھی تھا کہ وزیراعظم کو اعتماد حاصل نہیں رہا تھا۔

جسٹس شفیع الرحمٰن......آپ ایک اور مثال لے لیں جو ہمارے آئین میں نہیں نائیجیریا کے آئین میں ہے کہ اگر بادشاہ سمجھے کہ اسمبلی غیر نمائندہ

Scanned with CamScanner

ہے تو الیکشن کرانے ہوتے ہیں جیسا کہ خالد انور نے کہا ہے کہ پانچ سال کی میعاد حکومت کے لیے دی گئی ہوتی ہے اس دوران اس لیڈرشپ کا امتحان ہوتا ہے ہمارے آئین میں ہے کہ صدر وزیر اعظم کو اعتماد کا ووٹ لینے کے لیے کہتا ہے 1966ء اپیل کیس 614 میں ہے اگر وہ آئین کی منشا کا عمل ایک میعاد میں تو برطانوی پارلیمنٹ کی روایت میں نہ جائیں اس لیے آپ اختیار کا ذکر نہ کریں اس کے استعمال کا ذکر کریں 91(5) کے تحت صدر صرف اس وقت وزیر اعظم کو برطرف کر سکتا ہے اگر وہ قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ نہ لے سکے آئین میں صدر کی خوشنودی محدود کی گئی ہے آپ جو کچھ پڑھ رہے ہیں تعطل، بحران، وزیر اعظم و صدر کے درمیان ناخوشگواری کے حوالے دے کر آپ متاثر کر رہے ہیں لیکن یہ نہیں کہ کہاں بحران تھا کہاں آئینی مشینری مکمل طور پر پاکستان میں بریک ڈاؤن ہو گئی تھی۔ چیف الیکشن کمشنر نے 1977ء میں جب صوبائی اسمبلی کو غیر قانونی قرار دے دیا تو حکومت بے اختیار ہو گئی تھی اس وقت آئینی مشینری کا بریک ڈاؤن ہوا تھا آپ جو مرضی کہیں کہتے رہیں۔

چیف جسٹس۔۔۔ 58(2)بی کے تحت صدر کو اسمبلی کی برطرفی کا اختیار ہے سوال ہے کہ سابقہ حکومت چلے یا نہ چلے یہ الگ سوال ہے جب حکومت بھی اسمبلی کی طرح برطرف کی جائے تو یہ حکومت 91(5) کے تحت ٹوٹتی ہے اور صدر نگران حکومت بناتا ہے اس لیے حکومت کی برطرفی 58(2)بی کے تحت نہیں ہوتی یہ کسی دوسرے آرٹیکل کے تحت کیا گیا ہوگا۔

جسٹس اجمل میاں۔۔۔ خالد انور نے کہا تھا کہ صدارتی فرمان میں کہا گیا تھا کہ اسمبلی توڑ دی گئی ہے اس کے نتیجے میں حکومت نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔

اٹارنی جنرل۔۔۔ صدارتی فرمان کے آخری پیراگراف میں کہا گیا ہے کہ میں، صدر غلام اسحاق خان آرٹیکل 58(2)بی کے تحت اسمبلی کو فی الفور توڑتا ہوں اس کے بعد یہی کہا ہے فقرہ آگے اور وہ یہ ہے کہ وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کو برطرف کرتا ہوں۔ جسٹس شفیع الرحمن نے جیسا کہا ہے کہ وزیر اعظم کی برطرفی 91(5) کے تحت ہو سکتی ہے اگر صرف اسمبلی ٹوٹتی تو اس کے نتیجے میں وزیر اعظم اسمبلی کا ممبر نہ رہتا تو اس صورتحال میں آرٹیکل 48(5) کا اطلاق ہوتا ہے جب کوئی رکن اسمبلی نہ ہو تو وہ وزیر اعظم بھی نہیں رہتا صدر نگران وزیر اعظم بنا دیتا۔ حاجی سیف اللہ کیس میں کہا گیا کہ اسمبلی توڑنے کے بعد ایک دن بھی نگران کابینہ کے بغیر نہیں گزر سکتا۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔ اس آرٹیکل کے لیے تین سطریں ہیں کہ میں اسمبلی توڑتا ہوں اور نگران حکومت بناتا ہوں کسی کو برطرف کیے بغیر نگران حکومت کیسے بنائی جا سکتی ہے آئین میں سابقہ حکومت جو 48(5) نگران حکومت بنانے پر پابندی نہیں اس لیے 58(2)بی میں متعین سارے آئین کے اختیارات صدر نے استعمال کیے ہیں برطرفی صرف اتھارٹی کے تحت ہوتی ہے اس لیے یہ خود بخود 48(5) سے منسلک ہو جاتی ہے جیسا کہا ہے صدر کی خوشنودی آئین کے تحت تقاضوں، طریقہ کار کی مرہون منت ہے آپ کہتے ہیں کہ اسمبلی توڑنے سے وزیر اعظم خود بخود برطرف ہو جاتا ہے ہمارا کہنا ہے کہ وزیر اعظم کی برطرفی الگ بات ہے۔

چیف جسٹس۔۔۔ آرٹیکل 94 کے تحت صدر کے پاس متبادل تھا کہ وہ وزیر اعظم کو نگران بنا سکتا تھا آپ کہیں گے کہ صدر کا سابق وزیر اعظم پر اعتماد ختم ہو چکا تھا اس آرٹیکل کے دونوں حصے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدر سابق وزیر اعظم کے سخت خلاف ہو گئے تھے۔

اٹارنی جنرل۔۔۔ جہاں تک آرٹیکل 95(4) کا تعلق ہے اس سے وزیر اعظم کو نگران بنانے کا فیصلہ صدر کا اختیار ہے 91(5) میں کہا گیا ہے کہ قومی اسمبلی ٹوٹنے کے بعد کسی بھی وزیر کو برقرار رکھا جا سکتا ہے 48(5) کے تحت صدر صوابدید کے مطابق نگران کابینہ بناتا ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن۔۔۔ اگر صدر صوابدید کے ساتھ نگران حکومت بناتا ہے تو صدر کس طرح 58(2)بی کے تحت وزیر اعظم اور کابینہ کو برطرف کر سکتا ہے۔

اٹارنی جنرل۔۔۔ 48(5) میں صدر نگران حکومت بنانے کا مجاز ہے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس شفیع الرحمن ...... صدر سابقہ وزیراعظم اور کابینہ کو جاری رہنے کا کہہ سکتا ہے وزیراعظم اور کابینہ کو کس اختیار کے تحت برطرف کیا گیا ہے۔ یہ بتائیں کہ نگران کابینہ کی تشکیل کا صوابدیدی اختیار ہے 58(2) بی کے تحت صدر وزیراعظم کابینہ برطرف نہیں کر سکتا صدر وزیراعظم کو اپنی خوشنودی کے مطابق رکھ سکتا ہے مگر خوشنودگی آئین کی شق 91(5) سے مشروط ہے۔

چیف جسٹس ...... شاید آپ یہ کہیں گے کہ صدارتی فرمان میں غلط فقرہ استعمال ہوا ہے اس میں وزیراعظم اور کابینہ کی برطرفی کا فقرہ غلط ہے وہاں ہونا چاہئے تھا کہ اسمبلی ٹوٹنے کے نتیجے میں وزیراعظم اور کابینہ فرائض منصبی کی ادائیگی سے رک گئے ہیں۔

اٹارنی جنرل ...... بالکل مائی لارڈ! صدر نے ڈس مس کا لفظ اس لیے استعمال کیا تا کہ ثابت ہو کہ وزیراعظم کا عہدہ خالی ہو گیا ہے اور وہ نگران وزیراعظم بنا رہے ہیں۔

چیف جسٹس ...... دوسری طرف سے دلیل ہے کہ اختیار کا قانونی استعمال نہیں ہوا ہے جب وزیراعظم کو ڈس مس کیا گیا تو کیا 91(5) کو مجروح رکھا گیا۔ پہلے اسمبلی توڑنے کے نتیجے میں وزیراعظم کو کام کرنے سے روکا گیا اس بار خصوصی زور وزیراعظم کو "ڈس مس" پر دیا گیا جس کے اپنے نتائج ہو سکتے ہیں اس قانونی نکتے پر آپ ہماری رہنمائی کریں۔

اٹارنی جنرل ...... 17 اپریل کو صدر نے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کی سمری پر دستخط کیے وہ قومی اسمبلی توڑنے کا ارادہ تک نہیں رکھتے تھے۔ 17 اپریل کی رات صدر نے وزیراعظم کو گالیاں دیتے سنا۔ وزیراعظم نے اپنی تقریر میں گالیاں دیں ان گالیوں کا ذمہ دار کون تھا حالات وواقعات کا جائزہ لینا بے حد ضروری ہے وزیراعظم کی تقریر آپ کے سامنے ہے جس سے تاثر ابھرتا ہے کہ وزیراعظم کو صدر کا اعتماد حاصل نہیں تھا دونوں کے مابین تعطل تھا قصور چاہے کسی کا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وزیراعظم نے صدر کی طرف انگلی کر کے باتیں کیں اس کے بعد صدر کیا ایوان صدر میں ہاتھ باندھے بیٹھا رہتا اور وزیراعظم کی آمد کا انتظار کرتا یا صدر سپر ماسٹر (عوام) کے پاس جاتا کہ یہ صورتحال ہے آپ جو چاہیں فیصلہ کریں اگر صدر نے عوام سے کہا ہے کہ وہ فیصلہ کریں، الیکشن میں عوام ہو سکتا ہے سابق وزیراعظم کو بھاری اکثریت سے کامیاب کر کے وزیراعظم بنا دیں تو صدر اسے قبول کرے گا آرٹیکل 58(2) بی کے تحت ایسے حالات ہوں تو صدر سپر ماسٹر کے پاس نہ جاتا تو کیا کرتا قومی اسمبلی کے پاس اس کا حل نہیں تھا۔

جسٹس سجاد علی شاہ ...... کیا صدر اس تنازعہ کے بارے میں ریفرنڈم نہیں کرا سکتے تھے یہ عوامی اہمیت کا بھی معاملہ تھا۔

اٹارنی جنرل ...... ریفرنڈم میں صدر گلیوں سڑکوں پر جا کر کیس نہیں پیش کر سکتا تھا اس سے اور تباہی مچ جاتی ریفرنڈم قومی اسمبلی کے معاملے پر ہو سکتا ہے 48(6) میں صدر اپنے طور پر یا وزیراعظم کے مشورے سے ریفرنڈم کرا سکتا ہے صدر شہر شہر جا کر تقریر نہیں کر سکتا۔ خفیہ خط پر صدر اور وزیراعظم میں اختلاف تھے قومی اسمبلی کے اس خط کو کیسے ریفرنڈم میں عوام کے سامنے پیش کیا جا سکتا تھا۔

جسٹس افضل لون ...... صدر وزیراعظم کے مابین اگر اختلافات اتنے زیادہ تھے تو ان میں سے ایک کو جانا ہو گا صدر کو ڈر تھا کہ ان کا مواخذہ نہ ہو جائے، وزیراعظم نواز شریف اگر محسوس کرتے کہ قوم صدر سے چھٹکارا چاہتی ہے۔ آرٹیکل 47 میں لکھا ہے کہ سب کلاز (4) کے حوالے سے سپیکر نوٹس ملنے کے سات دن کے اندر مشترکہ سیشن بلا لیتے۔ مواخذہ معمولی معاملہ نہیں تھا اگر صدر کا مواخذہ شروع ہوتا تو اس سے پیدا شدہ عوام حل کر رہ جاتے اس لیے صدر کا یہ وہم غلط تھا کہ صدر کا مواخذہ ہونے والا تھا وزیراعظم مواخذہ نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے ریڈیو ٹی وی پر قوم سے خطاب کرنا چاہا۔

اٹارنی جنرل ...... وزیراعظم صدر کا مواخذہ کرنا نہیں چاہتے تھے یہ صرف آپ سے پہلی بار سنا ہے، وزیراعظم نے صدر کے خلاف ذاتی باتیں کیں

Scanned with CamScanner

جن کی آئین اجازت نہیں دیتا مواخذے کے لیے ایک چوتھائی ارکان کی طرف سے ریکوزیشن دی جاتی وزیر اعظم سارے ملک میں سات دن یا ایک ماہ میں جا سکتے تھے مگر آئین کے تحت وزیر اعظم ملک بھر میں جا کر صدر کے خلاف تقاریر نہیں کر سکتے تھے۔

جسٹس افضل لون...... درخواست گزار کے وکیل نے تو کہا ہے کہ سابق وزیر اعظم آج بھی صدر کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہیں۔

اٹارنی جنرل...... سابق وزیر اعظم نے کہا ہے کہ صدر کو پھانسی لگا دینا چاہئے کیا کسی وزیر اعظم نے صدر کو پھانسی دینے کا کہا ہے؟ سابق وزیر اعظم نے وزیر اعظم ہوتے ہوئے کہا تھا کہ صدر صاحب میں تم کو پھانسی دے دوں گا یہ دوہرا جرم ہے۔ وزیر اعظم نے ایسا کہہ کر اپنے حلف کی خلاف ورزی کی ہے۔ کیا صدر ان حالات میں اسمبلی نہ توڑتے؟ وزیر اعظم 17 اپریل کی تقریر کا جواز تو پیش کریں۔ میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ سابقہ وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کو ہٹایا گیا تو سابق وزیر اعظم نے مہذب انداز میں اپنا کیس کاغذ پر لکھ کر صدر کو بھجوایا یہ خط فائل میں ہے لیکن سابق وزیر اعظم کئی کئی ملین (لاکھوں) لوگوں کے پاس جا کر کیس پیش کر رہے ہیں۔ میں بھی پاکستانی ہوں کہ سابق وزیر اعظم کا عوام کے پاس جانا درست نہیں ہے سابق وزیر اعظم نے برطرفی کے بعد صدر سے ٹیلی فون پر بات نہیں کی نہ ویسے بات کی، برطرفی سے قبل بھی وہ قومی اسمبلی کا اجلاس بلا کر وہاں بات چیت کر سکتے تھے 17 اپریل کو تقریر ان کو نہیں کرنی چاہئے تھی۔ سابق وزیر اعظم نے اسمبلی کا اجلاس تو نہ بلایا 17 اپریل کی تقریر کر ڈالی۔ اس پر صدر وزیر اعظم کے خلاف ضابطہ فوجداری کے تحت مقدمہ درج کرا سکتے تھے لیکن صدر نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ سنجیدہ شخصیت ہیں صدر نے آئین کی حدود میں رہ کر وزیر اعظم کابینہ کو برطرف اور اسمبلی کو توڑ دیا مائی لارڈ آپ کے ساتھ کوئی ایسا کرتا تو کیا آپ اسے اعتماد کا ووٹ لینے کا کہتے۔ صدر نے تو صرف یہ کیا کہ عوام کو موقع دیا کہ دوبارہ الیکشن میں ووٹ ڈالیں صدر نے بدنیتی کی بناء پر اسمبلی نہیں توڑی اسمبلی توڑنے کا فیصلہ صدر نے 17 اپریل کی رات کیا تھا اس کے علاوہ حکمران مسلم لیگ کے ٹکڑے ہو گئے آئی جے آئی نو ستارے تھے، آٹھ ستارے غائب ہو گئے۔

جسٹس اجمل میاں...... اکثریت تو قومی اسمبلی میں وزیر اعظم کی ہی تھی۔

اٹارنی جنرل...... وزیر اعظم کی ایک تقریر سے عوام کے ذہنوں میں اتنی تشویش پیدا ہو گئی تھی اگر وہ ایک ماہ عوام سے خطاب کرتے رہتے تو ملک تین دن کے اندر جل اٹھتا۔

جسٹس سعد سعود جان...... اب آپ کہہ رہے ہیں کہ 17 اپریل کی تقریر بنیاد ہے کیا وزیر اعظم ٹی وی پر جا کر عوام کو بتانے کا حق بھی نہیں رکھتا کہ ملک کے اندر یہ ہو رہا ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

جسٹس اجمل میاں...... اگر وزیر اعظم ٹی وی پر جا کر عوام کو داخلی صورتحال کے بارے میں اعتماد میں نہ لیتے تو اور کیا کرتے۔

اٹارنی جنرل...... وزیر اعظم قومی اسمبلی میں جا کر خطاب کرتے اچھے الفاظ استعمال کرتے صدر کو سازشی نہ کہتے اگر پارلیمنٹ میں وزیر اعظم ٹی وی کی تقریر والے الفاظ کہتے تو سپیکر بعض ارکان کے اعتراض پر الفاظ کو حذف کرا دیتے اس کے بعد صدر اپنی پوزیشن واضح کر دیتے۔

جسٹس سعد سعود جان...... 14 اپریل کی صدر وزیر اعظم ملاقات کے دوران اخبارات میں صدر کے ملاقاتی یہ بیان دیتے رہے کہ اسمبلی ٹوٹ کر رہے گی وزیر اعظم کو صدر نے معاف نہیں کیا صدر کو ان باتوں کی تردید کرنی چاہئے تھی۔

اٹارنی جنرل...... صدر مملکت کس کس بات کی تردید کیا کریں بڑی مشکل بات ہے وزیر اعظم کو صدر سے کیا شکایات تھیں اس کا ذکر ملاقات کے اس پریس ریلیز کے مسودے میں ہے جو وزیر اعظم نے تیار کرایا تھا وزیر اعظم نے خود تعطل پیدا کیا۔

جسٹس افضل لون...... میں کھلے ذہن سے بیٹھا ہوں آرٹیکل 48 کی زیادہ سے زیادہ وضاحت چاہتا ہوں اس آرٹیکل کے تحت ریفرنڈم کے لیے

Scanned with CamScanner

سات دن کافی نہیں تھے اگر سات دن میں ریفرنڈم کرانا ہوتو پاکستان میں کسی صدر کا مواخذہ ممکن نہیں ہے۔ ریفرنڈم کے دوران عوام کو بھی حالات سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔

اٹارنی جنرل...... عوام میں کی جانے والی تقاریر حذف نہیں ہوتیں عام جلسے یا ریڈیو ٹی وی پر تقریر کو کنٹرول کرنے کے لیے کوئی سپیکر چیف جسٹس نہیں ہوتا ریفرنڈم کے نتیجے میں سارا ملک تباہ ہو جاتا ہے صدارتی مواخذہ پبلک ٹرائل نہیں ہے، یہ انقلاب فرانس نہیں ہے۔ 48(2) میں صدارتی مواخذے کی شرائط درج ہیں وزیر اعظم نے صدر کے مواخذے کا کبھی ذکر تک نہیں کیا۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... ہم اس کا جائزہ لے رہے ہیں کہ وہ انتہا کہاں تک ہیں وزیر اعظم کی برطرفی اسمبلی کی برطرفی انتہائی باتیں ہیں مواخذہ کا ذکر بھی انتہا کے زمرے میں ہے تنازعات کے حل کے لیے عملی اقدامات کا تذکرہ ضروری ہے پارٹیوں کو اپنے رائے دہندگان کو تعلیم دینا ہوتی ہے اگر اتھارٹی کہے کہ تعطل ہے تو یہ نظر آنا چاہئے کہ آئین بریک ڈاؤن ہو چکا ہے اسمبلی جس وزیر اعظم کو اپنا لیڈر بناتی ہے وہی اسمبلی تعطل کا حل تلاش کر سکتی تھی مثال کے طور پر صدر کہتے ہیں کہ میں نے آرمی چیف کی تقرری، اقتصادی پالیسی پر وزیر اعظم سے اختلاف کیا ہے صدر تو ہیڈ ماسٹر کی طرح اس کی مانیٹرنگ کر رہا ہو تو وزیر اعظم کہاں جاتے وہ عوام کے سامنے جاتے یا وہ اسمبلی کے پاس جاتے جس کا اجلاس 18 اپریل کو ریکوزیشن کیا گیا تھا، آپ کہتے ہیں کہ استعفے دیئے گئے کہاں آئین کی شق ہے کہ اسمبلی کو توڑ دیا جائے کہاں شق ہے کہ منتخب نمائندے عوام کا اعتماد کھو بیٹھیں تو اسمبلی کو توڑ دیا جائے کیا صرف 17 اپریل کی تقریر ہی حکومت اسمبلی توڑنے کی وجہ بنی۔

چیف جسٹس...... اس کیس میں بنیادی مسئلہ ہے کہ آئین کی نوعیت کیا ہے، کیا وزیر اعظم چیف ایگزیکٹو ہے؟ اس کا مشورہ صدر کو ماننا ہوگا یا دوسری طرح کا ہے؟ اس کے بعد اگر وزیر اعظم ایڈمنسٹریشن، حکومت کا سربراہ ہے اس کا مشورہ صدر کو ماننا پڑے گا چاہے مشورہ غیر دانشمندانہ ہی کیوں نہ ہو۔ آئین میں بتائیں کہاں لکھا ہے کہ صدر وزیر اعظم سے کہے کہ تمہارا مشورہ غیر دانشمندانہ ہے۔ کسی مخصوص حکومت چلانے کا پولیٹیکل ماسٹر کون ہے؟

اٹارنی جنرل...... وزیر اعظم منتخب ہوتا ہے کئی بار وزیر اعظم، صدر کسی معاملے پر صلاح مشورے کرتے ہیں، باہمی اعتماد سے وہ فیصلہ کرتے ہیں، تحریری آئین میں چاہے کچھ بھی لکھا ہو صدر و وزیر اعظم میں اعتماد ضروری ہے ایک سال سے زیادہ عرصے سے وزیر اعظم کو متنبہ کرتے چلے آ رہے ہیں نگران کا ارادہ اسمبلی توڑنے کا نہیں تھا 14 اپریل کی ملاقات میں صدر، وزیر اعظم نے قومی بین الاقوامی معاملات حل کرنے پر آمادگی ظاہر کی صدر نے وزیر اعظم کے آئینی اختیارات میں مداخلت نہیں کی۔

چیف جسٹس...... صدر نے ایک وزیر کی برطرفی کا مطالبہ کیا صدر فاٹا اور اسلام آباد کے امور میں مداخلت کرتے رہے جس سے ظاہر ہوتا ہے صدر وزیر اعظم کے اختیارات میں مداخلت کرتے رہے۔

اٹارنی جنرل...... صدر نے وزیر نہیں بنیادی پے سکیل نمبر 22 کے افسر کو ہٹانے کے متعلق کہا تھا، صدر نے لکھا ہے کہ بنیادی پے اسکیل نمبر 22 کے افسر کو ہٹانے کے لیے آپ نے کیا کیا ہے۔ یہ خط بھی آرمی چیف کی بیوہ کے الزامات کے بعد لکھا گیا ہے تاکہ آرمی کے اندر غلط فہمی پیدا نہ ہو آرمی کے جوان اور عوام مشتعل نہ ہو۔

اٹارنی جنرل...... صدر کا مشورہ ماننا وزیر اعظم کے لیے لازمی نہیں ہے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... جہاں وزیر اعظم صدر کے مشورے پر عملدرآمد کا پابند ہے اس کا آئین میں ذکر ہے فرض کریں کہ صدر کہتے ہیں کہ تمہاری سیاسی معاشی پالیسیاں غلط ہیں تو وزیر اعظم کیا کہے گا کہ تعطل پیدا ہو گیا ہے سیاسی طور پر آپ کی مخالفت بھی کر سکتے ہیں حمایت بھی کر سکتے ہیں جہاں

Scanned with CamScanner

تک پالیسی کا تعلق ہے اس پر [illegible] سے اختلافات بڑھتے جائیں گے۔

اٹارنی جنرل...... سربراہ مملکت وزیر اعظم کو انتباہ کر سکتا ہے۔

چیف جسٹس...... انتباہ نہ کریں مشورہ کریں۔

جسٹس افضل لون...... صدر نے آخری تقریر میں کہا ہے کہ حکومت کو مشورہ دینا میرا آئینی فرض تھا آئین میں مشورہ دینے کا اختیار کہاں صدر کو دیا گیا ہے۔

اٹارنی جنرل...... صدر نے اختیار پر نہیں فرض پر زور دیا۔

جسٹس سلیم اختر...... یہاں پارلیمانی طرز حکومت ہے آرٹیکل 58(2)بی نے اس کی شکل بدل دی ہے اس سے صدر کو حکومت برطرف کرنے کا اختیار ہے اسمبلی توڑنے کا اختیار ہے اس سے صدر کو سپروائزری اختیار ملتا ہے۔

اٹارنی جنرل...... صدر انتباہ نہیں وارننگ اور کونسلنگ کرتے رہے صدر مملکت کے تحفظ کا اختیار رکھتا ہے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... اختلاف صرف یہ ہے کہ ایک آئین کی پیروی کرتا ہے دوسرے کو بھی پیروی کرنی چاہئے صرف صدر کو مملکت کے تحفظ کا اختیار نہیں ہے وزیر اعظم کو بھی اتنا ہی اختیار ہے صدر کی پوزیشن باوقار ہے۔

چیف جسٹس...... صدر کے مشورہ دیئے جانے کے بعد وزیر اعظم کی طرف سے اس پر عمل نہ ہونے سے اسمبلی توڑنے کا حکم جاری ہوا ہے آپ نے 58(2) پر موثر دلائل دے دیئے ہیں کل آپ عدالت کے سوالوں کا جواب دیں گے۔

ہوا...... جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ حکومت کی غلطیوں کی سزا غریب ممبروں کو کیوں دی جائے گر سابق وزیر اعظم کی تقریر سے ایسی صورت حال پیدا ہو گئی تھی جس کے تحت 58(2)بی کا استعمال ضروری تھا اور صدر اور وزیر اعظم کے درمیان رابطہ بھی منقطع ہو گیا جس کی وجہ سے دونوں ساتھ نہیں چل سکتے تھے تو کیا مرکز میں پنجاب کی طرح تبدیلی نہیں کی جا سکتی تھی۔ ہر موقع پر ایسی صورتحال کے پیش نظر قومی اسمبلی ہی آخر کیوں متاثر ہو قبل ازیں اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے رٹ پٹیشن پر قانونی دلائل دیتے ہوئے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے متعدد فیصلوں کا تذکرہ کیا اور کہا کہ صدر جب تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس فیصلے پر حتمی طور پر پہنچ جائیں کہ حکومت آئین کے مطابق نہیں چل رہی اور اب رائے دہندگان سے رابطہ ضروری ہو گیا ہے تو وہ شق نمبر 58(2)بی کا استعمال کرنے کے مجاز ہیں۔

سماعت میں جب وقفہ ہوا تو اٹارنی جنرل نے درخواست گزار کے وکیل خالد انور سے پوچھا کہ ان کی ججوں کے فیصلوں سے متعلق فائل نہیں مل رہی کہیں ان کے پاس تو نہیں خالد انور نے کہا کہ بدھ کے روز سماعت کے اختتام پر عدالت کے اہلکار کچھ فائلوں کا ذکر کر رہے تھے آپ ان سے دریافت کریں۔ اس دوران قریب کھڑے سابق وفاقی وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین نے از راہ مذاق کہا کہ دیکھئے کہیں ہمارے خلاف چوری کا پرچہ نہ کٹوا دینا۔ کل سماعت کے دوران پہلا موقع آیا جب جج صاحبان اپنی نشستوں پر پہنچ گئے اور ان کے سامنے ہال مکمل خالی تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سکیورٹی کا عملہ لوگوں کو ہال کے اندر جانے سے روکتا تھا جبکہ سابق اراکین قومی اسمبلی و کابینہ بغیر پاس کے اندر جانے پر مصر تھے۔ اس کا عدالت نے نوٹس لیا اور عدالت کے ایک اہلکار نے آ کر سکیورٹی عملے کو کہا کہ تمام افراد کو اندر آنے کی اجازت دی جائے جس کے بعد تمام لوگوں کو اندر آنے دیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

23 مئی

چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ ماضی کی روایات سے ہٹ کر اس مرتبہ ہمیں آئین کی شقوں کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے۔ اتوار کو سپریم کورٹ میں فاضل چیف جسٹس نے ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ ماضی میں قومی اسمبلی توڑنے کے خلاف جتنے بھی فیصلے کیے گئے ان میں مروجہ حالات کو ہی مدنظر رکھتے ہوئے آئین سے ماورا (ایکسٹرا کانسٹی ٹیوشنل) باتوں کا سہارا لیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ مولوی تمیز الدین کیس میں گورنر جنرل کے ریفرنس پر آئین ساز اسمبلی توڑے جانے کے اقدام کے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے ریاستی مفاد کو فوقیت قرار دیا گیا۔ 1977ء میں نصرت بھٹو کیس میں نظریہ ضرورت کے تحت فیصلہ کیا گیا جبکہ جونیجو کی اسمبلی عوامی مفاد میں بحال نہیں کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ ہم آئینی حدود کے اندر رہتے ہوئے آئینی ضرورتوں کے مطابق فیصلہ کریں۔ اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی نے سماعت کے دوران عدالت کی طرف سے اٹھائے گئے نکات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ صدر کو آئین کے تحت اختیار حاصل ہے کہ وہ قومی اسمبلی کے جاری اجلاس کے دوران بھی اسمبلی توڑ سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ریکوزیشن ہو تو صدر اسمبلی نہیں توڑ سکتے۔ یہ درست ہے کہ ریکوزیشن کیے گئے اجلاس کو سپیکر ہی غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کرتے ہیں مگر اسمبلی توڑنے کا آرٹیکل 58(2)بی کا صدر کا اختیار ایک بڑا اختیار ہے جو ایک چھوٹے اختیار کے تابع نہیں ہو سکتا۔ اتوار کو اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی نے اپنے دلائل تحریری پیش کر لیے ہیں۔ وہ سوموار کو نصف گھنٹے تک مزید دلائل دیں گے اور عدالت کی طرف سے اٹھائے گئے نکات کا جواب دیں گے۔ جس کے بعد حکمران وزیراعظم کے وکیل ایس ایم ظفر دلائل شروع کریں گے۔

اتوار کو جب سماعت شروع ہوئی تو اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ ماضی میں اسمبلی توڑی گئیں۔ اس کے بارے میں عدلیہ کے فاضل ججوں نے جو فیصلے دیے ان کے اقتباسات یہ ہیں کہ قوم کی مرضی منشا کا خیال رکھا جانا چاہیے۔ ایک فیصلے میں جسٹس شفیع الرحمن نے لکھا ہے کہ بھارت میں وزیراعظم تک صدر برطرف کر سکتا ہے۔

جسٹس [illegible] — بھارت میں بھی وزیراعظم کو صدر برطرف کر سکتا ہے۔

اٹارنی جنرل — بھارت میں کبھی وزیراعظم نے ریڈیو ٹی وی پر بھی اس طرح نہیں کیا۔

چیف جسٹس — مولوی تمیز الدین کیس میں گورنر جنرل کے ریفرنس پر آئین ساز اسمبلی توڑنے کو ملک کے مفاد میں ضروری قرار دیا گیا۔ 1977ء میں قومی اسمبلی توڑے جانے کو نصرت بھٹو کیس میں نظریہ ضرورت کے تحت جائز کیا گیا۔ اسی نظریے کے تحت 1988ء اور 1990ء میں اسمبلیوں کو بحال کرنے سے انکار کر دیا گیا اس وقت یہ تمام آئین سے ماورائی کام ہوئے تھے۔ شاید وقت آ گیا ہے کہ اس بار آئینی شقوں کو حاوی ہونے کا موقع دیا جائے۔

اٹارنی جنرل — آرٹیکل 58(2)بی بھی آئین کی شق ہے بارس ٹریڈنگ اور دوسرے غیر آئینی اقدامات تیز ہو جائیں تو جسٹس سدھوا کے مطابق اسمبلی توڑی جا سکتی ہے۔ آرٹیکل 43 میں کہا گیا کہ صدر وزیراعظم کے مشورے کے مطابق کام کرے گا۔ وزراء، وزرائے مملکت صدر سے مل سکتے ہیں۔ صدر کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کا تحفظ ہے۔ اگر فیڈریشن کی حکومت آئین کے مطابق نہ چل سکتی ہو تو اسمبلی وہ توڑ سکتا ہے۔ میں اب امریکہ بھارت اور دوسرے ممالک کی عدالتوں کے فیصلے پڑھتا ہوں۔ آرٹیکل 58(2)بی کے تحت صدارتی اختیارات کو پڑھتے ہوئے وہ جسٹس رستم سدھوا کا فیصلہ پڑھ کر سناتے ہیں جس کے صفحہ 183 پر فاضل جج نے آئینی نکات کا جواب دیا ہے جو صدارتی صوابدید اور

Scanned with CamScanner

اختیارات کا ذکر کیا گیا ہے۔ آئین صدر کو اختیار دیتا ہے کہ وہ قومی اہمیت کا ہر معاملہ دوبارہ غور کے لیے کابینہ میں پیش کر سکتا ہے پارلیمنٹ میں پیش کر سکتا ہے۔ یہ اختیار صدر وزیر اعظم کے مشورے سے استعمال کرتا ہے اس کے لیے صدر وزیر اعظم سے کم طاقتور نہیں ہے۔ صدر وزیر اعظم سے کم اختیارات نہیں رکھتا۔ اب آئین نہ صدارتی ہے اور نہ مکمل طور پر پارلیمانی ہے۔ صدر پالیسی تبدیل کرنے کا مشورہ دے سکتا ہے۔ صدر اور وزیر اعظم کے مابین اختیارات تقسیم ہیں صدر کو مشورے کا، حوصلہ افزائی کا حق حاصل ہے۔ اگر صدر کے پاس اختیارات نہ ہوں تو ملک میں انتشار خلفشار پیدا ہو جائے گا۔ صدر وزیر اعظم موٹر گاڑی کے انجن کو پٹرول مہیا کرنے والے دو جیٹ کی طرح ہیں ان کے درمیان ہم آہنگی ہونا ضروری ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں نہیں تھی۔ صدر کو امور مملکت کے سلسلے میں تمام سیاسی جماعتوں سے مشورہ کرنا ہوتا ہے۔ پارلیمانی روایات صدر کو اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ معمولی معمولی باتوں پر اختلاف رائے ظاہر کرتا ہے۔ اگر صدر صوابدیدی اختیارات استعمال کرے تو اسے وزیر اعظم کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔

چیف جسٹس...... مسٹر اٹارنی جنرل! آپ نے جتنے بھی دلائل دیئے ہیں ان سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں اور آپ نے بھی واضح کیا ہے کہ آئینی مشینری 17 اپریل کو بھی کام کر رہی تھی مگر وزیر اعظم صدر کے ساتھ چل نہیں سکے اور اس قدر سنگین بحران پیدا ہو گیا ہے جبکہ آج حالات گزشتہ دو اسمبلیوں کے توڑنے کے حالات سے مختلف ہیں۔ اس وقت آئینی ادارے مشترکہ مفادات کونسل، قومی مالیاتی کمیشن کام نہیں کر رہے تھے۔ اس وقت آئینی ادارے مشترکہ مفادات کونسل، قومی مالیاتی کمیشن کام کر رہے ہیں۔ آپ نے مانا ہے کہ 16 اور 17 اپریل تک آئینی ادارے صحیح کام کر رہے تھے اسی لیے صدر نے 17 اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس 22 اپریل کو طلب کرنے کی اس سمری پر دستخط کئے تھے جو وزیر اعظم نے بھجوائی تھی۔ آپ کے کہنے کے مطابق 17 اپریل کی رات ریڈیو ٹی وی پر وزیر اعظم کا خطاب سننے کے بعد صدر اس نتیجے پر پہنچے کہ پاکستان میں سنگین تعطل (ڈیڈ لاک) پیدا ہو گیا ہے۔ آئینی مشینری کا مکمل طور پر بریک ڈاؤن ہو گیا ہے اس لیے اگلے ہی روز انہوں نے وزیر اعظم کو برطرف اور عوام کی منتخب کردہ قومی اسمبلی کو توڑ دیا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اس تقریر کا کیا امپیکٹ ہے ہمیں اب صرف وزیر اعظم کی تقریر کے اثرات کا جائزہ لینا ہے۔ پہلی قومی اسمبلی اس لیے توڑی گئی کیونکہ آئینی اداروں مشترکہ مفادات کونسل، قومی مالیاتی کمیشن کے اجلاس نہیں بلائے گئے تھے اب حالات قدرے مختلف ہیں۔

اٹارنی جنرل...... مائی لارڈ! میں دوسرے دلائل دے رہا ہوں میرا مقصد یہ ہے کہ صدر قومی اسمبلی توڑنا نہیں چاہتے تھے مگر 17 اپریل کی تقریر سے حالات بگڑ گئے۔

جسٹس شفیع الرحمن...... انڈیا کے آئین کے آرٹیکل 180، 181 میں کیا صرف یہ ہے کہ وزراء صدر کو مشورہ جا کر دیں وزیر اعظم کا ذکر نہیں ہے۔

اٹارنی جنرل...... نہیں مائی لارڈ! وزراء کے علاوہ وزیر اعظم کے مشورے کا ذکر ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن...... آپ پورا پڑھیں اور آرٹیکل 181 کو غور سے دیکھیں۔

اٹارنی جنرل...... میں کسی اور مقصد کے لیے بھارتی آئین پڑھ رہا ہوں۔

جسٹس شفیع الرحمن...... آپ جس مقصد کے لیے چاہے پڑھیں پاکستان کے آئین میں واضح ہے کہ صدر وزیر اعظم کے مشورے سے کام کریں گے۔

اٹارنی جنرل...... مائی لارڈ! آپ نے درست کہا ہے لیکن صدر ڈمی نہیں ہو سکتا۔

Scanned with CamScanner

صدر کا عہدہ اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ کابینہ کو حکومت کو مشورہ نصیحت دے خط لکھے صدر کونسلنگ کر سکتا ہے ایڈوائس دے سکتا ہے لیکن وہ کابینہ اور حکومت کے امور میں مداخلت کا مجاز نہیں مشترکہ مفادات کونسل کے متعلق صدر نے جو خط لکھا ہے وہ بھی رہنمائی کے لیے تھا 15 اپریل کو بھی صدر نے 22 گریڈ کے افسر کے خلاف کارروائی کے بارے میں لکھا تھا وہ کارروائی کا پوچھ رہے تھے اسحاق خان بڑی احتیاط سے خط لکھتے تھے۔

چیف جسٹس ـــــ چند روز قبل صدر کے مشترکہ پارلیمنٹ سے خطابات کے بارے میں بات ہوئی تھی یہ آپ نے کہا تھا کہ صدارتی خطاب وزیراعظم سیکرٹریٹ کی طرف سے بھجوایا جاتا ہے جس کے بعد صدر اس میں اپنے خیالات و نظریات شامل کرتے ہیں لیکن قومی اسمبلی کے رول 41 میں کہا گیا ہے کہ صدارتی خطاب کے بعد قومی اسمبلی کے پہلے سیشن میں صدارتی خطاب ارکان قومی اسمبلی کو صدارتی سیکرٹریٹ کی طرف مہیا کیا جاتا ہے اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ خطاب صدارتی سیکرٹریٹ میں تیار ہوتا ہے یہ نہیں ہے کہ صدر صرف وہ خطاب پڑھتے ہیں جو اس کابینہ یا وزیراعظم سیکرٹریٹ میں تیار کر کے بھجوایا جاتا ہے۔

اٹارنی جنرل ـــــ میں تسلیم کرتا ہوں کہ صدارتی خطاب ایوان صدر میں تیار ہوتا ہے لیکن وہ اس کے لیے پالیسی بیان وزیراعظم سیکرٹریٹ سے منگواتا ہے اس پالیسی بیان کو صدر دیکھ کر اپنی مرضی سے اپنی تقریر میں شامل کرتا ہے صدر اپنے خطاب میں اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں صدر ضیاء الحق اپنا خطاب خود تیار کرتے تھے صدر غلام اسحاق خان اپنی تقریر میں حکومت کی ان پالیسیوں کا ذکر شامل کرتے ہیں جو وزیراعظم سیکرٹریٹ ان کو بھجواتا ہے لیکن وہ یہ پالیسیاں اپنی مرضی اپنے ذہن کے مطابق استعمال کرتے ہیں صدارتی خطاب کابینہ کے فیصلوں، حکومت کی پالیسیوں اور صدارتی تجزیے پر مشتمل ہوتا ہے۔

جسٹس اجمل میاں ـــــ دوسرے فریق نے کہا ہے کہ 22 دسمبر 1992ء کو مشترک پارلیمنٹ کے اجلاس میں صدر نے حکومت کی تمام پالیسیوں جس میں نجکاری زرمبادلہ بھی شامل ہیں کی تعریف کی تھی آئینی اداروں اور قومی اسمبلی کے کام کرنے پر اطمینان ظاہر کیا تھا 22 دسمبر 1992ء تک سب اچھا تھا اس کے بعد صدر کو تمام نقائص نظر آنے لگے۔

اٹارنی جنرل ـــــ پی ایل ڈی 1991ء کراچی (1) کے صفحات 48 اور 49 پر جسٹس سعید الزمان صدیقی کا فیصلہ ہے حاجی سیف اللہ کیس میں جسٹس شفیع الرحمن کا حوالہ دینے کے بعد کہا گیا ہے وفاق اور صوبوں میں اختلافات بڑھ جائیں تو تعطل پیدا ہو سکتا ہے۔ صدر اس صورت میں اسمبلی توڑ سکتا ہے اگر آئینی مشینری کا مکمل طور پر بریک ڈاؤن ہو تعطل اور بحران پیدا ہو جائے میرا کیس یہی ہے کہ تعطل اور بحران پیدا ہو گیا تھا۔ مگر اس سلسلے میں عدالتیں پیرامیٹرز بنانے کی کوشش نہیں کریں گی اس سے صدارتی اختیار میں مداخلت ہوگی۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی ـــــ عدالت آئین کے بریک ڈاؤن کا جائزہ لے سکتی ہے کیا آپ کی دلیل یہ ہے کہ مکمل تعطل و بحران پیدا ہو چکا تھا جس کی وجہ سے آئینی مشینری کا مکمل طور پر بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ اوپر کے فیصلے میں دوسری پوزیشن ایسی ہونی چاہیے جس سے آئینی مشینری کا مکمل طور پر بریک ڈاؤن ہو گیا ہو۔

اٹارنی جنرل ـــــ ہمارے آئین میں اس کی ذمہ دار حکومت ہے جمہوری ذمہ دار حکومت ہو جسے عوام نے چنا ہو اسے اقتدار دیا جائے۔ کابینہ والی حکومت پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہے جو جیسا کہ 91 آرٹیکل میں ہے کہ وزیراعظم کی سربراہی میں کابینہ صدر کی معاونت کرے گی کابینہ بشمول وزرائے مملکت اجتماعی طور پر قومی اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ دوسرے الفاظ میں وزیراعظم وزراء قومی اسمبلی کے مرہون منت ہیں۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی ـــــ کیا ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ نئے عام انتخابات کرانا ضروری ہو گئے تھے کیا قومی اسمبلی عوام کا اعتماد کھو چکی

Scanned with CamScanner

تھی کن حالات میں عوام کو دوبارہ نمائندے چننے کا کہا جاسکتا تھا موجودہ حالات میں پہلی شرط ہی پوری نہیں ہوئی کہ وفاق کی حکومت آئینی دفعات کے مطابق نہیں چل سکتی تھی جب یہی شرط پوری نہیں ہوئی تو عوام کو الیکشن میں ووٹ ڈالنے کی دوسری شرط پر کس طرح عمل ہوسکتا ہے۔

اٹارنی جنرل...... آرٹیکل 95 میں کہا گیا ہے کہ قومی اسمبلی کابینہ کو کنٹرول کرتی ہے کابینہ کو اس لیے قومی اسمبلی کا جوابدہ بنایا گیا ہے تاکہ نگرانی کے اختیارات قومی اسمبلی کو ہوں۔ کابینہ یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ قومی اسمبلی کے سر پر بیٹھی ہے قومی اسمبلی عدم اعتماد سے وزیر اعظم اور کابینہ کو ہٹا سکتی ہے قومی اسمبلی کا کوئی ممبر جو بھی اطلاعات حتیٰ کہ خفیہ اطلاعات تک وزراء وزارتوں سے لینے کے مستحق ہیں وقفہ سوالات اور ضمنی سوالات پر ہر قسم کی معلومات لیتے ہیں۔

چیف جسٹس...... یہ عام قسم کی باتیں ہیں ہمارے سامنے بڑا اہم معاملہ ہے قومی اسمبلی بلاشبہ کابینہ کو کنٹرول کرتی ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ 16 اپریل تک حکومت اور اسمبلی اے ون کام کر رہی تھی 17 اپریل کو ان کے لیڈر نے بقول آپ کے ظالمانہ تقریر کی جس سے سر شرم سے جھک گئے یہ آپ نے کہا ہے میرا سوال ہے کہ کیا اس پر وزیر اعظم کی گردن دبوچ لی جاتی۔

اٹارنی جنرل...... وہ قومی اسمبلی کے قائد ایوان تھے محتاط رویہ اپناتے۔

چیف جسٹس...... آپ کا کہنا ہے کہ اگر حکومت آئین کے مطابق نہ چل رہی ہو تو کابینہ اور قومی اسمبلی مساوی ذمہ دار ہیں اس لیے الیکشن ہوں جب 17 اپریل تک حکومت عمدہ کام کر رہی تھی 17 اپریل کو اگر وزیر اعظم نے آپ کے کہنے کے مطابق بے حد قابل اعتراض تقریر کی صدر پر الزام لگائے تو کیا اس کے نتیجے میں پوری قومی اسمبلی کو اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے 58(2)بی کے حوالے سے آپ نے میرے برادر جج کے فیصلے کا حوالہ دیا ہے برادر جج نے بتایا ہے کہ اس کیس میں اس کا اطلاق نہیں ہوتا ایک بھی شرط آج پوری نہیں ہو رہی۔

اٹارنی جنرل...... یہ کلیدی سوال آپ نے پوچھا ہے۔

چیف جسٹس...... یہ بھی کلیدی سوال ہے اس سے پہلے بھی آٹھ دن سے ہم اپنے کلیدی سوالات کے جوابات کے منتظر ہیں۔

اٹارنی جنرل...... جسٹس سعید الزمان صدیقی کے فیصلے کے مطابق 1977ء جیسے حالات نہ بھی ہوں لیکن آئینی مشینری مفلوج ہو جائے تو اسمبلی ٹوٹ سکتی ہے پی ایل ڈی 1991ء لاہور کے صفحہ 153 پر جسٹس سلیم اختر کے فیصلے کو پڑھ لیں آئینی مشینری تخریب کاری سبوتاژ سے فیل ہو سکتی ہے۔ 58(2)بی کے تقاضے کافی ہیں پی ایل ڈی کراچی 1991ء کے صفحات 119 اور 121 دیکھ لیں۔ لکھا ہے کہ عدالت صدر کے بارے میں خود رائے قائم نہیں کر سکتی عدالت کی ذمہ داری ہے کہ متنازع حکم کے بارے میں انکوائری کرے عدالتیں آئین کے تحفظ اور اس کے پارلیمانی کریکٹر برقرار رکھنے کی ذمہ دار ہیں عدالت صدر کی رائے قائم ہونے کا جواز تلاش نہیں کر سکتی پی ایل ڈی 1989ء حاجی سیف اللہ کیس کے صفحہ 190 پر لکھا ہے کہ صدر چند تقاضے پورے کر کے رائے قائم کر سکتا ہے۔

چیف جسٹس...... کل صدر کے مواخذے اور قومی اسمبلی توڑنے کی باتیں ہوتی رہیں کیا صدر وزیر اعظم کے مابین اختلافات کو دوسرے طریقے سے دور نہیں کیا جاسکتا تھا تاکہ انتہائی اقدام نہ لیا جاتا اور آئندہ بھی ایسے حالات میں انتہائی اقدام کی ضرورت نہ پڑے۔

اٹارنی جنرل...... یہ اپنی نوعیت کی پہلی مثال تھی کہ صدر اور وزیر اعظم کے درمیان ایسے اختلافات پیدا ہوئے ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود اختلافات دور نہ ہوئے۔

چیف جسٹس...... آپ جو چاہے تاثر دیں مگر ہمارا کہنا ہے کہ حکومت اور اسمبلی توڑنے کا اقدام غصے میں کیا گیا ہے کہ یہ گستاخ نوجوان وزیر اعظم جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے کھڑا کیا تھا۔ "وہ میری بلی اور مجھے میاؤں" کے مصداق میرے خلاف ہو گیا ہے کیا ایسی صورتحال تھی۔

Scanned with CamScanner

اٹارنی جنرل ...... میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

چیف جسٹس ...... 18 اپریل کے بعد حتمی تقریر وزیر اعظم نے کی ہیں کیا وہ اسمبلی توڑنے کا ایک ردعمل تھا۔ پارلیمنٹ توڑنے کی کتاب میں جو برطانوی پارلیمانی تاریخ پر مبنی ہے میں کہا گیا ہے گو بادشاہ کو اختیار ہے وہ اسمبلی کو برخاست کرے مگر 130 سال میں ایک بادشاہ نے بھی یہ اختیار استعمال نہیں کیا۔ کتاب کے مطابق اگر بادشاہ حاکم اعلیٰ کسی ایک موقع پر اختیار استعمال کرتا تو اسے ہر موقع پر ایسے اختیار استعمال کرنے پڑتے جس سے خدشہ تھا کہ وہ سیاسی جماعتوں کی سیاست کا شکار ہو جائے گا۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ آپ نے برطانوی تاریخ کا حوالہ دیا مگر وہاں پر بھی کسی بادشاہ یا ملکہ نے ٹیلی ویژن پر اس طرح دشنام طرازی نہیں کی۔ اٹارنی جنرل نے مزید کہا کہ میں تو موجودہ صورتحال میں صدر و وزیر اعظم کے اختلافات کو تعطل اور ڈیڈ لاک ہی قرار دوں گا۔ برطانوی مثال سے چاہے کچھ بھی مترشح ہو اختلافات کا ذمہ دار چاہے کوئی بھی ہو تعطل زیادہ دیر تک جاری نہیں رکھا جا سکتا تھا تعطل قومی اسمبلی میں حل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ صدر پارلیمنٹ کے مباحثے میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ وزیر اعظم نے صدر کے ساتھ رابطہ قائم نہیں کیا صرف ڈرامہ ہوتا رہا صدر اس لیے اس نتیجے پر پہنچے کہ عوام کے پاس حاکمیت اعلیٰ ہے ان سے بھی فیصلہ لے لیا جائے صورتحال ایسی تھی جس کا حل ممکن نہیں تھا جب عوام فیصلہ دے دیں گے تو وہ سب سے بہتر ہوگا عوام کو صدر اور وزیر اعظم پر برتری حاصل ہے ان کا فیصلہ اعلیٰ و ارفع ہوگا اس لیے یہ تعطل 58(2)بی کے سوا حل نہیں ہو سکتا تھا۔ لاہور سیالکوٹ، لاہور فیصل آباد کے درمیان ریلوے لائن ٹھیکے پر دے دیئے گئے اور صوبوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔

جسٹس شفیع الرحمٰن ...... کیا یہی بنیاد ہے کہ آئین نہیں چل سکتا تھا صدر یہ سوچ کر کہ اسمبلی عوام کی امنگوں کے مطابق کام نہیں کر رہی اس کو توڑ سکتے ہیں کیا آئین کی ایسی کوئی شق ہے جس میں صدر کو اختیار دیا گیا ہو کہ وہ کوئی رائے بنا کر اسمبلی توڑ دیں آپ میری مدد کریں آئین میں ایسی کوئی شق تلاش کر کے دیں۔

میرا تاثر بنتا جا رہا ہے کہ آپ میرا سوال نہیں سمجھتے یا اس کا جواب نہیں دے پاتے۔

اٹارنی جنرل ...... آئی جے آئی نو جماعتوں پر مشتمل تھا فروری مارچ اپریل میں یہ ٹوٹ گیا آٹھ پارٹیاں الگ ہو گئیں صرف ایک پارٹی رہ گئی آٹھ پارٹیاں اپنے ایم این اے ساتھ لے گئیں آئی جے آئی واحد پارٹی کے طور پر اکثریت کی دعویدار تھی آٹھ ستارے چلے گئے ان کو عوام کا مینڈیٹ حاصل تھا۔

چیف جسٹس ...... وہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلم لیگ نے باقی آٹھ ستاروں کی کامیابی میں معاونت کی آپ مایوسی کے انداز میں باتیں تو نہ کریں۔

جسٹس شفیع الرحمٰن ...... آئین میں شق ہے کہ اگر اکثریتی حکومت سے کچھ اجزاء الگ ہو جائیں حکومت اکثریت کھو بیٹھے تو وہ حکومت ختم ہو جاتی ہے مسٹر خالد انور کی دلیل یہ تھی کہ قومی اسمبلی میں وزیر اعظم کو اکثریت حاصل تھی۔

جسٹس اجمل میاں ...... کیا آپ نے ان ارکان قومی اسمبلی کے ووٹ گنے ہیں جو مسلم لیگ کے ہیں۔

اٹارنی جنرل ...... ہم نے گنے ہیں 51 فیصد ووٹ حکومت کے خلاف ہو گئے تھے۔

جسٹس قدیر چوہدری ...... 1990ء میں ووٹ ڈالے گئے اب گن کر کیا نتیجہ آپ نکال رہے ہیں۔

جسٹس افضل لون ...... آپ کا تجزیہ درست نہیں ہے۔

چیف جسٹس ...... آپ نے کافی وقت لے لیا ہے آپ نے یہ دلائل دے دیئے ہیں اب آگے چلیں اور مکمل کریں۔

اٹارنی جنرل ...... متعدد عدالتوں کے فیصلے صدر کے آرڈر کی حمایت میں حاضر ہیں جن میں 58(2)بی کی تشریح کی گئی ہے انہوں نے کہا کہ

Scanned with CamScanner

آرٹیکل 91(4) میں ہے کہ کابینہ مجموعی طور پر اسمبلی کے سامنے جواب دہ ہے۔ 91(1) کے تحت کابینہ ہوگی جو صدر کو ایڈوائس کرے گی آئین کی تشریح پر نظر دوڑانے کی ضرورت ہے قرارداد مقاصد کے پہلے جملے میں انتخاب کا تصور ملتا ہے آرٹیکل 51 میں قومی اسمبلی کے ارکان اور مدت کا ذکر کیا گیا ہے اگر حکومت صحیح نہ چل سکتی ہو تو یہ قومی اسمبلی کی ناکامی ہوگی اس لیے 58(2)بی کا اطلاق درست ہے۔

چیف جسٹس...... ذمہ دار حکومت کا مطلب ہے کہ ذمہ داری سنبھالنے والی، اگر تعطل ہو جائے فیڈریشن آئین کے مطابق نہ چل سکے ایسی صورت میں قومی اسمبلی اگر کچھ نہ کرے تو پھر وہ بھی ذمہ دار۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ملک کی سالمیت کو یقینی بنانا حکومت کی اوّلین ذمہ داری ہے موجودہ حالات کا تقاضا تھا کہ عوام سے رجوع کیا جائے آرٹیکل 58(2)بی کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب حکومت آئین کے مطابق نہ چلائی جاسکے۔

ڈاکٹر نسیم حسن شاہ...... اگر ایسی صورتحال پیدا ہو کہ ملک کی سالمیت کو خطرہ ہو تو کیا انتخابات کے ذریعہ اس حکم سے نمٹا جاسکتا ہے۔

اٹارنی جنرل...... ہمارے اقدامات ایسے ہونے چاہئیں کہ ہم اپنی سالمیت کو یقینی بنائیں اس ضمن میں دیکھنا ہے کہ حکومت اپنی ذمہ داری پوری کررہی ہے اور اس نے کیا اقدامات کیے تھے۔

ڈاکٹر نسیم حسن شاہ...... بہتر طریقہ کیا ہے بعض لوگ مختلف رائے رکھتے ہیں ہماری رائے ہے کہ انتخابات بامقصد ہونے چاہئیں مگر ایک اسمبلی کی زندگی کٹ شارٹ کرنے سے دوبارہ انتخاب سے کیا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اٹارنی جنرل...... صدر اسی پوزیشن میں تھے جس میں آپ فاضل جج صاحبان ہیں صدر کے پاس صرف دستور کی کتاب ہے وہ اس ضمن کے مطابق چل سکتے تھے صدر نے اسی لیے عوام سے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ ان کے نزدیک اور کوئی راہ کھلی نہیں تھی۔

چیف جسٹس...... جب قومی اسمبلی کے اجلاس کی ریکوزیشن کرلی گئی تھی تو صدر نے کس مقصد کے تحت قومی اسمبلی توڑی ہے کیا 58(2)بی کے اختیارات سے تجاوز نہیں کیا۔

اٹارنی جنرل...... آرٹیکل 54(3) میں ہے کہ اگر قومی اسمبلی کا اجلاس طلب ہوگیا ہو تو قومی اسمبلی کا اجلاس سپیکر طلب کرسکتا ہے قومی اسمبلی کا اجلاس ارکان طلب کرسکتے ہیں 18 اپریل کی شام ریکوزیشن کی گئی نہ اس کا نوٹس صدر کو اس وقت نہ بعد میں پہنچایا گیا صدر کو اسمبلی کا اجلاس بلانے کا بالکل علم نہیں تھا۔

چیف جسٹس...... فرض کریں قومی اسمبلی کی ریکوزیشن رولز کے مطابق کی گئی مختصر نوٹس دیا گیا یہ نوٹس میڈیا کے ذریعے دیا گیا جو قاعدے کے مطابق ہے صدر کو اس کا علم نہیں تھا جبکہ ریڈیو پر 5 بجے، 6 بجے، 7 بجے، 8 بجے اور 9 بجے خبروں میں اس کا اعلان ہوتا رہا صدر کو پھر بھی نہ پتہ چلا اگر صدر کو ریکوزیشن کا علم نہ بھی ہوتا تب بھی اسمبلی تو بلائی جاچکی تھی۔

اٹارنی جنرل...... 58(2)بی کو 54(3) سے ملا کر نہیں پڑھا جاسکتا۔

چیف جسٹس ...... خالد انور نے پوائنٹ اٹھایا ہے کہ قومی اسمبلی کا اجلاس اگر سپیکر ریکوزیشن کرے تو اسے سپیکر غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کرسکتا ہے اسمبلی ریکوزیشن ہوگئی ہو تو صدر کیسے اسے توڑ سکتا ہے۔

اٹارنی جنرل ...... 58(2)بی بڑی طاقت ہے صدر اسمبلی کی جان بھی نکال سکتا ہے 54(3) کے تحت سپیکر صرف اجلاس طلب یا برخاست کرسکتا ہے۔

چیف جسٹس ...... آپ کے خیال میں ریکوزیشن سے صدر کا اسمبلی توڑنے کا اختیار سلب نہیں ہوجاتا۔

اٹارنی جنرل ...... اگر قومی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہو تب بھی صدر اسے توڑ سکتا ہے اسمبلی کی جان ختم کرنے کا اختیار اس وجہ سے کالعدم نہیں ہوسکتا کہ

Scanned with CamScanner

اسمبلی کی ریکوزیشن ہوگئی یا اس کا اجلاس ہو رہا ہے۔

جسٹس سلیم اختر..... قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کا کیا مقصد تھا۔

اٹارنی جنرل..... اس کا تو مجھے علم نہیں نہ ہمیں نوٹس دیا تھا۔

چیف جسٹس..... قومی اسمبلی کی ریکوزیشن کا مقصد اس کے نوٹس میں درج ہے جو ہمارے پاس ہے۔

اٹارنی جنرل..... انہوں نے سیاسی صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے بلایا تھا۔

چیف جسٹس..... اب آپ آرٹیکل 243 کی وضاحت کریں صدر نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ آرمی چیف کی تقرری سے ان کا وزیراعظم سے تنازعہ شروع ہوا تھا۔

اٹارنی جنرل..... آرٹیکل 243 کے تحت آرمی چیف کی تقرری کا معاملہ اسمبلی توڑنے کا موجب نہیں رہا۔

جسٹس شفیع الرحمن..... آپ صدر کی تقریر کا وہ حصہ پڑھیں جس میں اس تنازعے کا خود صدر نے ذکر کیا ہے آپ حقائق سے پہلو تہی کر کے آگے کیسے جا سکتے ہیں صدر نے اپنے خطاب میں اس تنازعے کو کتنی اہمیت دی ہے۔

جسٹس افضل لون..... پٹیشن پارٹ A (صفحہ 74) پر صدر کے خطاب کا مذکورہ حصہ ہے۔

اٹارنی جنرل..... وزیراعظم کے ساتھ ناراضی تنازعے کا باب اس وقت شروع ہوا جب جنرل وحید کو آرمی چیف مقرر کیا۔

چیف جسٹس..... آپ کہتے ہیں کہ اسمبلی توڑنے کی وجہ یہ تنازعہ نہیں تھا اسے ہم ملتوی کر دیتے ہیں آپ نے یہ وجہ بیان کی کہ استعفیٰ دینے والے ارکان وزیراعظم سے الگ ہو گئے جس سے وہ اسمبلی میں اعتماد کھو بیٹھے۔

جسٹس سعد سعود جان..... آپ نے کہا تھا کہ یہ استعفے صرف احتجاجی خطوط تھے استعفے نہیں تھے۔

اٹارنی جنرل..... یہ بیان میں نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا ہے میری پوزیشن یہ ہے کہ ذمہ دار ارکان نے اپنے لیڈر کے ذریعے صدر کو استعفے دیئے۔

چیف جسٹس..... قواعد کے مطابق اگر استعفیٰ اسپیکر کو اس طرح دے دیا جائے چاہے اس کا مطلب استعفیٰ ہو نہ ہو تو وہ ممبر مستعفی تصور ہوتا ہے بشرطیکہ ارکان خود آ کر استعفیٰ دیں۔

اٹارنی جنرل..... استعفیٰ میں لکھا ہے کہ میں قومی اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دیتا ہوں۔

چیف جسٹس..... چاہے سونشستیں خالی ہو جائیں اور اتھارٹی ان کی نشستیں خالی قرار دینے لگے تو بعض ممبر خود کہتے کہ ہم نے تو احتجاجی خط لکھے تھے۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی..... آپ کیسے موقف بدل سکتے ہیں آپ نے تحریری بیان دیا کہ استعفے صرف احتجاج کے طور پر دیئے گئے۔

اٹارنی جنرل..... استعفے اسپیکر کے نام لکھے صدر کو صرف احتجاج کے طور پر بھجوائے گئے مگر استعفے صدر کو بھیجے تاکہ سربراہ مملکت کے پاس احتجاج رجسٹر کرائیں۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی..... استعفیٰ لکھنے کا مقصد احتجاج کرنا تھا یا مستعفی ہونا تھا۔

اٹارنی جنرل..... فیڈریشن ان کو استعفیٰ سمجھتی ہے وہ صدر کو پیش کیے گئے صدر کو استعفیٰ کی دستاویز پیش کی گئی۔

جسٹس سعید الزمان..... استعفے آئین کے مطابق اسپیکر کو نہیں دیئے گئے صدر ان ممبروں کے استعفیٰ کو یہ رائے قائم کرنے کے لیے استعمال کر سکتا ہے کہ انہوں نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ استعفیٰ دینے والوں میں سے 61 تو نگراں حکومت کے ممبر ہیں۔

Scanned with CamScanner

چیف جسٹس ...... تشویش کی بات یہ ہے کہ استعفوں کو بنیاد بنا کر صدر نے اسمبلی توڑ دی جب تک یہ مناسب اتھارٹی کو نہ دیئے جاتے تو ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی وہ صرف چٹ تھی اس کی بناء پر اسمبلی توڑنا کہاں تک درست ہے۔

اٹارنی جنرل ...... استعفوں کے ملنے کے بعد صدر نے یہ رائے قائم کی کہ اسمبلی عوام کا اعتماد کھو بیٹھی ہے اسمبلی کے رولز کے مطابق استعفیٰ تب ہوتا ہے جب سپیکر کو دیا جاتا ہے اگر سپیکر کو استعفیٰ نہ دیا گیا ہو تو یہ ٹرانزٹ استعفیٰ ہوتا ہے یہ سارے ٹرانزٹ استعفے تھے یا اسمبلی رولز کے مطابق استعفے نہیں تھے۔

چیف جسٹس ...... صدر کو با مقصد بنیاد پر رائے قائم کرنی چاہیے تھی کہ فیڈریشن آئین کے مطابق نہیں چل سکتی۔ سوال یہ ہے کہ بنیادی حقوق کے تحت عدالت کو صوابدیدی اختیار حاصل نہیں کہ وہ بنیادی حقوق بحال کرائے۔ جب بنیادی حقوق کے نفاذ کا سوال ہو یہ طے پا جائے کہ بنیادی حقوق غصب ہوئے ہیں کیا عدالت ریلیف دے سکتی ہے۔

اٹارنی جنرل ...... اس کا جواب میں کل دوں گا راجستھان کورٹ کا فیصلہ ہے اور بھی فیصلے ہیں کل صبح میں دس منٹ میں اپنا کیس مکمل کر لوں گا۔

چیف جسٹس ...... فیڈریشن کے معاملات آئین کے تحت نہ چلنے کی بناء پر نہ صرف اسمبلی توڑ دی گئی بلکہ وزیر اعظم کو برطرف کیا گیا حالانکہ پہلے وزیر اعظم کو ڈس مس نہیں کیا گیا۔ صدارتی فرمان میں وزیر اعظم کو برطرف کیوں کیا گیا اس کا جواب دیں۔ کیا صدر وزیر اعظم کے خلاف بہت غصے میں نہیں تھے اس لیے انہوں نے وزیر اعظم کو کک آوٹ (اٹھا کر باہر پھینک دیا) کیا یہ آرٹیکل 18 کی خلاف ورزی نہیں ہے۔

اٹارنی جنرل ...... صدارتی فرمان میں وزیر اعظم کو برطرف کرتا ہوں کے بعد بھی کولن ہے۔

چیف جسٹس ...... بھی کولن کا ذکر کر کے آپ اپنے کیس کو خراب کر رہے ہیں۔ وزیر اعظم کو برطرف کیا گیا اس کا مطلب ہے کہ صدر کو وزیر اعظم کی خوشنودی حاصل نہیں رہی تھی تو اس پر 91(5) کا اطلاق ہوگا۔ آپ نے انسان کے وقار کو مجروح نہیں کیا۔

اٹارنی جنرل ...... برطانیہ میں جب پارلیمنٹ توڑتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ کابینہ برطرف کی جاتی ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن ...... پاکستان میں ایسی کوئی شق نہیں ہے۔

اٹارنی جنرل ...... وزیر اعظم کو برطرف کرنے سے اس پر کالک کا داغ نہیں لگتا سرکاری ملازم کو برطرف کیا جائے تو اس پر کالک کا داغ لگتا ہے۔

آرٹیکل 33 میں ایسی کوئی بات نہیں۔

اٹارنی جنرل ...... صدر کے وقار کو دس ہزار سے زیادہ مرتبہ مجروح کیا گیا۔ وزیر اعظم کو برطرف کرنے سے ان کا وقار مجروح نہیں ہوا۔ قومی اسمبلی کی برطرفی کے نتیجے میں وزیر اعظم کو برطرف کیا گیا بھارتی آئین میں ہے کہ اگر وزیر اعظم اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرے تو اسے برطرف کیا جا سکتا ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن ...... آپ میرے سیدھے سادے سوال کا جواب دینے کے لیے کبھی بھارت اور برطانیہ جاتے ہیں آپ غلط جگہوں پر جانے کی بجائے پاکستان کی بات کریں اگر کسی کو میری خوشنودی حاصل ہے اور پھر بھی اسے برطرف کر سکتا ہوں تو اس سے اس کے سیاسی کیریئر کو نقصان نہیں پہنچا اس لیے "پولیٹیکل کیریئر کلر (POLITICAL CAREER KILLER)" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے یعنی سیاسی کیریئر کو نقصان پہنچانے والی۔ سرکاری ملازمین کے ایکٹ میں ہے کہ کوئی بھی سرکاری ملازم صدر کی خوشنودی تک ملازمت میں رہے گا یہی خوشنودی وزیر اعظم کے متعلق ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

دستور پاکستان کے آرٹیکل (b)(2)58 کے تحت صدر مملکت نے قومی اسمبلی کو تحلیل اور وزیر اعظم کو ان کی کابینہ سمیت برخاست کیا تھا قومی اسمبلی کے 88 اراکین نے اس مقصد کے حصول کے لیے اپنے عہدوں سے استعفے دیے تھے تاہم جو چیز بالواسطہ طریقے سے حاصل نہ ہو سکے اسے بلاواسطہ طریقے سے بھی آرٹیکل (b)(2)58 کا استعمال کر کے حاصل نہیں کیا جا سکتا، صدر کے پاس یہ استعفے جمع کروانے کا مقصد وزیر اعظم کو حکومت سے باہر نکالنا تھا اور اس مقصد کے حصول کیلئے قومی اسمبلی کو تحلیل کیا گیا تاہم بیان بالا مقصد آرٹیکل (b)(2)58 کی کلاز (2 سب کلاز (b)) سے باہر ہے جیسا کہ مختصر بیان کیا گیا ہے کہ 88 اراکین قومی اسمبلی کی جانب سے سپیکر کی بجائے صدر کے پاس استعفے جمع کروانے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اسمبلی اپنی مینڈیٹ کھو چکی ہے یا یہ کہ کوئی ایسی صورتحال پیدا ہو چکی ہے کہ وفاق کو آئینی دفعات کے تحت نہیں چلایا جا سکتا جو چیز بالواسطہ طریقے سے حاصل نہ ہو سکے اسے بلاواسطہ طریقے سے بھی آرٹیکل (b)(2)58 کا استعمال کر کے حاصل نہیں کیا جا سکتا اس حوالے سے اس بات کا ذکر موزوں ہوگا کہ آئین کے آرٹیکل 91 کی کلاز (5) کے تحت وزیر اعظم، صدر کی خوشنودی تک اپنے عہدے پر رہ سکتا ہے لیکن صدر اس خوشنودی کو اس وقت تک واپس نہیں لے سکتا جب تک کہ وہ اطمینان نہ کر لے کہ وزیر اعظم کے پاس اسمبلی میں اکثریت نہیں رہی ہے۔ اس صورت میں وہ قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر کے وزیر اعظم سے اعتماد کا ووٹ لینے کا مطالبہ کر سکتا ہے، اگر وزیر اعظم اعتماد کا ووٹ لینے میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ اسے برخاست کر کے اپنی خوشنودی واپس لے سکتا ہے، آئین کے آرٹیکل 59 کی کلاز (1) کے تحت ریفرنس بنایا جا سکتا ہے جس کے مطابق وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک چلانے کے لیے قومی اسمبلی کے اراکین کی کل تعداد کے 20% اراکین کی منظوری کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ آرٹیکل 58 کی کلاز (2 سب کلاز (b)) صدر کو اپنی صوابدید پر اسمبلی کی تحلیل کا اختیار دیتی ہے۔ اگر وزیر اعظم اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے میں ناکام ہو جائے اور کوئی دوسرا رکن بھی اعتماد کا ووٹ لینے میں کامیاب نظر نہ آئے تو اس صورت میں صدر پر لازم ہے کہ وہ اسمبلی کو تحلیل کر سکتا ہے

اسمبلی کی تحلیل کے 90 دن کے اندر اندر وہ عام انتخابات کے انعقاد کی تاریخ کا اعلان کرے اور وہ وزیر اعظم سمیت نگران کابینہ مقرر کرے یہ مختصر بیان کہ "وزیر اعظم کو ہٹانے کے لیے 88 اراکین نے صدر کے پاس اپنے استعفے جمع کروائے تھے" کا آرٹیکل 58 کی کلاز (2 سب کلاز (b)) میں بیان کی گئی وجوہات سے کوئی تعلق نہیں، اگر یہ استعفے صدر کی بجائے سپیکر کے پاس بھی بھجوائے جاتے تو بھی ایسا نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کافی نہ ہوتا، قانون اس صورت میں ان حلقوں میں ضمنی انتخابات کروانے کو لازمی قرار دیتا ہے، قومی اسمبلی میں حکومت کا خاتمہ کرنے کے خواہشمند افراد کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ قانون میں بیان کیے گئے طریقہ کار کے مطابق وزیر اعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کرنے کی بجائے یہ طریقہ استعمال کریں، صورت بالا 88 اراکین کی جانب سے صدر کو استعفے دینے کا مقصد اکثریت کی حامل حکومت کو تبدیل کرنا تھا اور وہ بالواسطہ طریقے سے اقتدار سنبھالنا چاہتے تھے، اور اس مختصر بیان سے یہ حقیقت صاف عیاں ہے کہ میر بلخ شیر مزاری کو نگران وزیر اعظم بنایا گیا جبکہ درخواست گزار کی حکومت کے کئی سابق وزراء کو نگران حکومت میں بھی شامل کیا گیا ہے۔

.....آئین پاکستان 1973

آئین کے آرٹیکل 58 کی کلاز (2 سب کلاز (b)) کے تحت صدر کی جانب سے اختیارات کے استعمال کی شرائط

اس آرٹیکل کو منظور کرنے کا مقصد یہ تھا کہ صدر موجودہ اسمبلی میں حکومت سے عناد رکھنے والے عناصر کے ساتھ مل کر اس آرٹیکل کے ذریعے وزیر

Scanned with CamScanner

اعظم اور اس کی کابینہ کو فارغ کر دیں، اگر اس اختیار کو ذاتی پسند وناپسند کی بنیاد پر استعمال کیا گیا تو اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہونگی، آئین کے آرٹیکل 41 کے تحت صدر ریاست کا سربراہ اور ری پبلک کے اتحاد کی علامت ہے، جسے مکمل طور پر غیر جانبدار ہونا چاہیئے، اس آرٹیکل کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ اسے استعمال کر کے اکثریت کی حامل حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے، اس آرٹیکل کے استعمال کے لیے بغیر کسی تعصب اور بدنیتی کے آزاد سوچ، ایمانداری، شفافیت، اور موزونیت نہایت ضروری ہیں، اگر ان اختیارات کا استعمال ذاتی پسند وناپسند کی بنیاد پر کیا جائے تو یہ بہت سی خرابیاں پیدا کرتا ہے۔

قومی اسمبلی کی تحلیل اور وزیراعظم اور ان کی کابینہ کی برخاستگی کے جواز کے طور پر منجملہ اور چیزوں کے وزیراعظم کی ایک تقریر کو بھی بنیاد بنایا گیا ہے اگرچہ وزیراعظم کی جانب سے کسی پر ذاتی حملہ کرنے کا کوئی جواز نہ تھا لیکن یہ اقدام بھی آرٹیکل 58 کی کلاز ((2 سب کلاز (b) کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا۔

......آرٹیکل 58 کی کلاز ((2 سب کلاز (b) منجملہ اور چیزوں کے یہ بنیاد کہ "وزیراعظم قومی و بین الاقوامی مسائل پر کچھ نہیں کر رہے تھے" بھی ایک ناپائیدار بات ہے اس کا بھی اس آرٹیکل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

......آرٹیکل 58 کی کلاز ((2 سب کلاز (b) صدر کی جانب سے اپنی خوشنودی واپس لینے کا تعلق آئین میں بیان کی گئی شرائط کے ساتھ ہے اور یہ اقدام ان شرائط کے پورا ہونے سے مشروط ہے۔

......آرٹیکل 58 کی کلاز ((2 سب کلاز (b) آرٹیکل 46 اور 48 کے مطابق صدر اور وزیراعظم کا مرتبہ:

آرٹیکل 46 وزیراعظم پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ

(a) صدر مملکت کو کابینہ کے تمام فیصلوں، وفاق کے انتظامی امور اور قانون سازی کی تجاویز سے آگاہ رکھے۔

(b) صدر خود بھی وزیراعظم کو وفاق کے انتظامی امور اور قانون سازی کی تجاویز سے آگاہ رکھنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

(c) ایسا معاملہ جس میں وزیراعظم یا کسی وزیر نے کابینہ کو آگاہ نہ کیا ہو، صدر اس کا بھی جائزہ لے سکتا ہے

درج بالا آرٹیکلز کو آرٹیکل 58 کی کلاز ((2 سب کلاز (b) کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے جو کہ صدر کو اسمبلی کی تحلیل کا اختیار دیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں کابینہ بھی ختم ہو جاتی ہے تاہم صدر کی جانب سے یہ اختیارات اس وقت تک استعمال نہیں کئے جا سکتے جب تک وہ اپنے آپ کو حکومت کے روزمرہ کے معاملات کے ساتھ خود کو منسلک نہ رکھے۔ صدر سے متعلق آئین کی مختلف شرائط کا اجتماعی اثر یہ ہے کہ صدر کو مشاورت، حوصلہ افزائی اور تنبیہ کا حق حاصل ہے اس کے ساتھ ساتھ اس سے چوکس رہنے اور اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنے کی توقع بھی کی جاتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وزیراعظم کا مرتبہ نہ تو کمتر ہے اور نہ ہی اہمیت کے لحاظ سے وہ صدر سے کمتر ہے ماسوائے ان معاملات کے جو کہ اکیلے صدر کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں، صدر وزیراعظم کی ایڈوائس پر عمل کرنے کا پابند ہے اور اس کی ایڈوائس کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا، آرٹیکل (1)48 کے تحت درحقیقت وزیراعظم ہی حکومت چلاتا ہے، آئین کے مطابق پالیسیاں مرتب کرتا اور پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہے، وہ عوام کی خواہشات کی ترجمانی کرتا ہے، آئین میں 8ویں ترمیم سے قبل وہ ہی سب کچھ تھا، تاہم ترمیم نے صورتحال کو کافی حد تک تبدیل کر دیا ہے۔

......آرٹیکل 154 قومی اداروں کی نجکاری

وفاقی حکومت کو چاہیئے کہ وہ نجکاری کے معاملات کو اس آرٹیکل کی روشنی میں مشترکہ مفادات کونسل (سی سی آئی) کے سامنے رکھے

دستور پاکستان آرٹیکل 58 کی کلاز ((2 سب کلاز (b) منجملہ اور چیزوں کے اس بنیاد پر کہ نجکاری کا معاملہ مشترکہ مفادات کونسل (سی سی آئی)

Scanned with CamScanner

کے سامنے نہیں رکھا گیا تھا، بیکاری کے معاملے کے پیچھے قانون موجود ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسا نہ کرنے پر ملک کا وجود یا اس کی معیشت ہی کو خطرے میں ڈال دیا گیا تھا اور اس وجہ سے اس پر دستور پاکستان آرٹیکل 58 کی کلاز ((2 سب کلاز (b) کو لاگو کیا گیا ہے۔

دستور پاکستان آرٹیکل 58 کی کلاز ((2 سب کلاز (b) مجملہ اور چیزوں کے غلط انتظام کی بنیاد پر بدعنوانی اور اقرباء پروری کا جواز اس آرٹیکل کو لاگو کرنے کے لیے کافی نہیں ہے اور نہ ہی اس میں بیان کی گئی وجوہات کا اس آرٹیکل سے تعلق ہے (احمد رحیم بنام وفاق پاکستان)

—— مجملہ اور چیزوں کے یہ بنیاد کہ ”حکومتی اہلکار، اور ادارے وزیر اعظم اور اس کے وزراء کی ہدایت پر اپنے مخالفین کو دہشت زدہ کر رہے تھے“ اس حوالے سے کوئی تحقیق ہی نہیں کی گئی اور وہ الزامات جن کی تفتیش ہی نہ کی گئی ہو اور اس حوالے سے ریکارڈ پر کوئی مواد ہی موجود نہ ہو، کا بھی اس آرٹیکل سے کوئی تعلق نہیں بنتا۔

—— مجملہ اور چیزوں کے یہ بنیاد کہ کابینہ کے ایک یا دو مستعفی وزراء نے الزام عائد کیا تھا کہ وزیر اعظم کی الگ سے ایک کچن کیبنٹ تھی اور تمام اہم معاملات صرف اسی کابینہ کے سامنے زیر غور لاتے تھے، ان وزراء کی ذاتی شکایت تو ہو سکتی ہے لیکن اس آرٹیکل کو لاگو کرنے کی بنیاد نہیں بنتی ہے۔

—— مجملہ اور چیزوں کے بے قاعدگیوں اور من پسند لوگوں کو نوازنے سے متعلق اخباری خبروں پر بغیر جانچ پڑتال کیے ہی اسے بنیاد بنا دیا جبکہ اس حوالے سے قوانین موجود ہیں اور یہ بنیاد بھی اس آرٹیکل کے دائرہ اختیار سے باہر ہے البتہ اگر بدعنوانی، اقرباء پروری اور ذاتی پسند و ناپسند کی بنیاد پر لوگوں کو نوازنے کی بنا پر آئینی مشینری نے مکمل طور پر کام کرنا ہی چھوڑ دیا ہو تو اس صورت میں اس آرٹیکل کے دائرہ اختیار میں لایا جا سکتا ہے۔

—— یہ الزام کہ وزیر اعظم نے تعمیر وطن پروگرام کے لیے اپنی صوابدید سے بڑھ کر کوٹہ اور گرانٹس جاری کی ہیں اور ان کی جانب سے غیر ملکی دوروں کے مواقع پر وہاں پر سرمایہ کاروں کو راغب کرنے کے لیے سیمینار منعقد کروا کر فضول خرچی کی گئی ہے جیسے الزامات ان الزامات سے مختلف نہ تھے جو کہ اس سے قبل اخبارات میں بھی بغیر کسی اعداد و شمار کے کہ اس پر کل کتنی رقم خرچ ہوئی تھی چھپ چکے ہیں، ایسی بے ضابطگیوں پر متعلقہ قوانین کے ذریعے قابو پایا جا سکتا ہے، تاہم ان الزامات کا بھی اس آرٹیکل سے کوئی ربط نہیں بنتا۔

—— مجملہ اور چیزوں کے یہ الزام کہ 5 من پسند افراد کو سول سروسز میں شامل کرنے کے لیے قواعد و ضوابط سے انحراف کیا گیا ہے، بھی اس آرٹیکل کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

—— مجملہ اور چیزوں کے یہ الزام کہ سابق چیف آف آرمی سٹاف کی اہلیہ نے پریس کانفرنس میں الزام عائد کیا تھا کہ ان کا خاوند طبعی موت نہیں مرا ہے بلکہ اسے زہر دیا گیا تھا، اس الزام پر حکومت نے اسی روز ہی سپریم کورٹ کے تین فاضل ججز پر مشتمل جوڈیشل کمیشن تشکیل دیا تھا اور اس کمیشن نے قرار دیا تھا کہ وہ فطری موت مرے تھے اور اس حوالہ سے کمیشن کی رپورٹ قومی اخبارات میں لفظ بہ لفظ شائع ہو چکی ہے، اس لیے اس الزام کا اس آرٹیکل سے کوئی ربط نہیں بنتا ہے۔

—— آرٹیکل (1)184 اس آرٹیکل کے تحت اگر دو یا دو سے زیادہ حکومتوں کے مابین تنازعہ ہو تو اس حوالہ سے سپریم کورٹ میں براہ راست مقدمہ دائر کیا جا سکتا ہے۔

—— آرٹیکل 1 اور 155 اس آرٹیکل کے تحت دو یا اس سے زیادہ حکومتوں کے مابین تنازعہ کی صورت میں معاملہ مشترکہ مفادات کونسل میں لایا جا سکتا ہے۔

—— آرٹیکل (3)184، 1 اور (b)(2)58 داد رسی کی طلبی، جبکہ انکار کیا جا چکا ہو، اگر درخواست گزار بنیادی حقوق کی پامالی کو ثابت کر دے تو وہ

Scanned with CamScanner

دادرسی کا حق دار ہے، آیا کہ صدر نے قومی اسمبلی کی تحلیل اور وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کی برخاستگی کا حکم آرٹیکل 58(2)(b) کے تحت دیا تھا، وہ حکم جو اس آرٹیکل کے دائرہ کار میں ہی نہیں آتا اور اس کا کوئی جواز ہی نہیں ہے، اور اس کی بنیاد پر قومی اسمبلی، وزیر اعظم اور انکی کابینہ کی بحالی نہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، اگر درخواست گزار بنیادی حقوق کی پامالی کو ثابت کردے تو وہ دادرسی کا حق دار ہے تاہم عدالت اسے دادرسی دینے سے انکار بھی کرسکتی ہے، اگر یہ سب کچھ انصاف کے لیے کیا گیا ہو، یا عدالت یہ سمجھتی ہو کہ یہ مناسب اور موزوں نہ ہوگا مثلاً صدر اگر 58(2)(b) کے تحت اسمبلی توڑتا ہے اور اس سے متعلق عدالت کا فیصلہ آنے سے پہلے ہی عام انتخابات منعقد ہو چکے ہوتے، جن میں 70 فیصد ووٹ اس پارٹی کے خلاف ڈالے جا چکے ہوتے جو اس سے قبل اقتدار میں تھی، اور نئے انتخابات میں اس پارٹی نے دو یا تین فیصد ووٹ حاصل کئے ہوتے تو ایسی صورت میں اس اسمبلی کا بحال کیا جانا موزوں نہ ہوتا، کیونکہ عدالتیں انصاف کے لیے قائم ہوئی ہیں، عام قانون کے ماتحت بنیادی حقوق اور قانونی حقوق میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ حالیہ کیس میں قومی اسمبلی، وزیر اعظم اور کابینہ کو بحال نہ کرنے کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔

آرٹیکل 184(3) کا مقصد آئین میں دئے گئے بنیادی حقوق کو یقینی بنانا ہے، آئین کی یہ شرط جمہوریت کی جانب ایک بہترین راستہ ہے، یہ اختیار سپریم کورٹ کو بطور محافظ اور نگران دیا گیا ہے اور اس قانون کے تحت دئے گئے اختیارات بہت وسیع ہیں، عدالت اس میں اسی طرح حکم جاری کرسکتی ہے جس طرح آرٹیکل 199 میں کرسکتی ہے۔ اس کے اطلاق کے لیے 3 بنیادی شرائط ہیں،

1۔ اس میں عوامی نوعیت کا معاملہ ہو

2۔ اس میں بنیادی حقوق کا معاملہ ہو

3۔ اس میں بنیادی حقوق طلب کئے گئے ہوں جن پر عملدرآمد کے لیے آئین کا چیپٹر 1 اور پارٹ 2 اختیارات دیتے ہیں

......آرٹیکل: 17 اس میں عدالت کی سوچ تنگ اور نمائشی نہیں ہونی چاہئے بلکہ کافی حد تک لچکدار ہونی چاہئے اس میں دیگر شرائط بھی لینی چاہییں، جیسے آئین کا دیباچہ، پالیسی کے اصول اور قرارداد مقاصد۔

......سیاسی انصاف اور سیاسی حقوق کے حصول کے لیئے صاف اور شفاف انتخابات کا انعقاد ہونا چاہئے، بنیادی جمہوری طرز حکمرانی کے لیے سیاسی جماعتوں کا وجود لازمی ہے، دنیا بھر کے کسی بھی جمہوری نظام میں سیاسی جماعتیں حکومت میں آنے کے لیے مقابلہ کرتی ہیں، پارلیمانی جمہوریت میں یہ بنیادی فرض ہے کہ ایوان میں جو جماعت اکثریت سے نشستیں حاصل کرے حکومت پر بھی اسی کا کنٹرول ہونا چاہئے، برطانیہ کی سیاست میں ''مینڈیٹ کا ڈاکٹرائین'' اشارہ کرتا ہے کہ جو پارٹی اکثریت حاصل کرے اسے اپنے منشور پر عملدرآمد کروانے کا حق حاصل ہے، اگر ایک پارٹی اقتدار میں آکر اپنے منشور پر عملدرآمد میں ناکام ہوجاتی ہے تو آئندہ انتخابات میں اس پر عوام کو سبز باغ دکھانے (دھوکہ دینے) کے الزامات عائد ہوسکتے ہیں، سیاسی نظام کو موثر طور پر چلانے کے لیے قوم کی اخلاقی اور تاریخی امنگوں کا مرکز ہونا چاہیے، ہمارے آئین میں یہ مرکز قرارداد مقاصد کی صورت میں موجود ہے۔

''سیاسی انصاف'' کا تاثر نہایت اہم ہے جسے بنیادی حقوق کی کیٹگری میں رکھا جاتا ہے قرارداد مقاصد میں واضح طور پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اس جمہوری نظام میں اسلامی تعلیمات کو دیکھا جاسکتا ہے، جبکہ صاف شفاف انتخابات کا انعقاد اور سیاسی پارٹیوں کا وجود نہایت لازمی ہے۔

......آرٹیکل 17 اور آرٹیکل 184(3) میں سیاسی انصاف کا تصور یہ ہے کہ غیر قانونی اور غیر آئینی طریقہ سے حکومت چلانے سے انکار کیا جائے اور جب تک ایوان میں اکثریت ہو اسی وقت تک اقتدار میں رہا جائے، آرٹیکل 17 نے بھی اس کی ضمانت دی ہے اور آرٹیکل 184(3) کے تحت دائر درخواست کو قابل سماعت قرار دینا بھی اس کی کڑی ہے، سیاسی انصاف کے تصور میں سیاسی فیصلوں میں شرکت کا حق شامل ہے۔

Scanned with CamScanner

......آرٹیکل 64 قومی اسمبلی میں رول آف پروسیجر اور کنڈکٹ آف بزنس 25 R 1992 کے تحت قومی اسمبلی کی نشست سے مستعفی ہونے کے لیئے سپیکر کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا استعفیٰ بھجوانا چاہیئے، اس کا حقیقی اور رضا کارانہ طور پر دیا جانا اس کی لازمی شرط ہے۔

......آرٹیکل (b)(2)58 اور آرٹیکل 64 قومی اسمبلی کے رکن کے لیے اس کا طریقہ کار طے ہے اور محض صدر کو استعفے بھجوانے سے اس کی بنیاد نہیں بنتی اور اس کا بھی آرٹیکل (b)(2)58 سے کوئی ربط نہیں بنتا ہے، حالیہ کیس میں ماسوائے وزراء کے، تمام استعفے آرٹیکل 64 کے تحت سپیکر کو مخاطب کر کے لکھے گئے تھے، لیکن صدر کی جانب سے انہیں روکے رکھنے کا کوئی آئینی و قانونی جواز نہیں، اگر یہ تمام استعفے آئین کے تحت شفاف انداز میں صدر کو بھی بھیجے جاتے تو بھی انہیں سپیکر ہی کے پاس بھجوایا جاتا تھا، استعفے دینے کا یہ انداز اور صدر کی جانب سے انہیں روکے رکھنا آئین سے سراسر گمراہی اور قانونی طور پر جائز نہیں ہے پارلیمانی نظام میں "دباؤ کی سیاست" میں یہ ہتھکنڈے اقتدار میں بیٹھی پارٹی کو بلیک میل کرنے کے لیے موثر ثابت ہو سکتے ہیں، تاہم آرٹیکل (b)(2)58 کے ساتھ اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔ اخباری تراشوں سے منطقی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ صدر نے یہ اقدام غیر جانبداری سے نہیں بلکہ اپوزیشن اور دیگر غیر مطمئن عناصر کو وسیع تر تعاون فراہم کرتے ہوئے اٹھایا تھا جو کہ بہت ہی قابل اعتراض اور آئین کی روح کے خلاف ہے۔

......آرٹیکل 19 کے تحت عوام کو معلومات تک رسائی کا حق حاصل ہے اور اس آرٹیکل نے اس کی ضمانت دی ہے ماسوائے چند خاص خاص چیزوں کے جن کی ممانعت ہے۔

......18 اپریل 1993 کے صدارتی حکم نامہ میں حکومت کی پالیسیوں پر اٹھائے گئے اعتراضات کو بھی (b)(2)58 کی بنیاد بنایا گیا ہے، لیکن اس کا بھی اس آرٹیکل سے کوئی ربط نہیں ہے،

......آرٹیکل (b)(2)58 کو بروئے کار لاتے ہوئے قومی اسمبلی کی تحلیل کے لیے دو قسم کی صورتحال پر غور کیا جا سکتا ہے۔

اول : وزیر اعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد ایوان سے منظور ہو چکی ہو اور کسی دوسرے رکن کو اسی ایوان سے اکثریت ملنے کا امکان نہ ہو۔

دوئم : جب حکومت آئین کے مطابق کام جاری نہ رکھ سکتی ہو، تاہم اس سلسلہ میں نئے انتخابات کی اپیل ضروری ہے۔

......آرٹیکل 193 اور (1)48 صدر ایڈوائس پر عمل کر سکتا ہے یہ سوال کہ " آیا کہ ہائی کورٹ کے ججز کی تقرری کے لیے وزیر اعظم کی ایڈوائس ضروری ہے"؟ کے سلسلہ میں سنجیدہ ریسرچ کی ضرورت ہے۔

......آرٹیکل (4) 91 پارلیمانی نظام حکومت کی خاص خاص خصوصیات یہ ہیں کہ وزیر اعظم کی سربراہی میں حقیقی انتظامی اختیارات کو کابینہ استعمال کرتی ہے، صدر کابینہ کی ایڈوائس پر عمل کرتا ہے، آرٹیکل (4)91 کے تحت وزرائے مملکت سمیت پوری کابینہ قومی اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہے،

......آرٹیکل (1)48 کے تحت ایڈوائس کے اصول کی لازمی نوعیت بالکل واضح ہے، صدر وزیر اعظم یا کابینہ کی ایڈوائس پر عمل کرنے کا پابند ہے، ماسوائے آرٹیکل 94 میں دیئے گئے اختیارات (232,234,235) کے، جہاں وہ اپنی صوابدید استعمال کر سکتا ہے جس میں اگر وزیر اعظم یا کابینہ کی جانب سے بھجوائی گئی کوئی چیز اس آرٹیکل کے دائرہ میں آتی ہو تو اس صورت میں وہ اپنی صوابدید استعمال کر سکتا ہے، تاہم صدر کے لیے آرٹیکل 48 پر عملدرآمد کو آرٹیکل 42 اور 47 کے ذریعے یقینی بنایا گیا ہے، آرٹیکل 42 کے تحت صدر حلف دیتا ہے کہ میں اپنی ذمہ داریوں کو آئین کے مطابق نبھاؤں گا، آئین کی حفاظت اور دفاع کرونگا۔ صدر اگر ضابطہ اخلاق کی پامالی کرتا یا ایڈوائس کو مسترد کرتا ہے تو آرٹیکل 47 کے تحت آئین سے انحراف پر اس کا مواخذہ کیا جا سکتا ہے۔

Scanned with CamScanner

ذمہ دار ریاست کا یہ تصور ہے کہ اس کا سربراہ کوئی غلطی / ناانصافی نہیں کرسکتا، وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اپنے وزراء کی ایڈوائس پر کرتا ہے اور کسی بھی غلطی کی ذمہ داری انہی کے کاندھوں پر پڑتی ہے جو پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوں۔ دیگر جمہوری ملکوں کی طرح، ہمارے آئین میں بھی انتظامی اختیارات ریاست کے سربراہ (صدر) کے پاس ہوتے ہیں، اور اس اصول کو آئین کے آرٹیکل 90 میں تسلیم کیا گیا ہے، تاہم جب سے آئینی طور پر صدر کو وزیر اعظم یا کابینہ کی ایڈوائس کا پابند بنایا گیا ہے عملاً سارے انتظامی اختیارات وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کے پاس آ گئے ہیں، اس طرح صدر "ان کاموں کے لیے جو اس کے نام پر کئے جاتے ہیں" کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری کابینہ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ تاہم کابینہ سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ یہ صدر کو پالیسیوں میں تبدیلیوں، سیاسی معاملات اور کابینہ میں زیر غور معاملات سے آگاہ رکھے۔ اس اصول کو آرٹیکل 46 میں قائم کیا گیا ہے جس میں وزیر اعظم صدر کو کابینہ کے ریاستی امور سے متعلق کئے گئے فیصلوں اور قانون سازی کے حوالے سے کی گئی تجاویز سے آگاہ رکھنے کا پابند ہے، جبکہ صدر خود بھی ایسی کوئی معلومات طلب کرسکتا ہے، صدر وزیر اعظم یا وزراء کی جانب سے کابینہ کے سامنے نہ رکھے جانے والے معاملات پر انہیں، "اس معاملہ" کو کابینہ کے سامنے پیش کرنے کی ہدایت جاری کرسکتا ہے۔ دستور پاکستان کا ڈھانچہ وفاقی ہے لیکن مزکورہ بالا شرائط سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ یہ بنیادی طور پر برٹش پارلیمانی نظام سے نمونہ لیا گیا ہے

......آئین میں آرٹیکل (b) (2) 58 غلطیوں سے بچانے کے لیے شامل کیا گیا تھا نہ کہ صدر کی جانب سے غلطی کی حفاظت کے شامل کیا گیا تھا اس آرٹیکل کو عقلمندی اور احتیاط کے ساتھ سپریم کورٹ کی جانب سے "طے کردہ پیمانہ" کے مطابق استعمال کرنے کی ضرورت ہے (وفاق پاکستان بنام حاجی محمد سیف اللہ)

......آرٹیکل 41 صدر ملک کے اتحاد کی علامت ہے جسے قومی اور صوبائی اسمبلیز منتخب کرتی ہیں، ایک منقسم معاشرہ "جہاں پر نسلی، صوبائی اور دیگر اختلافات ہوں" میں سماجی یکسانیت، جمہوریت اور قومی جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لیے صدر کا کردار بہت ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اگر صدر سیاست سے بچ بچا کر ایک غیر متنازعہ شخصیت کے طور پر کام کرے تو یہ مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں، آئین کے آرٹیکل 33 کے تحت ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ شہریوں کے مابین نسلی، قبائلی، فرقہ ورانہ، اور صوبائی تعصبات سمیت ہر طرح کے تعصب کی حوصلہ شکنی کرے۔

......آرٹیکل (b)(2)58 کے تحت 18 اپریل 1993ء کو صدارتی حکمنامہ کے تحت قومی اسمبلی کی تحلیل کے عمل سے یہ منطقی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ صدر نے نہ صرف آئین کی روح کے خلاف اقدام اٹھایا ہے بلکہ اس اقدام کی کوئی معقول اور حقیقی وجوہات نہ تھیں اور صدر کا یہ فرمان غیر آئینی اور ناپائیدار تھا۔

......صدر کے پاس قومی اسمبلی کی قبل از وقت تحلیل کا اختیار ہے لیکن صرف آرٹیکل (b)(2)58 میں بیان کی گئی صورتحال کے عین مطابق ہی اس اختیار کو استعمال کیا جاسکتا ہے، (b)(2)58 اپنے متن میں ریاست کے تین آرگنز کا ذکر کرتا ہے

اول : صدر مملکت

دوم : قومی اسمبلی

سوم: وفاقی حکومت

قرارداد مقاصد میں بیان کیا گیا ہے کہ قومی اسمبلی عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوگی، جس کی مدت 5 سال ہوگی، آرٹیکل 64 کے تحت اس کے اراکین انفرادی طور پر مستعفی ہوسکتے ہیں لیکن اگر تمام ممبران ہی مستعفی ہوں تو اس کا نتیجہ اسمبلی کی تحلیل کی صورت میں نکلے گا۔ آرٹیکل 58 صدر اور وزیر اعظم کو اختیار دیتا ہے کہ وہ مخصوص بنیادوں پر اسمبلی کو تحلیل کرسکتے ہیں۔ اگر صدر سوچتا ہے کہ اس کی جانب سے ہوشیار کرنے اور تنبیہ

Scanned with CamScanner

کے باوجود اسے عوامی مفاد کے خلاف ایڈوائس بھجوائی گئی یا اثر انداز ہونے کی کوشش کی گئی ہے تو اس کے پاس صرف ایک ہی راستہ کھلا ہے کہ وہ قومی اسمبلی کو آگاہ کرے کہ اس معاملہ کے وزیر اعظم اور اس کی کابینہ ذمہ دار ہیں یا وہ مستعفی ہو کر ان سے لاتعلقی کا اظہار کرے، جب تک قومی اسمبلی وزیر اعظم اور اس کی کابینہ پر اعتماد کا اظہار کرتی ہے اس وقت تک صدر انہیں کسی صورت نہیں ہٹا سکتا، جو کام بلاواسطہ طریقہ سے نہیں کیا جا سکتا اسے بالواسطہ طریقہ سے بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کے اراکین عوامی نمائندے ہونے کی بناء پر جانتے ہیں کہ لوگوں کے لیے کیا اچھا اور کیا برا ہے اس لیے اگر وہ پالیسیاں بناتے یا کوئی اقدام کرتے ہیں تو صدر کو اس میں کسی قسم کی مداخلت کا حق نہیں ہے۔ صدر ایسے الزامات یا خرابیوں کو بنیاد بنا کر قومی اسمبلی کو تحلیل کر کے بالواسطہ طریقہ سے وزیر اعظم یا اس کی کابینہ سے جان نہیں چھڑا سکتا، کیونکہ صدر کے پاس نہ تو کابینہ کو برخاست کرنے کا اختیار ہے اور نہ ہی وہ قومی اسمبلی کا کنٹرولر یا سپر وائزر ہے

آرٹیکل 58(2)(b) کے تحت صدر کو اسمبلی کی تحلیل سے قبل یہ بھی دیکھنا ہے کہ کوئی اور رکن تو پارلیمنٹ سے اعتماد کا ووٹ حاصل نہیں کر سکتا؟ اس طرح صدر کے پاس نہ تو کابینہ کو کنٹرول کرنے کا کوئی اختیار ہے اور نہ ہی قومی اسمبلی اس کے رحم و کرم پر ہے اگر صدر ایسے وزیر اعظم کو ہٹائے جسے ایوان میں اکثریت کا اعتماد حاصل ہو تو صدر اس صورت میں آئین کو منسوخ کرنے کا ملزم ہوگا جس پر آئین کے آرٹیکل 6 کو فعال کیا جا سکتا ہے ۔آئین کی پامالی یا منسوخ کرنے، اس حوالے سے کوشش یا سازش کرنے کی صورت میں میں صدر کو آئین کے آرٹیکل 248 کے تحت حاصل استثنٰی کام نہیں آئے گا۔ عدالت کو بھی اس حوالے سے مقدمات کی سماعت کرتے ہوئے دیکھنا چاہیے کہ

اول : کہ کیا اس وقت آئینی مشینری کا حقیقی اور واضح بریک ڈاؤن تھا؟

دوم : کیا واقعی کوئی ایسی ناکامی تھی جس سے یہ تاثر ابھرتا ہو کہ ملک آئین کے مطابق نہیں چل رہا بلکہ ایکسٹرا کانسٹی ٹیوشنل طریقہ سے چل رہا ہے۔

سوم : کیا آئینی بحران کا واضح خطرہ تھا جس پر ابتداء میں ہی نمٹنے کے لیے یہ فوری اقدام اٹھایا گیا تھا۔

چہارم کیا یہ سب کچھ اس بحران کے برے اثرات سے بچنے کے لیے ضروری تھا؟

قرآن پاک میں زور دے کر کہا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے افعال کا پھل خود کھائے گا اور کوئی روح دوسرے کا وزن نہیں اٹھائے گی (Q.6:165) اگر قومی اسمبلی ٹھیک طور پر کام کر رہی ہے اور وہاں پر کوئی آئینی بحران نہیں ہے تو صدر نہ تو وزیر اعظم یا کابینہ کو برخاست کر سکتا ہے اور نہ ہی قومی اسمبلی کو تحلیل کر سکتا ہے، صدر کا قومی اسمبلی کی تحلیل کا حکم ایک اور بنیاد پر بھی قابل قبول نہیں ہے، قرارداد مقاصد جو کہ آئین کا حصہ ہے اس کے ابتدائی حصہ میں کہا گیا ہے کہ اقتدار کی کامل مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لہٰذا اللہ کا قانون سب سے اعلیٰ، انمٹ، اصلی اور ناقابل تبدیل یا ترمیم ہے اور انسانوں کا بنایا گیا کوئی بھی قانون اگر اس سے متصادم ہو تو اسے پارلیمنٹ، عدلیہ یا کسی بھی دستیاب طریقہ کار سے ختم کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار پاکستان کے عوام کو دیا ہے۔ قومی اسمبلی کی قبل از وقت تحلیل اس کے ممبران، عوام اور قومی خزانے کو ایک بہت بڑی سزا ہے ممبران اپنی باقی ماندہ مدت سے محروم ہو گئے جو کہ انہیں آئین نے دی تھی، اب انہیں انتخابات میں حصہ لینے کے لیے دوبارہ لاکھوں روپے خرچ کرنا پڑیں گے جبکہ ان کے دوبارہ منتخب ہونے کی کوئی ضمانت بھی نہیں ہے۔ قوم جاری پالیسیوں اور منصوبوں کے کام سے محروم ہو گئی ہے، ملک میں عدم استحکام اور بے یقینی کی کیفیت کی وجہ سے اندرون ملک و بیرون ملک سرمایہ کاروں کے اعتماد میں کمی ہوئی ہے۔ ملک معاشی اور انتظامی انتشار کا شکار ہے، نئے انتخابات پر اب دوبارہ کروڑوں روپے خرچ ہوں گے صدر نے اسمبلی تحلیل کر کے صرف وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کے اراکین ہی کو سزا نہیں دی بلکہ یہ سزا ان اراکین کو بھی ملی ہے جو یا تو اپوزیشن میں تھے یا بطور آزاد رکن کام کر رہے تھے اور اس سب کچھ سے بڑھ کر اس کی سزا عوام کو ملی ہے جن کا کوئی قصور ہی نہیں ہے۔ صدر کی جانب سے آئین کے آرٹیکل 58(2)(b) کے تحت قومی اسمبلی کی تحلیل، اور وزیر اعظم اور کابینہ کی برخاستگی

یہ حکم نامہ ظاہر کرتا ہے کہ اس میں جو جو جواز یا وجوہات بیان کی گئی ہیں، ان کا صدر کے آئینی اختیارات سے کوئی تعلق نہیں ہے، صدر نے قومی اسمبلی کو سزا دی ہے جس نے ایک گستاخ اور غیر مہذب وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار نہیں کیا ہے، یہ حکم "غصے اور انتقام کی حالت میں" اس غلط خیال کے ساتھ جاری کیا گیا تھا کہ آئین نے صدر کو یہ سب کچھ کرنے کا اختیار دے رکھا ہے عدالت اس حکم نامہ کو معاف نہیں کر سکتی اور اسے غیر آئینی اور کالعدم قرار دیتی ہے۔ بدقسمتی سے صدر نے یہ خود ہی یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ حکومت کی کارکردگی پر جج ہیں اور کابینہ کو بھی سزا دینے کا اختیار رکھتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے، وہ خود کو ایک مجاز اتھارٹی سمجھتے ہیں جبکہ کابینہ کو سول سرونٹس تصور کرتے ہوئے ایفی شنسی اینڈ ڈسپلن رولز کے تحت انہیں تکلیف پہنچانے کے لیے ان پر بھاری پنلٹی (جرمانہ) ڈالی ہے۔ صدر مکمل طور پر غلطی پر تھے، انہیں آئین نے ایسا کوئی اختیار نہیں دے رکھا تھا، ان تمام الزامات کے باوجود قومی اسمبلی ہی تمام اختیارات کی بلاشرکت غیرے مالک تھی اور وزیر اعظم اور ان کی کابینہ صرف اسی کے سامنے ہی جوابدہ تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

جھلکیاں 8 مئی

ہفتہ کی صبح سپریم کورٹ کی عمارت کے اردگرد زبردست حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے۔

O......عدالت کی کارروائی دیکھنے کے لیے سپریم کورٹ انتظامیہ نے محدود کارڈ جاری کیے تھے جبکہ سابق وزراء، ارکان اسمبلی، سیاسی رہنما، وکلاء اور اخبار نویس داخلہ پاس کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔

O......سپریم کورٹ کی نئی عمارت اسلام آباد کی شاہراہ دستور پر ابھی زیر تعمیر ہے۔ اس عمارت کے ایک چھوٹے کورٹ روم میں عدالت کے فل بنچ نے قومی اسمبلی تحلیل کیے جانے کے بارے میں رٹ کی سماعت شروع کی۔

O......کمرۂ عدالت میں داخلہ خصوصی پاسز کے ذریعے ہوا۔ سپریم کورٹ سیکرٹریٹ کی طرف سے ٦٠ پاسز جاری کیے گئے تھے۔ پاس حاصل کرنے والوں میں سابق ڈپٹی سپیکر حاجی نواز کھوکھر، سابق وفاقی وزراء، امریکہ میں پاکستان کی سابق سفیر بیگم عابدہ حسین، وکلاء اور اخبار نویس شامل تھے جبکہ متعدد اخبار نویس جنہیں پاسز نہیں مل سکے۔ انہیں کارروائی کے آغاز سے تھوڑی دیر قبل پاسز کے بغیر ہی رجسٹرار محمد لطیف کے حکم پر کمرۂ عدالت میں جانے کی اجازت دے دی گئی۔

O......سپریم کورٹ کی عمارت میں ابھی کینٹے ٹیریا نے کام شروع نہیں کیا اگرچہ بار روم سے ملحق کمرے میں جدید کچن اور کینٹے ٹیریا بنا دیا گیا ہے لیکن ابھی اس کا غالباً کنٹریکٹ نہیں ہو سکا۔ چنانچہ ہفتہ کے روز قومی اسمبلی توڑے جانے کے خلاف رٹ پٹیشنوں کی سماعت کے وقفے میں وکلاء اور مہمانوں کو چائے کے سلسلہ میں سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ اخبار نویسوں نے زیر تعمیر عمارت کے قریب ایک کھوکھے سے چائے پی جبکہ وکلاء بھی سپریم کورٹ کے بار روم میں اسی کھوکھے سے چائے منگوا کر پیتے رہے۔

O......سپریم کورٹ میں سابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کے آنے کی خبر گرم تھی جس کی وجہ سے عمارت کے اندر اور باہر سخت حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے جبکہ عمارت کے باہر شاہراہ دستور پر متاثرین تاج کمپنی کی بڑی تعداد بینر اور پلے کارڈ لیے موجود تھی۔ یہ متاثرین سماعت کے دوران ”ہماری رقوم واپس کرو“ اور ”نواز شریف مردہ باد“ کے نعرے لگاتے رہے۔ پولیس کی بھاری نفری مظاہرین کے اردگرد موجود تھی۔ تاہم کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

O......نئی عمارت کے اندر زیادہ گاڑیوں کی پارکنگ کا فی الحال اہتمام نہیں ہے۔ لہٰذا اخبار نویسوں اور بعض وکلاء اور سابق ارکان قومی اسمبلی نے اپنی گاڑیاں عمارت کے سامنے درختوں کے نیچے پارک کیں اور انہیں پیدل عمارت تک جانا پڑا۔

O......سپریم کورٹ میں پٹیشن گزاروں کے وکیل مسٹر یحییٰ بختیار ہفتہ کے روز عدالت میں موجود نہیں تھے۔ چنانچہ پٹیشن گزاروں کی طرف سے پیروی خالد انور ایڈووکیٹ نے کی جبکہ ان کی معاونت کے لیے متعدد دیگر وکلاء موجود تھے۔ خالد انور کراچی میں پریکٹس کرتے ہیں۔ وہ پاکستان کے سابق وزیراعظم چوہدری محمد علی مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ انہوں نے سیاسی انصاف بنیادی حقوق کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں کے موضوع پر بھی دلائل دیئے۔

O......سپریم کورٹ کے کمرۂ عدالت میں نشستوں کی کمی کے باعث داخلہ پاس کی مانگ بہت زیادہ تھی کہ ایک وکیل نے تجویز پیش کی کہ مقدمہ کی سماعت قومی اسمبلی ہال میں ہو تو نشستوں کی کمی کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

جھلکیاں 9 مئی

سپریم کورٹ آف پاکستان گیارہ فاضل ججوں پر مشتمل تھا۔ فل کورٹ نے اتوار کو دوسرے روز بھی نواز شریف کی آئینی پٹیشن کی سماعت جاری رکھی۔ درخواست گزار کے وکیل خالد انور نے صبح ساڑھے نو بجے سے دن کے ایک بجے تک دلائل دیئے۔

O.....سابق وزیر اعظم کے علاوہ سابق وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین وغیرہ اور ملک رئیس کے وکلاء پیر کو اپنے دلائل مکمل کرلیں گے اور اٹارنی جنرل عزیز اے منشی اور سرکاری وکیل ایس ایم ظفر منگل کی صبح سے ان دلائل کا جواب دینا شروع کریں گے۔

O.....سابق وزیر اعظم نواز شریف.....صبح نو بجے سے چائے کے وقفے تک کمرۂ عدالت میں رہے۔ اس دوران سابق وزراء، سابق ارکان قومی اسمبلی اور قانون دانوں سے کمرۂ عدالت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

O.....بیشتر وکلاء سیاستدانوں اور سابق ارکان اسمبلی کو انٹری پاس نہ ملنے کی وجہ سے عدالت عظمیٰ سے واپس جاتے دیکھا گیا۔

O.....بیگم نسیم ولی خان، بیگم عابدہ حسین، بیگم عشرت اشرف، بیگم رشید پاشا کھوڑو اور بیگم ریحانہ حسین ملک آخر تک کمرۂ عدالت میں کارروائی سنتی رہیں۔

O.....اتوار کو صرف چند منٹوں کے لیے اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے روسٹرم سنبھالا اس دوران انہوں نے صدر مملکت کے بارے میں ریمارکس حذف کرنے کی استدعا کی جسے چیف جسٹس نے قبول کرلیا اور اخبار نویسوں کو متعلقہ ریمارکس نہ شائع کرنے کی ہدایت کی۔

O.....مقدمے کی کارروائی کی کوریج کے لیے مامور اخبار نویسوں کو کھڑے ہو کر پوائنٹس لکھنے پڑے کیونکہ نشستوں پر غیر متعلقہ ایسے لوگ براجمان تھے جو صرف عدالتی کارروائی سننے کے لیے آتے ہیں۔

O.....کمرۂ عدالت سے نکلنے کے بعد سابق وزیر اعظم نواز شریف نے اے این پی کی لیڈر بیگم نسیم ولی خان پاکستان مسلم لیگ شعبہ خواتین کی سیکرٹری جنرل عشرت اشرف اور سابق ایم این اے رشیدہ پاشا کھوڑو سے غیر رسمی گفتگو کی۔

نواز شریف.....عشرت دیکھیں بیگم نسیم ولی خان ہمارے کیس میں کتنی دلچسپی لے رہی ہیں۔

عشرت اشرف.....جناب! یہ خصوصی طور پر پشاور سے یہاں آئی ہیں جہاں آپ کا تاریخی استقبال ہوا ہے۔

نسیم ولی.....یہ ہمارا کیس ہے ہم نے نواز شریف کا سکھ میں ساتھ دیا تھا، دکھ میں بھی ساتھ رہیں گے۔ ان پر ہونے والا وار اپنے سینے پر لیں گے ہم بھاگنے والے نہیں۔

نواز شریف.....بیگم صاحبہ! میں مشکور ہوں مسلم لیگ اور اے این پی کا ساتھ مضبوط سے مضبوط ہوگا۔

نسیم ولی خان.....مسلم لیگ کی سیکرٹری جنرل عشرت اشرف کے ساتھ مل کر ہم مشترکہ لائحہ عمل بنانے کا سوچ رہے ہیں جس سے دونوں جماعتیں مضبوط ہوں گی۔

O.....فاضل جج صاحبان کے آنے سے قبل سابق وزراء، سابق ارکان قومی اسمبلی اور سینیٹر بڑی تعداد میں نواز شریف کی نشست پر جا کر ان سے ہاتھ ملاتے رہے اور ان سے تبادلہ خیال کرتے رہے۔

O.....سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے ارکان نے سابق وزیر اعظم نواز شریف کو چائے پیش کی۔ عدالت عظمیٰ کی نئی عمارت میں تاحال کینٹین والے نے کام شروع نہیں کیا۔ اس لیے نواز شریف نے دوسرے وکلاء کے ساتھ مزدوروں کے لیے بنائے گئے کھوکھے کی بنی ہوئی چائے پی۔

Scanned with CamScanner

O...... سابق وزیر اعظم نے کمرۂ عدالت کے اندر اور بار روم میں سابق اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار سے ملاقات کی۔

نواز شریف...... آپ کل کمرۂ عدالت میں تشریف نہیں لائے۔

یحییٰ بختیار...... انہوں نے مجھے روکا تھا۔

نواز شریف...... آپ میرے وکیل ہیں ہماری تو خوشی اور خواہش ہے کہ آپ تشریف لائیں۔

چوہدری عبدالغفور...... کل تو ہم آپ کا انتظار کرتے رہے۔

یحییٰ بختیار...... دلائل میں نے تیار کر لیے ہیں۔

نواز شریف...... آپ ہمارے لیے اثاثہ ہیں۔ آپ سینئر قانون دان ہیں۔

O...... بعدازاں نواز شریف شجاعت حسین، شیخ رشید اور جاوید ہاشمی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر عدالت عظمیٰ سے چلے گئے۔

O...... کمرۂ عدالت میں گوہر ایوب نے دوبار درخواست گزار کے وکیل خالد انور کے کان میں کچھ باتیں کیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جھلکیاں 10 مئی

قومی اسمبلی توڑنے کے صدارتی اقدام کے خلاف نواز شریف کی آئینی پٹیشن کی سماعت پیر کو تیسرے روز بھی جاری رہی اور سینئر ایڈووکیٹ خالد انور نے صدارتی فرمان کے نکات کا جواب دیا۔

O...... ۸۸ ارکان قومی اسمبلی کے صدر کو استعفیٰ پیش کیے جانے کے حوالے سے خالد انور نے یہ انکشاف کر کے کورٹ روم کو زعفران زار بنا دیا کہ کن استعفوں کی بات ہو رہی ہے۔ ان میں پی پی پی کے سید فیصل صالح حیات کا وہ استعفیٰ بھی شامل ہے جس میں لکھا گیا ہے کہ وہ نگران حکومت کی زیادتیوں کے خلاف قومی اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے رہے ہیں۔

O...... کمرۂ عدالت میں گیارہ فاضل جج صاحبان کے علاوہ سپیکر آف پاکستان، سابق وزراء، سابق ارکان قومی اسمبلی، سینیٹر اور سیاسی شخصیات بڑی تعداد میں موجود تھیں۔

O...... معروف قانون دان ایس ایم ظفر پیر کو کمرۂ عدالت میں نہیں آئے ان کے ایک ساتھی نے بتایا کہ وہ کیس کی تیاری میں مصروف ہیں۔

O...... خالد انور کی ایک دلیل کا ذکر بڑے لطیف پیرائے میں ہوا۔ انہوں نے کہا کہ میونسپلٹی بھی کسی خاکروب کو وارننگ اور شوکاز نوٹس کے بغیر نہیں نکال سکتی۔ صدر نے نہ جانے کیوں ۲۱۷ ارکان قومی اسمبلی کو بغیر وارننگ کے چلتا کیا۔ اس پر چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ شاید صدر صاحب بڑی جلدی میں تھے۔ آپ بھی جلدی میں ہوتے تو کیا کرتے۔ خالد انور نے کہا کہ واقعی جلدی تھی۔ اگلے روز قومی اسمبلی کا اجلاس ہونے والا تھا۔ صدر کو ڈر تھا کہ شاید وہاں ان کے مواخذے کی قرارداد نہ آ جائے۔

O...... سابق آرمی چیف جنرل آصف نواز کی اہلیہ بیگم نزہت نواز کا ذکر بھی عدالت عظمیٰ میں آیا۔ درخواست گزار کے وکیل نے کہا کہ جنرل آصف نواز کے انتقال کی تحقیقات کے لیے عدالتی کمیشن تک قائم کر دیا گیا تھا۔ پھر بھی صدر نے حکومت اور اسمبلی توڑنے کے لیے بیگم صاحبہ کا بھی سہارا لیا حالانکہ آج تک اس سلسلے میں ایف آئی آر نہیں کاٹی گئی اب تو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

O......مشترکہ مفادات کونسل کی عدم کارکردگی کو اسمبلی توڑنے کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے درخواست گزار کے وکیل نے کہا کہ ظلم کی حد تو یہ ہے کہ مشترکہ مفادات کی کونسل کی اتنی عمدہ کارکردگی کو ہدف تنقید بنایا گیا جس نے دریائے سندھ کے پانی کا صوبوں کے درمیان تنازعہ متفقہ طور پر طے کر دیا۔ اڑھائی سال میں اس مشترکہ مفادات کونسل کے اجلاس پندرہ سالوں سے بھی زیادہ ہوئے۔

O......خالد انور نے کہا کہ محترمہ بے نظیر نے ایک بیان میں کہا ہے کہ بزنس مین وزیراعظم ۱۷ اپریل کی تقریر کے بعد سیاستدان بن گیا ہے۔ ۱۷ اپریل کی تقریر کو اس حوالے سے بھی دیکھا جائے کہ ایک سیاستدان دوسرے سیاستدان کی کس قدر تعریف کرنے لگا ہے۔

O......خالد انور نے سابق وزیراعظم نواز شریف کی تقریر پر صدارتی اعتراض کے حوالے سے ایک موقع پر کہا کہ مختلف افراد کا بات کرنے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ عام آدمی مکڑی کو مکڑی کہے گا سیاستدان اسے گندا کیڑا کہے گا اور ماہر زراعت اسے زرعی بیماری قرار دے گا۔

O......امریکہ اور فرانس کے دساتیر اور حکومتوں کا بھی عدالت عظمٰی میں ذکر ہوا۔ خالد انور نے کہا کہ فرانس کے چند ہفتے قبل کے الیکشن میں صدر کی پارٹی ہار گئی ہے۔ پارلیمنٹ میں مخالف پارٹی جیتی ہے لیکن صدر صدر ہیں صدر اور وزیراعظم کے مابین اچھے تعلقات کار ہیں۔ اسی طرح امریکہ میں صدر کسی پارٹی کا ہوتا ہے۔ کانگریس میں اکثریت کسی پارٹی کی ہوتی ہے لیکن وہاں تو صدر کانگریس کو نہیں توڑتا۔ دونوں آئین کی حدود میں رہ کر فرائض سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جھلکیاں 11 مئی

☆......سپریم کورٹ میں سابق وزیراعظم محمد نواز شریف کی آئینی پٹیشن پر منگل کو چوتھے روز بھی سماعت جاری رہی۔ منگل کو چونکہ سابق وزیراعظم نواز شریف ایبٹ آباد میں خطاب کر رہے تھے۔ اس لیے کمرۂ عدالت میں سابق وفاقی وزراء اور سابق ارکان اسمبلی کی تعداد بھی کم تھی۔ البتہ کمرۂ عدالت قانون دانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

☆......منگل کو پہلی مرتبہ کمرۂ عدالت میں پیپلز پارٹی کے رہنما بڑی تعداد میں عدالت کی کارروائی سننے کے لیے آئے۔ ان میں وفاقی وزیر ظفر لغاری، سینیٹر اقبال حیدر، نذر حسین کیانی، سلطان محمود قاضی، ڈپٹی میئر راجہ الطاف، باجی نصرت رشید، عابدہ ملک، اظہار امروہی، علی اصغر کیانی، نیئر بخاری، احتشام الحق، جہانگیر اختر، طارق جہانگیری اور کامران رضوی شامل تھے۔

☆......سپریم کورٹ کی عمارت کے سامنے شاہراہ دستور پر کوآپریٹو اور تاج کمپنی کے متاثرین نے احتجاجی بینرز لگائے ہوئے تھے۔

☆......سپریم کورٹ کی عمارت کے اردگرد پولیس کی بھاری جمعیت بدستور موجود رہی اور کمرۂ عدالت میں داخلہ بذریعہ پاس کی پابندی جاری رہی۔

☆...... چائے کے وقفے کے دوران سابق ایم این اے میاں شہباز شریف سینئر ایڈووکیٹ خالد انور سے کافی دیر تک بار روم کے اندر آہستگی سے صلاح مشورہ کرتے رہے۔

☆......بیگم نجمہ حمید نے سپریم کورٹ بلڈنگ میں آئی ہوئی خواتین کو دعوت دی کہ وہ اسمبلی کی بحالی کی خاطر بدھ کو شام چھ بجے سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی کی اپنی رہائشگاہ پر سورۃ الفتح ایک ہزار دفعہ پڑھائیں گی سب کو انہوں نے اس پاک محفل میں شرکت کی دعوت دی۔

☆......یحییٰ بختیار نے اپنے دلائل کے دوران ڈاکٹر یوسف گورایہ کی کتاب کی جلدیں "اسلام آئین اور صوابدید" ججوں میں تقسیم کیں۔

☆......سماعت بدھ تک ملتوی ہونے سے چند منٹ پہلے ایس ایم ظفر ایڈووکیٹ روسٹرم پر آئے چیف جسٹس نے کہا کہ آپ کوکل سنیں گے تو سینئر ایڈووکیٹ نے کہا کہ کل میں عدالت میں نہیں آسکا۔ میری غیر حاضری کا نوٹس لیا گیا میں وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ کل میرے موکل نے مجھے بلوایا تھا۔

☆......منگل کو سماعت کے دوران شعروشاعری کا سلسلہ شروع ہوا۔ یحییٰ بختیار نے دلائل دیتے ہوئے علامہ اقبال کے شعر کا مصرعہ پڑھا۔

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

جواباً مسٹر جسٹس محمد رفیق تارڑ نے یہ مصرعہ پڑھا۔

بنتی ہے پھر تو بادہ و ساغر کہے بغیر

ایک اور موقع پر جب صدر کے اختیارات کا موضوع زیر بحث تھا۔ مسٹر جسٹس محمد رفیق تارڑ نے یحییٰ بختیار کے مقابلے میں یہ شعر پڑھا۔

سروری زیبا فقط اک ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

☆......یحییٰ بختیار نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ آئین کے مطابق آرمی کمانڈر کا تقرر صدر کرتے ہیں جبکہ وزیر اعظم برطرف شدہ آرمی کمانڈر کو بحال کر سکتے ہیں۔ چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا کہ برطرف شدہ اسمبلی کو کیا وزیر اعظم بحال کر سکتے ہیں۔

☆...... عدالت کا وقت ختم ہونے والا تھا۔ ڈاکٹر فاروق حسن ایڈووکیٹ تیزی سے دلائل دینے لگے تو چیف جسٹس نے کہا کہ آپ آہستہ آہستہ دلائل دیں۔ ڈاکٹر فاروق حسن نے کہا کہ وقت ختم ہو رہا ہے۔ وہ آج کے آخری بیٹسمین ہیں۔ چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ یہ درست ہے ویسٹ انڈیز نے آخری وکٹ پر سو رنز بنا لیے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جھلکیاں 12 مئی

☆...... عدالت میں زبردست گہما گہمی

☆...... نواز شریف بھی کارروائی سنتے رہے

☆...... آپ ہماری حکومت گرانے میں مصروف ہیں

☆...... کبھی کوکا کولا پینے ہی گھر آجایا کریں

☆...... یہ ہمیشہ اسمبلی توڑنے والے کے ساتھ ہوتے ہیں

☆...... اٹارنی جنرل نے ہمارا کیس مضبوط بنا دیا ہے۔

بدھ کو دن سپریم کورٹ میں زبردست گہما گہمی دیکھنے میں آئی، عدالت کی کارروائی سننے کے لیے سابق وزیر اعظم نواز شریف چائے کے وقفے تک موجود رہے۔ ان کے علاوہ سابق چیف آف آرمی سٹاف جنرل ریٹائرڈ مرزا اسلم بیگ، سید افتخار گیلانی اور حاجی سیف اللہ بالخصوص

Scanned with CamScanner

توجہ کا مرکز بنے رہے۔

○ سماعت کے دوران حاجی سیف اللہ، افتخار گیلانی اور سید فخر امام ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ وہ اس دوران دیے جانے والے دلائل پر باہمی رائے زنی کرتے رہے۔

○ سابق وزیر اعظم نواز شریف نے بار روم میں اخبار نویسوں کے سوالات پر کہا کہ وہ آج میٹ دی پریس پروگرام میں شریک ہو رہے ہیں۔ اس لیے وہاں بات چیت ہوگی۔

○ چائے کا وقفہ ہوا تو سابق وزیر اسلم خٹک نے اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی سے کہا کہ آپ ہماری حکومت گرانے میں مصروف ہیں۔ شام کو بھی گھر کوکولا پینے ہی آ جایا کریں۔ اس دوران سابق وزیر اعظم نواز شریف بھی ان کے قریب آ گئے۔ انہوں نے اٹارنی جنرل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہمیشہ اسمبلی توڑنے والے کے ساتھ ہوتے ہیں۔

○ سابق وزیر اعظم نواز شریف نے چائے کے وقفے کے دوران سید افتخار گیلانی سے مصافحہ کیا اور خیریت دریافت کی۔ انہوں نے فوٹو گرافروں سے کہا کہ وہ جلدی سے تصویریں بنا لیں۔ اس کے بعد انہیں افتخار گیلانی سے بات کرنی ہے جس کے بعد وہ لابی کے ایک کونے میں علیحدگی میں باتیں کرتے رہے۔ سید غوث علی شاہ نے جو وہیں موجود تھے افتخار گیلانی سے کہا کہ وہ اپنی اقامت گاہ پر انتظار کریں گے۔ افتخار گیلانی نے مسکراتے ہوئے کہا کہ جی ضرور حاضر ہوں گے۔ افتخار گیلانی جانے لگے تو شہباز شریف نے کہا کہ شاہ جی مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔ اس کے بعد دونوں علیحدگی میں باتیں کرتے رہے۔

○ بار روم میں نواز شریف وکلاء سے تبادلہ خیال کر رہے تھے کہ ایک شخص نے نواز شریف سے کہا کہ ان کی بیٹی آپ کی مداح ہے اور ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ نواز شریف نے کہا کہ وہ اتوار کے بعد چوہدری شجاعت کے گھر آئیں گے تو ضرور ملاقات کریں گے۔

○ نواز شریف نے ایک سوال پر کہا کہ احمد رضا قصوری کا دل ہمارے ساتھ اور ہمارا دل ان کے ساتھ ہے۔

○ اسمبلی توڑنے کے اقدام کے خلاف ایک درخواست گزار ملک رئیس احمد نے نواز شریف کو اپنی پٹیشن کی کاپی پیش کی۔

○ پیپلز پارٹی کے کچھ رہنما بھی عدالت کی کارروائی سننے کے لیے کمرہ عدالت میں موجود تھے۔ ان میں وفاقی وزیر ظفر لغاری، منظر حسین گیلانی اور مخدوم الطاف شامل تھے۔

○ بدھ کو عدالتی کارروائی سننے والوں میں سپیکر قومی اسمبلی گوہر ایوب، نواز کھوکھر، اسلم خٹک، مولانا عبدالستار خان نیازی، سیدہ عابدہ حسین، فخر امام، چوہدری اسد الرحمن، میاں شہباز شریف، میاں وحید، افتخار گیلانی، جنرل مجید ملک، چوہدری شجاعت، مجیب الرحمن شامی، چوہدری عبدالغفور، چوہدری امیر حسین، جاوید ہاشمی، غلام دستگیر، غوث علی شاہ، شیخ رشید احمد، رانا نذیر احمد، برجیس طاہر، نعیم چٹھہ، نذیر ورک اور پیٹر جان سہوترا شامل تھے۔

○ قرارداد مقاصد پر اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی نے جذباتی انداز میں روشنی ڈالی تو نواز شریف کے وکیل انور خالد نے کہا کہ اٹارنی جنرل کو وہ ووٹ کرتے ہیں۔ انہوں نے حکومت کے اٹارنی ہوتے ہوئے بھی جرات مندی کے ساتھ ایسی باتیں کہی ہیں جن سے ہمارے کیس کی مضبوطی اور وضاحت ہوگئی ہے۔

○ اے این پی کے صدر اجمل خٹک کی پٹیشن میں ڈاکٹر پروفیسر فاروق حسن طویل دلائل دے رہے تھے کہ نواز شریف کے وکلاء کے پینل کی طرف سے انہیں چٹ بھجوائی گئی کہ وہ اپنے دلائل مختصر کریں۔

O.....سماعت کے بعد جب ایک اخبار نویس نے سینئر ایڈووکیٹ خالد انور سے کہا کہ آپ نے کمرۂ عدالت میں اٹارنی جنرل عزیز اے منشی کے دلائل کو اپنے حق میں قرار دینے کی جو بات کی ہے اس سے تو یوں لگتا ہے کہ آپ ان کی نوکری کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ خالد انور نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا کہ ہرگز نہیں ایسی نوک جھونک چلتی رہتی ہے۔ عزیز اے منشی تو میرے مہربان دوست ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جھلکیاں 15 مئی.................(13/ 14 مئی سماعت نہیں ہوئی)

سپریم کورٹ آف پاکستان میں ہفتے کو اٹارنی جنرل آف پاکستان عزیز اے منشی نے صدارتی اقدام کے حق میں دلائل پیش کیے۔ دلائل جاری تھے کہ عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔ آئندہ سماعت اتوار کی صبح ساڑھے نو بجے ہوگی۔

O.....کارروائی سننے کے لیے سابق قومی اسمبلی کے سپیکر گوہر ایوب خان، سابق وزراء، ارکان قومی اسمبلی کے علاوہ بیگم نسیم ولی خان، سیدہ عابدہ حسین، ممتاز قانون دان اور وکلاء بڑی تعداد میں موجود تھے۔

O.....ایک موقع پر جبکہ دلائل ٹو دی پوائنٹ نہیں دیئے جا رہے تھے تو جسٹس رفیق تارڑ کو یہ شعر کہنا پڑا

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

O.....چائے کے وقفے سے قبل چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کئی بار اٹارنی جنرل کو ٹوکا اور کہا کہ وہ صدارتی فرمان پر فریق مخالف کی طرف سے اٹھائے گئے نکات کا جواب دیں۔ ویسے ہم ڈیڑھ سال سے آپ کو سن رہے ہیں۔ ایک بھی اعتراض کا جواب آپ نے نہیں دیا۔

O.....عزیز اے منشی! سر! ڈیڑھ سال نہیں ڈیڑھ گھنٹے سے بول رہا ہوں۔ چیف جسٹس، آپ کا ڈیڑھ گھنٹہ بولنا ہمارے قانون کو ڈیڑھ سال لگا ہے کیونکہ ٹو دی پوائنٹ دلائل آپ کی طرف سے اس دوران نہیں آئے۔

O.....چائے کے وقفے کے بعد اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے سابق وزیراعظم نواز شریف کی ۱۷ اپریل کی تقریر ڈپٹی اٹارنی جنرل چوہدری اعجاز احمد سے پڑھوائی۔

O.....اس دوران فاضل جج کہتے رہے کہ صرف متعلقہ حصے پڑھ دیں، اٹارنی جنرل نے کہا کہ میں اس تقریر کا انگریزی ترجمہ دو تین دن میں پیش کروں گا۔

O.....جج۔ کیا تقریر اردو میں نہیں ہوئی تھی، اٹارنی جنرل۔ جی اردو زبان میں کی گئی۔ فاضل جج پھر انگریزی ترجمے کی کیا ضرورت ہے، اگر واقعی ضرورت ہے تو پھر گجراتی زبان میں بھی نواز شریف کی تقریر کا ترجمہ کرا دیں۔

O.....اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے کہا کہ مائی لارڈ! صدر مملکت کو سابق وزیراعظم نواز شریف نے بلیک میلر، ہارس ٹریڈر کہا اس کے بعد وفاق کی حکومت کے لیے آئینی شقوں کے مطابق چلنا مشکل ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

جھلکیاں 16 مئی

☆.....عدالت سے باہر مفاہمت کی کوششیں

☆.....اٹارنی جنرل کی سرگوشیاں

☆.....اتنی انویسٹی گیشن کی کیا ضرورت ہے؟

☆.....۱۵ منٹ کی بجائے ایک گھنٹہ کا وقفہ

☆.....ترجمہ کے ساتھ اردو بھی پڑھیں

☆.....آئین کے آرٹیکل ۱۸۴(۳) کے تحت نواز شریف کی آئینی پٹیشن کی عدالت عظمیٰ کے اندر سماعت کے ساتھ ساتھ عدالت عظمیٰ کے باہر فریقین میں مفاہمت ومصالحت کی کوششیں شروع کر دی گئی ہیں۔

☆.....اتوار کو کمرۂ عدالت سے گیارہ فاضل ججوں کے چلے جانے کے فوراً بعد سابق وزیر خوراک وزراعت لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) عبدالمجید ملک سے کافی دیر تک اٹارنی جنرل عزیز اے منشی الگ نشستوں پر بیٹھ کر سرگوشیاں کرتے دیکھے گئے۔

☆.....کمرۂ عدالت سے باہر جب اٹارنی جنرل نکلے تو ان سے نواز شریف دور کے وزیر دفاع سید غوث علی شاہ ملے۔ اٹارنی جنرل عزیز اے منشی اور سید غوث علی شاہ بارہ منٹ تک سپریم کورٹ کی لابی میں کسی اہم معاملے پر صلاح مشورہ کرتے رہے۔

☆.....اٹارنی جنرل سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کوئی جواب دینے سے اجتناب کیا جبکہ وزیر خوراک وزراعت جنرل مجید ملک نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ بھئی اتنی انویسٹی گیشن کیوں کر رہے ہیں۔ منشی صاحب ہماری حکومت کے اٹارنی جنرل تھے۔

☆.....اتوار کو سپریم کورٹ میں چائے کا وقفہ پندرہ منٹ کی بجائے ایک گھنٹہ جاری رہا جس سے یہ بات کمرۂ عدالت میں کچھ لوگ کہتے سنے گئے کہ فاضل جج صاحبان اور اٹارنی جنرل کسی نئی صورتحال کے بارے میں ضروری صلاح مشورے کر رہے ہیں۔

☆.....چائے کے وقفے کے بعد سماعت پیر کی صبح تک ملتوی کرنے سے قبل چیف جسٹس نواز شریف کے وکیل خالد انور سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ قومی اسمبلی کی بحالی کی صورت میں کیا سابق وزیر اعظم نواز شریف آئین کے مطابق صدر سے تعاون اور تعلقات کار قائم رکھیں گے تو خالد انور نے کہا کہ اس کا میں کل جواب دوں گا۔ اس کی تصدیق بعد ازاں خالد انور نے بھی کی۔

☆.....خالد انور نے کہا کہ عدالت عظمیٰ کی ہدایت ملتے ہی ان کے موکل نواز شریف نے صدر مملکت پر تنقید کا سلسلہ بالکل بند کر رکھا ہے لیکن ٹیلی ویژن پر روزانہ ان کے موکل نواز شریف کی کردار کشی کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔

☆.....پیر کی صبح تک سماعت ملتوی کرنے سے قبل چیف جسٹس نے اٹارنی جنرل سے کہا کہ کل آپ اپنا سارا مواد تیار کر کے لائیں۔ اتوار کے دن کی طرح آپ کا مواد بے ترتیب اور نامکمل نہیں ہونا چاہئے۔

☆.....اٹارنی جنرل نواز شریف کی اردو کی تقریر کا انگریزی میں ترجمہ سنانے لگے تو ایک فاضل جج نے ترجمے کو درست کیا۔ دوسری بار دوسرے فاضل جج کو کہنا پڑا جناب اردو میں کی گئی وزیر اعظم کی تقریر کا شوق سے انگریزی ترجمہ آپ ہمیں سنائیں لیکن ساتھ ساتھ اردو پڑھتے جائیں تاکہ یقین ہو کہ ترجمہ آپ نے درست کیا ہے۔ ویسے ہمیں اردو سمجھ آتی ہے۔ ترجمے کی ضرورت نہیں۔

چیف جسٹس..... اٹارنی جنرل صاحب پوری تقریر کا انگریزی میں ترجمہ ہم سننا نہیں چاہتے نہ ہمارے پاس اتنا وقت ہے۔ ہم جلد فیصلہ قوم کو سنانا

Scanned with CamScanner

چاہتے ہیں۔ آپ سماعت کے اختتام پر ہمارے چیمبر میں آ کر انگریزی ترجمہ سنانے کا شوق پورا کر لیں۔ (اس پر قہقہہ لگا)

چیف جسٹس ...... کمرہ عدالت بے احترام ملحوظ رکھا جائے کسی بات پر نہ ہنسا جائے، تمام سامعین خاموشی سے کارروائی سنیں۔

مرگ ...... سماعت کے دوران ایک موقع پر چیف جسٹس نے کہا کہ صدر غلام اسحق خان اور نواز شریف ایک مرتبہ پھر اچھے دوست بن سکتے ہیں۔ انہوں نے اصغر خان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کو کوہالہ پل پر پھانسی دینے کی بات کرتے تھے اور بعد ازاں انہوں نے ان کی بیٹی بے نظیر بھٹو سے دست تعاون بڑھالیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جھلکیاں 22 مئی

○ ...... سپریم کورٹ کا ماحول سوگوار تھا

○ ...... جسٹس نسیم حسن نے گلوگیر لہجہ میں

○ ...... جسٹس شفیع الرحمن سے تعزیت کی

○ ...... اگر پڑھے لکھے لوگ قطار کو ناپسند کرتے ہیں تو

○ ...... آٹھ ستارے ڈوب گئے ایک باقی بچا

سپریم کورٹ میں نواز شریف کی آئینی پٹیشن کی سماعت کے دوران درخواست گزار کے وکیل خالد انور، یحییٰ بختیار، شیخ اکرم ایڈووکیٹ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے اٹھائے گئے تمام نکات کا جواب اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے دے دیا ہے۔ اتوار کی صبح وہ فاضل عدالت کی طرف سے پوچھے گئے سوالوں کا جواب دیں گے جس کے بعد نگران حکومت کی طرف سے معروف قانون دان ایس ایم ظفر آئینی نکات کا جواب دیں گے۔ منگل کو معروف قانون دان خالد انور حکومتی وکلاء کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے بحث سمیٹیں گے۔ ہفتہ کی صبح سپریم کورٹ میں سابق وزیر اعظم نواز شریف کی آئینی درخواست کی سماعت شروع ہوئی تو ماحول مسٹر جسٹس شفیع الرحمن کے صاحبزادے ندیم شفیع کی المناک وفات کی وجہ سے انتہائی افسردہ تھا۔ چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے گلوگیر لہجہ میں تعزیت کا اظہار کیا۔ تعزیت کرنے والے وکلاء اور صحافیوں پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ ایس ایم ظفر ایڈووکیٹ نے کہا کہ ایسا شخص نہ دیکھا نہ سنا جس کا جواں سال بیٹا فوت ہو گیا ہو اور وہ صبر و استقامت کی مثال بنا اپنے قومی فرائض منصبی ادا کر رہا ہو۔ بیگم نسیم ولی خان نے کہا کہ وہ شدت غم سے اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکیں۔ ایک باپ کے جذبات کیا ہوں گے۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمن نے معمول کے مطابق آئینی درخواست کی سماعت میں حصہ لیا اور حسب سابق آئینی نکات اٹھائے۔ ان کے چہرے سے کوئی ایسی چیز عیاں نہیں ہوئی کہ وہ غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وہ جواں سال مرگ کا دکھ اپنے دل میں چھپائے رہے۔ کمرہ عدالت میں داخل ہونے کے لیے صحافیوں، سابق ارکان اسمبلی اور وکلاء کی لمبی قطار لگی ہوئی تھی کہ سابق وفاقی وزراء سرتاج عزیز اور چوہدری شجاعت حسین نے قطار میں کھڑے ہونے کی بجائے آگے سے گھسنے کی کوشش کی جہاں دھکے لگ رہے تھے تو اخبار نویسوں نے قریب کھڑے ایس ایم ظفر ایڈووکیٹ سے کہا کہ اگر پڑھے لکھے لوگ قطار میں نہیں کھڑے ہو سکتے تو پھر کون قطار میں کھڑا ہونا پسند کرے گا۔ سابق وفاقی وزیر حاجی سیف اللہ نے کمرہ عدالت سے باہر الٰہی بخش سومرو سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اگر اسمبلی بحال ہونے کا فیصلہ ہو تو سب

Scanned with CamScanner

سے پہلے ۱۹۸۵ کی اسمبلی بحال کی جائے۔ اٹارنی جنرل نے دلائل دیتے ہوئے ایک موقع پر کہا کہ آئی جے آئی کو جو مینڈیٹ ملا تھا وہ برقرار نہیں رہا۔ نو ستاروں میں سے آٹھ ستارے اب کے ایک ستارہ باقی بچا۔ اس میں بھی تقسیم ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جھلکیاں 23 مئی

سپریم کورٹ سے......

نصف گھنٹہ کو کھینچ کر ڈیڑھ گھنٹہ نہ کر دیں

میری بلی اور مجھے ہی میاؤں

O......اٹارنی جنرل عزیز اے منشی ہفتے کو کئے گئے وعدے کے باوجود اتوار کو عدالت عظمیٰ کے سوالات کا جواب دینے سے قاصر رہے۔ بالآخر چیف جسٹس نے انہیں پیر کی صبح زیادہ سے زیادہ نصف گھنٹے کا یہ کہہ کر وقت دیا کہ آپ نصف گھنٹے کو کھینچ کر ڈیڑھ گھنٹہ نہیں کر دیں گے۔

O......پیر کو عزیز اے منشی کے بعد سینئر ایڈووکیٹ ایس ایم ظفر نگران حکومت کی طرف سے قانونی و آئینی نکات پر دلائل دیں گے۔ وہ چار گھنٹے میں دلائل مکمل کر لیں گے۔

O......چیف جسٹس نے چاروں ایڈووکیٹ جنرلوں پر واضح کر دیا کہ ان تمام کا عدالت میں بولنا ضروری نہیں ایک یا دو کو صرف اس نکتے کی وضاحت کرنے کی اجازت ہو گی جو نہ تو اٹارنی جنرل اور نہ ہی ایس ایم ظفر ایڈووکیٹ نے اٹھائے ہوں گے۔ اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو ان کا پیش ہونا ضروری نہیں۔

O......چیف جسٹس نسیم حسن شاہ نے دوبارہ کہا کہ یوں لگتا ہے کہ صدر مملکت نے غصے میں آ کر قومی اسمبلی کو توڑ ڈالا تھا کیونکہ ۱۷ اپریل تک آئینی بریک ڈاؤن نہیں ہوا تھا جس کا ثبوت اس روز ۲۲ اپریل کو قومی اسمبلی طلب کئے جانے کی اس سمری پر صدر کا دستخط نہ کرنا ہے جو نواز شریف حکومت نے بھیجی تھی۔

O......ایک موقع پر چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ صدر مملکت نے یہ سمجھا کہ یہ جوان وزیراعظم جو مجھ سے رہنمائی مانگا کرتا تھا۔ اچانک ۱۷ اپریل کو ٹی وی پر آ کر مجھ پر ہی برسنے لگا دوسرے الفاظ میں صدر نے سمجھا ہو گا۔

"میری بلی اور مجھے ہی میاؤں میاؤں"

O......اتوار کو فاضل عدالت نے ایک بجے کی بجائے دو بجے تک کیس کی سماعت جاری رکھی۔

O......سپیکر قومی اسمبلی گوہر ایوب کے علاوہ بیشتر سابق وزراء امریکہ میں پاکستان کی سابق سفیر سیدہ عابدہ حسین، اے این پی کی سربراہ بیگم نسیم ولی خان، رشیدہ پاشا کھوڑو اور سابق ارکان قومی اسمبلی کمرۂ عدالت میں موجود تھے۔

O......عدالت عظمیٰ کی سماعت کے دوران نگران حکومت کے وزراء بھی کمرۂ عدالت میں نظر نہیں آئے۔

O......جسٹس شفیع الرحمٰن اپنے جواں سال بیٹے مدثر شفیع کی المناک موت کے بعد دوسرے روز بھی فرائض منصبی پورے انہماک سے ادا کرتے رہے۔ انہوں نے معمول کی طرح اٹارنی جنرل سے آئینی و قانونی سوالات پوچھے۔

Scanned with CamScanner

() اٹارنی جنرل فل کورٹ کے گیارہ ججوں میں سے دو جج وقتاً فوقتاً اٹارنی جنرل سے استفسار کرتے رہے جس پر مسٹر عزیز اے منشی اصل موضوع سے کچھ دیر کے لیے ہٹ جاتے رہے۔

اٹارنی جنرل...... صدر کی خوشنودی کی کلاز پرنسپل کلاز ہے۔ وزیر اعظم کو اس وقت ہٹایا جا سکتا ہے جب قومی اسمبلی میں اس کی اکثریت اقلیت میں بدل جائے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... کل میں نے آپ کو جو پوائنٹ آؤٹ کیا اور اس کا آپ نے جواب نہیں دیا۔ تحریری آئین میں ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی حدود میں رہ کر فیصلے دیں۔ اگر اس میں جواز نہ ہو تو ہمیں حق و صداقت انصاف کے تقاضے ملحوظ رکھنے ہوں گے۔

اٹارنی جنرل...... اگر قومی اسمبلی موجود ہو، صدر وزیر اعظم کو برطرف نہیں کر سکتا اگر قومی اسمبلی توڑ دی جائے تو صدر اسے برطرف کر سکتا ہے۔

چیف جسٹس...... کل آپ کتنا وقت لیں گے۔

اٹارنی جنرل...... کل صرف نصف گھنٹہ لوں گا میں نے سرکاری ملکیت اور قومیائے گئے اداروں کی الگ الگ فہرستیں دی ہیں۔

شفیع الرحمٰن...... کیا ۱۹۷۱ء میں وہ سرکاری انڈسٹریز تھیں یا کہ نہیں یہ بتائیں جن کی نجکاری کی گئی ہے۔

چیف جسٹس...... مسٹر ایس ایم ظفر کے بعد صوبائی ایڈووکیٹ جنرل صرف آئینی و قانونی پہلو پر بات کریں گے۔ اگر اٹارنی جنرل اور ایس ایم ظفر کچھ اضافہ کرنا چاہیں تو بے شک کریں ان کے لیے ضروری نہیں کہ تمام بات کریں۔

اٹارنی جنرل...... ایس ایم ظفر کے بعد مخدوم علی سیاسی انصاف کے متعلق نصف گھنٹہ بولیں گے۔

چیف جسٹس...... آپ کا نصف گھنٹہ ہمیشہ ڈیڑھ گھنٹہ بن جاتا ہے۔

اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی نے ارکان اسمبلی کے استعفوں سے متعلق اپنے موقف پر مبنی تحریری دلائل کی کاپیاں ججوں کو پیش کیں اور کہا کہ سابق وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی، سابق اپوزیشن لیڈر محترمہ بے نظیر بھٹو اور ذمہ دار ارکان اسمبلی نے اپنے استعفے دیے۔ ان کا مقصد مستعفی ہونا اور احتجاج کرنا بھی تھا۔ معمول کے مطابق صدر ان استعفوں کو سپیکر کے پاس بھجوا سکتے تھے۔ آئین اور اسمبلی قواعد کے مطابق یہ نشستیں خالی ہو جاتیں۔ ان استعفوں سے صدر یہ رائے قائم کرنے میں حق بجانب تھے کہ اسمبلی اپنا مینڈیٹ کھو بیٹھی ہے اور وفاق کا نظام آئین کے مطابق چلانا ناممکن ہو گیا ہے۔ اٹارنی جنرل نے فل کورٹ میں شامل ججوں کو وہ فہرستیں پیش کیں جن میں ماضی میں قومیائے گئے یونٹ اور سرکاری شعبہ کے یونٹ جنہیں فروخت کر دیا گیا ہے کی تفصیل دی گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

سپریم کورٹ میں اپیل کی سماعت...... 24 مئی

اٹارنی جنرل آف پاکستان مسٹر عزیز اے منشی نے عدالت کے اس سوال سے اتفاق کیا کہ آئینی درخواست منظور کئے جانے کی صورت میں عدالت فریقین پر شرائط عائد کرسکتی ہے۔ سپریم کورٹ میں سابق وزیر اعظم نواز شریف کی آئینی پٹیشن میں پیر کو اٹارنی جنرل عزیز اے منشی اپنے دلائل دے رہے تھے کہ مسٹر جسٹس سلیم اختر نے ریمارکس دیتے ہوئے استفسار کیا کہ اگر آئینی درخواست منظور کرلی جائے تو کیا عدالت فریقین پر شرائط عائد کرسکتی ہے جس پر اٹارنی جنرل نے کہا "ہاں" جبکہ چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ یہ بہت اہم سوال ہے۔

سماعت

وزیر اعظم کے وکیل ایس ایم ظفر نے کہا کہ اسمبلی کی تحلیل پارلیمانی زندگی کا ایک عام عمل ہے عوام کو اپنے نمائندے چننے کا حق بار بار دیا جائے تو اس سے عوام کے بنیادی حق کی ترویج و تائید ہوتی ہے۔ برطانیہ، بلجیئم اور یونان کی پارلیمانی تاریخ میں پارلیمنٹ کی تحلیل کے واقعات عام ہیں۔ ہمیں قومی اسمبلی کی تحلیل سے پریشان نہیں ہونا چاہئے بلکہ آئین کی روح و منشاء کے مطابق رائے دہندگان سے رجوع کرنا چاہئے۔ پیر کو سپریم کورٹ میں صدر کے اسمبلی توڑنے کے اقدام کے خلاف سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف کی آئینی درخواست میں اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے اپنے دلائل مکمل کر لیے، جس کے بعد ایس ایم ظفر نے اپنے دلائل شروع کئے جو منگل کو بھی جاری رہیں گے۔ ایس ایم ظفر نے اپنے دلائل شروع کرتے ہوئے کہا کہ عدالت عظمیٰ ایک نہایت اہم مقدمے کی سماعت کر رہی ہے۔ اس مقدمہ میں کئی ایسے آئینی معاملات زیر غور ہیں جن کا ملک کی سیاست پر گہرا اثر پڑے گا۔ عدالت جو بھی فیصلہ دے گی اس کی ایک تاریخی اہمیت ہوگی۔ میرے دلائل اسی پس منظر میں ہوں گے اور میری کوشش ہوگی کہ ان اہم آئینی معاملات میں عدالت کی صحیح فیصلہ کرنے میں مدد کرسکوں۔ انہوں نے کہا کہ یہ مناسب ہوگا کہ ہم اسمبلی کے "تحلیل" کئے جانے کے تصور اور اس کی کل جزئیات کو آئینی نقطۂ نظر سے سمجھ لیں، تحلیل کے معنی ہوتے ہیں کہ ترتیب شدہ شے کو منتشر کر دینا گویا "اجزاء کا پریشان ہونا" لیکن سیاسی اصطلاح میں اس سے مراد انتظامیہ کا وہ قانونی حکم ہوتا ہے جس سے پارلیمنٹ کو مقررہ مدت سے پہلے برطرف کر دیا جائے۔ پارلیمنٹ کو اس کی مقررہ میعاد سے پہلے برطرف کرنے کا تصور پارلیمانی جمہوریت اور آئین کا حصہ ہے۔ موجودہ دور کے اکثر دانشور اسمبلی تحلیل کئے جانے کو ایک باقاعدہ "ادارہ" اور ایک اہم تصور کا مقام دیتے ہیں۔ اسمبلی تحلیل کئے جانے کا یہ تصور پارلیمانی نظام کا ایک اہم اور واضح جز قرار دے دیا گیا ہے۔ اس ادارے یا تصور کے مندرجہ ذیل جزائیات ہیں۔ (1) ایک منتخب شدہ اسمبلی کی موجودگی (2) آئین یا قانون میں انتظامیہ کے پاس ایسے اختیارات جن کے تحت اسمبلی برطرف کرنے کا حکم دیا جاسکے۔ (3) اسمبلی برطرف ہونے پر جلد اور بروقت انتخابات کا واضح انتظام اور اس کا اعلان گویا قومی اسمبلی یعنی مقننہ کو برطرف کرنے کا اختیار انتظامیہ کو دیا گیا ہے لیکن اسے نئی اسمبلی کے انتخابات سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر فنا کے ساتھ بقاء کے عزم کو تحلیل کے ادارے سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس مقدمہ میں عدالت عظمیٰ نے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ انتظامیہ کے جس عہدیدار نے قومی اسمبلی برطرف کرنے کے احکامات دیئے ہیں اس کو آئین اور قانون یہ اختیار دیتا ہے یا نہیں اور آیا اس نے یہ اختیارات قانون کے دائرہ میں رہ کر استعمال کئے ہیں۔ یہ بے جا نہ ہوگا اگر ہم پارلیمانی ارتقاء پر نظر ڈالیں اور یہ دیکھیں کہ مختلف ادوار میں پارلیمنٹ کو تحلیل کرنے کے اختیارات انتظامیہ کے کس منصب دار کو تفویض کئے گئے۔ انہوں نے کہا کہ ابتداء میں برطانیہ میں یہ اختیارات بادشاہ یا ملکہ کے پاس رہے ہیں اور اپنے اپنے دور میں بادشاہ یا ملکہ پارلیمنٹ کو برطرف کرتی رہی ہیں۔ لیکن جوں جوں پارلیمانی نظام میں پھیلاؤ ہوا اور عوام کو اپنے نمائندگان منتخب کرنے کا اختیار ملا۔ برطانیہ میں ملکہ نے اسمبلی صرف وزیر اعظم کے مشورہ پر ہی

برطرف کی۔ 1834ء سے اس وقت تک برطانیہ میں جتنی بار اسمبلی برطرف کی گئی ہے وہ وزیر اعظم کے مشورہ سے ہوئی ہے۔ برطانیہ میں رواج یا بذریعہ روایت ملکہ کے آئینی اختیارات کو وزیر اعظم کے مشورہ کے تابع کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ وہاں بھی ابھی ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا کہ چونکہ اکثر وزرائے اعظم نے قومی اسمبلی کو اس وقت تحلیل کرنے کا مشورہ دیا ہے جب سیاسی طور پر وہ وقت ان کے سیاسی مفاد میں ہوتا ہے۔ اس لیے کیا ملکہ وزیر اعظم کے اسمبلی تحلیل کرنے کے مشورہ کو رد کر سکتی ہے یا نہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ اگر مشورہ ایسا وزیر اعظم دے جو مخلوط حکومت کا وزیر اعظم ہو تو ملکہ اس کی رائے کی پابند نہیں ہے۔ بہر حال عملی طور پر برطانیہ میں جہاں کہ خالصتاً پارلیمانی نظام ہے وقت سے پہلے اسمبلی تحلیل کرنے کا اختیار ملکہ صرف اسی وقت استعمال کرتی ہے جب وزیر اعظم اس کو یہ مشورہ دیتے ہیں لیکن یورپ میں جو پارلیمانی نظام رائج ہوا ہے وہ برطانیہ سے مختلف ہے وہاں کئی جگہ بادشاہت نہیں ہے اور بادشاہ کی جگہ ایک منتخب صدر ہوتا ہے جسے پارلیمنٹ تحلیل کرنے کا اختیار وزیر اعظم کے مشورہ کے علاوہ اپنی صوابدید پر دیا گیا ہے۔ فرانس، اٹلی، یونان اور بلجیئم وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ پاکستان میں جو پارلیمانی نظام 1985ء سے پہلے رائج تھا وہ برطانوی ماڈل پر تھا لیکن 1985ء سے آٹھویں ترمیم کے ذریعے پاکستان یورپین کلب میں شامل ہو گیا اور پاکستان میں بھی وزیر اعظم کے مشورہ کے علاوہ صدر کو اپنے صوابدیدی اختیارات سے اسمبلی تحلیل کرنے کے اختیارات دیئے گئے۔ میں عدالت میں برطانیہ، بلجیئم اور یونان کی پارلیمانی تاریخ کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ آپ ذرا دیکھیں کہ ان ممالک میں کتنی بار اسمبلی برطرف ہوتی رہی اور پارلیمنٹ تحلیل کئے جانے کے واقعات کتنے زیادہ ہیں اور کئی بار تو اسمبلی کو ایک سال کے اندر اندر ہی برطرف کر دیا گیا۔ اس نقشہ کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسمبلی کا برطرف کیا جانا کوئی ایسی قابل اعتراض اور انہونی بات نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ اسے ایک پارلیمانی زندگی کا ایک عام عمل سمجھا جاتا ہے۔ میں یہ ضرورت سمجھتا ہوں کہ ایک سوچ جس کی بازگشت عدالت میں بھی سنی گئی کی تردید کردوں۔ ہمارے ملک میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ انتخابات کا بار بار ہونا ملک کے لیے ایک بار ہے اور ایک عذاب ہے۔ ونسٹن چرچل سے ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا جمہوریت مشکل اور دشوار طرز حکومت نہیں ہے کہ اس میں بار بار انتخابات کرائے جاتے ہیں اور پھر سیاسی تنازعات بڑھتے ہیں سر چرچل نے جواباً کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو" سوال کرنے والے نے اسے اپنی حوصلہ افزائی سمجھتے ہوئے کہا کہ پھر ایسی جمہوریت کا کیا علاج ہے۔ سر چرچل نے برجستہ کہا مزید جمہوریت۔ میں بھی بار بار انتخابات کا حامی ہوں اور سمجھتا ہوں کہ غریب عوام کو انسانی حقوق اس وقت تک نہیں ملیں گے جب تک ملک میں آزاد اور غیر جانبدارانہ انتخابات نہیں ہو پاتے۔ میں یہ واضح کردوں کہ مشرقی پاکستان انتخابات کی وجہ سے بنگلہ دیش نہیں بنا تھا وہ اس لیے ہم سے علیحدہ ہوا کہ ہم نے عوام کے فیصلے کا احترام نہ کیا اور عوام کے مینڈیٹ کو نہ ماننے کے نتیجے میں پاکستان دولخت ہوا۔ اسی طرح 1977ء میں بھی مارشل لاء انتخابات کی وجہ سے نہیں لگا تھا بلکہ وہ انتخابات میں جیسا کہ نصرت بھٹو کیس میں سپریم کورٹ نے لکھا ہے وسیع دھاندلی کی وجہ سے لگا تھا۔ گویا ووٹ کے تقدس کی پامالی سے مارشل لاء آ گیا اور اگر ہم نے یہ روش نہ بدلی تو تاریخ کو اپنا آپ دہرانے سے کون روک سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ 1985ء میں جو قومی اسمبلی منتخب ہوئی تھی وہ غیر جماعتی بنیادوں پر منتخب کی گئی تھی۔ میں نے غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کی شدت سے مخالفت کی تھی اور جب یہ اسمبلی بن گئی تو پھر اس اسمبلی میں آئے ہوئے نمائندگان نے سیاسی جماعت کو تشکیل دیا۔ محمد خان جونیجو مرحوم سیاسی جماعت کے صدر اور ملک کے وزیر اعظم بنے، غلط وجوہات پر اس وقت کے صدر مملکت نے اسمبلی برطرف کردی، سپریم کورٹ نے اس کے باوجود اسمبلی بحال نہ کی اور انتخابات ہو گئے اور معاملہ عوام کی عدالت میں گیا۔ پاکستانی عوام نے انتخابات میں حصہ لیا اور ایک واضح فیصلہ دیا اور انہوں نے اسمبلی کی بنائی ہوئی سیاسی جماعت کو رد کر کے پیپلز پارٹی کو اقتدار دے دیا اور اس طرح محترمہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم بنیں۔ عوام کو موقع ملے تو وہ فیصلہ کر سکتے ہیں ایک بار پھر 1990ء میں اسمبلی برطرف کی گئی سپریم کورٹ نے تحلیل کئے جانے کی وجوہات کو درست پایا عوام نے بھی فیصلہ واضح اور دو ٹوک دیا آئی جے آئی کو پیپلز پارٹی

Scanned with CamScanner

پر ترجیح دی اور میاں نواز شریف وزیر اعظم بنے اس انتخابات کے سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے کہ پہلی بار جاگیردارانہ گرفت کمزور اور کاروباری حلقہ کے ہاتھ قیادت آئی اگر معاملہ عوام تک پہنچ دیا جائے تو وہ صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں مجھے اپنے عوام پر اعتماد ہے زیادتی ہمارے سیاسی قائدین کرتے ہیں جو انتخابات کو شفاف نہیں رہنے دیتے۔ انہوں نے کہا کہ جب اپریل 1973ء میں پاکستان کا نیا آئین نافذ کیا گیا تو عمومی تاثر دیا گیا کہ اس بار پارلیمانی طرز حکومت کو اپنایا گیا ہے لیکن حقیقت میں وہ پارلیمانی نہ تھا کیونکہ 1973ء کے آئین کے تحت صدر کے اختیارات صفر تھے وہ صرف اور صرف نمائشی صدر تھے مملکت کے تمام اختیارات وزیر اعظم کے منصب میں سمو دیئے گئے تھے یہاں تک کہ ابتدائی برسوں میں وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک میں وزیر اعظم کی پارٹی کے ممبران کے ووٹ گنتی میں نہ لیے جا سکتے یہ بہتر ہوگا کہ اس نظام کو پارلیمانی کہنے کی بجائے ''وزیر اعظم کا نظام'' کہا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ جب 1977ء میں دونوں برابر کی قوتوں میں کشمکش انتہاء کو پہنچ گئی اور پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے درمیان صدر کوئی کردار ادا نہ کر سکا تو بالآخر مارشل لاء تک نوبت پہنچ گئی۔ 1985ء میں آٹھویں ترمیم کے ذریعے اس توازن کو صدر کے حق میں کر دیا گیا اور اب ہمارے آئین میں کئی دفعات ایسی ہیں جو ہمارے نظام کو خالصتاً پارلیمانی نہیں رہنے دیتیں۔ یہ نظام ایک ملغوبہ ہے اس میں صدارتی نظام کی بھی جھلک ہے۔

انہوں نے کہا کہ قرارداد مقاصد میں تین اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں اس میں ذکر ہے کہ پاکستان کا آئین اس طرح ترقی پائے گا کہ اس میں اقتصادی، سماجی اور سیاسی انصاف کے حصول کے لیے واضح بنیادی حقوق دیئے جائیں گے۔ یعنی عوام اور شہریوں کو ایسے بنیادی حقوق دیئے جائیں گے جس سے ہر پاکستانی کو اقتصادی، سماجی اور سیاسی انصاف مہیا ہو سکے جب میں نے پاکستان کے آئین کا مطالعہ قرارداد مقاصد کے اس وعدہ کی روشنی میں کیا تو میں نے پایا کہ بنیادی حقوق کی بابت تمام حقوق یکجا کر دیئے گئے ہیں اور چند ایسے ہیں جو سیاسی انصاف سے متعلق ہیں مثلاً مندرجہ ذیل بنیادی حقوق سیاسی انصاف کا تعین مہیا کرتے ہیں، آرٹیکل 9، 10، 11، 12، 13، 14، 15، 17، 19، 25 اور 156۔ مندرجہ بنیادی حقوق کا تعلق اقتصادی انصاف سے ہے آرٹیکل نمبر 18، 21، 23 اور 24۔ مندرجہ ذیل بنیادی حقوق کا تعلق سماجی انصاف سے ہے، آرٹیکل نمبر 9، 4، 13، 14، 26، 27 اور 29۔ انہوں نے کہا کہ اس تقسیم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر نوعیت کے انصاف کے حصول کے لیے مخصوص بنیادی حقوق دے دیئے گئے ہیں اور اسمبلی کی میعاد اور اس میں بطور ممبر رہنا بنیادی حق کے زمرے میں اس لیے نہیں آتا کہ اگر عوام کو اپنے نمائندے چننے کا حق بار بار دیا جائے تو اس سے عوام کے بنیادی حق کی ترویج اور تائید ہوتی ہے نہ اس میں کوئی کمی آ جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ایک کتاب انصاف ''جسٹس'' میں سے ایک باب کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ اس باب کا عنوان ہے ''سیاسی انصاف بذریعہ آئین'' آج ہماری عدالت میں بھی یہی مسئلہ اٹھا ہوا ہے کہ بذریعہ آئین سیاسی انصاف کی حدود کیا ہیں اس دانشور کے مطابق سیاسی انصاف کی حدود اور اس کی انتہا یہ ہے کہ ہر شہری کو ووٹ کا حق ہو اور ہر شہری کا ووٹ ایک دوسرے کے برابر ہو اور اس کی انتہا یہ ہے کہ وہ اس ووٹ کے ذریعے جب قانون اسے موقع دے کہ اپنے نمائندگان کو منتخب کر سکے۔ یعنی ملک کی سیاست میں شرکت کا موقع ملنا سیاسی انصاف کی انتہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ حد صحیح ہے اور اس سے آگے جا کر اسمبلی کی میعاد کے مسئلہ کو بنیادی حقوق میں شامل کریں گے تو کئی مسائل اور تصورات غلط ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ایک اور کتاب جس کا عنوان ''آزادی کے سرچشمے'' قابل توجہ ہے اس میں ایک باب ہے جہاں جمہوریت بذریعہ بنیادی حقوق کا ذکر ہے۔ اس باب میں درج ہے کہ اگر کسی آئین میں وہ بنیادی حقوق دے دیئے جائیں جو مصنف نے اس باب میں درج کیے ہیں تو سیاسی انصاف مل جائے گا۔ آپ ان پر نظر ڈالیں تو وہ بنیادی حقوق ہیں۔ اس سے قبل پیر کو جب سماعت شروع ہوئی تو اٹارنی جنرل نے کہا کہ سیاسی انصاف کے ماہر مخدوم علی خان کے بیٹے کا حادثہ ہو گیا ہے اس لیے وہ دلائل آج نہیں دے سکیں گے۔

Scanned with CamScanner

چیف جسٹس......وہ حالات کے بارے میں مختصر نوٹ عدالت میں پیش کر سکتے ہیں ہمیں ان کے ہٹنے کا دکھ ہے۔
اٹارنی جنرل......اخبارات میں عدالت عظمیٰ کے بارے میں سنسنی خیز سرخیاں لگی ہیں ان کا نوٹس لیں۔
چیف جسٹس......کیا کہہ رہے ہیں ہم اس کا نوٹس نہیں لے رہے ہمیں کسی کی پروا نہیں جس کا جو کام ہے وہ کر تا رہے ہم مداخلت نہیں کریں گے سرخیاں متن میں سے ہی ہیں؟

اٹارنی جنرل...... پاکستان میں حکومت عوام کے منتخب نمائندے کریں گے یہ میں واضح کر رہا ہوں۔ 17 اپریل کی وزیر اعظم کی تقریر سے تعطل و ڈیڈ لاک پیدا ہو گیا تھا جس کی بنا پر آرٹیکل 58 (بی) کے تحت صدر نے اقدام کیا یہ تقریر آئین و قانون کی خلاف ورزی تھی اس کے علاوہ وزیر اعظم نے برسر عام صدر اور ایوان صدر پر تنقید کی اس کا تمسخر اڑایا اس سے آئین کی حیثیت عام شخص کی نگاہ میں گر گئی۔ 18 اپریل کے بعد وزیر اعظم نے بار بار صدر کو جسمانی نقصان پہنچانے کی دھمکیاں دی ہیں۔ 17 اپریل کی تقریر آئینی ادارے کو تباہ کرنے کی کوشش تھی اس کے علاوہ ایوان صدر اور صدر کو مار دینے کے مترادف تھی اس لیے سابق وزیر اعظم کے خلاف سازش، ملک توڑنے اور صدر کو بلیک میل کرنے کے الزامات عائد ہوتے ہیں اسی وجہ سے تعطل پیدا ہوا اس کی وجہ سے آئین کی مشینری مکمل طور پر بریک ڈاؤن ہو گئی جو مملکت کے دو ستونوں (صدر اور وزیر اعظم) کے سہارے کھڑی ہوئی ہے۔ مشترکہ مفادات کونسل اور دوسرے آئینی اداروں کو اس لیے بنایا گیا تا کہ وفاقی ڈھانچے میں دراڑیں نہ پڑیں ان میں قومی مالیاتی قومی اقتصادی کونسل شامل ہیں۔ واپڈا، ریلوے، وفاقی حکومت کے ملکیتی صنعتی یونٹ کارپوریشن، موٹر وے کے معاملات میں آئین کی خلاف ورزیاں کی گئیں۔ ملک میں کرپشن، دھاندلی، بدعنوانی تھی، نج کاری کا عمل شفاف نہیں تھا، مسلم کمرشل بینک، سیمنٹ فیکٹریوں کی فروخت، مختلف نجی بینکوں کے اجراء کے معاملات میں آئین کی خلاف ورزیاں ہوئیں صوابدیدی گرانٹ کا غلط استعمال کیا گیا۔ ان تمام سے آئین کی شقوں کی دھجیاں اڑائی گئیں۔ ملک میں خوف و ہراس کا دور دورہ تھا سیاسی مخالفوں اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو نہ صرف ڈرایا دھمکایا جاتا رہا بلکہ ان کو انتقام کا نشانہ بنایا گیا کابینہ آئین کے تقاضوں کے برعکس کام کرتی رہی۔ آرڈیننسوں کو کابینہ کے سامنے پیش نہیں کیا جاتا تھا۔ اہم پالیسیوں کی کابینہ سے منظوری نہیں لی جاتی تھی ان کو کچن کابینہ سے ہی منظور کرا لیا جاتا تھا۔ وفاقی وزراء صدر سے ملاقات کرنے کے مجاز نہیں رہے تھے آرٹیکل 48 (4) میں انفرادی وزیر کا صدر کو مشورہ دینے کا ذکر ہے۔ سرکاری وسائل کا بے جا استعمال کیا گیا بینکوں کی رقوم کا غلط استعمال کیا گیا۔ وزیر اعظم نے دوسرے صوبوں میں 700 ملین روپے کی زیادہ گرانٹ دیں۔ وہ مجاز حکام کے بغیر فنڈز استعمال کرتے رہے۔ سول سرونٹس کے معاملے میں آرٹیکل 240 کی خلاف ورزی کی گئی نزہت آصف نواز کے الزامات سے پتہ چلتا ہے کہ وزیر اعظم نے آرمڈ فورسز سے برا سلوک کیا۔

وفاقی حکومت کی اس طرح ایسی حالت ہو گئی کہ وہ پاکستان کی سلامتی دفاع کے قابل نہیں رہی تھی اس لیے صدر نے اسمبلی توڑی اور نئے الیکشن کرنے کا فیصلہ کیا۔ سات دن میں میں نے مذکورہ نکات کی مکمل وضاحت کی۔ وقت کی کمی کی وجہ سے میں اور زیادہ نہیں کہنا چاہتا۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ فیڈریشن کی حکومت آئینی شقوں کے مطابق نہیں چل سکتی تھی اور نئے انتخابات ضروری ہو گئے تھے۔ صدر نے آئین کے عین مطابق اسمبلی توڑی اور حاکمیت اعلیٰ رکھنے والے عوام سے رجوع کرنا ضروری سمجھا۔ آرٹیکل 154 (2) کا آپ نے ذکر کیا ہے جو بنیادی حقوق کے متعلق ہے۔ پاکستان میں ایسی صورتحال پیدا ہو گئی تھی جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ حقائق کا مشاہدہ کر لیا جائے تو سب واضح ہو گا۔ لارڈ شپ اور آپ اپنے سامنے مواد کا جائزہ لے کر فیصلہ کریں صرف قانونی اثرات کا جائزہ نہ لیا جائے۔ سپریم کورٹ کی طے شدہ حدود و قیود پر نہ جایا جائے۔ آرٹیکل 17 کے تحت ہر شہری کو ایسوسی ایشن بنانے، اس کا ممبر بنانے کا حق حاصل ہے۔ صدارتی فرمان نے آرٹیکل نمبر 17 کی خلاف ورزی نہیں کی۔

Scanned with CamScanner

فرمان سے صرف اسمبلی ٹوٹی ہے۔ آرٹیکل 17 کی شق نمبر 2 میں کہا گیا ہے کہ سرکاری ملازم کسی سیاسی جماعت کا پارٹی ممبر نہیں بن سکتا دوسرا ہر شہری پارٹی بنا سکتا ہے اور اس کا ممبر بن سکتا ہے۔

چیف جسٹس...... اس معاملے پر پہلے دن ہی آپ کافی بول چکے ہیں۔ ہم نے پہلے ہی اس کا جائزہ لے لیا ہے۔ ہم آپ کو بتا دیتے ہیں کہ پہلے فیصلہ دیا جا چکا ہے کہ سیاسی جماعت بنانے کے حق میں یہ بات شامل ہے کہ سیاسی پارٹی کام کرے جس مقصد کے لیے بنائی جائے وہ حاصل کرے سیاسی پارٹی الیکشن لڑنے اور الیکشن جیت کر حکومت بنانے کے لیے تشکیل دی جاتی ہے۔ اگر ایسا کرنے سے روکا جائے تو آرٹیکل 17 کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اگر پارٹی حکومت بنالے اور اسے قانونی طور پر کام نہ کرنے دیا جائے تو آرٹیکل نمبر 17 کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔

اٹارنی جنرل...... آرٹیکل نمبر 17 میں ایک آئینی حق ہے دوسرا قانونی حق ہے تیسرا بنیادی حق ہے۔ جہاں تک پارٹی کے حکومت میں رہنے کا تعلق ہے یہ آرٹیکل 17 سے ثابت نہیں ہوتا۔ آرٹیکل 51 میں قومی اسمبلی کا ذکر ہے۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... مسٹر ایس ایم ظفر یہ معاملہ واضح کر چکے ہیں کہ منتخب ممبر کا بنیادی حق ہے کہ اگر اس کی پارٹی اکثریت میں ہو تو وہ حکومت کرے۔ آرٹیکل نمبر 17 میں پارٹی بنانے اور ممبر بننے کا حق دیا گیا ہے۔ اگر سیاسی پارٹی کے طور پر اسے کام نہ کرنے دیا جائے تو آرٹیکل نمبر 17 کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ سیاسی پارٹی کے طور پر کام کرنے سے مراد اکثریت کی صورت میں اس کا حکومت بنانے کا بھی حق ہے۔ اقلیت کی صورت وہ اسمبلی کے اندر باہر اپوزیشن پارٹی کا رول ادا کرتی ہے۔ بنیادی حقوق کا اطلاق آئین کی دوسری تمام شقوں پر ہوتا ہے اگر کسی معاملے میں بنیادی حقوق کو سلب کر لیا جائے تو وہ معاملہ آگے نہیں چل سکتا۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... آرٹیکل نمبر 17 میں آگے لکھا ہے کہ پارٹی ملک کی یکجہتی و سالمیت کے لیے کام کرے گی۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... کیا پارٹی کی تشکیل کا مطلب اس کا بامقصد کام کرنا ہے یا نہیں۔ کام اگر پاکستان کے مفاد میں کرتی ہے اس پر پابندی نہیں لگ سکتی۔ غیر صحت مندانہ کام کرے تو اس کا نوٹس لیا جا سکتا ہے۔

اٹارنی جنرل...... آرٹیکل نمبر 17 کے بارے میں کچھ کہنے سے قبل میں درخواست گزار کے بنیادی آرٹیکل 184(3) کا ذکر کروں گا۔ آرٹیکل 199 کے تحت سپریم کورٹ حصہ دوم کے باب اوّل میں دیئے گئے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کا نوٹس لے گی۔ پہلے یہ دیکھنا ہے حصہ دوم کے باب اوّل میں آرٹیکل 184(3) آتا ہے۔ آرٹیکل 17 کی تشریح سے آرٹیکل 184(3) کو زوردار نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر تنازعہ ہو تو 184(3) کی بجائے آرٹیکل 199 کا حل پیش کرے گا۔

جسٹس افضل لون...... آپ ہمیں آئین کی تشریح کرنے سے روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم دائیں بائیں جانے کی بجائے آئین کی ہر شق کو دیکھیں گے اور اسے ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے گا کوئی ایک آرٹیکل دوسرے سے الگ تھلگ نہیں۔ ہم دیباچے کو، آرٹیکل 2 (اے) کو بھی نہیں چھوڑ سکتے جس میں سیاسی واقعات میں لکھا گیا ہے کہ ہم 187، 190 اور دیباچے سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ آرٹیکل 2 (1) اور اساسی انصاف کے اصولوں کو ملحوظ رکھ سکتے ہیں۔

اٹارنی جنرل...... 184(3) آرٹیکل میں اس زون کی نشاندہی کی گئی ہے جس کے باہر عدالت اختیار ہی نہیں رکھتی۔ باب اوّل کو نہ کھینچ کر لمبا چوڑا کیا جا سکتا ہے نہ اس کو کاٹ کر چھوٹا کیا جا سکتا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ باب اوّل سے متصادم کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔ یہ جامع باب ہے اس میں آرٹیکل 17 ہے اسی کا ذکر آرٹیکل 184(3) اور 199(2) کا حوالہ ہے۔ اگر آرٹیکل 85(1) کے تحت وزیر اعظم صدر کو اسمبلی توڑنے کا مشورہ دے تو ایک اقلیتی رکن اٹھ کر اس مشورے کو آپ کے پاس آ کر آرٹیکل 17 کے تحت چیلنج کر دے پھر کیا بنے گا۔

Scanned with CamScanner

چیف جسٹس..... آئین میں خصوصی شق ہے کہ اقلیتی گروپ کا رکن اسمبلی وزیر اعظم کی طرف سے اسمبلی توڑے جانے کے مشورے کو چیلنج نہیں کرسکتا کچھ مرکزی حقوق ہیں جن کا قانون اور آئین میں تحفظ دیا گیا ہے۔ اجتماع، تقریر کی آزادی دی گئی ہے لیکن یہ حقوق اس باب میں بنیادی حقوق کے طور پر دیئے گئے ہیں۔ آپ کی دلیل میں آرٹیکل 184(3) کے تحت بنیادی حق سلب کئے جانے کی درخواست پر غور کرنے سے نہیں روک سکتی۔ اگر بنیادی حق حکومت کی تشکیل کا ہے تو اسے قانونی طور پر چلتے رہنے سے روکنے سے آئین کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اگر کسی پارٹی کو قانونی حکومت کرنے سے روکا جائے تو آرٹیکل 17 متاثر ہوتا ہے۔

اٹارنی جنرل..... بنیادی سوال یہ ہے.....

جسٹس سجاد علی شاہ..... درخواست گزار نے درخواست انفرادی حیثیت میں دی ہے یا جماعت کی طرف سے دی ہے۔ اگر انفرادی طور پر دی ہے تو حق نہیں رکھتا اگر اجتماعی دی ہے تو اور بات ہے۔

چیف جسٹس..... ہم آئینی پٹیشن کو مجموعی طور پر دیکھیں گے

اٹارنی جنرل..... جہاں تک برطرفی کا تعلق ہے صدر نے وزیر اعظم پر کلنک کا داغ لگانے کے لیے برطرف کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ جب حکومت برطرف ہو اسمبلی ٹوٹے تو انسان کا وقار مجروح نہیں ہوتا البتہ کسی سرکاری ملازم کو برطرف کیا جائے تو اس پر کلنک کا داغ لگتا ہے۔ برطانیہ اور بھارت کے آئین میں بھی کابینہ کی برطرفی کا ذکر ہے۔ سکول میں طلباء اکٹھے جمع ہوں تو استاد کہہ سکتا ہے کہ آپ ڈسمس ہیں۔

جسٹس شفیع الرحمٰن..... دوسری بات یہ ہے کہ میں آپ کے دلائل کو ڈسمس کرتا ہوں۔

جسٹس سجاد علی شاہ..... ڈسمس کے متبادل کیا لفظ ہے مواخذہ یا کوئی اور.....

اٹارنی جنرل..... مواخذہ، آپ نے کہا ہے کہ دس گنا زیادہ خطرناک ہے، ڈسمس بڑا سنگین لفظ ہے۔

جسٹس افضل لون..... آپ نے کہا کہ مواخذہ کا لفظ "برطرفی" سے دس گنا حاوی ہے۔ آرٹیکل 47 میں ہے اگر صدر کا مس کنڈکٹ ثابت ہو جائے تو پھر یہ کہا گیا ہے کہ صدر کے اختیارات کا استعمال ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے صدارتی فرمان میں ڈسمس کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے نرم لفظ استعمال ہو سکتا تھا۔

چیف جسٹس..... صدر کہہ سکتے تھے کہ وزیر اعظم کو چلے جانے کی اجازت ہے۔ آئین میں اگر وزیر اعظم کی برطرفی کی گنجائش ہے تو کوئی بات نہیں ہوتی۔ آئین میں اس کی گنجائش تک نہیں کہ اسمبلی توڑی جائے اور وزیر اعظم کو برطرف کیا جائے۔ جب آئین اس کی اجازت نہیں دیتا اگر یہ ڈسمس کرنا آئینی بنیاد ہے تو ہم وہ بھی مطلب لیں گے لیکن اگر آپ کی بات مان لیں تو یہ اسمبلی آنے جانے پر پریشانی سے بچ گئے ہیں لیکن یہ لوگ آپ کے شکر گزار نہیں ہیں بلکہ آپ کے خلاف کھڑے ہیں۔ 58(2) کے تحت وزیر اعظم کو برطرف کر کے اس کے وقار کو مجروح کیا گیا ہے جو آئین کے آرٹیکل 14 کی سنگین خلاف ورزی ہے جس میں انسان کے وقار کو تحفظ دیا گیا ہے۔ یہی سارا معاملہ ہے۔ 58(2)بی میں انسانی وقار مجروح کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اٹارنی جنرل..... آئین و قانون کی خلاف ورزی پر صدر وزیر اعظم کو برطرف کر سکتا ہے۔

چیف جسٹس..... آپ کا مطلب سمجھ گئے ہیں۔ آپ اس نکتے کی وضاحت کریں کہ اگر بنیادی حقوق سلب ہوں تو کیا عدالت اس کا جائزہ لے کر فیصلے دینے کی مجاز ہے۔

اٹارنی جنرل..... آرٹیکل 184(3) میں ہے کہ آرٹیکل 199 میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے قطع نظر سپریم کورٹ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی پر

Scanned with CamScanner

آرڈر دینے کا اختیار رکھتی ہے۔ سپریم کورٹ کو آرٹیکل 199 کے تحت صرف اتنا اختیار ہے جتنا ہائی کورٹ کو حاصل ہے۔

جسٹس سلیم اختر..... آرٹیکل 199 کے علاوہ اور کسی جگہ لفظ نوعیت کا ذکر ہے؟

چیف جسٹس..... آرٹیکل 223 (اے) آف 1956ء میں لفظ "نوعیت" کا ذکر ہے۔ اس سے عدالت کا اختیار اور بڑھ جاتا ہے۔

جسٹس سعد سعود جان..... آرٹیکل 8(5) میں درج ہے کہ آئینی حقوق کا احترام ہوگا ان کو معطل نہیں کیا جا سکتا۔

اٹارنی جنرل..... ایمرجنسی کے حوالے سے مخصوص بنیادی حقوق معطل ہو سکتے ہیں۔

جسٹس سعد سعود جان..... سپریم کورٹ بنیادی حقوق کے متعلق آرڈر دے سکتی ہے۔

اٹارنی جنرل..... اس کا تعلق آرٹیکل 199 سے ہے۔

جسٹس اجمل میاں..... 199 کا آپ ذکر کر رہے ہیں بنیادی حقوق کا الگ ذکر ہے۔ یہ سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار میں شامل ہے کہ بنیادی حقوق کا لفظ ذکر ہے۔

اٹارنی جنرل..... آرٹیکل 19(2) میں کہا گیا ہے کہ بنیادی حقوق کے خاتمے پر ہائیکورٹ سے رجوع کیا جا سکتا ہے وہاں سپریم کورٹ کا ذکر نہیں ہے۔

جسٹس سجاد علی شاہ..... ہائیکورٹ نے سپریم کورٹ کا حق فتح کر لیا ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن..... جسٹس اخلاق حسین کے کیس میں فیصلہ دیا جا چکا ہے کہ بنیادی حقوق کو سلب نہیں کیا جا سکتا۔

چیف جسٹس..... ہائیکورٹ 199 کے تحت جو اختیارات استعمال کر سکتی ہے سپریم کورٹ وہ اختیارات استعمال کرنے کی مجاز ہے۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ بنیادی حقوق سے کوئی انکار نہیں کر سکتا وقت آ گیا ہے کہ ہم آپ کا اب شکریہ ادا کریں۔

اٹارنی جنرل..... مائی لارڈ میں صرف چند منٹ صوابدید کے لیے لوں گا۔

چیف جسٹس..... آپ کو صرف پانچ منٹ اور دیتے ہیں ہم نے آپ کا نکتہ سمجھ لیا ہے کہ 199 آرٹیکل کے تحت صوابدیدی اختیارات ہائیکورٹ کی طرح سپریم کورٹ کو حاصل ہیں۔

اٹارنی جنرل..... آرٹیکل 32 کے تحت بھی بنیادی حقوق ہیں میں ان کا ذکر نہیں کروں گا۔ صرف انڈین عدالتوں کے حوالے دیتا ہوں۔

چیف جسٹس..... حاجی سیف اللہ کیس میں کہا گیا کہ ضیاء الحق کا آرڈر 58(2) بی کے مطابق نہیں تھا۔ وزیر اعظم نے اس وقت عدالت میں رجوع نہیں کیا تھا آپ کا کہنا ہے کہ آرٹیکل 48(3) کے تحت سپریم کورٹ کو ہائیکورٹ کے آرٹیکل 199 جیسے اختیارات ہیں 199 کے تحت قانونی حقوق کی سماعت ہوتی ہے۔

اٹارنی جنرل..... میں صرف دو اور کیسوں کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔

چیف جسٹس..... نہیں نہیں چھوڑ دیجیے یہ بھی بے سود کیس ہے۔

جسٹس سلیم اختر..... اگر ریلیف دیا جائے تو کیا کوئی شرط عائد ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس سے حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔

چیف جسٹس..... ہم آپ کے شکر گزار ہیں تفصیل سے آپ نے دلائل دیے صدارتی مراعات کے تمام پہلو بے نقاب کیے آپ نے جو کوشش کی ہے اس پر شکر گزار ہیں ایس ایم ظفر سے استدعا ہے کہ اب وہ بھی آئینی قانونی نکات کی وضاحت کریں۔

اٹارنی جنرل..... بالکل جناب اگر آپ مشروط ریلیف دے دیں تو حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

انس ایم ظفر۔۔۔ عدالت کا فیصلہ تاریخی اور دور رس نتائج کا حامل ہوگا آپ عدالت کی، میں حکومت کی طرف سے معاونت کرنے کا خواہاں ہوں

چیف جسٹس۔۔۔ یہ پہلا موقع ہے کہ بڑے حوصلہ افزا ہیں کہ نظریہ ضرورت کے بجائے آئین کے مطابق فیصلہ ہوگا، بار کے رکن کے طور پر میں بے حد خوش ہوں ہمیں اپنے آئین کو سنجیدگی سے لینا چاہئے۔ اسمبلیوں کو توڑنے کی تاریخ کا حوالہ دوں گا آرٹیکل 58(2)بی کے علاوہ میں سیاسی انصاف پر بات کروں گا۔ اس کے علاوہ آرٹیکل 58(2)بی کی آئینی حیثیت کا جائزہ لوں گا۔ آئین کی نوعیت کیا ہے یہ پارلیمانی ہے صدارتی ہے یا کسی اور قسم کا ہے۔ ایگزیکٹو اور لیجسلیچر کا جائزہ لوں گا جو آئین کے حوالے سے صدر اور وزیر اعظم کے مابین ہوا ہے۔ اسمبلی توڑنے کے اسباب کی قانونی وجوہات بیان کروں گا۔ کیا وزیر اعظم کے ایگزیکٹو کی وجہ سے پوری اسمبلی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اسمبلی توڑنے کا مطلب ایگزیکٹو کے قانونی اقدامات سے پارلیمنٹ کو توڑنا ہے اور معاملہ رائے دہندگان کے سامنے جاتا ہے میں نے بہت سی کتابوں اور اتھارٹی کا جائزہ لیا ہے جدید قانون دانوں اور ماہرین نے "توڑنے" کو پارلیمانی آئینی کنونشن (روایت) تصور کیا ہے جس کے تین بنیادی اجزا ہیں۔ (1) نمائندہ ادارے کا وجود (2) ایگزیکٹو کا قیام جو کہ حیثیت آئین کی طرف سے ہو جسے توڑنے کا جواز ہو (3) نئی پارلیمنٹ کا اجلاس منعقد کرنا۔ اسمبلی کا توڑنا منتخب اسمبلی کے وجود کو ایگزیکٹو کے اقدام سے توڑ کر نئی پارلیمنٹ قائم کرنے تک محیط ہے اس لیے میں ان تینوں پر مختصر دلائل دوں گا۔ رائے دہندگان سے رجوع کرنے کا جہاں تک تعلق ہے اس پر ہی عدالت کا فیصلہ ہے کہ اسمبلی توڑنے کے بعد رائے دہندگان سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ برطانیہ میں بادشاہ کو اسمبلی توڑنے کا اپنی صوابدید کے مطابق اختیار حاصل ہے۔ برطانیہ میں 1834ء کے بعد سے اسمبلی نہیں توڑی گئی اب ٹھوس عادت کو تشکیل دی گئی ہے۔ بادشاہ وہاں صرف وزیر اعظم کے مشورے سے اسمبلی توڑ سکے گا بعض قانون دان کہتے ہیں کہ بادشاہ کے پاس اب بھی اسمبلی توڑنے کے اختیارات حاصل ہیں۔

جسٹس فضل الٰہی۔۔۔ برطانیہ میں بادشاہ کو حق حاصل ہے۔ بادشاہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔

انس ایم ظفر۔۔۔ مگر میں اس پر آپ سے اتفاق نہیں کرتا لیکن میں آپ سے اس معاملے میں نہیں الجھوں گا یہ سوال اٹھا ہے کہ کیا ملکہ وزیر اعظم کے مشورے پر اسمبلی توڑ سکتی ہے کیونکہ وزیر اعظم اپنے لیے مناسب موقع اور مناسب وقت پر اسمبلی توڑتا ہے وہاں یہ بحث جاری ہے کہ وزیر اعظم کے اپنے مشورے سے ملکہ کو اسمبلی توڑنے کا اختیار ہونا چاہئے۔ دوسرے یورپی ممالک میں پارلیمانی طرز حکومت برطانیہ سے بالکل مختلف ہے۔ برطانیہ والے یورپی ممالک کے نظاموں کو خالص پارلیمانی نظام سمجھتے ہیں۔ فرانس، جرمنی، اٹلی، یونان اور دوسرے ممالک کے لوگ اپنے آئین سے جڑی ہوئی محسوس کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے برطانیہ سے الگ واضح آئین اپنایا ہے مسٹر خالد انور نے آئین کی بالادستی کے عمدہ الفاظ استعمال کئے تھے۔ آئین کی بالادستی ہونی چاہئے۔ یورپ میں پارلیمنٹ توڑنے کا اختیار ایگزیکٹو کو حاصل ہے یہ اختیارات صرف وزیر اعظم کے مشورے پر ہی استعمال نہیں ہوتے بلکہ بعض ممالک میں پارلیمنٹ توڑنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس طرح یورپ میں مذکورہ دو طرز حکومت کام کر رہی ہیں۔ یورپ کے پارلیمانی نظام ہیں جہاں وزیر اعظم کے مشورے کے علاوہ بھی صدر اسمبلی توڑ سکتا ہے۔

جسٹس سعد سعود جان۔۔۔ کیا صدر کو اسمبلی توڑنے کے لیے کوئی شرائط نہیں ہیں۔

انس ایم ظفر۔۔۔ شرائط ہیں پاکستان کے پارلیمانی نظام میں 1958ء میں شامل ہوا جب آرٹیکل 58(2)بی آئین میں آٹھویں ترمیم کے ذریعے شامل کی گئی۔ برطانیہ، جرمنی اور یونان میں پارلیمنٹ توڑنے کے حالات مختلف ممالک میں مختلف ہیں۔ مسٹر انس ایم ظفر نے یورپ میں اسمبلیاں توڑنے سے متعلق تفصیل سے بحث کرتے ہوئے بیان کیں۔

Scanned with CamScanner

برطانیہ

11 نومبر 1958ء، 27 جون 1986ء، 10 جنوری 1910ء، نومبر 1910ء، اکتوبر 1922ء، اکتوبر 1933ء، اکتوبر 1924ء، جنوری 1950ء، اکتوبر 1951ء۔

یونان

جہاں سے جمہوریت پیدا ہوئی وہاں جون 1859ء، نومبر 1860ء، فروری 1868ء، مارچ 1869ء، دسمبر 1871ء، جنوری 1872ء، دسمبر 1872ء، مئی 1874ء، مئی 1875ء، اگست 1979ء، نومبر 1881ء، فروری 1885ء، دسمبر 1886ء، اگست 1890ء، مارچ 1892ء، ستمبر 1902ء، جون 1910ء، مئی 1915ء، نومبر 1915ء، اگست 1932ء، جنوری 1933ء، دسمبر 1935ء، اگست 1936ء، جنوری 1950ء، جولائی 1951ء، اکتوبر 1952ء، جنوری 1956ء، مارچ 1958ء۔

بلجیئم

مئی 1892ء، ستمبر 1894ء، اکتوبر 1919ء، مئی 1949ء، اپریل 1950ء،

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... کیا اسمبلیاں وزیراعظم کے مشورے سے توڑی گئیں۔

ایس ایم ظفر...... وزیراعظم کے مشورے سے بھی اور اس کے بغیر بھی توڑی گئیں۔

ایس ایم ظفر...... 1985ء کے انتخابات نے ملک کو متحد نہیں کیا، تقسیم کیا، 1970ء کے الیکشن سے ملک نہیں ٹوٹا ملک اس لیے دو ٹکڑے ہوا کیونکہ ہم نے اقتدار اس کو نہ دیا جسے عوام نے منتخب کیا تھا۔

مسٹر جسٹس افضل لون نے ایک فیصلے میں کہا ہے کہ الیکشن آئیڈیل ہیں۔ مسٹر چرچل سے ایک بار پوچھا گیا کہ جمہوریت مہنگی شکل ہے؟ چرچل نے کہا کہ بالکل درست ہے جس پر ضمنی سوال کیا گیا اس کا حل کیا ہے چرچل نے کہا" مور ڈیموکریسی۔"

ایس ایم ظفر...... چرچل پاکستان نہ بنا سکتا میں آپ کے ریمارکس میں شریک نہیں ان پڑھ غریب مسلمانوں نے قائداعظم کی قیادت میں پاکستان بنایا ہے میرا نکتہ یہ ہے کہ صدر دونوں ایوانوں کو وقتاً فوقتاً طلب کر کے برخاست کر سکتا ہے ریکوزیشن پر سپیکر قومی اسمبلی کا اجلاس بلا کر خود برخاست کر سکتا ہے۔ 18 اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس 19 اپریل کے لیے کیا گیا۔

چیف جسٹس...... آپ اپنے طریقے سے دلائل دیں کبھی حکومت کی غلط کاری سے ساری قومی اسمبلی کو چلتا کر دیا جائے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ حکومت اکثریتی پارٹی کی ہے اگر حکومت ٹھیک نہیں تو ساری اسمبلی کو گھر بھجوایا جا سکتا ہے۔ اس بار صورت حال بالکل مختلف ہے اٹارنی جنرل نے اپنی استدعا کی سمری دی ہے جس میں انہوں نے زور دیا ہے کہ 17 اپریل کی تقریر کی وجہ سے قومی اسمبلی توڑی گئی ہے 18 اپریل کو ارکان نے قومی اسمبلی کے لیے ریکوزیشن کیا تاکہ سیاسی صورتحال پر بحث ہو ارکان وزیراعظم کی تقریر کی توثیق یا تنقید کر سکتے تھے وہ صدر کے بارے میں اظہار خیال کر سکتے تھے ارکان قومی اسمبلی کو 19 اپریل کو اکٹھے ہونے کا موقع دیئے بغیر اسمبلی توڑ دی گئی۔

ایس ایم ظفر...... میں اس معاملے کا بعد میں جواب دوں گا کہ 53 (اے) میں کہا گیا ہے کہ اگر صدر اور سپیکر کے مابین تنازعہ ہو تو صرف سپیکر برخاست کر سکتا ہے۔ وزیراعظم کے مشورے سے صدر اسمبلی توڑ سکتا ہے میری استدعا ہے کہ اگر اسمبلی سپیکر ریکوزیشن کرے تو وزیراعظم کے مشورے سے صدر اسمبلی توڑ سکتا ہے۔ اسمبلی ریکوزیشن کر لی جائے تب بھی وزیراعظم کا اسمبلی توڑنے کا مشورہ دینے کا اختیار قائم رہتا ہے۔ 51

Scanned with CamScanner

آرٹیکل کے حوالے سے کہوں گا کہ وزیر اعظم اس وقت اسمبلی نہیں توڑ سکتا جب اس کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کا نوٹس دے دیا جائے اس کو 58(2)بی کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ صدر بھی ریکوزیشن کی گئی اسمبلی کو توڑ سکتا ہے جیسا کہ وزیر اعظم کو اختیار ہے۔

جسٹس سلیم اختر...... کیا آئین میں ایسی شق ہے وہ بتائیں۔

ایس ایم ظفر...... میں نے مطالعہ نہیں کیا۔

جسٹس افضل لون...... کیا ایسی مثال ہے کہ اگر سپیکر نے اسمبلی کا اجلاس ریکوزیشن کیا ہو اور اسے توڑا گیا ہے برطانوی تاریخ میں ہے کہ اسمبلی کا اجلاس برخاست ہونے تک نہیں توڑا گیا۔

ایس ایم ظفر...... میں اس کے بارے میں تاریخی کتابیں پڑھ کر جواب دے سکوں گا۔ اب میں قانونی دلائل دوں گا۔ اسمبلی کو برخاست کرنے اور توڑنے کے الفاظ الگ الگ ہیں ان کو ملایا نہیں جا سکتا چاہے اس کا اجلاس ہو رہا یا نہ ہو رہا ہو اسمبلی توڑنے کا اختیار ایسی صورت میں ختم نہیں ہو سکتا کہ اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہے۔

چیف جسٹس...... آپ ہمارے سوالوں کا خود بخود جواب دے رہے ہیں۔

ایس ایم ظفر...... اٹارنی جنرل سے آپ نے کئی سوال پوچھے میں نے وہ نوٹ کئے ان کا جواب تیار کیا جو پیش کر رہا ہوں تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... میرے پاس آپ کی فائل میں متعلقہ صفحہ نہیں ہے۔

ایس ایم ظفر...... یہ سارا کام ہوٹل کے کمرے میں میرے معاون زاہد نے کیا ہے۔

چیف جسٹس...... آپ ہوٹل میں ہی کیوں رہتے ہیں اسلام آباد کے کسی مکان میں کیوں نہیں رہتے، کیا ہم لے دیں؟

ایس ایم ظفر...... 58(2)بی سے پہلے آرٹیکل ہے۔

چیف جسٹس...... یہ کوئی اہم نکتہ نہیں جس پر آپ اتنا وقت لے رہے ہیں قومی اسمبلی کا اجلاس بلا لیا گیا قومی اسمبلی توڑ دی گئی یہ اہم نکتہ ہے۔

ایس ایم ظفر...... آپ کے اس اہم نکتے کی طرف میں آتا ہوں۔

جسٹس سجاد علی...... 17اپریل کی تقریر کے بعد 18اپریل کو قومی اسمبلی ریکوزیشن کرنے کی کیا ضرورت تھی ریکوزیشن سیاسی صورتحال پر غور کرنے کے لیے کی گئی کیا وزیر اعظم کی تقریر سے پیدا شدہ صورتحال پر غور ہونا تھا۔

چیف جسٹس...... 22اپریل کو صدر نے قومی اسمبلی کا اجلاس طلب نہیں کیا صدر کے دستخط کرنے کے بعد فائل وزیر اعظم سیکرٹریٹ نہیں بھیجی گئی۔

اٹارنی جنرل...... 18اپریل کو یہ فائل بھجوانا تھی مگر اسی رات اسمبلی توڑ دی گئی وقت کم تھا فائل وزارت پارلیمانی امور کو بھجوانا تھی۔

ایس ایم ظفر...... وزیر اعظم اگر اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مشورہ دے تو صدر اجلاس بلانے کا پابند ہے۔

چیف جسٹس...... وزیر اعظم نے محسوس کیا ہوگا کہ 22اپریل دور ہے اس لیے 19اپریل کو قومی اسمبلی کا اجلاس بلا لیا جائے۔

ایس ایم ظفر...... جن ارکان نے اجلاس طلب کیا اگر وہ وزیر اعظم پارٹی کے ہیں تو اور بات ہے۔

چیف جسٹس...... ہمارے پاس اور سب کے پاس ان کی لسٹ ہے۔

ایس ایم ظفر...... آپ مجھے مفروضوں کا پوچھیں گے تو میں آگے نہیں چل سکوں گا میں دلائل کو آگے بڑھا رہا ہوں۔

چیف جسٹس...... آپ نے صدر یا سپیکر کی طرف اجلاس بلانے کی وضاحت کر دی ہے سپیکر اگر اجلاس بلائے تو صرف وہی برخاست کر سکتا ہے۔

ایس ایم ظفر...... سیاسی امکان کا جہاں تک تعلق ہے اس میں یہ معاملہ اٹھا ہے میں قرارداد مقاصد کی طرف توجہ مبذول کراتا ہوں، ہم میں سے

Scanned with CamScanner

اکثریت نے قرآن پاک پڑھا تو ہے مگر اس پر عملدرآمد نہیں کیا جس میں سبھی سماجی اقتصادی سیاسی انصاف آزادی اظہار ایمان، عبادت، ایسوسی ایشن وغیرہ کا اختیار بیان کر دیا گیا ہے قرارداد مقاصد پاکستان ہمارے ماضی، حال و مستقبل پر محیط ہے دیباچے میں کہا گیا ہے کہ سماجی معاشی اور سیاسی انصاف کے مقاصد کے لیے آئین میں ضروری تحفظات ہوں گے۔

جسٹس افضل لون...... لکھا یہ ہے کہ مساوات سمیت ہر قسم کے انصاف کا تحفظ ہوگا۔

ایس ایم ظفر...... میں نے پیراگراف کم کر کے پڑھا ہے آئین میں تمام بنیادی حقوق کا ذکر ہے۔

چیف جسٹس...... پہلے آئین کے دیباچے میں قرارداد مقاصد تھی اب آرٹیکل 2 (اے) کے تحت اسے آئین کا حصہ بنا دیا گیا ہے اب قرارداد مقاصد پر عملدرآمد ضروری ہے۔

ایس ایم ظفر...... واقعی اس پر عملدرآمد ضروری ہے انصاف سماجی معاشی و سیاسی ہے کسی ایک کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا اگر سماجی و معاشی انصاف نہ ہو تو سیاست کیا رہ جائے گی کیا دولت کے بل بوتے پر سیاست ہوگی بنیادی حقوق کے متعلق میں کہنا چاہتا ہوں کہ سیاسی انصاف پر درج ذیل بنیادی حقوق محیط ہیں۔ پرائیویسی، سیکورٹی، گرفتاری و نظر بندی سے تحفظات موثر سماجی سزا سے تحفظ، دوہری سزا سے تحفظ، دوبارہ مجرم ٹھہرائے جانے سے تحفظ انسانی وقار کے عدم احترام سے تحفظ، ٹارچر سے تحفظ جو حکومتی پارٹی کا انفرادی سطح کا ہی کیوں نہ ہو آزادی نقل و حرکت، آزادی اجتماع، ایسوسی ایشن بنانے کی آزادی، تقریر کی آزادی، 65 شہریوں سے مساویانہ سلوک، جہاں تک سماجی سوشل انصاف کا تعلق ہے متعدد مذکورہ بنیادی حقوق اس کے زمرے میں آتے ہیں۔ معاشی انصاف میں پیشے کے اختیار کی آزادی ہے میں صنعتکاروں اور صحافیوں کا بھی وکیل ہوں، جائیداد رکھنے کی آزادی ہے، ایک برنس، 20 برنس، ایک مربع زمین سو مربع زمین (42) کسی کی جائیداد بغیر معاوضے کے حاصل نہیں کی جا سکے گی ان کے علاوہ تین حقوق ہیں (20) مذہبی انصاف مذہب اختیار کرنے کی آزادی (21+22) کسی خاص مذہب کو ٹیکس سے استثنیٰ حاصل ہے سیاسی انصاف کے ساتھ بنیادی حقوق کا کافی تعلق ہے۔ اس میں یہ بنیادی حقوق شامل ہیں۔

چیف جسٹس...... کیا یہ طویل ہے، آپ پر اصل بوجھ قرارداد مقاصد کے تحت سیاسی انصاف کی وضاحت ہے، سیاسی انصاف کی یہاں خلاف ورزی ہوئی ہے اس لیے بنیادی حقوق مجروح کیے گئے ہیں۔ آپ متعلقہ آرٹیکل تک محدود رہیں۔

ایس ایم ظفر...... میں فاضل جسٹس کو عرصے سے جانتا ہوں مگر یہ مجھے علم نہیں کہ آپ کے ذہن میں کیا سوالات ہیں آپ نے جو سوال پوچھا ہے اب میں اس کا جواب دیتا ہوں ایک کتاب "تھیوری آف جسٹس" ہے جو جان رال کی لکھی ہوئی ہے۔

چیف جسٹس...... کیا اس کا تعلق (آپ کی طرح) ہوشیار پور سے ہے۔

ایس ایم ظفر...... ویسے یہ لگتا ہے کہ وہ پاکستان کے آئین کو جانتا ہے اس کتاب میں کہا گیا ہے کہ سیاسی انصاف وہ انصاف ہے جو آئین میں دیا گیا ہو مصنف کے مطابق آئین کو مساویانہ آزادی کی گارنٹی دینی چاہئے جیسے لارڈ شپ افضل لون نے کہا تھا آئین کو رائے دہندگان کو ایسی مشینری مہیا کرنا چاہئے جس سے وہ اپنے نمائندے چن سکیں۔ کئی مقامات پر سیاسی انصاف کو اس نے شراکت کے حق سے تعبیر کیا ہے اس کے ہر ووٹ کا ایک جیسا وزن ہونا چاہئے تاکہ الیکشن کا نتیجہ سامنے آئے۔ میں نے فاضل ججوں سے جو سیکھا ہے جو سماجی رتبہ پاکستان میں مجھے حاصل ہے یا نہیں ہے یا خالد انحق، خالد انور، یحییٰ بختیار کو حاصل ہے مگر ہم سب کو ووٹ کا حق اتنا ہی ہے جتنا ایک ریڑھی والے کو ہے اگر بالغ افراد کو حق رائے دہی نہیں دیں گے تو سیاسی انصاف نہیں ہوگا ایسا طریقہ کار مہیا کرے جس سے اکثریت اقتدار حاصل کر سکے کوئی شخص اگر مسلسل اسمبلی میں رہنا کا ذکر نہیں ہے یہ بنیادی حق نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

چیف جسٹس......لیکن اسمبلی کی زندگی قانون کے مطابق ختم ہونی چاہیے غیر قانونی طور پر نہیں۔

ایس ایم ظفر......سماجی معاشی سیاسی انصاف یکساں ہونے چاہئیں۔

جسٹس شفیع الرحمٰن......آپ نے صفحہ 224 پر لکھا ہے کہ مہنگی ترین آزادی یہ ہے کہ اکثریت کی حکومت ہو۔

جسٹس افضل لون......میں تا حال تشنہ ہوں شراکت کے بارے میں، کیا صرف ووٹ پولنگ بوتھ میں ڈالنا ہی شراکت کے زمرے میں آتا ہے شراکت سے مراد فیصلے کرنے میں شراکت ہے۔

چیف جسٹس......یہ بڑا دلچسپ کیس ہے آپ تو دی پوائنٹ بول رہے ہیں ہم کل صبح آپ کو سنیں گے اتنے آپ کے دلچسپ نکات ہیں یوں لگتا ہے کہ ہماری سنجیدہ خواہش کے باوجود شاید اس ہفتے کیس کی سماعت مکمل نہ ہو سکے۔

25 مئی نگران وزیر اعظم کے وکیل ایس ایم ظفر نے کہا کہ اسمبلیاں توڑنے کے صدر کے اختیار کے ساتھ سیاستدانوں کا محبت و نفرت کا رشتہ قائم رہا ہے۔ گذشتہ 9 سال سے یہ اختیار برقرار ہے جس کے نتیجہ میں تین اسمبلیاں توڑی جا چکی ہیں۔ ہمارے منتخب عوامی نمائندوں نے اپنی مراعات میں اضافے کے لیے یکجا ہو کر ایک گھنٹے میں مالی قانون، منظور ہے، منظور ہے، کے نعرے سے منظور کروالیا مگر 58 (2) بی کے صدر کے اختیار میں ترمیم کے لیے متفقہ مؤقف اختیار نہیں کیا۔ صدر کا یہ اختیار آئین کا حصہ ہے اور ہمیں آئین کے تابع رہ کر ہی فیصلہ کرنا ہے۔ وہ منگل کے روز سپریم کورٹ میں سابق وزیر اعظم نواز شریف کی آئینی پٹیشن کے خلاف دلائل دے رہے تھے۔ منگل کے روز انہوں نے اپنے دلائل مکمل کر لیے جس کے بعد بلوچستان کے ایڈووکیٹ جنرل راجہ افسر خان اور سندھ کے ایڈووکیٹ جنرل عبدالغفور نے اپنے مختصر دلائل مکمل کئے، ابھی پنجاب کے ایڈووکیٹ جنرل مقبول الٰہی ملک کے دلائل جاری تھے کہ سماعت بدھ کی صبح تک ملتوی کر دی گئی۔ ایس ایم ظفر نے اپنے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ جب اپریل 1973ء میں پاکستان کا نیا آئین نافذ کیا گیا تو عمومی تاثر دیا گیا کہ اس بار پارلیمانی طرز حکومت کو اپنایا گیا ہے۔ لیکن درحقیقت میں وہ پارلیمانی نہ تھا کیونکہ 1973ء کے آئین کے تحت صدر کے اختیارات صفر تھے اور وہ صرف اور صرف نمائشی صدر تھا۔ مملکت کے تمام اختیارات وزیر اعظم کے منصب میں سمو دیئے گئے تھے یہاں تک کہ ابتدائی برسوں میں وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک میں وزیر اعظم کی پارٹی کے ارکان کے ووٹ گنتی میں نہ لیے جا سکتے تھے۔ یہ بہتر ہوگا کہ اس نظام کو پارلیمانی کہنے کی بجائے ''وزیر اعظم کا نظام'' کہا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ جب 1977ء میں دونوں برابر کی قوتوں میں کشمکش انتہاء کو پہنچ گئی اور پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے درمیان صدر کوئی کردار ادا نہ کر سکا تو نوبت مارشل لاء تک پہنچ گئی۔ 1985ء میں آٹھویں ترمیم کے ذریعہ اس توازن کو صدر کے حق میں کر دیا گیا ہے اور اب ہمارے آئین میں کئی دفعات ایسی ہیں جو ہمارے نظام کو خالصتاً پارلیمانی نہیں رہنے دیتیں۔ یہ نظام ایک ملغوبہ ہے اس میں صدارتی نظام کی بھی جھلک ہے اور پارلیمانی نظام کے اصول بھی موجود ہیں۔ یورپی ممالک کے نظام کی طرح یہ اپنی قسم کا آئین ہے اور اس کی تشریح کرتے وقت ہم خالصتاً پارلیمانی نظام کی روایات پر انحصار نہیں کر سکتے۔ 1985ء کے آئین میں مندرجہ ذیل دفعات جن کا تعلق صدر اور وزیر اعظم کے تعلقات سے ہے وہ خالصتاً پارلیمانی نظام کی روایات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ 41، 46، 48،(1)، 91(5)اور 99۔ ان پارلیمانی اصولوں کے ساتھ ساتھ پارلیمانی تصور کے منافی مندرجہ ذیل اختیارات جو وزیر اعظم کے منصب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو صدر کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ صدر کو صوابدیدی اختیارات دے دیئے گئے ہیں۔ 48(2)، 58(6)، 213، 242(2)بی، 1777، 193، 101اور 218۔ ان تمام اختیارات کی موجودگی میں صدر کا کسی ملکہ سے موازنہ کرنا آئین کی درست تشریح کرنے میں مددگار ہوگا بہتر یہ ہوگا کہ ہم اپنے آئین کو جیسے وہ نافذ ہے اسی طرح پڑھیں اور اس کی پابندی کریں۔ میں یہاں پروفیسر موزو کی کتاب سے ایک سطر پڑھ کر سناتا

Scanned with CamScanner

ہوں۔ ''قانون اگر غلط طور پر بنایا گیا ہے لیکن اگر وہ قانون ہے تو عدالتوں پر اس کا احترام لازم ہے۔'' میں میاں نواز شریف کے اس بیان سے جو انہوں نے حال ہی میں دیا متفق ہوں کہ ان کی ایک بڑی سیاسی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے آٹھویں ترمیم کو منسوخ کرنے کی کوشش نہ کی لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ایک وقت وہ تھا جب وہ آٹھویں ترمیم اور خاص طور پر دفعہ 58 کی تعریف کرتے تھے اور انہوں نے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے جب وہ ملک کے سب سے بڑے صوبے کے وزیر اعلیٰ اور اسلامی جمہوری اتحاد کے صدر تھے۔ اسی دفعہ کے تحت اس وقت کے وزیر اعظم کے خلاف کارروائی کا تقاضا کیا تھا۔ یہ ہماری سیاسی بدقسمتی ہے کہ جب بے نظیر بھٹو وزیر اعظم تھیں انہوں نے بھی اس معاملہ میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہ کی اور جب وہ حزب اختلاف کی صفوں پر بیٹھیں تو انہوں نے بھی دفعہ 58/2 کے تحت کارروائی کا تقاضا کیا۔ مؤقف کے تضادات کا یہ عالم ہے کہ 1958ء سے اب تک ہر سیاسی قائد ضرورت کے مطابق آٹھویں ترمیم کے حق میں یا اس کے خلاف رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تین اسمبلیاں چلی گئیں لیکن 1958ء سے آج 1993ء تک 58(2) آئین کا حصہ ہے، ہمارے عوامی نمائندگان اپنی مراعات میں اضافہ کے لیے تو ایک ہی دن میں یکجا ہو سکتے ہیں بلکہ انہوں نے ایک گھنٹے میں مالی قانون، منظور ہے، منظور ہے، کے نعروں میں پاس کروالیا لیکن 58(2) کو آئین کی زینت بنے رہنے دیا۔ اب یہ آئین کا حصہ ہے اور ہمیں آئین کے تابع رہ کر فیصلہ کرنا ہے۔

سیاسی انصاف کے تصور کی حدود متعین ہیں اور ان میں یہ حق کہیں نہیں دیا گیا کہ اسمبلی کی میعاد بھی بنیادی حقوق کا حصہ ہے۔ جب اس سے پہلی اسمبلی کی تحلیل کا مقدمہ لاہور ہائیکورٹ میں زیر بحث تھا تو اس وقت جناب جسٹس رفیق تارڑ نے آج کے اٹھنے والے مسئلہ کو بروقت نوٹ کر کے اپنی رائے دے دی تھی۔ انہوں نے خواجہ طارق رحیم کے مقدمہ میں ایک جگہ لکھا ہے ''اسمبلی کی میعاد اور اسمبلی میں اپنا وقت پورا کرنا کسی طرح سے بھی بنیادی حق کے زمرے میں نہیں آتا'' قومی اسمبلی کو تحلیل کئے جانے کی وجوہات اور ان کے پس منظر پر اٹارنی جنرل نے طویل بحث کی ہے۔ میں صرف دو وجوہات پر مختصراً ان کے دلائل پر اضافہ کروں گا۔ ارکان اسمبلی کے استعفے، 17 اپریل کی تقریر اور مشترکہ مفادات کونسل کی ذمہ داریاں پوری نہ کرنا۔ جہاں تک استعفوں کا تعلق ہے ان استعفوں کے آنے کی وجہ سے صدر کو یہ اندازہ ہوا کہ قومی اسمبلی میں صورتحال ایسی ہوگئی ہے کہ وہاں حزب اختلاف ہی نہ رہے۔ یہ صورتحال جمہوری نظام کے لیے نقصان دہ تھی۔ سپریم کورٹ نے احمد طارق کے مقدمہ میں یہ بات طے کردی ہے کہ صدر آرٹیکل 58(2) کے تحت نہ صرف اس وقت عمل کر سکتا ہے جب حکومتی مشینری معطل اور مفلوج ہوگئی ہو بلکہ اگر ایسا ہونے کا پورا احتمال ہو تب بھی صدر کو وقت سے پہلے کارروائی کرنے کا حق ہوگا۔ وزیر اعظم کی تقریر کے بارے میں کہا کہ وہ اس تقریر کے پس منظر کو نہیں دہرائیں گے دونوں جانب کی بحث سننے کے بعد اور اس مقدمہ میں عرضی دعوے اور جوابی دعوے پڑھنے کے بعد مندرجہ ذیل نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ 14 اپریل کو صدر اور وزیر اعظم کے درمیان گفتگو کا دروازہ کھلا تھا اور ایک حتمی بات طے ہوئی تھی 17 اپریل کو وہ دروازہ اس انداز سے بند کردیا گیا کہ معاملہ قومی اسمبلی کی برطرفی تک پہنچ گیا۔ اس تقریر کا رجحان واضح کرتا ہے کہ وزیر اعظم صدر کو کئی خرابیوں کا ذمہ دار قرار دے رہے ہیں اور اپنے اس یقین کو عوام تک ملک بھر میں اس کی اطلاع دے رہے ہیں' انہوں نے کہا کہ عام حالات میں ملک اور وزیر اعظم کے اختلافات کو سنجیدہ مصنفین نے ایک المیہ کہا ہے اور پارلیمانی روایات کی اکثر کتابوں میں درج ہے کہ اگر ان اختلافات کی خبر نکل آئے تو یہ نقصان دہ امر ہوگا۔ تو ایک ایسے نظام میں جہاں صدر کئی معاملات میں وزیر اعظم کے مشورے کا پابند نہ ہو، ایسا اختلاف نہ صرف نقصان دہ ہوگا بلکہ کئی خرابیوں کا باعث بن جائے گا اور پھر اگر وہ اختلاف ایک ایسے نظام کے صدر اور وزیر اعظم میں پایا جائے جہاں صدر اور وزیر اعظم کے درمیان تقسیم کار کئی حصوں میں تقسیم ہے کہ صدر کے صوابدیدی اختیارات بھی ہیں وزیر اعظم کے مشورہ کی پابندی بھی ہے اور کئی اختیارات دونوں نے مل جل کر چلانے ہیں وہاں تو اس طرح کا اختلاف ایک حادثہ ہی ہو سکتا ہے اور اگر یہ اختلاف ان الفاظ میں بیان ہو جس

Scanned with CamScanner

میں 17 اپریل کی تقریر ہے اور اسے اتنی تشہیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہو جیسا پاکستان میں ہوا ہے تو پھر یہ حادثہ عظیم ہے جو کہ ہوا۔ وزیر اعظم نے ایک لحاظ سے عوام تک جانے کی اپیل کی ہے اور صدر نے اس کو تکمیل تک پہنچا دیا ہے وزیر اعظم کو اس تقریر سے یقیناً عوامی اور سیاسی لحاظ سے فائدہ ہوا ہے اور ان کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ اب عوام کی تائید کو جس کے لیے نگران وزیر اعظم نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انتخابات کو بذریعہ افواج پاکستان شفاف رکھیں گے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

ایڈووکیٹ جنرل بلوچستان راجہ محمد افسر نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں صدر کے منصب اور مقام کو مدنظر رکھتے ہوئے دیکھنا ہوگا کہ صدر نے قومی اسمبلی تحلیل کرنے کا جو حکم جاری کیا اس میں کس قدر وزن اور تقدس ہے۔ آئین پاکستان کے تحت صدر سربراہ مملکت اور قومی یکجہتی واتحاد کی علامت ہے۔ وفاق پاکستان کے انتظام وانصرام کا اختیار صدر کو تفویض کیا گیا ہے۔ آئین میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ صدر ان اختیارات کا استعمال براہ راست کر سکتے ہیں یا وہ اپنے ماتحت تناظر میں دیکھا جائے تو صدر پاکستان اتنی اعلیٰ پوزیشن کے حامل قرار پائے ہیں کہ ان کے کسی عمل یا حکم کے متعلق صرف ایک ہی رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ صدر کے پیش نظر ملک وقوم کا عظیم تر مفاد تھا۔ ان کے کسی عمل اور حکم کے خلاف ایک ہی مفروضہ قائم ہو سکتا ہے کہ ان کی نیت ملکی مفاد اور مملکت کی فلاح کے لیے تھی۔ درخواست گزار نے ان کی نیت کے خلاف جو الزامات لگائے ہیں وہ ازخود بے بنیاد قرار پاتے ہیں۔

ایس ایم ظفر...... ہم یہاں سیاسی انصاف کے اس پہلو کا جائزہ لے رہے ہیں کہ کیا مقررہ مدت کے لیے آنے والی حکومت کو میعاد سے قبل ہٹایا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں سیاسی جماعت کا حق ہے کہ وہ اسمبلی میں جا کر اکثریت حاصل کر کے حکومت میں جائے۔ ہم نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کے مابین مساوات قائم کیں مشرقی پاکستان کی 52 فیصد اور مغربی پاکستان کی اڑتالیس فیصد آبادی تھی ہم نے دونوں کو آدھی آدھی نشستیں دیں جو سیاسی انصاف کے خلاف تھیں مغربی پاکستان میں بھی ایسا ہی ہوا پنجاب کی اکثریت کو دوسرے تین صوبوں کی بناء پر قربان کیا گیا مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ایک وجہ سیاسی عدم انصاف بھی تھا۔

چیف جسٹس......(2) اے آرٹیکل میں کہا گیا ہے کہ سیاسی انصاف کا تحفظ کیا جائے گا جو بنیادی حقوق میں آرٹیکل 17 اور دوسری شقوں میں اس کا ذکر ہے۔ باب 2 میں بھی بنیادی حقوق کا ذکر ہے آپ نے کہا ہے کہ جماعتوں کی تشکیل، ان کے الیکشن لڑنے، اسمبلی میں جانے اور حکومت بنانے کا حق آرٹیکل 17 کے زمرے میں آتا ہے۔ اس کے بعد حکومت کی زندگی اور مقررہ وقت سے قبل اس کی زندگی ختم کرنے کا قانونی، آئینی، سیاسی انصاف کے زمرے میں آتا ہے، بنیادی حقوق کے زمرے میں نہیں۔ آپ اس سلسلے میں رہنمائی کریں۔ اگر سیاسی ناانصافی اس طرح کی جائے کہ منتخب حکومت کو غیر قانونی طریقے سے ختم کر دیا جائے آپ اسے کہتے ہیں کہ یہ بنیادی حق کی خلاف ورزی نہیں ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ بنیادی حق کی خلاف ورزی ہے۔ آپ دلائل دیں۔

جسٹس سعد سعود جان...... آرٹیکل 2 (اے) اور آرٹیکل 17 کو تمام سیاسی حقوق پر موثر کیا جا سکتا ہے۔ آرٹیکل نمبر 17 میں ہر شہری کو سیاسی جماعت بنانے، اس کا ممبر بننے کا حق ہے۔

ایس ایم ظفر...... اگر قومی اسمبلی کی زندگی قانونی دائرے میں رہ کر ختم کی جائے تو یہ درست ہوگا۔ میرے تحریری دلائل میں کہا گیا ہے کہ آرٹیکل 52 میں کہا گیا ہے کہ مجلس شوریٰ دو ایوانوں پر ہوگی یہ بنیادی حق نہیں یہ سیاسی انصاف کے زمرے میں آتا ہے۔ آرٹیکل 51 کے تحت اسمبلی کے ارکان کی تعداد بنیادی حق نہیں یہ سیاسی انصاف کے حق میں آتا ہے۔ آرٹیکل 52 میں قومی اسمبلی کی میعاد کا درج ہے۔

لکھا ہے کہ یہ پانچ سال ہوگی چیئرمین سینٹ اس کی میعاد تین سال چاہتے ہیں کوئی دوسرا سات سال چاہتا ہے اس لیے قومی اسمبلی کی میعاد سیاسی

Scanned with CamScanner

انصاف کا حصہ ہے بنیادی حق کا نہیں۔

چیف جسٹس — آپ ہمارے پوائنٹ نہیں سمجھے آرٹیکل نمبر 4 میں کیا کہا گیا ہے کہ کوئی شہری بن جائے اس کی مقررہ میعاد تک زندگی قانون کے مطابق درست نہیں۔

ایس ایم ظفر — میں تسلیم کرتا ہوں کہ ارکان قومی اسمبلی سے قانون کے مطابق سلوک ہونا چاہئے۔ یہ ناقابل تردید حق ہے مگر یہ بنیادی حق نہیں ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن — آپ بنیادی حق اور سیاسی انصاف کا موازنہ کر رہے ہیں آپ کہتے ہیں کہ آئین کی دوسری شقیں بنیادی حق نہیں ہے اکثریت کی حکومت کے تصور کا جہاں تک تعلق ہے اسے آئین وقانون کے مطابق کام کرنا ہے۔ اگر وہ غیر صحت مندانہ کام کرتی ہے اسے آرٹیکل نمبر 17 کے تحت عدالت میں نہیں لایا جاسکتا۔ ایک جماعت کے خلاف سپریم کورٹ میں کس شق کے ساتھ جایا جاسکتا ہے کیا وزیراعظم اور ان کے ارکان کے خلاف غیر صحت مندانہ سرگرمیوں کا الزام لگایا گیا تھا۔ فاٹا میں ایک وزیر نے سیاسی سرگرمیوں کو غیر صحت مندانہ قرار دیا۔ ایک دستاویز میں کہا گیا کہ فاٹا میں سیاسی سرگرمیاں نہیں ہونی چاہئیں کوئی شخص بتا رہا ہے کہ پاکستان کے ایک حصے میں سیاسی سرگرمی نہیں ہوسکتی۔

ایس ایم ظفر — اس دستاویز کا بنیادی حق کے حوالے سے الگ تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن — جس کسی نے آئین کے تحت حلف اٹھایا ہے اسے آئین کو سمجھنا چاہئے۔ پیشتر اس کے کہ حالات قابو سے باہر ہو جائیں۔

ایس ایم ظفر — فاٹا میں سیاسی سرگرمیوں کو روکنے کا معاملہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہیں۔ یہ سیاسی ناانصافی ہے۔

چیف جسٹس — بنیادی حقوق آئین کا حصہ ہیں اگر بنیادی حقوق پر عملدرآمد نہیں ہوگا تو یہ بنیادی حقوق کہلانے کے مستحق نہیں ہوں گے۔

جسٹس سلیم اختر — آرٹیکل نمبر 9 کا بیان آپ نے ذکر نہیں کیا جس میں زندگی کا بنیادی حق ہے۔ قانون کے مطابق حکومت کرنے کو بنیادی حق قرار دیا گیا ہے۔

ایس ایم ظفر — اس آرٹیکل میں زندگی سے مراد انسانی زندگی ہے۔ انسان کو زندہ رہنے کا حق بہت ہے بہت سے ایم این اے سمجھتے ہیں کہ اسمبلی کے باہر زندہ نہیں رہ سکتے۔

چیف جسٹس — انسانی حقوق کا آپ ذکر کر رہے ہیں بنیادی حقوق کا آئین میں ذکر ہے۔ آرٹیکل 9 میں زندگی گزارنے کا بنیادی حق ہے اس سے مراد مناسب طریقے سے زندگی گزارنا ہے۔ آپ نے پوائنٹ واضح کر لیا ہے چاہے ہم اس سے متفق ہوں نہ ہوں۔ یہ ہماری سردردی ہے آپ کی نہیں۔ اب آپ آگے چلیں۔

ایس ایم ظفر — 1966ء کے انسانی حقوق کے کنونشن میں بنیادی حقوق کا ذکر ہے۔

چیف جسٹس — پاکستان بھی اس کا ممبر ہے۔

ایس ایم ظفر — شاید ممبر نہیں ہے۔ اٹارنی جنرل بتا سکتے ہیں۔

اٹارنی جنرل — مائی لارڈ! میں چیک کر کے بتا سکوں گا۔

ایس ایم ظفر — سپریم کورٹ کے موجودہ جج جسٹس رفیق تارڑ نے خواجہ طارق کیس میں اس پہلو پر غور کر کے یہ ریمارکس دیئے تھے کہ توڑی گئی اسمبلی کے ارکان اپنے کسی حق کا دعویٰ نہیں کر سکتے اگر صدر قومی اسمبلی کو ارکان کی غیر قانونی حرکات کی وجہ سے توڑ دے۔ جسٹس شفیع الرحمن نے حاجی سیف اللہ کیس میں لکھا ہے کہ کیونکہ معاملہ آئینی دفعات کی خلاف ورزی کا ہے اسے قانون کے مطابق طے کرنا ہوگا۔ جمہوری نظام میں قومی اسمبلی کا توڑا جانا اور اس کے بعد رائے دہندگان سے رجوع کرنا اگر آئینی ہو تو بری بات نہیں۔ 1954ء اور 1955ء میں بنیادی حقوق نہیں تھے۔

Scanned with CamScanner

یہ 1956ء میں متعارف کرائے گئے پھر 1973ء میں توڑ دیے گئے۔ اس کے بعد 1985ء میں اس لیے 1954ء میں ارکان اسمبلی کے بنیادی حقوق کا حوالہ درست نہیں ہے۔

ایس ایم ظفر — انڈین سپریم کورٹ کے فیصلے میں کہا گیا ہے کہ ندی اس کے چشمہ سے اوپر نہیں بہہ سکتی۔

جسٹس سعد سعود جان — یہ تو فزکس ہے۔

ایس ایم ظفر — مسٹر خالد انور نے دلچسپ مثال دی تھی۔ اس کے حوالے سے عرض ہے کہ یہ ملک بڑا خوش قسمت ہے کہ یہاں اچھے قانون دان ہیں۔

چیف جسٹس — ہم خالد انور کی درازی عمر کے لیے دعا گو ہیں۔

ایس ایم ظفر — خالد انور نے کہا تھا کہ شادی کا حق تو ہے حقوق زوجیت ادا کرنے کا حق ختم کر دیا گیا ہے ہم سب دل سے جوان ہیں اگر شادی کا حق ہے تو حقوق زوجیت ادا کرنے کا حق ہونا چاہئے میرے خیال میں طلاق کے بعد موت کے بعد حقوق زوجیت کا حق سلب ہو جاتا ہے اسی طرح پانچ سالہ میعاد والی قومی اسمبلی توڑے جانے سے اس کے اختیارات ختم ہو گئے ہیں۔ سرکاری ملازم کو سیاسی جماعت بنانے اور اس کا ممبر بنانے سے روک دیا گیا ہے۔

جسٹس سجاد علی شاہ…… اگر سیاسی جماعت ملکی مفادات کے خلاف کام کرے تو کیا حکومت اسے سپریم کورٹ میں ریفرنس پیش کر کے توڑ سکتی ہے۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی…… ہر شہری کو سیاسی جماعت بنانے یا ممبر بننے کا حق ہے لیکن سرکاری ملازم کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

ایس ایم ظفر…… یہی میرا پوائنٹ ہے۔

جسٹس اجمل میاں…… ایک کلاز میں ایسوسی ایشن یونین اور دوسری کلاز میں سیاسی جماعت کا نام ہے۔

ایس ایم ظفر…… ایسوسی ایشن متبرک نام ہے پولیٹیکل پارٹی سپیشل نام ہے۔

جسٹس سعد سعود جان…… 1956ء اور 1962ء کے دساتیر میں سیاسی جماعتوں کی تشکیل کا حق دیا گیا مگر حکومت نے سیاسی جماعت بنانے پر پابندی تک لگائی اس سلسلے میں جماعت اسلامی کا نام لیا جا سکتا ہے۔

ایس ایم ظفر…… جماعت اسلامی کا کیس اس بنیاد پر لڑا گیا کہ جماعت اسلامی ایک ایسوسی ایشن ہے اس حیثیت سے سیاسی جماعت ہے اس بناء پر ہم نے وہ کیس جیتا تھا۔

چیف جسٹس…… آپ نے بہت دلائل دے دیے اب آرٹیکل 58 کے متعلق باتیں کریں۔ آر سی او میں صدر کو اسمبلی توڑنے کا حق تھا اس کو آئین میں آرٹیکل 58(2) بی کی شکل میں شامل کیا گیا صدر یہ سمجھیں کہ ارکان اسمبلی اپنا جاب نہیں کر رہے ہیں ان کو باہر پھینکا جا سکتا ہے۔ عدالت عظمیٰ کا یہ موقف ہے کہ 58(2) بی کا اختیار محدود ہونا چاہئے۔

ایس ایم ظفر…… 58(2) بی کا اسکوپ کیا ہے اس کے بارے میں عرض ہے کہ 1973ء کا آئین 12 اپریل 1973ء کو نافذ ہوا اس میں دعویٰ کیا گیا یہ پارلیمانی طرز حکومت کا آئینہ دار ہے مجھے اس سے اختلاف ہے کیونکہ اس میں تمام اختیارات وزیر اعظم کو دے دیئے۔ مگر مارشل لاء دور میں آئینی ترمیم کے ذریعے ان کو صدر کی طرف کر دیا گیا۔

چیف جسٹس…… ہم پھر بھی آئین کو پارلیمانی طرز حکومت کا آئینہ دار قرار دیتے ہیں بعض اختیارات ضرورت سے زیادہ صدر کو دیئے گئے ہیں۔ آٹھویں ترمیم سے آئین کی شکل نہیں بدلی وہ صدارتی طرز کا نہیں ہوا۔ موجودہ آئین پارلیمانی طرز کا ہے اٹارنی جنرل نے بھی مانا ہے کہ صدر کے صرف چند صوابدیدی اختیارات ہیں باقی تمام کا صدر وزیر اعظم کے مشورے سے کرنے کا پابند ہے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس سجاد علی شاہ.....ترمیم سے آئین کو متوازن بنانے کی کوشش کی گئی ہے یہ قدرے صدر کے حق میں ہے۔

جسٹس سعد سعود جان.....آئین کی بنیاد پھر بھی پارلیمانی ہے۔

ایس ایم ظفر.....میں دونوں ججوں کے ریمارکس سے متفق ہوں آئین دراصل صدارتی اور پارلیمانی طرز کا مرکب ہے اسمتھ نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ پاکستان کا آئین ''آٹو کھوتونی'' ہے اس لیے اس کی تشریح پاکستانی ہی کریں گے صفحہ نمبر 43 پر اسمتھ نے یہ اصطلاح استعمال کی ہے جسے وہی سمجھ سکتے ہیں پاکستان میں دو تین بار مارشل لاء لگ چکے ہیں وہاں جو آئین بنایا گیا ہے جسے آئینی آٹو کھوتونی کہا جاسکتا ہے۔

چیف جسٹس.....کتاب میں لکھا ہے کہ پاکستان کے آئین میں اختیارات مادر وطن کے لوگوں کو حاصل ہیں کسی اور کو نہیں آپ آرٹیکل 58(2) بی کے بارے میں مزید کیا بتانا چاہتے ہیں۔

ایس ایم ظفر..... 58(2)بی کے تحت صدر کا فرض ہے کہ وہ چوکس رہے دیکھتا رہے جائزہ لیتا رہے کہ وفاقی حکومت کیسے چل رہی ہے۔

جسٹس سجاد علی شاہ.....سپروائزری کنٹرول کے لیے صدر کو اپنی آنکھیں اور کان کھولے رکھنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

چیف جسٹس.....اگر صدر مملکت اسمبلی نہ توڑے تو کیا وہ اپنی ذمہ داری سے کوتاہی برتے گا کیا وہ پانچ سال تک صدر رہے اور اس دوران قومی اسمبلی نہ توڑے تو اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ اس نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔ یہ کہا گیا ہے کہ 1977ء میں صدر کو اسمبلی توڑنے کا اختیار ہوتا تو مارشل لاء نہ لگتا۔ 58(2)بی کا اختیار صدر منطقی حالات میں اس وقت استعمال کرسکتا ہے جب آئینی مشینری بریک ڈاؤن ہو چکی ہو اور وفاق آئینی شقوں کے مطابق نہ چل سکتا ہو صدر 58(2بی) کے تحت محدود، مشروط اور غیر معمولی حالات میں اسمبلی توڑنے کا مجاز ہے ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اسے اسمبلی توڑنے کا اختیار دیا گیا ہے تو وہ آنکھیں اور کان محض اس لیے کھلی رکھے کہ جب دیکھے کہ ذرا غلطی ہوئی تو کلہاڑا اٹھا کر قومی اسمبلی اور منتخب حکومت کا گلا کاٹ ڈالے۔

ایس ایم ظفر.....جی ہاں صدر کبھی کبھار انتہائی مجبوری میں یہ حق استعمال کرسکتا ہے لیکن احتیاط سے بامقصد انداز میں۔

جسٹس اجمل میاں.....کیا 1977ء جیسے حالات تھے کہ آئینی مشینری کا بریک ڈاؤن ہو چکا تھا کہ 58(2)بی کا اطلاق کیا گیا۔

جسٹس سجاد علی..... 58(2)بی کا اختیار متبادل مارشل لاء ہے۔

جسٹس شفیع الرحمن.....آئین میں مارشل لاء کا جواز نہیں یہ کہنا غلط ہے کہ 58(2)بی کا متبادل مارشل لاء ہے۔ مارشل لاء ہرگز آئینی متبادل نہیں ہے۔ آرٹیکل نمبر 2 میں صاف لکھا ہے کہ آئین توڑنے کی سزا موت ہے یہ سب کو یاد رکھنا چاہیے۔

ایس ایم ظفر.....دونوں فاضل جج درست ہیں جسٹس سجاد علی تاریخی حوالے سے جسٹس شفیع آئینی حوالے سے درست ہیں میں اس تنازعے میں الجھے بغیر اپنے نکتے کو آگے بڑھاتا ہوں۔ 41 آرٹیکل، 42 آرٹیکل وغیرہ میں صدارتی اختیارات وہی ہیں جو پارلیمانی نظام میں صدر کے ہوتے ہیں ان کے تحت کابینہ کے سارے فیصلے صدر کو بتائے جاتے ہیں۔ آرٹیکل 48(1) میں کہا گیا ہے کہ صدر کابینہ وزیراعظم کے مشورے پر کام کرنے کا پابند ہے۔ آرٹیکل 91(5) میں ہے کہ وزیراعظم صدر کی خوشنودی تک اپنا عہدہ سنبھالے رہے گا آرٹیکل 99 میں ہے کہ ایگزیکٹو کے سارے اقدام صدر کے نام پر ہوتے ہیں۔ اس لیے چیف جسٹس کا کہنا درست ہے کہ ہمارا آئین پھر بھی پارلیمانی طرز کا ہے تاہم ہمارے آئین میں صدر کو بعض اختیارات ایسے حاصل ہیں۔ جو بادشاہ یا ملکہ کو حاصل نہیں ہیں۔ آرٹیکل 48(2) کو 48(5) کے ساتھ ملا کر پڑھیں یہ بات سامنے آتی ہے کہ صدر اسمبلی توڑ سکتا ہے اور نئے الیکشن کی تاریخ مقرر کرسکتا ہے۔ نگران کابینہ بنا سکتا ہے۔ 48(6) میں ہے کہ صدر قومی اہمیت کا معاملہ ریفرنڈم کی شکل میں عوام کو پیش کرسکتا ہے، آرٹیکل 213 کے تحت صدر چیف الیکشن کمشنر کو مقرر کرسکتا ہے۔ 213 کے

Scanned with CamScanner

تحت ہنگ سروس کمیٹی کے چیئر مین کی تقرری کرسکتا ہے۔ 243(2) سی کے تحت صدر صوابدید کے تحت چیئر مین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی مقرر کرسکتا ہے۔

چیف جسٹس...... کیا ایڈووکیٹ جنرل موجود ہیں کتنا وقت لیں گے۔

ایڈووکیٹ جنرل...... ہم تین ہیں ہر ایک کو ایک گھنٹہ ملے گا۔

چیف جسٹس...... نہیں نہیں اتنا وقت نہیں مل سکتا جتنی ٹو دی پوائنٹ بات کریں گے اتنا وقت دیں گے۔

ایس ایم ظفر...... آرٹیکل 177 کے تحت سپریم کورٹ کا چیف جسٹس اور ججوں کو صدر مقرر کرسکتا ہے۔ آرٹیکل 193 کے تحت صدر چیف جسٹس آف پاکستان کے مشورے سے ہائی کورٹ کے جج مقرر کرسکتا ہے...... 101 آرٹیکل کے تحت صدر وزیر اعظم کے مشورے سے صوبائی گورنر مقرر کرسکتا ہے۔ آرٹیکل 218 کے تحت الیکشن کمیشن کے ممبر مقرر کرسکتا ہے۔ وہ چیف جسٹس آف ہائی کورٹ اور چیف الیکشن کمشنر سے مشورہ کرے گا۔ مائی لارڈ! صدر کے یہ انتہائی اہم اختیارات ہیں۔ آرٹیکل 1232 ایمرجنسی کا نفاذ صدر کرسکتا ہے۔ صدارتی صوابدید 46، 48 (2)،48(6)،(5) 58(2)بی، 242،213، 243(2) سی کے آرٹیکلز میں ہیں۔ ان آرٹیکلز میں صدر وزیر اعظم کے مشورے سے کام کرے گا۔ 72(پروسیجر آف مشترکہ سیشن سپیکر کے مشورے سے) 91(5) وزیر اعظم صدر کی خوشنودی تک ، 94، صدر وزیر اعظم سے کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنے عہدے پر کام جاری رکھے۔ آرٹیکل 100، صدر اٹارنی جنرل کو مقرر کرے گا، 177، چیف جسٹس دوسرے ججوں کی تقرری، صدر نمائندہ حیثیت سے یہ کام کرے گا۔ 41(سربراہ مملکت ہوگا)۔ 42(وزیر اعظم کے فرائض صدر کے متعلق) 99(صدر کے نام پر ایکشن ہوں گے)۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... 58(2)بی کہاں رہ گئی آپ نے ذکر نہیں کیا۔

ایس ایم ظفر...... مجھ سے غلطی ہوگئی۔ 58(5) کے ساتھ صوابدید نہیں آتی ہے۔

جب صدر اعلیٰ ترین عہدوں کی تقرری کرتے ہیں وہ صرف دستخط نہیں کرتے وہ سارے ادارے کی کارکردگی وقت کی ضرورت اور متعلقہ شخص کی صلاحیت کو سامنے رکھتے ہیں۔ یہ تقرریاں کرنے سے قبل صدر کو جاننا ہوگا کہ کیا وہ اس عہدے کے تقاضے پورے کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ اسمبلی توڑنے کے اسباب کے متعلق اٹارنی جنرل دلائل دے چکے ہیں۔ صرف وزیر اعظم کی 17 اپریل کی تقریر سمیت دو اسباب کے بارے میں دلائل دوں گا۔ جہاں تک استعفوں کا تعلق ہے اٹارنی جنرل کا 15 مئی 1993ء کا عدالت میں دیا گیا بیان یہ ہے کہ صدر سپیکر کو استعفے بھجوا سکتا تھا جس کے نتیجے میں اسمبلی کی نشستیں خالی ہو جاتیں۔ یہ استعفے احتجاج کے طور پر دیئے گئے تھے۔ اٹارنی جنرل کے بیان پر میں پورا انحصار کر رہا ہوں۔ پٹیشن کے صفحہ 57 پر صدارتی فرمان درج ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اپوزیشن، حکمران جماعت کے استعفوں سے یہ خواہش ثابت ہوتی ہے کہ رائے دہندگان سے رجوع کیا جائے۔ میرا کہنا ہے کہ استعفے، استعفے تھے ان کی زبان استعفے کی زبان ہے۔

جسٹس سعد سعود جان...... سپیکر کو نہیں دیئے گئے۔

ایس ایم ظفر...... احتجاج میں استعفے صدر کو دیئے گئے وہ احتجاج کے طور پر مستعفی ہوئے۔

چیف جسٹس...... ایسا نہیں ہے استعفیٰ تب ہوتا ہے جب سپیکر کو دیا جائے صدر کو اس لیے ارکان نے استعفیٰ کے خط دیئے کہ ان کو پتہ تھا کہ اس سے ان کی نشست خالی نہیں ہوگی اس لیے صدارتی فرمان کا یہ حوالہ غلط ہے کہ قومی اسمبلی کے ارکان بڑی تعداد میں مستعفی ہوگئے تھے۔

ایس ایم ظفر...... میں کہتا ہوں کہ ارکان مستعفی ہوگئے تھے ان کا احتجاج جاری رہا۔

Scanned with CamScanner

جسٹس سعید الزمان...... ہمارے ملک میں سیاسی جماعت کا لیڈر اپنے ارکان اسمبلی کے ڈیڈی...... میرے خیال میں اگر رکن قومی اسمبلی ایماندار ہے وہ اپنی تحریر میں قومی اسمبلی سے مستعفی ہونے کا لکھ دے تو اسے استعفیٰ دے کر گھر چلے جانا چاہیے۔ خواہ استعفیٰ اس نے لیڈر آف دی پارٹی کو ہی کیوں نہ دیا ہو۔

چیف جسٹس...... ممبر تو لیڈر آف دی پارٹی کو استعفیٰ دینے کے باوجود قومی اسمبلی کے اجلاس میں جاتے رہے ہیں۔ ان کو کیا کہیں گے۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... کیا ارکان نے استعفے احتجاج کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے دیے تھے۔

ایس ایم ظفر...... اگر استعفے پارٹی لیڈر کو دیے گئے ہوں، یہ پوچھا گیا ہے لارڈشپ کسی سیاسی پارٹی میں نہیں رہے اس لیے یہ سوال پوچھ رہے ہیں ہمارا سیاسی کلچر ہے اس میں ارکان کو کام کرنا ہے۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی...... یہ کوئی جواب نہیں ہے۔

ایس ایم ظفر...... رکن قومی اسمبلی اگر استعفیٰ لکھ دے تو استعفیٰ چاہے مجھے دے دے کسی خاکروب کے حوالے کر دے تو یہ استعفیٰ برقرار رکھا جائے گا۔ وہ ممبر مستعفی سمجھا جائے گا ارکان نے استعفے دیے مگر مؤثر اس وقت ہوتے ہیں جب سپیکر کے حوالے ہو جاتے، صدر نے یہ نہیں کہا کہ استعفے مؤثر ہو گئے ہیں۔

چیف جسٹس...... صدر نے تو یہ کہا ہے کہ استعفوں کی وجہ سے قومی اسمبلی کی نمائندہ حیثیت ختم ہو کر رہ گئی تھی اس کا مطلب ہے کہ استعفے مؤثر سمجھے گئے۔

جسٹس سعد سعود جان...... صدر نے بہت زیادہ استعفوں کا ذکر کیا ہے۔

ایس ایم ظفر...... صدر نے جو کچھ لکھا ہے اس میں غلطی نہیں ہے صدر نے کہا کہ میں نے ارکان اسمبلی کے استعفے وصول کیے ہیں وہ نئے الیکشن چاہتے ہیں۔ پی ڈی اے کے 39 ارکان، آئی جے آئی کے 53 ارکان، جے یو آئی اور جے یو پی (نورانی) کے تین، جمہوری وطن پارٹی کے دو ارکان اقلیتوں کے چار، حق پرست گروپ اور دوسری پارٹیوں کے 25 ارکان ہیں اس طرح دو سو کل ارکان تھے۔ صدر غلام اسحٰق خان اتنے استعفے وصول کر کے کیا تاثر پیدا کرتے۔

چیف جسٹس...... آپ تمام آکورڈ سوالات کا جواب نہیں دے رہے وہ اٹارنی جنرل کے حوالے کر رہے ہیں۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... ایک استعفیٰ میں کہا گیا ہے کہ مسٹر پریذیڈنٹ آپ اسمبلی توڑ دیں صفحہ 71 میں ہے این اے 195 سے استعفیٰ دے رہا ہوں آپ قومی اسمبلی توڑ دیں اور نئے الیکشن کرائیں۔

چیف جسٹس...... آپ ہمارے ساتھ فیئر رہیں مواد سے باتیں کریں کہ صدر ایسے مواد سے آرڈر دے سکتا تھا، متنازعہ مواد کے ساتھ صدر یہ نتیجہ کیسے نکال سکتے تھے کہ فیڈریشن نہیں چل سکتی۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ اس مواد کا تجزیہ کریں۔ اسباب کا جائزہ لیں کہ استعفے دیے گئے یا نہیں دیے گئے، استعفوں کا یہ مطلب نہیں لیا جانا چاہیے کہ اسمبلی توڑ دی جائے۔ پی ڈی اے کی لیڈر محترمہ بے نظیر نے 18 اپریل کو جا کر سارے استعفے دیے آپ یہ دلیل دے رہے ہیں کہ یہ سارے ارکان نیا مینڈیٹ چاہتے تھے ایسا مواد ریکارڈ پر نہیں ہے۔

ایس ایم ظفر...... میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ ساری اپوزیشن اسمبلی میں بیٹھنا نہیں چاہتی اس سے اسمبلی کا مینڈیٹ ختم ہو گیا ہے۔

چیف جسٹس...... اس کا مطلب ہے کہ اپوزیشن جب اسمبلی ختم کرانا چاہے وہ اپنے ارکان کے استعفے جمع کر کے صدر کے حوالے کر دے۔

ایس ایم ظفر...... نائجیریا کی یہ مثال حاضر ہے وہاں اسمبلی کے 124 ارکان تھے۔

چیف جسٹس...... ہم نے یہ فیصلہ پڑھا ہے وہاں 66 ارکان نے دستخط کر کے استعفیٰ دیا تھا۔ یہ تعداد نصف سے زیادہ تھی جس پر گورنر نے اسمبلی

Scanned with CamScanner

توڑی وہاں صرف استعفوں والے مرحلہ پر اسمبلی نہیں توڑی گئی، نائیجیریا اسمبلی کے بعض ارکان بھی پاکستان کی قومی اسمبلی کے بعض ارکان کی طرح مستقل مزاج نہیں تھے وہ وفاداری بدلنے والے تھے۔ گورنر نے 66 ووٹوں کی بناء پر رائے قائم کی تھی وہاں اس کا اختیار ہے اگر گورنر نصف سے زیادہ ارکان کی تحریر کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے تو اس میں ذرا وزن ہے ہمارے ہاں تو نصف نے بھی استعفیٰ کی دستاویز نہیں دی تھی۔

جسٹس شفیع الرحمٰن...... پی ایل ڈی کے 549 صفحے کا پیراگراف پڑھ لیں تو آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

جسٹس اجمل میاں...... آپ ہمارے آئین کی موجودگی میں دوسرے ملک کی مثال کیسے لاگو کریں گے۔

ایس ایم ظفر...... نائیجیریا کے فیصلے میں گورنر نے مواد کی بجائے ذاتی جائزے کی بناء پر فیصلہ کیا پاکستان میں آرٹیکل 58(2)بی کے مطابق اسمبلی توڑنے کے حالات پیدا ہو گئے تھے۔

چیف جسٹس...... نائجیریا اور پاکستان کے کیسوں میں دو فرق ہیں وہاں رائے قائم کرنے کا کہا گیا ہے ہمارے ہاں صدارتی رائے پر عدالتی نظر ثانی ہو سکتی ہے۔ صدر منصفانہ رائے قائم کرے ہماری آئینی تاریخ میں دو فیصلے دیئے جا چکے ہیں۔ وزیراعظم کو تب برطرف کیا جا سکتا ہے اگر وزیراعظم کو ایوان کی اکثریت کا اعتماد بھی حاصل نہ ہو۔ نائجیریا میں 124 سے 66 نے استعفیٰ دیا تھا وہاں وزیراعظم نے اعتماد کھو دیا تھا۔ پاکستان میں 217 رکنی اسمبلی سے 88 نے بقول صدر کے استعفیٰ دیا تھا۔ اس طرح نصف سے بھی کم مستعفی ہوئے تھے اس طرح ہمارے کیس میں نائجیریا کی مثال لاگو نہیں ہوگی۔

ایس ایم ظفر...... میں نائیجیریا کے کیس کو پاکستان کے کیس کے مطابق سمجھتا ہوں۔

چیف جسٹس...... ہمارے خیالات آپ سے مختلف ہیں صرف اتنا آپ سے اتفاق کرتے ہیں کہ استعفے اگر استعفے ہوتے تو ان کا وزن ہو سکتا تھا۔

ایس ایم ظفر...... اگر ساری اپوزیشن مستعفی ہو جائے تو صدر یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ فیڈریشن آئین کے مطابق نہیں چل سکتی۔

جسٹس اجمل میاں...... اگر 217 میں سے چند ارکان استعفے دے دیں تو کیا صدر اسمبلی توڑ دے۔

ایس ایم ظفر...... ایک سو نے استعفیٰ دیا تھا۔

جسٹس سلیم اختر...... کتنے ارکان میں سے ایک سو نے استعفیٰ دیا تھا۔

ایس ایم ظفر...... 217 ارکان میں سے 100 مستعفی ہو چکے تھے۔

چیف جسٹس...... جناب! بارہ تو پہلے مستعفی ہو چکے تھے جو ایم کیو ایم کے تھے۔ ان کو جمع کر کے بھی آدھے نہیں بنتے۔

ایس ایم ظفر...... نواز شریف کی تقریر سے اسمبلی توڑنے کا جواز پیدا ہوا۔ ڈی اسمتھ کی کتاب میں ہے پارلیمانی طرز حکومت میں ہے کہ اگر صدر اور وزیراعظم کے مابین اختلاف سامنے آ جائے تو یہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ 58(2)بی میں ہے کہ ایسی صورتحال پیدا ہو گئی جس میں وفاق کی حکومت آئین کے مطابق نہ چل سکتی ہو صدر کو اس کا تعین کرنے کا صوابدید ہے اس میں آئین کے بریک ڈاؤن کا ذکر نہیں ہے۔ نہ ہی آئینی مشینری کے ناکام ہونے کا ذکر ہے۔ 17 اپریل کو وزیراعظم نے ریڈیو، ٹی وی پر جو تقریر کی وہ آپ کے سامنے پڑھی جا چکی ہے۔

چیف جسٹس...... ہمارے پاس تقریر نہیں خود ہی واضح پڑھ دیں۔

ایس ایم ظفر...... درخواست گزار نے لکھا ہے کہ صدر نے وزیراعظم کے ساتھ منافقت کا ذکر کیا ہے۔

چیف جسٹس...... ایک فریق صورتحال کو آئین کے چلنے کے ناقابل قرار دیتا ہے کیا اس کو مان لیا جائے اور ایسی صورت میں ایک فریق دوسرے کو اٹھا کر باہر پھینک دے۔

Scanned with CamScanner

ایس ایم ظفر ـــ میری خواہش ہے کہ فضل حق دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیں کہ صدر یا وزیر اعظم میں سے کون غلطی پر ہے تاکہ عوام کو حقائق کا پتہ چل سکے فریق مخالف نے کہا ہے کہ صدارتی فرمان نے ملک میں بے یقینی بڑھادی ہے ان کا اقدام بدنیتی پر مبنی ہے۔

صدر نے وقار کے منافی کام کیا ہے صدر نے فیصلہ نکالنے کے لیے غیر آئینی طریقے سے اسمبلی توڑ ڈالی میں کہتا ہوں صدر وزیر اعظم کے درمیان ڈیکلیریشن اور ڈیکلیریشن لا اعترافیشن کا معروضی حالات میں جائزہ لینا چاہئے۔

جسٹس رفیق تارڑ ـــ نہ بجز کے کی اجازت ہے نہ فریادی ہے۔

ایس ایم ظفر ـــ جسٹس سجاد نے لکھا ہے کہ جہاں آئینی مشینری مفلوج ہو جائے آئینی بریک ڈاؤن ہو گیا ہو تو اسمبلی تب توڑی جا سکتی ہے۔

چیف جسٹس ـــ ہم آپ کے شکر گزار ہیں آپ نے اچھے دلائل دیے ہیں اب بلوچستان کے ایڈووکیٹ جنرل بات کریں۔

راجہ افسر خان ایڈووکیٹ جنرل بلوچستان ـــ مائی لارڈ! ہمارے آئین میں صدر کا بڑا اونچا مقام ہے 41 آرٹیکل کے تحت فیڈریشن کی ایگزیکٹو اتھارٹی صدر کے پاس ہے صدر 90 آرٹیکل کے تحت براہ راست یا ماتحت افسروں کے ذریعے اتھارٹی استعمال کر سکتا ہے۔ صدر فیڈریشن کی ایگزیکٹو اتھارٹی ہے۔

جسٹس افضل لون ـــ آرٹیکل 48(1) کے تحت صدر یہ اتھارٹی صرف وزیر اعظم اکابینہ کے مشورے کے ساتھ ہی استعمال کر سکتا ہے۔

راجہ افسر ایڈووکیٹ جنرل ـــ صدر برائے نام صدر نہیں آرٹیکل 90 اور 91 کو اکٹھے پڑھیں تو سمجھ آئے گا کہ آئین نے صدر کو فیڈریشن کی اتھارٹی براہ راست استعمال کرنے کا کیوں اختیار دیا ہے۔

جسٹس اجمل میاں ـــ آئین کی متعدد شقیں ہیں مذکورہ شقوں پر بحث ہو چکی ہے۔

چیف جسٹس ـــ آپ یہ بتائیں کہ آپ کیا نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو کچھ کہا جا چکا ہے اس میں آپ کون سا پوائنٹ بڑھانا چاہتے ہیں۔

راجہ افسر خان ـــ آئینی سکیم میں صدر کا بڑا مرتبہ ہے بڑی حیثیت ہے صدر کے حکم کا احترام کرنا چاہئے۔ صدر نے جو رائے اسمبلی توڑنے کے لیے قائم کی اس کو وزن دینا چاہئے۔

چیف جسٹس ـــ یہ تو آپ کے موقف کے لیے بھی مفید نہیں ہے حاجی سیف اللہ کیس میں یہ معاملہ اٹھ چکا ہے کہ عدالت صدر کی رائے کا جائزہ نہیں لے سکتی عدالت فیصلہ دے چکی ہے کہ عدالت صدارتی فیصلے کا جائزہ لے کر فیصلہ دے سکتی ہے کہ صدر کا فیصلہ درست تھا یا غلط اس لیے بدقسمتی سے عدالت کا یہ منصبی فریضہ ہے کہ وہ صدارتی رائے اور فیصلے کا جائزہ لے کر فیصلہ سنائے۔

ایڈووکیٹ جنرل راجہ افسر ـــ آئین میں یہ مفروضہ ہے کہ صدر ملک کے بہترین مفاد میں کام کریں گے صدر کا آرڈر قانونی آئینی ہے۔

چیف جسٹس ـــ آپ نے بڑے جامع انداز میں اپنا کیس پیش کیا ہے۔ منگھی صاحب، آپ دلائل دیں۔

عبدالغفور منگھی ـــ میں سندھ کا ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل ہوں، آرٹیکل 46 میں وزیر اعظم کے صدر کی جانب فرائض بیان کیے گئے ہیں وزیر اعظم صدر کو کابینہ کے فیصلوں سے آگاہ کرے گا صدر پارلیمنٹ اور چاروں صوبائی اسمبلیوں کا منتخب کردہ ہوتا ہے۔ وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ میں صدر سے ڈکٹیشن نہیں لوں گا وزیر اعظم نے یہ نہیں کہا کہ میں غیر قانونی ڈکٹیشن نہیں لوں گا صرف ڈکٹیشن نہ لینے کا کہہ کر وزیر اعظم نے آرٹیکل 46 کی خلاف ورزی کی ہے۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی ـــ ڈکٹیشن کا کیا مطلب ہے۔

غفور منگھی ـــ ڈکٹیشن کا مطلب یہ تھا کہ وزیر اعظم صدر کا کوئی حکم نہیں مانیں گے۔ میرا کہنا ہے 50 فیصد ارکان اسمبلی نے استعفیٰ دے دیا تھا اس

Scanned with CamScanner

طرح 50 فیصد آبادی کی قومی اسمبلی میں نمائندگی نہیں تھی 101 نشستیں خالی ہوئی تھیں اس کا ضمنی انتخاب جب کرایا تھا تو 216 کا کیوں نہ کرایا جائے۔

چیف جسٹس ــــ (مسکرانے لگے) کمرہ عدالت میں پیدا شور۔

محمود مشتاق ــــ آرٹیکل 154/153 کے تحت مشترکہ مفادات کونسل کا ذکر ہے اس کا اجلاس بلائے بغیر قومی شاہراہوں، ریلوے کے فیصلے کیے گئے۔ اس کے لیے سندھ کے وزیر اعلیٰ نے صدر کو خط بھی لکھا جس کی نقل حاضر ہے میں پڑھتا ہوں۔

چیف جسٹس ــــ یہ خط پہلے ہی ریکارڈ پر ہے جو مارچ 1993ء میں لکھا گیا ہے ہم نے پڑھ لیا ہے پنجاب کے مسٹر مقبول آپ بولیں۔

مقبول الٰہی ایڈووکیٹ جنرل پنجاب ــــ میں اپنی عرضداشت کی تحریری کاپی دے رہا ہوں آرٹیکل 58(2)بی کے تحت اسمبلی توڑنا جائز ہے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ پانچ سال تک حکومت میں رہنے کا بنیادی حق نہیں ہے اس کے لیے آرٹیکل 52، 58(1)، 91(5) اور 95 کو پڑھ لیا جائے سابق وزیر اعظم کی تقریر کے بعد تعطل و بحران پوری طرح پیدا ہو چکا تھا صدر اور وزیر اعظم کے مابین تعلقات کار باقی نہیں رہ گئے تھے وزیر اعظم صدر کا ماتحت ہے آرٹیکل 48(2) 91 اور 91(1) ملا کر پڑھنے سے ماتحتی کا تعین ہوتا ہے مسٹر جسٹس لون اور جسٹس شمشیر علی نے 58(2)بی کے بارے میں فیصلہ دے رکھا ہے 1991ء میں پاکستان کے ایک قانونی رسالے کا حوالہ حاضر ہے فیصلہ کرتے وقت یہ حوالے محفوظ رکھیں۔

چیف جسٹس ــــ اور آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

مقبول الٰہی ــــ شاید اس بار آپ اس کو سمجھ جائیں آپ نے صاحب کیس پیش کیا ہے کہ حکومت 5 سال کے لیے ہوتی ہے تو 58 کے تحت 5 سال کی میعاد کم ہو سکتی ہے اگر غیر قانونی غیر آئینی طریقے سے حکومت کی میعاد کم کر دی جائے تو کیا یہ بنیادی حق کی خلاف ورزی نہیں ہے۔

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

Scanned with CamScanner

سپریم کورٹ کا فیصلہ

26 مئی 1993ء......قومی اسمبلی، وزیر اعظم نواز شریف اور کابینہ بحال

سپریم کورٹ آف پاکستان نے قومی اسمبلی، وزیر اعظم نواز شریف اور ان کی کابینہ کو بحال کر دیا ہے نگران حکومت کی قانونی حیثیت ختم ہو گئی تاہم اس کے ان اقدامات اور فیصلوں کو جو امور مملکت چلانے کے لیے معمول کے مطابق جاری کیے جاتے ہیں قانونی حیثیت دے دی گئی درخواست بھی مسترد کر دی گئی ہے۔ سپریم کورٹ کے گیارہ ججوں پر مشتمل فل کورٹ نے نواز شریف کی آئینی درخواست منظور کر لی یہ فیصلہ گیارہ میں سے دس ججوں نے اتفاق رائے سے دیا جبکہ صرف ایک جج نے اختلاف کیا۔ سماعت ایک بجے کے قریب مکمل ہوئی جبکہ دن کے سوا تین بجے دو صفحات پر مشتمل مختصر فیصلہ سنا دیا گیا تفصیلی فیصلہ جلد ہی تحریر کر دیا جائے گا۔

سپریم کورٹ کے گیارہ میں سے دس ججوں نے اپنے مختصر حکم میں نواز شریف کی آئینی درخواست آرٹیکل 184 (3) کے تحت منظور کر لی۔ گیارہ میں سے دس ججوں نے متفقہ طور پر قرار دیا کہ صدر پاکستان نے 18 اپریل 1993ء کو جو حکم جاری کیا تھا وہ صدر کو آئین کے آرٹیکل 58(2)بی اور اس ضمن میں آئین کی دیگر شقوں کے تحت حاصل اختیارات کے دائرے میں نہیں آتا لہٰذا صدر کا 18 اپریل 93ء کو جاری کیا گیا حکم بغیر قانونی اختیار کے تھا جس کی اب کوئی قانونی حیثیت نہیں رہی۔ عدالت کے فیصلہ کے نتیجہ میں قومی اسمبلی وزیر اعظم اور کابینہ کو بحال کیا جاتا ہے۔ یہ فیصلہ فوری طور پر نافذ العمل سمجھا جائے۔ 18 اپریل کے صدارتی فرمان کے نتیجہ میں جو نگران کابینہ مقرر کی گئی تھی اس کی کوئی قانونی حیثیت باقی نہیں رہی۔ دریں اثنا نگران حکومت نے جو اقدامات کیے اور احکامات جاری کیے جو کہ آئینی شرائط کے مطابق اور ملک کے عام امور چلانے کے لیے تھے انہیں قانونی حیثیت دے دی گئی ہے جبکہ گزشتہ روز کل سنائے جانے والے زبانی فیصلہ کے وقت نظر ثانی کی جو درخواست پیش کی گئی تھی وہ فوری طور پر مسترد کر دی گئی۔ یہ نظر ثانی کی پٹیشن ایک سپیشل اٹارنی جنرل اور عزیز اے منشی کے معاون ظفر حسین نے دائر کی تھی جسے مسترد کر دیا گیا جبکہ بعد ازاں اٹارنی جنرل عزیز اے منشی نے بتایا کہ تفصیلی فیصلہ آنے پر نظر ثانی کی تحریری درخواست کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

سپریم کورٹ میں قومی اسمبلی توڑنے کے خلاف نواز شریف کی آئینی درخواست کی سماعت شروع ہوئی تو مقبول الٰہی ایڈووکیٹ جنرل پنجاب، سردار خان ایڈووکیٹ جنرل سرحد، سینئر ایڈووکیٹ خالد انور اور یحییٰ بختیار نے اپنے دلائل پیش کیے۔ ایس ایم ظفر کی عدم موجودگی میں ان کے معاون سید زاہد حسین عدالت میں پیش ہوئے۔

سید زاہد حسین۔۔۔۔ ایس ایم ظفر کو اپنے عزیز کی شادی کے لیے لاہور جانا پڑا ہے وہ مجھے ایک نوٹ لکھ کر دے گئے ہیں وہ آپ کو پیش کر سکتا ہوں جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ قومی اسمبلی کا ایک رکن غلطی کرے تو اس کی سزا سارے ایوان کو نہیں ملنی چاہیے۔

مقبول الٰہی ایڈووکیٹ جنرل۔۔۔۔ آرٹیکل 58 کی پہلی شق میں کہا گیا ہے کہ وزیر اعظم کے مشورے پر اسمبلی توڑی جا سکتی ہے اگر اسمبلی 48 گھنٹے میں نہ توڑی جائے تو کیا اسے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی تصور کریں گے۔

چیف جسٹس۔۔۔۔ بنیادی حقوق ایک سٹریکٹ میں نہیں ان فریکٹ میں ہیں بنیادی حقوق آئین کی ہر شق کے متعلق ہیں ہم آپ کے سوال کے جذبے سے اتفاق نہیں کرتے۔

مقبول الٰہی۔۔۔۔ آئینی پٹیشن سات روز میں دائر ہونی چاہیے اس کا فیصلہ تیس روز میں ہونا ضروری ہے۔

Scanned with CamScanner

جسٹس اجمل میاں...... اس کی کوئی قید نہیں لگائی جاسکتی آپ کس شق کے حوالے سے بات کر رہے ہیں۔

مقبول الٰہی...... بنیادی حقوق کے خلاف اپیل سات روز میں آنا ضروری ہے۔ شیر پاؤ کیس میں اپیل ہائیکورٹ کے فیصلے کے خلاف تھی۔ شیر پاؤ کیس میں اس لیے بھی اسمبلی بحال نہ ہوسکی کہ اس وقت الیکشن ہو چکے تھے دوسری وجوہات بھی تھیں۔

چیف جسٹس...... ان نکات پر زیادہ وقت نہ لگائیں۔

مقبول الٰہی...... پی ایل ڈی میں کہا گیا ہے کہ 2(اے) کے تحت آئین کی کسی شق کو ضائع نہیں کیا جاسکتا۔

چیف جسٹس...... آئین کی تمام شقوں کو اکٹھے ملا کر پڑھنا ضروری ہے۔

مقبول الٰہی ملک...... 58(2)بی کے تحت اختیارات استعمال کرنے سے قبل ٹھوس وجوہات ہونی چاہئیں۔

جسٹس اجمل میاں...... پی ایل ڈی 1992ء کے کس صفحے پر لکھا ہے۔

چیف جسٹس...... آپ نے بڑی عمدہ بات کی ہے آپ کی بدقسمتی آپ سماعت کے 21ویں روز پیش ہوئے تقریباً سارا کچھ پہلے کہا جا چکا ہے۔

سردار خان ایڈووکیٹ جنرل سرحد...... اسمبلی ٹوٹنے سے پاکستان کی سلامتی یکجہتی کو نقصان نہیں پہنچا اس لیے یہ بنیادی حق نہیں ہے۔ سیف اللہ کیس میں پی ایل ڈی 1984ء سپریم کورٹ 166 کے صفحہ 194 پر لکھا ہے۔ عدالتیں قومی آئین کے تحت مسئلہ حل کرتے وقت پاکستان کے عوام کے لیے مقدم ترین مفاد کو ملحوظ رکھتی ہیں۔

چیف جسٹس...... اصطلاح مفاد عامہ منہ زور گھوڑا ہے۔ ہاں مسٹر خالد انور

خالد انور...... وزیراعظم صدر کی بجائے باہر کے لوگوں سے رہنمائی کے متلاشی رہتے تھے اگرچہ وزیراعظم کا مشورہ صدر کے لیے لازم ہے صدر کا نہیں گذشتہ دو ماہ سے بیانات کا سلسلہ ان لوگوں نے جاری کیا جن کو سیاسی یتیم کہا گیا۔ وہ پیش گوئی صدر سے ملنے کے بعد کرتے رہے کہ صدر اسمبلی توڑ رہے ہیں۔

چھ وزراء نے استعفے دے دیئے صدر کا داماد انور سیف اللہ اس میں شامل ہے اس کا کیا پیغام بنتا ہے۔ وزیراعظم نے صدر سے کہا کہ حکومت کو غیر مستحکم نہ ہونے دیں۔ بیان کے مطابق صدر وزیراعظم متفق ہوئے کہ غلط فہمی کی بنا پر جو لوگ کابینہ سے مستعفی ہو گئے ان کو واپس لینے کی کوشش کی جائے۔

چیف جسٹس...... اقدامات درست ہوسکتے ہیں مگر ایک اقدام پر فریق مخالف نے اعتراض کیا۔

وزیراعظم قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کے بعد قوم کے پاس جاسکتے تھے۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... پہلے قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لیتے۔

خالد انور...... آئین میں کہیں وزیراعظم پر اعتماد کا ووٹ لینے کے بعد قوم سے خطاب کا نہیں کہا گیا۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... یہ ترجیحات کا سوال ہے۔

خالد انور...... ترجیحات کس نے بتائی ہیں وزیراعظم نے بتائی ہیں۔ وزیراعظم کی تقریر کے آخر میں اہم وہ جملے ہیں میں استعفیٰ نہیں دوں گا، میں اسمبلی نہیں توڑوں گا، میں ڈکٹیشن نہیں لوں گا کیا یہ کہنا جرم ہے۔

جسٹس سعد سعود جان...... کیا صدر نے وزیراعظم کو ڈکٹیشن لینے، استعفیٰ دینے، اسمبلی توڑنے کا کہا تھا۔

خالد انور...... اس کا جواب تحریری طور پر دے چکا ہوں، جسٹس شفیع الرحمٰن کا فیصلہ ہے صدر غیر آئینی ڈی فیکٹو ویٹو پاور کا حامل ہے وزیراعظم نے کہا تھا کہ ڈکٹیشن نہیں لوں گا اس کا مطلب ہے کہ میں اپنے آئینی اختیارات کے مطابق کام کروں گا۔ صدر اپنے اختیارات کے مطابق کام کریں۔

Scanned with CamScanner

جسٹس سجاد علی شاہ...... 14 اپریل کو صدر نے وزیراعظم کو کچھ کام کرنے کو کہا تھا کوئی وقت بھی مقرر ہوا تھا دوسری ملاقات کا۔

خالد انور...... وزیراعظم کی یہ آئینی ذمہ داری نہیں کہ وہ صدر کو رپورٹ کرتا رہے۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... وزیراعظم کی تقریر سے کیا ڈیڈلاک پیدا ہوا۔

خالد انور...... صدر وزیراعظم کی ملاقات کے نتیجے میں ڈیڈلاک پیدا نہیں ہوا۔ ملاقات کے دوران ذاتی انا و وقار کی باتیں ہوئیں۔

خالد انور...... یہ بلخ شیر مزاری نے 3 اپریل کو کہا کہ 80 سے زائد ارکان قومی اسمبلی بشمول پی ڈی اے استعفیٰ دینے کو تیار ہیں جب غلام اسحٰق خان ان کو ایسا کرنے کا کہیں گے۔ سینیٹر طارق نے کہا کہ صدر آئین کی مسلسل خلاف ورزی کی بناء پر اسمبلی توڑیں گے اگر ارکان اسمبلی ایوان بچانا چاہتے ہیں وہ وزیراعظم سے الگ ہو جائیں طارق چوہدری صدر کا قریبی دوست ہے۔

جسٹس سعد سعود جان...... یہ کس اخبار کا تراشہ ہے۔

خالد انور...... 8 اپریل کا ''دی نیوز'' اخبار سے...... یہ کہا گیا ہے کہ صدر کو علم ہی نہیں تھا کہ ایوان صدر تو سازشوں کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا فاضل جج فیصلہ کریں کیا ایسا ممکن تھا۔

جسٹس سعد سعود جان...... کیا محمود ہارون ایوان صدر میں مقیم رہے۔

خالد انور...... گورنر محمود ہارون کئی دن تک ایوان صدر میں اقامت پذیر رہے ثبوت موجود ہیں۔ ایوان صدر سے ملاقات کر کے آتے اور وزیراعظم کی مذمت کرتے ہیں اور 16 فروری 1993ء کو پیر پگاڑا نے نگراں وزیراعظم کے طور پر میر بلخ شیر مزاری کا نام پیش کیا وہ دو ماہ کے لیے وزیراعظم بن گئے پیر صاحب کا کہنا ہے کہ ان کو ستاروں کا علم ہے۔

چیف جسٹس...... حقائق کم سے کم وقت میں پیش کریں۔

خالد انور...... فریق مخالف نے یہ بھی کہا کہ استعفے اصل استعفے تھے میں دونوں خیالات سے متفق نہیں ہوں اگر واقعی استعفے استعفے تھے صدر نے ان کو فی الفور سپیکر کو نہیں بھجوایا۔ استعفیٰ کے دو خطوط میں لکھا گیا ہے کہ ان کو سپیکر پر اعتماد ہے اگر سپیکر پر اعتماد بھی تھا تو یہ استعفیٰ کیوں نہیں سپیکر کو بھجوایا گیا۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... ایک سید سجاد حیدر اور سید محمد شفیع نے لکھا تھا۔

چیف جسٹس...... آپ ان کو پڑھیں۔

خالد انور...... ایم کیو ایم نے انڈر گراؤنڈ ہو کر استعفے بھجوائے استعفے سپیکر نے ایک ہفتے میں قبول کیے صدر کی طرف سے استعفے سپیکر کو اس لیے نہیں بھجوائے گئے کہ وہ قبول نہ ہوتے یہ فریق مخالف کا تاثر غلط ہے آئینی نکتہ ہے کہ احتجاج کس کے خلاف تھا کیوں تھا اگر وزیراعظم کے خلاف احتجاج تھا تو صدر نے احتجاجی خطوط وصول کیوں کیے۔ مخالف کے تحریری بیان میں ہے کہ صدر نے حکومت کے مخالفین کی حوصلہ افزائی کی۔ اٹارنی جنرل کا یہ کہنا مضحکہ خیز ہے کہ صدر اخبارات نہیں پڑھتے ریڈیو ٹی وی نہیں سنتے کیا صدر اتنا ہی بے خبر انسان ہیں اٹارنی جنرل کیا کہتے ہیں صدر کے بارے میں کہا گیا کہ 18 اپریل کو اسمبلی توڑے جانے کے وقت تک صدر کو قومی اسمبلی کا اجلاس ریکوزیشن کیے جانے کا علم نہیں تھا حالانکہ 5، 7، 8، 9 بجے ریڈیو پر یہ خبر آتی رہی خبرنامے میں خبر آئی اس کے باوجود صدر کا بے خبر ہونا درست نہیں ہے۔

چیف جسٹس...... تقریر اگر قومی اسمبلی میں ہوتی تو اٹارنی جنرل کے بقول سپیکر قابل اعتراض الفاظ حذف کر دیتے۔

خالد انور...... آرٹیکل 47 مواخذے کے متعلق اس میں کہا گیا ہے کہ صدر کا آئین کے تحت مواخذہ کر کے عہدے سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ آئی جے آئی حکومت مرکز اور صوبوں میں تھی کسی صوبے نے ایک بار بھی تنخواہ داری سی سی آئی کے پاس لے جانے کی تحریری درخواست نہیں کی صرف

Scanned with CamScanner

ایک خط وزیر خزانہ کو ملا سی سی آئی میں نصف ارکان وفاقی حکومت کے اور نصف ارکان صوبائی حکومت کے تھے۔

جسٹس سلیم اختر...... وزیر اعظم نے سی سی آئی کا اجلاس کیوں نہیں بلایا۔

خالد انور...... مشترکہ مفادات کونسل (سی سی آئی) کا اجلاس بلانے کی درخواست ہی نہیں کی۔

جسٹس سلیم اختر...... سال میں ایک بار اجلاس ہونا چاہئے تھا۔

خالد انور...... میرے مؤکل، آئینی ماہرین، اٹارنی جنرل کو یہ مشورہ دینا چاہئے تھا۔

جسٹس اجمل میاں...... سرحد کے وزیر اعلیٰ نے اکتوبر 1992ء میں نجکاری واپڈا کے فیصلوں میں عدم شرکت کی استدعا کی تھی۔

خالد انور...... 11 اپریل 1991ء کو واپڈا زیر غور آیا تھا۔ واپڈا کی ویسے نجکاری نہیں ہوئی تھی۔

چیف جسٹس...... نج کاری کا معاملہ سی سی آئی میں زیر غور آیا تھا میں نے ٹی وی پر سنا ہے۔

خالد انور...... سی سی آئی میں اگر معاملہ کوئی زیر غور نہ آئے تو اس کا مطلب نہیں کہ سی سی آئی کا اجلاس نہیں ہوا معاملہ زیر غور آیا۔ 11 اپریل کو کونسل کا اجلاس وفاق نے بلوایا تھا اگر کونسل کے اجلاس میں فیصلہ نہ ہو سکے تو اس کی ذمہ داری صوبوں و وفاق پر یکساں ہے۔

چیف جسٹس...... اس سوال کا جواب دیں کہ سی سی آئی کا اجلاس کیوں نہیں بلایا گیا صوبائی وزرائے اعلیٰ نے شکایت کی تھی کہ ریلوے، واپڈا کے معاملے میں ان سے مشورہ نہیں کیا گیا یہ خطوط صوبوں نے لکھے تھے۔

خالد انور...... ان خطوط میں مشترکہ مفادات کونسل کا اجلاس بلانے کا نہیں کہا تھا سرحد کی واپڈا میں دلچسپی تھی واپڈا کو نجی شعبے کے حوالے نہیں کیا گیا اگر کونسل میں بے قاعدگی ہو تو مجلس شوریٰ میں یہ معاملہ لے جایا جا سکتا ہے۔

چیف جسٹس...... لیکن ریلوے لائن کی نجکاری کا کیا معاملہ ہے۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... وفاق کو چھوٹے صوبوں کا نقطۂ نگاہ نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

خالد انور...... صوبوں نے کبھی معاملہ اٹھایا ہی نہیں اس لیے اسے نظر انداز کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ واپڈا کی نجکاری نہیں ہوئی اس کے متعلق خط صوبے سے آیا تھا۔

چیف جسٹس...... ریلوے لائن کے بارے میں آپ کیا کہیں گے ریلوے لائن فروخت کرنے کا فیصلہ مشترکہ مفادات کونسل کے اجلاس میں نہیں کیا گیا۔

خالد انور...... ریلوے لائن نج کاری کمیشن نے فروخت نہیں کی ریلوے کی پٹری اور ریل گاڑیاں نجی شعبے کو فروخت نہیں کی گئیں۔ ذاتی پسند و ناپسند کے ساتھ آئینی اختیارات استعمال نہیں کئے جا سکتے۔

چیف جسٹس...... دونوں صدر و وزیر اعظم کو آئینی اختیارات کے اندر رہ کر کام کرنا چاہئے۔

جسٹس سجاد علی شاہ...... تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔

خالد انور...... یہ ہماری بدقسمتی ہے ہم عملی زندگی میں جھگڑالو ہو گئے ہیں پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ مسائل حل کرنے کے بجائے اس کو بڑھایا جاتا ہے۔ عدالت نے یہ مسئلہ طے کرنا ہے کہ کس کا رویہ آئین و قانون کے مطابق تھا مسٹر جسٹس سلیم اختر نے سوال کیا تھا کہ کیا ریلیف کے لیے شرائط لگ سکتی ہیں۔ میرے مؤکل نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ رضا کارانہ طور پر قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لے گا صدر اگر اسمبلی توڑنے کا غیر قانونی فیصلہ کرے تو اس کے نتائج وزیر اعظم کو نہیں بھگتنے ہوتے میری استدعا ہے کہ غیر قانونی غیر آئینی آرڈر کو مسترد کرتے وقت کوئی شرط عائد نہیں ہونی چاہئے۔

چیف جسٹس...... ہم آپ کے اٹارنی جنرل اور دوسرے وکلاء کا شکریہ ادا کرتے ہیں انہوں نے اچھے دلائل دیئے ہمارے رہمارکس تین ہفتے تک

سے ماحول خوشگوار رہا۔

اعجاز احمد……میرے موکل نے آپ کے فیصلے کے خلاف نظرثانی کی درخواست دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

چیف جسٹس……ہمارا کیس پڑھے بغیر نظرثانی کی درخواست دے رہے ہیں یہ جو جائیں آپ کا کوئی کیس نہیں ہے۔ ایسا کرنا توہین عدالت ہے آپ غلط بات کر رہے ہیں ہم دیکھیں گے کہ شارٹ آرڈر پانچ چھ صفحات کو سنائیں گے اس کے بعد آپ کچھ کہہ سکیں گے۔ فیصلے سے قبل آپ کچھ نہیں کہہ سکتے پھر بھی آپ کے پوائنٹ کو ہم نے سن لیا ہے۔

عزیز اے منشی……میں مزید تفصیل دینا چاہتا ہوں۔

چیف جسٹس……آپ کو کافی سن لیا ہے آپ نے پہلے اپنا کام پورا کر لیا ہے آپ کو کسی مزید وضاحت کی اجازت نہیں دے سکتے۔

یحییٰ بختیار……فریقین نے بہت کچھ کہا ہے۔ آرٹیکل 184(3) اور 199 کے تحت اصل سوال ہے۔ اس سے پہلے 248 آرٹیکل کا بڑا ذکر کیا گیا ہے یہ آرٹیکل 1973ء کے آئین میں آٹھویں ترمیم کے بغیر ڈرافٹ کیا گیا تھا۔ اس وقت صدر کا کوئی اختیار نہیں تھا اب صدر کے پاس اختیارات ہیں اس لیے آرٹیکل 248 کے باوجود صدر پر تنقید ہو سکتی ہے۔ صدر مملکت کا اگر موقف درست ہوتا تو وہ مشترکہ سیشن میں آکر وضاحت کر سکتے تھے میں تقاریر لایا ہوں یہ ہاتھی کے دانت کھانے اور دکھانے کے اور والی بات نہیں ہے۔ 1989ء، 1990ء کی صدر کی تقاریر ہیں جو مشترکہ سیشن میں تھے یہ صدر کے اپنے لیکچر اپنے خطبے تھے۔

چیف جسٹس……آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ مشترکہ سیشن میں صدر کا خطاب حکومت کا تیار کردہ نہیں تھا۔

چیف جسٹس……آپ تقاریر ہمیں پہنچا دیں ہم پڑھ کر آپ کا پوائنٹ لے لیں گے۔

یحییٰ بختیار……8 نومبر 1990ء کو مشترکہ سیشن میں صدر نے خطاب کیا اس سے صرف دو دن پہلے نواز شریف وزیر اعظم بنے تھے اس لیے یہ نواز شریف کی تقریر نہیں تھی۔ یہ صدر کی اپنی تیار کردہ تقریر تھی۔ دو دسمبر 1989ء کو صدر نے جو تقریر کی وہ پڑھ کر دیکھ لیں وہ بھی صدر کی اپنی تقریر تھی وہ بے نظیر بھٹو کی تقریر ہو نہیں سکتی۔ مائی لارڈ آپ تھکے گئے ہیں۔

چیف جسٹس……ہم تھکے نہیں ہم نے بڑا کام ابھی کرنا ہے۔

یحییٰ بختیار……میں نے تقاریر کے مختلف صفحات پر نشان لگا دیے ہیں تاکہ آپ ان کا مطالعہ کر لیں۔ یہ بار بار کہا گیا کہ وزیر اعظم نے ٹی وی پر قوم سے خطاب کیوں کیا قومی لیڈر کا بنیادی فرض ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنی قوم سے خطاب کرے۔ صدر نے 18 اپریل 1993ء کو اسمبلی توڑنے کے بعد قوم سے جو خطاب کیا اس میں انہوں نے کہا کہ کئی بار میری آئینی صبر کی آخری حدوں کو چھونے لگی میں نے احتیاط کی راہ چنے رکھی اس کا کیا علاج کہ وہ اپنی روش سے بچنے کو تیار نہیں ہیں۔ کیا صدر کو وارننگ کا حق ہے صدر کو متعدد آرڈیننس بھجوائے گئے مگر ان پر انہوں نے دستخط نہیں کیے۔ آرڈیننس پر صدر دستخط نہ کرے تو وہ آئین کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس بیان کا مواخذہ ہو سکتا ہے۔ صدر وزیر اعظم کو وارننگ دینے کا حق رکھتے ہیں مجاز نہیں تھے۔ قاضی حسین احمد نے بتایا کہ صدر وزیر اعظم کو چالیس خطوط لکھ چکے ہیں صدر صاحب کا وعدہ تھا کہ نہیں صبح سوا دس بجے تک وزیر اعظم کو خط لکھ جاتے ہیں۔ صدر آرٹیکل (2-48) کے تحت وزیر اعظم کے مشورے کے پابند ہے۔

چیف جسٹس……اگر مملکت کے دو اعلیٰ عہدیداروں کے مابین تعلقات کشیدہ ہوں تو مشورے نہیں ہو سکتے۔

یحییٰ بختیار……صدر عموماً کام وزیر اعظم کے مشورے سے نہیں کر سکتا صدر آرمی چیف بھی وزیر اعظم کے مشورے کے بغیر مقرر نہیں کر سکتا۔ صدر وزیر اعظم کو وارننگ دینے کا مجاز ہے۔ وہ صرف وزیر اعظم سے معلوم

Scanned with CamScanner

اطلاع حاصل کرسکتا ہے صدر کی آئینی ذمہ داری نہیں کہ جیکارڈ درست ہے یا غلط یہ کام پارلیمنٹ کا ہے۔ صدر نے یہ بھی کہا کہ میری ذات کی بات ہوتی تو کوئی بات نہ تھی کوئی بھی شخصیت تنقید سے بالاتر نہیں یہ صدر نے خود کہا ہے۔ صدر نے نواز شریف کی تحریک کو [illegible] اہمیت بھی [illegible] دیا۔

جسٹس سعد سعود جان...... انہوں نے استعفیٰ دے دیئے تھے۔

یحییٰ بختیار...... شاید چیف جسٹس صاحب حج کے لیے جارہے ہیں۔

چیف جسٹس...... نہیں نہیں آپ بولیں ہم نے ایک اہم کام کرنا ہے۔

یحییٰ بختیار...... شکریہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قومی اسمبلی، وزیر اعظم اور کابینہ کی معطلی بدنیتی پر مبنی ہے

(A) قومی اسمبلی کی تحلیل وزیر اعظم اور کابینہ کی معطلی صدر پاکستان نے آئین کے آرٹیکل 58(2)بی کے تحت کی۔ آئین کے آرٹیکل 184(3) کے تحت پٹیشن کے تحت قومی اسمبلی وزیر اعظم اور کابینہ کی معطلی بدنیتی پر مبنی ہے۔ قانونی اختیار کے بغیر اسمبلی کو برخاست کرنے کا مذکورہ بالا حکم کے نتیجے میں کیے گئے اقدامات بشمول عبوری کابینہ کی تقرری کو کالعدم قرار دیا جائے۔ مزید برآں صدر پاکستان اور دیگر کو منتخب حکومت کے کام اور فرائض میں مداخلت سے روک دیا جائے۔

سب سے پہلا اعتراض یہ اٹھایا گیا کہ آرٹیکل 184(3) کے تحت دائر پٹیشن اصل حالت میں نہیں تھی اور اس بنیاد پر یہ مسترد کرنے کے قابل تھی۔ سپریم کورٹ نے میرٹ کے حوالے سے اٹھتے ہوئے سوالات پر کارروائی کا آغاز کیا کہ ان دونوں سوالات کو سنا جائے گا اور ایک ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد پارٹیوں کو ریکارڈ مکمل کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے معاملے کو مکمل اور حتمی دلائل کے لیے ملتوی کیا۔

(B) بدلی ہوئی معاشرتی صورتحال کے مطابق بنیادی حقوق کا مفہوم سمجھنا ہوگا اور مستقبل کی روشنی میں اس کی تشریح کرنا ہوگی اور آئین میں دیے گئے بنیادی حقوق کا اس کی اصل روح کے مطابق جائزہ لینا چاہیے۔ بنیادی حقوق ریاستی قوت کی نگہبانہ طاقت کے ذریعے پابند بنایا جاتا ہے جس کے لئے انسان تگ ودو کرتا ہے اگرچہ آئینی ضمانت جس کو اکثر آزادی کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ اس طرح کی سرگرمیاں حقیقی روح میں ریاست کے دائرہ کار کے لیے حدود کا تعین کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی فرد کے بنیادی حقوق کو موجودہ آئین میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کی کڑی بھی قدیم فطری قوانین سے جا ملتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ معاشرے کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی صورتحال میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ اس لئے آئین میں فراہم کردہ بنیادی حقوق کا ازسرنو جائزہ لینا چاہیے۔

(C) آرٹیکل 17(2) کے تحت بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ آرٹیکل 17 میں سیاسی جماعت بنانے سمیت دیگر حقوق دیے گئے ہیں اور اگر کسی سیاسی جماعت کو اسمبلی میں مطلوبہ اکثریت حاصل ہو تو وہ حکومت بنانے کا حق رکھتی ہے اور اگر اس پارٹی کو اپنی مدت پوری ہونے سے پہلے کسی غیر قانونی حکم کے تحت حکومت سے ہٹایا جاتا ہے تو اس صورت میں آئین کے آرٹیکل 17(2) اسے بنیادی حق کی ضمانت دیتا ہے۔ آرٹیکل 17(2) میں "عمل" کا لفظ کسی سیاسی جماعت کے اچھے اور خراب کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ آرٹیکل 17 سیاسی جماعت کے اختیارات اور اس کی خراب کارکردگی پر نظر رکھنے پر مشتمل ہے جبکہ اس کی اچھی کارکردگی کے حوالے سے اس میں کوئی شق شامل نہیں ہے۔ تاہم اس حوالے سے مخصوص شق کے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ بنیادی حقوق 17 معاملے کے اس پہلو پر مشتمل نہیں۔ آرٹیکل 17 کے تحت نہ صرف سیاسی جماعت بنانے بلکہ دیگر ضمنی حقوق بھی دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ آرٹیکل 17 میں دیے گئے حقوق میں کسی بھی شہری کو کسی سیاسی جماعت کا حصہ بننا اور الیکشن میں حصہ لینا شامل ہے۔ تنظیم کو بنانے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ اس کی سرگرمیوں کو بطریق احسن سرانجام دیا جائے بصورت دیگر یہ تنظیم کے لیے فائدہ نہیں رہے گا۔ بنیادی حقوق کا پہلو مثبت ہو یا منفی اس کے برعکس ایک سیاسی جماعت آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے بنیادی حقوق کا عام تصور بھی شامل کر لیتی ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتی ہے اور تنظیم پر پڑنے والے نتائج کا بھی جائزہ لیتی ہے۔ جماعت نظریات کی تشہیر کے لیے میڈیا سمیت تمام دستیاب وسائل سے استفادہ کرتی ہے اور انتظامی مشینری کی پیچیدگی کو مدنظر رکھتے ہوئے کل معاملات میں بہتری پر توجہ دیتی ہے۔ قوم بھی ملکی مفاد کے لئے بالخصوص انتظامی طریقہ کار اور پالیسیوں کو مدنظر رکھتے حتی کہ آئین میں بہتری کے لیے تجاویز دیتی ہے اور دباؤ ڈالتی ہے۔

Scanned with CamScanner

آئین کا آرٹیکل 17(2) نہ صرف سیاسی جماعت بنانے اس کا رکن بننے کے حق کی ضمانت دیتا ہے بلکہ سیاسی جماعت چلانے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ آرٹیکل 17(2) شہری کو آزادانہ طور پر حکومتی معاملات میں حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے۔ آئین کے آرٹیکل 17(2) کے تحت سیاسی جماعت بنانے کے علاوہ الیکشن لڑنے کا حق بھی دیا گیا ہے اور اگر اس جماعت کو اکثریت حاصل ہو تو اسے حکومت بنانے کا بھی حق ہے۔ اگر سیاسی حکومت کے صحیح کاموں میں غیر قانونی احکامات کے ذریعے روڑے اٹکائے جائیں تو اس طرح آرٹیکل 17(2) میں دیئے گئے بنیادی حقوق میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ اس صورت میں آرٹیکل 184(3) کے تحت بنیادی حقوق کو لاگو کرنا ایک ضروری امر بن جاتا ہے۔ قومی اسمبلی کی برخاستگی اور وزیر اعظم اور کابینہ کی معطلی صدر پاکستان نے 58(2)(b) کے تحت کی ہے آئین کے آرٹیکل 184(3) کے تحت قومی اسمبلی، وزیر اعظم اور کابینہ کی برخاستگی بدنیتی پر مبنی ہوگی۔ قانونی اختیار کے بغیر اسمبلی کو برخاست کرنے کا مذکورہ بالا حکم کے نتیجے میں کیئے گئے اقدامات بشمول عبوری کابینہ کی تقرری کو کالعدم قرار دیا جائے۔ مزید برآں صدر پاکستان اور دیگر کو منتخب حکومت کے کام میں مداخلت سے روک دیا جائے۔

اگر سیاسی حکومت کے صحیح کاموں میں غیر قانونی احکامات کے ذریعے روڑے اٹکائے جائیں تو یہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور آرٹیکل 184(3) کے تحت بنیادی حقوق کو لاگو کرنا ضروری ہوتا ہے۔ وہ مواد جس کی بنیاد پر 58 ٹو (بی) کے تحت صدر وزیر اعظم اور قومی اسمبلی کو برخاست کرتا ہے۔ وہ عدالتی نظر ثانی اور سکروٹنی کے لیے اوپن ہوتا ہے۔ 1985ء کے ایکٹ (XVIII) کے بعد صدر کی طرف سے وزیر اعظم اور قومی اسمبلی کی برخاستگی غلط اقدام ہوتا ہے اور صدر کو آئین میں دیئے گئے اختیارات سے تجاوز ہے۔ 58 ٹو بی کے تحت وزیر اعظم اور قومی اسمبلی کی معطلی سے اگر یہ ظاہر ہو کہ اس کے لئے کوئی وجہ نہیں بنتی تھی تو اس صورت میں صدر کی طرف سے استعمال ہونے والے اختیارات غیر آئینی ہوں گے۔

1985 ، ایکٹ میں ترمیم کے بعد صدر کے اختیارات اور وزیر اعظم کی ذمہ داریوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ پاکستان کے تحریری آئین کی یہ امتیازی خصوصیات ہیں کہ یہ پارلیمانی جمہوریت کو جنم دیتا ہے اور اس میں صدر اور وزیر اعظم کی ورکنگ ریلیشن شپ کی وضاحت کی گئی ہے۔ 1985 ، ایکٹ یعنی آٹھویں ترمیم میں آرٹیکل 58 کی شق (2) کے تحت صدر کو قومی اسمبلی تحلیل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ اختیار اس سے قبل نہیں تھا۔ آرٹیکل (213) کے تحت صدر چیف الیکشن کمشنر، آرٹیکل 242(A) کے تحت چیئرمین آف پبلک سروس کمیشن اور آرٹیکل 243(2)(c) کے تحت چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کے تقرر کا اختیار رکھتا ہے جبکہ آرٹیکل (101) کے تحت وزیر اعظم کی مشاورت سے گورنروں کی تقرری کا بھی انہیں اختیار ہے۔ اس کے علاوہ آرٹیکل 48(6) میں انہیں قومی اہمیت کے معاملے پر ریفرنڈم کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔ پاکستان کا آئین حقیقت میں پارلیمانی جمہوریت کو تخلیق کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس سیٹ اپ میں صدر آرٹیکل 48(1) کے تحت وزیر اعظم اور کابینہ کی ایڈوائس کا پابند ہوتا ہے جبکہ آرٹیکل 91(4) کے تحت کابینہ مجموعی طور پر قومی اسمبلی کو جوابدہ ہوتی ہے۔ اگرچہ وزیر اعظم صدر کی رضامندی سے کام کرتا ہے۔ تاہم صدر وزیر اعظم کو اس وقت تک نہیں ہٹا سکتا جب تک انہیں قومی اسمبلی میں ارکان کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو۔

وزیر اعظم کابینہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ آئین کے مطابق وزیر اعظم حکومتی معاملات چلانے کے لئے صدر کو جوابدہ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ ان کا ماتحت ہوتا ہے۔ حکومتی معاملات چلانے اور پالیسیاں بنانے کے معاملے میں وزیر اعظم قومی اسمبلی کو جوابدہ ہوتا ہے نہ کہ صدر کو۔ اگرچہ صدر حکومت کے معاملات چلانے، پالیسیاں بنانے اور دیگر معاملات وزیر اعظم کی ایڈوائس کے پابند ہوتے ہیں لیکن اس بات میں بھی شک نہیں کہ

Scanned with CamScanner

صدر اور وزیر اعظم میں ریاست کے معاملات چلانے کے لئے ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ آئین میں دونوں کے کردار کی وضاحت کی گئی ہے اور دونوں اپنے دائرۂ اختیار میں کام کرتے ہیں۔ پسند و ناپسند کے باوجود دونوں آئینی طور پر مشترکہ کام کر سکتے ہیں۔ ذاتی عناد اور مزاج کا ایک نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اگر دونوں اپنے اٹھائے گئے حلف کے مطابق کام کریں۔

O..... آرٹیکل 58 ٹو بی :صدر پاکستان قومی اسمبلی کو تحلیل کرنے کا آرڈر پاس کر سکتا ہے۔ اگر حکومتی مشینری مکمل ناکام ہو چکی ہو اور حکومت آئین کی دفعات کے تحت نہ چلتی ہو۔

O..... آرٹیکل :41 صدر وفاق کی علامت اور ریاست کے تمام عہدیداروں میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہوتے ہیں لیکن یہ اعتماد اس وقت تک برقرار رہتا ہے جب تک انتہائی غیر جانبدار ہو اور اپنے آپ کو پارٹی سیاست سے مکمل دور رکھیں اور کسی کو یہ تاثر نہ دیں کہ وہ کسی ایک کی سائیڈ لے رہا ہے یا دوسرے کے خلاف ہے۔

O..... 58 ٹو بی انتظامی سربراہ کو مقننہ کو تباہ کرنے اور منتخب نمائندوں کو ہٹانے کا اختیار دیتا ہے اور انہیں غیر معمولی حالات میں غیر معمولی اختیار مل جاتا ہے۔

جسٹس سجاد علی شاہ

اگر 58 ٹو بی کسی کمپرومائز کے نتیجے میں آئین کا حصہ بن چکا ہے اور اب اسے قبول نہیں کیا جاتا تو آئین میں بیان کئے گئے طریقہ کار کے مطابق اس میں ترمیم کی جا سکتی ہے اور یہ کام مقننہ کا ہے کہ قانون بنائے اور عدالت اس کی تشریح کرے۔ عدالت تشریح کر سکتی ہے۔ قانون نہیں بنا سکتی۔ جہاں تک 58 ٹو بی کا تعلق ہے اس کی حاجی سیف اللہ خان اور خواجہ احمد طارق رحیم کے کیسوں میں اچھے طریقے سے تشریح کی گئی ہے۔ صدر 58 ٹو بی کے تحت اختیارات استعمال کر سکتا ہے اگر واقعی حکومتی مشینری ناکام ہو چکی ہو اور حکومت کو غیر آئینی طریقے سے چلایا جا رہا ہو تو اس صورت میں صدر ان کو دیئے گئے مواد کی بنیاد پر رائے دے سکتا ہے۔ 58 ٹو بی ایک آزاد شق ہے جس کے تحت وہ قومی اسمبلی کو صوابدیدی اختیار استعمال کر کے تحلیل کر سکتا ہے اور صدر کی رائے کو عدالت تبدیل نہیں کر سکتی۔

آرٹیکل 58(2) بی، :64 قومی اسمبلی میں ضابطے کے قوانین R-25, 1992

صدر پاکستان قومی اسمبلی کے ممبران کے استعفے وصول نہیں کر سکتے۔ ممبران کے استعفے سپیکر کے پاس جاتے ہیں اور اس سلسلے میں سپیکر کا انتہائی اہم کردار ہوتا ہے۔ پارلیمانی طرز حکومت میں اعلیٰ درجے پر فائز ہوتا ہے۔ ان کے پاس ہاؤس چلانے کی مکمل ذمہ داری ہوتی ہے اور وہ ہاؤس کے وقار اور تقدس کو برقرار رکھتا ہے۔ آئین میں واضح کیا گیا ہے کہ کسی ممبر کا استعفیٰ اس وقت موثر ہوگا جب یہ سپیکر کو بھیجا جائے گا۔ آرٹیکل 58 ٹو بی کے تحت اگر حقیقی معنوں میں غداری کا ارتکاب کیا جائے اور وزیر اعظم پر فرد جرم لگ جائے تو اس صورت میں وزیر اعظم، قومی اسمبلی اور کابینہ کو برخاست کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے آئین کے دیباچے میں بیان کیا گیا ہے کہ ریاست عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے اپنی طاقت اور اختیارات استعمال کر سکتی ہے۔ تاہم اگر منتخب نمائندوں میں کوئی خرابی ہو تو اس کے پاس استعفیٰ دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا اور اس کے بعد وہ پانچ سال تک الیکشن نہیں لڑ سکتا۔

O..... آرٹیکل :(5)91 صدر کے لیے آئین کے تحت ایک راستہ کھلا ہوتا ہے اگر وزیر اعظم کو قومی اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد حاصل نہیں ہوتا اور انہیں اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ نہیں ملتا اور مقصد کے حصول اور رائے تشکیل دینے کے لئے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا تو یہ جائز نہیں تھا۔

Scanned with CamScanner

جسٹس سجاد علی شاہ

جب آئینی پٹیشن کو ہائیکورٹ میں سماعت کی اجازت دیئے بغیر سپریم کورٹ میں سنا گیا تو اب سپریم کورٹ کے بعد اپیل کے لیے کوئی دوسرا فورم نہیں ہے اور یہ سپریم کورٹ کی ذمہ داری ہے کہ برخاستگی سے متعلق مواد کی احتیاط کیساتھ سکروٹنی کرے جس طرح کہ اس سے پہلے سپریم کورٹ حاجی سیف اللہ خان اور خواجہ احمد طارق رحیم کے کیسوں میں فیصلہ دے چکی ہے۔

ایک خصوصی آئینی دفعہ جس کی شقیں اس وقت تک لازمی اور امتناعی ہوتی ہیں جب تک کہ کہے گئے الفاظ کوئی اور نہ ہوں۔ ایسا احکامیہ آئین کے تمام حصوں پر یکساں طور پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ احکامیہ ریاستی حکومت کے ہر ایک شعبے کو خواہ وہ قانون ساز، ایگزیکٹو یا عدالتی ہو، پابند بناتا ہے۔ آئینی دفعات میں Shall اور Ought کے الفاظ عام طور پر ضروری اور لازمی کے معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ ضروری آئینی دفعات حکومت کے تمام محکموں کو پابند بناتے ہیں۔ طویل استعمال نہ متروک نہ ہی یہ ان دفعات کی خلاف ورزی کا جواز ہے۔ حکم عدولی یا حیلہ کی اجازت نہیں۔

جسٹس سجاد علی شاہ.......وجے کونڑا

آرٹیکل 46 کے تحت یہ بات وزیر اعظم کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ وفاق کے انتظامی امور اور قانون سازی کے حوالے سے تجاویز سے متعلق کابینہ کے تمام فیصلوں سے صدر کو آگاہ رکھے۔ اس دفعہ کے تحت کوئی ایسا فیصلہ جو ابھی کابینہ کے زیر غور نہ آیا ہو، صدر کابینہ کے ایسے امور کے حوالے سے وزیر اعظم یا کسی وزیر کے فیصلے پر غور کے لئے مواد طلب کر سکتا ہے۔ آرٹیکل 48 کے تحت صدر کو کابینہ یا وزیر اعظم کی ایڈوائس پر عمل کرنا ہے۔

آرٹیکل 58 ٹو بی اور 14 کے تحت صدر کو وزیر اعظم کی تقریر کی بنیاد پر جس میں مبینہ طور پر بغاوت کا مواد شامل تھا، عدالت کی رائے میں غداری قانون میں بہت بڑا جرم تصور کیا جاتا ہے۔ یہ بہت سنگین جرم ہے جو کسی نے اپنے ہی ملک کے خلاف کیا ہو، صدر کو آئین کے تحت کوئی اختیار نہیں تھا کہ وہ پاکستانی شہری، پارلیمنٹ میں اکثریتی جماعت کے سربراہ اور ملک کے وزیر اعظم کے خلاف اس طرح کی معلومات کی بنیاد پر ان کے خلاف اس طرح کا اعلان کریں اور اس کی بنیاد پر وزیر اعظم کو برطرف اور کابینہ کو برخاست کر دیں۔ یہ آئین کے پہلے حصے کے آرٹیکل 14 کی واضح خلاف ورزی تھی۔

آئین پاکستان (1973ء)

آرٹیکل 58 ٹو بی، 14 اور 91(5) صدر پاکستان، وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کو برطرف نہیں کر سکتا۔

II۔ آئین پاکستان (1973ء)

آرٹیکل 243 (ترمیمی) کے تحت بری، بحری اور فضائی افواج کے سربراہوں کے تقرر کے سلسلے میں وزیر اعظم کی ایڈوائس کی جگہ لے لی۔ چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کا تقرر صدر کی صوابدید پر کر دیا گیا۔

O۔۔۔ آئین پاکستان (1973ء)

18 اپریل 1993ء کو قومی اسمبلی کی تحلیل، وزیر اعظم اور کابینہ کو برخاست کرنے کے خلاف آرٹیکل 184(3)، 58(2)(b) 17، اور 14 آرٹیکل 184(3) کے تحت آئینی درخواست صدر پاکستان کے حکم کے خلاف براہ راست سپریم کورٹ کے روبرو آئی۔ عدالت کی رائے میں آئینی دفعات جنہوں نے سیاسی جماعتوں کو حکومت کرنے کے قابل بنایا اور جو حکومت میں آنے کے بعد بغیر کسی

رکاوٹ کے اپنے سیاسی مقاصد جاری رکھیں، انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ بنیادی حقوق کو سودمند بنانا یقینی بنائیں جس کی ضمانت آئین کے آرٹیکل 17 میں دی گئی ہے۔ آرٹیکل 184(3) کے تحت دائر درخواست نہ صرف قابل سماعت ہے کیونکہ فنڈامینٹل رائٹس 17 اس سے براہ راست منسلک تھے۔ معزول وزیراعظم سے بغاوت منسوب کرنا بلکہ وزیراعظم کو فاناتک سیاسی سرگرمیوں کو توسیع دینے سے روکنا آئین کے آرٹیکل 14 کے پہلے حصہ کے خلاف ہے جو بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے جس کی آرٹیکل 17(2) میں ضمانت دی گئی ہے۔

سجاد علی شاہ، جے کو نمبرا

آئین کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ دیگر کئی دفعات بھی حکومت کی حکمرانی کے تسلسل سے متعلق ہیں۔ آرٹیکل 91(2A) کہتا ہے کہ صدر پاکستان ارکان قومی اسمبلی میں سے اس رکن کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالنے کی دعوت دے گا جو ممبران کی اکثریت کا اعتماد حاصل کرے گا اور یہ شخص اسی آرٹیکل کی شق 3 کے تحت حلف اٹھائے گا۔

آرٹیکل 91 کی شق نمبر 5 میں بتایا گیا ہے کہ اگر وزیراعظم کو ارکان اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد حاصل نہ ہو تو اسے اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا ہوگا۔

آئین کے آرٹیکل 58(1) میں کہا گیا ہے کہ صدر، وزیراعظم کی ایڈوائس پر اسمبلی تحلیل کرے گا۔ اس آرٹیکل کی شق 2 میں صدر کو اپنی صوابدید پر قومی اسمبلی تحلیل کرنے کے اختیارات دیئے گئے ہیں۔

آرٹیکل 17(2) سیاسی جماعت کو اپنی مدت اقتدار پورا کرنے کا نتیجہ اخذ کرنے کا بنیادی حق نہیں دیتا۔ مزید یہ کہ اسمبلی کی تحلیل کے حکم میں آئین سے بغاوت کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ آرٹیکل 14 کے تحت وزیراعظم کے بنیادی حق کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ اس بات کا کوئی جواز نہیں کہ یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ صدر کی طرف سے وزیراعظم کو فانا میں سیاسی سرگرمیوں سے روکا جا رہا تھا۔

بے نظیر بھٹو بنام وفاق پاکستان

اس کیس میں آرٹیکل 184(3) کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسمبلی کی تحلیل آرٹیکل 17(2) سے متصادم نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ درخواست گزار کو حکومت جاری رکھنے کا بنیادی حق نہیں کیونکہ اس موضوع کا آئین کی دیگر دفعات سے احاطہ کیا گیا ہے۔

پانچ سال تک حکومت جاری رکھنا ایک سیاسی خواہش اور سیاسی عمل میں شرکت کے قابل بنانا آئین کے دیگر آرٹیکلز میں ہے۔ ایسا آرٹیکل 17(2) میں نہیں ہے۔ آرٹیکل 17(2) میں سیاسی جماعت کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ سیاسی حقوق جو بنیادی حقوق سے مختلف چیز ہے، ہمیت کی حقوق دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا ذکر آئین میں کر دیا گیا ہے۔

اگر قانون ساز کوئی بنیادی حق شامل کرنا چاہتے ہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اس حقیقت کے بارے میں کوئی تنازع نہیں کہ قرارداد مقاصد پر مشتمل آرٹیکل 2A آئین کا اہم حصہ ہے۔ یہ آرٹیکل اسی طرح اہم جیسے آئین کے دیگر آرٹیکلز ہیں۔

''سیاسی انصاف'' کا بیان بڑا اہم ہے اسے بنیادی حقوق کی کیٹگری میں رکھا گیا ہے۔ سیاسی جماعتیں اب بنیادی حقوق کا قانونی تحفظ بن گئی ہیں جبکہ نہ کورہ بالا دفعہ قرارداد مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔

انتہائی اہم اور کلیدی نکتہ وزیراعظم کی تقریر اور اس تقریر کے وقت حکومت اور وعدے کو بنایا گیا ہے جو تنازع نہیں ہے مگر اس کا اس بنیاد پر دفاع کیا جا رہا ہے کہ وزیراعظم نے آئین کے تحت حاصل اختیارات پر عمل کیا اور پارلیمانی طرز حکومت میں وزیراعظم کو ایڈوائس دینا صدر کا کام نہیں تھا۔ وزیراعظم کی تقریر واضح طور پر ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے اس نکتے پر قوم کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی ہے کہ صورت حال اس مقام پر پہنچ گئی

Scanned with CamScanner

ہے کہ وفاق کی حکومت آئینی دفعات کے تحت آگے نہیں بڑھائی جاسکتی اور ایسی صورت حال میں انہیں الزام نہیں دیا جائے گا۔ یہ تمام الزام ایوان صدر کے ذمہ ہوگا۔ ایوان صدر میں بیٹھا شخص جس نے حکمران جماعت کے اندر اور باہر کے عناصر سے ساز باز کر کے نتائج کی پرواکے بغیر حکومت کو عدم استحکام سے دوچار کیا۔

ایسی صورت حال پیدا کرنے کے لئے حصہ رسدی کی تقسیم کے عمل کے الزام کو اس پس منظر سے نکال دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورت حال تخلیق کی گئی ہے جس سے ریاست کے دوستونوں میں معمول کے تعلقات میں ڈیڈ لاک اور تعطل پیدا ہوا۔ جس پر صدر نے آرٹیکل 58(2) بی کے تحت اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کئے۔

یہ بات واضح ہے کہ آرٹیکل 154 کی لازمی ضرورت کو پورا نہیں کیا گیا اور سی سی آئی کا اجلاس نہیں بلایا گیا جس سے اس اہم موقع پر پالیسی وضع کی جاتی جس سے صوبوں کو اس کارروائی میں حصہ لینے کا موقع ملتا۔

کارپوریشنوں سمیت غیر مشروط طور پر وفاق کی پراپرٹیز کو فروخت کیا گیا۔ یہ عمل کر کے درخواست گزار اور ان کی حکومت نے آرٹیکل 153,154 اور 156 اسے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو آرٹیکل 161 کی بھی خلاف ورزی کی۔

پرائیویٹائزیشن، سی سی آئی اور این ای سی کے بارے میں درکار آئینی دفعات کی پیروی نہیں کی گئی۔ صوبوں کو پالیسیاں وضع کرنے میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ وفاقی حکومت کی بدانتظامی، کرپشن اور اقرباپروری کے حوالے سے کافی مواد صدر کے سامنے پیش کیا گیا جس نے اسمبلی کی تحلیل کے لئے راہ ہموار کی۔

اسمبلی کی تحلیل کی راہ ہموار کرنے کے لئے حاجی سیف اللہ خان اور خواجہ احمد طارق رحیم کی رخصتی کے کیسز سے گائیڈ لائنز حاصل کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ طارق رحیم اور موجودہ کیس کے لئے جو مواد فراہم کیا گیا ہے اس میں اور موجودہ کیس کے لئے فراہم کئے گئے مواد میں کوئی فرق نہیں۔

آرٹیکل 58(2) بی کے نفاذ کی سب سے اہم شرط یہ ہے کہ حالات واضح طور پر ایسے ہوں کہ جن سے ظاہر ہو کہ وفاقی حکومت آئینی دفعات کے مطابق امور مملکت جاری نہیں رکھ سکتی۔ شق میں لفظ "Cannot" جو اس دفعہ میں شامل ہے، اس کا مطلب نہ صرف ناممکنات کے عنصر کے لئے ہے بلکہ یہ اپنی ترکیب میں دائمی کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ اس طرح صدر صرف اس صورت میں اپنے اختیارات استعمال کر سکتا ہے جب اس کے سامنے پیش کئے گئے مواد سے یہ ظاہر ہو کہ امور مملکت ایک ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ انہیں آئین کی خلاف ورزی کر کے چلانے کے سوا حکومت کے پاس کوئی چارہ کار نہیں رہا۔

اگر ایک بار صدر اپنی یہ رائے قائم کرلیں کہ وفاقی حکومت آئین کے مطابق نہیں چل رہی تو ان کے پاس ان کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ وہ یہ معاملہ رائے دہندگان کے پاس لے جائیں جو آئین کے تحت سیاسی طور پر خودمختار ہیں۔ وہ دوبارہ ووٹ ڈال کر اپنی پسند کی حکومت قائم کریں۔ آرٹیکل 48(5)(b) کے تحت کچھ خصوصی معاملات کے سوا صدر کو وزیراعظم، خواہ وہ منتخب ہو یا ان کا نامزد کردہ ہو، کی ایڈوائس پر عمل کرنا ہوتا ہے۔

O۔۔۔ آئین پاکستان (1973ء)

آرٹیکل 58(2)(b) اور 54(3) کے تحت صدر اس وقت 58(2)(b) کا استعمال کر سکتا ہے جب آرٹیکل 53(3) کے مطابق ارکان کی ریکوزیشن پر قومی اسمبلی کا سیشن چل رہا ہو۔ 58(2)(b) کے تحت اسمبلی کی تحلیل، اجلاس بلانا اور قومی اسمبلی کے اجلاس میں وقفہ بالکل دوسرا معاملہ ہے۔

Scanned with CamScanner

O..... آئین پاکستان(1973)

آرٹیکل 58(2)(b) 18: اپریل 1993ء کو صدر نے آرٹیکل 58(2)(b) کے تحت قومی اسمبلی کی تحلیل، وزیر اعظم اور کابینہ کی برخاستگی کا حکم جاری کیا۔ اس حکم میں برخاستگی کی وجوہات کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ نہ کیا جائے کہ حکومت وفاق کو آئین کے مطابق آگے نہیں چلا سکتی تھی اس طرح آرٹیکل 58(2)(b) کے تحت صدر نے جو شق کی اس کی کوئی قابل قبول بنیاد نہیں بن سکتی تھی۔ یہ یا دونوں طرح کی بنیادیں اسمبلی کی تحلیل کے اختیارات کے لئے پیشگی شرط کو پورا نہیں کرتی تھیں۔

قومی اسمبلی کی اصطلاح، اس کا آئین اور اس کی تحلیل آئین کے دیگر آرٹیکلز بناتے ہیں جبکہ ان معاملات سے آرٹیکل 17(2) سے اس کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ اگر قومی اسمبلی غیر قانونی طور پر تحلیل کر دی گئی ہو تو یہ آرٹیکل 52 اور 58 کی خلاف خلاف ورزی ہو گی۔ کوئی یہ شکایت نہیں کر سکتا کہ اسمبلی کی تحلیل سے آرٹیکل 17(2) کے تحت اس کے حقوق ختم کر دیئے گئے ہیں۔ گو کہ آرٹیکل 199 کے تحت اسے ہائیکورٹ میں دادرسی کا حق دیا گیا ہے۔

یہ سوال کہ سپریم کورٹ کو اس پٹیشن کی براہ راست سماعت کا حق تھا، اس کے لئے کسی شخص کو یہ ظاہر کرنا ہے کہ آئین کے پارٹ ٹو کے چیپٹر ون میں مندرج اس کے حق کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ محض یہ عذر کہ درخواست گزار کو سیاسی انصاف درکار ہے، کافی نہیں۔ دوسری طرف قومی اسمبلی کی تحلیل یا کابینہ کی برخاستگی سے آرٹیکل 17(2) کا کوئی تعلق نہیں۔

O..... آئین پاکستان(1973)

آرٹیکل 17۔ ''سیاسی حقوق'' اور ''سیاسی انصاف'' ایک دوسرے میں گڈ مڈ کر دیئے گئے ہیں۔ سیاسی حقوق میں ضمانت دی گئی ہے جبکہ سیاسی انصاف میں اس کی تفصیل شامل ہے۔ ان کو قانون سازی اور عدالتی تخلیقی صلاحیت کے ذریعے وسعت دینے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

O..... آئین پاکستان(1973)

آرٹیکل 17 ظاہر کرتا ہے کہ 1)clause) ہر شہری کو یہ حق فراہم کرتی ہے کہ وہ کوئی انجمن یا یونین بنا سکے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ قانون کے دائرے میں ہو اور پاکستان کی سلامتی وخودمختاری کے خلاف نہ ہو۔ 2)clause) میں ہر شہری جو سرکاری ملازم نہ ہو، کو سیاسی جماعت بنانے اور کسی سیاسی جماعت کا رکن بننے کا حق حاصل ہے۔ اس کے لئے بھی شرط یہ ہے کہ وہ قانون کے دائرے میں ہو اور پاکستان کی سلامتی وخودمختاری کے خلاف نہ ہو۔ یہ وفاقی حکومت کو بھی اختیارات دیتا ہے کہ وہ سیاسی جماعت بنانے کا اعلان کرے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس اعلان کے 15 دن کے اندر سپریم کورٹ میں یہ ڈیکلریشن جمع کرا دے اس ریفرنس پر عدالت کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

18 اپریل 1993ء کو قومی اسمبلی کی تحلیل اور وزیر اعظم اور کابینہ کی برطرفی آئین کے آرٹیکل 58(2)(b) کے دائرہ میں نہیں آتی۔ اسمبلی کی تحلیل اور درخواست گزار کے بطور وزیر اعظم مدت اقتدار آئین کی درج بالا دفعات کی خلاف ورزی ہے۔ اس کے لئے آرٹیکل 17(2) بھی اپنی طرف متوجہ کرتا ہے کیونکہ درخواست گزار تسلیم شدہ ایک سیاسی جماعت کا سربراہ ہے جس نے قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل کی ہے۔

بنیادی حقوق پر مشتمل آئینی دفعہ اور عام قانونی دفعات کی تشریح میں فرق ہے۔ بنیادی حقوق پر مشتمل آئینی دفعات مستقل ہوتی ہیں اور یہ آنے والے وقت کے لئے بھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس دفعہ کی تشریح کرتے وقت عدالت کو لوگوں کے نظریات کے تناظر میں متحرک، ترقی پسندی، آزاد خیالی کا نقطہ نظر اپنانا ہوگا۔ اسے جوڈیشل ایکٹوزم یا جوڈیشل ایکٹیویٹی بھی کہا جاتا ہے۔

O..... آئین پاکستان(1973)

Scanned with CamScanner

قومی اسمبلی اجلاس کا التوا کا اختیار اسمبلی کی تحلیل سے مکمل طور پر مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آرٹیکل 54 کی clause(3) کے تحت جب قومی اسمبلی کے کم از کم ایک چوتھائی ارکان کی ریکوزیشن پر سپیکر قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کریں تو وہی اس کو ملتوی کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، کسی دوسرے کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ اگر قومی اسمبلی جاری سیشن کے دوران تحلیل کی جاسکتی تو اس بات کی کوئی قانونی بنیاد نہیں کہ اسے سیشن نہ ہونے پر توڑا کیوں نہیں جاسکتا تاہم آرٹیکل 54 کی clause(3) کے تحت اجلاس ریکوزیشن پر طلب کیا جاسکتا ہے۔

آئین کے آرٹیکل 58 سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ clause(1) کے تحت صدر کے لئے ضروری ہے کہ وہ وزیراعظم کی ایڈوائس پر اسمبلی تحلیل کرے۔ اگر اسمبلی جلد تحلیل نہ ہو تو وزیراعظم کی ایڈوائس کے 48 گھنٹے گزرنے پر خود بخود تحلیل ہو جائے گی۔ تاہم درج بالا کلاز کی وضاحت وزیراعظم کے حق پر قدغن لگاتی ہے کہ اگر اس کے خلاف عدم اعتماد پیش کرنے کی قرارداد جمع کر دی گئی ہو تو وہ مذکورہ بالا ایڈوائس پیش نہیں کرسکتا۔

کلاز 2 میں کہا گیا ہے کہ اس کے باوجود کہ آرٹیکل 48 کے clause2 میں کوئی چیز شامل ہو تو صدر مندرجہ ذیل صورتوں میں اپنی صوابدید پر اسمبلی تحلیل کرسکتا ہے۔

(a) اگر وزیراعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد منظور ہو گئی ہو اور صدر کے خیال میں کوئی دوسرا رکن ممبران کی اکثریت کے اعتماد پر پورا نہ ہوسکتا ہو۔

(b) جب صدر یہ سمجھے کہ جب وفاقی حکومت آئینی دفعات کے مطابق ملک کا انتظام نہیں چلایا جارہا اس میں ووٹرز کی اپیل ضروری ہے۔

آرٹیکل 58 کی کلاز 2 کی ذیلی دفعہ بی مناسب ہے اگر ایک بار صدر یہ رائے قائم کرلیں کہ وفاقی حکومت کے امور آئین کے مطابق نہیں چلائے جارہے تو اس وقت ان کی صوابدید پر ہے کہ وہ اسمبلی تحلیل کریں یا آئین کی دیگر دفعات کا استعمال کریں۔

اسمبلی کی تحلیل ووٹروں کی اپیل سے منسلک ہے۔ اگر اسمبلی تحلیل کی جاتی ہو تو ووٹرز کی طرف سے ایک اپیل کی جاتی ہوگی۔ عدالتوں کو سوالات کے جائزہ کے موقع پر پیشن گوئیوں، قیاس آرائیوں کا سہارا لینا ہوگا کہ کیا ووٹر اپنا پسندیدہ نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہے؟

جمہوری سیٹ اپ میں عام انتخابات باقاعدگی سے کرانا ضروری عنصر ہے۔ یہ عمل لوگوں میں سیاسی پختگی پیدا کرتا ہے جبکہ یہ جمہوری اداروں میں سیاسی استحکام لاتا ہے اور یہ عوام کو ریاست کے امور میں حصہ لینے کا شعور دیتا ہے اور ان میں ذمہ داری اور حب الوطنی پیدا کرتا ہے مگر بغیر کسی جواز کے اسمبلی کی بار بار تحلیل درج بالا جمہوری عمل پر برے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ملک میں عدم استحکام آتا ہے جس سے معاشی شرح نمو پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

جسٹس سجاد علی شاہ اور دیگر

O...... آئین 1973، آرٹیکل 184 بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے اہم ہے۔ اس کے تحت سپریم کورٹ عوامی اہمیت کے سوالات کو زیر غور لا سکتی ہے۔ یہ آرٹیکل 199 سے بھی موافقت رکھتا ہے۔ آئین کے تحت عوام کے بنیادی حقوق بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ آرٹیکل 184 آرٹیکل 199 کے مقابلے میں بنیادی حقوق کی زیادہ بہتر تشریح کرتا ہے۔ تاہم دونوں میں فرق یہ ہے کہ 184 کے ذریعے براہ راست سپریم کورٹ میں رٹ کر سکتے ہیں جبکہ 199 کے ذریعے آپ کسی بھی ہائی کورٹ میں رٹ کر سکتے ہیں۔ ایسے متنازعہ معاملات جس میں بہت زیادہ شواہد کی ضرورت نہیں ہوتی کو بھی انسانی حقوق کے تناظر میں زیر غور لایا جاسکتا ہے لیکن ایسے معاملات جس میں متنازعہ سوالات موجود ہوں ان میں شواہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابتدائی طور پر ان کے لئے حلف نامے (Affidavits) بھرے جاتے ہیں۔ بعض معاملات میں شواہد زبانی بھی لئے جاسکتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

O..... آرٹیکل (3) 184، (2)17 اور (b)(2)58..... آرٹیکل (2)17 میں سیاسی حقوق دیئے گئے ہیں۔ اگر (2)17 میں سیاسی حقوق دیئے گئے ہیں اگر (2)17 میں دیئے گئے سیاسی حقوق کسی کو حاصل نہ ہوں تو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے پر (3)184 لاگو ہوتا ہے۔ صدر کا قومی اسمبلی توڑنے کا حکم جو کہ (b)(2)58 کے تحت کیا گیا ہے۔ (2)17 میں دیئے گئے سیاسی حقوق کے منافی ہے جس کے تحت کوئی اتھارٹی کسی دوسری سے اس کے اختیارات نہیں لے سکتا۔ آرٹیکل (2)17 ایک سیاسی جماعت بنانے اور اس کو چلانے کا مکمل اختیار دیتا ہے۔ اس جماعت کو اسمبلی کے اندر اور باہر متعدد عوامل سرانجام دینا ہوتے ہیں اگر اس کا رکن اسمبلی کا رکن بن جائے۔ انتخابات اراکین کو چننے کا ذریعہ ہیں۔ اراکین حکومت اور وزارت میں یا قائد حزب اختلاف یا حزب اختلاف پارٹی کا رکن بننے تک یہ عمل جاری رہتا ہے جس کے بعد وہ آئین میں دیئے گئے فرائض کو سرانجام دیتا ہے۔ اگر آرٹیکل 17 میں دیئے گئے سیاسی حقوق ان اراکین کو حاصل نہ ہوں تو آرٹیکل (3)184 کے تحت انسانی حقوق کی عدم فراہمی بھی اس میں شامل ہو جاتی ہے۔

بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کئی طرح سے ہوتی ہے۔ بعض اوقات تو قانون دانوں کی جانب سے بنائے گئے قانون میں بھی ان حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا جن کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ کوئی شخص یا ادارہ اپنے فریم ورک سے باہر اگر کوئی احکام جاری کرتا ہے تو یہ بھی بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے زمرے میں آتا ہے اور سپریم کورٹ اس کی چھان بین کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ لہٰذا صدر کا (b)(2)58 کے تحت وزیراعظم اور ان کی کیبنٹ کو عہدوں سے ہٹانا بھی آرٹیکل (2)17 کے تحت بنیادی حقوق سلب کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ دیکھنا ہے کہ (b)(2)58 کے تحت صدر نے قومی اسمبلی توڑنے کا جو حکم جاری کیا ہے کیا اس میں مخصوص حالات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

O..... آرٹیکل 2A آئین کا مکمل حصہ نہیں بلکہ ایک جز ہے۔

O..... آئین پاکستان (1973ء)..... آرٹیکل 2A کو آئین سے جوڑا گیا ہے اور آئین کے تحت اس میں سیاسی انصاف کی گارنٹی دی گئی ہے۔

(حاکم خان کیس پی ایل ڈی 1992ء)

O..... آرٹیکل 17..... سیاسی حقوق یا سیاسی انصاف اسمبلیوں کے بننے سے ختم نہیں ہوتا۔ یہ سیاسی پارٹی کے قیام سے انتخابات اور حکومتی معاملات میں شرکت تک ہے۔ آرٹیکل 91،52،51 اور 92 بھی بنیادی حقوق سے متعلق ہے۔ جمہوریت بھی بنیادی حقوق جس میں سیاسی، معاشی اور سماجی حقوق شامل ہیں کی گارنٹی دیتی ہے۔ آرٹیکل (2)17 کے تحت حاصل بنیادی حقوق انتخابات کے ذریعے اسمبلیوں تک پہنچتے ہیں۔ بغیر کسی تفریق کے تمام شہریوں کو سیاسی معاملات میں شرکت اور کسی بھی سیاسی جماعت میں شرکت کا حق حاصل ہے اگر جمہوریت کا ثمر حاصل کرنا ہے تو لوگوں کو بنیادی حقوق دینا ہوتے ہیں جو کہ اسمبلیاں فراہم کرتی ہیں۔ اراکین اسمبلی کے حقوق کو سلب نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ قانون یا آئین کے مطابق وہ ڈس کوالیفائی نہ ہوں۔

O..... آئین پاکستان (273)

آرٹیکل (3)184 اور (2)71..... (b)(2)58 کے تحت قومی اسمبلی توڑنا وزیراعظم کا اختیار ہے۔

O..... آئین پاکستان (1973ء) آرٹیکل (b)(2)58 اگر صدر سمجھتا ہے کہ حکومت آئین کے تحت کام نہیں کر رہی تو وہ قومی اسمبلی توڑ سکتا ہے۔ اس کے لئے اس کو تمام وجوہات کا جائزہ لے کر فیصلہ کرنا ہے۔

آئین ریاست کی علامت ہے جو تمام نسل کے لوگوں کو متحد کرتا ہے اور ان کو مذہبی، ثقافتی، سماجی اور معاشی آزادی فراہم کرتا ہے۔ آئین پارلیمانی نظام حکومت میں ہوتا ہے۔ آرٹیکل (b)(2)58 کے استعمال میں اس کے آئینی پس منظر کو بھی مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

Scanned with CamScanner

مخصوص حالات میں قومی اسمبلی توڑنے کے وسیع نہیں صرف حقائق پر مبنی معنی لینے چاہئیں۔

O..... آئین پاکستان (1973ء)..... آرٹیکل 63,64، 58(2)(b) اور 91(5) قومی اسمبلی کی کارروائی سے متعلق رولز آرٹیکل 64 اور رول 25 کے تحت قومی اسمبلی کے رکن کا استعفیٰ دینے کا طریقہ کار اور سپیکر کا اسے منظور کرنا..... اس کی نشست کو خالی قرار دینا......

آرٹیکل 64 کے تحت رکن قومی اسمبلی کا استعفیٰ کے لئے ضروری ہے کہ۔

(I) یہ تحریری طور پر سپیکر کے نام ہو۔

(II) ذاتی یا کسی دوسرے ذریعے سے دیا گیا ہو۔

(III) اگر ذاتی طور پر دے تو سپیکر کو بتائے کہ یہ حقیقی ہے۔

(IV) اگر کسی دوسرے طریقہ سے دیا جائے تو سپیکر اس کی چھان بین کرے کہ آیا یہ حقیقی ہے یا نہیں۔

(V) سپیکر مطمئن ہونے کے بعد قومی اسمبلی کو نشست خالی ہونے سے متعلق بتائے۔

(VI) رکن کے استعفیٰ کی تاریخ لیٹر میں درج تاریخ ہی تصور ہوگی اور اگر لیٹر میں تاریخ درج نہیں تو جس تاریخ کو لیٹر ملا وہ تاریخ تصور ہوگی۔

استعفیٰ رکن یا شخص کا ذاتی فعل ہے یہ کسی اور بندے کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتا یہ صرف سپیکر کو ہی ایڈریس نہیں کیا جاتا۔ سپیکر کو ایڈریس کرنا صرف ایک فارمیلٹی ہوتی ہے۔ سپیکر نہ تو اس فرض سے انکار کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی اور اتھارٹی اسے بائی پاس کرسکتی ہے۔ ایسا استعفیٰ جس میں قانون کو فالو نہ کیا گیا ہو منظوری کے قابل نہیں ہوگا۔ آرٹیکل 19(5) کے تحت اگر صدر سمجھتا ہے کہ وزیر اعظم کو اکثریت کی حمایت حاصل نہیں رہی تو وہ اسے اعتماد کا ووٹ لینے کو کہے گا اگر صدر کو اراکین کے اجتماعی استعفے ملیں تو صدر قومی اسمبلی کا اجلاس بلا کر وزیر اعظم سے اعتماد کا ووٹ لینے کا کہیں گے۔

سپیکر کو آئینی لحاظ سے منفرد حیثیت حاصل ہے۔ اسے اسمبلی کو چلانا اور اس میں نظم وضبط قائم رکھنا ہوتا ہے۔ اسے انصاف کرتا غیر جانبدار رہتے ہوئے اور بغیر کسی خوف کے اپنے فرائض انجام دینا ہے۔ اس کا سب سے اہم فرض اسمبلی کے اراکین میں نظم وضبط رکھنا ہے۔ اگر کوئی رکن کسی وجہ سے نااہل ہوجائے تو اس کی سیٹ کو خالی قرار دینے کے لئے سپیکر قومی اسمبلی کیس چیف الیکشن کمشنر کو بھجوائے گا۔ اس معاملے میں کسی بھی غیر ضروری تاخیر سپیکر کے اعلیٰ رتبہ کے شایان شان نہیں ہوگا۔

O..... آئین پاکستان 1973ء..... 58(2)(b) کے تحت اگر وزیر اعظم صدر سے متعلق سخت تقریر کرے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے درمیان تعلق بالکل ختم ہو چکے یا ان میں مفاہمت نہیں ہوسکتی۔ اعلیٰ عہدے والوں کو اعلیٰ معیار، اعلیٰ اخلاق اور بڑے دل والا بھی ہونا چاہئے۔ ماضی میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد میں بالکل مختلف خیالات ہونے کے باوجود بھی قانون کے مطابق کام چلتا رہا اور نہ تو آئینی مشینری گری اور نہ ہی ڈیڈلاک پیدا ہوا۔ آئین جمہوری اصولوں کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ یہ صدر اور وزیر اعظم کو مخصوص اختیارات اور فرائض تفویض کرتا ہے جنہیں اپنی اپنی حدود میں رہتے ہوئے استعمال کرنا چاہئے۔

O..... آئین پاکستان (1973ء)..... پارٹ 3، چیپٹر 1 اور 3 صدر اور وزیر اعظم کے آئینی اختیارات کی تفصیل اور ان کے تعلقات

O..... آئین پاکستان (1973ء)

آئین میں آزادی رائے کا حق دیا گیا ہے۔ عوامی مفاد اور ملکی سیکورٹی کے پیش نظر اظہار رائے کو محدود کیا جاسکتا ہے۔ تقریر اور کردار دو مختلف چیزیں ہیں۔ تقریر الفاظی طور پر اظہار ہوتا ہے جبکہ کردار کا تعلق عمل سے ہے جہاں کردار شروع ہوتا ہے۔ وہاں تقریر ختم ہوجاتی ہے اور

Scanned with CamScanner

اگر دونوں اکٹھے ہو جائیں تو عدالت کو تقسیم کی لائن کھینچنا ہوتی ہے۔ کسی بھی تقریر کا اثر اس کے پس منظر کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے اگر یہ محض الزام تراشیوں پر مبنی ہو تو یہ غیر آئینی ہو گی۔

O..... آئین پاکستان (1973ء)

آرٹیکل 154 میں مفاد عامہ کا ذکر ہے۔ مفاد عامہ کے ایشوز پر بحث کے لیے ذمہ داروں کی کونسل (مجلس شوریٰ) کا اجلاس وقتاً فوقتاً بلایا جاتا ہے۔

O..... آئین پاکستان (1973ء).....

58(2)(b) کے تحت اسمبلی کو تحلیل کرتے وقت اس چیز کو مدنظر رکھا جاتا ہے کہ یہ زمینی حقائق کے مطابق مفاد عامہ کی کونسل اپنے آئینی فرائض کی انجام دہی میں ناکام رہی۔

O..... آئین پاکستان (1973ء).........

58(2)(b) کے تحت وزیر اعظم کی معزولی اور قومی اسمبلی کی تحلیل میں یہ بات بھی دیکھی جائے گی کہ زمینی حقائق کے تحت یہ آئینی قوت اور حقوق بھی صوبوں کی اسمبلیوں کو فراہم کرنے میں ناکام ہیں۔

O..... الفاظ ومحاورات

بدعنوانی..... معنی

قانون بدعنوانی کی تعریف نہیں کرتا لیکن اس کے معاشرے، حکومت اور عوام پر گہرے اور منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔

O..... آئین پاکستان (1973ء).........

آرٹیکل 58(2)(b) بدعنوانی، مالیاتی اداروں کا غلط استعمال اور نجکاری میں غیر شفافیت جیسے معاملات حکومت کی تحلیل کا جواز فراہم نہیں کرتے۔

O..... آئین پاکستان (1973ء).......

آرٹیکل 58(2)(b)..... حکومت کی جانب سے مخالفین، سیاسی، ذاتی، بالواسطہ دہشت جس پر وزیر اعظم اور وزراء ایسے حالات تک پہنچ جائیں جہاں وہ حکومت کو آئین کے مطابق نہ چلا سکیں تو بھی صدر قومی اسمبلی 58(2)(b) کے تحت نہیں توڑ سکتا۔

O..... آئین پاکستان (1973ء).......

آرٹیکل 91..... کیبنٹ کی اجتماعی ذمہ داری کا اصول.........

حکومت کی کابینہ کے کام پر اجتماعی ذمہ داری کا اصول لاگو ہو گا۔ وزراء انفرادی طور پر کسی بات پر عدم اتفاق کر سکتے ہیں لیکن کابینہ اگر فیصلہ کرے تو یہ تمام وزراء پر لاگو ہوتا ہے۔ چاہے وہ اس سے متفق ہو یا نہ ہو۔ وہاں موجود ہو یا نہ ہو۔ ہر وزیر پر کیبنٹ کے فیصلوں پر عمل کرنا اور اسے ماننا لازم ہے۔ اگر وہ کسی معاملے پر شدید اختلاف رکھے تو وہ استعفیٰ دے سکتا ہے۔ کابینہ کی کمیٹی کے چیئرمینوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ وزیر اعظم کے مشورے سے فیصلے کرے۔

O..... آئین پاکستان (1973ء).........

58(2)(b)..... وزیر اعظم کا کسی وزیر کو صدر سے ملنے سے منع کرنے پر بھی صدر کو اسمبلی تحلیل کرنے کی اجازت نہیں۔

O..... آئین پاکستان (1973ء).........

Scanned with CamScanner

آرٹیکل (58(2b..........صرف مالی بے ضابطگیوں پر بھی اسمبلی تحلیل نہیں کی جاسکتی۔

O.....آئین پاکستان (1973ء)............

مرحوم آرمی چیف کی بیوی کا الزام کہ "میرے خاوند طبعی موت نہیں مرے بلکہ انہیں زہر دیا گیا" قومی اسمبلی تحلیل کرنے کا جواز فراہم نہیں کرتا۔

O.....آئین پاکستان (1973ء)

آرٹیکل (58(2b..........آرٹیکل (58(2b کے آرٹیکل کی 2 شرائط ہیں اگر گورنمنٹ آئین کے تحت نہیں چلائی جاسکتی یا ایسی صورتحال پیدا ہوجائے جہاں نیا عوامی مینڈیٹ حاصل کرنا ضروری ہو تو آرٹیکل استعمال کیا جاسکتا ہے۔

O.....آئین پاکستان (1973ء)......

آرٹیکل (3)54 کے تحت اگر سپیکر اسمبلی نے اجلاس بلایا ہوا ہو تو صدر قومی اسمبلی تحلیل نہیں کرسکتا۔

جسٹس سعید الزمان صدیقی، جسٹس سجاد علی شاہ......

O.....''سیاسی'' اور ''سیاسی جماعت'' سیاسیات کے الفاظ ہیں۔ سیاسی جماعت متعدد افراد پر مشتمل ہوتی ہے جو عوامی مفاد کے معاملات دیکھتی ہے۔ آئین سیاسی اراکین کو سیاسی انصاف اور بنیادی حقوق کی فراہمی کی یقین دہانی کرتا ہے۔ سیاسی جماعت کی تشکیل اور اس کے رکن بننے کے لئے بھی آئین کے آرٹیکل 17 میں وضاحت کی گئی ہے۔ آئین ایک بنیادی صحیفہ ہے اور اس کا ہر لفظ ایک خاص معنی رکھتا ہے۔ سیاسی جماعت کی آئین میں وضاحت نہیں لیکن آرٹیکل 17 میں اس کی تعریف دی گئی ہے۔

آرٹیکل (2)17 کے تحت اگر حکومت آئین کے تحت عوام ایک مخصوص عرصہ کے لئے منتخب کرے اور اگر اسے غیر آئینی طور پر ہٹایا جائے تو یہ بنیادی حقوق کے خلاف ہوگا۔

O.....آئین (1973ء)............

آئین کے تحت رکن اسمبلی کو 5 برس کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر اسمبلی تحلیل کی جاتی ہے تو یہ غیر قانونی ہے۔ وزیراعظم کی ہدایت/مشورہ پر اسمبلی کی تحلیل اس کو آئینی سہارا دیتا ہے کیونکہ وزیراعظم اپنی اسمبلی کے اکثریتی اراکین کا ہیڈ ہوتا ہے تو اس کی ایڈوائس اکثریتی اراکین کا مشورہ تصور ہوتا ہے۔

O.....آئین پاکستان (1973ء)............

(58(2b کے تحت صدر مندرجہ ذیل صورتوں میں اسمبلی تحلیل کرسکتا ہے۔

(i) اگر صدر کے خیال میں حکومت آئین کے مطابق فرائض انجام دینے میں ناکام ہے۔ تو وہ (58(2b کے استعمال سے پہلے رائے قائم کرے گا۔

(ii) وہ پسند و ناپسند سے بالاتر ہوکر رائے قائم کرنے کے عمل سے قبل یہ سمجھے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

(iii) یہ کہ تحلیل کے لئے مکمل گراؤنڈ موجود ہے۔

(iv) صدر کی رائے کی بنیاد کسی مواد پر ہونی چاہئے۔

(v) عدالتیں ڈیزولوشن آرڈر پر رائے دیتے ہوئے صدر کی رائے میں اپنی رائے شامل کرسکتی ہیں۔

(vi) یہ کہ صدر ایک مرتبہ رائے قائم کردیں کہ صورتحال (58(2b کو لاگو کرنے کے لئے آئینی جواز موجود ہے۔

Scanned with CamScanner

O.....آئین پاکستان (1973ء)...........

جب ایک ایسی صورتحال پیدا ہو جائے جہاں حکومت آئین کے تحت کام کرنے میں ناکام ہو جائے تو ایسی صورت میں آرٹیکل 58(2b) کا استعمال لاگو ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں جب ایک اسمبلی کے اکثریت اراکین استعفیٰ دے دیں یا فلور کراسنگ اور ہارس ٹریڈنگ حد سے بڑھ جائے یا کوئی اور مضبوط وجہ موجود ہو تو صدر 58(2b) کا استعمال کر سکتا ہے۔

O.....آئین پاکستان (1973ء)...........

آئین کے تحت سپیکر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اسمبلی کا اجلاس بلائے اور اگر اسمبلی کا اجلاس طلب کیا ہو تو صدر آرٹیکل 58 کے تحت قومی اسمبلی تحلیل نہیں کر سکتے۔

O.....شواہد.....

پریس رپورٹ..... یہ حقیقت ہے کہ پریس رپورٹ کو پروف کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر کوئی پریس رپورٹ کی متعلقہ ادارے یا حکام کی جانب سے ایک خاص مدت تک تردید نہ کی گئی ہو تو ان کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

O.....آئین پاکستان (1973ء)...........

آرٹیکل 64 کے تحت اگر کوئی پارلیمنٹ کا رکن ہے تو اس کی نشست خالی ہو جائے گی۔

آئین کے آرٹیکل 64 کے رول 25 کے تحت قومی اسمبلی کا رکن سپیکر کے نام اپنا استعفیٰ تحریر کرے گا۔ یہ اگر رکن ذاتی طور پر سپیکر کو حوالے کرے اور بتائے کہ یہ حقیقی ہے اور اس سے مخالف سپیکر کے پاس کوئی اطلاع نہ ہو تو فوری طور پر اس کی نشست خالی ہو جائے گی اور اگر استعفیٰ کسی دوسرے ذریعے سے بھیجا گیا ہو تو سپیکر اس کی تحقیقات کرنے کے بعد اس کا استعفیٰ قبول کرے گا اور استعفیٰ میں دی گئی تاریخ یا اگر تاریخ نہ دی گئی ہو تو جس دن استعفیٰ موصول ہو اس تاریخ سے استعفیٰ تصور کیا جائے گا اور اس کا نوٹیفکیشن جاری کیا جائے گا اور اس کی کاپی چیف الیکشن کمشنر کو بھیج دی جائے گی تاکہ وہ اس نشست کو پر کرنے کے لئے ضروری کارروائی کرے۔ موجودہ کیس میں زیادہ تر استعفوں پر تاریخ نہیں دی گئی۔ سپیکر کے نام استعفے صدر کو بھیجے گئے ہیں جس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔

O.....الفاظ میں یکسانیت نہ تو بیانی ہے اور نہ ہی مواد کی پہچان ہے۔

O.....آئین پاکستان (1973ء)...........

ہر پارلیمانی سال کے اختتام پر صدر پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہیں۔ آرٹیکل 56(3) کے تحت یہ صدر کا آئینی فرض ہے اس بارے میں صدر اپنے خیالات کے اظہار میں آزاد ہوتا ہے۔

O.....آئین پاکستان (1973ء)...........

آرٹیکل 58(2b).....عدالت کا مین معاملہ یہ دیکھنا ہے کہ آیا ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ حکومت کے معاملات آئین میں دیئے گئے اختیارات سے ہٹ کر کئے جا رہے تھے۔

O.....آئین پاکستان (1973ء)...........

آرٹیکل 58(2b).....صدر کی جانب سے اسمبلی کی تحلیل کے احکامات کے لئے جو گراؤنڈ استعمال کیا گیا ہے وہ متعلقہ نہیں ہے.....اسمبلی تحلیل کے ایسے احکامات جن کے لئے متعلقہ گراؤنڈ فراہم نہ ہوتا ہو 58(2b) کے استعمال کے لئے اطمینان بخش نہیں ہوتے۔

Scanned with CamScanner

O..... آئین پاکستان (1973ء)...........

آرٹیکل 91 کے تحت کابینہ کے وزراء، وزیراعظم کے زیر سربراہی کام کرتے ہیں۔ وزراء اور وزیر مملکت مل کر قومی اسمبلی کے ذمہ داران ہوتے ہیں اور وہ مختلف معاملات میں صدر کو معاونت اور مشورہ فراہم کرتے ہیں۔

O..... آئین پاکستان (1973ء)...........

آرٹیکل 41 اور 91........... آئینی طور پر صدر اور وزیراعظم کی پوزیشن آئین کے آرٹیکل 41 کے تحت صدر کو ایوان بالا ایوان زیریں اور چاروں صوبائی اسمبلیوں کے اراکین ایک الیکٹورل کالج کے ذریعے منتخب کرتے ہیں۔ آرٹیکل 90,48 اور 91 کے تحت صدر وزیراعظم یا کیبنٹ کے مشورے کے تحت اپنے معاملات سرانجام دیتے ہیں۔

آئین کے تحت صدر کے اختیارات محدود ہیں تاہم وہ قومی اہمیت کے معاملات پر ریفرنڈم کا کہہ سکتے ہیں اور 90 دن کے اندر کوئی تاریخ دے کر نگران کابینہ بنا سکتے ہیں۔

آئین کے تحت وزیراعظم کابینہ کے تمام فیصلوں پر صدر سے مشورہ کے پابند ہیں۔ (3)56 کے تحت عام انتخابات کے بعد پہلے اجلاس اور ہر پارلیمانی سال کے پہلے اجلاس سے صدر خطاب کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ آرٹیکل (5)91 کے تحت اگر وزیراعظم کو اسمبلی کی اکثریت اراکین کا اعتماد حاصل نہ رہے تو صدر انہیں اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کا کہہ سکتے ہیں۔ وزیراعظم جو حکومتی معاملات چلاتے ہیں وہ صدر کو کسی معاملے پر جوابدہ نہیں۔ آئین کے تحت وہ صرف قومی اسمبلی کو جوابدہ ہیں۔ اس معاملے میں صدر کا کوئی آئینی کردار نہیں۔ صدر، وزیراعظم اور کابینہ کے مشورے کے پابند ہیں۔ آئین کے تحت صدر اور وزیراعظم کا ایک مخصوص کردار ہے جو ایک دوسرے سے متصادم نہیں۔ وہ اپنے اپنے آئینی اختیارات رکھتے ہیں اور آئین کے تحت دونوں اعلیٰ عہدوں کے درمیان پسند اور ناپسند کے تحت کوئی تصادم نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صدر اتحاد اور فیڈریشن کی علامت ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کو اپنے عہدے کی عظمت کے مطابق سیاسی معاملات سے دور رہنا چاہئے ورنہ وہ اپنی غیر جانبدارانہ حیثیت کو متاثر کرتے ہیں۔

O..... آئین پاکستان (1973ء)...........

(2b)58 کے تحت کابینہ کے تحلیل کرنے کے صدارتی فیصلے کے خلاف وزیراعظم کے 17 اپریل 1993ء کا خطاب......

معزول وزیراعظم نے پہلے اپنی حکومت کے کاموں کا ذکر کیا اور اس کے بعد ان کی تقریر حالات کے مطابق نیچرل تھی۔

O..... آئین پاکستان (1973ء)...........

آرٹیکل (2b)58...... صدر کی جانب سے 18 اپریل 1993ء کو قومی اسمبلی کی تحلیل اور وزیراعظم کی معزولی...... یہ حکم نہ تو مجموعی اور نہ ہی ذاتی طور پر یہ ثابت کرتا ہے کہ حکومت آئین کے تحت اپنے فرائض انجام دینے میں ناکام ہوگئی۔

O..... آئین پاکستان (1973ء)......

(2b)58 کے تحت قومی اسمبلی کی تحلیل......

عدالت سمجھتی ہے کہ تحلیل کے لیے دیئے گئے حقائق اس معاملے سے مطابقت نہیں رکھتے۔

یحییٰ بختیار، سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

خالد انور، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

خالد ایم اسحٰق

ذکی الدین پال

آفتاب فرخ

محمد فاروق، راجہ محمد انور (سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

ایم اکرم شیخ

اشرف اوصاف علی

میاں ثاقب نثار، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

اور

اعجاز محمد خان ایڈووکیٹ آن ریکارڈ آف پٹیشنر

عزیز اے منشی، اٹارنی جنرل آف پاکستان

ملک اختر حسین عوان، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

مقبول الٰہی ملک، اے جی پنجاب

فقیر محمد کھوکھر، ڈپٹی اے جی

اعجاز احمد، ڈپٹی اے جی

ایم ظہور الحق، سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

مخدوم علی خان، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

چوہدری فضل حسین، ایڈووکیٹ آن ریکارڈ فار ریسپوڈنٹ نمبر 1 اور 2

ایس ایم ظفر، سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

سید زاہد حسین، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

چوہدری فضل حسین، ایڈووکیٹ آن ریکارڈ فار ریسپونڈنٹ نمبر 3

راجہ محمد افسر، اے جی بلوچستان

اے جی منگی...... ایڈیشنل اے جی سندھ

ایم سردار خان، اے جی سرحد

مقبول الٰہی ملک، اے جی پنجاب ان کورٹس نوٹس

سماعت کی تاریخیں

26 اپریل 1993ء

8 سے 12 مئی 1993ء

15 سے 26 مئی 1993ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی زندگی کا آخری انٹرویو

جو مرحوم نے 8 اگست 1988 کو جنگ اخبار جہاں کے پینل کو آرمی ہاؤس راولپنڈی میں دیا

انٹرویو پینل میں میر خلیل الرحمٰن، میر جاوید رحمٰن، میر شکیل الرحمٰن، ارشاد احمد حقانی، واجد شمس الحسن، شفیع عقیل اور حنیف خالد شامل تھے

پاکستان کے سب سے بڑے روزنامہ جنگ اور سب سے زیادہ شائع ہونے والے ہفت روزہ اخبار جہاں کے سینئر ادارتی ارکان نے 8 اگست 1988 کو اس وقت کے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی رہائش گاہ واقع آرمی ہاؤس راولپنڈی میں دیے گئے عشائیے کے موقع پر مرحوم صدر ضیاء الحق کا انٹرویو کیا جو ان کی زندگی کا آخری انٹرویو ثابت ہوا۔ اس انٹرویو کو روزنامہ جنگ کے تمام سٹیشنوں نے 9 اگست 1988 کو اور ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی نے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ اس موقع پر وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات پانی و بجلی جناب الٰہی بخش سومرو، سیکرٹری اطلاعات ونشریات جناب محمد یوسف صدر کے پریس سیکرٹری بریگیڈیئر صدیق سالک پرنسپل انفارمیشن آفیسر مسٹر اسماعیل پٹیل اور ڈائریکٹر جنرل ایکسٹرنل پبلسٹی ریاض ایم خان بھی موجود تھے۔ اس انٹرویو کے اہم حصے نذر قارئین ہیں۔

سوالوں کے جواب میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا کہ سانحہ اوجڑی کیمپ اور جونیجو حکومت کی برطرفی میں کوئی باہمی تعلق نہیں اس سانحے کی تحقیقاتی رپورٹیں عوام کے سامنے پیش کردی جائیں گی، سولہ نومبر کو الیکشن ہونگے اور ضرور ہونگے اور اس ضمن میں کسی کے ذہن میں کوئی شک وشبہ نہیں رہنا چاہئے۔ جب صدر محمد ضیاء الحق سے یہ کہا گیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں بدگمانی پیدا کی جارہی ہے کہ سولہ نومبر کو الیکشن نہیں ہونگے تو انہوں نے کہا کہ الیکشن سولہ نومبر ہی کو ہونگے اور ضرور ہونگے میرے خیال میں ایسی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ عام انتخابات نہ کرائے جائیں ویسے بدگمانی ظاہر کرنے والوں کو سولہ نومبر سے بھی 45 یوم پہلے مقررہ تاریخ پر عام انتخابات کے انعقاد کا یقین ہو جائے گا جب الیکشن کمیشن انتخابات کے پروگرام کا اعلان کرے گا جب صدر سے اس تاثر کا ذکر کیا گیا کہ سابق حکومت سانحہ اوجڑی کیمپ کی بھینٹ چڑھی ہے اور ان سے سوال کیا گیا کہ کیا اس سانحہ کی تحقیقاتی رپورٹوں کی روشنی میں انہوں نے کسی ذمہ دار کے خلاف کارروائی کی ہے؟ صدر نے جواب دیا سانحے کے فوراً بعد سابق وزیر اعظم جونیجو نے لوکل کور کمانڈر (جنرل عمران) کے ذریعے انکوائری کرائی جب انکوائری رپورٹ ان تک پہنچ گئی تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ٹیکنیکل رپورٹ ہے سیاسی رپورٹ بھی آنی چاہئے جس پر انہوں نے جناب اسلم خٹک کی سربراہی میں پانچ رکنی وزارتی کمیٹی تشکیل دی۔ صدر ضیاء الحق نے کہا کہ انہوں نے دونوں رپورٹیں پڑھی ہیں دونوں میں یہ ذکر ہے کہ سانحہ اوجڑی کیمپ میں سبوتاژ کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ صدر مملکت نے کہا کہ سانحہ اوجڑی کیمپ کی رپورٹیں ملنے پر انہوں نے محکمانہ کارروائی شروع کر دی ہے بہت سے ذمہ دار افراد کو سزائیں مل چکی ہیں جب کہ باقی کو عنقریب مل جائیں گی۔ صدر مملکت نے کہا کہ اوجڑی کیمپ میں پاک فوج کا اسلحہ تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ افغان مجاہدین کا اسلحہ تھا بعض کہتے ہیں اوجڑی کیمپ پاکستان کا وفاقی مرکز تھا اور حکومت پاکستان کی اپنی ملکیت تھا اوجڑی کیمپ میں امریکیوں کا اڈہ نہیں تھا قوم کو جلد بتا دیا جائے گا اوجڑی کی آتش زدگی کسی کی لاپرواہی تھی یا سبوتاژ۔ صدر نے کہا اوجڑی کیمپ کے سانحے سے تین ہفتے قبل جبل پور میں بھارت کا اتنا بڑا اسلحہ ڈپو جلا۔ وہاں اوجڑی کیمپ کے مقابلے میں پچاس گنا زیادہ جانی و مالی نقصان ہوا مگر ہماری پارلیمنٹ کے برعکس بھارتی پارلیمنٹ میں اس واقعے کا کوئی خاص ذکر نہیں ہوا حالانکہ بھارت میں بھی جمہوریت ہے جس کے بعض احباب قصیدے پڑھتے ہیں وہاں بھی وزیر اعظم ہے وہاں بھی پارلیمنٹ ہے صدر نے دریافت کیا کہ آپ میں سے کسی نے یہ سنا یا پڑھا کہ بھارتی پارلیمنٹ میں شور وغوغا ہوا میں پوچھتا ہوں کہ وہاں کتنے افراد پھانسی چڑھائے گئے پاکستانی عوام کو اور ہم سب کو اس کے

Scanned with CamScanner

متعلق سوچنا چاہئے اسی طرح اوجڑی کیمپ والے واقعہ کے دو ہفتے بعد برطانیہ میں ایک انتہائی خطرناک ذخیرے کو آگ لگی وہاں ایسی تباہی و بربادی ہوئی جس کی مثال نہیں ملتی اس کے باوجود برطانوی پارلیمنٹ میں اس مسئلے کو اچھالا نہیں گیا کیونکہ یہ دفاعی معاملہ تھا وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر نے صرف اتنا کہا کہ اتنے بڑے نقصان کا جواب دو اگر برطانوی پارلیمنٹ کے اندر یا باہر شور اٹھا ہو تو مجھے بتائیں۔ صدر ضیاء الحق نے کہا کہ بہت سی دفاعی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے متعلق کریدنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے مگر اسے ہماری طرح اچھالا نہیں جاتا سانحہ اوجڑی کیمپ سراسر جونیجو حکومت کی ذمہ داری تھی جو نیجو صاحب نے بڑے اچھے طریقے سے اسے سنبھالا لیکن یہ کہنا کہ رپورٹوں کو اسی وقت عام کر دیا جائے جو لوگ ذمہ دار تھے ان کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے تو میرے خیال میں یہ درست نہیں صدر مملکت نے کہا کہ وہ سانحہ اوجڑی کیمپ کے متعلق دونوں رپورٹیں کابینہ کے سامنے پیش کریں گے اور اگر کسی کو شک وشبہ ہے کہ ان رپورٹوں میں کیا چھپا ہے' تو وہ یہ شک وشبہ دور کرنے کے لئے یہ رپورٹیں سینٹ کے ذریعے عوام کے سامنے بھی رکھ دیں گے۔

اقتدار یا اختیارات میں توسیع کیلئے ریفرنڈم نہیں کراؤنگا

صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ وہ اپنے اختیارات بڑھانے یا عہدہ صدارت کیلئے اپنی میعاد میں مزید پانچ سال کا اضافہ کرنے کیلئے ریفرنڈم نہیں کرائیں گے اس سلسلے میں جو خبر شائع ہوئی ہے وہ غلط ہے اخبار جہاں کراچی کے خصوصی پینل کو انٹرویو دیتے ہوئے صدر ضیاء الحق نے کہا کہ وہ ریفرنڈم کے قائل ہیں جو ان کی رائے میں جمہوریت کی روح ہے۔ صدر نے کہا کہ کوئی کام کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ میں سامنے موجود جناب الٰہی سومرو صاحب سے کہوں کہ آپ ڈیڑھ لاکھ افراد کے منتخب نمائندے ہیں آپ بتائیں کہ میں واسکٹ سیدھی پہنوں یا الٹی لیکن اگر یہی سوال دس کروڑ عوام سے کیا جائے تو ان کا جواب زیادہ نمائندہ ہوگا۔ صدر نے کہا کہ میں ریفرنڈم پر یقین رکھتا ہوں، آئین کے اندر ریفرنڈم کیلئے جو ترمیم کی گئی میں خود کو اس کا بانی سمجھتا ہوں لیکن ریفرنڈم کے ذریعے قوم سے صرف وہ سوال پوچھنا چاہئے جو قوم سے پوچھنے کے قابل ہو اور جس کا صحیح جواب اخبارات کے ذریعے یا عوامی نمائندوں سے حاصل ہونا ممکن نہ ہو ایسا اہم سوال پاکستان کی سالمیت و استحکام سے متعلق ہوسکتا ہے۔ صدر نے کہا کہ 1984ء میں انہوں نے جو ریفرنڈم کرایا اس کے ذریعے ملک میں اسلامی نظام کی گاڑی آگے چلی لیکن جہاں تک ریفرنڈم کے ذریعے صدارتی اختیارات بڑھانے یا اپنے عہدے کی معیاد مزید پانچ سال بڑھانے کا تعلق ہے اس کی خبر درست نہیں ہے میرے خیال میں ایسی ناقص چیز کے بارے میں ریفرنڈم کرانا بے وقوفی ہوگی۔ صدر نے کہا کہ اس بارے میں بھی ریفرنڈم کرانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ سیاسی جماعتیں پریشر گروپ ہیں یا نہیں۔

سابق اسمبلیوں میں نہ سارے فرشتے تھے نہ سارے غلط کار

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا کہ سابق اسمبلیوں میں نہ تو سارے ارکان فرشتے تھے اور نہ غلط کار جو غلط کار تھے ان کا کچا چٹھہ تیار کیا جا رہا ہے جو عنقریب قوم کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ صدر مملکت سے سوال کیا گیا کہ انہوں نے 5 جولائی 1977ء کو اور اب 29 مئی 1988ء کو یہ اعلان کیا تھا کہ قوم کے اربوں روپے لوٹنے والوں کا محاسبہ ہوگا اس ضمن میں انہوں نے سابق ارکان اسمبلی میں سے بعض کے بارے میں کہا تھا کہ انہوں نے ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی کی مگر تاحال بدعنوان عناصر کے نام قوم کے سامنے نہیں آئے تو صدر مملکت نے کہا کہ ابھی تو میرے اعلان کو صرف دو ماہ ہوئے ہیں جب کہا گیا کہ عام انتخابات کو باقی صرف سوا تین ماہ رہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ سابق ارکان اسمبلی میں زیادہ تر اچھے لوگ تھے جن لوگوں نے بداعمالیاں کی ہیں ان کے بارے میں مواد جمع کیا جا رہا ہے سارے لوگ غلط کار نہ تھے مگر ایک مچھلی چونکہ سارے تالاب کو گندا کر دیتی ہے اس لئے جونیجو حکومت کی برطرفی کے ساتھ صوبائی اسمبلیاں بھی برخاست کر دی گئیں صدر نے کہا

کہ بعض لوگوں نے کہا کہ صرف وزیر اعظم کو بنا دیتے اسمبلیاں نہ توڑتے میرا کہنا ہے کہ جب ہم نے ایک اسمبلی توڑی تا کہ اچھے لوگ دوبارہ منتخب ہو کر آئیں تو دوسری اسمبلیوں کیلئے بھی یہی طریقہ اپنایا صدر ضیاء الحق نے کہا سابق قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں بڑے اچھے لوگ بھی تھے محمد اسلم خان خٹک، ڈاکٹر محبوب الحق، ملک نسیم احمد آہیر وسیم سجاد سمیت کئی ایسی شخصیتیں تھیں جن کو جب میں نے اپنی کابینہ میں شامل کیا تو میری کابینہ کا تاثر عوام کی نگاہوں میں بڑھ گیا مذکورہ وزراء جونیجو حکومت میں بھی تھے صدر مملکت نے کہا کہ بدعنوان سابقہ ارکان اسمبلی کی غلط کاریوں کی تفصیلات عنقریب سینٹ میں پیش کر دی جائیں گی۔

سندھی وڈیروں کی کانفرنس بلائی جائیگی

صدر جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ سندھ میں گورنر راج نافذ ہے اس صوبے کے خصوصی حالات کی وجہ سے نگران وزیر اعلیٰ کی تقرری عمل میں نہیں لائی جا رہی البتہ گورنر کی موجودہ دو رکنی کابینہ میں عنقریب توسیع ہوگی سندھ کے حالات خدا کے فضل سے بہتری کی طرف گامزن ہیں انہیں مزید بہتر بنانے کیلئے جلد ہی سندھ کے زمینداروں اور وڈیروں کی کانفرنس منعقد ہوگی۔ ہفت روزہ کے مدیر اعلیٰ نے صدر سے استفسار کیا کہ ان کی رائے میں سندھ کی بگڑتی ہوئی صورت حال کتنے عرصے میں معمول پر آ سکے گی؟ صدر نے کہا وہ تخمینہ لگا کر نہیں بتا سکتے وہاں صورتحال کافی خراب رہی ہے مگر اب بہتر ہونے لگی ہے ویسے صدر نے کہا وہ یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہے کہ وہاں جنرل رحیم الدین خان بطور نگران گورنر چلے گئے ہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے حقیقی معنوں میں صورتحال قابو میں آ رہی ہے۔ وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات پانی وبجلی جناب الٰہی بخش سومرو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو انٹرویو کے دوران موجود تھے صدر نے کہا وہ ان سے قطعی معذرت چاہتے ہیں لیکن سندھ کی بدامنی میں دوسرے لوگوں کے علاوہ وڈیروں کا بڑا کردار رہا ہے وہاں کی اچھی بری صورتحال وڈیروں کی حمایت ہوتی ہے۔ جب جنگ گروپ آف نیوز پیپرز کے ایڈیٹر انچیف میر خلیل الرحمن نے صدر سے کہا کہ کیوں نہ سندھ کے بڑے بڑے زمینداروں کی کانفرنس بلا کر ان سے امن عامہ بحال کرنے میں تعاون کرنے کو کہا جائے تو صدر مملکت نے اس تجویز کا پرجوش خیر مقدم کیا اور کہا کہ واقعی یہ بڑی عمدہ مثبت اور تعمیری تجویز ہے میں ابھی وفاقی وزیر جناب الٰہی بخش سومرو سے کہتا ہوں کہ سندھ کے وڈیروں کی کانفرنس بلائی جائے جناب سومرو اس کانفرنس کے شرکاء کی فہرست تیار کر کے مجھے دیں گے تا کہ امن وامان کی صورتحال مزید بہتر ہو سکے۔ صدر ضیاء الحق نے کہا کہ پنجاب میں بڑی زمینداریاں اور سرحد میں خوانین تقریباً ختم ہو چکے ہیں لیکن سندھ میں صورتحال مختلف ہے گزشتہ دنوں بعض ارکان پارلیمنٹ کے اجلاس میں سندھ کے ایک پڑھے لکھے اور صاحب حیثیت سابق رکن قومی اسمبلی نے مجھ سے کہا کہ سندھ میں جس وڈیرے کے پاس پچیس تیس ڈاکو نہ ہوں وہ وڈیرہ ہی نہیں ہوتا اس سابق رکن اسمبلی کا بیان تھا کہ صدر صاحب ڈاکو ہمارا زیور ہیں ہم ان سے الگ کیسے ہو سکتے ہیں۔ صدر مملکت نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ سندھ میں ڈاکے کم ہو گئے ہیں مگر لسانی مسئلہ موجود ہے مہاجر قومی موومنٹ پانچویں قومیت کی شکل اختیار کر گئی ہے مگر سندھ کے ذی شعور اور محب وطن عناصر کی کوششوں سے صورتحال بہتر ہو رہی ہے۔ امید ہے سندھ کے حالات جلد معمول پر آ جائیں گے۔ صدر سے کہا گیا کہ دوسرے تمام صوبوں میں نگران وزرائے اعلیٰ کی تقرری ہو چکی ہے وہاں مکمل گورنر تعینات ہیں جبکہ سندھ میں ایک طرف نگران وزیر اعلیٰ نہیں ہے اور دوسری طرف گورنر بھی قائم مقام ہیں اس پر صدر ضیاء الحق نے کہا کہ سندھ میں گورنر راج ہے چونکہ پنجاب، سرحد و بلوچستان میں جہاں سندھ کے ساتھ ہی صوبائی اسمبلیاں توڑی گئی تھیں وہاں امن و امان کی صورتحال اچھی تھی اس لئے وہاں نگران وزرائے اعلیٰ مقرر کر دیئے گئے لیکن سندھ کے مخصوص حالات کی وجہ سے وہاں خاص اقدامات

Scanned with CamScanner

کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ صوبے کا کنٹرول آئین کے مطابق گورنر کے پاس ہے گورنر کی کابینہ میں ایک سینئر وزیر اختر علی قاضی اور دوسرے وزیر رحیم بخش سومرو میں صوبائی گورنر جلد اپنی کابینہ کو وسعت دیں گے۔ ایک سوال کے جواب میں صدر مملکت نے کہا کہ اگر سندھ میں وزیر اعلیٰ رکھتے ہیں تو ان کو اختیارات نہ دینا غیر آئینی ہوگا باقی تین صوبوں کی طرح سندھ میں مکمل گورنر نہ بنانے کے بارے میں صدر نے کہا کہ شروع شروع کا زمانہ ہے اس پر ان سے کہا گیا کہ جنرل رحیم الدین کو پکا کیوں نہیں کر دیتے تو صدر نے مسکراتے ہوئے کہا کہ فوج میں ایسا ہی ہوتا ہے اس پر صدر سے کہا گیا کہ جنرل رحیم الدین تجربہ کار ہیں بلوچستان میں بڑے کامیاب گورنر ثابت ہوئے تھے یہاں بھی انہوں نے حالات بہتر بنائے ہیں ویسے بلوچستان اور سندھ کی صورتحال میں بڑا فرق ہے۔

مسلم لیگ ایک ہے، باقی تانگے کی سواریاں ہیں

صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ وہ کوئی سیاسی جماعت نہیں بنائیں گے اور نہ ہی وہ عملی طور پر کسی پارٹی میں شریک ہونے کے حق میں ہیں پاکستان میں صرف ایک مسلم لیگ ہے جس کے سربراہ جناب محمد خان جونیجو ہیں جہاں تک پیر پگاڑا کا تعلق ہے انہیں سیاست میں خاص مقام تو حاصل رہا ہے وہ اپنی لیگ کو چاہیں فنکشنل مسلم لیگ کہیں یا کوئی اور نام دیں ہم نے اس پر کبھی اعتراض نہیں کیا ویسے اخلاقی اور قانونی لحاظ سے پاکستان میں جونیجو والی مسلم لیگ کے علاوہ کوئی مسلم لیگ نہیں ہے اگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دو مسلم لیگیں ہیں تو ہماری دعا ہے کہ وہ ایک ہو جائیں۔ پینل کے ایک رکن نے جب یہ کہا کہ مسلم لیگ کے تو سات آٹھ حصے ہو گئے ہیں۔ جونیجو لیگ ہے پگاڑا لیگ ہے ملک قاسم لیگ' خواجہ خیر الدین اور لیاقت حسین کے گروپ ہیں اور قیوم لیگ کے بھی دو دھڑے ہو گئے ہیں تو صدر نے کہا ''مسلم لیگ تو ایک ہی ہے باقی تانگے کی سواریاں ہیں'' ان سے پوچھا گیا کہ پاکستان مسلم لیگ کی صدارت کے بارے میں جناب جونیجو اور پیر پگاڑا اور دوسرے احباب کا نام لیا جا رہا ہے کیا آپ اس ضمن میں کوئی رول ادا کر رہے ہیں صدر مملکت نے کہا میں خود کسی سیاسی پارٹی میں ذاتی طور پر شریک ہونے کے حق میں نہیں ہوں صدر مملکت کو ایسا کرنا بھی نہیں چاہئے مجھ سے بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا میں سیاسی جماعت بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں تو میرا ایسے لوگوں کو جواب ہے کہ جب گیارہ سال میں میں نے اپنی سیاسی جماعت نہیں بنائی تو اب کیا بناؤں گا بطور صدر میں پارٹی سیاست سے بالاتر ہوں لیکن ایک پاکستانی شہری ہونے کے ناطے میری ذاتی پسند یا نیک تمنائیں ساری کی ساری مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور کسی کے ساتھ نہیں کیونکہ اس جماعت نے پاکستان بنایا تھا محمد خان جونیجو اور پیر پگاڑا کس کو اپنی جماعت کا لیڈر مانتے ہیں اور کس کو نہیں مانتے اس میں میری کوئی دلچسپی نہیں مگر عام پاکستانی کی حیثیت سے میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ پارٹی متحد ہو جائے جس نے پاکستان کی بنیاد رکھی۔

اللہ تعالیٰ جماعت اسلامی کے لیڈروں کو ہدایت دے، ان کے منہ میں گھی شکر وہ مجھے آدھے پیسے ہی دلوا دیں

صدر ضیاء الحق نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جماعت اسلامی کے ان لیڈروں کو ہدایت دے جنہوں نے ان کے غیر ملکی بنک اکاؤنٹ یا اثاثوں کے بارے میں من گھڑت دعوے کئے ہیں۔ خصوصی انٹرویو کے دوران ان کی توجہ جب نشتر پارک کراچی کے جلسہ عام میں جماعت اسلامی کے لیڈروں کے ان الزامات کی طرف مبذول کرائی گئی جن میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ صدر ضیاء الحق کے بیرون ملک بنک اکاؤنٹ میں بھاری رقوم جمع ہیں۔ علاوہ ازیں بیرون ملک صدر ضیاء نے بھاری مالیت کی املاک خریدی ہیں تو انہوں نے طنزیہ لہجے میں کہا کہ ایسے الزام لگانے والوں کے منہ میں گھی شکر، میرے اکاؤنٹ میں جتنے پیسے دکھائے گئے ہیں ان سے آدھے ہی وہ پیسے مجھے دلوا دیں میں ان کا تاحیات مشکور ہوں گا۔ صدر نے کہا

Scanned with CamScanner

کہ یہ الزامات بے بنیاد ہیں چونکہ جماعت اسلامی کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا ہے اس لئے میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ خدا انہیں ہدایت دے۔ صدر نے مسکراتے ہوئے کہا کہ میں بڑا مجبور مظلوم آدمی ہوں جماعت اسلامی کے لیڈر مجھے دو پیسے تو دلوا دیں۔

اخبار جہاں پینل سے صدر ضیاء الحق کے انٹرویو کی جھلکیاں

☆ انٹرویو۔ پہلے نماز با جماعت

☆ اخباری صنعت کے مسائل پر گفتگو

☆ وہ سیاستدانوں کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں

☆ تو کا ہندسہ گیارہ سال بعد آئے گا

ایوان صدر اسلام آباد میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک کے سب سے بڑے ہفت روزہ اخبار جہاں کیلئے جو خصوصی انٹرویو دیا وہ خود صدر مملکت کے اپنے الفاظ میں ان کا سب سے طویل اور جامع انٹرویو تھا۔

o..... انٹرویو سے قبل صدر مملکت کے ہمراہ جنگ گروپ اور اخبار جہاں پینل کے ارکان نے نماز ظہر ادا کی باجماعت نماز میں وزیر اطلاعات و نشریات پانی و بجلی الٰہی بخش سومرو، سیکرٹری اطلاعات ونشریات محمد یوسف، صدر کے پریس سیکرٹری بریگیڈیر صدیق سالک، پی آئی او اسٹمعیل پٹیل، ڈائریکٹر جنرل ایکسٹرنل پبلسٹی ریاض ایم خان اور دوسرے سٹاف ممبر شامل تھے۔

o..... صدر ضیاء الحق نماز ظہر کے بعد انٹرویو دینے کیلئے ایوان صدر میں اپنے دفتر میں جانے کی بجائے اخبار جہاں کے پینل کے ارکان میر خلیل الرحمن، میر جاوید رحمن، شفیع عقیل اور حنیف خالد کو لے کر کھانے کی میز پر چلے گئے کھانے کے دوران صدر نے جنگ گروپ آف نیوز پیپرز کے ایڈیٹر انچیف اور آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی کے صدر میر خلیل الرحمن سے ملکی صحافت سے متعلق موضوعات پر تفصیلی گفتگو کی میر خلیل الرحمن نے صدر کو اخباری صنعت کو درپیش بعض مسائل سے آگاہ کیا صدر نے ان مسائل کو حل کرنے کا وعدہ کیا۔

o..... کھانے کے دوران صدر نے بتایا کہ پی این اے کے صدر مصطفیٰ صادق کو وفاقی وزیر برائے امور عامہ مقرر کر دیا گیا ہے اس پر اے پی این ایس کے صدر نے کہا کہ ہمارے رفیق کار مصطفیٰ صادق کیلئے میدان بڑا وسیع ہو گیا ہے۔ صدر نے کہا کہ انہیں اس لئے وزیر عوامی رابطہ بنایا گیا ہے کیونکہ سیاستدانوں کو وہ اندر سے بھی جانتے ہیں اور باہر سے بھی، ویسے بھی یہ بڑے بڑے کام کرتے رہے ہیں پھر صدر نے مسکراتے ہوئے کہا مصطفیٰ صادق صاحب جہاں چاہیں جائیں جہاں چاہیں آئیں۔

o..... صدر نے پینل کو بتایا کہ انہوں نے آج تک کسی وزیر سے حلف لینے کی تقریب کے موقعہ پر تقریر نہیں کی" مگر صحافتی برادری کے رکن کو وزیر بناتے وقت ان کا تعارف خود میں نے کرایا"۔

o..... کھانے کے بعد جب انٹرویو شروع ہوا تو سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور جب انٹرویو ختم ہوا تو ایوان صدر اسلام آباد کے اردگرد موسلا دھار بارش ہو رہی تھی انٹرویو طویل ہونے کی وجہ سے صدر سے بعض غیر ملکی سفیروں کی ملاقاتوں میں تاخیر ہو گئی۔

o..... انٹرویو کے آغاز میں صدر مملکت نے کہا کہ ان کیلئے یہ بات باعث فخر ہے کہ وہ آج ملک کے سب سے زیادہ اشاعت والے ہفت روزہ کو انٹرویو دے رہے ہیں۔

o..... جنگ گروپ کے مدیر اعلیٰ نے صدر سے اخبار جہاں کے ایڈیٹر شفیع عقیل کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ وہ اردو اور پنجابی کی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ یہ اپنی کتابیں لے کر آتے اور آپ کو پیش کرتے اس پر صدر نے مسکراتے ہوئے کہا" میر صاحب! شاید

Scanned with CamScanner

آپ نہیں جانتے ہمارے "مصنفین بڑے کنجوس ہوتے ہیں" اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ انٹرویو کا آغاز ہونے کے کچھ ہی دیر بعد صدر نے کہا آج کا انٹرویو اس لحاظ سے بھی تاریخی ہے کہ یہ 1988ء کے آٹھویں مہینے کی آٹھ تاریخ کو ہو رہا ہے کسی دن کی تاریخ میں چار دفعہ آٹھ کا ہندسہ اب سو سال بعد آئے گا جس پر جنگ کے مدیر اعلیٰ نے کہا کہ چار دفعہ نو کا ہندسہ بھی آج سے گیارہ سال بعد آئے گا گیارہ سال کے تذکرے پر صدر مملکت نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

o ...... صدر نے سابق وزیر اعظم جونیجو کے ذکر پر کہا کہ جناب جونیجو کے ساتھ میرے کوئی ذاتی اختلافات نہیں سوا تین سال کے عرصے میں ہر دوسرے چوتھے روز میں جونیجو صاحب سے ملاقات کرتا تھا۔ جونیجو صاحب کا کوئی قدم ایسا نہیں تھا جس کے بارے میں انہوں نے مجھ سے مشورہ نہ کیا ہو یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے میرا مشورہ کبھی مانا کبھی نہ مانا۔

o ...... جب صدر مملکت کی توجہ سابق وزیر اعظم جونیجو کے اس بیان کی طرف مبذول کرائی گئی کہ وہ انتخابی مہم کے دوران اپنی برطرفی کی وجوہات کا انکشاف کریں گے تو صدر ضیاء الحق نے کہا کہ یہ محض سیاسی بیان ہے بھٹو صاحب نے تاشقند کے معاہدے کے سربستہ راز منکشف کرنے کا بار بار اعلان کیا مگر یہ راز کبھی منکشف نہیں ہوا کیونکہ کوئی راز تھا ہی نہیں، ویسے جونیجو صاحب بڑے شریف آدمی ہیں وہ ایسی گھٹیا سیاست نہیں کریں گے۔

o ...... سیاسی جماعتوں کے حوالے سے صدر نے کہا کہ پاکستان میں جماعت اسلامی کے سوا کسی نے اپنے اندر جمہوریت قائم کی ہے اور باقاعدہ انتخابات کرائے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ "وہ جماعتیں اپنے اندر جمہوریت نہیں لا سکتیں ان کی طرف سے جمہوریت کا مطالبہ عجیب لگتا ہے"۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

نسٹ میں سٹنٹ کی تیاری

2004 میں ملک کے ایک سب سے بڑے وفاقی ادارے نیسکام (NATIONAL ENGINEERING AND SCIENTIFIC COMMISSION) کو تخلیق کیا گیا جس میں 25 ہزار سے زائد ایٹمی سائنسدان ایٹمی انجینئرز ٹیکنیشنز وغیرہ کام کر رہے تھے نیسکام کو چار مختلف حساس وفاقی اداروں نیشنل ڈویلپمنٹ کمپلیکس (این ڈی سی) ایئروپین کمپلیکس (اے ڈبلیوسی) پروجیکٹ مینجمنٹ آرگنائزیشن (پی ایم او) اور میری ٹائم ٹیکنالوجی کمپلیکس (ایم ٹی سی) کو ضم کر کے صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کی باضابطہ منظوری سے تشکیل دیا گیا جس کے بانی چیئرمین معروف ایٹمی سائنسدان اور شاہین بابر غوری میزائلوں کے خالق ڈاکٹر ثمر مبارک مند نشان امتیاز مقرر ہوئے مذکورہ حساس وفاقی اداروں کے کام کی حساسیت کو دیکھتے ہوئے نیسکام کے چار اداروں کے متعلق سوا لاکھ ملازمین اوران کے اہل خانہ کیلئے میڈیکل سہولیات مہیا کرنے کا فیصلہ کیا گیا نیسکام نے تین بڑے چھوٹے میڈیکل سنٹرز، کیموتھراپی کی سہولیات اور دل کے مریضوں کے علاج کیلئے سٹنٹ ملک کے اندر پہلی بار سستے بنانے کیلئے نیسکام کے ہسپتال میں جرمنی سے سٹنٹ بنانے والی جدید ترین مشین خرید کر لگائی جس کی مالیت 3 کروڑ روپے تھی اس مشین کے ساتھ 70 لاکھ روپے کے سپیئر پارٹس، خام مال اور ضروری ایکوپمنٹ خریدا گیا۔ اس طرح 37 ملین روپے (3 کروڑ 70 لاکھ) روپے کے اخراجات سے ملک وقوم کیلئے نیسکام میں سٹیٹ آف دی آرٹ سٹنٹ بنانے کی انٹرنیشنل سٹینڈرڈ کی مشین نصب ہوگئی اس حساس مشین کا کلین روم نیسکام (NESCOM) نے اپنے بجٹ سے 30 لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کرایا جس میں گرد وغبار، آبی بخارات سے پاک ہوا مہیا کی گئی اور درجہ حرارت کو بھی کنٹرول میں رکھا گیا۔ آرمڈ فورسز انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی کے اس وقت کے کمانڈنٹ کو بھی نیسکام ہسپتال کے ڈاکٹروں کی مشاورت میں شامل کیا گیا جنہوں نے کہا کہ اس مشین کے ذریعے ہزار بارہ سو سٹنٹ بنا کر سی ای (CE) سرٹیفکیشن کیلئے جرمنی بھجوائے گئے ڈیڑھ دو سال بعد یہ سرٹیفکیشن نیسکام ہسپتال کے بنے ہوئے سٹنٹ کو جرمنی نے دے دی جرمنی نے سرٹیفکیشن جاری کرنے سے پہلے نیسکام سٹنٹ کو مختلف اقسام کے جانوروں میں نصب کر کے ان کی کارکردگی کو ایفیکیشن جانچی گئی اور آخر میں دل کے مریض انسانوں کو جرمنی نے یہ ورلڈ کلاس سٹنٹ لگا کر ان کی کارکردگی پر مہر تصدیق ثبت کردی ان پیچیدہ ٹیسٹنگ اور ٹرائلز پر لاکھوں روپے کے جو اخراجات آئے وہ نیسکام نے اپنے بجٹ سے ادا کئے۔ سٹنٹ سرٹیفکیشن ملنے کے بعد 400 سٹنٹ کی ایک کھیپ اے ایف آئی سی کے معروف سرجن وکمانڈنٹ میجر جنرل مسعود الرحمٰن کیانی کی زیر نگرانی امراض قلب میں مبتلا مریضوں کے دل کی شریانیں کھولنے کیلئے نصب کئے گئے یہ تمام سٹنٹ (STENT) خالصتاً اعلیٰ سٹینڈرڈ کے سٹیل کے بنے ہوئے تھے اوران کی کارکردگی مریضوں میں بے حد کامیاب رہی۔ جس سے ثابت ہوگیا کہ نیسکام ہسپتال کے بنے ہوئے سٹنٹ کا معیار دنیا کے بہترین سٹنٹ کے معیار سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے گویا کہ ایک بہترین طبی سہولت بہت ہی کم قیمت پر یعنی صرف پندرہ ہزار روپے میں پاکستان میں دستیاب ہوگئی جو کہ پہلے تقریباً 80 ہزار روپے سے کم پر مریض کو دستیاب نہ تھی۔ اس سطح پر سٹنٹ مینوفیکچرنگ پروگرام پہنچانے کے بعد ڈاکٹر ثمر مبارک مند نیسکام کے چیئرمین کے عہدے سے ریٹائر ہوگئے۔ ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے جہاں اپنے سات سالہ نیسکام چیئرمین شپ کے دور میں شاہین ون، شاہین۔ ٹو، بابر کروز میزائل اور ڈرون طیارے بنا کر افواج کو استعمال کیلئے فراہم کئے وطن عزیز کو اپنی ٹیم کے ساتھ ناقابل تسخیر بنایا وہیں میڈیکل کے میدان میں سٹیٹ آف آرٹ نیسکام ہسپتال، برن سنٹر اور دس ہزار سٹنٹ سالانہ بنانے کی استطاعت کا تحفہ بھی پاکستان کو دیا۔ ڈاکٹر ثمر مبارک مند کے جانشین ڈاکٹر عرفان برنی نے نیسکام کے چیئرمین کا عہدہ سنبھالا

Scanned with CamScanner

جہاں تک سٹنٹ کا تعلق ہے ڈاکٹر پرنی نے وزارت سائنس و ٹیکنالوجی اور نیشنل یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی (نسٹ) کے حکام کے ساتھ اہم مشاورتی اجلاس کیا جس میں یہ طے پایا کہ اول پرائمری سٹنٹ بنانے کی صلاحیت دس ہزار سالانہ سے بڑھا کر پچاس ہزار سالانہ کر دی جائے دوئم سٹنٹ کے ساتھ استعمال ہونے والے غبارہ (BALOON) بنانے کی صلاحیت بھی قائم کی جائے۔ سوئم سٹنٹ سنٹر قومی ادارے نسٹ یونیورسٹی میں شفٹ کیا جائے تاکہ مارکیٹنگ اور میڈیکل کلینیکل ٹرائلس کا آ جانا آسان رہے۔ ان تینوں اقدامات پر عملدرآمد کیلئے پہلے تو وزارت سائنس و ٹیکنالوجی نے 33 ملین (3 کروڑ 30 لاکھ) روپے سٹنٹ کے ساتھ استعمال ہونے والے غبارے (بیلون) بنانے والی مشین کی خریداری کے لئے نسٹ کو دیئے اور دوسرے مرحلے میں وفاقی حکومت نے 2 سو ملین (20 کروڑ) روپے نسٹ کو دوائی والے سٹنٹ (MEDICATED STENTS) بنانے والی مشین کی خریداری کیلئے دیئے جو 50 ہزار سالانہ میڈیکیٹڈ سٹنٹ) بنا سکے گی۔ ان تینوں مشینیں کے لئے سٹنٹ سنٹر بلڈنگ کے تعمیراتی اخراجات بھی 20 کروڑ میں شامل تھے جو کہ نسٹ کو دیئے جا چکے ہیں۔ بیلون بنانے والی مشین (BALOON MANUFACTURING MACHINE) کے کمیشن ہونے کے بعد (BALOONS) کی پہلی کھیپ سی ای سرٹیفکیشن کیلئے نسٹ نے یورپ بھجوا دیا ہے جو کہ تین سے چار ماہ تک کوالیفائی اور سرٹیفائی ہو جائے گا اس کے بعد مکمل سٹنٹ کٹ (STENT KIT) بشمول سٹنٹ اور بیلون 15 ہزار میں نسٹ فروخت کر سکے گی۔ نسٹ کے پروجیکٹ ڈائریکٹر سٹنٹ سنٹر ڈاکٹر مرتضیٰ کا کہنا ہے کہ جون 2019 تک ہماری میڈیکیٹڈ سٹنٹ مارکیٹ میں 40 سے 50 ہزار روپے میں مکمل کٹ کی شکل میں دستیاب ہونگے۔ عوام کی فلاح و بہبود کا یہ پروجیکٹ دل کے مریضوں کیلئے ایک سستی اور دیرپا سہولت فراہم کرے گا۔ پاکستانی سٹنٹ کوالٹی میں بہترین امپورٹڈ سٹنٹ کے ہم پلہ ہوگا اور قیمت کے لحاظ سے دو سے اڑھائی گنا سستا ہوگا اس سے پاکستان کثیر زرمبادلہ بچا سکے گا۔ امپورٹڈ میڈیکیٹڈ سٹنٹ ایک لاکھ سے سوا لاکھ روپے تک کا ہے اب پاکستان ٹیکنالوجی کے میدان میں بہت آگے جا چکا ہے وقت آ گیا ہے کہ پاکستان کی اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی سرپرستی کی جائے نسٹ اور نیسکام جیسے انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ کے اداروں کے کوالٹی کنٹرول پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے ان کی میڈیکل انجینئرنگ پراڈکٹس کو امپورٹڈ میڈیکل انجینئرنگ پراڈکٹس پر ترجیح دی جائے گی ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے وطن عزیز کے دفاع کے لئے تینوں مسلح افواج کی دفاعی قوت بڑھانے کے لئے جوہری اور میزائل میدان میں جو شہرہ آفاق کارنامے سرانجام دیئے ہیں اور خدمات کے فیلڈ میں میڈیکل انجینئرنگ پراڈکٹس (سٹنٹ) بنانے کا جو پودا لگایا تھا وہ اب تناور درخت بن چکا ہے جس سے پورے پاکستان کے لاکھوں دل کے مریض مستفید ہونے لگے ہیں نسٹ آئندہ سال جون میں 50 ہزار سالانہ میڈیکیٹڈ سٹنٹ کٹس (سٹنٹ بشمول بیلون) بنانا شروع کر دے گا نہ صرف نسٹ پاکستان کو میڈیکیٹڈ سٹنٹ کٹس میں خود کفیل بنا دے گا بلکہ نسٹ کے بنے ہوئے میڈیکیٹڈ سٹنٹ کٹس کی برآمد بھی شروع ہو جائے گی محب وطن حلقوں کا کہنا ہے کہ قومی ہیروز کی بے توقیری نہیں احترام ہونا چاہئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حصہ پنجم

خراج تحسین/ تاثرات

از:۔ شازیہ طاہر

Scanned with CamScanner

میرے والد...... میرے آئیڈیل
جب تجھے دیکھ چکے، کوئی نہ تجھ سا دیکھا!

جب سے میں سن شعور میں پہنچی ہوں اس وقت سے لے کر آج تک میں نے اپنے ابو کو ہمیشہ اپنے صحافتی پروفیشن میں بے حد محنت اور لگن سے کام کرتے ہوئے پایا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ صحافت ہی ان کی زندگی کا ہمیشہ سے اوڑھنا بچھونا رہا ہے مجھے اور میرے چھوٹے بہن بھائیوں کو اس بات پر بھی بے حد فخر ہے کہ انہوں نے جنگ گروپ سے صحافت کا آغاز کیا اور آج اڑتالیس سال سے زائد عرصہ کے بعد بھی وہ پاکستان کے سب سے بڑے اور منفرد اخبار میں سینئر صحافی کے طور پر اپنی خدمات جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جب ہم بہن بھائی ان سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اتنی طویل عرصہ کی صحافت میں کیوں جنگ کے ساتھ ہی منسلک رہے تو وہ بھرپور ذہنی اطمینان اور سکون قلب سے جواب دیتے ہیں۔ ایک تو میری ماں جی نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا یا کسی کو اپنا بنا لینا یا کسی کا خود بن جانا لہٰذا تم سب کو میں نے اپنا بنا لیا اور خود جنگ گروپ کا بن گیا۔ یہی میرا حاصل زندگی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جنگ گروپ کے بانی ایڈیٹر اور مالک میر خلیل الرحمن مجھے اپنی فیملی کا حصہ تصور کرتے تھے اور ہمیشہ مجھے اپنی بھرپور شفقت اور سرپرستی سے نوازتے تھے اور آج بھی ان کے اہل خانہ، دونوں صاحبزادے میر شکیل الرحمن اور میر جاوید رحمن مجھے ہمیشہ عزت اور احترام سے نوازتے ہیں تو پھر کیسے میں اپنی زندگی میں اتنی محبتیں چھوڑ سکتا ہوں البتہ میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں کہ میری زیادہ وابستگی جنگ کے ساتھ ہے یا اپنے خاندان کے ساتھ لیکن یاد رکھیں جنگ میری زندگی کی جوانی کا پہلا عشق ہے اس کے بعد میری بیوی اور پھر میرے ہونہار بچے ہیں کوئی بھی انسان اپنی زندگی کے پہلے عشق کو نہیں بھولتا ہے تاہم میرے مرنے کے بعد آپ یہ ضرور کہہ سکیں گے۔

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے

میرے والد ہمیشہ تمام عمر رات گئے گھر لوٹتے ہیں جس کی وجہ سے ہماری ان کے ساتھ کئی کئی دن ملاقات تک نہیں ہوتی تھی۔ یوں وہ رات کو دیر سے آتے تو ہم سو رہے ہوتے تھے اور صبح جب وہ سو رہے ہوتے تھے تو ہم سکول میں ہوتے تھے اور ہماری گھر واپسی تک وہ دوبارہ دفتر جا چکے ہوتے تھے۔ وہ اپنی صحافتی دنیا میں اس قدر مشغول رہتے تھے (بلکہ ابھی بھی ان کے معمول میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے) کہ ان کو یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ ان کا کون سا بچہ کون سی کلاس میں پڑھ رہا ہے۔ صحافتی کیریئر کے آغاز کے کچھ عرصے بعد انہوں نے سکوٹر خریدا اور اس کے ذریعے وہ دفتر آیا جایا کرتے تھے ایک دفعہ ایکسیڈنٹ کروا بیٹھے۔ اللہ کا شکر ہوا کہ جان بچ گئی مگر وہ اپنا بایاں بازو تڑوا بیٹھے اور اس پر پلستر چڑھ گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ موصوف دفتر سے چھٹی لیتے اور گھر پر آرام فرماتے مگر وہ کیسے دفتر کی جدائی برداشت کرنے والے تھے۔ وہ ایک ہاتھ سے سکوٹر چلا کر آفس آتے جاتے رہے۔ ابھی بھی وہ اکثر بیمار ہوتے ہیں مگر شام کو دفتر ضرور جاتے ہیں اور ہم بہن بھائی ان کو ٹیلیفون کر کے یاد دلاتے ہیں کہ انہوں نے دوائی کھائی ہے کیونکہ جونہی وہ صحافتی سرگرمیوں میں مشغول ہوتے ہیں تو پھر انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہتا ہے۔ سکوٹر کے سفر سے بازو تڑوانے کے بعد ہم نے انہیں مجبور کیا کہ جیسے تیسے بھی ہو وہ سوزوکی گاڑی خرید لیں۔ شکر ہے انہوں نے ہماری بات مان لی اور

Scanned with CamScanner

ہماری تمام فیملی اس گاڑی کے ذریعے عرصہ دراز تک راولپنڈی سے اسلام آباد آتی جاتی رہی۔

اپنے صحافتی کیریئر کے دوران ان کو جنگ گروپ کی انتظامیہ نے انگلینڈ تعینات کر دیا مگر وہ مغربی تہذیب و ثقافت میں ذہنی طور پر ایڈجسٹ نہ ہو پائے تاہم انہوں نے وہاں صحافت کے ساتھ ساتھ کئی چھوٹے موٹے کام بھی کیے تا کہ فیملی کے لیے کچھ رقم پس انداز کر سکیں۔ ان سے جدائی میں میری والدہ بھی بیمار رہنے لگیں۔ تب والد صاحب نے جنگ گروپ کی اعلیٰ انتظامیہ کو درخواست کی کہ انہیں واپس راولپنڈی آفس میں تعینات کر دیا جائے۔ چنانچہ اس وقت سے آج تک وہ راولپنڈی آفس میں سینئر عہدے پر اپنی صحافتی خدمات جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ ہمیشہ سے خواہش مند تھے کہ ان کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ اللہ نے ان کی خواہش پوری کی۔ ان کے بیٹے اور بیٹیوں نے اپنے اپنے شعبوں میں ماسٹرز سے لے کر پی ایچ ڈی تک ڈگریاں حاصل کیں۔

تاہم ہمارے سکول، کالج حتیٰ کہ یونیورسٹی اساتذہ کو یہ پتہ چلتا کہ ہم حنیف خالد کے بچے ہیں تو وہ ہمیں اپنا کوئی نہ کوئی کام جو سرکاری اداروں سے متعلق ہوتا بول دیتے کہ اپنے ابو سے کہو کہ ہمارا یہ مسئلہ حل کروا دیں کیونکہ ان کا حکومتی حلقوں میں اثر و رسوخ ہے۔ ہم ان کو آ کر ایسا ہی بتا دیتے وہ ان میں سے اکثر جائز کاموں کی سفارش کر دیتے تھے۔ وہ ہمیشہ اپنے رشتہ داروں اور بہن بھائیوں کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے تھے۔ بے انتہا مصروفیت کے باوجود وہ رشتہ داروں کے دکھ سکھ میں ضرور شریک ہوتے تھے اور رشتہ داروں میں سے اگر کوئی بھی بیمار ہوتا تو وہ ان کے علاج معالجے کے لیے مناسب انتظامات کرانے میں نہ صرف مالی مدد بلکہ اپنے اثر و رسوخ کا بھی استعمال کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے علاوہ اپنے دوستوں، ماتحتوں اور کولیگز کی بھی مشکل وقت میں حسب استطاعت مدد کرتے ہیں اور لوگوں کی بہت سی دعائیں لیتے ہیں ان کا ایمان ہے کہ وہ لوگوں کی دعاؤں کے طفیل ہی عزت کی زندگی جی رہے ہیں جہاں انہوں نے اپنے بہن بھائیوں اور ان کے بچوں کی ہر اچھے برے موقع پر بھرپور مالی اور اخلاقی اعانت کی وہیں ہماری بھی ہر جائز خواہش کو اپنی حیثیت سے بڑھ کر پورا کرنے کی کوشش کی مگر جہاں وہ اپنے بچوں سے بے حد انس اور محبت رکھتے تھے اور ابھی بھی رکھتے ہیں مگر پڑھائی کے معاملے میں انہوں نے ہمیں کبھی بھی ریلیکس نہیں ہونے دیا وہ کہتے ہیں کہ اولاد کو کھلاؤ سونے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی آنکھ سے۔ بس ہمارے ساتھ وہ ایسا ہی رویہ رکھتے ہیں وہ اپنی اولاد کو کس قدر چاہتے ہیں اور اس کی تکلیف پر کس قدر بے چین اور دل گرفتہ ہو جاتے ہیں اس کی مثال ایک واقعہ سے ملتی ہے۔ ایک دفعہ ہم منڈی بہاؤالدین اپنی پھوپھی جان کے ہاں چھٹیاں گزارنے گئے۔ میری بہن کی تھوڑی سی طبیعت ناساز ہو گئی۔ اسی دوران ابو کا فون آ گیا تو وہ ان سے بات کرنے کے دوران رو پڑیں۔ آپ یقین کریں وہ راولپنڈی سے تین گھنٹوں میں منڈی بہاؤالدین پہنچ گئے۔ ہم چاروں بہن بھائیوں کی شادیاں انہوں نے میریٹ ہوٹل اسلام آباد میں بڑی دھوم دھام سے کیں اور ہر دور کی اہم حکومتی شخصیات نے ان میں شرکت کی۔ بڑی بہن کی شادی میں اس وقت کی وزیراعظم بے نظیر بھٹو صاحبہ تشریف لائیں اور تقریباً 4 گھنٹے سے زائد عرصہ تک ہال میں موجود رہیں اسی طرح دوسرے بہن بھائیوں کی شادیوں میں بھی اعلیٰ حکومتی شخصیات (اس وقت کے وزرائے اعظم) کی شرکت سے شادی کی تقریبات سیاسی اجتماعات میں تبدیل ہو جاتیں اور بے چارے دولہا دلہن اور ان کے قریبی رشتہ داروں کی موجودگی پس منظر میں چلی جاتی وہ بڑی متوازن شخصیت کے مالک ہیں۔ ہماری والدہ کے ساتھ وہ ہمیشہ بے حد احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں اور ان کا بے حد خیال رکھتے ہیں اور میری والدہ نے بھی کبھی ان کے صحافتی مشن میں رکاوٹ بننے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنی ذات، وقت اور خواہشات کی قربانی دے کر ان کی ترجیحات کو ہی اپنی زندگی کی ترجیحات میں تبدیل کر لیا جس کی وجہ سے ہمارا گھر آج امن اور سکون کا گہوارہ ہے۔ وہ ہمیشہ رزق حلال کمانے کو ترجیح دیتے ہیں اسی رزق حلال سے بچت کر کے تھوڑی تھوڑی رقم سے انہوں نے اسلام آباد میں ہمارے لیے ایک گھر بنایا اور ہمیں اعلیٰ تعلیم و تربیت دلوائی اور ہمارے گھروں کو آباد کیا اور آج وہ اپنے پوتے پوتیوں،

Scanned with CamScanner

نوازا ہے۔ وہ سب کے ساتھ ذات ذپات اور پیار و محبت کی ڈوری میں بندھے ہوئے ہیں۔

اگر میں یہ کہوں کہ میرے ابو جیسا کوئی نہیں ہے تو یہ غلط نہ ہوگا۔ وہ میرے آئیڈیل ہیں خدا کرے کہ ان کا سایہ تادیر قائم رہے اور اللہ تعالیٰ انہیں صحت و تندرستی کے ساتھ عمر خضر عطا کرے اور وہ ملک و قوم کے لیے صحافتی خدمات پورے جوش و خروش سے جاری ہم پر رکھیں۔

میرے بھائی ڈاکٹر شہزاد خالد (پی ایچ ڈی کمپیوٹر سائنسز) سہیل خالد ٹیکسٹائل انجینئر، بہن شازیہ خالد (ایم ایس سی ہوم اکنامکس) اور میں ناچیز (نائمہ خالد ایم اے انگلش) سب کے سب اپنے ابو کے لیے ہمیشہ ہمیشہ دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی زندگی میں مزید عزت اور توقیر سے نوازے۔ میرے ابو کے لیے میری دعا ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

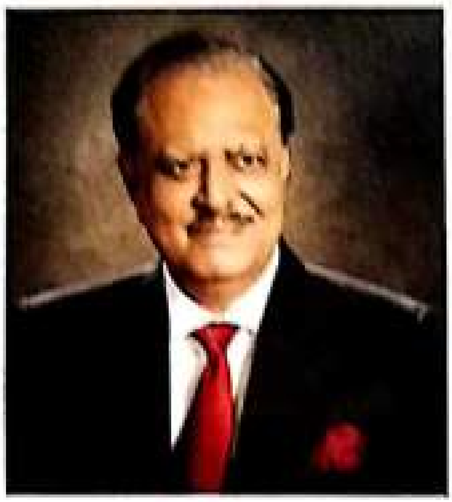

جناب ممنون حسین

صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

کا جناب حنیف خالد کی کتاب ''نصف صدی کا صحافتی سفر'' کے لیے پیغام

ایک صحافی کا مشاہدہ قومی زندگی کے ان نشیب و فراز کی کہانی بیان کرتا ہے جن سے گزر کر قومیں عروج بھی حاصل کرتی ہیں اور بعض اوقات مسائل کے چنگل میں بھی گرفتار ہو جاتی ہیں۔ ملک کے ممتاز اور سینئر صحافی جناب حنیف خالد کی سرگزشت ایک ایسی ہی کتاب ہے جس میں ان کے ذاتی مشاہدات اور تجربات، اجتماعی مشاہدے اور تجربے میں بدل کر قوم کے لیے راہِ عمل کا تعین کرتے ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے اپنی ذاتی اور پیشہ ورانہ زندگی کی اٹھان کو انتہائی دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے جس میں ۱۹۷۰ء کے پرآشوب حالات سے لے کر اب تک کے سیاسی اتار چڑھاؤ شامل ہیں۔ اس تحریر میں قومی حالات پر مصنف کی گہری نظر اور پختہ تجربے کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔

مصنف نے قومی و بین الاقوامی زندگی کے اہم واقعات پر اپنی تحریر کردہ اہم، تاریخی و تجزیاتی رپورٹس کو بھی کتاب میں شامل کیا ہے جس سے کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ تفصیلات پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ واقعات ہمارے سامنے رونما ہو رہے ہوں۔ یہ رپورٹیں قومی اور عالمی حالات کا ایک ایسا جائزہ پیش کرتی ہیں جس میں سبق بھی پوشیدہ ہیں اور آگے بڑھنے کا جذبہ بھی۔ حب الوطنی اور وفاداری کے جذبات کو اجاگر کرتی ہوئی اس بہترین تصنیف پر میں مصنف کو دل کی گہرائی سے مبارک باد دیتا ہوں۔

><><><><

Scanned with CamScanner

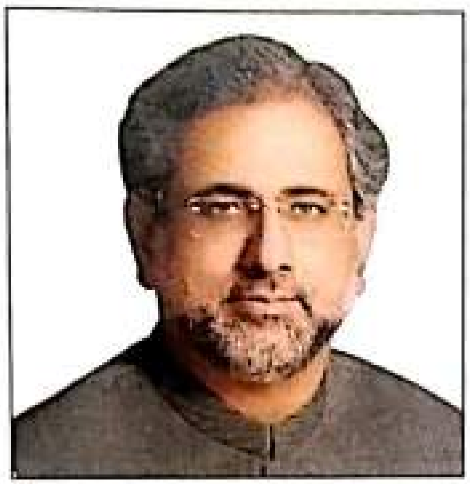

شاہد خاقان عباسی

سابق وزیر اعظم

جناب حنیف خالد ایک خوبصورت سوچ اور فکر کی حامل شخصیت ہیں۔ ان کی تحریریں خوبصورت صحافتی انداز فکر سے مزین ہوتی ہیں۔ ان کے مضامین، رپوتاژ، صحافتی رپورٹس اور تجزیے، ہمیشہ درست معلومات، عرق ریزی سے کی گئی جستجو، تحقیق اور استنباط پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ایک دانشور سے لے کر عام قاری بھی ان کی تحریروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ان کی نصف صدی کی صحافت انمول تجربوں سے آراستہ دکھائی دیتی ہے۔
میرے والد محترم خاقان عباسی جو 1985 سے 1988 تک وفاقی وزیر پیداوار رہے، وہ پاک فضائیہ کے ایئر کموڈور کے عہدے پر فائز رہے انہوں نے اُردنی شاہی فضائیہ میں بھی خدمات سرانجام دی۔ وہ بھی جناب حنیف خالد سے تعلق خاطر رکھتے تھے اور آج بھی ہمارے خاندان کے ان کے ساتھ خاندانی مراسم ہیں اور وہ ہمیشہ میرے دکھ اور سکھ کے ساتھی رہے ہیں۔ پرویز مشرف کے دور ابتلا میں وہ کئی مرتبہ مجھے ملنے کراچی جیل بھی آتے تھے اور ہمیشہ میرے حوصلے اور ہمت بڑھانے کیلئے اپنے خوبصورت الفاظ کے رنگ بکھیرتے۔ انہوں نے اپنے قلم اور صحافت کو ہمیشہ وطن کی محبت اور بھلائی کے جذبے سے فروزاں رکھا۔ پاکستان اور اپنے ادارے سے طویل دیرینہ رفاقت کے ذریعے خلوص اور وفا کے دیپ روشن کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وہ اپنی دھرتی، ملک اور قوم سے عشق لازوال کی ڈور میں بندھا ہوا ہے۔ حنیف خالد کی تحریریں اپنے وطن کی مٹی کی خوشبو سے اٹی ہوئی ہیں۔ ان کی سوانح عمری اور جنگ میں شائع ہونے والے مضامین پر مشتمل تصنیف ان کے اندر موجزن وطن سے عشق کی عکاسی کرتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ حنیف خالد کا قلم ہمیشہ حق وصداقت کا علمبردار بن کر اپنے قارئین کیلئے نت نئے موضوعات کشید کرتے رہیں۔ میرے خیال میں نرم دم گفتگو حنیف خالد، اقبال کے اس شعر کی سچی تفسیر ہے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

آپکا مخلص

شاہد خاقان عباسی

سابق وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف

جناب حنیف خالد کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ عمر بھر دشت صحافت میں سچی تحقیقی کاوش، مسائل و احوال، حقائق کی جانکاری کیلئے آبلہ پا صحرانوردی میں مگن رہے ہیں۔ حنیف خالد صاحب نے میرے دور آشوب میں پانچ دفعہ سعودی عرب میں مجھے شرف میزبانی بخشا اور مجھے ان کی شخصیت اور خیالات کو جانچنے کا موقع ملا اور میں بلاشبہ کہوں گا کہ حنیف خالد اول اور آخر ایک سچے پاکستانی مسلمان ہیں بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے ایک روادار، اعتدال پسند، روشن خیال دانشور اور صحافی ہیں۔ ان کی شخصی خوبیوں اور تحریری کاوشوں کے مرقع نے ان کو عوام میں مقبولیت اور اعلیٰ سیاسی حلقوں میں عزت و احترام کا حقدار ٹھہرایا ہے۔ ایک صحافی کے طور پر کسی واقعہ کی خبر دینا، پھر جزئیات پیش کرنا اور حقیقی دانشور کی حیثیت میں قومی اور بین الاقوامی مسائل کا حل پیش کرنا حنیف خالد صاحب کی تحریروں کی نمایاں خوبی ہے۔ حنیف خالد صاحب کی خودنوشت ایک سچے کھرے پاکستانی کے دل کی آواز ہے۔ انہوں نے اپنی ان تحریروں میں حقیقت کی عکاسی کی ہے۔ ان کے ذہن رسا نے جسے حقیقت سمجھا، اس کو تولا، پھر اسے اپنے الفاظ میں ڈھالا لیکن حقیقت کو لکھتے ہوئے انہوں نے کبھی سیاق و سباق سے انحراف نہیں کیا اور ہمیشہ اپنے ضمیر کے سامنے احساس جوابدہی کے زیر اثر علمی اور قلمی جدوجہد کی۔ انہوں نے ہمیشہ وطن عزیز میں رواداری، جمہوریت، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے نظریات کو فروغ دینے کیلئے حق و صداقت پر مبنی تحریروں کو رقم کیا اور ہر خاص و عام نے ان کو اپنی پسندیدگی اور قبولیت کی خلعت فاخرہ سے نوازا۔ میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ جناب حنیف خالد کو عمر خضر عطاء کرے اور وہ اپنے قلم کے ذریعے حق گوئی و بیباکی کی داستانیں رقم کرتے رہیں۔

آپکا مخلص

میاں محمد نواز شریف

Scanned with CamScanner

پروفیسر احسن اقبال

وفاقی وزیر منصوبہ بندی، ترقیات واصلاحات

جناب حنیف خالد ایک خوبصورت سوچ اور فکر کی حامل شخصیت ہیں۔ انکی صحافت بھی انکی شخصیت کی طرح منفرد انداز فکر کی عکاس ہے۔ اور نصف صدی کے انمول تجربوں سے مزین ہونے کی صدا دیتی ہے۔ ارسطو کا کہنا ہے "انسان کو چاہیے کہ وہ اس کوشش میں مصروف رہے کہ وہ جذبات وخواہشات پر عقل کی حکمرانی قائم کرسکے"۔ میں پورے یقین سے کہوں گا کہ حنیف خالد کی زندگی بھر کی صحافتی تحریریں جذبات وخواہشات کی اسیری کے سحر سے آزاد ہیں اور عقل کی حکمرانی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ حنیف خالد راہ وفا کا ایسا مسافر ہے جس نے تمام عمر فاقہ مستی میں گزارنے کے باوجود اپنے ادارے سے لازوال وفاداری کا عہد استوار رکھا۔ معاصر اداروں کی بڑی سے بڑی لالچ اور خطیر مالی مراعات بھی انہیں اپنے اول عشق سے برگشتہ نہ کر پائیں۔ انکا مقصد حیات زندگی کے آخری لمحے تک جنگ گروپ کے ساتھ دائمی وابستگی ہے۔ حنیف خالد کی صحافت ایک محب وطن شخصیت کی مختلف جہتوں کو اجاگر کرتی ہے جو ہمیشہ حق اور سچ کے لیے آواز بلند کرتا ہے اور پھر اس پر پوری قوت کے ساتھ قائم رہتا ہے، جس کی صحافت کا محور انسانیت کی بھلائی ہے، جسکا فلسفہ حیات محبت اور اخوت ہے، جسکا ایمان یقین محکم ہے۔ حنیف خالد کی تحریریں ملکی سلامتی، سیاست، معاشرت، اقتصادیات، دہشت گردی، غربت، بیروزگاری سے لے کر عالمی بساط پر چلی جانے والی چالوں کا بڑی باریک بینی سے احاطہ کرتی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں سپریم کورٹ میں اہم ترین مقدمات کی سماعت کی کاروائی کو حرف بحرف بیان کیا ہے اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ عقل حیران ہے کہ کیسے انہوں نے اپنے ذہن اور قلم کو مربوط کر کے اس تاریخی کاروائی کو قلمبند کیا ہے۔ اور یہ آج کے دور کی اہم تاریخی دستاویز بن چکی ہے۔ حنیف خالد کی اس کتاب میں اپنے حالات زندگی کے علاوہ موضوعاتی اعتبار سے مختلف تحریریں موجود ہیں جن میں انکی واضح سوچ، فکر اور تاریخی پس منظر کی وجہ سے ایک تسلسل دکھائی دیتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان کے عوام اپنے ہردلعزیز صحافی کی کتاب کی بھرپور پذیرائی کریں گے۔

آپکا مخلص

پروفیسر احسن اقبال

محترمہ مریم اورنگزیب

وفاقی وزیر مملکت اطلاعات ونشریات وقومی ورثہ

محترم حنیف خالد کی شخصیت میرے لیے ایک آئیڈیل کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ پاکستان کے سب سے زیادہ مقبول اور مشہور اخبار جنگ سے وابستہ ہیں۔ اس اخبار کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری حنیف خالد کی رپورٹنگ، تجزیے اور تبصروں کی وجہ سے ان سے شناسا ہے۔ میں بھی زمانہ طالب علمی سے ہی انکی تحریروں اور تجزیوں کو بڑے غور سے پڑھتی ہوں اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں ہمیشہ حقیقت کی عکاسی کی ہے۔ ان کے ذہن رسا نے جسے حقیقت سمجھا، اسکو تولا پھر اسے اپنے الفاظ میں ڈھالا لیکن حقیقت کو لکھتے ہوئے انہوں نے سیاق وسباق سے کبھی انحراف نہیں کیا وہ دنیائے صحافت کی ایک عہد ساز شخصیت ہیں ان کی تحریروں کو عوام اور خواص سب نے یکساں طور پر مقبولیت کی سند عطا کی ہے۔ وہ پاکستان کے صف اول کے ایسے صحافی ہیں، جنھوں نے سنجیدہ صحافت کی روایات کو آگے بڑھایا اور آج تک قائم رکھا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے تمام سیاسی، صحافتی اور عسکری حلقوں میں حنیف خالد اور انکی تحریروں کو بے حد اہمیت دی جاتی ہے اور وہ ہم سب کے لیے ایک رول ماڈل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انکی یہ کتاب صحافت کی دنیا میں ایک سنگ میل ثابت ہوگی۔ وہ نوجوان جو جرنلزم کے شعبے کو اپنانے کے خواہش مند ہیں۔ ان کے لیے حنیف خالد صاحب کی یہ کاوش انتہائی مفید اور اچھے کیئریر میں مددگار ثابت ہوگی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تا حیات کامیابیوں اور کامرانیوں سے نوازتا رہے۔ کیونکہ ایسی شخصیات ہی کسی قوم اور ملت کا سرمایہ ہوتی ہیں۔

آپکی مخلص

مریم اورنگزیب

Scanned with CamScanner

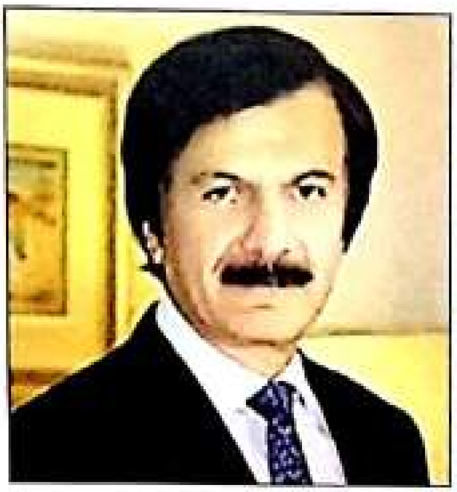

ہارون اختر خان

خصوصی معاون ٹو پرائم منسٹر

بلحاظ عہدہ (وفاقی وزیر ریونیو)

حنیف خالد نے ایف بی آر کے حوالے سے ہمیشہ مستند اعداد و شمار کو شائع کیا ہے اور بجٹ بنانے سے پہلے پاکستان کے معاشی مسائل کے متعلق ان کے بیان کردہ حقائق ایف بی آر کے ہر چیئرمین ممبر نے ہمیشہ رہنمائی حاصل کی ہے۔ حنیف خالد پاکستان کے معاشی امور کے ماہر و مستند صحافی ہیں۔ ہمارے خاندان کے ان کے ساتھ عشروں سے گہرے مراسم چلے آرہے ہیں دکھ سکھ کی گھڑی میں وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں میرے والد بزرگوار جنرل اختر عبدالرحمٰن شہید کے ساتھ گہرے شفقت کا رشتہ تھا۔ میری حنیف خالد صاحب کے ساتھ دیرینہ شناسائی ہے اور شعبہ صحافت میں انکی خدمات کا شمار ممکن نہیں۔ وہ انتہائی دیانت دار معتبر صحافی اور کہنہ مشق تجزیہ نگار ہیں۔ آج کل وہ ریذیڈنٹ ایڈیٹر جنگ راولپنڈی کی ذمہ داریاں سرانجام دے رہے ہیں۔ مگر انکی اصل صحافتی پہچان انکی رپورٹنگ ہے۔ انکے نام سے منسوب خبریں ہمیشہ صحافتی اصولوں کے مطابق پیش کی جاتی ہیں۔ انہوں نے زندگی بھر سنسنی خیز خبروں، تجزیوں اور زرد صحافت سے اجتناب کیا۔ انکی کسی خبر کی کبھی کوئی تردید میری نظر سے نہیں گزری۔ کیونکہ وہ ہمیشہ حقائق کو اچھی طرح پرکھ کر درست خبر فائل کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر معاشیات کے حوالے سے انکے تجزیے اور آراء نہایت اہمیت کی حامل ہوتیں ہیں۔ وطن عزیز میں رواداری جمہوریت، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی شمع روشن کرنے کے لیے حنیف خالد کی قلمی جدوجہد لائق تحسین ہے۔ انکی زیر نظر کتاب صحافت کے طالب علموں کے لیے ایک قیمتی اثاثہ ثابت ہوگی۔ ماضی کے بہت سارے سیاسی واقعات کے متعلق درست حقائق کی نشاندہی کرنے کا کریڈٹ یقیناً حنیف خالد کو ہی جاتا ہے۔ اللہ ان کے زور قلم کو اور زیادہ بلند کرے اور وہ صحافتی دنیا میں ہمیشہ کی طرح پوری آب و تاب سے چمکتے رہیں۔

آپکا مخلص

ہارون اختر خان

Scanned with CamScanner

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

محسن پاکستان

جناب حنیف خالد کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ صحافت کی دنیا کا بڑا معتبر نام ہیں بلاشبہ ایسی شخصیات کسی بھی معاشرے اور شعبے کے لیے رول ماڈل کا مقام رکھتی ہیں۔ انہوں نے نصف صدی کا طویل عرصہ صحافت کے دشت خارزار میں پورے وقار اور تمکنت کے ساتھ گزار لیا ہے۔ وہ علم و عرفان کا بے بہا خزینہ ہیں۔ یہ خزینہ انصاف اور سچ کی آگ پر پک کر کندن کے روپ میں ڈھلا ہے اس میں ہیرے کی کاٹ تراش اور چمک دمک بھی موجود ہے اور ساتھ ہی ساتھ روح کی گہرائی تک اتر جانے والا نشتر بھی چھپا ہوا ہے۔ پھر روح کے زخموں کا مرہم بھی موجود ہے۔ حنیف خالد ایک مثبت اور روادار سوچ رکھنے والے صحافی ہیں انکا مزاج اور طبیعت حدیث نبوی، "خیر الامور اوسطہا" کے مصداق اعتدال پسندانہ ہے۔ حنیف خالد نے تمام عمر اپنی دھرتی سے محبت اور مروت کا رشتہ نبھایا ہے۔ میری ان سے بڑی دیرینہ شناسائی ہے، وہ اللہ کی مخلوق سے محبت کرتے ہیں۔ انکی تحریریں وطن اور دھرتی کی سچی محبت میں گندھی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ انکی تحریروں سے اپنی مٹی سے وفا کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ انکی صحافت کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے پورے یقین کے ساتھ حق کو جانا اور قلم کے ذریعے جہاد کیا۔ حنیف خالد کی یہ کتاب انکی عمر بھر کی ریاضت محنت اور تجربات کا نچوڑ ہے اور اردو صحافت میں انکی گراں قدر اہمیت ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اہل علم و فکر سے لے کر عام قاری تک کے لیے انمول تحفہ ثابت ہوگی۔ حنیف خالد ایک حساس دل انسان ہیں۔ یہ کتاب وفا کے جذبوں سے مہکنے والے قلندر صفت انسان کے حالات زیست، جہد مسلسل اور جفاکشی کی سبق آموز داستان ہے جس کو جان کر پتہ چلتا ہے۔

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

آپکا مخلص

ڈاکٹر عبدالقدیر

محمد اعجاز الحق

سابق وفاقی وزیر مذہبی امور

(ایم این اے)

حنیف خالد صاحب پاکستان کے ممتاز صحافی، ماہر رپورٹنگ اور تجزیہ کار ہیں۔ وہ پچھلے قریباً 50 برسوں سے اس دشت کی سیاحی کر رہے ہیں اور اپنی صحافتی زندگی کے پہلے دن سے روزنامہ جنگ سے منسلک ہیں۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک "جنگ" کے لیے صحافتی ذمہ داریاں ادا کرتے رہیں گے۔ وہ ایک تاریخ ساز صحافتی شخصیت ہیں او رپاکستان کی سیاسی تاریخ کے عروج زوال کی تمام داستانیں انہیں از بر ہیں۔ مرحوم جنرل ضیا الحق انکے بڑے قدر دان تھے اور ہمیشہ ان کا ذکر اچھے الفاظ میں کرتے تھے۔ اپنے غیر ملکی دوروں میں اکثر وہ حنیف خالد صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر جاتے، ملکی اور غیر ملکی معاملات پر ان سے کھل کر بات کرتے تھے۔ وہ ایک محب وطن پاکستانی ہیں اور وطن عزیز کی نظریاتی سرحدوں کی پاسبانی کا فریضہ ہمیشہ اپنے قلم کے ذریعے سرانجام دیتے ہیں۔ وہ بااخلاق اور شائستہ انسان ہیں۔ مگر جب کبھی پاکستان کی بقا اور حرمت کا معاملہ درپیش ہو تو پھر وہ دوٹوک انداز میں اظہار جراءت سے کام لیتے ہیں۔ وہ نرم دم گفتگو گرم دم جستجو کی زندہ تصویر ہیں۔ میں انکی ذات کے متعلق فقط یہی کہہ سکتا ہوں۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

آپکا مخلص

محمد اعجاز الحق

Scanned with CamScanner

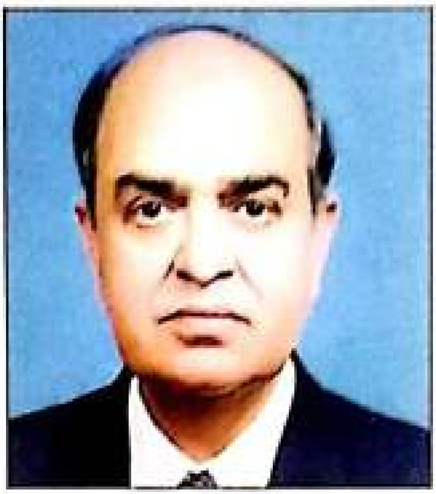

فضل الرحمن ملک

وفاقی سیکرٹری (ر) وزارت اطلاعات ونشریات

حنیف خالد صاحب شعبہ صحافت کی بلاشبہ وہ جگمگاتی اور فعال شخصیت ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ تحریر کرنا سورج کو دیا دکھانے کے برابر ہے، انہیں شعبہ صحافت میں ممتاز اور منفرد بنانے میں ان کا اس شعبے کے ساتھ عشق کی حد تک لگاؤ، ان تھک محنت خبروں کی تلاش میں سرگرداں رہنا اور پھر ان کی اپنے ادارے کو بروقت ترسیل، یہی ان کا طرہ امتیاز رہا ہے اور اللہ نے انہیں اپنے فرائض کی ادائیگی میں ہمیشہ سرخرو کیا ہے۔ میری ان سے شناسائی 1979ء سے ہے جب میں پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ میں مرحوم صدر ضیاء الحق کے ساتھ بطور انفارمیشن آفیسر اپنے فرائض ادا کر رہا تھا، ان سے یہ تعلق اللہ کی مہربانی سے آج تک قائم اور انشاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ میں نے انہیں ایک تجربہ کار اور کہنہ مشق صحافی کے ساتھ ایک انتہائی ہمدرد، مخلص اور غم بانٹنے اور ہر کس و عام کا مددگار پایا اور ماشاء اللہ وہ آج تک اس عظیم اخلاقی خوبی کو نبھا رہے ہیں، اگرچہ ان کے حریف اپنی صحافیانہ حسد پن کی وجہ سے اور اپنے گناہوں میں اضافہ کرنے کیلئے نہ جانے کیا کیا قصے کہانیاں اور ہرزہ سرائی کرتے ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ حاسدین کو راہ ہدایت دکھائے۔ یہ اللہ کا خصوصی کرم اور انعام ہے کہ وہ اپنے ادارے (جنگ) کے ساتھ اڑتالیس سالوں سے مسلسل بھرپور اور مثالی وفاداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے شعبے میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتے اپنے موقر جریدے کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر کے عہدے تک پہنچے۔ ان کی کتاب لکھنے کی کاوش انتہائی قابل صد تحسین ہے اور میں نے اس کتاب کا شروع سے لیکر آخر تک مطالعہ کیا ہے۔ اتنی عمدہ مستند اور قابل توجہ تحریر کو پڑھتے ہوئے بعض اوقات ایسے محسوس ہوتا ہے کہ میں تاریخ میں واپس لوٹ گیا ہوں اور کئی واقعات ایسے ہیں جن کے رونما ہونے کو بڑی شدومد سے ہوتا ہوا پھر دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے جس عرق ریزی سے یہ سب کچھ محنت و مشقت کے ساتھ حوالہ تحریر کیا ہے اس کی تعریف کرنا انتہائی مشکل کام لگتا ہے۔ شعبہ صحافت کے طلباء اور اس شعبے کو بطور پیشہ اپنانے والوں کیلئے بلاشبہ یہ ایک بہترین گائیڈ ہے جس سے وہ بھی صحافیانہ مقصدیت (OBJECTIVITY) کا فن حاصل کر سکتے ہیں خاص طور پر اعلیٰ عدلیہ کے مختلف ادوار میں مختلف انتہائی اہم مقدمات کی سماعت کی کوریج کے دوران مکالمے جس درستگی اور من و عن کے ساتھ ان کی رپورٹنگ میں ہیں وہ بلاشبہ جوئے شیر لانے کے برابر ہیں۔ ان کی اس عظیم کاوش کو دیکھتے ہوئے انہیں مشورہ دوں گا کہ وہ اپنے فرائض منصبی کے دوران مختلف سالوں میں جو چٹ پٹی اور حقائق سے مزین جھلکیاں تحریر کرتے رہے ہیں ان کو بھی کتابی شکل دینے کی ہمت کریں تو یہ قارئین کیلئے ایک اور بڑا انمول خزانہ ہوگا۔

فضل الرحمن ملک

وفاقی سیکرٹری (ر)

وزارت اطلاعات ونشریات

Scanned with CamScanner

جناب اسحق ڈار

سابق وفاقی وزیر خزانہ

میرے ہمدم دیرینہ حنیف خالد قلم و صحافت کے ایسے ماہر غوطہ خور ہیں۔ جو کہ صحافت کی اتھاہ گہرائیوں سے دُرِ نایاب دریافت کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ انہیں خدائے بزرگ و برتر نے دشت صحافت میں آبلہ پا صحرا نوردی کے عوض ہفت اقلیم کے رتبے پر فائز کر دیا ہے۔ حنیف خالد پاکستان کے ممتاز صحافی، مضمون نگار اور معاشی تجزیہ کار ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے فارغ التحصیل حنیف خالد بلاشبہ اقتصادی امور پر مکمل گرفت رکھتے ہیں اور مجھے ہمیشہ ان کے پاکستان کے معاشی حالات کے متعلق تجزیوں اور تبصروں سے سیکھنے کا موقع ملا۔ میرے لیے اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ جب بھی مجھے پاکستان کے اقتصادی امور پر حنیف خالد کو انٹرویو دینا پڑا، مجھے مکمل حاضر دماغی کے ساتھ اپنے ذہن کو چوکس رکھنا پڑا کیونکہ وہ پاکستان کے موجودہ اور ماضی کے معاشی مسائل سے کما حقہ آگاہی رکھتے ہیں۔ وہ دقیق معاشی مسائل کا بڑا جاندار تجزیہ اور ان کا حل تجویز کرتے ہیں۔ جس سے مجھے اپنا معاشی ایجنڈا مرتب کرنے میں خاصی مدد ملتی ہے۔ وہ 1969 سے روزنامہ جنگ سے وابستہ ہیں اور پچھلی قریباً نصف صدی سے اپنے ادارے جنگ سے وفا کی ڈوری میں بندھے ہوئے ہیں۔ حنیف خالد کی معاشی تحریروں کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسے علم الہدایت (Normative Science) خیال کرتے ہیں جس میں وہ ہمیشہ ملکی حالات و واقعات کو ایک خاص بہبود زاویہ نگاہ سے پرکھتے ہیں۔ مثلاً غربت کی بجائے عوام کو خوشحالی حاصل ہو۔ انہیں تعلیم، صحت اور روزگار کی سہولتیں میسر ہوں، صاحب حیثیت لوگوں پر حسب استطاعت شرح سے ٹیکس عائد ہوں اور غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے ریاست اپنا بھرپور کردار ادا کرے۔ میرے لیے حنیف خالد کے سیاسی اور معاشی تجزیے ایک سچے کھرے پاکستانی کے دل کی آواز ہیں۔ ایک اعلیٰ پائے کے مدبر اور تحقیق کار کی بالغ نظری، ایک صحافی کی سچی تحقیقی کاوش کا مرقع ہوتے ہیں۔ انسان دوستی ان کی تحریروں کا خاصہ ہے۔ ان کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ ان کی وطن سے محبت اور وفاداری کا ایسا شاہکار ہیں جس نے ان کو عوام میں مقبولیت اور خواص میں عزت و احترام کا حقدار ٹھہرایا ہے۔ حنیف خالد کی کتاب کی تحریریں ملکی سیاست، دفاع، معاشرت، اقتصادیات، غربت، جہالت، دہشت گردی سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی سیاست کی بساط پر چلی جانے والی چالیں، اصل مسئلے اور ان کے سیاق و سباق کو پرکھتے ہوئے ہر ممکنہ پہلوؤں کو کھنگال کر سامنے لاتی ہیں۔ اس کے بعد وہ اس کے حل اور تدارک کے لیے حقائق کی روشنی میں اپنی آراء پیش کرتے ہیں جو بطور ایک عظیم صحافی اور قلم کار کی عظمت دانش کو جلا بخشتی ہیں۔ ان کی شخصی خوبیاں بڑی متاثر کن ہیں وہ دردمندی خلوص اور چاہت کے ساتھ تعلقات کو نبھاتے ہیں اور میرے لیے ان کی دوستی بڑی قابل قدر ہے۔ ان کی تحریروں کے متعلق اتنا ہی کہہ سکتا ہوں۔

شعلۂ درد جو پہلو میں لپک اٹھے گا
دل کی دیوار پہ ہر نقش دمک اٹھے گا

آپ کا مخلص

اسحاق ڈار

Scanned with CamScanner

Government of Punjab

Punjab Mineral Company (Pvt.) Limited

Chairman Secretariat, Islamabad

PMC PUNJAB MINERAL COMPANY

Liaison Office H. 28, St. 3, F-11/4, Islamabad. Tel 051 2223810, Fax 0512223817

حنیف خالد ریذیڈنٹ ایڈیٹر روزنامہ جنگ راولپنڈی سے میری شناسائی اور رفاقت انیس سال پر محیط ہے۔ جونہی ہماری ٹیم ایٹمی تجربات سے فارغ ہوکر چاغی سے اسلام آباد پہنچی تو لاتعداد صحافی اور ٹی وی اینکر میری رہائش گاہ پر اس بات کے منتظر تھے کہ میں آکر ان سے گفت وشنید میں مصروف ہو جاؤں۔

28 مئی اور 30 مئی 1998 کو چاغی میں جو تاریخ ساز ایٹمی دھماکے پاکستان نے اس وقت کے وزیراعظم نواز شریف کے جرأت مندانہ فیصلے سے کئے ان سے پاکستان دنیا کی ساتویں اور عالم اسلام کی پہلی ایٹمی طاقت بن گیا اور دفاعی لحاظ سے ناقابل تسخیر ہوگیا۔

جناب حنیف خالد نے نہ صرف ان واقعات کی انتہائی خوبصورت عکاسی روزنامہ جنگ کے اوراق پر نقش کی بلکہ میرے ساتھ ایک طویل تعلق کی بنیاد بھی رکھی۔

ایٹمی طاقت بننے کے بعد پاکستان نے میزائل پروگرام کا آغاز کیا۔ شاہین میزائل سیریز کی مختلف میزائلوں کی کامیاب لانچنگ 1999 سے لے کر تا حال جاری ہے ان سب کو جذبۂ حب الوطنی، صداقت اور شفافیت کے ساتھ جنگ میں کور کیا گیا جس کا سہرا حنیف خالد کے سر پر ہے۔ قدم بقدم ہمارے بڑھتے ہوئے دفاعی پروگرام کی رپورٹنگ بھی آپ عظیم قومی فرض سمجھ کر انجام دیتے رہے اور اس ضمن میں شاہین ون، شاہین ٹو، شاہین تھری، بابر ون، بابر ٹو، بابر تھری، ابابیل ون اور بے شمار ڈرون طیاروں کی تیاری اڑان کو پاکستان کی عوام نے جنگ کے اوراق پر جناب حنیف خالد صاحب کی قلم سے دلچسپ تحریروں کی شکل میں پڑھا۔

کس کو نہیں یاد کہ خواہ 23 مارچ ہو، 28 مئی ہو، 14 اگست ہو جنگ کے رنگین صفحات پر نمودار ہونے والے خصوصی آرٹیکل بھی جناب حنیف خالد کی کاوشوں کا مظہر ہیں۔

مجھے یہ کہتے ہوئے انتہائی فخر اور خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ جہاں میں نے دفاعی میدان میں جناب حنیف خالد سے بہت کچھ شیئر کیا وہاں ان کو بیشتر قومی مسائل خواہ وہ سیاسی ہوں یا اقتصادی دفاعی گفت وشنید کے ساتھ بہت کچھ سیکھا۔

میری دعا ہے کہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے اور جناب حنیف خالد کو اللہ تعالیٰ زندگی و صحت کے ساتھ یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ جنگ گروپ اور پاکستان کی اسی طرح خدمت سرانجام دیتے رہیں۔ آمین۔

P. Mubarakmand

ڈاکٹر ثمر مبارک مند

نشان امتیاز، ہلال امتیاز، ستارہ امتیاز

15th June, 2017.

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکومت پاکستان

کابینہ ڈویژن

سیکرٹری کابینہ

حوالہ نمبر: ۴/۵/۲۰۱۱-۱-اعزازات

اسلام آباد مورخہ ۲۰-فروری ۲۰۱۲

محترم حنیف خالد،

السلام علیکم!

میں آپ کو مسرت کے ساتھ اطلاع دیتی ہوں کہ صدر پاکستان نے ۱۴-اگست ۲۰۱۱ کو یوم آزادی کے موقع پر آپ کو "ستارۂ امتیاز" کا قومی اعزاز عطا کیا ہے۔ یہ اعزاز پاکستان کے خصوصی گزٹ میں شائع ہو چکا ہے۔

۲- اب آپ کے نام کے ساتھ "ستارۂ امتیاز" یا اس کا مخفف "ایس آئی" (S.I) لکھا جا سکتا ہے۔

۳- پروگرام کے مطابق ۲۳-مارچ ۲۰۱۲ کو یوم پاکستان کے موقع پر منعقد ہونے والی تقسیم اعزازات کی تقریب میں صدر پاکستان آپ کو "ستارۂ امتیاز" سے مزین کریں گے۔ اس تقریب کا دعوت نامہ آپ کو انشاءاللہ بروقت ارسال کر دیا جائے گا۔

مخلص

نرگس

(نرگس سیٹھی)

محترم حنیف خالد،
مکان نمبر 496-C سروس روڈ
سیکٹر G-9/3 اسلام آباد

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Special Assistant to PM
Prime Minister's Office
Islamabad.

مجھے یہ جان کر بہت مسرت ہوئی ہے کہ برادرم خالد حنیف نے کئی دہائیوں پر محیط اپنی پیشہ وارانہ صحافت کی یادداشتوں کو کتابی صورت میں مرتب کر کے اپنے قارئین کو پیش کر دیا ہے۔ مصنف نے اپنی پیشہ وارانہ زندگی کا آغاز پاکستان کے سب سے زیادہ پڑھے جانے والے اُردو کے اخبار کے ساتھ منسلک ہو کر کیا اور ادارے کو وقتاً فوقتاً پیش آنے والے اُتار چڑھاؤ کے باوجود ساری زندگی اُسی کے ساتھ منسلک رہے۔ ایک قاری کی حیثیت سے اور پھر سرکاری ملازمت کے دوران فاضل مصنف سے رابطہ رہا، جواب تک قائم ہے۔ اُن کی صلاحیتوں کا بہ چشم خود مشاہدہ کرتا رہا۔

زیرِ نظر کتاب ہماری تاریخ کے ایک اہم باب کا عنوان اور بیان ہونے کے ساتھ ساتھ آنے والی نسلوں کی میراث بھی ہے۔ پاکستان میں حکومتیں آتی جاتی رہیں۔ آئین نافذ، معطل اور منسوخ بھی ہوتے رہے۔ پاکستان کے عبوری دارالخلافہ راولپنڈی اور پھر اسلام آباد میں اخبار کے رپورٹر اور چیف رپورٹر ہونے کے ناطے برادرم نے واقعات کو بہ چشم خود دیکھا اور مکمل پیشہ وارانہ دیانتداری کے ساتھ بطور امانت پاکستان کے علاوہ دُنیا بھر میں قارئین کو اُن سے بروقت باخبر رکھا۔ اُمید ہے کہ قارئین اِن مشاہدات کے مطالعے کے بعد ان کونوں کھدروں سے بھی آگاہ ہوں گے جن پر وقت کے ساتھ حادثات کی گرد کی تہہ جم گئی یا بے دھیانی میں کسی کوڑے دان میں پھینک کر لوگ بھول گئے۔ برادرم خالد حنیف نے ان چشم کشا حادثات اور سبق آموز واقعات کے باوجود جذبات کی بجائے اپنے قلم کے توازن، پیشے کی حرمت اور سچ پر آنچ نہ آنے دی۔

بہت سی دعاؤں اور اِس اُمید کے ساتھ کہ برادرم خالد حنیف جہاں اپنے قلم کی نوک کو عزم کی پختگی کے ساتھ استعمال کرتے رہیں گے وہاں قارئین کو بھی بدستور مستند حقائق سے مستفید ہونے کے مواقع بھی فراہم کرتے رہیں گے۔

خیر اندیش

(خواجہ ظہیر احمد)

اسلام آباد

۲۵ مئی ۲۰۱۷ء

Scanned with CamScanner

حصہ ششم

یادگار تصویریں

Scanned with CamScanner

APNS
AWARD

APNS
ALL PAKISTAN NEWSPAPERS SOCIETY
آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

Awarded to Mr. Hanif Khalid

Daily Jang Rawalpindi the 1st

prize for Best News Reporter-Urdu

for the year 1985-86

General Secretary President

کراچی وزیر اعظم محمد خان جونیجو مصنف کو آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی کے صدر فصیح اقبال اور سینکڑوں شخصیات کی
موجودگی میں پاکستان کے بہترین رپورٹر کا ایوارڈ دے رہے ہیں میر خلیل الرحمن اسٹیج پر مسرور نظر آ رہے ہیں

Scanned with CamScanner

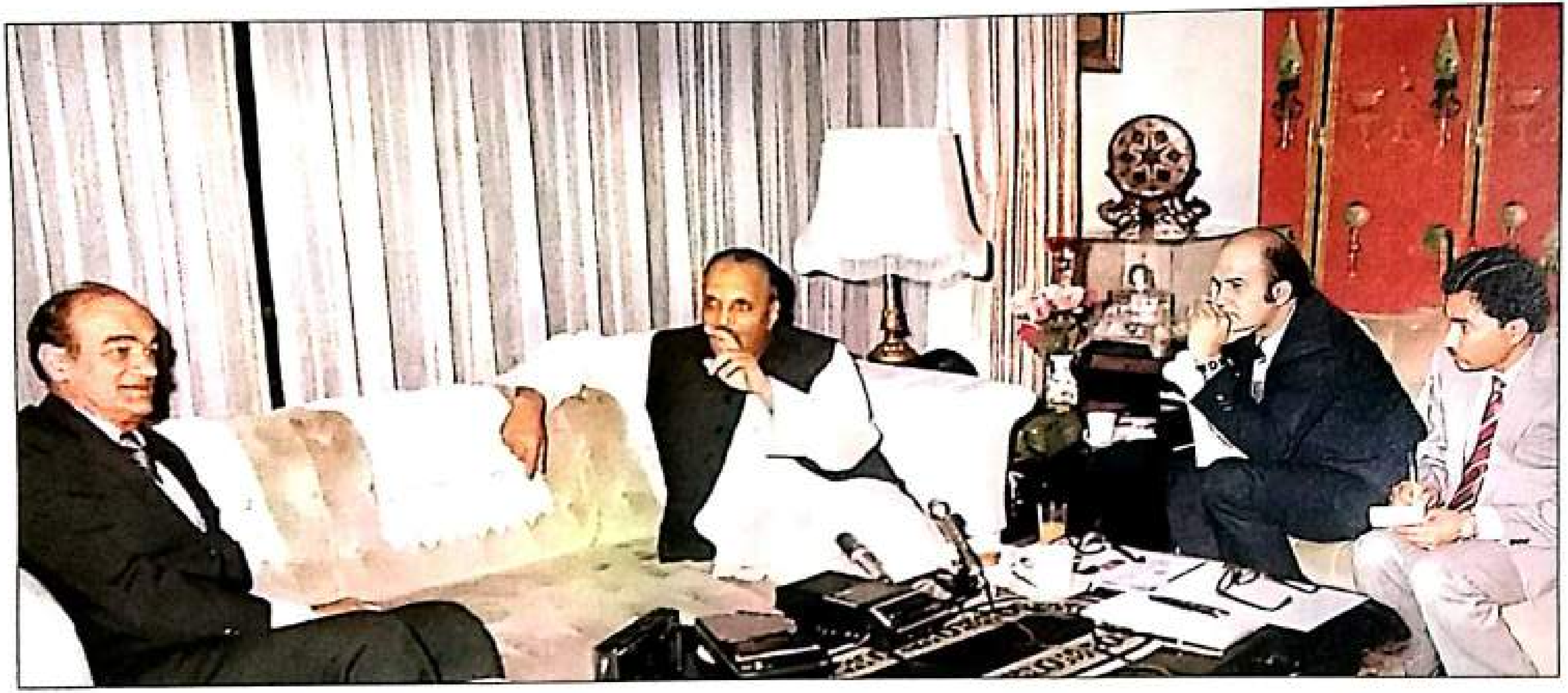

آرمی ہاؤس راولپنڈی میں سانحہ بہاولپور سے صرف ایک ہفتہ قبل اگست 1988 میں بانی جنگ گروپ میر خلیل الرحمٰن، میر جاوید رحمٰن، مصنف کے ساتھ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کا انٹرویو کرتے ہوئے

سنیئر پینل کے ارکان میر خلیل الرحمٰن، میر جاوید رحمٰن، میر شکیل الرحمٰن، حنیف خالد، ارشاد احمد حقانی، واجد شمس الحسن صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی زندگی کا آخری انٹرویو کرتے ہوئے

اسلام آباد، 1988 میں مصنف جنگ گروپ کے بانی میر خلیل الرحمن اور معروف دانشور
وارث میر کا وزیر اعظم محمد خان جونیجو کے انٹرویو کے بعد گروپ فوٹو

تاریخ کی پہلی پاکستانی نژاد برطانوی وزیر اور حکمران جماعت کی چیئر پرسن سعیدہ وارثی
اسلام آباد کے برطانوی ہائی کمیشن میں مصنف کو انٹرویو دیتے ہوئے

Scanned with CamScanner

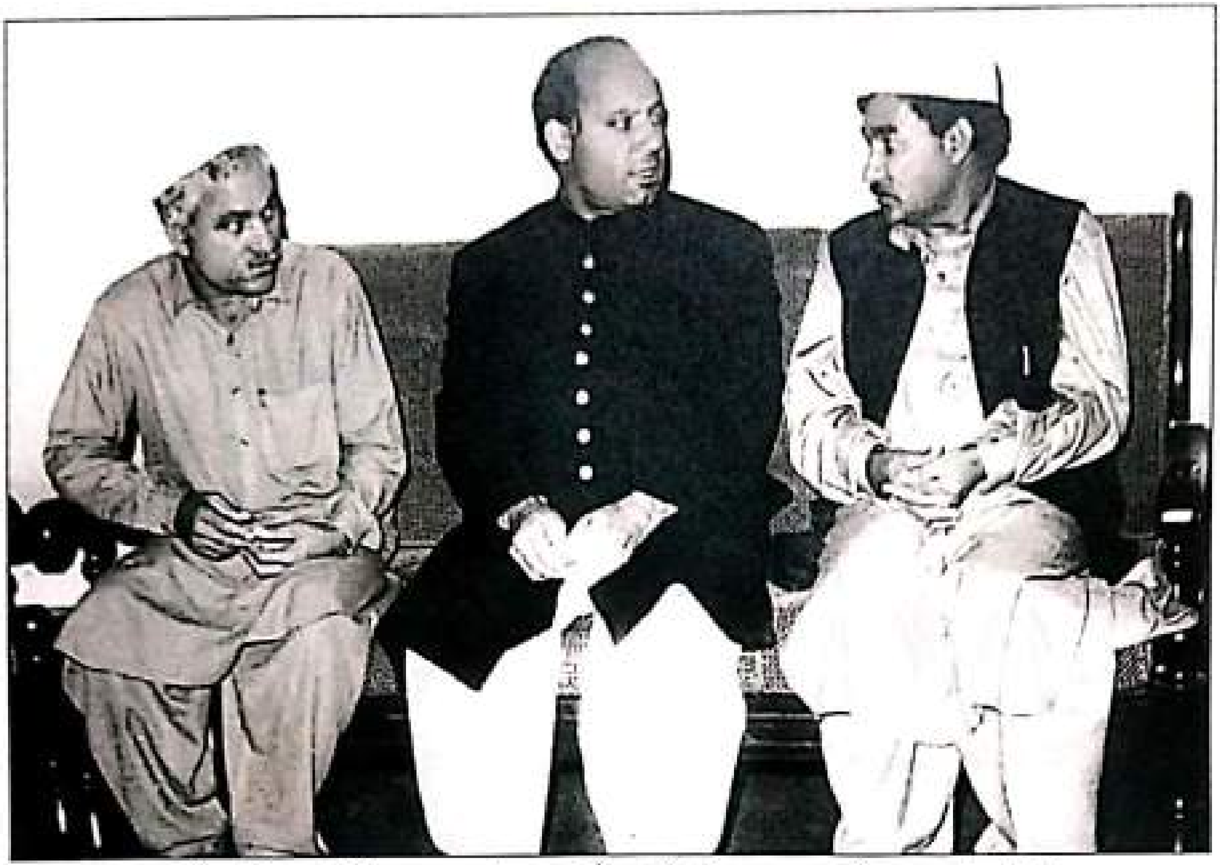

اسلام آباد نواز شریف مصنف کی والدہ اور والد کے یکے بعد دیگرے انتقال پر فاتحہ پڑھنے کیلئے مصنف کی رہائش گاہ پر
تین گھنٹے تک تشریف فرما ہے مصنف کے مہمان حاجی حمید اختر بھی موجود ہیں

مصنف اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ آرمی ہاؤس راولپنڈی میں تصویر بنواتے ہوئے

Scanned with CamScanner

میریٹ اسلام آباد پہنچنے پر وزیر اعظم محترمہ بینظیر بھٹو مصنف اُنکی اہلیہ جنگ گروپ کے چیئرمین میر جاوید رحمٰن، شورش ملک، سلمان فاروقی سے خوشگوار موڈ میں مصروف گفتگو، وزیر اعظم صاحبہ 4 گھنٹے مصنف کی بیٹی شازیہ کی شادی کی تقریب میں موجود رہیں اور جاتے ہوئے شازیہ کو کہہ گئیں کہ آپ کے ابو (مصنف) مجھے اچھے لگتے ہیں ویسے میں اپنی شادی میں بھی پون گھنٹہ سے زیادہ سٹیج پر نہیں بیٹھی تھیں

چین کے یادگار دورے کے دوران مہمانوں کی کتاب پر وزیر اعظم بینظیر بھٹو مصنف کی موجودگی میں تاثرات لکھتے ہوئے

Scanned with CamScanner

دار العلوم تعلیم القرآن کے مہتمم مولانا غلام اللہ خان کی لیاقت باغ راولپنڈی میں نماز جنازہ کے بعد
بارش کے دوران لیاقت ہال کے باہر صدر جنرل محمد ضیاالحق مصنف سے خوشگوار موڈ میں محوِ گفتگو

ایوان وزیر اعظم اسلام آباد میں مصنف کے ساتھ وزیر اعظم محترمہ بینظیر بھٹو پی پی پی کی چیئر پرسن بیگم نصرت بھٹو خوشگوار موڈ میں محوِ گفتگو

Scanned with CamScanner

مصنف ایک قومی تقریب کے اختتام پر صدر پاکستان سے دوسرے صحافیوں کی موجودگی میں سوالات کرتے ہوئے

صدر ضیاء الحق بغیر سکیورٹی کے ڈھیریاں بنیاں راولپنڈی کی گلیوں کے دورے کے دوران ایک
بزرگ سے مسائل معلوم کر رہے ہیں، درمیان میں مصنف رپورٹنگ کرتے ہوئے

Scanned with CamScanner

وزیر اعظم محترمہ بینظیر بھٹو 27 دسمبر 1995 کو میریٹ ہوٹل میں حنیف خالد کی بیٹی شازیہ کی شادی کی تقریب میں
آمد پر وزیر اطلاعات و نشریات خالد کھرل کی موجودگی میں بیگم سلمیٰ حنیف خالد اور مصنف کو تحفہ دیتے ہوئے

Scanned with CamScanner

انقرہ جدید ترکی کے بانی اتاترک کے مزار پر حاضری کے بعد وزیر اعظم نواز شریف، وزیر اعظم کے پرسنل فزیشن
میجر جنرل عظمت رشید، شیخ رشید احمد، سید مشاہد حسین، مجید نظامی اور مصنف فاتحہ خوانی کرتے ہوئے

تہران ایئرپورٹ پر ایرانی سینئر نائب صدر اور وزیر اعظم نواز شریف کی میڈیا گفتگو میں مصنف اور شکور طاہر نمایاں

Scanned with CamScanner

منیٰ پیلس میں روزنامہ جنگ راولپنڈی کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر حنیف خالد کی سعودی بادشاہ سے ملاقات کا ایک منظر

وزیراعظم نواز شریف کے وفد کے ممبر کے طور پر مصنف طواف کعبہ میں مصروف' سردار عبدالقیوم، انور قدوائی بھی نمایاں ہیں

Scanned with CamScanner

جی آئی کے یونیورسٹی میں مصنف کے پاس آؤٹ ہونے والے بیٹے ڈاکٹر شہزاد خالد کی غلام اسحاق خان، مصنف اور ڈاکٹر اے کیو خان کیساتھ فوٹو

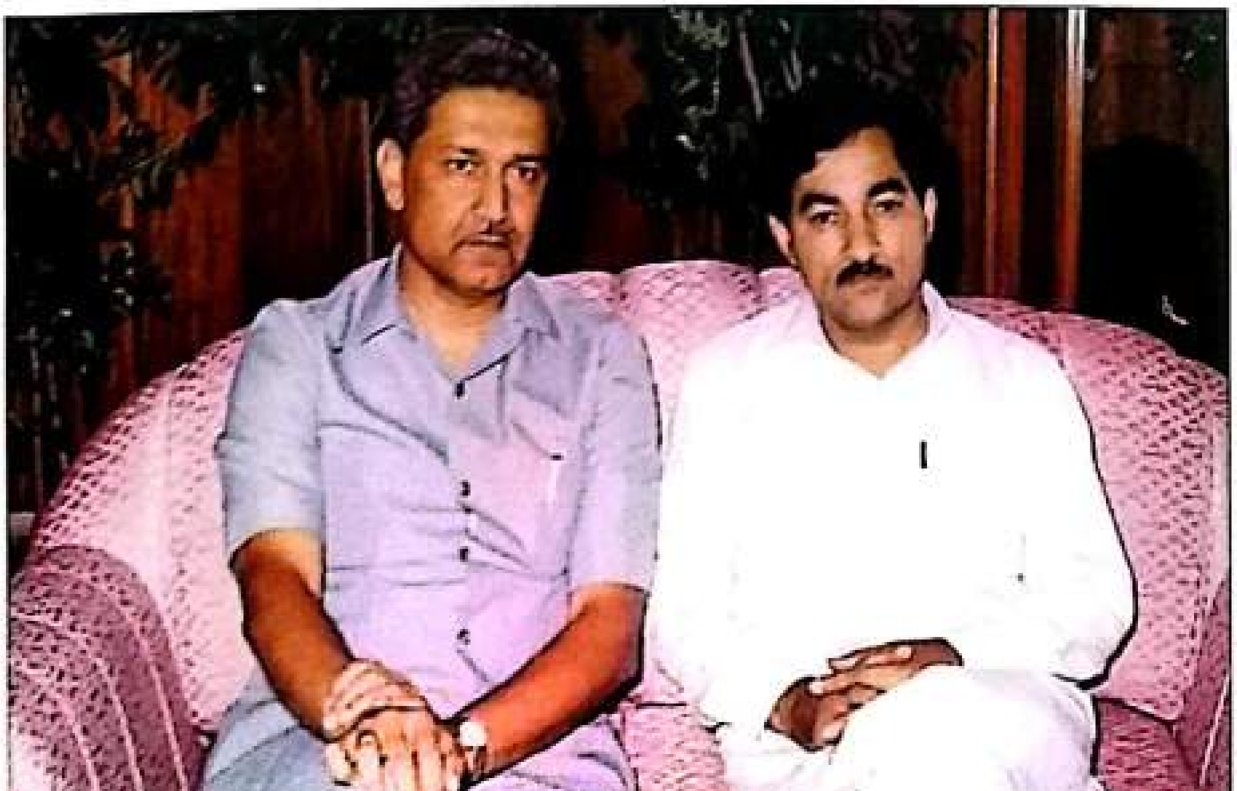

پاکستان کے معروف ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر اے کیو خان اور مصنف

Scanned with CamScanner

سٹیٹ گیسٹ ہاؤس راولپنڈی میں صدر ضیاء الحق عیدین کو پورا دن بغیر تھکاوٹ کے ملک بھر سے آئے ہوئے لوگوں کے مسلسل کھڑے ہو کر مسائل سنا کرتے تھے رات دس بجے یہ سلسلہ ختم ہونے پر صدر ضیاء الحق مصنف کو خدا حافظ کہتے ہوئے پرجوش مصافحہ کر رہے ہیں

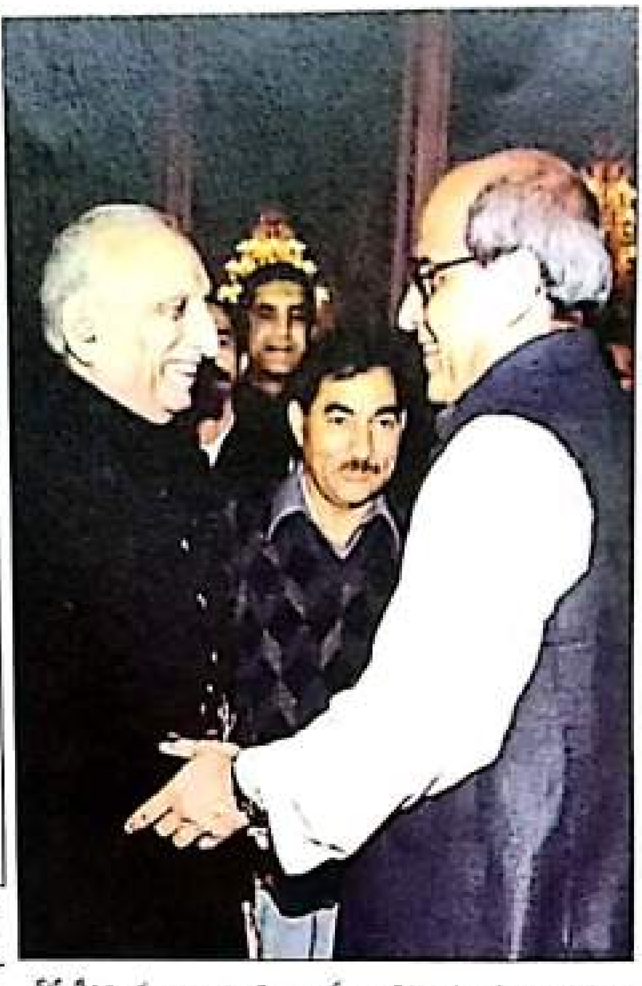

اسلام آباد، وزیر خارجہ میجر جنرل (ر) یعقوب خان کی صدر فاروق لغاری اور مصنف کے ساتھ خوشگوار گفتگو

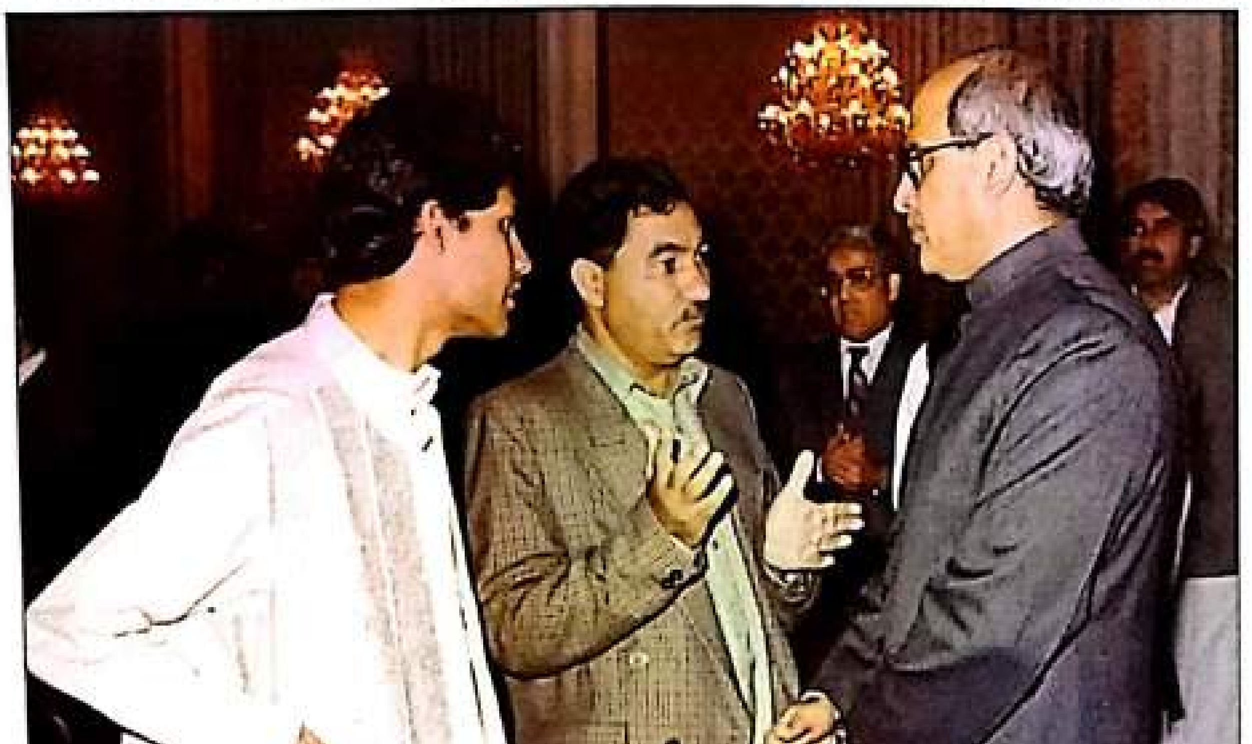

ایوان صدر اسلام آباد، مصنف صدر فاروق لغاری سے مصروف گفتگو ہیں

1977ء مصنف آزاد کشمیر کے چار مرتبہ صدر منتخب ہونے والے سردار محمد ابراہیم خان
کے ساتھ انکی راولاکوٹ کی نجی رہائش گاہ پر بطور صدارتی مہمان

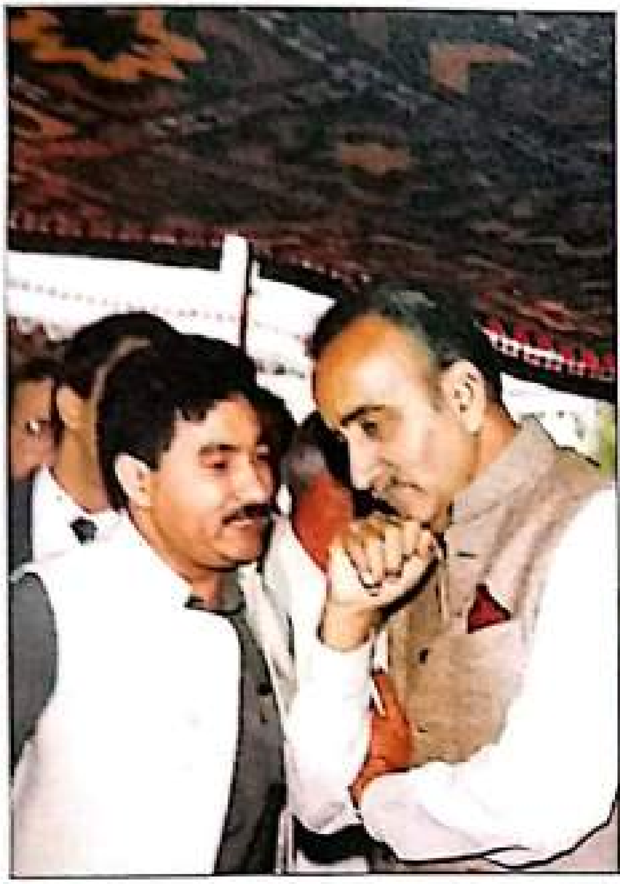

اسلام آباد، پی ٹی وی کی نئی عمارت کے افتتاح کی تقریب میں مصنف
کی باتیں وزیر اعظم محمد خان جونیجو انہماک سے سن رہے ہیں

جمعیت العلمائے پاکستان کے مرکزی لیڈر عبدالستار نیازی سے مصنف انٹرویو کر رہے ہیں

ایوان صدر اسلام آباد میں صدر پاکستان مسٹر جسٹس رفیق تارڑ مصنف کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں

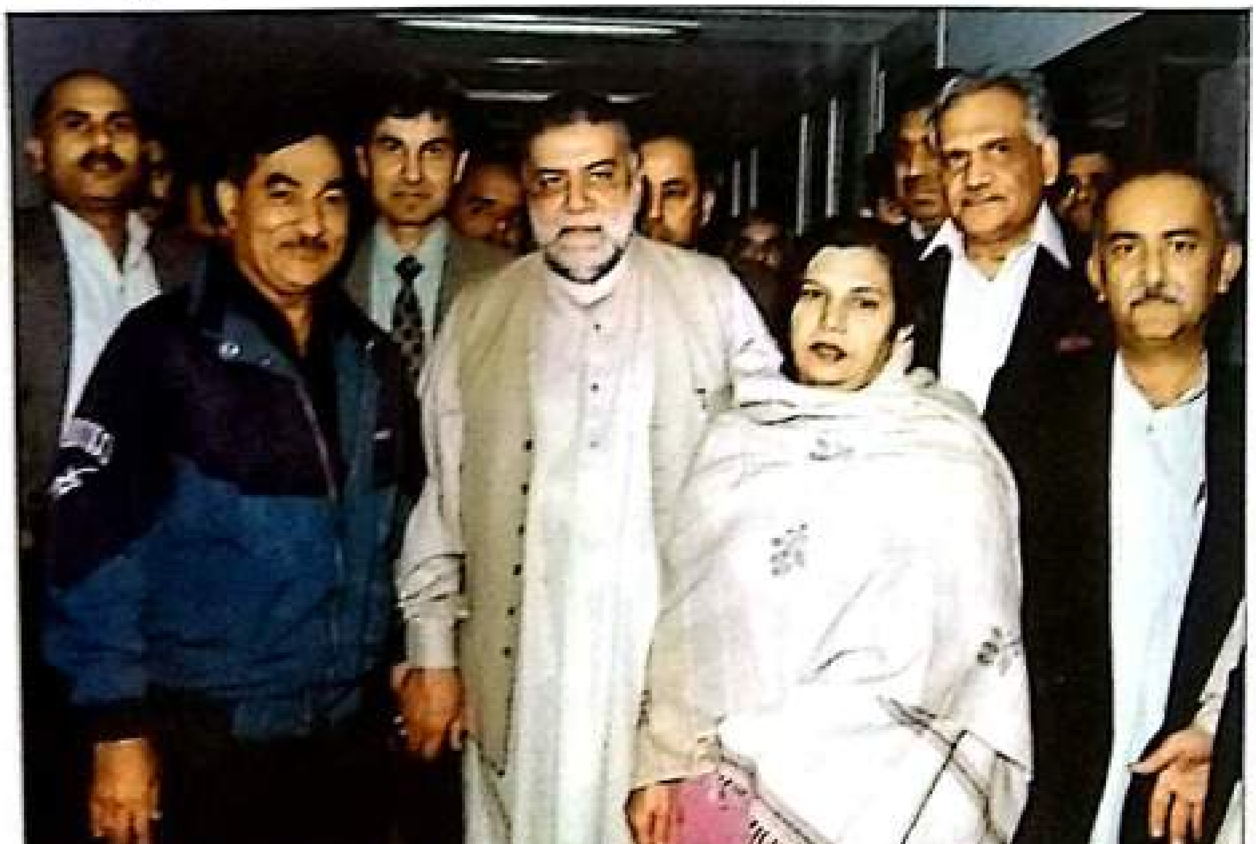

اسلام آباد، وزیر اعظم میر ظفر اللہ خان جمالی کی مصنف اوران کی اہلیہ کے ساتھ خصوصی تصویر

Scanned with CamScanner

زمیندار ڈگری کالج (موجودہ گجرات یونیورسٹی) سے فارغ التحصیل ہونے پر وفاقی وزیر تعلیم محمد علی ہوتی مصنف کو رول آف آنر عطا کر رہے ہیں

صدر غلام اسحٰق خان ایوان صدر اسلام آباد میں مصنف اور ان کے بیٹے شہزاد خالد
(موجودہ ڈائریکٹر بحریہ یونیورسٹی اسلام آباد، لاہور، کراچی) کے ساتھ

Scanned with CamScanner

13 ستمبر 2016، مصنف (بائیں سے پہلے) سعودی بادشاہ سلمان بن عبدالعزیز اور ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان، وزیر اعظم نواز شریف، وزیر اعلیٰ شہباز شریف کے ساتھ ظہرانے کی میز پر

سانحہ بہاولپور کے دوسرے دن صداقت پر مبنی سکوپ خبر دینے پر آئی ایس آئی کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل حمید گل نے مصنف کو حراست میں اس وقت کے ایئر چیف مارشل حکیم اللہ خان کے کہنے پر لے لیا۔ سینٹ آف پاکستان سے پریس گیلری کا مسلسل بائیکاٹ ہوا۔ ڈان کی لیڈی رپورٹر نے ڈان کے صفحہ آخر پر چار کالمی باکس نیوز شائع کی ملک بھر کے اخبارات نے خبریں شائع کیں بالآخر میر خلیل الرحمٰن کی صدر غلام اسحاق سے دو ملاقاتوں کے بعد مصنف کو بے قصور ہونے پر رہا کیا گیا اس مشکل وقت میں وزراء چوہدری شجاعت حسین، محمود اے ہارون نے خصوصی تعاون کیا۔ چیف آف ایئر سٹاف نے مصنف کو ہونے والی ذہنی جسمانی اذیت کے ازالے کیلئے مصنف اُنکے صاحبزادوں کو چک لالہ ایئر بیس پر ٹھہرانے کی دعوت دی اس موقع پر لی گئی مصنف ایئر چیف مارشل اور مصنف کے بیٹے سہیل خالد کی پاک فضائیہ کے سربراہ کے ساتھ خصوصی تصویر

نیو یارک 2000ء اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سالانہ سیشن کے موقع پر امریکی وزیر خارجہ کولن پاول سے مصنف کی اہم ملاقات

Scanned with CamScanner

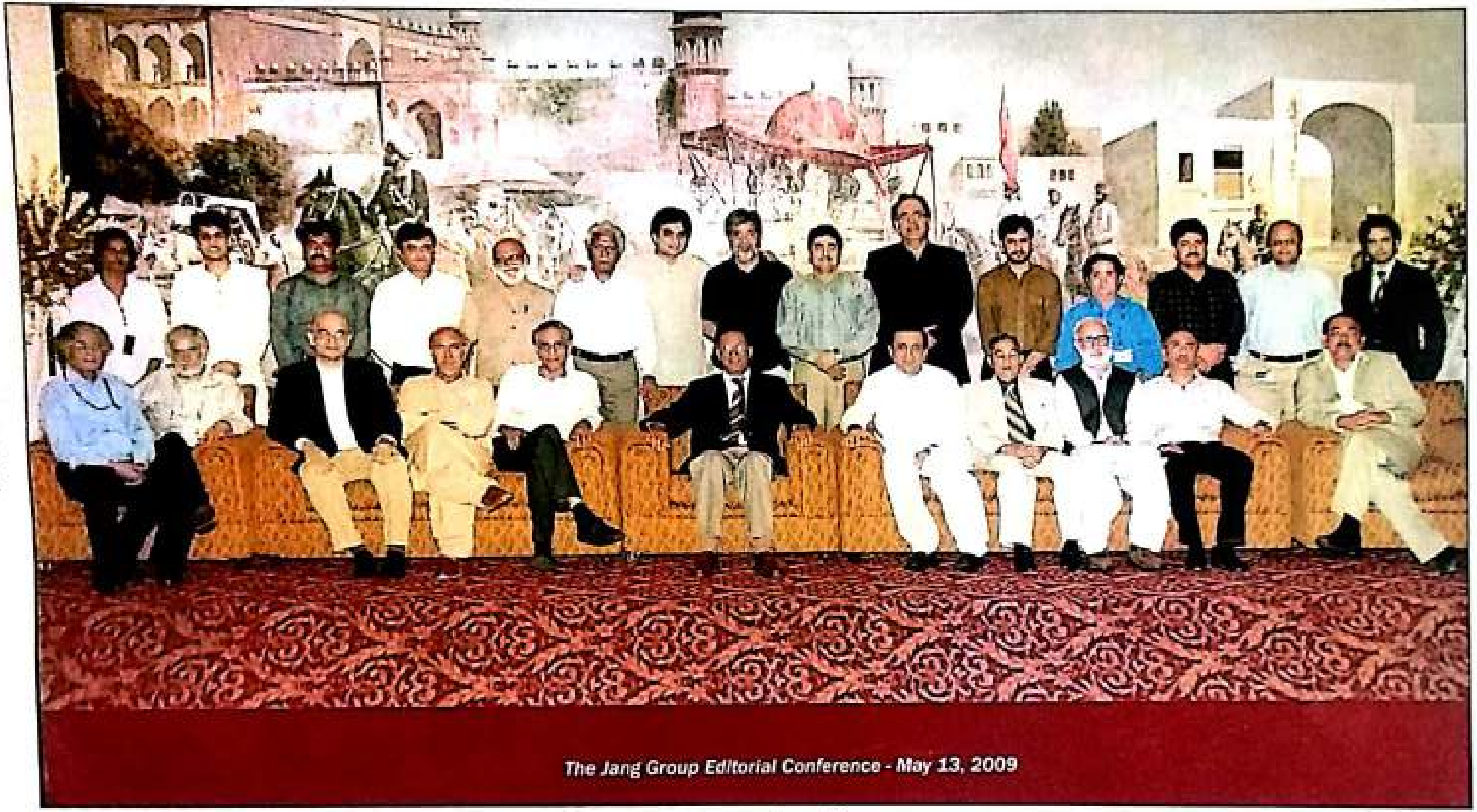

13 مئی 2009ء جنگ گروپ ایڈیٹوریل کانفرنس کے شرکاء کا گروپ فوٹو مصنف ایڈیٹر انچیف میر شکیل الرحمٰن کے ساتھ سینئر صحافی رحیم اللہ یوسف زئی، نذیر لغاری، غازی صلاح الدین، کامران خان، ناصر بیگ چغتائی، عمران سلیم، اظہر عباس، عبدالمالک، حامد میر، سلیم صافی، میر ابراہیم رحمٰن، محمد سلیمان، افتخار احمد، ڈاکٹر شاہد مسعود نمایاں ہیں

جنگ گروپ کے ایڈیٹر انچیف میر شکیل الرحمٰن کی مصنف کی اپنے بھتیجے مرکزی عہدیدار اخبار فروش یونین لاہور الیاس چوہدری کے ساتھ ایک تصویر

سپریم کورٹ کے سینئر جسٹس خلیل الرحمٰن اور چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر جسٹس اجمل میاں کو مصنف
جنگ گروپ کیخلاف اُس وقت کی حکومت کی زیادتیوں سے آگاہ کرتے ہوئے

Scanned with CamScanner

پنجاب ہاؤس اسلام آباد برصغیر پاک وہند کے معروف فلمسٹار دلیپ کمار ان کی اہلیہ مشہور اداکارہ سائرہ بانو کے ساتھ

برصغیر کے معروف عالم اداکار دلیپ کمار اور انکی اہلیہ فلمسٹار سائرہ بانو کا مصنف انٹرویو لیتے ہوئے

اسلام آباد نگران وزیر اعظم غلام مصطفےٰ جتوئی کے ساتھ مصنف، وفاقی وزیر اطلاعات سیدہ عابدہ حسین
وفاقی سیکرٹری اطلاعات مظہر رفیع اے ڈی سی کیپٹن صفدر موجودہ داماد نواز شریف کے ساتھ

مصنف مکہ مکرمہ میں حرمین الشریفین پریذیڈنسی کے صدر امام کعبہ عبداللہ بن سبیل کی رہائش گاہ پر انٹرویو کرتے ہوئے

میریٹ اسلام آباد میں 27 دسمبر 1995ء کو مصنف اہلیہ کے ہمراہ صاحبزادی کی شادی کے موقع پر وزیر اعظم بینظیر بھٹو کے استقبال کیلئے جنگ گروپ کے چیئرمین میر جاوید الرحمن، اُس وقت کے جنگ کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر شورش ملک، سلمان فاروقی اور فلمساز غلام محمد کیساتھ قطار میں کھڑے ہیں

صدر ضیاء الحق 1985ء کے غیر جماعتی الیکشن میں مری برروری سکول کے پولنگ سٹیشن میں اپنی صاحبزادی اور مصنف کی موجودگی میں ووٹ ڈالتے ہوئے

1985-86ء کے بہترین قومی رپورٹر کا اے پی این ایس ایوارڈ ملنے کے بعد جنگ راولپنڈی میں مصنف کے اعزاز میں منعقدہ تقریب میں محمد احسن، فاروق اعظم، منظور جاوید، عباس بٹ، علی ظفر شاہ، پرویز شوکت، محمود احمد، شمس رضوی، اعجاز اقبال، جاوید اختر شریف خان فیروزپوری، مغیث اشرف بیگ، نذیر احمد، محمد سلیم اور امجد عباسی کے ہمراہ

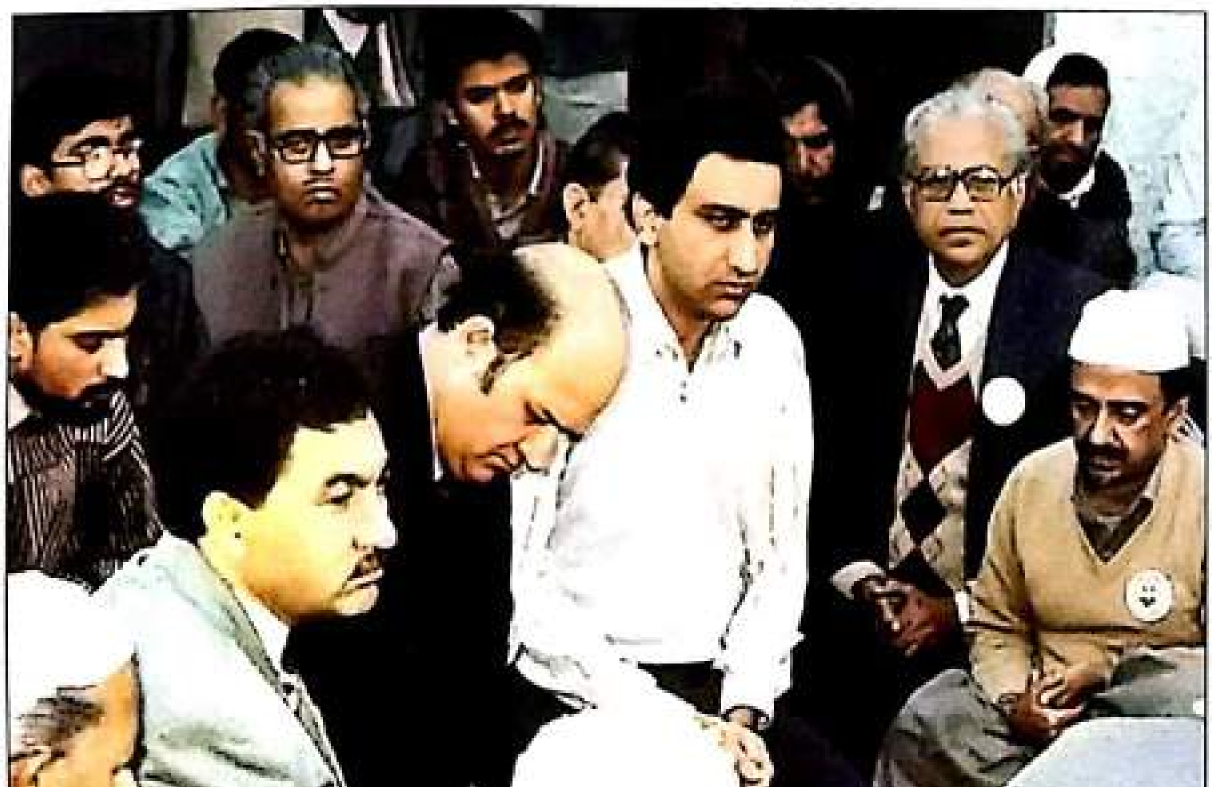

مارچ 1992، بانی جنگ گروپ میر خلیل الرحمٰن کے ایصال ثواب کیلئے جنگ راولپنڈی کی مسجد میں ہونے والی رسم چہلم میں مرحوم کے صاحبزادگان میر جاوید رحمٰن، میر شکیل الرحمٰن کے علاوہ مصنف کے ساتھ ارشاد احمد حقانی، فاروق اعظم، یاسین صابر، محمود خان اور دوسرے کارکنان ادارہ شریک ہیں

Scanned with CamScanner

یکم اگست 2017 کو ایوان صدر اسلام آباد میں وزیر اعظم کے عہدے کا حلف اٹھانے کے بعد
شاہد خاقان عباسی مصنف سے مصافحہ کرتے ہوئے صدر ممنون بھی موجود ہیں

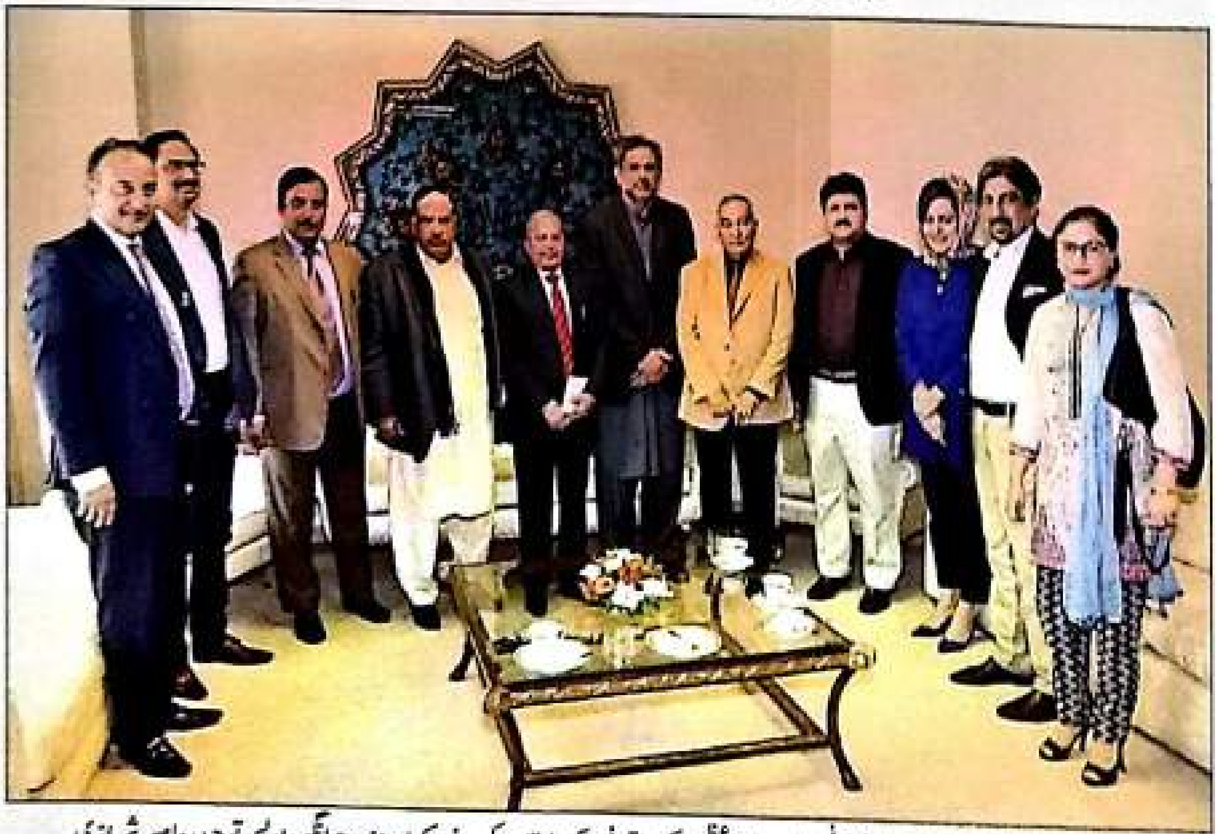

جنوری 2018 میں اسلام آباد پی ایم آفس میں وزیر اعظم کے ساتھ غیر رسمی ملاقات کرنے کے بعد منزہ جہانگیر، اویس توحید، عاصمہ شیرازی
حامد میر، حنیف خالد، وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی، طاہر خلیل، نواز رضا، طارق چوہدری، جاوید چوہدری، مصدق ملک کا گروپ فوٹو

Scanned with CamScanner

23 مارچ 2012ء ایوان صدر اسلام آباد، مصنف کو قومی اعزاز ''ستارہ امتیاز'' صدر پاکستان آصف علی زرداری پہنا رہے ہیں

صدر پاکستان آصف علی زرداری مصنف کو قومی اعزاز پہنا کر مسرت کا اظہار کر رہے ہیں

Scanned with CamScanner

اسلام آباد، جنگ گروپ کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر حنیف خالد ایوانِ صدر میں 5 جون 2017 کو صدر پاکستان ممنون حسین سے ملاقات کر رہے ہیں، چیئرمین سینٹ رضا ربانی اور چیف آف سٹیٹ پروٹوکول صاحبزادہ اے خان بھی موجود ہیں

اسلام آباد، صدر ممنون حسین مصنف کو ایف پی سی سی آئی گولڈ میڈل پہناتے ہوئے ایف پی سی سی آئی کے صدر عبدالرؤف عالم بھی ساتھ ہیں

Scanned with CamScanner

وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اسلام آباد میں مصنف کو لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ دے رہے ہیں

فارن پریس سنٹر ٹوکیو کے صدر عرفان صدیقی جنگ کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر حنیف خالد کو اپنے رفقاء کے ساتھ شیلڈ پیش کر رہے ہیں

Scanned with CamScanner

اسلام آباد، وزیر اعظم بینظیر بھٹو دور کی وزیر تعلیم شہناز وزیر علی مصنف کو ایوارڈ دیتے ہوئے

اسلام آباد، وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف روزنامہ جنگ کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر حنیف خالد کو لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ دیتے ہوئے، چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر میاں پرویز اسلم، اسد مشہدی، شعبان خالد بھی موجود ہیں

مصنف خانہ کعبہ میں حجر اسود کا بوسہ لیتے ہوئے' دو بار مصنف کو پاکستان کے وزیر اعظم کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر نوافل ادا کرنے کی سعادت ملی

Scanned with CamScanner

صدر آصف علی زرداری ایوان صدر اسلام آباد میں مصنف کے ساتھ کیمرے کو پوز دیتے ہوئے

31 مارچ 2010ء کو ایوان وزیر اعظم اسلام آباد میں روزنامہ جنگ راولپنڈی کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر حنیف خالد، ترک صدر عبداللہ گل، وزیر اعظم گیلانی جنگ کا خصوصی کلر ایڈیشن دیکھ رہے ہیں جس میں ترک صدر، چیف آف جنرل سٹاف، وزیر خزانہ، وزیر تجارت کے خصوصی انٹرویوز اور خصوصی مضامین شائع کیے گئے ترک صدر نے اپنی پاکستان آمد پر جنگ گروپ کے اس خصوصی ایڈیشن کی اشاعت پر بے حد خوشی کا اظہار کیا تھا

ایوان وزیر اعظم اسلام آباد کا سبزہ زار پر وزیر اعظم میر ظفر اللہ خان جمالی کے ساتھ مصنف
وزیر اطلاعات سیدہ عابدہ حسین سیکرٹری اطلاعات سید انور محمود نمایاں ہیں

Scanned with CamScanner

وفاقی وزیر سیدہ قاسم شاہ، راولپنڈی چیمبر کے صدر شبیر احمد خان، نائب صدر اکرم اعوان کی موجودگی میں مصنف کو بہترین رپورٹر کا ایوارڈ دے رہے ہیں

اسلام آباد 2015 میں موجودہ گورنر سٹیٹ بینک آف پاکستان ایف بی آر ہیڈ کوارٹرز میں بطور چیئرمین مصنف کو ٹیکس ادائیگی کے حوالے سے
قوم میں بیداری پیدا کرنے والے قومی جرنلسٹ کا ایوارڈ دے رہے ہیں، ساتھ میں ایف بی آر کے تمام لائسنس ممبر صاحبان موجود ہیں

ٹوکیو، جاپان فارن پریس ایسوسی ایشن کے عہدیدار مصنف کو پاکستان کے سینئر صحافی کی ٹرافی دیتے ہوئے

وفاقی دارالحکومت کے چیمبر کے عہدیدار مصنف کو سالانہ ایوارڈ دے رہے ہیں

Scanned with CamScanner

اسلام آباد، سعودی سفیر کی رہائش گاہ پر سعودی ناظم الامور مروان بن رضوان میرداد کی طرف سے ایڈیٹرز اور سینئر صحافیوں کے اعزاز میں دیئے گئے افطار ڈنر میں جنگ گروپ کے سینئر صحافی حنیف خالد
شکیل ترابی، شاہد احمد، سعودی سفارتخانے کی مس ریحانہ، مس شیبا، مس نیئر، ملک منظور اور دیگر کا گروپ فوٹو

ایوانِ صدر اسلام آباد کے سبزہ زار پر صدر ممنون حسین کی طرف سے دی گئی ضیافت میں مصنف کا صدر ممنون حسین اور دوسرے مدعوئین کے ساتھ گروپ فوٹو

Scanned with CamScanner

1990ء کے عشرے میں مصنف شمالی علاقہ جات کی دلکش جھیل کے کنارے وزیر اعظم محمد نواز شریف
کے ساتھ صدیق الفاروق اور پریس سیکرٹری جاوید اختر بھی موجود ہیں

جنگ گروپ کے ایڈیٹر انچیف میر شکیل الرحمٰن کی قیادت میں جنگ پینل (مصنف سمیت) جنرل پرویز مشرف کا آرمی ہاؤس راولپنڈی میں انٹرویو کرتے ہوئے

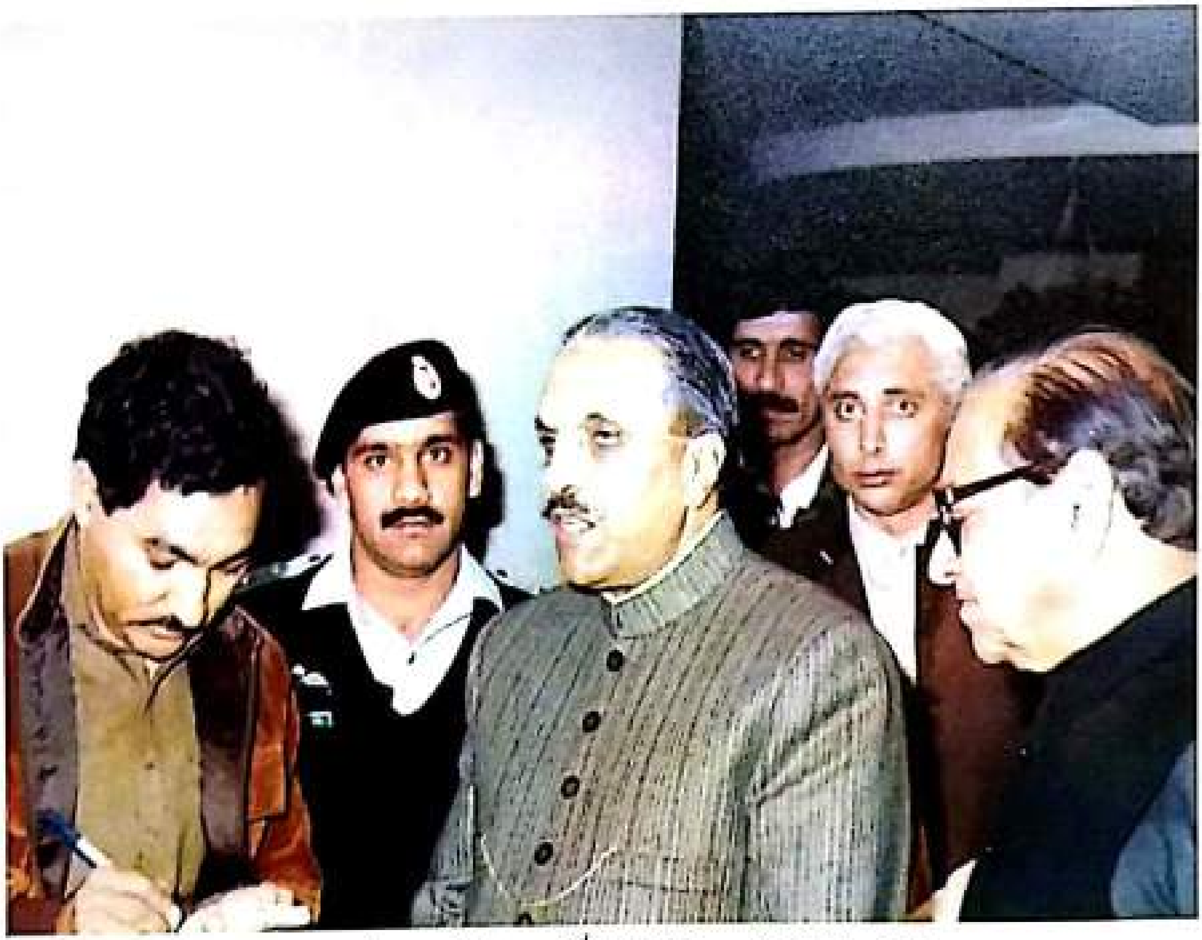

مصنف راولپنڈی میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق سے سوالوں کا جواب لیتے ہوئے

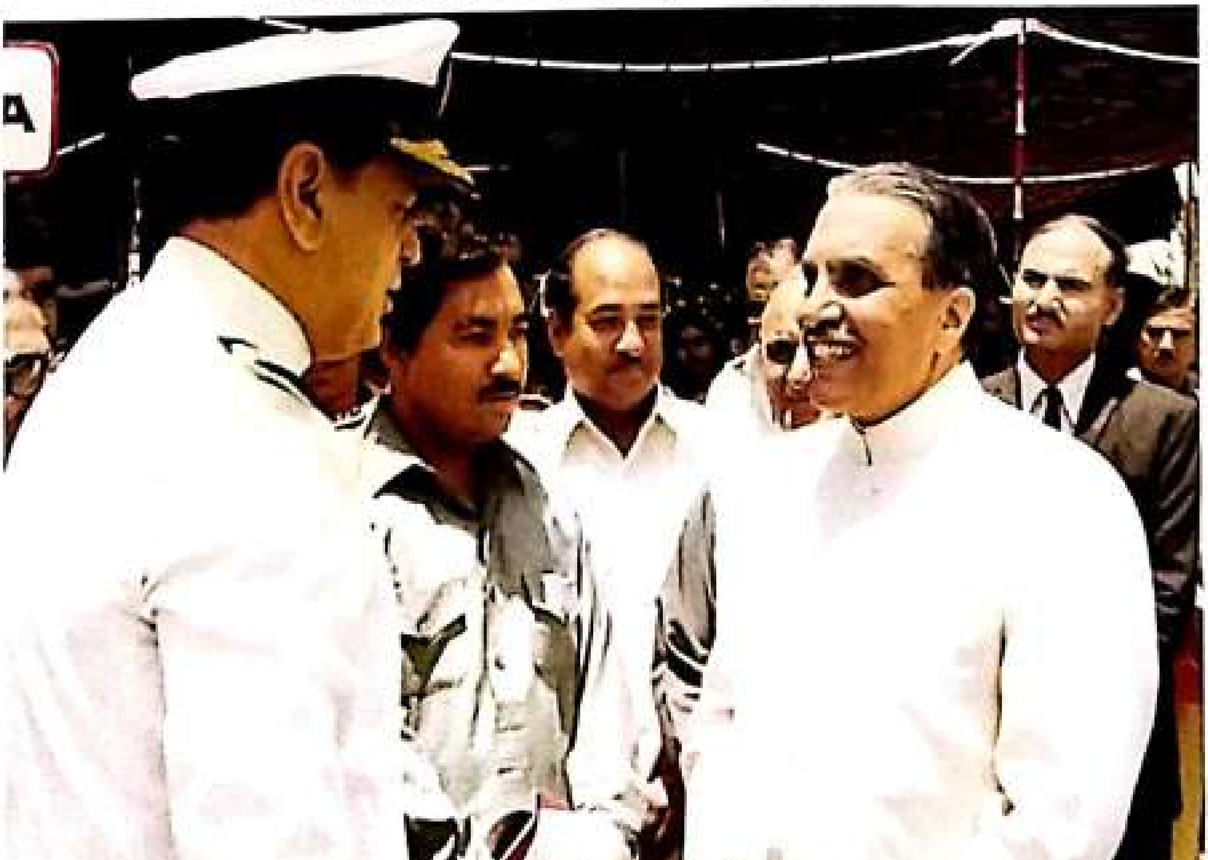

صدر ضیاء الحق خوشگوار موڈ میں نیوی کے سینئر عہدیدار سے مصنف کی موجودگی میں گفتگو کر رہے ہیں

Scanned with CamScanner

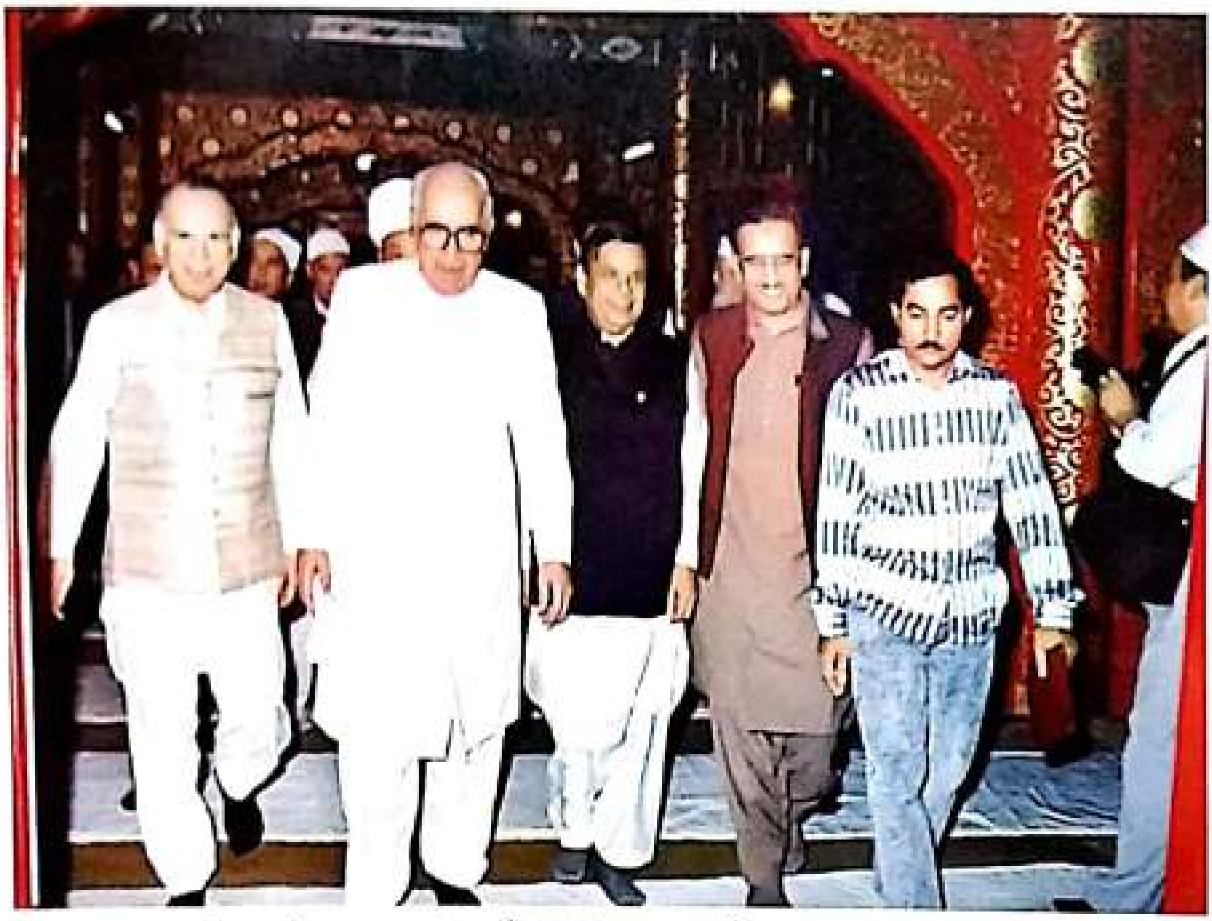

دورہ چین کے دوران مصنف، صدر غلام اسحاق خان، سیکرٹری جنرل خارجہ اکرم ذکی، فصیح اقبال کیساتھ مقدس مقام کی زیارت کرنے کے بعد

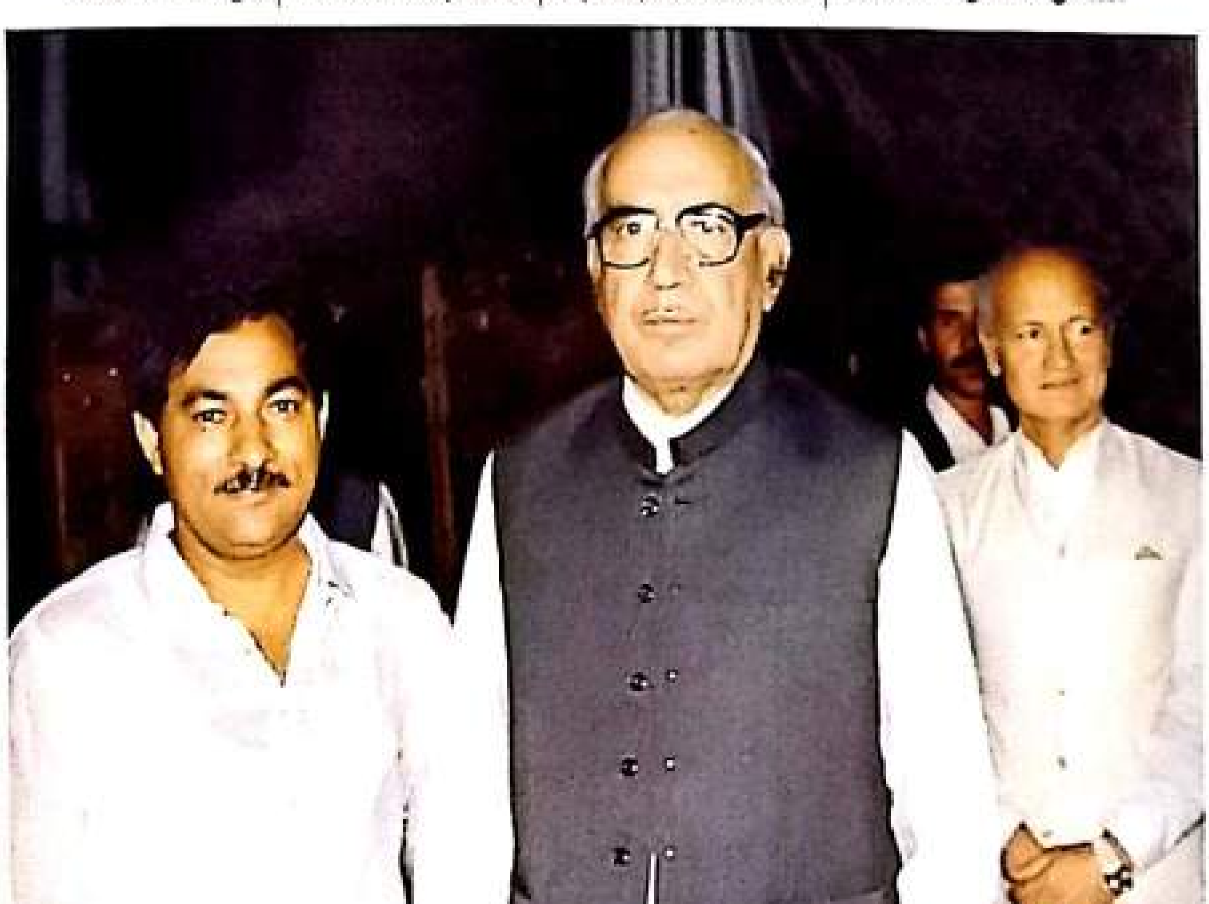

ایوان صدر اسلام آباد میں مصنف صدر پاکستان غلام اسحٰق خان کے ساتھ پی او ایف کے سابق چیئرمین لیفٹیننٹ جنرل (ر) طلعت مسعود بھی نظر آ رہے ہیں

مسئلہ فلسطین کو دنیا بھر میں اجاگر کرنے کیلئے طیارہ اغواء کرنیوالی معروف عرب مجاہدہ لیلیٰ خالد سے مصنف انٹرنیشنل کانفرنس کے دوران انٹرویو لے رہے ہیں

مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ مکہ مکرمہ اجیاد ہوٹل میں جنگ کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر حنیف خالد کو انٹرویو دے رہے ہیں

اسلام آباد: بنگلہ دیش کے میڈیا وفد کا پی آئی او محمد سلیم، ڈی جی ای پی شفقت جلیل اور میڈیا نمائندوں کے ہمراہ گروپ فوٹو

سقوطِ ڈھاکا کے بعد پاکستان کے وفادار بنگالی لیڈر محمود علی کا انٹرویو کرنے والے پینل میں
(بائیں سے) مصنف حنیف خالد، محمود علی، شورش ملک، فاروق اعظم

ترکی میں ناکام بغاوت کا ایک سال مکمل ہونے پر ترک صدر رجب طیب ایردوآن کی خصوصی دعوت پر جانیوالے پاکستانی
صحافیوں کے اعزاز میں دیئے گئے عشائیہ میں پاکستانی ہائی کمشنر سہیل محمود کا دیگر شرکاء کے ہمراہ گروپ فوٹو

Scanned with CamScanner

اسلام آباد، 3 جولائی 2017ء ایف بی آر ہیڈکوارٹر میں ایف بی آر کے نئے چیئرمین طارق محمود پاشا، سبکدوش ہونے والے چیئرمین ڈاکٹر محمد ارشاد کا سینئر ممبر رحمت اللہ خان وزیر سمیت ممبر صاحبان اور جنگ گروپ کے سینئر صحافی حنیف خالد کے ساتھ گروپ فوٹو

اسلام آباد، 3 جولائی 2017ء ایف بی آر کے چیئرمین طارق محمود پاشا کے عہدہ سنبھالنے اور ڈاکٹر محمد ارشاد کے ریٹائر ہونے پر دیے گئے ڈنر میں مصنف کو میزبان چیئرمین ایف بی آر طارق پاشا لے کر چل رہے ہیں

Scanned with CamScanner

مصنف 20 جولائی 2018 بحیرہ روم کے ساحل پر روایتی ریستوران
میں صدر کی طرف سے دیے گئے ڈنر کے موقع پر پوز دیتے ہوئے

18 جولائی 2018 کو نکوسیا میں شمالی قبرص کے
صدر مصطفےٰ آکنسی مصنف کو خوش آمدید کہتے ہوئے

نکوسیا، 19 جولائی 2018 شمالی قبرص کے صدر مصطفےٰ آکنسی کے بائیں مصنف دوسرے بین الاقوامی میڈیا ممبروں کے ساتھ

Scanned with CamScanner

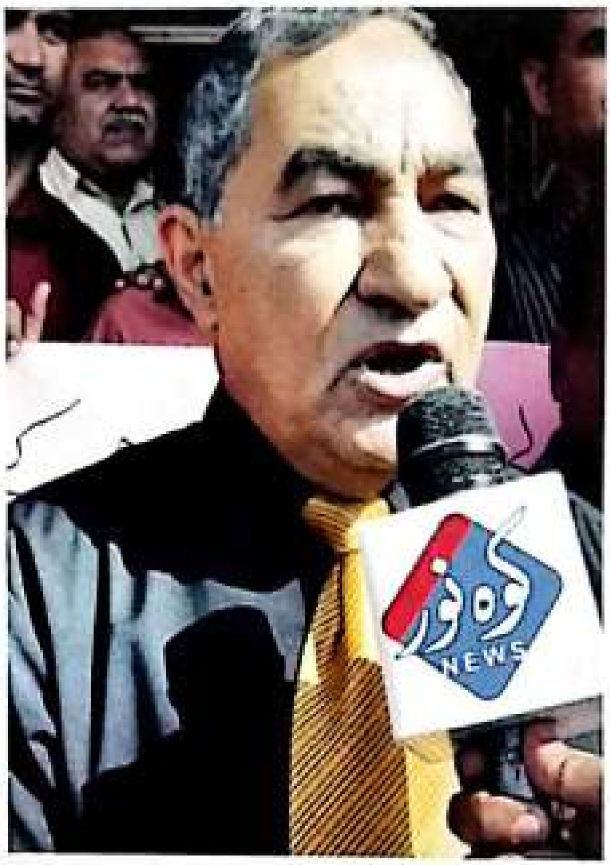

جنگ جیو کے خلاف جنرل مشرف حکومت کے ایکشن کے خلاف
مصنف اسلام آباد میں چینلوں کو انٹرویو دیتے ہوئے

مصنف جنگ گروپ کیخلاف پرویز مشرف حکومت کے مظالم پر جنگ راولپنڈی
بلڈنگ کے سامنے مظاہرے کی قیادت کے دوران انٹرویو دیتے ہوئے

جنرل پرویز مشرف حکومت کے جیو جنگ کیخلاف ظالمانہ اقدامات پر مصنف (بحیثیت) ریذیڈنٹ ایڈیٹر راولپنڈی احتجاج کرتے ہوئے

Scanned with CamScanner

مصنف جنگ گروپ کیخلاف پرویز مشرف حکومت کے مظالم پر جنگ راولپنڈی بلڈنگ
کے سامنے مظاہرے کی قیادت کے دوران انٹرویو دیتے ہوئے

اوسلو ناروے کی انٹرنیشنل ٹیلی نار کمپنی کے چیف ایگزیکٹو آفیسر کے ساتھ مصنف اور وفد کی خصوصی تصویر

Scanned with CamScanner

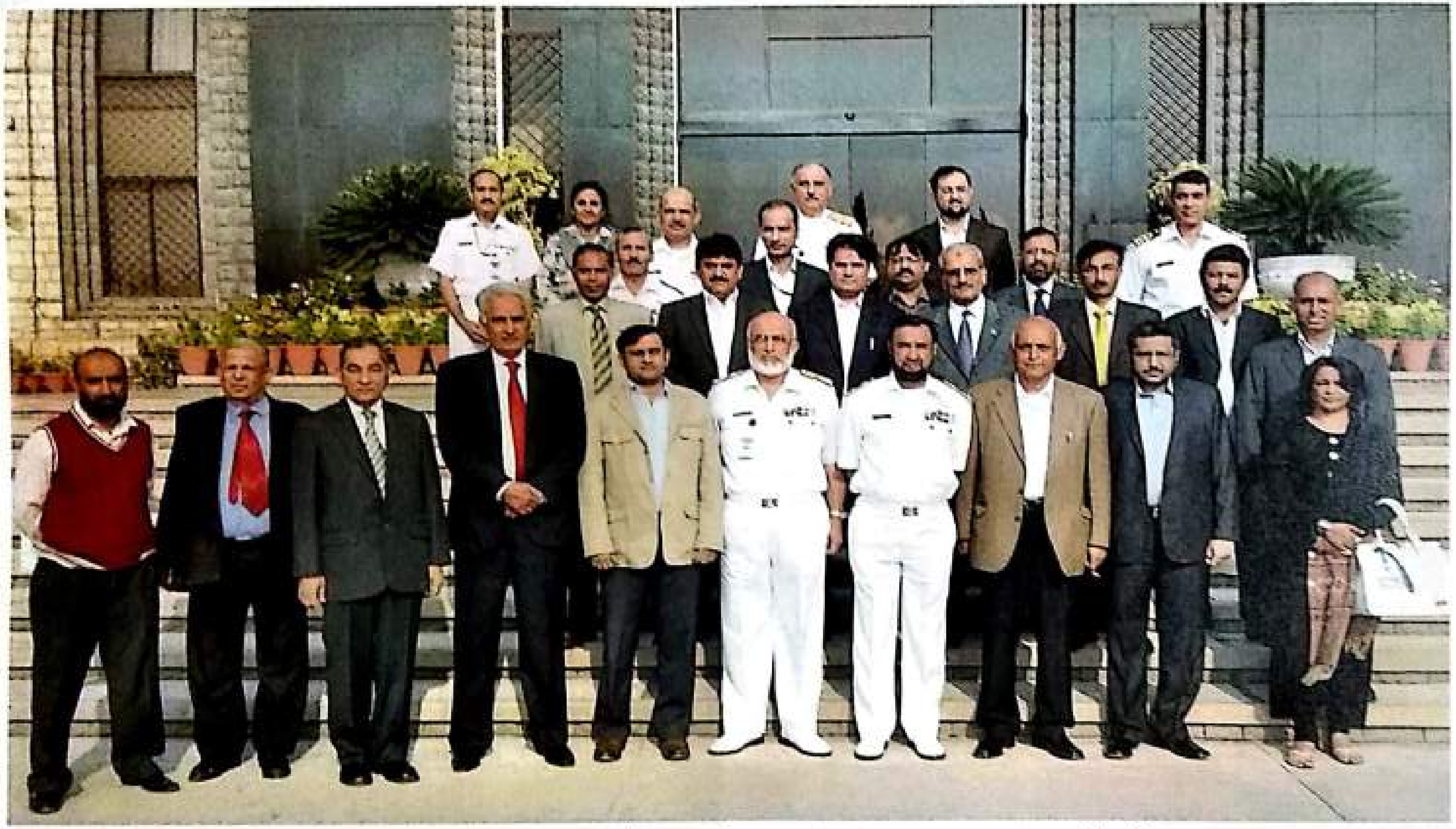

نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی اسلام آباد میں این ڈی کورس کرنے والوں کا گروپ فوٹو پہلی رو میں مصنف، مہتاب خان نمایاں نظر آرہے ہیں

معروف آرٹسٹ بشریٰ انصاری کے انٹرویو کے موقع پر مصنف، اہلیہ سلمیٰ خالد، بیٹی شازیہ خالد، بیٹے سہیل خالد کا گروپ فوٹو

وزیراعظم محترمہ بینظیر بھٹو اسلام آباد میریٹ کے کرسٹل ہال میں مصنف کی بیٹی شازیہ خالد اور ارکان فیملی کے ساتھ خصوصی پوز دیتے ہوئے

Scanned with CamScanner

مصنف کے والد مرحوم کی اسلام آباد کی رہائش گاہ کے سامنے لی گئی تصویر

مصنف اپنی اہلیہ کے ساتھ وادی ناران میں

Scanned with CamScanner

امریکہ کے دورے کے دوران مصنف کے ساتھ امریکی میزبان

امریکی ریاست آرکنساس کے فارم ہاؤس کے مالک خاندان کی طرف سے مصنف کے اعزاز میں
دیے گئے عشائیے کے بعد میزبان میاں بیوی بچی کا گروپ فوٹو

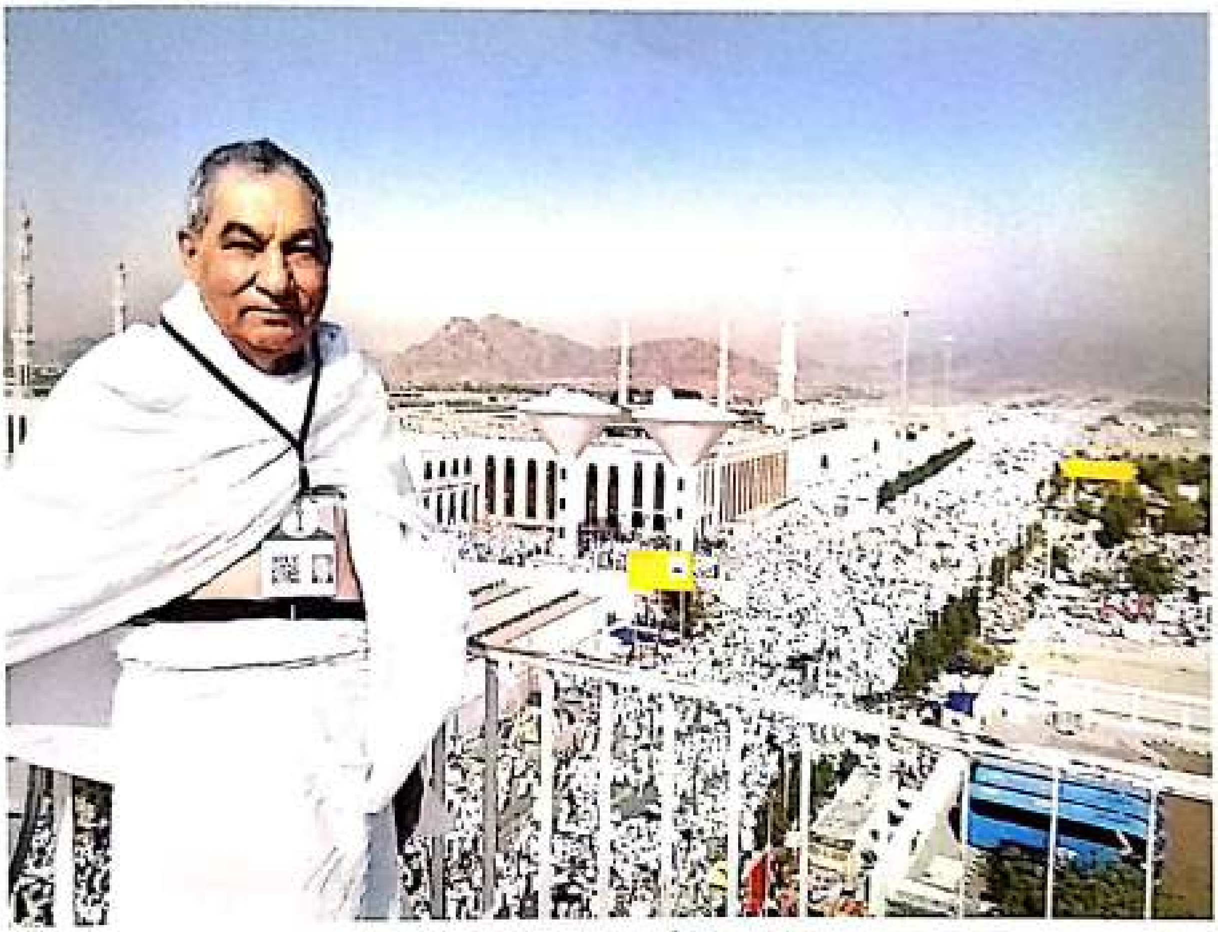

میدان عرفات 2016، سعودی بادشاہ سلمان بن عبدالعزیز کی دعوت پر فریضہ حج کے دوران مصنف کی مسجد نمرہ کے ساتھ خصوصی تصویر

چین کی انٹرنیشنل آئی ٹی کمپنی ہوآوے کے ہیڈکوارٹرز کے دورے کے دوران مصنف میزبان ونسنٹ (VINCENT) کے ساتھ

Scanned with CamScanner

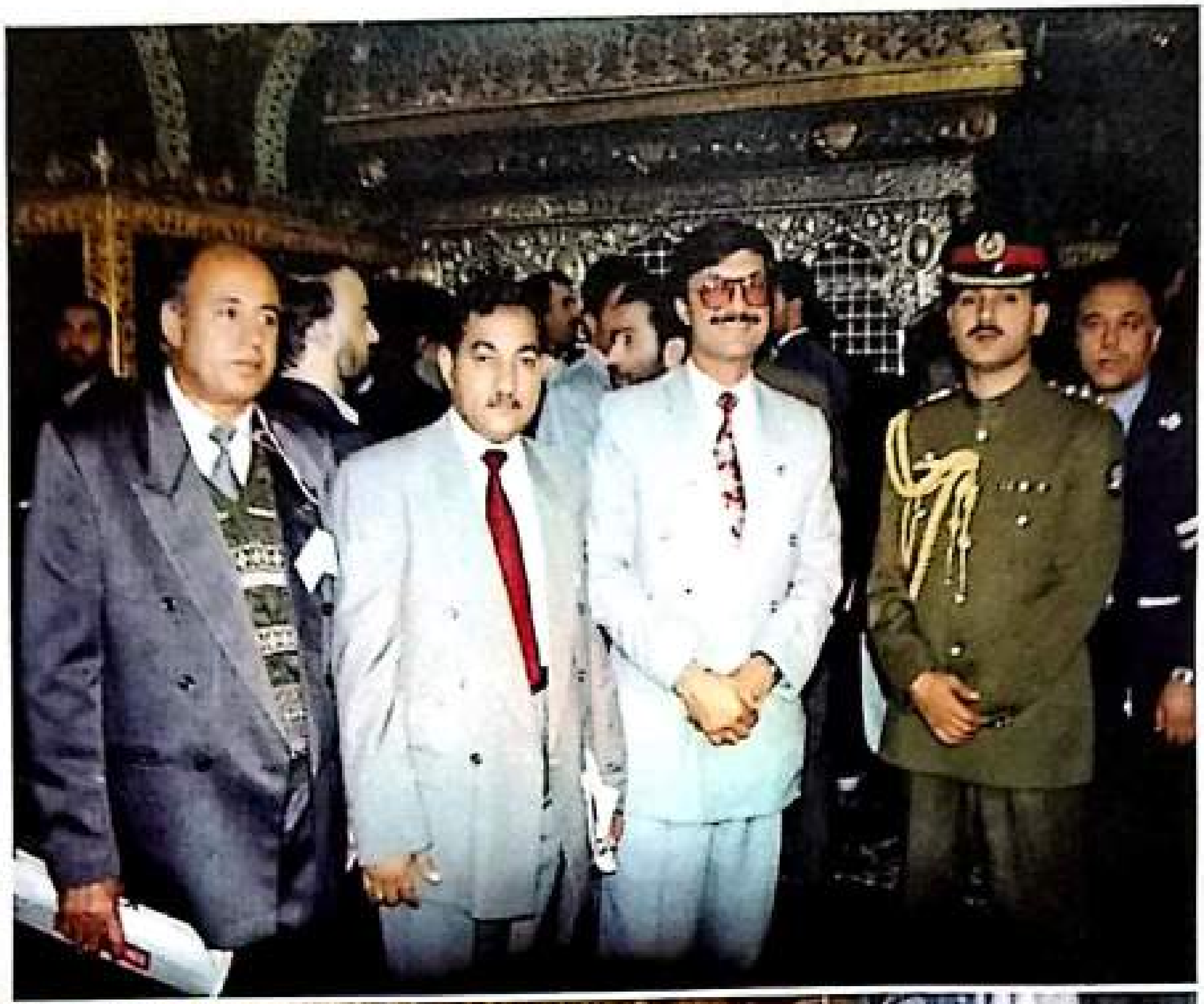

دورہ عراق کے دوران مصنف کی مقدس مقامات کے سامنے خصوصی تصاویر

Scanned with CamScanner

مصنف کی کربلا معلی میں شہداء کے مزار کے ساتھ تصویر

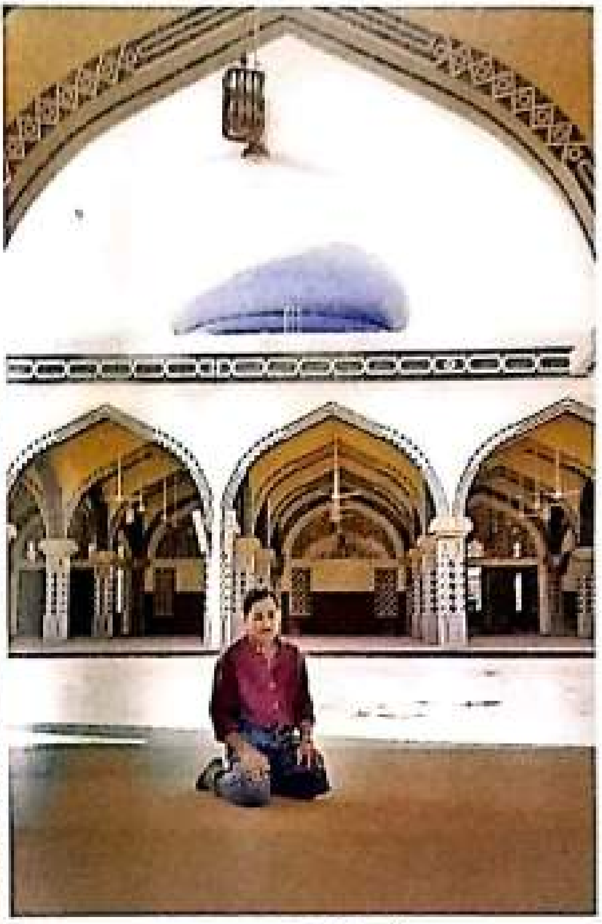

مصنف دمشق شام کی مسجد زینب میں دوزانو ہیں

بے نظیر دور میں مقامات مقدسہ کے سامنے مصنف کی اس دور کے وزیر مذہبی امور سردار بہادر خان اور دوسرے ارکان کے ساتھ تصویر

Scanned with CamScanner

مصنف کوالالمپور میں اسلامی سربراہ کانفرنس کی کوریج کرنے والے بین الاقوامی صحافیوں کے گروپ میں

1982 فلپائن میں سی ایف اے کی فیلوشپ کے موقع پر مصنف طیلا کے گاؤں کا دورہ کرتے ہوئے

Scanned with CamScanner

اوسلو، ٹیلی نار کے عالمی ہیڈکوارٹرز کے دورے کے دوران مصنف میزبانی کا لطف اٹھاتے ہوئے

پاکستان کے سفیر نے ٹوکیو میں مصنف کے اعزاز میں ظہرانہ دیا میزبان اور دوسرے مہمان عرفان صدیقی اور نورالعوان ملک بھی موجود

Scanned with CamScanner

2016 ٹوکیو کے نارتیا ایئرپورٹ پر نمائندہ جنگ عرفان صدیقی مصنف کا خیر مقدم کرتے ہوئے

اوسلو کے پرانے ایئرپورٹ کی بلڈنگ جسے ٹیلی نار نے آج کل اپنا ہیڈ کوارٹرز بنا رکھا ہے کے سامنے مصنف اور وفد کے ارکان کا گروپ فوٹو

اوسلو ٹیلی نار ہیڈکوارٹرز میں مصنف کو بریفنگ دی جا رہی ہے

لندن، برطانوی شاہی بینڈ وزیراعظم نواز شریف کے دورے کے موقع پر اور مصنف سمیت ان کے وفد کے ارکان کے سامنے فن کا مظاہرہ کر رہا ہے

Scanned with CamScanner

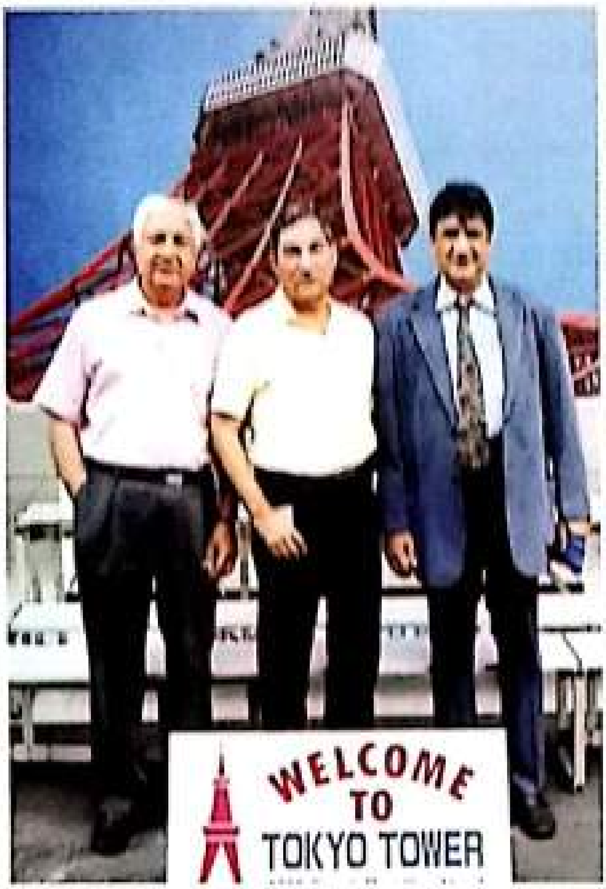

مصنف کا ٹوکیو ٹاور کے سامنے جاپان کے پاکستانی کارپٹ ڈیلر
چوہدری اشرف اور ان کے ساتھی کے ساتھ فوٹو

وزیر اعظم کے دورہ جاپان کے دوران ٹوکیو میں مصنف کی خصوصی تصویر

آبنائے باسفورس میں کروز کے دوران مصنف بحری سفر سے محظوظ ہوتے ہوئے

Scanned with CamScanner

ڈبلیوڈبلیو (ورلڈریسلنگ) نیویارک کے سامنے مصنف کی تصویر

برطانوی وزیراعظم کی ایک کنال رقبے پر مشتمل سرکاری رہائش گاہ ٹین ڈاؤننگ سٹریٹ لندن کے باہر مصنف
اور میڈیا کے ارکان اکرم شہیدی، رفیق گورایہ، نیوز کاسٹر ثریا شہاب کا گروپ فوٹو

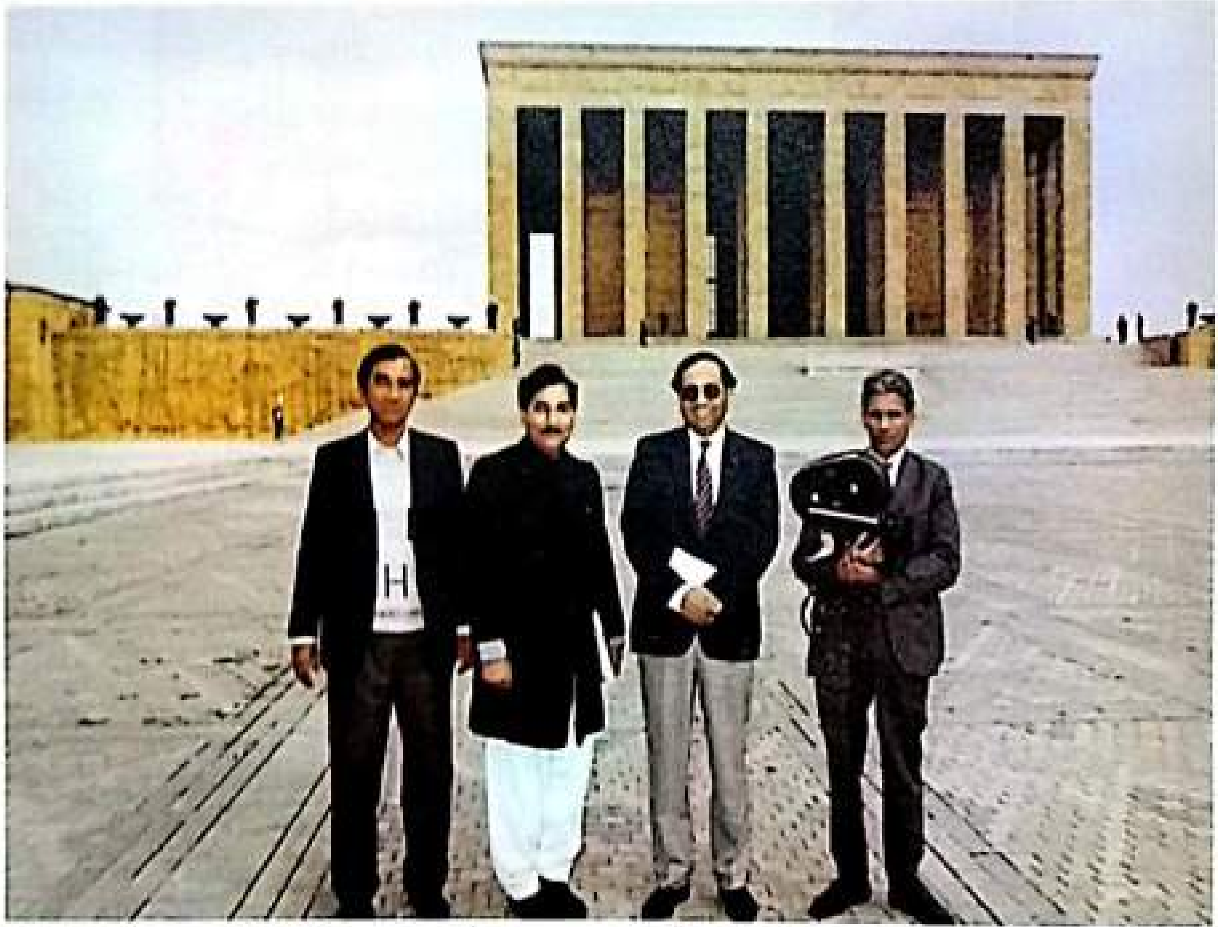

اتاترک کے مزار (انقرہ) کے سامنے مصنف کی ساتھی صحافیوں یاسین احتشام الحق اور ڈی ایف پی کیمرہ مین کے ساتھ فوٹو

مصنف بیجنگ، دیوارِ چین پر پاکستانی وفد میں شامل میڈیا کے ارکان سمیت کیمرے کو پوز دیتے ہوئے

مصنف کی نیوی پیئر (PIER) شکاگو کی ایک یادگار تصویر

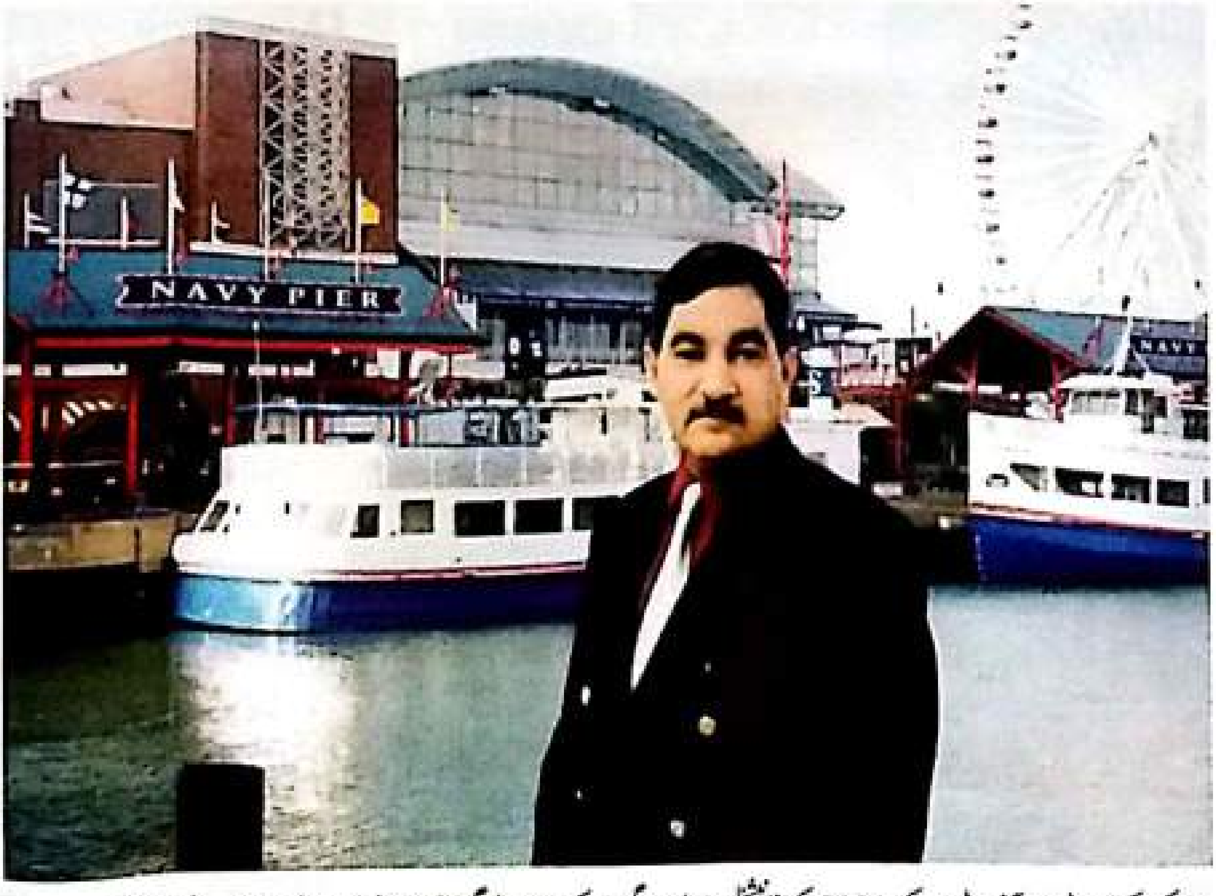

امریکہ کے ڈیپارٹمنٹ آف سٹیٹ کے 2001 کے انٹرنیشنل وزیٹرز پروگرام کے دوران شکاگو نیوی پیئر (PIER) پر مصنف یادگاری فوٹو بنوا رہے ہیں
دنیا کی اہم شخصیات بشمول برطانیہ کی بعد میں وزیر اعظم بننے والی مارگریٹ تھیچر نے بھی اس پروگرام میں قبل ازیں شرکت کی تھی

Scanned with CamScanner

ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن میں شاہی محل کے داخلے کے دروازے کے بالکل باہر مصنف کی تصویر
پس منظر میں شاہی سکیورٹی کا دستہ ہے ہمارے دارالحکومت میں ایسا سادہ سکیورٹی سسٹم کیوں نہیں ہے؟

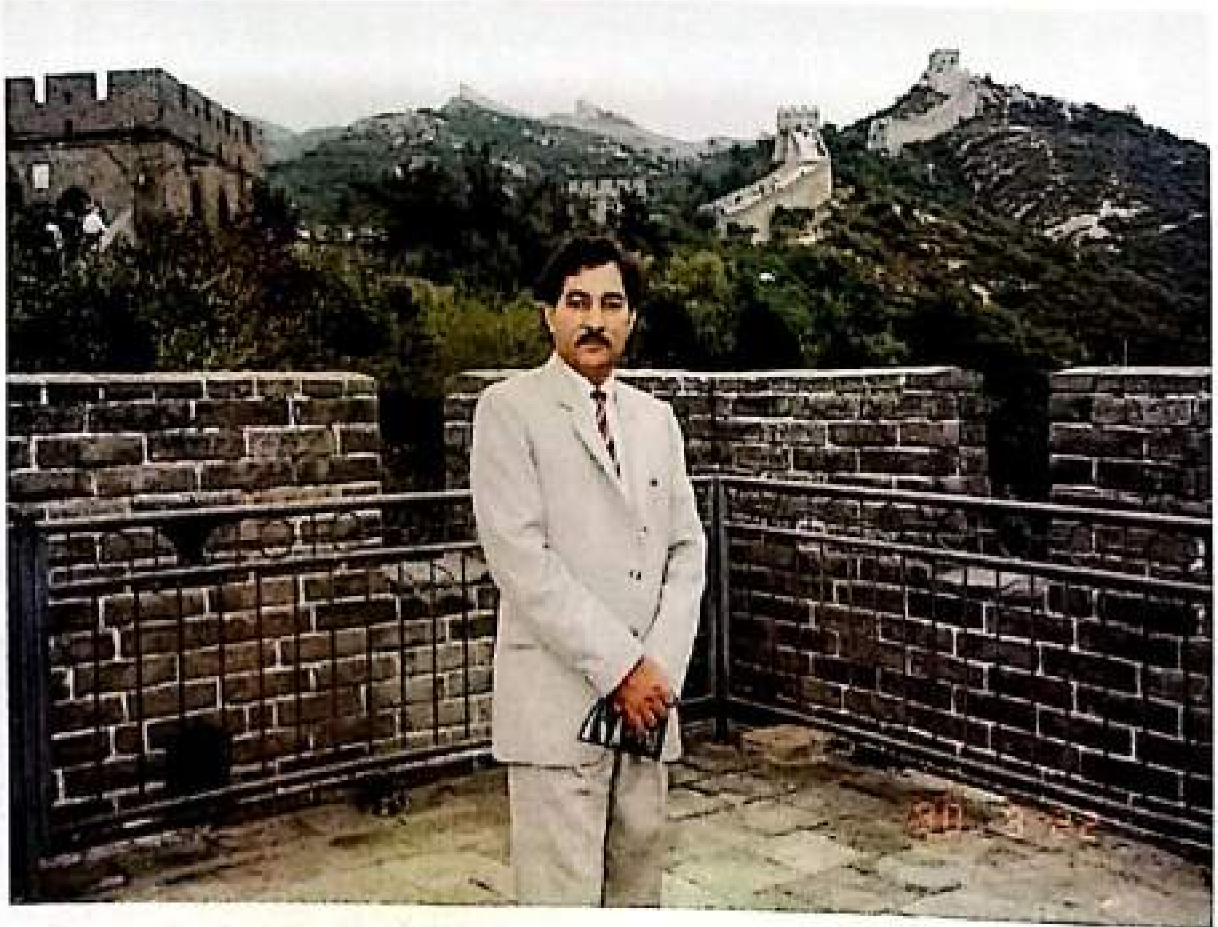

بیجنگ، دیوارِ چین کی سیر کے دوران مصنف کی خصوصی فوٹو

Scanned with CamScanner

2001 میں مجسمہ آزادی نیویارک نامی بجرے کے پس منظر میں مصنف کی یادگار تصویر

ٹوکیو میں وفادار کتے کے مجسمے کے ساتھ مصنف اور چوہدری اشرف کی تصویر، اس کتے نے مالک کے ایکسیڈنٹ میں مرجانے کے غم میں مالک کا کئی روز انتظار بغیر کچھ کھائے پئے کیا اور اسی مقام پر تڑپ تڑپ کر جان دیدی

Scanned with CamScanner

2001 میں شکاگو کے دورے کے دوران مصنف کی یادگار تصویر

ایک وقت کے بلند ترین ٹورنٹو ٹاور کے سامنے مصنف اور سکندر بیدار بخت کھڑے ہیں

2000ء، نیویارک آزادی کے مجسمے سے متصل دریا کے کنارے مصنف پی پی پی امریکہ کے رہنما خالد اعوان کے ساتھ

Scanned with CamScanner

لندن میں برطانوی پولیس کے دراز قد افسروں کے ساتھ مصنف کی ایک تصویر

سان فرانسسکو (امریکہ) کے تاریخی پل کے پس منظر میں مصنف کے جواں سال بھتیجے کی بار کی لی ہوئی تصویر

نیاگرا آبشار کے کینیڈین کنارے پر مصنف اپنے کزن سکندر بیدار بخت سے تصویر بنواتے ہوئے

2001 میں دنیا پر جنت قرار دیے جانے والے شہر سان فرانسسکو کے پس منظر میں مصنف کی تصویر

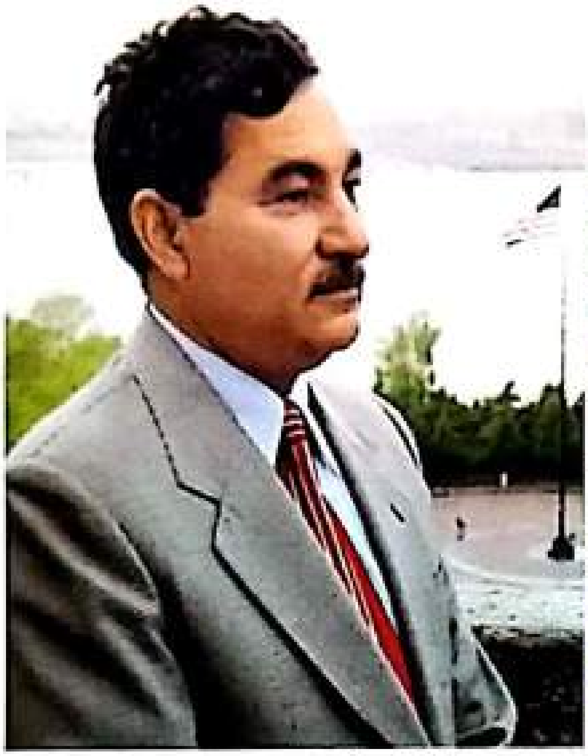

مصنف 2001 میں سان فرانسسکو کے تاریخی شہر میں سمندر کے کنارے تیز بحری ہوا میں تصویر بنواتے ہوئے

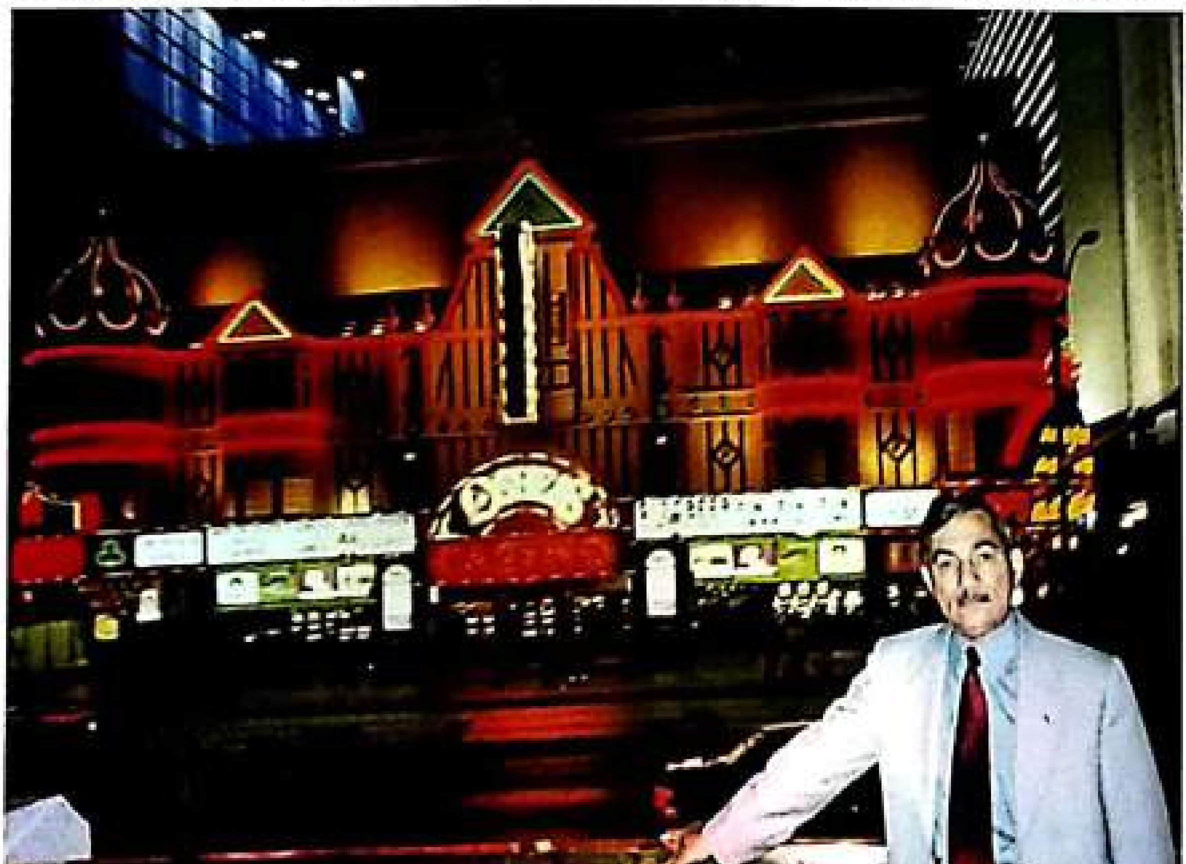

دنیا کے سب سے بڑے جوئے اور عشرت کدے لاس ویگاس میں نصف شب کے بعد اپنے بھتیجے بنی بابر سے تصویر بنواتے ہوئے

23 مارچ 2015 کو پاکستانی قونصلیٹ لاس اینجلس (امریکہ) میں مصنف مہمان خصوصی کی حیثیت سے یوم پاکستان کی سالگرہ کا کیک
قونصل جنرل حامد اصغر خان، ان کی اہلیہ مسز شمینہ حامد، وہائٹ ہاؤس کی ڈائریکٹر اور دوسری امریکی پاکستانی شخصیات کی موجودگی میں کاٹتے ہوئے

نیویارک میں پاکستانی نژاد امریکی صحافی آفاق فاروقی کی طرف سے ان کی رہائش پر مصنف
کے اعزاز میں دیے گئے عشائیے میں مصنف سے میزبان محو گفتگو ہیں

Scanned with CamScanner

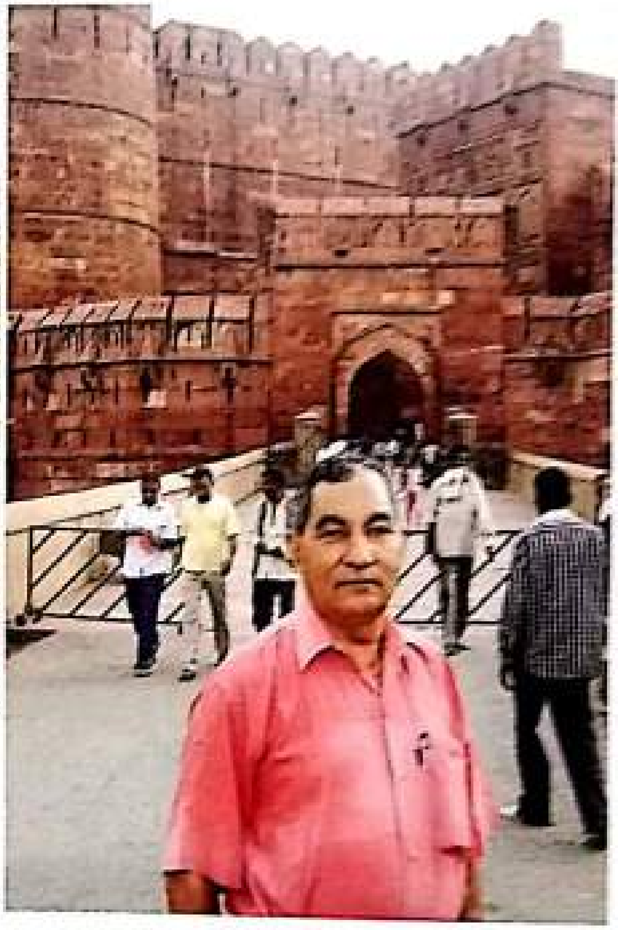

اردن کے شاہی محلات کے دورے کے دوران مصنف کی خصوصی تصویر

سان فرانسسکو کی معروف عالم سٹریٹ جہاں ماضی میں گھوڑے ریل گاڑی کھینچا کرتے تھے کے سامنے مصنف کی تندو تیز ہوا میں لی گئی تصویر

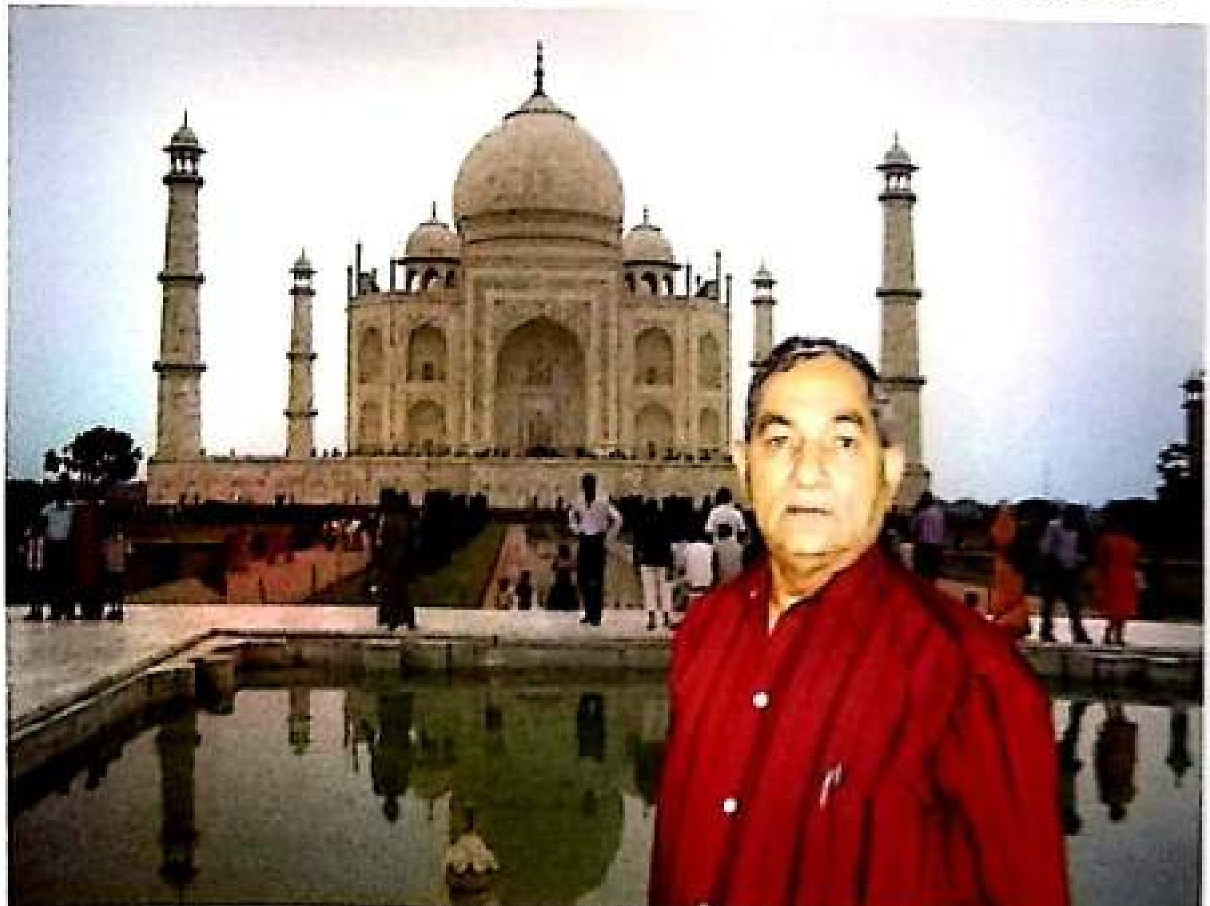

مصنف جنرل پرویز مشرف کے دورہ آگرہ کے دوران عجوبہ روزگار تاج محل کی سیر کرتے ہوئے

Scanned with CamScanner

گلگت بلتستان کے سینئر صحافیوں کا وفد مصنف سے جی بی ہاؤس اسلام آباد میں ملاقات کے موقع پر

اسلام آباد میریٹ، مصنف تہلکہ خیز گلوکارہ نازیہ حسن ان کے بھائی زوہیب حسن کے انٹرویو کے بعد اپنے رفیق کار اظہار بھٹی کے ہمراہ

Scanned with CamScanner

مکہ میں موتمر رابطہ عالم اسلامی کے سربراہ سے مصنف انٹرویو لیتے ہوئے

مصنف اسلام آباد ائرپورٹ پر امریکی نائب وزیر خارجہ سے گفتگو کرتے ہوئے

سرگودھا ایئر بیس پر ایف سولہ طیارے میں مصنف کی تصویر

مصنف کا سرگودھا آپریشن ضرب مومن کے دوران چیئرمین سینٹ وسیم سجاد، سیکرٹری قومی اسمبلی مسٹر گوراَیہ، ایئر چیف کے ساتھ گروپ فوٹو

Scanned with CamScanner

2017 میں روزنامہ جنگ راولپنڈی کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر حنیف خالد، ہمک میں ادارے کے نئے پرنٹنگ پریس کا بٹن دبا کر افتتاح کر رہے ہیں
تصویر میں ڈائریکٹر عابد عبداللہ، پروڈکشن منیجر سید کمال شاہ، چیف رپورٹر رانا غلام قادر، ایڈمن منیجر ملک نصرت اور پریس ٹیکنیشین بھی موجود ہیں

ٹوکیو کے ناریتا انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر مسلم لیگ (ن) جاپان کے صدر ملک نور اعوان، یونس ملک سمیت پاکستانی شخصیات کا گروپ فوٹو

ستمبر 2016ء اسلام آباد کلب میں جنگ گروپ کے سینئر صحافی حنیف خالد کو قومی اسمبلی کی سٹینڈنگ کمیٹی برائے خزانہ، ریونیو، شماریات، نجکاری کے چیئرمین قیصر احمد شیخ اور کوریا کے نئے سفیر سو وونگ لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ دے رہے ہیں۔ تصویر میں قائمہ کمیٹی کے ارکان، سیاسی زعما بھی نظر آرہے ہیں

فروری 1983ء فلپائین کے دارالحکومت منیلا میں مصنف کا پریس فاؤنڈیشن آف ایشیا ریڈیو نیدرلینڈ کمیونیکشن فاؤنڈیشن آف ایشیا کی فیلوشپ کرنے والے ایشیائی ممالک کے صحافیوں کے ساتھ گروپ فوٹو

Scanned with CamScanner

وزیراعظم شاہد خاقان عباسی اسلام آباد انٹرنیشنل ائیرپورٹ پر لینڈ کرنے والی پرواز پی کے 300 کے ساتھ [illegible] کے ساتھ

مسافروں کو واک [illegible] ٹرمینل میں آتا دیکھ رہے ہیں، گورنر رفیق رجوانہ، احسن اقبال، ظفر [illegible] اور [illegible] اور جنگ گروپ کے [illegible] بھی موجود ہیں

یکم مئی 2018ء وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی اسلام آباد انٹرنیشنل ائرپورٹ کے افتتاح کیلئے آنے کے بعد حنیف خالد سے گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے، وفاقی ایڈوائزر مہتاب احمد خان، کے پی کے اور پنجاب کے گورنرز بھی موجود ہیں

یکم مئی 2018ء، اسلام آباد انٹرنیشنل ائرپورٹ کے افتتاح سے پہلے وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی، وفاقی مشیر ایوی ایشن مہتاب احمد خان گورنر پنجاب رفیق رجوانہ اور جنگ گروپ کے سینئر صحافی حنیف خالد ائرپورٹ کے انٹرنیشنل ڈیپارچر لاؤنج کا معائنہ کر رہے ہیں

راولپنڈی کالج آف کامرس کی سالانہ تقریب سے مصنف مہمان خصوصی کی حیثیت سے خطاب کر رہے ہیں

راولپنڈی کالج آف کامرس کے سالانہ اسپورٹس گالا 2011 میں مصنف طلباء وطالبات سے خطاب کر رہے ہیں

Scanned with CamScanner

شادی میں مصنف کے ساتھ معروف ایٹمی سائنسدان شاہین میزائلوں کی سیریز کے خالق ڈاکٹر ثمر مبارک مند، سابق ڈائریکٹر جنرل
آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل حمید گل، چیئرمین ایف پی آر عبداللہ یوسف اور چوہدری غلام محمد

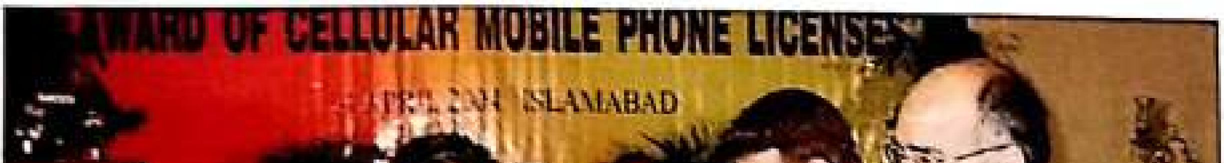

اسلام آباد، پی ٹی اے کی جانب سے سیلولر موبائل فون لائسنسوں کے اجراء کیلئے ریذیڈنٹ ایڈیٹر جنگ سے چیئرمین شہزادہ عالم
نے قرعہ اندازی کرائی، مصنف 2004 میں ایوارڈ آف سیلولر موبائل فون لائسنس خوش قسمت ادارے کا اعلان کر رہے ہیں

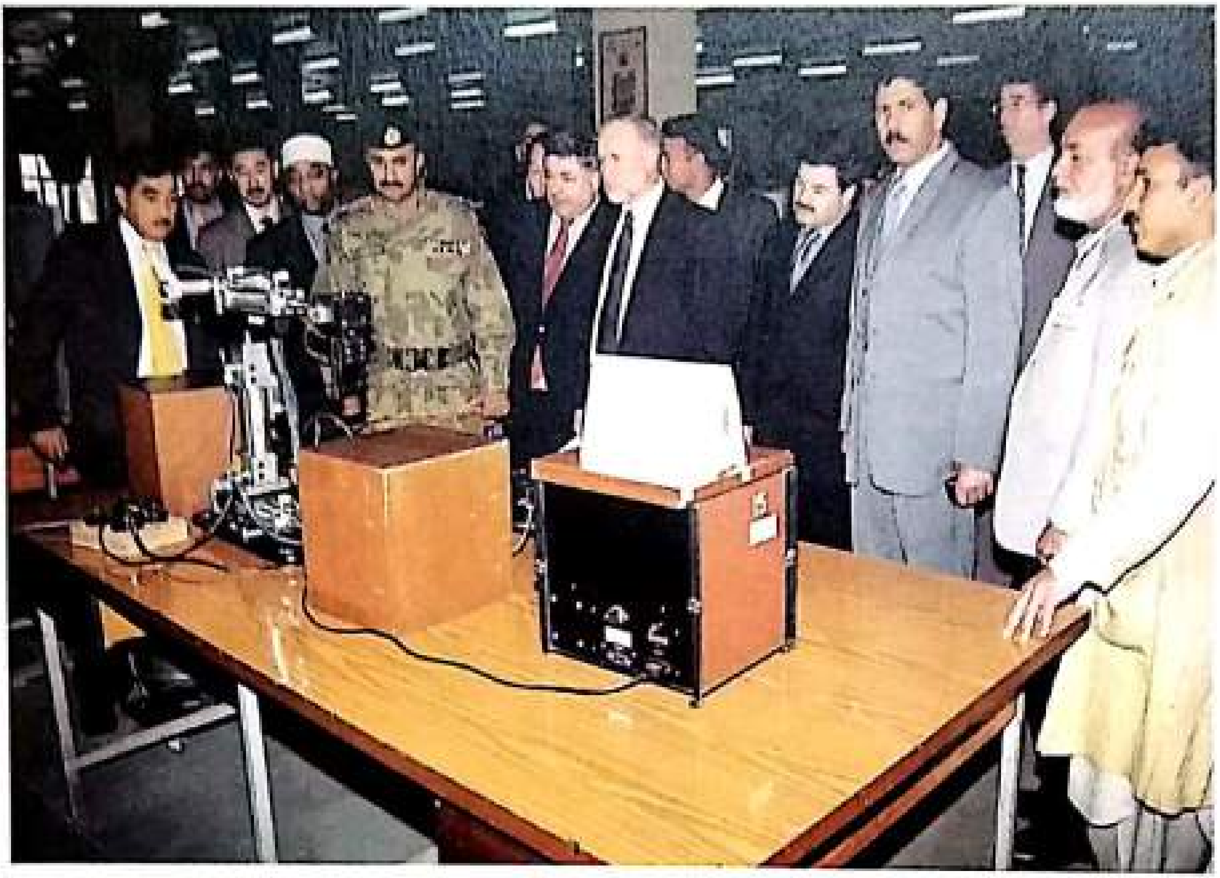

پی او ایف واہ میں مصنف اور ان کے رفقا کو جدید ہتھیار دکھائے جا رہے ہیں

اسلام آباد، شکر پڑیاں پہاڑی پر لیڈی ڈیانہ مخصوص مسکراہٹ کیساتھ مصنف کی بیٹی نائیلہ سے خوش گپیوں میں مصروف ہیں
سیدہ عابدہ حسین وزیر اطلاعات لیڈی ڈیانہ کی وزیر مہمانداری تھیں

امام کعبہ اسلام آباد کے دورے کے دوران مصنف اوران کے دوبیٹوں سہیل خالد اور پروفیسر ڈاکٹر شہزاد خالد کے ساتھ

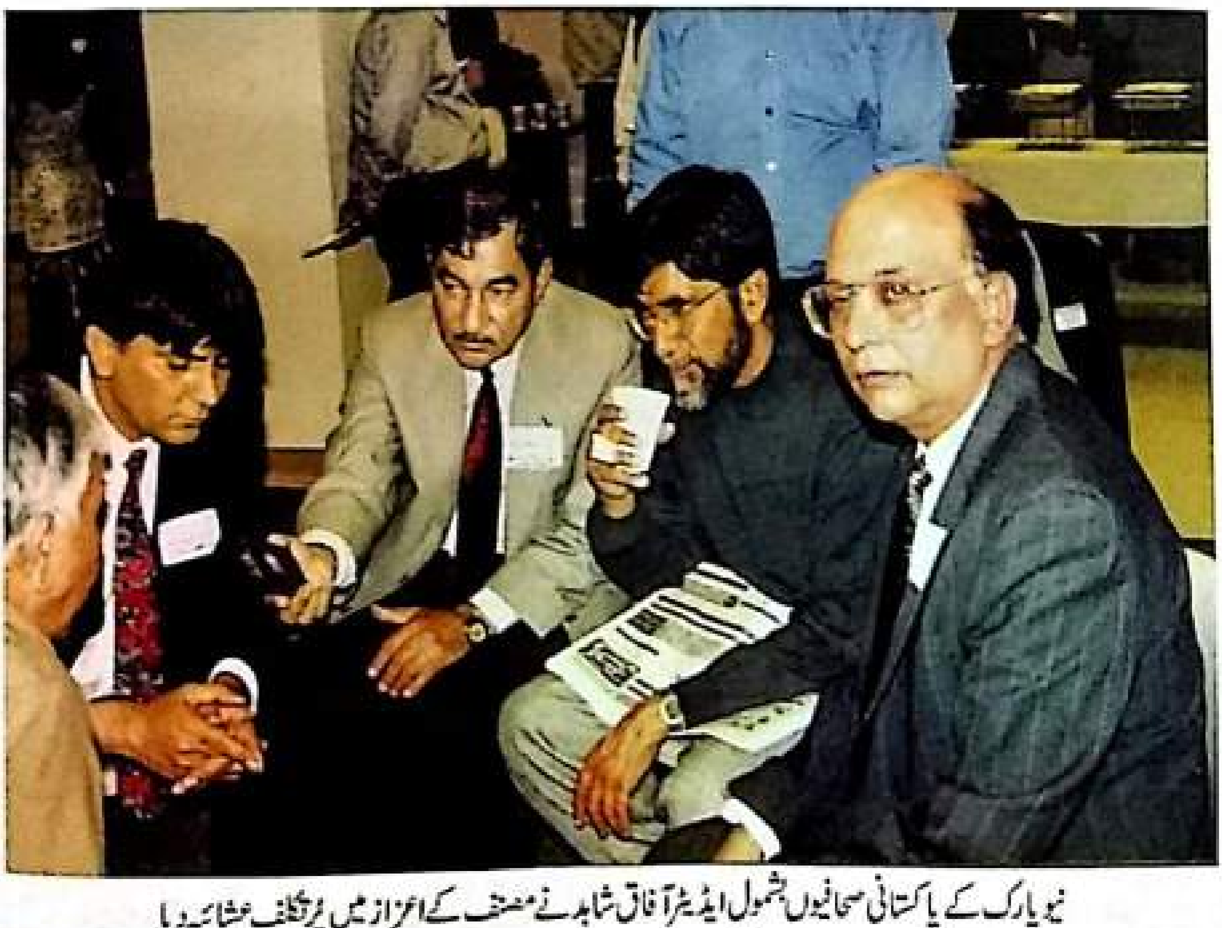

نیویارک کے پاکستانی صحافیوں بشمول ایڈیٹر آفاق شاہد نے مصنف کے اعزاز میں پرتکلف عشائیہ دیا
عشائیے سے قبل مصنف سے سوال وجواب کا سلسلہ ہوا

Scanned with CamScanner

چیئرمین فرانس کے دورے کے دوران ایفل ٹاور
کے سامنے مصنف اور ان کے رفقاء کی یادگار تصویر

ہانگ کانگ میں بودھ مت کی مذہبی عمارت اور بودھا کے دیوہیکل
مجسمے کے سامنے مصنف سمیت پاکستانی وفد کا گروپ فوٹو

ہانگ کانگ ، بودھ مت کی مذہبی عبادت گاہ کے سامنے مصنف اپنے دورے کو کیمرے سے یادگار بناتے ہوئے

اہرام مصر کے سامنے مصنف کا کیمرے کیلئے خصوصی پوز

قاہرہ، اہرام مصر پر مصنف اور پاکستانی صحافیوں کا گروپ فوٹو

Scanned with CamScanner

آگرہ مذاکرات سے پہلے موریہ شیراٹن نئی دہلی کے سبزہ زار پر مصنف فوٹوگرافر کو پوز دیتے ہوئے

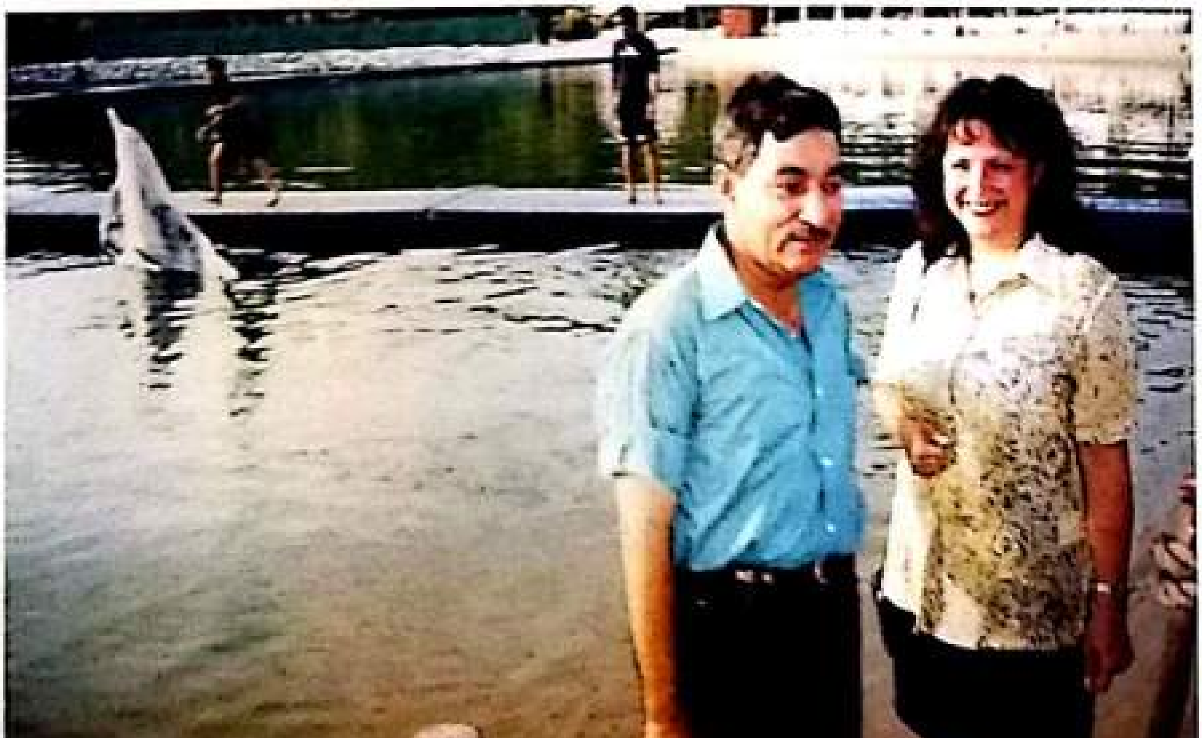

سنگاپور کے دورے کے دوران مصنف سوئس ڈیلیگیٹ کے ہمراہ سینٹوسا تفریح پارک میں ڈولفن کے
کرتب دیکھنے کے بعد کیمرے کو پوز دیتے ہوئے

اسلام آباد، ایوان صدر جنرل پرویز مشرف 2005 میں حنیف خالد کو تمغہ امتیاز عطا کر رہے ہیں

اقوام متحدہ کے انڈر سیکرٹری جنرل کورڈو یز سوویت یونین کے افغانستان پر فوجی قبضے کے دوران موسم سرما کی شدید سرد رات تین بجے وی آئی پی لاؤنج اسلام آباد میں مصنف کے سوالوں کا جواب دے رہے ہیں

Scanned with CamScanner

ہانگ کانگ کی فضائی کمپنی کیتھی پیسیفک سے لیز پر تین جمبو جیٹ اس وقت کے چیئرمین پی آئی اے
شاہد خاقان عباسی کے ڈائریکٹر عامر ریاض اور مصنف کا جدید طیارے کے ساتھ فوٹو

ملائیشیا، کوالالمپور ٹوئن ٹاورز کے سامنے ہوٹل کی 30 ویں منزل سے لی گئی مصنف کی پی ایم وفد کے دو ارکان کے ساتھ تصویر

Scanned with CamScanner

1975 لندن میں فیسٹیول آف اسلام کے موقع پر مصنف لندن ہوٹل میں محترم زاہد ملک کے کہنے پر
وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات مولانا کوثر نیازی کا انٹرویو لے رہے ہیں

کابل میں مصنف معروف افغان رہنما گلبدین حکمت یار کے انٹرویو کے بعد مصافحہ کرتے ہوئے

Scanned with CamScanner

بھٹو دور میں تربیلا ڈیم کی سرنگوں میں پڑنے والے کریک دیکھنے تربیلا کا معائنہ کرنے والے
وفاقی دارالحکومت کے مصنف سمیت صحافیوں کا گروپ فوٹو

پاک چین بارڈر کھولے جانے کی تقریب میں شامل دارالحکومت کے مصنف سمیت صحافیوں کا خنجراب کے مقام پر گروپ فوٹو

جنگ گروپ کے زیر اہتمام کلچرل شو سے خطاب کرتے ہوئے

اسلام آباد پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کے ایک کلیدی کردار چیئرمین ایٹمی توانائی کمیشن ڈاکٹر اشفاق احمد مصنف کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے

Scanned with CamScanner

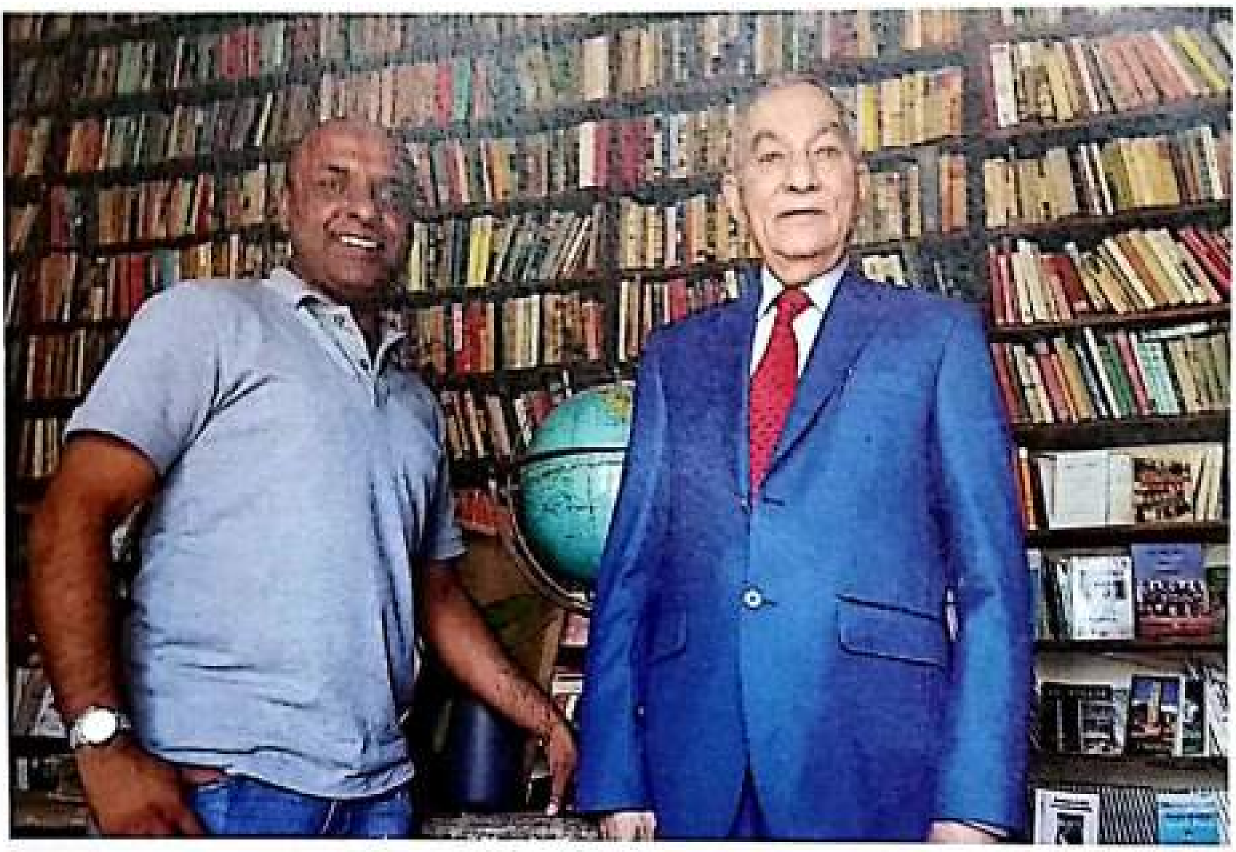

صدارتی محل میں 18 جولائی 2018 کو شمالی قبرص کے صدر مصطفےٰ آکنسی کی بریفنگ کے بعد قبرص کی تاریخ کی
سب سے پرانی بک شاپ میں مصنف انٹرنیشنل میڈیا کے دوسرے ممبر کے ساتھ

بحریہ ٹاؤن ہسپتال راولپنڈی کی افتتاحی تقریب میں مصنف چیئرمین ملک ریاض حسین، ڈاکٹر اے کیو خان
اور دوسرے مہمانوں کے ساتھ بیٹھے ہیں

Scanned with CamScanner

بحریہ ہسپتال راولپنڈی کے افتتاح کی تقریب میں معروف ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر اے کیو خان اور مصنف حنیف خالد بیٹھے ہیں

راولپنڈی، اگست 1988 سانحہ بہاولپور سے ایک ہفتہ قبل بانی ادارہ جنگ میر خلیل الرحمٰن اور ان کی ٹیم کو صدر جنرل ضیاء الحق نے انٹرویو دیا جس کے بعد گروپ فوٹو بنا۔ شہید صدر کے بائیں میر خلیل الرحمٰن، حنیف خالد وزیر اطلاعات الٰہی بخش سومرو بائیں جانب میر جاوید رحمٰن پی آئی او اے سائیل پٹیل ہیں

وزیراعظم میر ظفر اللہ جمالی کے ساتھ سوئٹزر لینڈ سے خصوصی پرواز میں مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد روضہ رسول کے ساتھ مصنف وطن عزیز کی خوشحالی کیلئے دعا کرتے ہوئے

مسجد نبوی، روضہ رسولؐ پر مصنف وزیراعظم نواز شریف کے ساتھ الصلوٰۃ والاسلام پڑھتے ہوئے

Scanned with CamScanner

بالاکوٹ ہوٹل کی چھت پر مصنف دریائے کنہار کے کنارے

مصنف چین کے ایک تفریحی مقام سے دلکش منظر سے محظوظ ہوتے ہوئے

Scanned with CamScanner

اسلام آباد، شادی کی تقریب میں بیگم میر خلیل الرحمٰن ان کی صاحبزادی محترمہ فریدہ حسن
مسز شاہینہ شکیل کے ساتھ مصنف اپنی اہلیہ کے ہمراہ

اسلام آباد، مصنف کی صاحبزادی کی شادی میں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو تقریباً چار گھنٹے رہیں مصنف سے
وزیر اعظم صاحبہ خوشگوار موڈ میں بات چیت کر رہی ہیں

Scanned with CamScanner

مصنف کی صاحبزادی کی شادی میں شرکت کے دوران مصنف وزیر اعظم شوکت عزیز اور مسلم لیگی رہنما نثار احمد نثار

وزیر اعظم شوکت عزیز سن دو ہزار میں میریٹ اسلام آباد میں مصنف کی بیٹی کی شادی کے موقع پر مصنف
اور ان کی دونوں بیٹیوں کے ساتھ مریم اور سہیل خالد بھی موجود ہیں

Scanned with CamScanner

اسلام آباد، 1970 جنگ راولپنڈی کے سٹاف رپورٹرز ذیو خان کی شادی کے موقع پر لی گئی یادگار تصویر
جنگ گروپ کے چیئرمین میر جاوید رحمٰن، شورش ملک، مصنف، اصغر بخاری، اقبال بٹ نمایاں ہیں

صدر ضیاء الحق نے سائیکل پر یہ سفر کی حوصلہ افزائی کیلئے راولپنڈی صدر سے چوک بنی تک سائیکل خود چلایا ان کے رفقا بھی سائیکلوں پر تھے، ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹرز ہسپتال راولپنڈی میں صدر ضیاء الحق میڈیکل سپرنٹنڈنٹ سے خصوصی گفتگو کی، مصنف رپورٹنگ کرتے ہوئے بنی چوک پہنچتے ہی یہ افواہ پھیل گئی کہ امریکہ نے خانہ کعبہ پر قبضہ کر لیا ہے جو غلط ثابت ہوئی مگر سائیکل جلوس کے شرکاء نے احتجاج کرنے امریکی سفارتخانے پہنچے اور اسے سخت نقصان پہنچایا امریکی سکیورٹی گارڈز کی فائرنگ سے متعدد مظاہرین جاں بحق ہو گئے اور سفارتی عملہ اگلی ہی صبح خصوصی پرواز سے امریکہ پہنچ گیا

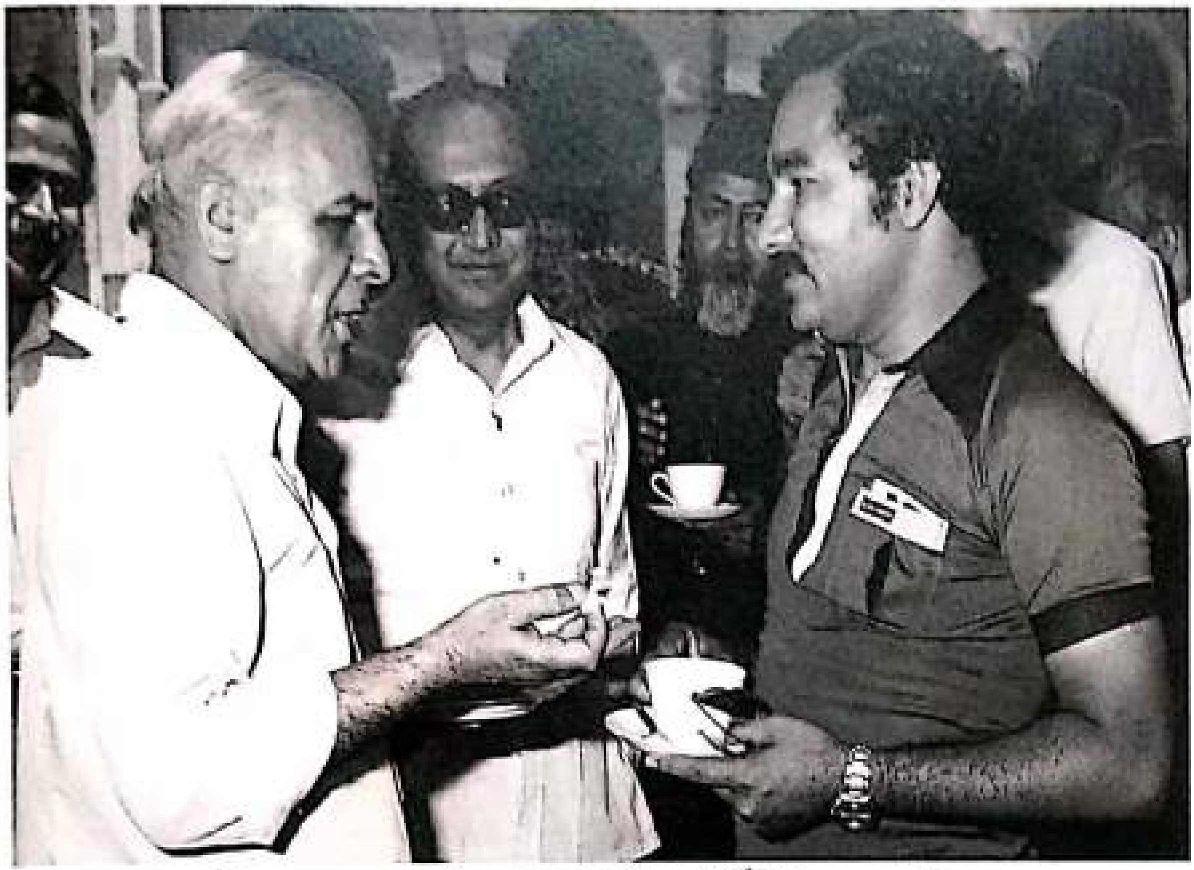

1985 میں وزارت دفاع کے سیکرٹری جنرل لیفٹیننٹ جنرل جیلانی گورنر پنجاب نامزد ہونے کے
بعد وزارت دفاع راولپنڈی کے سبزہ زار پر مصنف سے محوگفتگو ہیں

مصنف اسلام آباد میں برصغیر کے معروف عالم دین مولانا ظفر احمد انصاری کا انٹرویو کر رہے ہیں
صدر ضیاء الحق نے آئین میں اسلامی ترامیم کیلئے مولانا ظفر احمد انصاری کی سربراہی میں انصاری کمیشن قائم کی، اسلامی نظریاتی کونسل کے بانی چیئرمین مولانا ظفر احمد انصاری اسلامی شریعت پر عبور رکھتے تھے، وہ مجلس شوریٰ کے ممبر رہے، آل انڈیا مسلم لیگ کے جوائنٹ سیکرٹری ہونے کے ناطے قائداعظم کے رفقاء میں شامل تھے، وہ 1970 میں قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، 1973 کے آئین کی تشکیل میں متحرک فعال کردار ادا کیا

گورنمنٹ ویمن کالج راولپنڈی کی پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر فریحہ نگہت انعام تقسیم کرنے پر مصنف کو سوونیئر دے رہی ہیں

گورنمنٹ وقارالنساء پوسٹ گریجویٹ کالج راولپنڈی کی تقریب میں مصنف انعام دینے کے بعد انعام یافتہ طالبات
پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر سائرہ مفتی، ڈاکٹر جمال ناصر، پروفیسر فریحہ نگہت کے ساتھ

Scanned with CamScanner

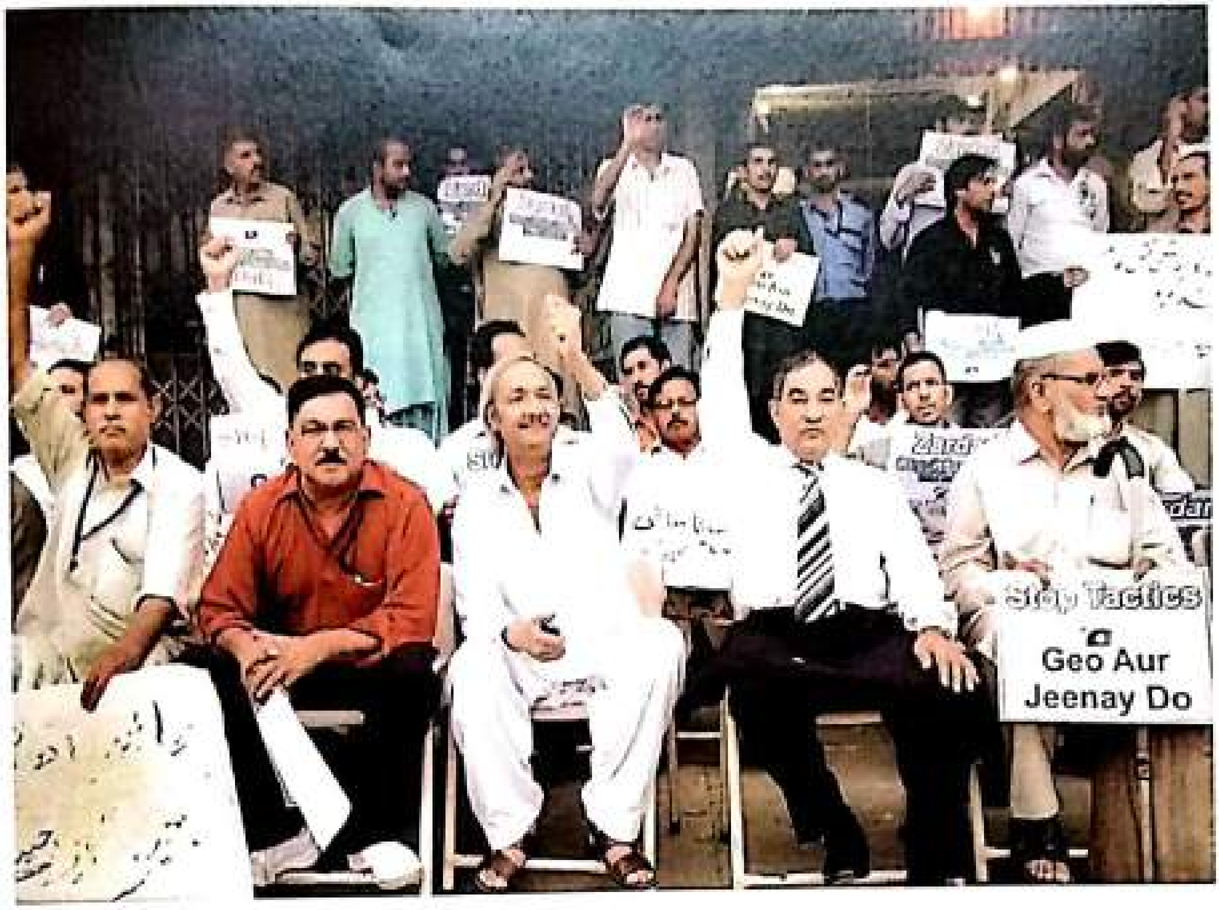

راولپنڈی، جیو اور جینے دو کے موضوع میں مظاہرے میں مصنف پیش پیش ہیں، شمس رضوی، راجہ حنیف، محمد سلیم بھی موجود ہیں

جنگ کے سابق گروپ ایڈیٹر محمود شام کے اعزاز میں مصنف بطور ریذیڈنٹ ایڈیٹر جنگ
راولپنڈی عشائیہ ترتیب دیا اس موقع پر لیا گیا گروپ فوٹو

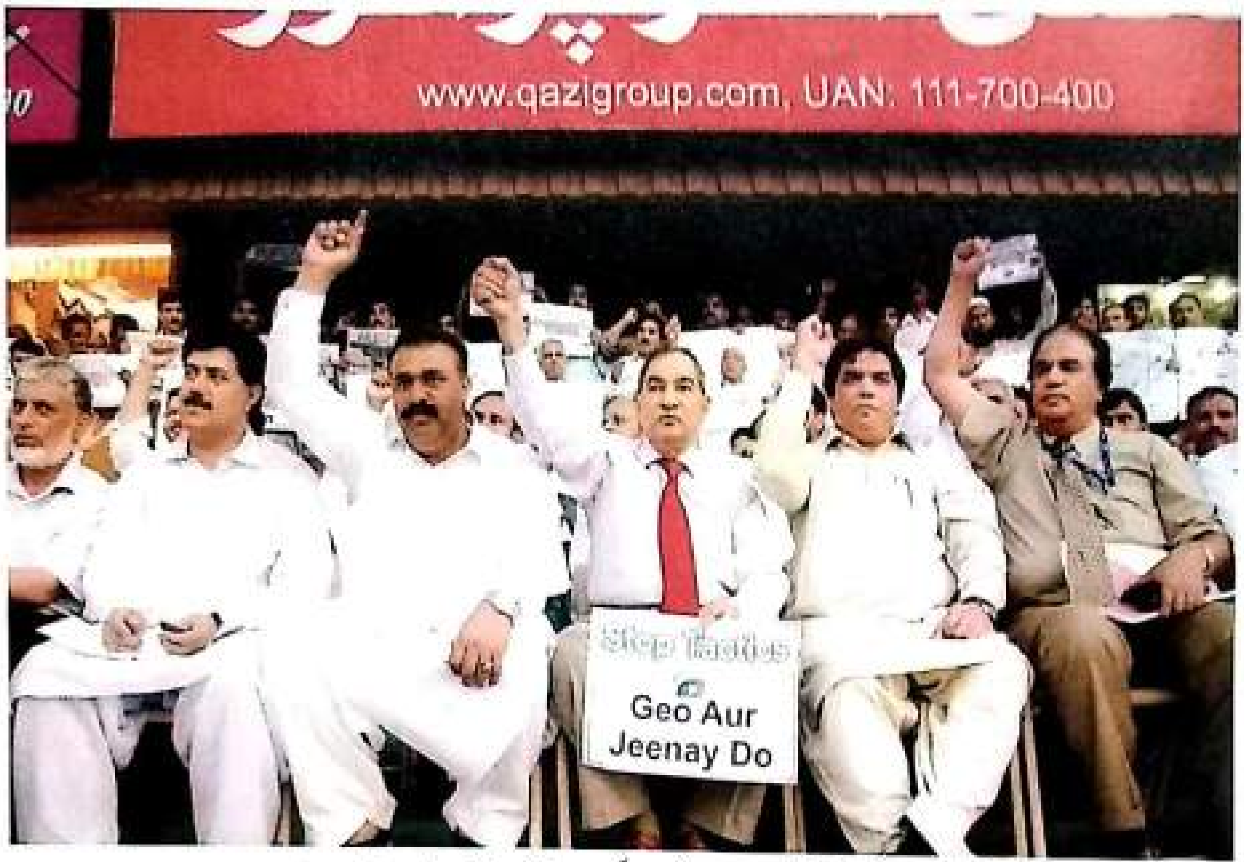

جیو گروپ کی بندش کے خلاف جنگ جیو گروپ کے احتجاجی مظاہرہ میں مصنف
سابق ایم این اے حنیف عباسی اور دوسرے مہمان موجود ہیں

جیو گروپ کی بندش کے خلاف جنگ جیو گروپ کے احتجاجی مظاہرہ میں مصنف
سابق ایم این اے حنیف عباسی اور دوسرے مہمان موجود ہیں

Scanned with CamScanner

چٹیاں ہٹیاں راولپنڈی کے غریب علاقے کے لوگوں سے ملنے کے بعد صدر ضیاء الحق اکٹھا
ہونے والے ہجوم سے مخاطب ہیں مصنف رپورٹنگ کرتے ہوئے نیچے موجود ہیں

ضیاء دور کی جنگی مشقوں ضرب مومن کے موقع پر سرگودھا ائیر بیس پر پی اے ایف کے ہتھیاروں کا مصنف سمیت صحافیوں کا وفد

Scanned with CamScanner

میدان عرفات مصنف دوسرے حاجی بھائیوں کے ساتھ دعائے بخشش کرتے ہوئے

اسلام آباد، گورنر خیبر پختونخوا اویس غنی، مصنف اور سعودی سفیر مقام مقدسہ کی توسیع کی بریفنگ دے رہے ہیں

Scanned with CamScanner

اسلام آباد، سعودی عہدیدار سے مصنف انٹرویو کر رہے ہیں

متحدہ عرب امارات کے پرنس اور پی ٹی سی ایل کے مالک نے مصنف کو خصوصی طور پر اپنے شاہی ڈنر میں مدعو کیا

Scanned with CamScanner

سعودی سفیر اسلام آباد کے سفارتخانے میں مصنف سے ملتے ہوئے کیمرہ مین کیلئے خصوصی پوز دیتے ہوئے

وفاقی دارالحکومت کے صحافیوں کا وفد کراچی میں قائداعظم کے مزار کے احاطے میں واقع پاکستان کے پہلے شہید وزیراعظم خان لیاقت علی خان کی قبر پر مصنف کے ہمراہ فاتحہ خوانی کر رہا ہے

Scanned with CamScanner

اسلام آباد، فرسٹ لیڈی آف پاکستان بیگم نصرت بھٹو خوشگوار موڈ میں مصنف کو انٹرویو دیتے ہوئے

پاکستان ایئر فورس کے پہلے کمانڈر انچیف ایئر مارشل اصغر خان کا مصنف ان کی اسلام آباد رہائش گاہ پر انٹرویو کرتے ہوئے

Scanned with CamScanner

اسلام آباد برطانوی سفارتخانے میں مصنف نے برطانیہ کی پہلی پاکستانی نژاد وزیر
سعیدہ وارثی کا انٹرویو لیا جس کے بعد دونوں نے فوٹوگرافر کیلئے خصوصی پوز دیا

راولپنڈی، انٹرویو کے بعد معروف گلوکارہ ناہید اختر
اور مصنف کیمرے کے لئے پوز دیتے ہوئے

قیوم مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری نثار احمد نثار جنگ آفس میں مصنف کو انٹرویو دیتے ہوئے

Scanned with CamScanner

خنجراب پاس جاتے ہوئے شاہراہ قراقرم بنانے والے پاک چین شہداء کی یادگار کے سامنے مصنف اور وفد کا گروپ فوٹو

زمبابوے سفاری پارک کے اندر مصنف کی تصویر پس منظر میں زیبرا جنگل سے گزر رہے ہیں

Scanned with CamScanner

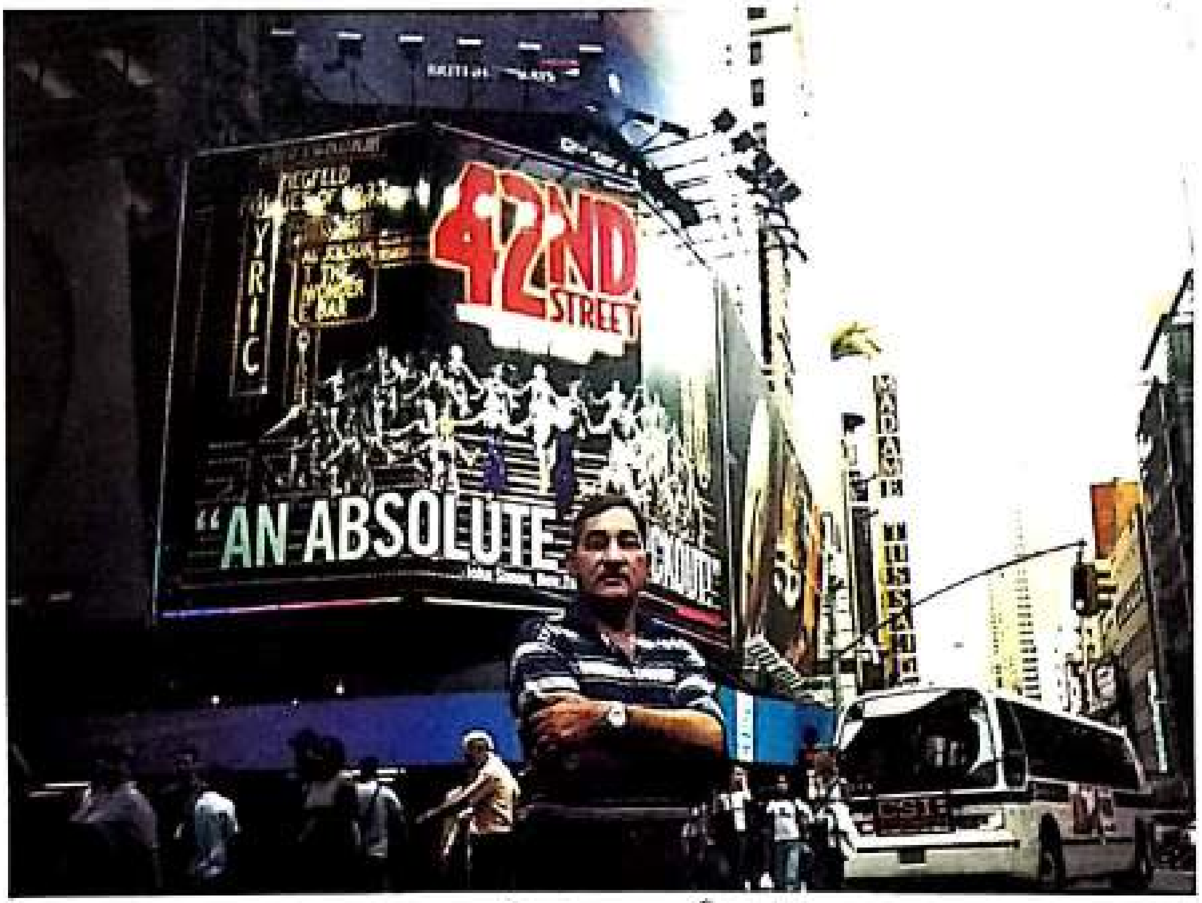

ٹائم اسکوائر واشنگٹن میں مصنف کی لی گئی یادگار تصویر

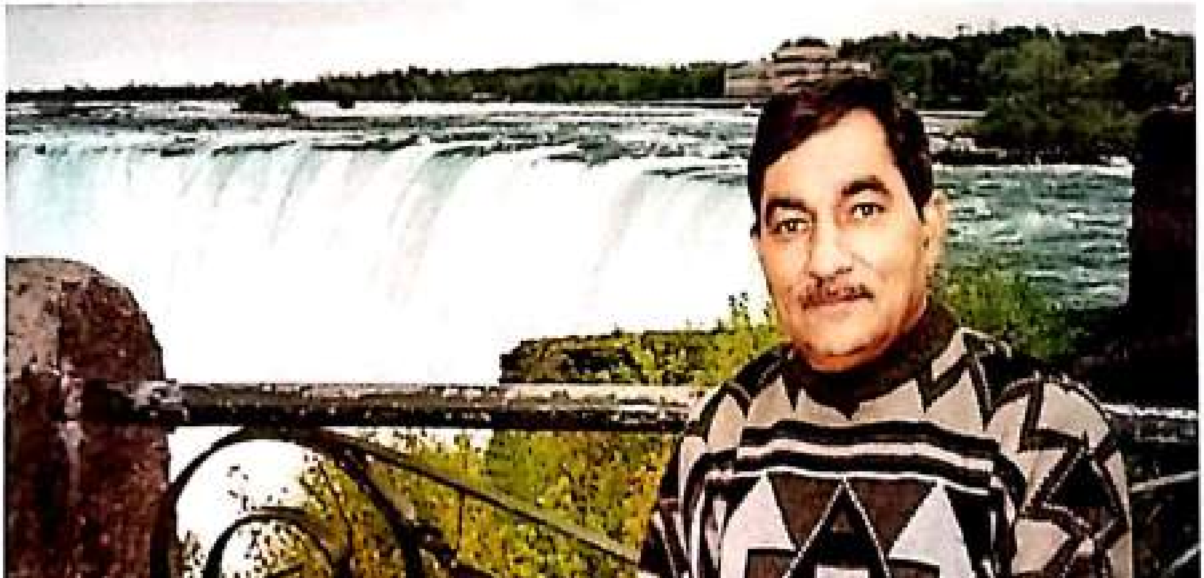

نیاگرہ آبشار کے کینیڈین سائیڈ پر مصنف کی یادگار تصویر آبشار کے دوسری طرف امریکہ ہے

Scanned with CamScanner

مسقط، سلطنت عمان کے حکمران کی طرف سے دیے گئے ڈنر میں مصنف کا حکام میزبان خیر مقدم کرتے ہوئے

ساحل سلطنت عمان پر مصنف کا کیمرے کے لئے خصوصی پوز

Scanned with CamScanner

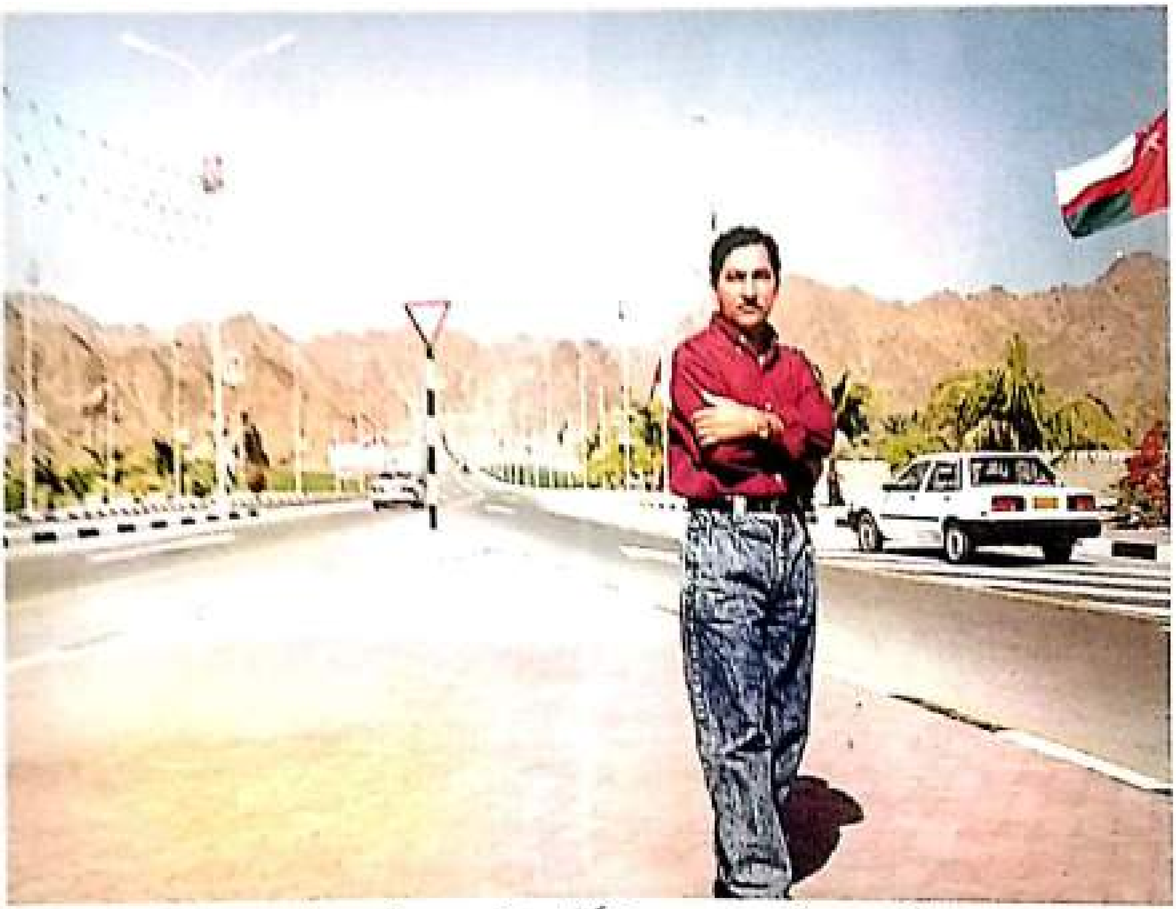

سلطنت عمان کے دارالحکومت مسقط کی شاہراہ پر مصنف کی پرکشش بیک گراؤنڈ میں تصویر، عمانی قومی پرچم بھی نظر آرہا ہے

افریقی ملک زمبابوے کے جنگل میں اشرف ہاشمی، انور محمود قمر اور مصنف

منیلا کے قریب مصنف اور ملائیشیا کے مندوب
فرانسس سیاہ اور سوں کے معلق پل سے گزر رہے ہیں

گنزا آف جاپان ٹوکیو کے پرہجوم علاقے میں
پاکستانی بزنس مین چوہدری اشرف اور مصنف

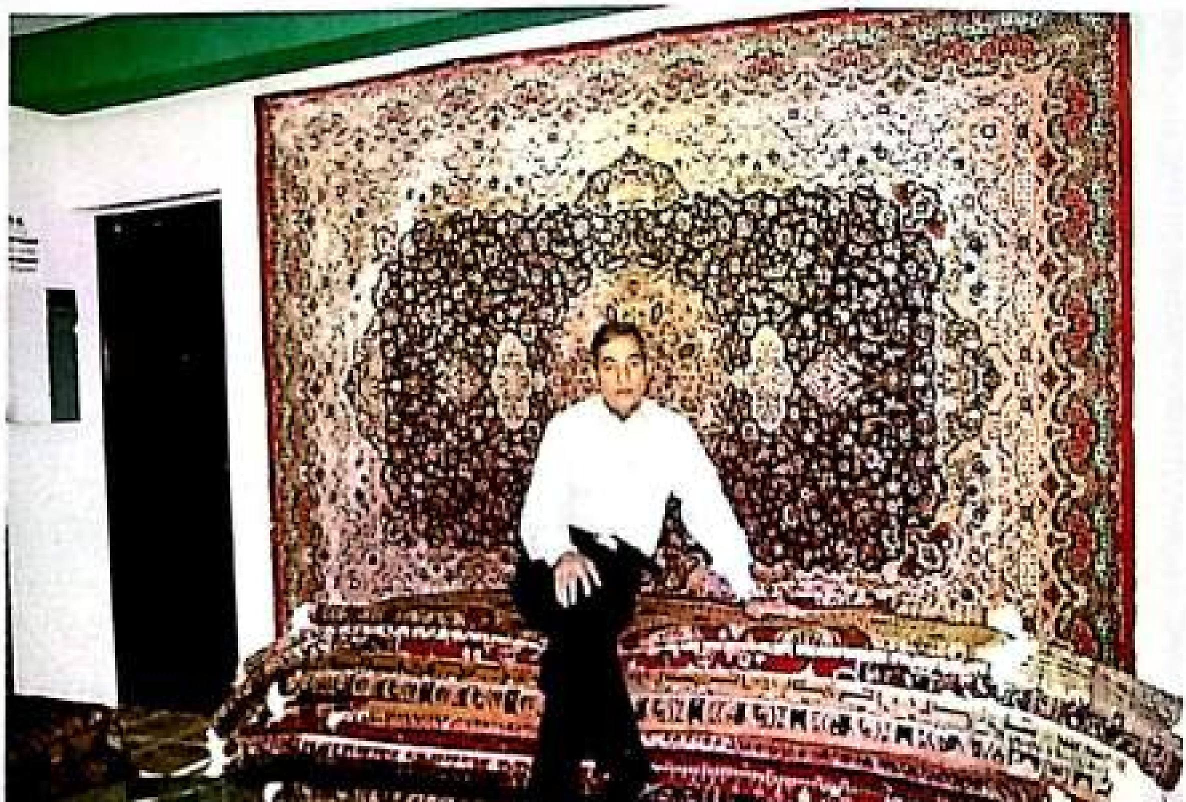

ٹوکیو، پاکستانی بزنس مین چوہدری اشرف کے قالینوں کے ایمپوریم میں مصنف کی تصویر

Scanned with CamScanner

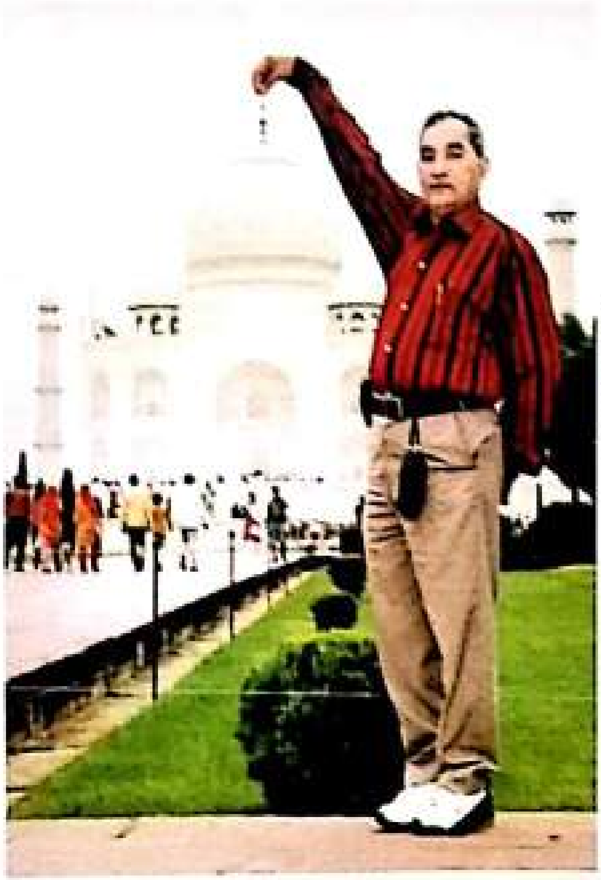

تاج محل آگرہ میں مصنف کی ایک یادگار تصویر

آگرہ مذاکرات کے موقع پر مصنف کا پاکستان کے
سینئر صحافیوں فصیح اقبال، سردار خان نیازی کے ساتھ
تاج محل کے لورز سپاٹ سے لیا گیا گروپ فوٹو

تاج محل آگرہ کے دورے کے دوران مصنف کا پاکستانی صحافیوں کے ساتھ گروپ فوٹو

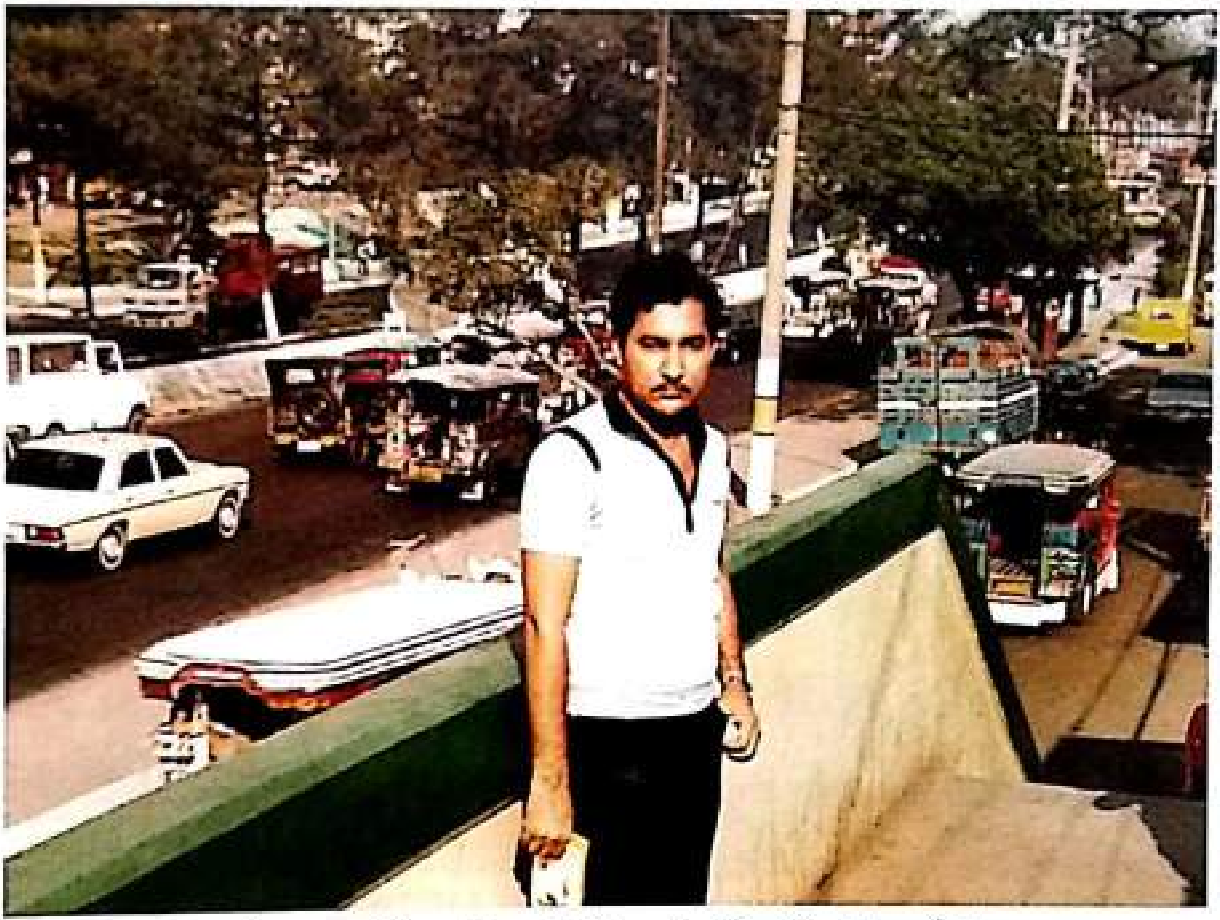

مصنف منیلا کی سانتا شاہراہ کو کراس کرتے ہوئے جیپنی (جیپ) گاڑیوں کو گزرنے کا منظر کھڑا ہے

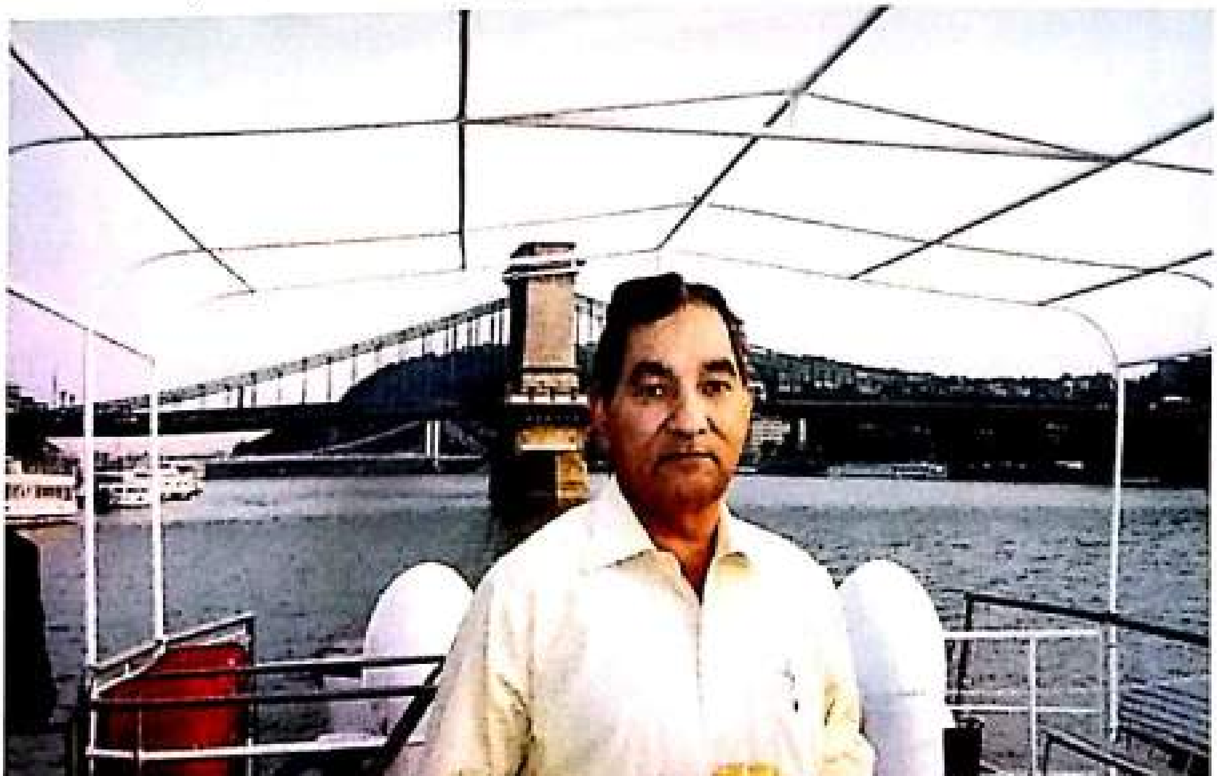

ہنگری، دریائے ڈینیوب میں کروز کے دوران مصنف بحری لانچ پر عقب میں معلق پل سے گاڑیاں گزر رہی ہیں
یہ دریا نصف یورپ سے گزرتا ہے

Scanned with CamScanner

مصنف امریکی عہدیدار سے یو این میں انٹرویو کرتے ہوئے

وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی مصنف کے ساتھ حساس معاملے پر محو گفتگو ہیں

میڈیا ٹاؤن راولپنڈی کے دورے کے دوران مصنف اور وزیر اعلیٰ شہباز شریف دیگر کے ہمراہ

Scanned with CamScanner

اسلام آباد، مصنف ٹیبل ٹینس ٹورنامنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے، شکیل شیخ اور عبدالمالک بھی موجود ہیں

راولپنڈی آرٹس کونسل امجد حسین کی تصویروں کی نمائش کی افتتاحی تقریب سے ریذیڈنٹ ایڈیٹر روزنامہ جنگ حنیف خالد خطاب کر رہے ہیں، وفاقی وزیر اطلاعات قمر زمان کائرہ وفاقی وزیر چوہدری فضل بھی موجود ہیں

Scanned with CamScanner

وزیر اعظم نواز شریف مصنف کی والدہ کے انتقال پر مصنف کی رہائش گاہ پر فاتحہ خوانی کیلئے آئے مصنف
فضل الرحمٰن ملک، حاجی حمید بھی موجود ہیں

صدر آزاد کشمیر عبدالقیوم خان، وفاقی وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق عسکری عہدیدار مصنف کے
والد مرحوم کی وفات پر فاتحہ خوانی کرتے ہوئے

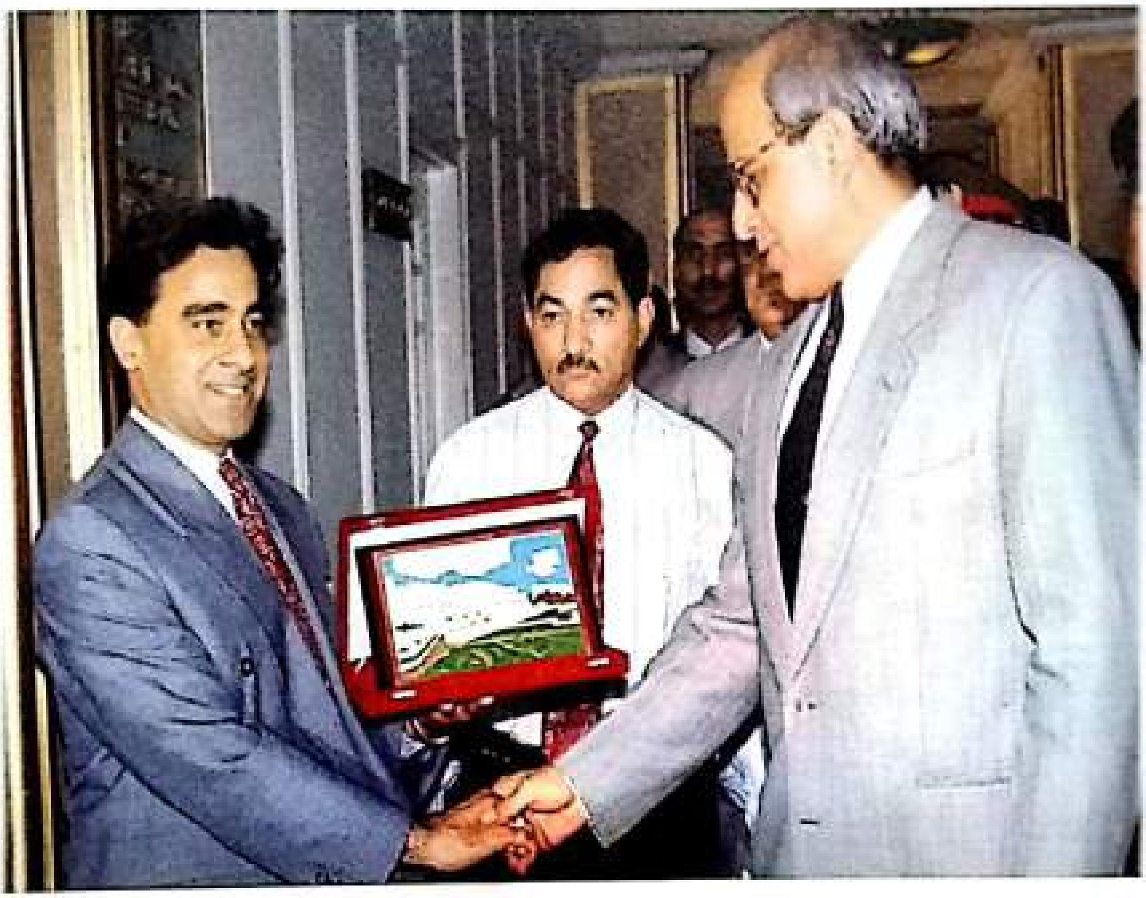

صدر فاروق لغاری مصنف سمیت صحافیوں کو شیلڈز دے رہے ہیں

علم الانسان ما لم يعلم

TAUGHT MAN THAT WHICH HE KNEW NOT

Seeing Beyond Perceptions

PAKISTAN

The National Defence University Islamabad, Pakistan

Awards This Certificate To

Mr. Hanif Khalid

On Successful Completion of

The National Media Workshop - 2 held from 17-22 November 2008

Major General Azhar Ali Shah
Director General
Institute for Strategic Studies; Research and Analysis

Lieutenant General Mohammed Hamid Khan
President
National Defence University

اسلام آباد نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی اسلام آباد میں نومبر 2008 میں مصنف کو نیشنل میڈیا ورکشاپ کی کامیاب تکمیل پر
لیفٹیننٹ جنرل محمد حامد خان صدر نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی کی طرف سے خصوصی سند عطا کی گئی

Scanned with CamScanner

ERRA

Certificate of Commendation

"Earthquake Reconstruction and Rehabilitation Authority"
presents this certificate of commendation to

Haneef Khalid Daily Jang

In recognition of extending remarkable cooperation towards the rehabilitation of the earthquake affected people of Pakistan

ERRA

Deputy Chairman, ERRA
(Lt Gen Nadeem Ahmad)

Date ________

لیفٹیننٹ جنرل ندیم احمد ڈپٹی چیئرمین ای آر آر اے نے اکتوبر 2005 کے قیامت خیز زلزلہ میں
انسانی ہمدردی کی خدمات کے اعتراف کے طور پر تعریفی سند عطا کی

This is to certify that

Hanif Khalid

has completed the
Asian Workshop for Journalists
on Reporting Rural Development
at the CFA Training Centre
in Manila, Philippines
from January 31 to February 25, 1983.

Radio Nederland Training Centre

Communication Foundation for Asia

Press Foundation of Asia

منیلا فلپائن میں مصنف کو فروری 1983 میں ریڈیو نیدرلینڈ، پریس فاؤنڈیشن آف ایشیا
کمیونیکیشن فاؤنڈیشن آف ایشیا کی فیلوشپ کرنے پر دیا گیا سرٹیفکیٹ

Scanned with CamScanner

JAPAN INTERNATIONAL JOURNALIST ASSOCIATION
日本 インターナショナルジャーナリスト 協会
代表 中川 ナセル PRESIDENT NASIR NAKAGAWA

JIJA

Honour to give the

Certificate of Appreciation

to

MR. HANIF KHALID

for

your services in the field of journalism

Presented By
Nasir Nakagwa
President

JAPAN INTERNATIONAL JOURNALIST ASSOCIATION

Issue Date:
Date: 12-Jun-2016

Japan International Press Club
Committed to Freedom of Journalism

CERTIFICATE
OF APPRECIATION

THIS CERTIFICATE IS PROUDLY PRESENTED

MR. HANIF KHALID

IN RECOGNITION OF YOUR GENEROUS CONTRIBUTIONS
AND SUPPORT TO JOURNALISM IN PAKISTAN

IRFAN SIDDIQUI
PRESIDENT

Scanned with CamScanner

Arkansas Traveler

To All Who Shall See These Presents, Greetings:

Know Ye, that the Governor of the State of Arkansas, in the name and by the authority of the people of said State, as vested in him by the Constitution and Laws of the State of Arkansas, reposing special recognition for the distinguished accomplishments, does hereby appoint and commission

Hanif Khalid

as an Arkansas Traveler who is hereby authorized and commissioned to serve as an Ambassador of Good Will from Arkansas to the people of other states, the people of nations beyond the borders of the United States or wherever this Ambassador of Arkansas may hereafter travel or reside.

In Testimony Whereof, I have hereunto set my hand and caused the Great Seal of the State to be affixed at Little Rock, this 30th day of April in the Year of Our Lord, Two thousand.

Sharon Priest
Secretary of State

Governor

Scanned with CamScanner

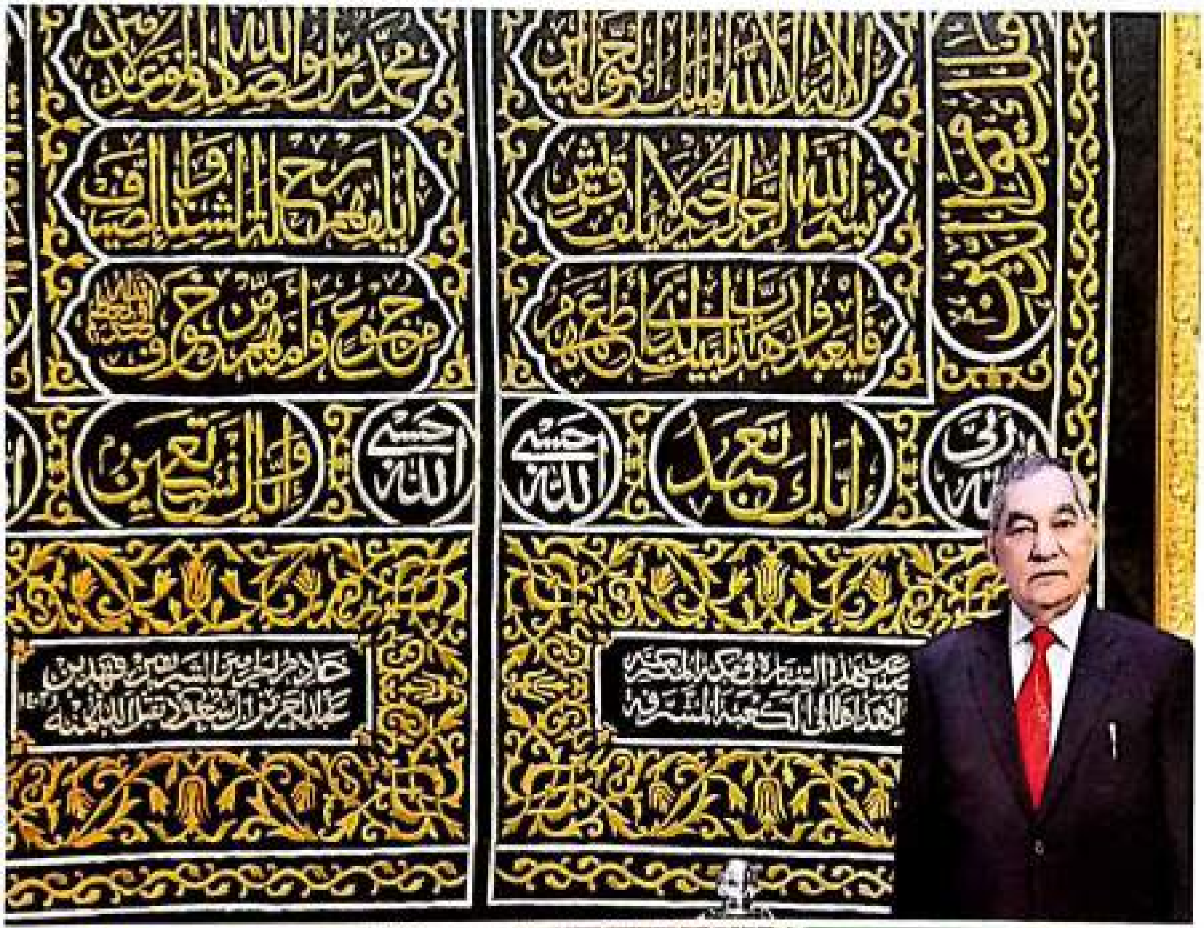

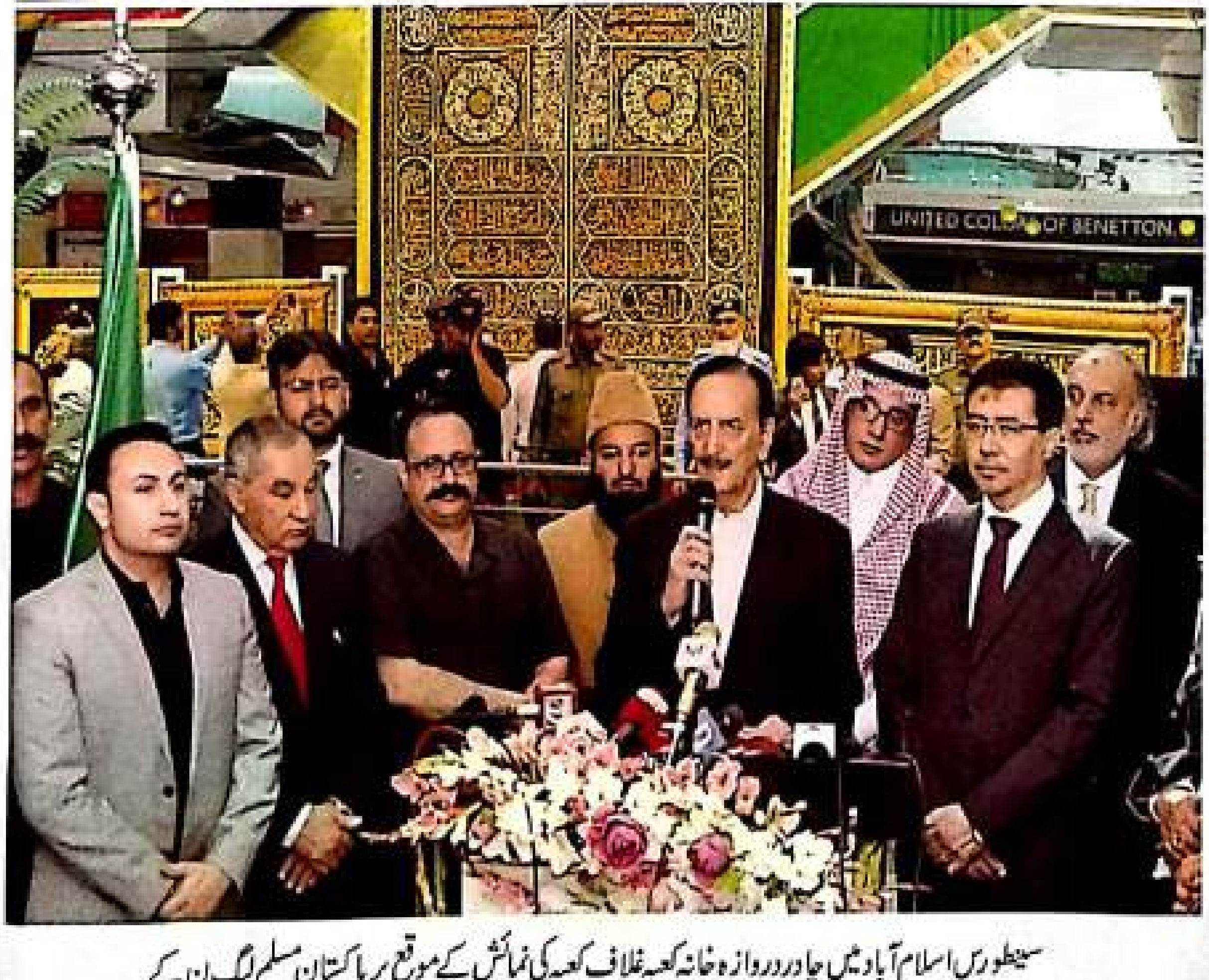

سینٹورس اسلام آباد میں چادر دروازہ خانہ کعبہ غلاف کعبہ کی نمائش کے موقع پر پاکستان مسلم لیگ ن کے چیئرمین راجہ ظفر الحق، سردار تنویر الیاس، حنیف خالد کی موجودگی میں افتتاح کر رہے ہیں

Scanned with CamScanner

میر شکیل الرحمٰن

ایڈیٹر انچیف "جنگ و جیو گروپ"

حنیف خالد "ادارہ جنگ" کے سینئر ترین رکن ہیں۔ وہ بے حد مخلص انتھک اور محنتی انسان ہیں۔ ان کی ہمارے ادارے کے لیے خدمات بے حد گرانقدر اور قابل تحسین ہیں۔ ادارے کے بہترین مفاد میں وہ ہمیشہ اپنی رائے کا دو ٹوک انداز میں اظہار کرنے میں کبھی کسی تامل کا مظاہرہ نہیں کرتے ہیں۔ میں ہمیشہ ان کی صائب رائے کا احترام کرتا ہوں اور ایسا ہی میرے والد محترم میر خلیل الرحمان بانی ایڈیٹر جنگ بھی کرتے تھے۔ 1976ء میں جب حنیف خالد صاحب جنگ لندن میں صحافتی خدمات سرانجام دے رہے تھے اور میں اس وقت لندن میں زیر تعلیم تھا۔ میرے والد صاحب نے صحافت کی شد بد جاننے کے لیے انہیں میرا اتالیق مقرر کیا اور اس موقع پر انہوں نے باقاعدہ مٹھائی تقسیم کروائی اور کچھ عرصہ تک مجھے فن صحافت سے آگاہی کے لیے حنیف خالد کے روبرو زانوئے تلمذ طے کرنا پڑے۔ حنیف خالد کی ہمارے خاندان کے بھی افراد بے حد تعظیم کرتے ہیں اور انہیں اپنے ہی خاندان کا فرد خیال کرتے ہیں کیونکہ وہ عرصہ دراز سے میرے والد والدہ و بہن بھائیوں سبھی کی بے لوث خدمت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ مجھے ان کی سب سے بڑی خوبی جو پسند ہے وہ ان کا بے داغ کردار اور ادارے کے ساتھ بے لوث کمٹمنٹ ہے۔ وہ گذشتہ 48 سال سے ادارے کے ساتھ وابستہ ہیں اور انہوں نے کبھی بھی اس کو چھوڑنے کی بات نہیں کی اور میں ہمیشہ ان کی اس خوبی کا برملا اعتراف کرتا ہوں کہ حنیف خالد ادارے کے بارے میں جو بات بھی کرتے ہیں وہ ہمیشہ سچ ہوتی ہے اور دفتری امور کے متعلق جو کچھ بھی مجھے لکھ کر بھیجتے ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ میرے ساتھ اختلاف رائے کا حق استعمال کرتے ہوئے دفتری معاملات کے متعلق درست حقائق کے متعلق والدہ صاحبہ کو لکھ کر بھجوا دیتے ہیں۔ ان کا مراسلہ پڑھنے کے بعد والدہ محترمہ اکثر میری سرزنش کرتے ہوئے مجھے ان کی تجاویز پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کرتی ہیں۔ میں ان کی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کا بڑا معترف ہوں کیونکہ وہ اپنے قابل اعتماد ذرائع اور بھرپور تحقیق و جستجو کے بعد جو خبر بھی فائل کرتے ہیں اس کی کبھی تردید کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی ہے اور یہی شے ایک پروفیشنل صحافی کے لیے بڑا اعزاز ہوتی ہے۔ میری دعا ہے کہ حنیف خالد صاحب تاحیات ہمارے ادارے سے وابستہ رہ کر اپنی اور ہماری نیک نامی کو چار چاند لگاتے رہیں۔

Scanned with CamScanner